رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ — جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

معارف

مجلس المصنفین دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

جلد بست و پنجم	ماہ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء	عدد ۱

مضامین

شذرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس طرح ہمارا پرانا سال ایک بڑے قومی حادثہ پر یعنی پرانی تعلیم کے ایک بہترین نمونہ (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی) کے دائمی فقدان پر ہوا، اسی طرح ہمارے نئے سال کا آغاز بھی ایک بڑے قومی حادثہ یعنی نئی تعلیم کے ایک بہترین نمونہ (مولوی مظہر الحق صاحب بیرسٹر پٹنہ) کی دائمی جدائی سے ہوا، مولوی مظہر الحق صاحب مرحوم کی قومی و سیاسی حیثیت تو الگ ہے، انکی اخلاقی اور علمی حیثیت بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہیں ہے، وہ فارسی سے واقف عربی سے آشنا، انگریزی کے ادیب و خطیب، اور فلسفہ کے نہایت دقیقہ رس طالب العلم تھے، اُن کے علمی کارناموں کا آغاز افلاطون فانوس کی بحث سے ہوا، الپنچ پٹنہ، اور وقت گورکھپور اُن کے ابتدائی علمی مباحث کے جولانگاہ تھے، اُن کی سب سے آخری علمی تحریر غالباً وہ ہے جو ابھی ابھی پونہ سے شائع ہونے والی انگریزی کی کتاب تصوف و روحانیات پر مقدمہ ہے، وہ نسباً فاروقی تھے، اس لیے اُن کی اخلاقی قوت و جرأت کیا سلطنت اور کیا قوم دونوں کے مقابلہ میں برابر تھی، وہ جسکو حق سمجھتے تھے اُس کے اظہار میں نہ اُن کو سلطنت کی پروا ہوتی تھی، اور نہ قوم کی، اُن کا یورپین طرز معاشرت کو الوداع کہکر دفعتہً مشرقی اور رغانی مشرقی بن جانا اُن کی بے مثال اخلاقی جرأت کا نمونہ ہے، مرحوم کی آخری عمر روح و روحانیات کی تحقیق میں صرف ہوئی، خدا اُن کی روح کو اپنی مغفرت کی لازوال دولت سے مالا مال کرے، کہ اب وہ وہاں پہنچ چکی ہے، جہاں کے کشفِ راز کے لیے وہ بیقرار تھی،

سال گذشتہ کی طرح سے اس مہینہ جو نئی کتابیں چھپکر تیار ہو رہی ہیں، اُن میں مقدمہ رقعات عالمگیری، رقعات عالمگیری جلد اوّل کے علاوہ جس تیسری کتاب کا ذکر ہم نے دسمبر میں کیا تھا، اُس کا نام اب الجہاد فی الاسلام ہے، اُسکے مؤلف مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی ہیں، تقریباً ۵۰۰ صفحوں میں یہ کتاب تمام ہوئی

ہے، اسمین اسلامی جہاد کے اصول و مسائل، معترضین کے جوابات، مخالفین کے شکوک و شبہات کی تردید، یہودیوں، عیسائیوں
ہندوؤن اور بودھون کے اصول سے اُن کا مقابلہ اور یورپ کے موجودہ قوانینِ جنگ پر تبصرہ، اور جہاد کے
اسلامی قوانین سے اُن کا موازنہ ہے، عربی اور انگریزی کی بہترین مستند کتابون کے حوالون سے یہ لکھی گئی ہے، خیال ہے کہ اس
ضروری مسئلہ پر اس سے زیادہ مدلل، مبرہن، اور مبسوط کتاب اب تک نہین لکھی گئی،

سننِ کبریٰ بیہقی کا جو سلسلہ دائرۃ المعارف حیدرآباد مین زیر طبع ہے اب اسکی تیسری جلد چھپکر شائع ہوئی ہے،
اس کی بقیہ جلدون کی تصحیح و مقابلہ کے لیے دائرہ کی طرف سے مولوی سید ہاشم صاحب ندوی اور مولوی احمد اللہ صاحب
ندوی رامپور مین مہینون سے مقیم تھے، اور ریاست کے سرکاری کتبخانہ کے نسخہ سے مسودہ کا مقابلہ کر رہے تھے، ہمین
امید ہے کہ سنن کی تصحیح و مقابلہ مین ہمارے یہ نوجوان فضلاء پوری ہمت اور مستعدی سے کام لین گے، اور نسخون کے
اختلافات کے ضبط مین بھی پوری محنت کرینگے، اُن کے اس کام کی قدر اہل نظر کی نگاہون مین کسی مستقل تصنیف سے ہرگز کم نہ ہوگی،

دائرہ کی طرف سے مدت ہوئی کہ امام طحاوی کی مشکل الآثار چار جلدون مین چھپکر شائع ہوئی تھی، اب حال مین حافظ
ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کے جو ذیل ابو المحاسن دمشقی اور حافظ سیوطی کی تصنیف سے چھپے ہین، اُن کے ناشر نے ایک تعلیق مین
لکھا ہے، کہ مشکل الآثار طحاوی کا مطبوعہ نسخہ ناتمام ہے، اصل نسخہ سات جلدون مین، قسطنطنیہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام
فیض اللہ (قریب مسجد الفاتح) مین مشکل الحدیث کے نام سے موجود ہے، اور ابن السائق کا مقابلہ کردہ پورا قلمی نسخہ
ہے، ضرورت ہے کہ اس واقعہ کی اچھی طرح تحقیق کیجائے، اور اگر یہ تعلیق صحیح ہو تو مطبوعہ نسخہ کی پوری تکمیل کیجائے،

نواب مسعود جنگ سید راس مسعود صاحب کی کوششون سے مسلم یونیورسٹی مین جو ترقیان ہو رہی ہین، ان
مین ایک قابل ذکر چیز مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر کرنکو کا عربی پروفیسری کے لیے انتخاب ہے، وہ موجودہ

تمام یورپین مستشرقین میں اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی ان کو مسلمان بھی سمجھ لیا جاتا
نواب عماد الملک مرحوم ان کے سب سے بڑے مربی اور قدردان تھے، اور انھیں کی وساطت سے ہماری ان کی شناسائی
ہے، اور انھیں کے اشارہ سے تقریباً آٹھ برس سے وہ برابر دائرۃ المعارف حیدرآباد کی کتابوں کی تصحیح و مقابلہ میں حصہ
لے رہے ہیں، جمہرۃ العرب کی تصحیح میں ان کا ہاتھ شامل تھا، ابن ہیثم کی کتاب المرایا والمناظر کی بھی وہی تصحیح کر رہے
دمشق کی مشہور المجمع العلمی العربی کے وہ رکن رکین ہیں، اور وہ اسمیں مضامین لکھا کرتے ہیں، نسلاً جرمن ہیں، مگر مدت سے
انگلستان ہی میں مقیم تھے، اور یہیں بیٹھکر وہ اپنے علمی کام انجام دیتے تھے، ہالینڈ کی یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹر کی ڈگری
دی ہے، ہمیں امید ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور ہندوستان میں یہ وہی علمی ناموری اور اخلاقی ہر دلعزیزی حاصل کرینگے جو ڈاکٹر یوسف ہارویز کو حاصل ہوئی تھی

لاہور کے چند نوجوان مسلمان اہل علم اور فضلا رنے مل کر اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک علمی مجلس قائم کی ہے
جس کے زیر اہتمام مختلف اہم اسلامی تاریخی مباحث پر مضامین پڑھے اور خطبے سنائے جاتے ہیں، اب تک اس قسم کے متعدد مضامین اور
خطبے اسکی مجلس میں پڑھے اور سنائے جاچکے ہیں، اب مجلس نے سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے رفیق دار المصنفین کو علیگڈھ
پر تقریر کرنے کے لیے دعوت دی ہے، اور نوجوان طلبہ کو اپنے گذشتہ اکابر کے حالات سے واقفیت کے لیے یہ طے کیا ہے
کہ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و سیرت کے مختلف پہلوؤں پر چھ لکچر دیے جائیں جن کیلئے حسب ذیل خطیبوں کا انتخاب ہوا ہے

۱- شبلی کے سوانح و حالات و اخلاق — سید سلیمان ندوی،

۲- شبلی بحیثیت مورخ و سوانح نگار — "

۳- شبلی بحیثیت مصنف — میاں بشیر احمد صاحب بی اے، بیرسٹر لاہور

۴- شبلی بحیثیت نقاد — پروفیسر محمد دین صاحب تاثیر، ایم اے، لاہور

۵- شبلی بحیثیت شاعر — پروفیسر صوفی غلام مصطفٰے صاحب تبسم، ایم اے، لاہور

۶- شبلی بحیثیت سیاسی مفکر — مولوی چراغ حسن صاحب حسرت، مدیر روزنامہ انصاف لاہور

دار المصنفین کے سلسلۂ تعمیرات کے لیے جس چندہ کی ہم نے اپیل کی تھی، اب تک اس مد میں ہم کو تقریباً دو ہزار کی رقم نقد وصول ہو چکی ہے، جن میں سے حسب ذیل نام خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں،

۱- نواب سر احمد سعید خان بہادر آف چھتاری　۱۰۰۰　(۳) جناب سلیمان صاحب تاجر سنگاپور ۱۰۰

۲- سیٹھ جمال محمد صاحب - مدراس　۱۰۰　(سو روپیہ ماہوار ایک ہزار تک)

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کا ایک ہزار کا وعدہ بھی نقد ہی سمجھنا چاہیے، ساتھ ہی ان کے ذریعہ سے ایک فیاض صاحب خیر کا تعمیر مسجد کا وعدہ بھی ان کے دار المصنفین کی آمد پر موقوف ہے،

حیدر آباد کے موجودہ علم دوست اکابر میں نواب محمد یار جنگ بہادر کی ذات بھی ایسا غنیمت ہے، موصوف کو دار المصنفین سے بڑی ہمدردی ہے، ہماری امدادی اپیل پر انھون نے خاص توجہ فرمائی، اور اپنی مخلصانہ کوشش سے حیدر آباد کے اکثر اکابر سے جن میں نواب سر حیدری، نواب مہدی یار جنگ، نواب نظامت جنگ، نواب اکبر یار جنگ، نواب فخر یار جنگ، نواب امین جنگ، نواب ناظر یار جنگ، نواب مرزا یار جنگ، نواب رفعت یار جنگ، اور دوسرے اکابر سے انھون نے سو پچاس پچیس روپیے لیکر آٹھ سو روپیے کی پہلی قسط، نواب صدر یار جنگ صدر نشین دار المصنفین کے ذریعہ عنایت فرمائی ہے، مگر دار المصنفین کی "جہنم" سے اب بھی ھل من مزید کی جو صدا بلند ہو رہی ہے، کیا ممدوح اسکو سن رہے ہین؟

علم کلام مین قدما کی قابل قدر کتابون مین سے ایک اور نئی کتاب العواصم من القواصم، قسطنطینہ واقع الجزائر مین چھپی ہے، یہ قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن العربی مالکی کی تصنیف ہے، جنکا زمانہ ۴۶۸ھ سے ۵۴۳ھ تک ہے، اور جنکی کتاب احکام القرآن چھپ چکی ہے، العواصم من القواصم مین فلاسفہ، سوفسطائیہ، طبیعیین، الہیین، باطنیہ، حلولیہ، غالی صوفیہ، اور ظاہریہ کے خیالات و عقائد کی تردید و تغلیط اور اُنکی جگہ صحیح اسلامی عقائد و مسائل کا مدلل ثبوت ہے، اس کتاب کا نسخہ تونس کے جامع زیتونہ مین تھا جو ۶۵۵ھ کا لکھا ہوا، اندلسی عربی خط مین تھا، دو جلدین چھپی ہین، مسلمانون نے فلسفۂ یونان

ہے جو تنقید و تصحیح کی ہے اُس کا اندازہ اسی قسم کی کتابوں سے ہو سکتا ہے،

اعلیحضرت نادر خان خواہ افغانستان کے جائز بادشاہ ہوں یا نہ ہوں، مگر اسمیں شک نہیں کہ افغانستان کو جس قسم کے معتدل مصلح کی اس وقت ضرورت ہے اُسکو نادر خان کی شخصیت یقیناً پوری کریگی، وہ تجدید و انقلاب کی تدریجی رعایت کیساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر پرانی چیز قابلِ ترک، اور ہر نئی چیز قابلِ اخذ نہیں ہے، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ صرف ہیٹ پہننے سے ہیٹ کے نیچے کا دماغ نہیں بدل جاتا، اس لیے سر و سینہ کی پوشاک بدلنے کی ضرورت نہیں بلکہ دماغ و دل کے بدلنے کی ضرورت ہے، علماء کی حالت ان کے قید و قتل و جلاوطنی سے درست نہیں ہو سکتی، بلکہ مذہبی مدارس کی اصلاح و ترمیم سے ہو سکتی ہے،

اس سلسلہ میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ اعلیحضرت نادر خان نے افغانستان میں ایک مجلس العلماء کے قیام کا فرمان جاری کیا ہے جسمیں قندھار، ہرات، مزار شریف، قطغن و بدخشان، ولایت کابل، فراہ، ہمنہ اور سمت مشرقی کے ممتاز علماء میں سے ایک ایک دو دو ممبر منتخب کئے جائینگے، یہ مجلس شریعت کے احیاء، حفاظت و ترقی اور افغانوں کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف تجویزوں پر غور کریگی، یہ وقت ہے کہ افغانستان کے علماء ہوش و فہم سے کام لیں اور سمجھیں کہ اسلام اور مسلمان قوموں کی درستی و اصلاح و ترقی کے لیے اُن کو کیا کیا کرنا ہے، اور یہ یاد رکھیں کہ جس طرح توپ کے منہ پر رکھکر اوڑا دینے سے علماء کی اصلاح نہیں ہو سکتی، اسی طرح اُن کی تکفیر کے توپخانہ سے امت کی اصلاح نہیں ہو سکتی،

اس سلسلہ میں ہم کو بعض تلخ حقیقتوں کا بھی اعتراف کرنا ہے، کہ علماء کی جماعت میں ایسے افراد تمام دوسری جماعتوں کے افراد سے زیادہ ہیں، جنھوں نے محض اپنے طرۂ دستار کی بلندی کو اپنے وقار و عظمت کا معیار ٹھہرا لیا ہے

وہ نیچے سے لیکر اونچے تک ہر ایک سے اس کے متوقع ہین کہ وہ انکی محض اُن کے علم کی خاطر تعظیم کرے، حالانکہ علم بلا عمل نہ دین مین عزت کی چیز ہے اور نہ دنیا مین، ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے، اور ہوتا رہیگا کہ جو مخدوم بنا ہے، وہ پہلے خادم ہوا ہے، پرانا مقولہ ہے،

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

علما، اگر مخدوم بننا چاہتے ہین، تو پہلے ان کو خلوصِ دل کے ساتھ امت کا خادم بننا چاہیے، تعلیم کی اشاعت، علم کی خدمت، دین کی تبلیغ، اخلاق کی تعلیم، عوام کی مدد، بگڑے دن کو بنانا، گرتون کو سنبھالنا، غریبون کی تسلی، امیرون کی درستی، گمراہون کی رہنمائی، اور بیکسون کی دستگیری، ان کا فرض ہو، اپنا کھانا نہین، بلکہ بھوکون کا کھلانا، اپنا پہننا نہین، بلکہ ننگون کو پہنانا، اپنی فکر نہین، بلکہ دوسرون کا غم، اُن کے ہر روز کا کام ہو، یہ ہے دین و دنیا مین انکے وقار و عظمت کا اصلی معیار،

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد ... کہ چند سال بجان خدمتِ شعیب کند

ہم کو سوچنا چاہیئے کہ ہم نے مسلمانون کی کتنی تعلیم گاہین بنائین، کتنے شفاخانے قائم کرائے، کتنی مسجدین آباد کرائین، کتنے شرابیون کو پرہیزگار اور کتنے بدکارون کو نکوکار بنایا، کتنے غریبون کی امداد کی، کتنے امیرون کو انکی غلط کاریون پر ٹوکا، کتنے بیمارون کی خدمت کی، کتنے گمراہون کی ہدایت کی، کتنے مسرفون اور فضول خرچون کو معتدل اور انجام بین بنایا، اور کتنے بخیلون کو سخاوت اور فیاضی کی تعلیم دی، مسلمانون کو اس دنیا مین اور اُس دنیا مین کامیاب اور خوشحال بنانے کی کیا کوششین کین،

علما، کی ناکامیون، اور بدنامیون کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُنھون نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کا ذریعہ اپنی مولویت کو قرار دیا، اور اسی کو حصولِ رزق کا پیشہ بنایا، حالانکہ ہم سے زیادہ وہ جانتے ہین کہ علمائے سلف

نے جدیتہ اسکو احتیاط وتقویٰ کے خلاف سمجھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر تحریک مین اس پر نظر رکھتے ہین کہ اس سے ہمارے اُس اعزاز وجاہ پر کیا اثر پڑیگا، جو ہمارے کسبِ زر کا ذریعہ ہے، حالانکہ اس یقین مین کوئی شک نہین کہ جہان اپنی غرض آئی، اخلاص رخصت ہوگیا، اور جہان اخلاص گیا، کامیابی کوسون دور ہوگئی،

جدید تعلیم کی غرض نہ اخلاقی ہے نہ روحانی، اور نہ اس سے اُس بلند معیار کی توقع کیجاسکتی ہے، ابھی حال مین خود انگریزی حاکم اعلیٰ اور سرپی سی راے نے اس کے نقائص پر جو تقریرین کی ہین، وہ اخبار بین طبقہ سے پوشیدہ نہین ایسی حالت مین قوم کی اخلاقی و روحانی و تعلیمی تعمیر کے وہ نہ مخاطب ہین نہ اہل ہین، اُن کا منتہاے نظر صرف عہدہ اور منصب ہے، اور جو کچھ وہ اضطراراً کرتے ہین، وہ صرف اسی کے لیے، مگر علماء اس حکومت مین نہ عہدہ کے اہل ہین اور نہ منصب کے مستحق، اسلیے اگر وہ ذرا بلند ہمتی، استغنا اور اخلاص کے ساتھ کام کرین تو اُن کی دنیاوی ہردلعزیزی کا بھی کوئی مقابلہ نہین کرسکتا،

مسرت کی بات ہے کہ دنیاے عرب کی منجمد سطح مین بھی حرکت نمایان ہے، عراق کے المرشد کے بعد اب شام کے شہر لاذقیہ سے "المرشد العربی" کے نام سے عربی مین ایک اسلامی مذہبی ماہوار رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے، اس کے اڈیٹر شریف عبداللہ علوی حسینی بن شریف حسن بن فضل پاشا سابق امیر ظفار ہین، رسالہ مین اخلاقی و مذہبی مضامین جدید طرز و انداز اور موجودہ طریق و طرزِ استدلال مین معتدل، اصلاحی خیالات کے ساتھ شائع ہوتے ہین، مذہبی عقاید کی فلسفیانہ تشریح اور جدید تشکوک و شبہات کا ازالہ بھی اس کا مقصد ہے، ہندوستان مین اسکی قیمت سالانہ پندرہ روپیے ہے،

مقالات

قرآن مجید اور سائنس

از

جناب مولوی عبد الوحید صاحب، ناظم اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، لاہور

مولوی عبد الوحید صاحب ایک روشن دل اور روشن خیال فاضل ہین، پچھلے سال اورنیٹل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور مین انھون نے یہ مضمون خطبہ کے طور پر انگریزی مین پڑھا تھا، اور نہایت پسند کیا گیا تھا، ہماری فرمایش پر انھون نے یہ انگریزی مضمون اس غرض سے ہمارے پاس بھیجا تھا کہ اسکا ترجمہ معارف مین شائع ہو، بروقت ترجمہ نہ ہونے کے سبب سے یہ کئی مہینے پڑا رہا، آخر ہمارے ایک کرم فرما مولوی ضیاء الرحمان صاحب بی اے نے اس کا اردو مین ترجمہ کیا، جو آج آپکے سامنے پیش ہے،

مضمون نگار کا مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک نے حقائق اشیاء کی تلاش معرفت، اور ان سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کا سبق دیا، قرآن پاک کی یہی تعلیم تھی جس نے اگلے مسلمانون کو علوم و فنون کی تحصیل، تحقیق اور ترقی کا شوق پیدا کیا، اور مسلمانون کی یہی تحقیقات تھین جنپر یورپ نے اپنی نئی تحقیقات کی بنیاد رکھی،

مضمون چونکہ انگریزی مین تھا، اس لیے قرآن مجید کی اصل آیتون کے بجاے صرف ترجمہ پر قناعت کیگئی، اور ہم بھی تطویل کے خوف سے اصل آیتین نہین لکھتے، اور ترجمہ پر اکتفا کرتے ہین،

"معارف"

قدرت کے مناظر و ماحول اور اُن کے آپس کے مرتب و منظم تعلق کے علم کا نام سائنس ہے، سائنس کا مقصد یہ ہے کہ وہ موجودات کے وجود کی جیسا کہ ہم اپنے قوا و حسیات سے محسوس کرتے ہین عقلی توضیح کر دے،

اس راہ مین سب سے پہلا قدم حالات و اشیاء کا مشاہدہ ہے جس سے ان کی تقسیم اور مجموعی شکل واضح ہو جائے انسانی تخیل اس کے بعد اپنے مشاہدات کی بنا پر دعوے مرتب کر لیتا ہے جو بعد غور و فکر اور تجربہ کے بعد قانون قدرت کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے، میرا مقصد اس مضمون سے یہی ظاہر کرنا ہے کہ تاریخ مین سب سے پہلے اسلام کی مقدس کتب نے مشاہدہ اور تجربہ کا اصرار کر کے انسانی دماغ مین علمی روح پھونکی اور اس طرح موجودہ سائنس کی بنا ڈالی،

موجودہ سائنس کی ابتدا موجودہ سائنس یونانی علوم اور چودھوین صدی کے زمانہ تجدید کا نتیجہ اور یونانی ادبیات کی دوبارہ ترویج اس کا اصل منبع قرار دیجاتی ہے لیکن سائنس کی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے ان خیالات کی قطعی طور پر تردید ہوتی ہے

یونانی علوم کے دو مختلف حصے ہین (۱) ایتھنس کے علوم اور (۲) اسکندریہ کے تحقیقات و انکشافات جہان تک ایتھنس کے علما کا تعلق ہے ان کی دماغی کیفیت کا حال ایچ۔ جی۔ ویلس کے الفاظ مین حسب ذیل ہے:-

"یونانیون کا دماغ علم کی کمی سے اس درجہ متاثر تھا کہ ہم آج اُس کا اندازہ بھی نہین کر سکتے، اُن کو انسان کی گذشتہ تاریخ کا مطلق علم نہ تھا، بحر روم اور ایرانی سرحد سے آگے وہ جغرافیہ سے بالکل نابلد تھے، علوم نجوم مین انکی معلومات نہایت ابتدائی اور محض قیاس پر مبنی تھی، اقلیدس کی پہلی کتاب کی سینتالیسوین شکل کے متعلق ان کا خیال تھا کہ انسانی دماغ کا انتہائی کارنامہ ہے، عملی تجربات کے لیے ان کے پاس آلات مطلق نہ تھے، وقت کی معمولی تقسیم اور ہر حصہ اور وقفہ کی پیمائش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اعداد و ہندسہ بھی ٹھیک نہ تھے، وزن کے لیے میزان بھی صحیح نہ تھی، اور دوربین خوردبین کا ابتدائی خاکہ بھی اُن کے ذہن مین نہ تھا،

علوم یونانی کے اسکندریہ والے حصہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ میوزیم مین نہایت معقول کام ہوا، لیکن یہ شمع علم ایک صدی کے اندر ہی بجھ گئی، علوم و فنون اسکندریہ سے رخصت ہو گئے، اور وہان صرف اپنے علم و فضل پر بیجا فخر کرنے والے رہ گئے،

بطلیموس اول (جس نے علمی عجائب خانہ کی بناڈالی تھی) نے ایک عبادت گاہ بنائی جس مین تثلیث یعنی دیوتا سیرالپس، دیوی السیس اوران کے بچہ ہورس کی پرستش نہایت خلوص سے ہوتی تھی، جو پیٹر، سیرالپس اور السیس کی عبادت اور عبادت گاہین اسکندریہ سے تمام مہذب دنیا مین پھیل گئین، اس طرح اسکندریہ کی تہذیب نے قرین عقل خیالات کی اشاعت کی بجاے نہایت گہرے توہمات آنے والی نسلون مین راسخ کردیے جس کو ہر شخص بے شمار بتون اور دیوتاؤن کی زبردست حکومت اور دنیاوی معاملات پر ان کے اثر کو دیکھکر محسوس کرسکتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جبتک کثرت کا عقیدہ فنا نہ کردیا جاے انسانی دماغ مین معقول اور قرین عقل خیالات پیدا ہو ہی نہین سکتے، جب تک انسان کا عقیدہ ہے کہ ہر حیوان و شجر روح کا آماجگاہ ہے، اس وقت تک کسی جسم یا اس کے گردوپیش کی تبدیلیون کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے، لہذا اسکندریہ کی تہذیب نے دنیا کی دماغی ترقی کو سخت نقصان پہنچایا،

نہ صرف یونانی بلکہ تمام قدیم علوم عملی تحقیق و تجربہ سے معرا تھے، "ہر جگہ مشاہدہ کے فرق اور اس کی اجتماعی کیفیت اور ان کے نتائج کے حصول کی بڑی ضرورت تھی، اسی لیے قدما اصول قائم کرنے مین کامیاب نہ ہوسکے معیاری کو موجودات سے نہ کوئی لگاؤ تھا اور نہ مناسبت، مادہ پرست کا رجحان پہلی ہی کیفیت پر جو اس کے سامنے آے قانع ہوجاتا رہا، بجاے اس کے کہ وہ مسئلہ کی تہ تک پہنچے اور تحقیقات کرنے کی کوشش کرے"

ارسطو | اب ہمین یونان کے سب سے بڑے حکیم ارسطو کا حال اور اس کے تصنیفات پر غور کرنا ہے، اس سلسلہ مین مین یونان کے اس سب سے بڑے عالم اور مقدمین کی عظیم الشان ہستی کے علمی کارنامون کی حقیقت آشکار کرنے کی کوشش کرونگا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ سب غیر منظم تھے کیونکہ ان کی بنیاد مشاہدہ اور تجربہ پر نہ تھی جس سے یہ بات ظاہر ہوجائیگی، کہ خود یونانی علوم درحقیقت منظم و مرتب نہ تھے،

سب سے اول مین تسلیم کرتا ہون کہ ارسطو نے ہر مسئلہ پر جو اس زمانہ مین انسانی دماغ کے پیش نظر ہوسکتا تھا، رائے زنی کی ہے، وہ دنیاے قدیم کا عظیم الشان حکیم تھا اور اس نے علوم کے یکجا کرنے اور ترتیب دینے مین نیز ایک حیرت انگیز طریقۂ استدلال پیش کرنے مین وہ کام کیا ہے جو کسی ایک شخص سے آج تک ممکن نہ ہوا، اس نے سائنس کے ہر شعبہ مثلاً

منطق، ہیئت، حیوانات، معدنیات، طبیعات، سیاسیات، مابعد الطبیعات، جمالیات، اخلاقیات وغیرہ پر لکھا ہے اور ہر شعبہ میں امام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ایک ہی تصنیف بقول "ڈوران" عہد وسطے کا سنگ بنیاد بنگئی اور فلسفۂ قدیم (جو اگرچہ گنجلک اور مبہم اصولوں سے بیکار ہوگیا) بنا قرار پائی، جس نے یورپ کے ابتدائی عہد میں انسان کو فکر و استدلال کا طریقہ سکھایا اور موجودہ سائنس کے اصطلاحات تیار کرائے تاہم ارسطو کی سائنس غیر منظم تھی کیونکہ وہ مشاہدہ یا تجربہ پر مبنی نہ تھی، ڈوران کا خیال ہے کہ "سائنس کی ترکیب اُس وقت تک قرار نہ پائی تھی"۔ ارسطو کی حقیقی عظمت واقعات کے جمع کرنے اور ان کے تجزیہ میں مضمر ہے جو درحقیقت لاثانی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اُس نے کبھی تجربہ کی جانب التفات نہیں کیا جس سے اس کے نتائج کی جانچ ہوسکتی، اُس کی حکومت علمی دنیا پر اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ "نئے آلات، مجتمع مشاہدات اور مسلسل تجربات نے سائنس کو دوسری زندگی نہ بخشی"

ارسطو کی علمی روح کے فقدان نے اس کے نظریات کو مشاہدات کا بے ترتیب ڈھیر بنا کر چھوڑ دیا ہے، اس کا خیال تھا کہ مرد کے دانت عورت سے زیادہ ہوتے ہیں اور دونوں طرف آٹھ آٹھ پسلیاں ہیں، اس نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اجسام اپنے وزن کے لحاظ سے زمین پر گرنے میں دیر لگاتے ہیں، درحقیقت "یونانی دماغ فلسفیانہ واقع ہوا ہے اور وہ موجودات کی طرف ملتفت نہیں ہوتا" یونان کے اس بڑے حکیم کو کبھی یہ بات نہ سوجھی کہ عورت کے دانت شمار کیے جا سکتے ہیں یا دو مختلف وزن اور دھاتوں کی گیندیں کسی بلندی سے زمین پر گرائی جائیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ ایک ہی وقت میں زمین پر گرتی ہیں یا نہیں، لوئیس کہتا ہے:-

"ایک بڑے مبصر کا لقب ارسطو کو نہیں دیا جا سکتا، صرف یہی نہیں بلکہ اس کا شمار علمی اصطلاح کے مطابق ممتاز مبصروں کے فہرست میں بھی نہیں ہو سکتا، اس نے صحیح اور وسیع تفصیلات سے سائنس کو محروم ہی نہیں رکھا جس سے تحقیق و تدقیق کی ابتدا ہوتی، بلکہ مشاہدہ کے کامیاب اور صحیح نتائج تک اس کی نگاہ پہنچ ہی نہ سکی، اس نے واقعات بہت جمع کئے لیکن کبھی ان کو پرکھنے اور جانچنے کی ہمت نہ کی"

لوئیس اس نتیجہ پر اس لیے پہنچا ہے کہ ارسطو کی نظریات کی ہر کتاب میں ایسے واقعات کا تذکرہ ہے جو کبھی صحیح

قرار نہین دیے جا سکتے، مثلاً ارسطو کہتا ہے:-

"اگر کوئی عورت لال بخار مین مبتلا ہو اور آئینہ مین اپنا چہرہ دیکھے تو ایک قسم کی خونی بھاپ آئینہ پر آجائیگی، اور اگر آئینہ نیا ہو تو بڑی دشواری سے صاف ہو سکیگی"

اسی طرح اُس کا خیال ہے کہ دماغ مین خون نہین ہوتا اور وہ کھوپڑی کے پیچھے کے حصہ تک جو خالی ہوتا ہے نہین پہنچتا، اس کا یہ بھی خیال ہے کہ خلا مین حرکت ناممکن ہی، زورک اور مار برگ یونیورسٹی کا ایک سابق پروفیسر فلسفہ کہتا ہے کہ:-

"یہ خیال نہایت عام ہوگیا ہی کہ ارسطو انسانی جسم کا بڑا ماہر تھا لیکن یہ معلوم کرکے کہ اس سلسلہ مین اس سے پہلے کیا کچھ حاصل ہو چکا تھا اور ارسطو کس طرح دوسرون کے تجربات اور معلومات کو بغیر اپنی رائے قائم کئے ہوے صحیح تسلیم کر لیتا تھا، نیز یہ کہ خود اس کے اقوال کہان تک اس کے ذاتی مشاہدہ پر مبنی تھے، اس خیال پر کافی نکتہ چینی اور اعتراض ہونے شروع ہوگئے ہین اگرچہ ابھی تک پورے طور پر ان اعتراضات کو تسلیم نہین کیا جاتا"

یہی پروفیسر پھر کہتا ہے کہ:-

"ارسطو اپنے مخالفین کو خود پیش کرتا اور اپنی زبان سے ان کے خیالات کا اظہار کرتا ہے، اگرچہ یہ خیالات صحیح طور پر پیش نہین کئے جاتے، اس کے بعد ان سے رد و قدح کرتا ہے اور اپنے معاملہ کا آپ ہی جج بنکر فیصلہ کر دیتا ہے اس طرح مباحثہ کی کامیابی نتیجہ کی جگہ حاصل کر لیتی ہی، اختلافِ آرا، تجزیہ کا کام دیتا ہی، اور یہ سب ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے ہوتا ہے جس سے کوئی صحیح علم مرتب نہین ہو سکتا"

آرنلڈ ریمانڈ کو بھی ارسطو کے یہان تجربہ کی کمی نظر آتی ہے، چنانچہ کہتا ہے:-

"ارسطو طبیعات کو بحیثیت نظری اور ماورا لطبیعاتی دیکھتا ہے، وہ مقام و حرکت وغیرہ کے خیال پر نہایت خرم و احتیاط سے بحث کرتا ہے، لیکن بیشتر مظاہرِ عالم کے مفہوم کو غلط سمجھتا ہے، اس نے ایک حد تک اپنے اختلافات سے علم طبیعات کی ترقی کو نقصان پہنچایا ہے"

علم طبیعات مین ارسطو کی غلطیان اپنی اہمیت اور اثر کی وجہ سے نہایت اہم ہین، نباتات مین جنس کے وجود سے انکار کردینے کی وجہ سے ارسطو نے ایک بڑی مدت تک جنس کا وجود ظاہر نہ ہونے دیا، اس نے دل کو ذہن کا مسکن قرار دیا، اس طرح دماغ کا کام صرف یہ رہ گیا کہ وہ دل کو خون کی روانی سے ٹھنڈا رکھے اور زیادہ گرم نہ ہونے دے، وہ شریان اور رگ کے صحیح فرق کو نہ سمجھ سکا، یہان پھر ارسطو کے خیالات نے خون کی گردش کے مسئلہ کو ایک مدت تک نہ ثابت ہونے دیا،

یہان فرانسس بیکن کی راے ارسطو کے متعلق معلوم کرنی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی، وہ کہتا ہے:-

"کسی شخص کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ارسطو کی حیوانات پر جو کتابین ہین یا اس کے مسائل اور رسائل ہین، ان مین سے کسی مین بھی تجربات بیان کئے گئے ہین، کیونکہ وہ راے پہلے ہی قائم کرلیتا تھا اور پچھلے تجربون کا اصول و قوانین مرتب کرتے وقت خیال نہ کرتا تھا بلکہ جب وہ کوئی اصول یا طریق اپنے حسب منشا قائم کرلیتا تھا، اس وقت تجربات کو بھی توڑ موڑ کر اپنے اصول کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا تھا، اس طرح وہ اپنے طریقۂ استدلال و تحقیق مین اپنے موجودہ مقلدین سے بھی جنھون نے تجربات سے بالکل بے تعلقی پیدا کرلی ہے، زیادہ گمراہ تھا"

جو الفاظ راجر بیکن نے اس قدیم حکیم کے متعلق لکھے ہین ان سے ارسطو کے عالم ہونے کا مسئلہ بالکل طے ہوجاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر اُسے مقدور ہو تو اس اسٹیجیرہ کے باشندہ (ارسطو) کی تمام تصانیف کو جلا ڈالے کیونکہ ان کا مطالعہ صرف تضییع اوقات ہی نہین ہے بلکہ جہل کو بہت زیادہ ترقی دیتا ہے،

متذکرۂ بالا عبارت سے یہ امر کافی طور پر واضح ہوگیا کہ زمانہ قدیم کا سب سے بڑا حکیم درحقیقت کوئی سائنس دان ہی نہ تھا، سب سے پہلے ارسطو کی استادی ہی کو ختم کردینا چاہیئے تب کہین انسان اشیاء کا مشاہدہ اور ان سے براہ راست تعلق پیدا کرسکتا ہے،

عہد وسطی کے علوم یونان کے بعد تقریبًا ایک صدی کے لیے اسکندریہ مین علوم و فنون کا بڑا چرچا رہا، لیکن اسکندریہ کے علمی اور دماغی زوال کے بعد علوم و فنون گمنامی و کس مپرسی مین مبتلا ہوگئے، عام طور پر ان کا وجود ہی ناقابل برداشت تھا

صدیون تک علوم تقریبًا ناپید رہے، اور ایک نے ہیبت جو تمام دنیا پر طاری رہا، انسان کو غور و فکر کی ممانعت رہی اور روایات اس کے دماغ پر مسلط کی گئین، قدرت کا ہر کرشمہ کسی نہ کسی روح سے متعلق کر دیا گیا، اشیار کی ہر قسم ایک دیوتا کے قبضہ و اختیار مین دیدیگئی تھی، اگرچہ عیسائیت نے کثرت کے خیال کی تردید کی، لیکن حضرت عیسٰی کے حواریون نے غیر علمی عقائد کی اشاعت کرکے آزادی خیال و تدبر و فکر کو قطعًا برباد کر دیا، ہر جگہ استدلال کی کمی، فکر و تدبر کا فقدان اور مشاہدہ سے گریز پایا جاتا تھا، باوجود اس کے کہ عہد وسطی کی زندگی کے متعلق ڈاکٹر ہر لشلے کا نہایت اچھا خیال ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:-

"پانچوین صدی سے لیکر پندرھوین صدی عیسوی تک نہایت سختی کا زمانہ تھا، جسمین مسلسل خون ریزی، تباہ کن مصائب، متواتر قحط، عام جہالت، نہایت رکیک و ادنی توہمات، برباد کن خوف و ہراس اور نہایت سخت حیوانی خواہشات کا دور دورہ تھا"، اس مصنف کے بیان کے مطابق "اس ہزار برس کے اندر نہ تو قانون قدرت کی ترتیب کا کوئی گمان تھا اور نہ علت و معلول کا کوئی علم، ہر قسم کی حرکت کی رفتار نہایت سست تھی، جمود بہت زیادہ تھا، تکلیف، مصیبت اور موت ہر وقت کی ساتھی تھین اور زندگی نہایت مختصر اور سخت تھی"

اس عہد ضلالت و جہل کی ابتدائی حصہ مین اسلام کی مقدس کتاب نے دنیا کے اندر قدرت کے قانون اور ضابطہ کا خیال سب سے پہلے رائج کیا، متعدد دیوتاؤن کے عقیدہ کو پارہ پارہ کر دیا، قدرتی مناظر کے مادی وجود بتائے، فکر و تدبر مین عقل کو رہنما بنایا، مشاہدہ و تجربہ کی بنا پر قدرت کے مطالعہ کی ترغیب دلائی اور اس طرح قدرت اور مظاہر قدرت کو سمجھنے اور فکر کرنے کے لیے راستہ صاف کر دیا، اب ہمین دیکھنا ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا،

قانون و نظام قدرت اس امر کا کہ ہر جگہ اور ہر چیز مین قدرت کا ایک قانون اور نظام ہے، اور کہین بدنظمی اور ابتری نہین اور اس عالم مین بتدریج ایک مقصد کے حصول کے لیے ترقی ہو رہی ہے، ذیل کی آیات سے اعلان کیا گیا ہے:

"اور آفتاب (یہ کہ) اپنے ٹھکانے کی طرف کو چلا جا رہا ہے، یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) آگاہ ہے، اور چاند (یہ کہ) اس کے لیے ہم نے منزلین ٹھہرا دین یہانتک کہ (آخر ماہ مین

گھٹتے گھٹتے) پھر (ایسا ٹیڑھا اور پتلا) رہ جاتا ہے جیسے (کھجور کی) پرانی ٹہنی، نہ تو آفتاب ہی سے

بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور (کیا چاند اور کیا سورج) سب

اپنے اپنے) مدار (یعنی گھیرے) مین (پڑے) تیر رہے ہین" (سورہ ۳۶: ۳۸-۴۰)

متذکرہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نظام قدرت مقررہ قوانین کے ماتحت ہے، مین اس سلسلہ

مین قرآن پاک کی پہلی آیت "الحمد للہ رب العالمین (سب تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے جو جہانون کا مالک

ہے) کا حوالہ دونگا، لفظ "رب" کے لغوی معنی (جس کا عام طور پر ترجمہ مالک کیا جاتا ہے) سے وہ شخص مراد ہے جو

ہر چیز کو رفتہ رفتہ ترقی دے کر معراج کمال تک پہنچاتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفرینش کائنات کو ایک مقررہ

کردہ لائحۂ عمل کے مطابق اور ایک مقررہ نظام کے ماتحت ایک خاص مطمح نظر تک پہنچاتا ہے،

ناقابل تغییر قوانین قدرت پہلی آیت مین جسکا حوالہ دیا گیا ہے، حسب ذیل الفاظ ہین، "نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا

ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوانین قدرت بدلنے والے

نہین ہین، اس مسئلہ کے متعلق قرآن مین نہایت صاف اعلانات موجود ہین،

"کیونکہ تم خدا کے قانون مین کوئی تبدیلی نہ پاؤگے اور تم خدا کے طریقہ مین کوئی رد و بدل نہ دیکھو گے"

"کوئی نہین ہے جو خدا کے الفاظ کو بدل سکے"

اس طرح قرآن نے یورپ کے ابتدائی زمانۂ جاہلیت مین اعلان کر دیا تھا، کہ (۱) دنیا ایک مقررہ قانون

کے ماتحت چل رہی ہے، (۲) وہ قوانین ناقابل تغییر ہین، اس طرح اس نے علمی تحقیق کی بنا ڈال دی، اس راہ مین

دوسرا قدم مشاہدۂ اشیاء اور فکر و تدبر تھا جس کے بغیر قوانین قدرت متعین نہین ہو سکتے،

حواس و قوت ادراک کا استعمال قرآن نے حواس کے استعمال کی تاکید نہایت زوردار اور خوبصورت الفاظ مین

کی ہے، مسلمانون کو تاکید ہے کہ وہ تمام اشیاء کو خود دیکھین، دنیا مین چارون طرف پھرین اور جو کچھ ہو رہا ہے

اس کا مشاہدہ کرین، جو لوگ کہ ان ہدایات پر عامل ہون ان کے لیے بڑے اور مستقل فوائد کا وعدہ کیا گیا ہے،

اور جو ان پر عمل نہ کریں ان کو نہایت سختی سے مطعون کیا گیا ہے، سورۂ فرقان میں حسب ذیل آیت ہے:-

"(اور نیز) وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے پروردگار کی آیتیں سنا سنا کر نصیحت کیجاے تو اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہ گریں (بلکہ ارادتمندانہ) سنیں اور نصیحت پکڑیں" (سورہ ۲۵:- ۷۳)

ان الفاظ سے ہر شخص کو ہدایت ہے کہ وہ خود فکر و تدبر کرے اور خواہ مخواہ کوئی بات تسلیم نہ کرے، ذیل کے الفاظ کے مثل قرآن میں اکثر آیا ہے:-

"تو کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور نہیں کرتے" (سورہ ۴: ۸۲)

سورۂ اعراف میں حسب ذیل الفاظ ہیں:-

"ان کے دل تو ہیں (مگر) ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں (مگر) ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام نہیں لیتے (غرض) یہ لوگ چارپایوں کی طرح کے ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہوے، یہی وہ (لوگ) ہیں جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں" (سورہ ۷: ۱۷۹)

یہ الفاظ کہ "وہ بے خبر ہیں" اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ وہ لوگ جو اپنے حواس کو کام میں نہیں لاتے وہ ایک نہایت اہم فرض سے غفلت برتتے ہیں، لیکن قرآن پاک میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ موجود ہیں:

"اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات (یہ کافر ہیں) بہرے گونگے جو (کچھ) نہیں سمجھتے" (سورہ ۸: ۲۲)

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سے بہتر الفاظ حواس و ادراک کے استعمال کی ترغیب میں کیا ہو سکتے ہیں

مشاہدہ | حسب ذیل الفاظ میں گرد و پیش کے احوال و مناظر قدرت کے مشاہدہ پر زور دیا گیا ہے:-

"تو کیا لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں، اور آسمان کی طرف کہ کیسا اونچا بنایا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے کھڑے کیے گیے ہیں، اور زمین کی طرف کہ کیسی بچھائی گئی ہے" (سورہ ۸۸: ۲۵)

"جو لوگ (خدا کا) ڈر مانتے ہین اُن کے لیے رات اور دن کے ردوبدل مین اور جو کچھ خدا نے آسمانون اور زمین مین پیدا کیا ہے اُس مین (خدا کی قدرت کے بہتیری ہی) نشانیان (موجود ہین) (سورہ ۱۰: ۶)

ان الفاظ سے مناظرِ قدرت کے مشاہدہ کی تاکید کیجاتی ہے، ہر قسم کے مناظر کے مطالعہ و مشاہدہ کی ضرورت بتائی جاتی ہے جیسا کہ ذیل کی آیات سے واضح ہوتا ہے :-

"بیشک آسمانون (کے) اور زمین کے پیدا کرنے مین اور رات اور دن کے ادل بدل مین اور جہازون مین جو لوگون کے فائدے کی چیزین (یعنی مال تجارت) سمندر مین لیکر چلتے ہین، اور مینھ مین جسکو اللہ آسمان سے برساتا پھر اُس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرے (یعنی افتادہ ہوے) پیچھے پھر زندہ (یعنی شاداب) کرتا ہے اور ہر قسم کے جانورون مین جو خدا نے روے زمین پر پھیلا رکھے ہین اور ہواؤن کے (اِدھر سے اودھر اور اُدھر سے اِدھر) پھیرنے مین اور بادلون مین جو (خدا کے حکم سے) آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہین (غرض ان سب چیزون مین) ان لوگون کے لیے جو عقل رکھتے ہین (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیان (موجود ہین)" (سورہ ۲: ۱۵۹)

"کیا یہ لوگ ملک مین چلے پھرے نہین (چلتے پھرتے) تو دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہین، ان کا کیا انجام ہوا" (سورہ ۳۰: ۹)

سولھوین سورہ مین ہمین تاکید ہے کہ ہم حیوانات کو غور سے دیکھین جس سے ان کے مختلف کام اور فوائد معلوم ہون :-

"(اور (لوگو) تمھارے لیے چارپایون مین بھی سوچنے کی جگہ ہے کہ اُن کے پیٹ مین (الا بلا بھری) ہے اس سے (یعنی) گوبر اور خون مین سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہین، جس کو پینے والے آسانی سے (غٹ غٹ) پی جاتے ہین" (سورہ ۱۶: ۶۶)

"اور اللہ ہی نے تمھارے لیے تمھارے گھرون کو ٹھکانا بنایا اور چوپایون کی کھالون سے تمھارے

لیے (ایک خاص قسم کے) گھر (یعنی خیمے وغیرہ) بنائے کہ تم اپنے کوچ کے وقت اور اپنے ٹھہرنے کے وقت ان کو ہلکا (پھلکا) پاتے ہو، اور چارپایون کی اون اور ان کے رووں اور ان کے بالون سے (تمھارے) بہت سے سامان اور بکارآمد چیزین بنائین (کہ تم) ایک وقت خاص تک (ان سے فائدہ اٹھاؤ) (سورہ ۱۶: ۸۰)

زبانون اور قومون کی کثرت و اختلاف پر حسب ذیل الفاظ مین توجہ دلائی گئی ہے:-

"اور آسمانون اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری بولیون اور تمھاری رنگتون کا مختلف ہونا (یہ بھی) اُس کی (قدرت کی) نشانیون مین سے ہے، کچھ شک نہین کہ سمجھنے والون کے لیے (ان باتون مین خدا کی قدرت کی (بہتیری ہی) نشانیان ہین" (سورہ ۳۰: ۲۲)

بادلون کے متعلق غور و فکر کرنے کی یون ہدایت ہوتی ہے،

"(اے مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہین کی کہ اللہ (ہی) بادل کو ہانکتا ہے پھر بادل (کے ٹکڑون) کو آپس مین جوڑتا ہے پھر ان کو تہ بہ تہ رکھتا ہے، پھر (اے مخاطب) تو بادل کے بیچ مین سے مینھ کو نکلتے ہوئے دیکھتا ہے" (سورہ ۲۴: ۴۳)

متذکرۂ بالا آیت مین مطالعۂ قدرت کا صاف حکم ہوتا ہے، قرآن مین بہت کافی آیات اسی موضوع پر مل سکتی ہین، مثلاً

"اور (اسی طرح) پہاڑون مین مختلف رنگتون کے کچھ طبقے ہین (بعض) سفید اور (بعض) لال اور (بعض) کالے سیاہ" (سورہ ۳۵: ۲۷)

"(اس کے علاوہ) وہی (قادر مطلق) ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور اُس کی منزلین ٹھہرائین تاکہ تم لوگ برسون کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو" (سورہ ۳۹: ۶)

"وہی تم کو تمھاری ماؤن کے پیٹ مین (بتدریج) ایک طرح کے بعد دوسری طرح تین اندھیرون

مین بناتا ہے" (سورہ ۳۹: ۶)

تیسری سورہ کی چند آیتون کو یہان نقل کرنا چاہتا ہون جمین اُن لوگون کو عقلمند بتایا گیا ہے جو مناظرِ قدرت کا بغور مطالعہ اور دنیا کی آفرینش اور تدریجی ترقی پر فکر و تدبر کرتے ہین،

"کچھ شک نہین کہ آسمان اور زمین کی بناوٹ اور رات دن کے ردوبدل مین عقلمندون (کے سمجھنے) کے لیے (قدرتِ خدا کی بہتیری) نشانیان (موجود) ہین جو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے خدا کو یاد کرتے ہین اور آسمانون اور زمین کی ساخت مین غور کرتے ہین" (سورہ ۳: ۱۹)

اس آیت مین "عاقل" اس شخص کی صفت بتائی گئی ہے جو زمین و آسمان کی آفرینش پر غور کرے ہین حیران ہون کہ اس سے بہتر قدرت اور مناظرِ قدرت کے مطالعہ کی ترغیب کے لیے کیا الفاظ استعمال ہوسکتے ہین

تجربہ | دوسری سورہ مین آٹھ لفظون کی ایک آیت ہے جو تمام "علمی تحقیقات کی کنجی" کہی جاسکتی ہے،

"وہی (قادرِ مطلق) ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی کل کائنات پیدا کی" (سورہ ۲: ۲۸)

اس ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) دنیا کی ہر شے انسان کے استعمال کے لیے ہے،

(۲) وہ جس چیز کو چاہے استعمال کرسکتا ہے،

(۳) اور یہ اس وقت تک ممکن نہین جب تک کہ ہر چیز کے استعمال کا علم نہ ہو،

ایک دوسری آیت تیسوین سورہ مین ہے،

"اور تم سے انعامات کے متعلق اُس روز سوال کیا جاے گا"

یعنی یہ دیکھا جائیگا کہ آیا ہر چیز جو انسان کے قبضہ مین تھی اُس کا صحیح استعمال ہوا یا نہین، ان دونون آیات کو ملا کر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ ہم کو معدنیات، حیوانات اور نباتات کا استعمال، مقصدِ آفرینش کا لحاظ کرتے ہوے، متعین کرنا چاہیے، یہ ظاہر ہے کہ استعمال متعین کرنے سے ہم قدرت اور ماہیتِ اشیا،

اوران کی خصوصیات کے علم کی مختلف شاخون کو مرتب کرین گے، ہمین بتایا گیا ہے کہ

"اور لوہا پیدا کیا کہ (ہتھیارون کے کام مین لایا جاے تو) اُس مین بڑا خطرہ ہے اور (اس مین) لوگون کے (بہتیرے) فائدے (بھی) ہین" (سورہ ۵۷: ۲۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوہا سے کام لیا جا سکتا ہے اور لینا چاہئے جس کے لیے معدنیات کے علم کو ترقی دینے کی ضرورت ہے،

ایک دوسری آیت مین شہد کے طبی خواص کی جانب اشارہ ہے،

"(اور) اس مین لوگون (کی بہت سی بیماریون) کی شفا ہے" (سورہ ۱۶: ۶۹)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو مختلف اشیاء کی ماہیت اور طبی خواص معلوم کرنے چاہئین، اس سے فن طب حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو طبیعیات، کیمیا، بیالوجی، علم اجسام اور علم تشریح مین مہارت پیدا کئے بغیر حاصل نہین ہوسکتا، دوسری آیت مین ہے :-

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر ہم ہی نے اُس کو حفاظت کی جگہ (یعنی عورت کے رحم مین) نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم ہی نے نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم ہی نے لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی پھر ہم ہی نے بندھی بوٹی کی ہڈیان بنائین پھر ہم ہی نے ہڈیون پر گوشت مڑھا پھر (آخر کار) ہم ہی نے اس کو (گویا بالکل) دوسری ہی مخلوق (کی صورت مین) بنا کر کھڑا کیا تو (سبحان اللہ) خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو (سب) بنانے والون مین بہتر (بنانے والا) ہے" (سورہ ۲۳: ۱۱-۱۴)

جنین کے اندرون رحم تغیرات کے مطالعہ کی تحریص کا کیسا دلکش پیرایہ ہے، جو SCIE-NCE OF EMBROYOLOGY علم جنینیات کا خاص موضوع بحث ہے،

دوسری سورہ کے چوتھے رکوع مین انسان کی آفرینش کا حال درج ہے جس سے ہمارے

موضوع پر کافی روشنی پڑتی ہے، درحقیقت اگر اُس کے اصلی مفہوم کو خوب سمجھ لیا جاے تو پھر انسان کو مشاہدہ اور تجربہ کی حقیقی اہمیت جو علمی تحقیقات مین اُنھین حاصل ہے، پورے طور پر واضح ہو جائے گی، اس رکوع کا ایک حصہ پیش کئے بغیر مین نہین رہ سکتا،

"اور (اے پیغمبر لوگون سے اس وقت کا تذکرہ کرو) جب تمھارے پروردگار نے فرشتون سے کہا کہ مین زمین مین (اپنا ایک نائب) بنانے والا ہون (تو فرشتے) بولے کیا تو زمین مین ایسے شخص (کو نائب) بناتا ہے جو اُس مین فساد پھیلاے اور خونریزیان کرے اور (بنانا ہی تو ہم کو بنا کہ) ہم تیری حمد (وثنا) کے ساتھ تیری تسبیح (وتقدیس) کرتے رہتے ہین، اور آدم کو سب (چیزون کے) نام بتا دیئے پھر اُن چیزون کو فرشتون کے روبرو پیش کرکے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے مین) سچے ہو تو ہم کو (ان چیزون) کے نام بتاؤ،

بولے تو پاک (ذات) ہے جو تونے ہم کو بتا دیا ہے اُس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہین بیشک توہی جاننے والا (مصلحت کا پہچاننے والا) ہے،

تب (خدا نے آدم کو) حکم دیا کہ اے آدم تم فرشتون کو (ان چیزون) کے نام بتا دو، پھر جب آدم نے فرشتون کو اُن (چیزون) کے نام بتا دیئے تو (خدا نے فرشتون کی طرف مخاطب ہو کر) فرمایا کیون ہم نے تم سے نہین کہا تھا کہ آسمانون کی اور زمین کی سب مخفی چیزین ہم کو معلوم ہین اور جو کچھ تم (اب) ظاہر کرتے ہو (وہ) اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے (وہ) ہم کو (سب) معلوم ہے" (سورہ بقر رکوع ۴)

آیاتِ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(۱) انسان دنیا مین اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے،

(۲) اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اُس کو علم اشیا رہے،

(۳) اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے انسان کو علم اشیاء حاصل کرنا ضروری ہے،

(۴) انسان کے لیے مختلف علوم کو ترقی دینا لازمی ہے، اور قدرت و ماہیت اشیاء کا علم ضروری ہے،

لہذا میرے نزدیک انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والی شے منظم و مرتب علم ہی ہے اور یقیناً تاریخ نے اس کو ثابت بھی کر دیا ہے، صرف وہی قومین زندہ رہ سکتی ہین جو قدرت کی قوتون کو بہتر طریقہ سے کام مین لا سکین یعنی یہ کہ وہ اپنے علم سے عملی فوائد حاصل کرنے کے قابل ہون،

یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسئلۂ ارتقاء پر قرآن مین نہایت صاف و صریح حوالے موجود ہین، یہ مسئلہ علماء کے ہزارون برس کی مسلسل جدوجہد کا انتہائی کمال سمجھا جاتا ہے، دو ہزار برس کے متواتر فکر کے بعد علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ زندگی ایک معرکہ ہے جس مین صرف وہی زندہ بچتے ہین، جو سب سے زیادہ اہل ہین اور نااہل فنا ہو جاتے ہین، حسب ذیل آیت مین:

"اور ہم زبور مین (پند و) نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہین کہ ہمارے اہل بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہونگے"، (سورہ ۲۱: ۱۰۵)

صلاحیت کیا ہے اور "صالح" کون ہے؟ صالح کا ترجمہ روڈول نے "نیک" کیا ہے، حالانکہ درحقیقت اس کے لغوی معنی "اہل" کے ہین، لہذا متذکرۂ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے وارث اہل ہی ہونگے، یہ قانونِ الٰہی ہے اور قانونِ الٰہی مین رد و بدل نہین ہوتا، یہ امر کہ صرف وہی لوگ باقی رہین گے جو کشمکشِ حیات مین کامیاب ہون، ذیل کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے:-

"اور یہ کہ انسان کو اوتنا ہی ملے گا جتنی اوس نے کوشش کی" (سورہ ۵۳: ۳۹)

اس امر کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ قدرت ان لوگون کی مدد نہین کرتی جو خود جدوجہد کرنے کے قابل نہین ہین:-

"یقیناً خدا اس قوم کی حالت نہین بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کرین"۔

اس امر کے متعلق کہ نا اہل فنا ہو جاتے ہین اور صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے جاتے ہین، سورہ ۶ مین بیان کر دیا گیا ہے،

"کیا ان لوگون نے (اس بات پر) نظر نہین کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتون کو ہلاک کر مارا جن کی ہم نے ملک مین ایسی (مضبوط) جڑ باندھ دی تھی کہ (اے منکرو ابھی تک بھی) تمہاری ایسی جڑ نہین باندھی اور ہم نے (پانی کی اس قدر افراط کی کہ اوپر سے تو) ان پر موسلا دھار مینھ برسایا اور ان کے نیچے سے نہرین روان کر دین، پھر ہم نے ان کے گناہون کی سزا مین ان کو ہلاک کر مارا اور ان کو (ہلاک ہوئے) پیچھے اور امتین نکال کھڑی کین" (سورہ ۶: ۶)

اس آیت کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نا اہل کو اس لیے فنا کیا جاتا ہے کہ اہل اس کی جگہ حاصل کر لین، وہ نسلین جو اس طرح اپنی کمزوریون کے باعث ایک مرتبہ ہٹا دیجائین پھر دوبارہ میدان مین نہین آسکتین،

"اور جس بستی کو ہم نے (لوگون کی نافرمانی کی وجہ سے) ہلاک کر دیا ہو، ممکن نہین کہ وہ لوگ (قیامت کو ہمارے حضور مین) لوٹ کر نہ آئین"

انسان کی تاریخ بتاتی ہے کہ بیسیون قومین، جو زوال پذیر ہو گئین پھر کبھی دنیا مین ابھر نہ سکین، مصر، اسیریہ، ایران، یونان اور روم کی بڑی قومون کا حال ہر تاریخ دان کو معلوم ہے، روم کی شان و شوکت، یونان کا علم و فضل اب ہمیشہ کے لیے دوسرون کو منتقل ہو گیا ہے،

اب تک صرف اصول کا سوال تھا، لیکن حسب ذیل الفاظ مین انھین خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی ہدایت ہوتی ہے:-

"اور (مسلمانو سپاہیانہ) قوت سے اور گھوڑون کو باندھے رکھنے سے جہان تک تم سے ہو سکے کافرون کے (مقابلہ کے) لیے ساز و سامان مہیا کئے رہو" (سورہ ۸: ۶)

قرآن کی یہی ایک آیت عملی تحقیق کی تحریص دلانے کے لیے کافی ہے، زندہ رہنے کے لیے ہر شخص کو جد و جہد لازمی ہے، جد و جہد کے لیے قوت درکار ہے اور قوت حاصل کرنے کے لیے قدرت کے خزانوں پر قبضہ حاصل کرنا ہے جو اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ مختلف علوم کافی ترقی پا جائیں

ہر سبب کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، اس لیے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ان ہدایات کے (جو ہمارے ...) کے مطابق قرآن نے پیش کی ہیں) عملی نتائج و اثرات کیا ہوے، ؟،

(معارف:۔ اس سوال کا جواب آیندہ نمبر مین آئیگا،)

الفاروق

یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلیؒ کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کان پور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹیل، ضخامت ۳۱۲ صفحے،

قیمت:۔ للعہ ر

"منیجر"

از

پروفیسر محمد یوسف خان صاحب سلیم

خاندان اور ابتدائی حالات

اسپنوزا جس کا اصلی نام باروچ تھا ۱۶۳۲ء مین بمقام ایمسٹرڈم واقع ملک ہالینڈ پیدا ہوا اس کے والدین کا مفصل حال کسی تذکرہ مین مرقوم نہین ہان اس قدر یقینی ہے کہ وہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا باپ ایمسٹرڈم مین تجارت کرتا تھا، اسپنوزا کے آباؤاجداد یہودی تھے اور ان کا وطن اسپین تھا لیکن فرڈیننڈ شاہ اسپین کی سخت گیری سے تنگ آکر ملک ہالینڈ مین آباد ہو گئے تھے۔ اسپنوزا کا باپ مرفہ الحال تھا، اس لیے اس نے اپنے بیٹے کو تحصیلِ علوم دینی کے لیے وقف کر دیا، اور جید علمائے یہود کو اس کی تعلیم پر معین کیا۔ بعضون کا خیال ہے کہ اولاً اس کے باپ نے اُسے تجارت کے کام مین لگایا لیکن اپنے بیٹے کی حب علم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا ارادہ بدل دیا، بہرحال بچپن ہی سے باروچ کی مذہبی تعلیم شروع ہو گئی۔ اس زمانہ مین یہود کا دستور تھا کہ سوا ے دینی علوم کے اور کسی دنیاوی علم کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے، توریت اور تالمود یہ دو کتابین ان کی تعلیم مذہبی کا جزو اعظم تھین، میری رائے مین ایسا ہونا عین قرین عقل ہے، نہ یہ کہ جیسا ہمارے دینی مدارس کا حال ہے کہ ساری عمر مختلف علوم و فنون کی تحصیل مین گزر جاتی ہے لیکن قرآن شریف کے صرف ڈھائی پارے تبرکاً پڑھا دیئے جاتے ہین،

اسپنوزا کا حافظہ اور دماغ اس قدر اعلیٰ تھا کہ تھوڑے ہی دنون مین تمام اساتذہ کا محبوب بن گیا اور یہود کے مذہبی امام، سال لیوی مارٹائیرا نے اُسے نہایت محبت کے ساتھ پڑھانا شروع کیا، چودہ سال کی عمر مین باروچ نے اس قدر علم حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے علمائے یہود اس سے دینی گفتگو کرتے ہوئے شرماتے

تھے۔ تمام قوم اس سبزۂ آغاز نوجوان کو عزت کی نگاہوں سے دیکھنے لگی، اور ہر شخص یہ کہتا تھا کہ آگے چل کر یہ نوجوان یہودی قوم کے لیے باعثِ افتخار ہوگا، لیکن افسوس کہ بہت جلد اُن کی امیدون پر پانی پھر گیا، کیونکہ بارو چ محض عالم اور فاضل بنجانے کا خواہشمند نہ تھا بلکہ وہ محقق بننا چاہتا تھا، اور کچھ دنون کے بعد اس نے اپنے اساتذہ سے ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کر دیے جن کے جوابات اُن کے پاس نہ تھے،

پہلی الجھن یہ تھی کہ توریت مین مسئلۂ بقاے روح مذکور نہین ہوا، بارو چ نے اس بات کا تذکرہ اپنے ہم سبق دوستون سے کیا، انھون نے ازراہِ عناد اس کے شکوک کو خوب نمک مرچ لگا کر اساتذہ سے بیان کر دیا، انھون نے فوراً باروچ کو اپنے سامنے طلب کیا اور سخت لہجہ مین پوچھا، کیا تم نے توریت اور طالمود پر نکتہ چینی کی ہے؟" نوجوان نے سچائی کے ساتھ کہا" بیشک! مجھے توریت پر نہ صرف یہ اعتراض ہے کہ اس مین بقاء وابدیتِ روح کا مذکور نہین بلکہ اور بھی کئی اعتراضات ہین، مثلاً موجودہ توریت کی صحت کا کیا ثبوت ہے؟ خدا کی ہستی پر کون کون سے دلائل دیئے گئے ہین؟ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے کیا ذرائع بتائے گئے ہین؟ وغیرہ وغیرہ" ان باتون کو سنکر بیچارے علماء کے ہوش اُڑ گئے اور انھون نے ان سوالات کے جواب مین بس اتنا ہی کہا" نادان لڑکے! تجھے یہ جرأت کیونکر ہوئی، کہ توریتِ مقدس پر اعتراض کرے؟" لڑکے نے کہا" جناب جو بات مدارِ یقین نہین ہو سکتی وہ مدارِ ایمان کب ہو سکتی ہے؟" اس پر انھون نے لال پیلی آنکھین نکال کر کہا" اگر تم نے ان عقاید کفریہ سے فوراً توبہ نہ کی تو تمھین جماعت سے خارج کر دیا جائے گا اور بھری مجلس مین کفر کا فتویٰ لگ جائیگا" باروچ نے مسکرا کر کہا" اگر میرے اعتراضات کا یہی جواب ہے تو جس قدر جلد عنایت ہوگا مہربانی ہو گی"

غرضکہ یہودی علماء نے اپنے امام ربی مارٹا ئیرا کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور اس خودسر نوجوان کو راہِ راست پر لانے کی استدعا کی۔ امام مذکور نے باروچ کو اپنے سامنے بلایا، لیکن وہ اس کی چرب زبانی اور طلاقتِ لسانی سے اتنا ہی متاثر ہوا جتنا کہ دوسرے علما کی کوشش اور دلائل سے۔ مارٹا ئیرا نے بھری مجلس مین گرج کر کہا" تیرے سامنے صرف دو راہین کھلی ہین یا تو ان کلماتِ کفریہ سے توبہ کر، یا جماعت سے خارج ہونے کی

طیاری"۔ باروچ نے کہا "مین اپنے ضمیر کی آزادی کو کسی قیمت پر فروخت نہین کرسکتا۔ یہ تو جماعتِ یہود ہی ہے اگر آپ کل دنیا کی جماعتون سے خارج کردین تو بھی مین اپنے خیالات مین تبدیلی نہین کرونگا" یہ جواب سنکر مارٹا نیرا نے مجلس کو برخاست ہونے کا حکم دیا، باروچ بھی خاموش وہان سے اٹھکر اپنے گھر چلا آیا، اُس دن سے اس نے معبد یہود مین جانا بالکل ترک کردیا، مدرسہ اور دینی تدریس کا خیال دل سے نکالدیا، اگر راستہ مین کوئی یہودی ملجاتا تو وہ خود ہی اس سے گریز کرتا۔ یہ حالت دیکھکر علما، دل ہی دل مین انگارون پر لوٹنے لگے کیونکہ وہ تو یہ سمجھے ہوے تھے کہ جب ہم اُسے خارج از جماعت کرنے کی دھمکی دینگے تو وہ فوراً راہ راست پر آجائیگا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی قابلیت سے مرعوب ہوکر اور یہ سمجھکر مبادا دوسرے نوجوان اس کی تقلید کرنے لگین، علماے یہود نے کہلا بھیجا اگر تم خاموش ہو اور وقتاً فوقتاً ہیکل کی رسوم مین شریک ہوجایا کرو تو ہم تمھین ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ بطور وظیفہ دیا کرینگے" لیکن سنگدل نوجوان نے اس تجویز کو بنظرِ حقارت دیکھا، اور صاف انکار کردیا، اس انکار سے علما رکی آتشِ حسد بھڑک اٹھی اور انھون نے باروچ کی جان لینے کا فیصلہ صادر کیا، چنانچہ ایک شام کو باروچ بغرض تفریح تھیٹر مین گیا، جب واپس ہوا تو ایک گلی مین، اچانک کسی بدمعاش نے چھری نکال کر وار کیا، لیکن قاتل کا وار اوچھا پڑا اور باروچ کے لبادہ اور کوٹ کا کونہ ہی کٹا، بزدل قاتل فوراً بھاگ گیا، اور باروچ نہایت اطمینان کے ساتھ گھر واپس آیا، گھر آکر واقعہ کے مالہ وماعلیہ پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ خلوت نشینی بہتر ہے تھوڑے دنون کے بعد پھر اُدھر سے سلسلہ جنبانی ہوئی کہ اب بھی مان جاؤ اور گھر بیٹھے چین کرو۔ لیکن باروچ نے "این آت جوالیش کر جو الپش ندہی" پر عمل کیا۔ الغرض قطعاً ناامید ہوکر، علما نے اُسے باضابطہ خارج از جماعت کرنے کا فیصلہ کرلیا، اس رسم کا بیان باروچ کے فلسفہ پر کوئی روشنی نہین ڈالتا، لیکن اجمالاً، اس لیے سپردِ قلم کرتا ہون کہ ناظرین اس عجیب رسم سے واقف ہوجائین۔ تاریخ مقررہ پر ہزارہا یہودی ہیکل مین جمع ہوے تاکہ باروچ پر تبرا کرکے داخلِ حسنات ہوسکین، جب تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو کارروائی شروع ہوئی، سیاہ مومی بتیان روشن کی گئین، اور موسیٰ کی پانچون کتابین کھول کر بڑی میز پر رکھی گئین مارٹا نیرا، سیاہ لباس مین جلوہ گر ہوکر جماعت کے سامنے

دونون ہاتھون کو بلند کیے ہوے، کھڑا ہوا، علمار کی ایک جماعت اس کی اقتدا مین کھڑی ہوئی، اس نے مقررہ الفاظ مین فتویٰ کفر ادا کیا اور پہلو سے نفیری بجنے لگی، جماعت نے آمین پکارنا اور عورتون نے چیخین مارنا شروع کیا، اسکے بعد سب لوگ خاموش ہوے تو مارٹائیرا نے لعنت و دشنام سب دشتم کی شہنائی بجانی شروع کی، تمام شمعین اوندھی کر دی گئین، ان کا موم پگھل پگھل کر ان لگنون مین گرنے لگا جنھین تازہ تازہ خون پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا، ہر فقرہ پر حاضرین بصمیم قلب آمین پکارتے جاتے تھے، جب ابدی لعنت وعذاب الٰہی کا فقرہ ادا کیا گیا تو تمام شمعین ان لگنون مین گرا دی گئین اور ساری مجلس گھپ اندھیرے مین آمین پکارتی رہ گئی،

اس خوفناک شرعی رسم نے بارو چ کی زندگی مین بار اول انقلاب عظیم پیدا کر دیا، یہ واقعہ ۲۷ جولائی ۱۶۵۶ء کو ظہور مین آیا، اس تاریخ سے بارو چ اتنی بڑی دنیا مین تن تنہا رہگیا کیونکہ کوئی یہودی نہ اس سے بات کر سکتا تھا نہ اس کے پاس بیٹھ سکتا تھا، چند روز کے بعد اُسے دو چار شریف آدمی ایسے مل گئے جو مثل اسی کے، زمانہ اور ابناے وطن و برادرانِ ملت کے ہاتھون ستائے ہوئے تھے "کند ہمجنس باہمجنس پرواز" انھون نے بارو چ کی حتی الوسع خاطر تواضع اور دلداری کی، لیکن بارو چ کو اپنی بہنون سے بڑی محبت تھی، اور وہ نہ اس سے مل سکتی تھین، نہ بات کر سکتی تھین، بہرحال "قہر درویش بجان درویش" وہ بھی رفتہ رفتہ اسی زندگی کا خوگر ہو گیا، یہودی نام بدلکر "بینی ڈکٹ" رکھا، اس لفظ کے معنی وہی ہین جو بارو چ کے ہین،

اب بینی ڈکٹس" یا بینی ڈکٹ اسپینوزا کو یہ خواہش دامنگیر ہوئی کہ غیر یہودی علما، اور فلاسفہ نے ان سوالات کے کیا کیا جوابات دیے ہین جن کی بدولت وہ جماعت سے خارج کیا گیا، اس نے اب تک عبرانی اور سریانی جرمن ڈچ اور ہسپانی اور پرتگالی زبانین حاصل کی تھین، مگر فلسفہ اور حکمت کی کتابین تمامتر لاطینی زبان مین تھین، لہذا اسپینوزا نے لاطینی سیکھنے کی فکر کی جوینده یابنده، اتفاقًا اس کی دوستی امسٹرڈیم کے ایک مشہور طبیب وان ڈن اینڈی سے ہو گئی، یہ شخص ایک تو اپنے پیشۂ طبابت کی وجہ سے شہر مین مشہور تھا دوسرے ماہرِ لسانیات ہونے کی وجہ سے ایک مدرسہ شبینہ جاری کر رکھا تھا، اور اس کی کامیابی کا یہ عالم تھا کہ شہر کے سارے دولتمند لوگ اپنے

بچون کو وہین بھیجتے تھے، اس نے اسپنوزا سے کہا کہ تم میرے شاگرد ون کو عبرانی اور ہسپانی پڑھاؤ، اس کے عوض میری بیٹی تمھین لاطینی کا درس دیگی اور رہایش اور خوراک دوستانہ مین، پریشان حال اسپنوزا کے لیے یہ تجویز نعمتِ عظمیٰ سے کم نہ تھی بلکہ بشارتِ کبریٰ، بطیب خاطر ڈاکٹر مذکور کے یہان مستقل بود وباش اختیار کر لی، ڈاکٹر مذکور کی نوجوان بیٹی اگرچہ حسین نہ تھی لیکن لاطینی علم ادب اور موسیقی مین یگانۂ روزگار تھی، اسپنوزا کو تھوڑے ہی دنون مین اس سے محبت ہوگئی، اس نے لاطینی زبان کے حاصل کرنے مین غیر معمولی محنت کی تاکہ اسی طرح اس لڑکی کی توجہ کا مرکز بنجاے، کیونکہ سواے قابلیت کے اور اس کے پاس دھرا ہی کیا تھا، یہ تدبیر کارگر ہوگئی، استاد شاگرد پر مہربانی کرنے لگا، لیکن برا ہو اس فلکِ کجرفتار کا، ہیمبرگ کا ایک نوجوان سوداگر لاطینی سیکھنے کے لیے آنے لگا، اس شخص کے پاس محبت کے علاوہ دولت بھی تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تو چند ماہ کے بعد اس لڑکی کا خاوند بنگیا اور ہمارا مفلس بنی ڈکٹ فلاسفر۔

میرا خیال ہے، کہ اس ناکامی کا اس کے دل پر خارج از جماعت ہونے سے بھی زیادہ اثر ہوا، اس نے ملنا جلنا، ہنسنا بولنا، آنا جانا سب بند کر دیا، اور ہمہ تن مطالعہ مین مشغول ہوگیا، کیونکہ دنیا کی بے ثباتی اور دنیا والون کی تلون مزاجی اس پر آشکارا ہو چکی تھی، پس اس نے ہمیشہ کے لیے اس "بازیچۂ اطفال" سے قطع تعلق کر لیا، لاطینی زبان اُسے کافی سے زیادہ آچکی تھی، صرف ایک گھنٹہ طلبا کو عبرانی پڑھا دی اور تمام اوقات مین یکسر آزادی، سب سے پہلے اس نے قرطبہ کے مشہور یہودی طبیب اور فاضل موسیٰ میمونائیڈیز کی تصانیف کا مطالعہ کیا، اس طبیب کی ولادت ۱۱۳۵ء اور وفات ۱۲۰۴ء مین ہوئی تھی، اس کی مشہور تصنیف جس نے اسپنوزا کے دماغ کو فلسفیانہ سانچہ مین ڈھالا، ہدایت المتحیرین ہے، جس مین طبیب مذکور نے ثابت کیا ہے کہ خدا کائنات سے علیٰحدہ کوئی شے نہین، اس کے بعد اسپنوزا نے بن گرسن نامی مشہور اندلسی یہودی عالم کی تصانیف پڑھی، جنمین ازلیتِ عالم کا اثبات کیا گیا ہے، اس کے بعد اس نے حسدائی کرسیکاس نامی یہودی عالم کی تصانیف کا مطالعہ کیا، یہ سب لوگ ابن رشدؒ کے دسترخوانِ علم کے زلہ ربا گزرے ہین، موسیٰ کی تصنیف

[illegible] مذکورۂ بالا سے اسپنوزا کو بجائے تسلی کے اور پریشانی ہوئی کیونکہ اس نے اعتراضات تو خوب بیان کیے ہین لیکن جوابات
مین [illegible] ابہام تھی، وجہ یہ تھی کہ موسیٰ بہرکیف یہودی تھا جب مذہب کا خیال آجاتا تھا تو گول مول عبارت مین
نیم خاموشی اختیار کرلیتا تھا، یہ اصول اسپنوزا کو کب پسند آسکتا تھا مجبور ہوکر اس نے ابن عزرا کی دینی تصانیف شروع کین
لیکن وہان بھی روشنی کے بجاے تاریکی نظر آئی، نتیجہ یہ نکلا کہ ایک وہ جن باتون کو یقینی طور پر مانتا رہا تھا، وہ بھی معرض
شک مین پڑ گئین،

اب اس نے فلاسفۂ یونان کا مطالعہ شروع کیا، سقراط، افلاطون، ارسطو، ڈیماکریٹس، اپی کیورس، لکریشس
کی تصانیف پڑھین لیکن اسٹوئیک فلاسفہ کی تصانیف کا اس کے دماغ پر کافی اثر ہوا۔ اس کے بعد اس نے مشہور
متکلمین مثلاً انسیلم، ابیلارڈ، ایکوئناس وغیرہم کی منطقی موشگافیون کو ذہن نشین کیا، اس نے برونو (۱۵۴۸...۱۶۰۰)
کی تصانیف پڑھین، یہ برونو وہ شخص تھا جس نے علم کی خاطر تمام دنیا کی خاک چھانی، اور محکمۂ احتساب نے اس پر
کفر کا فتویٰ لگایا، واجب القتل ٹھہرایا اور حکم صادر کیا کہ برونو کو حتی الوسع رحملی کیساتھ قتل کیا جاے تاکہ اس کے
خون کا قطرہ زمین پر نہ گرے، یعنی زندہ آگ مین جلایا جاے،

برونو کے خیالات اور عقاید کا خلاصہ یہ ہے کہ "وحدت کا خیال، انسانی دماغ کا شاہکار ہے، اس سے
بہتر اور برتر کوئی خیال نہین جملہ حقیقت، بلحاظ ذات علت و اصلیت، واحد ہے، اور خدا اور حقیقت ایک ہی شے
ہین، روح اور مادہ بھی ایک ہی ہین، کیونکہ "حقیقت" کا ہر سالمہ لاینفک طور پر روح اور مادہ سے مرکب ہے،
پس فلسفہ کا کام یہ ہے کہ کثرت مین وحدت کا مشاہدہ کراے۔ اور مادہ مین روح کا پتہ چلاے، اور روح مین
مادّہ کا ثبوت بہم پہنچاے، اور ایسا نظام عقلیہ مرتب کرے جسمین اجتماع ضدین ممکن ہو سکے، اور عالمگیر وحدت
کے اس ارفع علم کا درس انسان کو دے جسے "محبت الٰہی" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے":

برونو کے یہ تمام خیالات، اسپنوزا، کے فلسفہ کے سنگ بنیاد نہین تو بنیادی اصولون کے اہم اجزا
یقینی طور پر کہے جاسکتے ہین، برونو کے بعد جس فلاسفر نے اسپنوزا کے خیالات مین انقلاب پیدا کیا، وہ فرانس

...شہور فلسفی ڈیکارٹ ہے، اگرچہ ڈیکارٹ کا بڑا کارنامہ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے "علم" کی اصلیت ماہیت
...صحت کی بحث کا دروازہ کھول دیا جو تین سو برس تک جاری رہی، اسپنوزا کو اس بحث سے کوئی دلچسپی نہ تھی
...یکارٹ کے فلسفہ مین جو بات اُسے پسند آئی وہ یہ تھی کہ اس نے خدا اور نفس کو چھوڑ کر باقی تمام مظاہر کائنات
...ریاضی کے اصولون سے سمجھایا ہے، نیز یہ کہ اس نے ایک ایسی "ذات" کا تخیل پیش کیا ہے جو "مادہ" کی تمام
...لف صورتون مین موجود ہے، اور دوسرے ایسی "ذات" کا جو "نفس" کی مختلف صورتون مین موجود ہے، گویا
...خلاف برونو کے، ڈیکارٹ نے حقیقت کو دو حصون مین منقسم کر دیا،" اس کے نزدیک تمام کائنات ایک مشین
ہے، لیکن خدا اس کائنات سے بیرون ہے"

ڈیکارٹ یہین رک گیا، مگر اسپنوزا ایک قدم آگے بڑھ گیا، جیسا کہ معلوم ہوگا مین نے یہ باتین ذرا
تفصیل کیساتھ اس لیے لکھدی ہین کہ ناظرین کو اس بات کا علم ہو جائے کہ کن کن خیالات نے اسپنوزا کو متاثر
لیا، اب مین پھر اس کے سوانح حیات کی طرف متوجہ ہوتا ہون،

چونکہ ڈاکٹر مذکور کی بیٹی نے اسپنوزا کی محبت کی بیقدری کی، پس اس نے اس کے باپ کے گھر رہنا مناسب
نہ سمجھا اور ایک رحمدل عیسائی خاندان مین بود و باش اختیار کر لی، یہودی شریعت کے مطابق ہر عالم دین پر کوئی نہ
کوئی ہنر سیکھنا بھی فرض ہے کیونکہ صرف عالم ہونا ہی کافی نہین ہے آخر انسان کو اپنی بسر اوقات کے لیے بھی کچھ
نہ کچھ کرنا چاہیئے پس اسپنوزا نے دوربین، خوردبین اور عینکون کے شیشون پر پالش کرنا سیکھ لیا تھا جو اب کام
آیا۔ اس فن مین بھی اسے ایسی مہارت تامہ حاصل تھی کہ مشہور فیلسوف لائب نز نے اپنے ایک خط مین اُسے لکھا کہ
منجملہ دیگر خوبیون کے جو آپ کی ذات مین جمع ہین، مین نے ایک بڑی خوبی یہ بھی سنی ہے کہ آپ کو عینک
سازی کے فن مین بھی کمال حاصل ہے"

اس کام مین اسکو اس قدر آمدنی ہو جاتی تھی کہ قوت لایموت کے لیے وہ کسی کا محتاج نہ تھا، چند ماہ کی
مشق کے بعد مصوری مین بھی بہت عمدہ مشق بہم پہنچائی تھی، چنانچہ شہر نیپلز مین ایک البم کسی امیر آدمی کے یہان

سے دستیاب ہوا تھا جسمین منجملہ دیگر تصاویر، خود اسکی تصویر بھی نکلی جو اسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تھی، یہی تصویر عموماً آج دیکھنے مین آتی ہے،

۱۶۶۰ء مین یعنی اٹھائیس سال کی عمر مین اسپنوزا نے ایمسٹرڈیم کو خیرباد کہا اور رائینزبرگ مین عارضی طور پر سکونت اختیار کی، اور ہمہ تن کتب بینی اور غور و فکر مین مشغول ہوگیا۔ نقل مکان کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ عیسائی خاندان، جس نے اُسے مہمان کے طور پر رکھا تھا، اپنی کسی ذاتی مصلحت سے رائینزبرگ جانے پر مجبور ہوا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اسپنوزا نے اپنے روحانی استاد ڈیکارٹ کی مشہور کتاب (MEDITATIONS) کا خلاصہ مع ایک ضمیمہ کے شائع کیا، اس کتاب مین اس نے اپنے ذاتی فلسفہ کے اصول بھی بیان کئے ہین، یہ کتاب اس لیے اور بھی دلچسپ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کتاب ڈیکارٹ اور اس کے فلسفہ کے متعلق نہین لکھی گئی، اس کے ضمیمہ مین، اپنے فلسفۂ اخلاق کے اصول بیان کئے ہین، اس کتاب نے اسپنوزا کو پردۂ خفا سے باہر نکالا، اور جب دوسرے سال اسپنوزا، وربرگ مین سکونت پذیر ہوا تو سینکڑون آدمی اسکی زیارت کے لیے آنے لگے، اور مخالفین یعنی معترضین بھی کیونکہ "خلاصہ" مین ڈیکارٹ کے فلسفہ کی کمزوریان بھی عیان کردی گئی تھین، اور ڈیکارٹ کے شاگردون کو یہ بات طبعاً ناگوار معلوم ہوئی۔ یہ بیچارے اسپنوزا سے بحث کرنے آتے لیکن اپنا سا منھ لیکر واپس جاتے۔ فضلاء اور علماء کی کثیر تعداد نے اسکو ہیگ مین مستقل اقامت اختیار کرنے پر مجبور کیا کیونکہ وربرگ تو ایک غیر معروف گانون تھا اور انھون نے کہا کہ اسپنوزا جیسی قابلیت کے انسان کے لیے ایسی جگہ قطعاً موزون نہین۔ علماء کے علاوہ ارباب سیاست بھی اسپنوزا کے مداح نظر آنے لگے جنمین جین ڈی وٹ کا نام خصوصیت کیساتھ قابل تذکرہ ہے، یہ شخص تھوڑے عرصہ کے مراسم کے بعد اسپنوزا کا عاشق زار ہوگیا، اور اگر وہ دنیادار ہوتا تو شاید عیش و عشرت مین زندگی بسر کرنے لگتا، لیکن وہ تو حقیقی معنی مین فیلسوف تھا یعنی طالب حکمت نہ کہ طالب زر، جب فرانس کی افواج ہالینڈ پر حملہ آور ہوئین تو ان کے سپہ سالار کانڈے اعظم نے بھی اس سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی، محض اسلیے کہ اسپنوزا، اس کے ہموطن فلاسفر ڈیکارٹ کا بہترین

شارح اور مفسر تسلیم کیا جاتا تھا، اگرچہ یہ ملاقات محض علمی تھی لیکن جب اسپنوزا واپس آیا تو باشندگان ہیگ کا جم غفیر اس کے مکان کے گرداگرد جمع ہوگیا کہ یہ شخص دشمن کی فوج کا جاسوس ہے، مالکِ مکان گھبرا گیا لیکن اسپنوزا نے اُسے تسلّی دی کہ مین سب لوگون کی تسلّی کر دونگا، جس جرأت ایمانی سے اس نے ربّی مارٹائیر کے غصہ کا مقابلہ کیا تھا، اسی جرأت اخلاقی سے اس نے غضبناک مجمع کا۔ چنانچہ اس نے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک زبردست تقریر کی اور مخالفین کے شکوک کا قطعی ازالہ کر دیا۔ اور پھر مطالعہ کتب مین مشغول ہو گیا۔

۱۶۷۳ء مین کارل لڈوگ نے ہیڈل برگ یونیورسٹی مین فلسفہ کی کرسی، اسپنوزا کے لیے پیش کی لیکن جس ضمیر کی آزادی کی خاطر اس نے یہود کی پنشن سے انکار کر دیا تھا، اسی ضمیر کو آزاد رکھنے کے لیے اس نے ہزہائنس کو یہ خط لکھا۔

"جناب محترم! اگر مجھے کبھی یہ خواہش رہی ہوتی کہ کسی یونیورسٹی مین پروفیسر ہو جاؤن تو آپ کی مہربانی سے میری یہ خواہش بدرجۂ اتم پوری ہو جاتی۔ لیکن مجھے خوف ہے مبادا میرے فلسفیانہ لکچرون کی وجہ سے آپ کی بادشاہت مین قائم شدہ مذہب کو کسی قسم کا گزند پہنچے، پس مین باادب عرض کرتا ہون کہ مجھے اس عزت سے معاف فرمایئے، کیونکہ مین اپنے ضمیر کی آزادی کو دنیا کی ہر شئے پر مقدم رکھتا ہون،

خشک روٹی جو آزاد رہ کر تو وہ خوف و ذلّت کے حلوے سے بہتر"

مصائب دنیوی، قلّتِ غذا، کثرتِ مطالعہ اور ورزش نہ کرنے کی وجہ سے نوجوانی ہی سے اسکی صحت خراب ہونی شروع ہو گئی تھی لیکن اس نے کبھی اس بات کی پرواہ نہ کی، وہ ہر بات کو خاموشی کیسا تھ برداشت کرنے کا عادی تھا، پس علالت کو بھی خاموشی ہی سے برداشت کیا، جب طبیعت زیادہ مضمحل ہوئی تو کچھ دوا کرلی، چند روز مطالعہ نہ کیا، جب ذرا بحال ہوئی پھر وہی مشقِ جنون شروع ہو گئی، اسکی مشہور تصانیف تمامتر علالت ہی کے زمانہ مین مکمل ہوئین، تصنیف کے علاوہ خط و کتابت کا سلسلہ بھی وسیع پیمانہ پر جاری تھا۔ کیونکہ جو لوگ اس سے ملنے نہین آسکتے تھے وہ بذریعہ خطوط اپنی مشکلات حل کرتے رہتے تھے، ۱۶۷۲ء

مین اس کے نہایت مخلص دوست اور رفیق قلبی جین ڈی وٹ اور اس کے بھائی کو لوگون نے اس بنا پر سر راہ قتل کر دیا کہ وہ دونون اس شکست کے بانی مبانی تھے، جو ڈچ افواج کو فرنچ کے ہاتھون نصیب ہوئی جب اسپنوزا نے یہ خبر سنی تو ایک دم فلاسفر سے آدمی بنگیا، زار زار رویا اور کپڑے پہنکر قاتلون کے مجمع عام مین مذمت کرنے اور ڈی وٹ کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے جانا چاہتا تھا، کہ لوگون نے پکڑ لیا اور زبردستی کمرے مین بند کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مجمع غصہ مین بھرا ہوا ہے اور جو شخص بھی ڈی وٹ کی حمایت کرتا ہوا آئیگا خواہ ہاتھ سے یا زبان سے، اس کا حشر وہی ہوگا جو ڈی وٹ کا ہوا، بہرکیف اس واقعہ سے اسپنوزا کی جرأت، اور خلوص کا اندازہ کافی ہو سکتا ہے،

۱۶۷۶ء مین لائب نیز، جو ارسطو کے بعد یورپ مین دوسرا ہمہ گیر قابلیت کا انسان گزرا ہے، اور نہ صرف منطق و فلسفہ بلکہ الٰہیات، ریاضی، تاریخ، سیاست دانی، قانون اور ادب مین ید طولیٰ رکھتا تھا، اسپنوزا سے ملنے آیا، افسوس یہ ہے کہ اس ملاقات کے تفصیلی حالات دستیاب نہین ہوتے، ہان لائب نز نے اپنی نوٹ بک مین بضمن تذکرۂ ملاقات، اسپنوزا کا حلیہ بھی درج کیا تھا یعنی وہ دُبلا، پتلا، زیتونی رنگ کا آدمی تھا، صورت سے تپ دق کا مریض معلوم ہوتا تھا، ہسپانی یہودیون کی سی شباہت تھی، اس کے آگے ایک سطر یہ بھی ہے کہ وہ مختصر سے کمرے مین جو آرایش سے قطعًا معرا ہے، دن رات تن تنہا، مطالعہ اور تصنیف مین مشغول رہتا ہے،

لائب نز کا تعارف پورے طور سے تو اُسی وقت ہوگا، جبکہ اس کی زندگی اور فلسفہ پر ایک مضمون لکھون گا (انشاء اللہ) سر دست اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ لائب نز طبقہ فلاسفہ مین ویسا ہی خوش قسمت تھا جیسا طبقۂ شعراء مین داغ دہلوی۔ بیشک دولت ثروت اور وجاہت دنیوی کے لحاظ سے لائب نز ایک شہزادہ تھا، بیچارے اسپنوزا کس شمار و قطار مین تھا، لیکن کیرکٹر اور ذاتی خوبیون کے لحاظ سے اسپنوزا اس قدر بلند اور ارفع تھا کہ بعض عیسائی مصنفین نے اس کا درجہ حضرت یسوع کے بعد قرار دیا ہے، اس سے اس کی بلندی کا اندازہ لگائیے،

۱۶۷۶ء کے وسط مین آخری علالت کے آثار شروع ہوگئے، اگرچہ اس وقت اسکی عمر صرف چوالیس سال کی تھی مگر اس کے احباب بخوبی واقف تھے کہ ع

ایسے بیمار کا مشکل ہے سلامت رہنا

اس کے پھیپھڑے برسون سے کمزور چلے آتے تھے لیکن اب اکثر تنفس مین دشواری پیدا ہونے لگی، اور نوشت وخواند مین بھی اختلال رونما ہوگیا، احباب اور اطبائنے کہا "اب مطالعہ ترک کرنا چاہیئے" اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا، "تپ دق آج سے نہین بلکہ بائیس سال سے ہے، ع

آخری وقت مین کیا خاک مسلمان ہونگے

اب تو میرے لیے قلم ہاتھ سے رکھنا ناممکن ہوگا، غرضکہ اپنی آخری کتاب کو بدقت تمام دسمبر ۱۶۷۶ء مین ختم کیا اور بحفاظت تمام اس کے مسودہ کو صندوق مین بند کرکے چابی مالکۂ مکان کے سپرد کی کہ میری وفات کے بعد یہ صندوق اور کنجی جان ریو ورز پبلشر دیک سیلر ایمسٹرڈیم کو سونپ دینا، اگر اسپنوزا نوشت وخواند بند کردیتا تو شاید دو چار سال اور جی جاتا، لیکن شبانہ روز مصروف رہنے کی وجہ سے تمام طاقت زائل ہوگئی، ۱۶۷۷ء کی ابتدا سے صاحب فراش ہوگیا، ۲۲ فروری ۱۶۷۷ء کو اتوار کے دن مالکۂ مکان نے گرجا جانے سے قبل اس کی حالت کمرہ مین آکر دریافت کی، جواب دیا، اچھا ہون آپ میری وجہ سے اپنی عبادت ترک نہ کرین، مالکۂ مکان نے ڈاکٹر میئر کو خبرگیری اور معالجہ کے لیے بلایا، اور گھر کے سب لوگ گرجے چلے گئے، واپس آکر کیا دیکھتے ہین کہ قطرہ واصل دریا ہوچکا ہے، آناً فاناً مین یہ خبر تمام شہر مین پھیل گئی اور ہر شخص جو سنتا تھا، اسپنوزا کے آخری دیدار کے لیے قبرستان کی راہ لیتا تھا، جنازہ کے ساتھ مجسٹریٹ، کوتوال، اطبار، علما، طلبار اور احباب کا جم غفیر تھا، قبرستان مین ہر مذہب وملت کے لوگ جمع تھے، یہ نظارہ اس تعصب اور تنگ نظری کے زمانہ مین نہایت عجیب تھا، لیکن اسپنوزا کے مذہب کے عین موافق کیونکہ

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم ملتین جب مٹ گئین اجزاے ایمان ہوگئین

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۲)

عسیر

سید محمد بن علی ادریسی

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

عسیر

حکومت عسیر یمن کے متصل اور اس سے چھوٹی حکومت ہے، سید محمد بن علی ادریسی یہان کے حکمران ہین، عسیر کے حدود اربعہ یہ ہین، مغرب مین بحر احمر، شمال مین الوقنہ، جنوب مین حدیدہ، مشرق مین کوہستان یمن، مجموعی رقبہ مربع میل کے حساب سے بتانا مشکل ہے، تاہم قیاساً شمال سے جنوب تک ۲۵۰ میل طول، اور مشرق سے مغرب ۷۰ میل عرض ہے، اور وہ حصہ جو میدی اور جیزان کے آگے عقبہ سے متصل ہے، عرضاً ۴۰ میل مین پھیلا ہوا ہے، اس طول و عرض مین ۲۰ لاکھ نفوس آباد ہین، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی سنیون مین شوافع اور شیعون مین جعفری اور اسمعیلی اور غیر مذاہب مین پارسی، یہودی اور ہندوون پر مشتمل ہے،

عسیر مین ادریسیون کی تاریخ

عسیر کی ادریسی حکومت کا سلسلۂ نسب مراکش کے ادریسی خاندان سے ملتا ہے، جس نے وہان مدتون سلطنت کی ہے، عرب مین اس سلسلہ کی دعوت اس کے مشہور صوفی بزرگ احمد بن ادریس سے شروع ہوتی ہے، یہ ۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۵۸ء مین فاس (مراکش) کے ایک مقام بلدۂ عرائش مین پیدا ہوے، نسباً یہ حسنی سادات مین، فاس مین علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور باطنی فیض شیخ عبد الوہاب تازی سے حاصل کیا، اور برسون علماٗ و مشائخ کی صحبت مین رہکر یگانۂ روزگار ہوے، رفتہ رفتہ ان کی شہرت

اور روحانیت کا دائرہ وسیع ہونے لگا، اسی زمانہ مین یہ حج کے لیے مکہ آے، اتفاق ہے اسی سال سید محمد سنوسی مغربی بھی آے ہوے تھے، یہ حضرت سید احمد سے بہت متاثر ہوے اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا، ان سے ان کی شہرت مین اور اضافہ ہوا، اس کے بعد یمن کے مشہور و معروف سید عبد الرحمن بن سلیمان اہدل مفتی زبید مکہ آے، یہ حضرت سید احمد بن ادریس کے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے ان پر آپکے باطنی فیض کا بہت گہرا اثر پڑا، اور وطن لوٹ کر ان کی دعوت شروع کر دی، کچھ دنون کے بعد حضرت سید احمد یمن گئے اور زبید مین عبد الرحمن کے مہمان ہوے، یہان ان کے کمالات کا بڑا شہرہ ہوا، اور جوق در جوق علماء و مشائخ آکر اکتساب فیض کرنے لگے، بیس دن قیام کے بعد زبید سے تہامہ گئے اور یہان سے گھوم پھر کر حدیدہ، مراوغہ، باجل ہوتے ہوے صبیا روانہ ہو گئے، اور یہان مستقل گھر بنا لیا، اس سیاحت نے ہر مقام پر نہایت گہرا اثر ڈالا، اور ان تمام مقامات کے علماء و مشائخ نے ان کی دعوت شروع کر دی، اور چند دن کے اندر اندر تہامہ اور عسیر ان کے غلغلہ سے گونج اٹھا، صبیا مین شیخ ابراہیم ان کے مرید خاص تھے، ان پر خاص نظر توجہ رہتی تھی، ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء مین زبید مین وفات پائی،

اس وقت تہامہ اور عسیر مین طوائف الملوکی تھی، اس کا کچھ حصہ اور قنفذہ سے مخا تک ابراہیم پاشا (خلف محمد علی پاشا خدیو مصر) کے زیر اقتدار تھا، لیکن یہان کے باشندے ان کی حکومت ناپسند کرتے تھے، اور جنگ کا سلسلہ برابر جاری تھا، کامل ۲۰ سال سے یہ خلفشار برپا تھا، بالآخر ۱۸۴۰ء مین لندن کی موتمر کے فیصلہ کے مطابق[1] ان کو تہامہ اور عسیر کو خالی کرنا پڑا، اس وقت امراے عرب مین سے شریف محمد بن عون شریف مکہ، شریف حسین بن علی حاکم ابی عریش، اور امام یحیی ان مقامات کی سیادت کے خواہشمند تھے، ان مین شریف ابی عریش زیادہ مدبر اور با اقتدار تھے، چنانچہ ابراہیم پاشا نے ایک مقررہ سالانہ خراج پر تہامہ کی زمام حکومت ان کے سپرد کر دی، لیکن شریف حسین کا طرز حکومت نہایت جابرانہ تھا، یہ چاہتے تھے کہ یمن اور عدن دونون پر قبضہ کر کے امام

---

[1] اس کی تفصیل سلطنت نجد کی حالات مین آے گی،

یحیٰی اور انگریزون کو نکال دین، چنانچہ دونون سے مدتون جنگ جاری رہی تاآنکہ رعایا ان کے مظالم سے سخت تنگ آگئی، اور سنہ ۱۸۴۹ء مین پھر ترکون نے یمن اور عسیر پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کی، توفیق پاشا نے حدیدہ مین فوجین اتار دین، اور شریف حسین کو اپنے قدیم مرکز ابی عریش مین واپس ہوجانا پڑا، حدیدہ کے بعد ترکون نے تہامہ کے ایک حصہ پر قبضہ کرکے صنعا کی طرف قدم بڑھایا، لیکن قبضہ نہ پا سکے، بلکہ تہامہ مین پھر قدیم اضطراب پیدا ہوگیا، ادریسیون نے اس اضطراب سے فائدہ اٹھا کر اپنی روحانی سیادت کے ذریعہ سے اپنی حکومت قائم کرنے کی کوششین شروع کین، اور ان کے داعی ہر طرف پھیل گئے، زائرین اور عقیدتمند صبیا آنے لگے اور ان کے ذریعہ سے ادریسیون نے شریف ابی عریش پر قبضہ حاصل کرلیا، پھر قبائل کے ذریعہ ترکون کو مغلوب کرنے کی کوشش کی، لیکن بظاہر ان کو کوئی کامیابی نہین ہوئی، لیکن اتنا فائدہ ضرور ہوا، کہ انکا قدم پہلے سے بہت زیادہ جم گیا،

موجودہ امام | باقاعدہ سلطنت موجودہ[1] امام سید محمد بن علی ادریسی نے قائم کی، یہ سنہ ۱۸۷۶ء مین صبیا مین پیدا ہوئے، اور جامع ازہر مین تعلیم حاصل کی، یہان سے فراغت کے بعد، جاکر مغرب مین شیخ سنوسی سے پڑھا، پھر سوڈان آئے اور احمدیہ طریقہ کے شیخ الطریقہ شیخ ہارون الکمال کی لڑکی سے شادی کرلی، انمین مصر کی آب وہوا اور تعلیم وتربیت نے بڑا حوصلہ پیدا کردیا تھا، چنانچہ یہ سوڈان سے پھر عسیر واپس آئے، اس وقت یہان طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، آزاد قبائل تاخت وتاراج کرتے پھرتے تھے، عسیر کے جنوبی حصہ مین ترکون کی کمزور سی حکومت قائم تھی، لیکن سرداران قبائل ان سے سخت برہم تھے، کیونکہ ترکون کی حکومت ان کے مشاہرون پر قائم تھی، اور اس زمانہ مین وہ مشاہرہ دینے مین بھی لیت ولعل کرتے تھے، ادریسیون نے اس زرین موقع سے فائدہ اٹھا کر سرداران قبائل کو محمد بن علی کی طرف مائل کردیا، اور ان کی مدد سے قبائل پر ایک گونہ ادریسی سیادت قائم ہوگئی، مزید توثیق کے لیے انھون نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو قبیلہ مطیع ہوتا اس کے کچھ آدمی رہن کے طور پر اپنے قبضہ مین کرلیتے، تاکہ وہ خیانت اور عہد شکنی نہ کرسکے، پھر رفتہ رفتہ اس سیادت کا دائرہ شمال مشرق کی طرف وسیع کرنا شروع کردیا، اور بہت سے قبائل ابہا کے قلعے مین ان کے علم کے نیچے جمع ہوگئے، گو قبائل پر بڑی عد[illegible] ان کی

[1] سنہ ۱۹۲۳ء مین اپ کا انتقال ہوگیا، آجکل ان کے لڑکے امام علی بن محمد حکمران ہین، سنہ ۱۹۱۵ء مین دنقلہ مین پیدا ہوسے، اور صبیا مین اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، اور سنہ ۱۹۲۳ء مین تخت عسیر پر بیٹھے،

سیادت قائم ہوگئی تھی، لیکن ابھی تک حکومت کی باقاعدہ شکل نہ پیدا ہوئی تھی، اس کا موقع سنہ ۱۹۱۲ء مین اٹلی اور ترکون کی جنگ مین ملا، اسوقت سید محمد بن علی نے اٹلی سے اسلحہ لے کر ترکون کے خلاف انکو مدد دی، اسکا فائدہ یہ ہوا کہ عسیر اور تہامہ مین انکی قوت بالکل کمزور پڑ گئی، اور محمد بن علی کا اقتدار بہت بڑھ گیا، پھر سنہ ۱۹۱۵ء مین انگریزون سے معاہدہ کیا جسکی رو سے انگریز اون کو اسلحہ اور مال سے مدد دیتے تھے، اور عسیر کے بندرگاہون کی حفاظت کرتے تھے، انگریزون کو اس سے یہ فائدہ پہنچا کہ ادریسی ترکون کے مقابلہ مین ان کے مددگار بنگئے۔ اس معاہدہ کے بعد ہی سید محمد بن علی کے چچا نے ترکون پر حملہ کر کے ان کو سخت شکست دی، اور انکی فوجین مشرق مین صعدہ اور شمال مین تہامہ اور قنفذہ تک بڑھتی چلی گئین، اور سید محمد بن علی کی حکومت قائم ہوگئی، محمد بن علی نہایت مدبر اور عاقبت اندیش تھے، یہ اپنے آس پاس کی تمام قوتون کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے لگے، زرانیق کو ترکون کے خلاف، شوافع کو زیدیون کے خلاف، قبائل کو اشراف کے خلاف، اور انگریزون کو ان سب کے خلاف کام مین لاتے تھے، ذاتی مفاد ہمیشہ پیش نظر رہا، جس قوت کا ساتھ دینے مین ان کی حکومت کو تقویت پہنچی فوراً اس کیساتھ ہو جاتے، خواہ اس سے عربی قومیت کو نقصان ہی کیون نہ پہنچ جاے، چنانچہ جنگ عظیم مین انھون نے ترکون کے خلاف اتحادیون کی پوری مدد کی، اس صلہ مین اختتامِ جنگ کے بعد ان کے حدودِ سلطنت بہت وسیع ہوگئے، جنگِ عظیم کے قبل جنوب مین ان کی سلطنت وادی العین سے آگے نہ تھی اور جنگ کے بعد دفعۃً حدیدہ تک وسیع ہوگئی، اسی کے ساتھ لحیہ، صلیف، باجل، عبال بھی ان کو مل گئے،

حدیدہ، حدیدہ کا اوپر جہان کہین ذکر آیا ہے، وہ امام یحییٰ کے تعلق یا اس کی عمرانی حیثیت سے تھا، لیکن جنگ عظیم کے بعد سے حدیدہ امام ادریسی کے پاس ہے، اور اس سے حکومتِ عسیر کو بہت گہرا تعلق ہے، اسلیے اس تعلق کو بھی معلوم کر لینا چاہیے ورنہ حکومتِ عسیر کے متعلق معلومات ناقص رہجائینگے، اس وقت حدیدہ کی پوزیشن اس حسین دوشیزہ کی ہے، جس کے بہت سے گاہک ہون اور ان مین محبت کے جذبہ سے زیادہ رشک و حسد کا غلبہ ہو، گو انگریزون نے اپنے مفاد کے خیال سے اسکو امام ادریسی کے حوالہ کر دیا ہے،

لیکن درحقیقت وہ اب بھی متنازعہ فیہ ہے اور انگریز سید ادریسی اور امام یحیی تینون مین کشمکش جاری ہے، اسی لیے ادریسی
کو خود اپنے قبضہ پر اعتبار نہین ہے اور وہ اس کی ترقی کے لیے کوئی سیاسی اور اقتصادی قدم نہین بڑھاتے ہین،
انگریز بھی علی الاعلان ان پر قبضہ کرنا نہین چاہتے، کیونکہ یہ انکی بساط سیاست کا نہایت مضبوط مہرہ ہے، اگر
قبضہ کرلین، تو ادریسی اور یحیی کیسا کھیل خراب جائیگا، غرض حدیدہ بالکل معلق حالت مین ہے، اسکی آبادی بھی اس
بارہ مین مذبذب ہے، تجار کا ایک طبقہ امام یحیی کو چاہتا ہے، وہ انگریز اور ادریسی دونون سے ناخوش ہے، کیونکہ
جنگ کے زمانہ مین اسکو جو نقصان پہنچا اسکا تاوان دونون مین سے کسی نے نہیں دیا، شافعی آبادی امام یحیی کو
مطلق نہین چاہتی، وہ ادریسی سے مطمئن ہوسکتی تھی، لیکن ان کے دور مین بھی حدیدہ کی تجارت اور رونق مین
کوئی اضافہ نہین ہوا، اس لیے وہ بھی مذبذب ہے، انگریزون کے ابتدائی قبضہ کے زمانہ مین عام تجار خصوصًا
ہندوستانی تاجران کے قبضہ سے بہت خوش تھے، لیکن ایک ہی سال کے بعد ان کی رائے بالکل بدل گئی، چنانچہ
حدیدہ کی حکمبرداری کے تصفیہ کے وقت جب یہان کے باشندون سے رائے لی گئی، تو سب نے باتفاق ترکون کی
حکومت کی خواہش کی، لیکن یہ ایسی خواہش تھی جسکا پورا ہونا محال تھا، پھر انھون نے حکومت مصر سے الحاق کی خواہش
کی، لیکن یہ بھی نہ ہوسکا، اور حدیدہ والون کی مرضی کے خلاف حدیدہ امام ادریسی کے حوالہ کردیا گیا، انھون نے حدیدہ
کے تجار کو بلایا، یہ ان سے خوش نہ تھے، اس لیے ٹال گئے، دوبارہ حاکم حدیدہ نے اپنے محل مین بلا بھیجا، یہ لوگ آئے اور
جیسے ہی محل کے اندر گئے، فورًا فوج نے جو پہلے سے متعین تھی گرفتار کرکے جیزان روانہ کردیا، اور ترکون کی حمایت
کے جرم مین سات مہینہ قید رہے، سات مہینہ کے بعد بعض تاجرون نے روپیہ دیکر گلو خلاصی حاصل کی، اور بعضون
نے لڑکون کو ضمانت مین داخل کرکے رہائی پائی، اس وقت حدیدہ بظاہر امام ادریسی کے قبضہ مین ہے لیکن عملًا
انگریزون کا قبضہ ہے[1]،

تجارتی حالت حکومت عسیر کے پاس چونکہ حدیدہ جیسا بڑا بندرگاہ ہے، اسلیے یہان تجارت کو بہت فروغ حاصل ہے،

[1] معارف:۔ لیکن آجکل حدیدہ پر امام یمن نے قبضہ کرلیا ہے،

خصوصاً حدیدہ مین بڑی تجارتی چہل پہل ہے، اس کے بعد میدی کا نمبر ہے، یہ مقام بازارون سے بھرا ہوا ہے، ہر طرف تجارت اور صنعت و حرفت کی گرم بازاری ہے، یہان ملک کے ہر حصہ کے تاجر آتے ہین، اسکی تجارت کا بڑا حصہ اسلحہ اور غلامون کی تجارت پر مشتمل ہے، امام یحیٰ بھی یہین سے اسلحہ خریدتے ہین، موتی اور تل کے تیل کی تجارت بھی ہوتی ہے، اس کی تجارتی ترقی کا سبب یہ ہے کہ یہان جنگی نہین ہے، اس لیے اکثر دور دراز کے تجار بھی اس راستہ سے آتے جاتے ہین، چنانچہ حجاز کے تاجر اسی راستہ سے جدہ سامانِ تجارت لیجاتے ہین، محرم کے مہینہ مین تجارت بند رہتی ہے، انگریزی حکومت کے سخت احتساب کے باوجود یہان اب تک بردہ فروشی بند نہین ہوئی ہے، مغربی علاقے کے جہاز آتے ہین، اور بکتے ہین، انگریزی قنصل متعینہ حدیدہ پوری روک تھام کرتا ہے، لیکن سیکڑون غلام اوسکی لاعلمی مین بک جاتے ہین، میدی کے بعد جنیران کا بازار بھی ہے، اس کی آبادی کل ۶ ہزار ہے، یہان شاہی قلعہ ہے اور اس مین کبھی کبھی سید ادریسی آکر رہتے ہین، اس لیے اس کا شمار پایہ تخت مین ہوتا ہے، زمانہ جنگ کے ابتدائی دو سالون مین صرف یہی مقام تجارت کے لیے کھلا تھا، اس لیے اس وقت یہان کی تجارت بہت فروغ پرتھی، اس کے بعد پھر میدی منتقل ہوگئی، لیکن پھر بھی سلطانی قیام گاہ کی وجہ سے چونکہ اس کی حیثیت مرکزی ہے اسلئے مغرب اقصیٰ، مصر، عسیر اور تمام جنوبی اور شمالی تہامہ کے باشندے یہان تجارت کے لیے آتے ہین، گو یہان بظاہر کوئی بڑا بازار نہین ہے، لیکن پھر بھی بڑی چہل پہل رہتی ہے اور چاندی سونا برستا رہتا ہے، جنیران کے بعد باجل مین بھی کسی قدر تجارت ہے، یہان کی ایک خصوصیت نہایت تعجب انگیز ہے، یہان کی عورتین بہت آزاد ہین، زندگی کی کشمکش مین مردون کے دوش بدوش نظر آتی ہین، ان کے قد موزون، خد و خال دل آویز ہین، اور نہایت آزادی کے ساتھ خرید و فروخت کے لیے بازارون مین چلتی پھرتی ہین، کھیتون مین مردون کے ساتھ کام کرتی ہین، مہمانون کی میزبانی کے فرائض انجام دیتی ہین، غرض زندگی کے ہر شعبہ مین ان مین ایک حرکت نظر آتی ہے، ایسا نسوانی مظاہرہ جزیرۃ العرب مین باجل کے سوا کہین نہین نظر آتا، ان کی اس آزادی اور چل پھر سے یورپ اور امریکہ کا دھوکا ہوتا ہے،

محاصل عسیر مین یمن کی ایسی شادابی نہین ہے، اس لیے غلون مین زیادہ گیہون ہی پیدا ہوتا ہے، پیداوار مین دسوان حصہ حکومت لیتی ہے، تجارتی منڈیان بکثرت ہین، اور میدی کے علاوہ سب مقامات پر چنگی سے حکومت کو کافی آمدنی ہوتی ہے، خصوصاً لونڈی غلامون کی تجارت آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے، بیسیون جہاز آتے ہین، اور حکومت فی غلام ۲۵ ریال ٹکس لیتی ہے، قدرتی محاصل مین نمک کی کانین بکثرت ہین، خصوصاً صلیف کی کان بہت مشہور ہے، جنگ عظیم کے قبل یہ کان ایک انگریزی کمپنی کے ٹھیکہ مین تھی، اگر حکومت ان کانون سے فائدہ اٹھانا چاہے، تو بہت معقول آمدنی ہوسکتی ہے، بہرحال حکومت عسیر کی موجودہ آمدنی کم وبیش ۵، لاکھ روپیہ سالانہ ہے،

فوج ادریسی کی فوجی قوت کچھ زیادہ اچھی نہین ہے، اس لیے وہ انگریزون سے میل جول ضروری سمجھتے ہین، امن و سکون کی حالت مین صرف پانسو آدمی شہردن مین پولیس کی جگہ رہتے ہین، خواہ ان کو پولیس کہا جاے، یا فوج، لیکن باجل مین مختصر سی فوج رہتی ہے، اور محمد طاہر رضوان اس کے سپہ سالار ہین، البتہ جنگ کے زمانہ مین شیوخ اور سرداران قبائل کے ذریعہ سے تیس چالیس ہزار آدمی ان کے علم کے نیچے جمع ہوجاتے ہین، یہ لوگ قدیم مجاہدین کی یاد تازہ کرتے ہین، ان مین کا ہر سپاہی اپنے خورد ونوش کا سامان سواری اور اسلحہ ساتھ لاتا ہے، جو کمی بیشی ہوتی ہے، اسکو حکومت پورا کرتی ہے، اور جنگ کے زمانہ بھران کو تنخواہین ملتی ہین، اس کے علاوہ مال غنیمت مین علحدہ حصہ ملتا ہے،

دوسری قومون سے تعلقات امراے عرب مین ادریسی کے تعلقات امام یحیٰی کے ساتھ بہت خراب ہین، جنکا سدھرنا بہت دشوار ہے، حتی کہ ان کی رعایا مین بھی امام کے خلاف نہایت نفرت انگیز جذبات موجود ہین، وہ لوگ امام کا نام نہایت حقارت کے ساتھ لیتے ہین، سید ادریسی کا بیان ہے کہ جنگ عظیم کے قبل دونون کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے، اور ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ تھا، لیکن امام یحیٰی نے اسکی پابندی نہین کی، جسکی وجہ سے ادریسی کو سخت نقصان پہنچا ہے، اس کے ثبوت مین وہ واقعات پیش کرتے ہین کہ ترکون نے جب یمن پر حملہ کرنا چاہا تو ادریسی نے تہامہ مین انکو روک دیا، دوبارہ پھر جب جنگ عظیم کے دوران مین ترکون نے ان کے حدود حکومت سے گذر کر شمال جانب سے یمن پر حملہ کی کوشش کی، تو پھر ادریسی نے روکا، لیکن جب انھون نے یمن کے پہاڑی علاقہ سے عسیر پر حملہ کیا تو امام یحیٰی

نے کوئی مزاحمت نہین کی جس سے حکومت عسیر کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، ان واقعات کے بعد دونون مین خط و کتابت بھی ہوئی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اسی لیے ادریسی کو امام یحیٰی کے نقصان پہنچانے مین بالکل باک نہین ہوتا، گو ان کے یہان باقاعدہ فوج نہین ہے لیکن جو زیدی سپاہی یمن چھوڑ کر عسیر آتا ہے ادریسی اسکو معقول تنخواہ پر رکھ لیتے ہین، ان کے تعلقات انگریزون کے ساتھ بظاہر اچھے ہین، لیکن درحقیقت ادریسی کو ان سے کسی قسم کا خلوص نہین ہے، وہ صرف اپنے فائدہ کے لیے ان سے ملے ہوے ہین، انگریز مال اور اسلحہ سے ان کی مدد کرتے ہین اور امام یحیٰی کے مقابلہ مین ان کے کام آتے ہین، اس لیے وہ ان کا سہارا لیے ہوئے ہین، لیکن ان کی دوستی پر ان کو مطلق اعتبار نہین ہے، چنانچہ بہت سے ایسے مواقع پر جہان ان کے اور انگریزون کے مفاد مین تصادم ہوتا ہے، ادریسی مطلق ان کے مفاد کا لحاظ نہین کرتے ہین، وہ علی الاعلان انگریزی قنصل کے سامنے کہتے ہین کہ میری طرح انگریزون کو کسی نے قبضہ مین نہین کیا ہے، مین نے ان کو نچا نچا دیا ہے،

بعض قبائل عسیر کے باشندون مین قدیم عرب کے تمام خصوصیات موجود ہین، شجاعت و شہامت، فیاضی اور مہمان نوازی کی وہی آن قائم ہے، زرانیق مین یہ شجاعت نہایت بری شکل مین نظر آتی ہے، ترکون کے زمانہ مین بھی قتل و غارت گری ان کا پیشہ تھا، چنانچہ یہ ان کے وظائف بھی لیتے تھے، اور تار کا سلسلہ بھی کاٹ دیتے تھے اور بحری و بری تاخت و تاراج کرتے پھرتے تھے، یہ لوگ روپیہ کے دوست ہین، ترکون کے زمانہ مین انگریزون سے اسلحہ لے کر ترکون کے خلاف ان کو مدد دی، پھر امام یحیٰی سے روپیہ لیکر مل گئے، پھر انگریزون کی گرفتاری مین قحرا کے ساتھ ہو گئے اور آخر مین ان کی چھڑانے والی جماعت مین پیش پیش تھے، غرض ان کا عجب حال ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا نظام بہت مکمل ہے، متمدن حکومتون کی طرح ان کے جاسوس حدیدہ، باجل اور یمن وغیرہ مین پھیلے ہوے ہین، اور ڈاکہ زنی مین بھی ضابطہ اور نظام کے پابند ہین، ایک مرتبہ سید ادریسی اور انگریزون سے بگڑے ہوئے تھے، جاسوسون نے خبر دی کہ حکومت کی دو کشتیان حدیدہ سے یمن جا رہی ہین، چنانچہ حملہ کر کے ان کے اسلحہ چھین لاے، بعد کو معلوم ہوا کہ ایک کشتی حکومت کی تھی بلکہ حدیدہ کے کسی تاجر کی تھی، چنانچہ اس کا سامان فوراً واپس کر دیا

سادات ادریسی حکومت کی وجہ سے یہاں جابجا سادات کی بستیاں ہیں، اور عموماً یہ لوگ آزاد ہیں، جہالت کے سبب سے ان کی اخلاقی حالت پست ہے، حدیدہ کی مشرقی جانب ان کی ایک بستی ہے، اسمین تمام تر سادات آباد ہیں، تمام اطراف مین ان کی تعظیم پرستش کی حد تک ہوتی ہے، خواہ کیسا ہی جاہل سید کیون نہ ہو، لیکن اسکی دست بوسی ہر شخص پر فرض ہے، اس صورت حال نے ان مین اور زیادہ خراب عادتین پیدا کردی ہین، سادات کشکول لے کر بازار نکل جاتے ہین، اور جس دوکان سے جو چاہتے ہین بلاقیمت اٹھا لیتے ہین، کوئی روک نہین سکتا، اس طرح غلہ، ترکاری، گوشت اور مٹھائی سے کشکول بھر کے واپس آجاتے ہین، ان مین سیادت کا اتنا غرور ہے کہ اگر کوئی سید اہل بیت کے علاوہ کسی اور گھرانے مین شادی کرلے اور اس کے بطن سے بچہ پیدا ہو، تو اس عورت پر ضروری ہے کہ ماں ہوکر بھی روزانہ اپنے سید زادہ بیٹے کی دست بوسی اور قدمبوسی کرے، اور لڑکا اس کو لونڈی سے زیادہ وقعت نہ دے، معیاذاً باللہ،

ارض القرآن

حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، ضخامت ۳۶۴ صفحے، قیمت عہ

حصہ دوم، قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۴۰۲ صفحے،

قیمت ۱۲عہ

"منیجر"

لیٹن رسم الخط

(۲)

فارسی زبان

از آقا سید محمد علی پروفیسر نظام کالج

یورپین تھذیب وتمدن نے ایشیائی دل ودماغ پر جو تسلط واقتدار حاصل کرلیا ہی اُسکا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ایشیائی ممالک مین جو رسم الخط جاری تھے، اب لیٹن رسم الخط مین ان کے بدلنے کا خیال عام طور پر ترقی کرتا جاتا ہے، اور ترکون نے اوسکو اسی رسم الخط مین بدل بھی دیا ہی ایران مین بھی فارسی رسم الخط کو بدل کر اسی لیٹن رسم الخط کے اختیار کرنے کی تحریک نشو ونما پارہی ہے اور عجب نہین کہ اس کے بعد اردو رسم الخط کے بدلنے کی بھی تحریک پیدا ہو،

آقا سید محمد علی پروفیسر نظام کالج نے شعبہ جامعہ معارف ایران کے ایک جلسے مین اس موضوع پر ایک مبسوط تقریر کی ہی جس مین علمی حیثیت سے فارسی اور لیٹن رسم الخط کا موازنہ کیا ہے اور دونون کے عیب وہنر دکھائے ہین، اور اخیر مین یہ فیصلہ کیا ہے کہ فارسی زبان کے لیے موجودہ فارسی رسم الخط سے بہتر کوئی دوسرا خط نہین ہوسکتا، چونکہ اردو رسم الخط بھی بعینہ فارسی رسم الخط کی نقل ہے، اس لیے اُن کے تمام دلائل فارسی رسم الخط کی طرح اردو رسم الخط پر بھی منطبق ہوتے ہین، اس مناسبت سے ہم ان کی تقریر کا خلاصہ معارف مین درج کرنا مناسب سمجھتے ہین،

(عبد السلام ندوی)

فارسی زبان کے رسم الخط مین تبدیلی پیدا کرنے کا خیال ایران مین پچاس سال سے پھیلا ہوا ہے، اور اس خیال کے پھیلانے مین سب سے زیادہ نمایان شخصیت مرزا ملکم خان نظام الدولہ کی ہے، لیکن

وہ اس رسم الخط مین صرف اصلاح کا خواہشمند تھا، کلیتہً اس کے بدل دینے کا خواہان نہ تھا، تاہم ایران مین ہمیشہ ایک جماعت فارسی زبان کے لیے لیٹن رسم الخط کے اختیار کرنے کی حمایت کرتی رہی ہے، اور اب جبکہ ہمارے ترک بھائیون نے اس رسم الخط کو ترکی زبان کے لیے اختیار کرلیا ہے، یہ جماعت اور بھی زیادہ قوت پکڑ گئی ہے، یہ مسئلہ درحقیقت نہایت اہم ہے، کیونکہ اس وقت عربی، فارسی، ترکی، اردو مسلمانون کی مخصوص زبانین ہین، اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑ سکتا ہے، اگر آج فارسی رسم الخط کو لیٹن رسم الخط مین بدل دیا جائے تو کل عربی کا بھی یہی حال ہوگا، اور عربی کے بعد اردو کی نوبت آئے گی،

لیٹن بارہ رومیون کی زبان تھی، لیکن رومی سلطنت کے مٹ جانے کے بعد جب یورپ کی جو دوسری سلطنتین قائم ہوئین تو انھون نے رومیون کے رسم الخط کو بعینہٖ قائم رکھا اور آج انگریزی، فرنچ، اٹالین، اور جرمن وغیرہ زبانین اسی خط مین لکھی جاتی ہین، البتہ خود لیٹن زبان ایک مدت دراز سے مردہ ہو چکی ہے، اور اس زبان کی صرف چند کتابین باقی رہگئی ہین، جو مدرسون مین پڑھائی جاتی ہین لیکن ان کتابون کے الفاظ کا تلفظ ہر زبان مین بالکل مختلف ہے، فرنچ تلفظ اور ہے اور انگریزی تلفظ اور ہے، البتہ اٹلی والون کا تلفظ اصل لیٹن زبان کے تلفظ سے ملتا جلتا ہے، تاہم چونکہ اصلی لیٹن زبان مردہ ہو چکی ہے، اس لیے یہ کسی کو معلوم نہین کہ لیٹن حرف کی اصلی آوازین کیا تھین؟ مثلاً " a " ایک لیٹن حرف ہے، جو انگریزی زبان مین کبھی الف فارسی کی آواز کبھی زبر ہندی کی آواز اور کبھی واؤ فارسی کے مشابہ آواز دیتا ہے، لیکن اٹالین زبان مین اس سے صرف الف فارسی کی آواز نکلتی ہے، اسی طرح انگریزی زبان مین " g " کبھی گاف فارسی کی آواز دیتا ہے، اور کبھی کوئی آواز ہی نہین دیتا، لیکن اٹلی والون کی زبان مین وہ کبھی کاف کی صدا دیتا ہے اور کبھی بے آواز رہتا ہے،

اب جبکہ لیٹن حروف کی اصلی آوازین فنا ہو چکی ہین، تو ہم کو یورپ کی کسی موجودہ زبان کی آواز اختیار کرنی پڑیگی، یعنی اگر ہم فرنچ، یا انگریزی، یا اٹالین یا جرمن یا دوسری زبانون کا رسم الخط اختیار کرین تو ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان زبانون کی آوازین فارسی زبانون کی آوازون کے مطابق ہین یا نہین؟ اور اگر مطابق

ہین، تو اس زبان والون نے جب اپنی زبان کے لیے لیٹن رسم الخط کا انتخاب کیا ہے تو حروف کی آوازون کے تناسب کا لحاظ رکھا ہے یا نہین؟ اس بنا پر ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم پہلے لیٹن حروف اوران کی آوازون کو، پھر فارسی زبانون کی آوازون کو بتائین، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ لیٹن خط فارسی زبان کی آوازون کو ادا کرسکتا ہی یا نہین،

ہم اوپر بیان کرچکے ہین کہ لیٹن زبان اوراس کے حروف کی آوازین فنا ہوچکی ہین، اس زبان کے بیچے کھچے جو چند الفاظ رہ گئے ہین، ان کا تلفظ یورپ کی ہر قوم اپنی زبان کے تلفظ کے مطابق کرتی ہے، صرف اٹالین تلفظ لیٹن تلفظ سے ملتا جلتا ہے، اس لیے ہم لیٹن حروف اوراس کی آوازون کو اٹالین ادیبون کے تلفظ کے مطابق اس جگہ درج کرتے ہین،

لیٹن زبان کے حروف اور انکی آوازین لیٹن زبان مین دو قسم کے حروف ہین، ایک اصلی اور دوسرے اعرابی چنانچہ ہم ان دونون قسم کے حروف کو بہ ترتیب لکھتے ہین،

حروف اصلی

	حروف	آواز		حروف	آواز
۱	B	ب	۱۰	N	ن
۲	C	ک، چ، س	۱۱	P	پ
۳	D	د	۱۲	Q	ک
۴	F	ف	۱۳	R	ر
۵	G	ج۔ گ	۱۴	S	س
۶	H	ک (وگاہے بے صدا)	۱۵	T	ت
۷	j	ی	۱۶	V	و
۸	L	ل	۱۷	Z	ز
۹	M	م	۱۸	x	کس

ان اٹھارہ حروف میں تین حرف یعنی kh - ch - x مکرر ہیں، اور ان کی کوئی خاص آواز نہیں ہے،
بلکہ "kh" "خ" کی آواز، اور "ch" "چ" کی آواز دیتا ہے، جو اعرابی حروف ہیں جیسا کہ آگے آئیگا، "x"
کاف اور سین کی مخلوط آواز دیتا ہے، حالانکہ ہر کاف اور سین دونون کے لیے علحدہ حروف ہیں یعنی S
اور اس بنا پر اگر اٹھارہ حروف مین سے یہ تینون مکرر حروف نکال دیئے جائین تو پندرہ حروف باقی
رہ جاتے ہین، جو حروف اعراب کے ساتھ جمع ہوتے ہین،

حروف اعراب | لیٹن خط کے حروف اعراب یہ ہین۔

	آواز	حروف
۱	الف اور زیر کے درمیان آواز دیتا ہے،	a
۲	یاے ماقبل مفتوح کی آواز دیتا ہے	E
۳	یاے ماقبل مکسور کی آواز دیتا ہے	i
۴	واو معروف کی آواز دیتا ہے	u
۵	الف فارسی کی آواز دیتا ہے،	o

۶ اب اگر ان پانچون حروف اعراب کو پہلے پندرہ حروف اصلی کے ساتھ جمع کرین تو ۲۰ حروف ہوتے ہین،
اس لئے لیٹن خط صرف ۲۰ آوازون کو ادا کر سکتا ہے، حالانکہ فارسی زبان مین ۳۰ آوازین ہین، اس لیے لامحالہ
دس آوازون کو انھی ۲۰ حروف سے ادا کرنا پڑیگا، اور اسکی صورت یہ ہوگی کہ دس حروف سے دو آوازین ادا
کیجائینگی، یا انھی ۲۰ حروف سے ترکیب دے کر مرکبات بنائے جائین گے، اور ہر مرکب بغیر کسی مناسبت کے
ایک آواز کے لیے معین کر دیا جائے گا،

زبان فارسی کی آوازین اور علامتین | فارسی رسم الخط مین ۳۰ علامتین لکھی جاتی ہین،

ا ب پ ت ث ج چ ح خ د ذ ر ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵

گ	ل	م	ن	و	ہ	ی	ـــ (زبر)	ـِـ (زیر)	ـُـ (پیش)	ـّـ (تشدید)	ـْـ (جزم)
۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷

ان مین آٹھ حروف یعنی (ث ح ص ض ط ظ ع ق) جو عربی مین مخصوص آواز رکھتے ہین فارسی مین مکرر ہین، اور دوسرے حروف کی آواز دیتے ہین مثلاً ث اور ص س کی، ح ہ کی، ض اور ظ، ز کی ط، ت کی، ع الف کی اور ق، غ کی آواز دیتا ہے اسلیے اگر ان ۳۷ علامتون مین سے آٹھ کو نکال دیا جاسے تو ۲۹ باقی رہجاتی ہین،

موجودہ فارسی زبان مین ذال ز کی آواز دیتا ہے، گو قدیم زمانے مین پہلوی زبان مین اسکی ایک مخصوص آواز تھی، لیکن اب خود اسکی کوئی آواز نہین ہے، اس لیے موجودہ فارسی مین حرف ذال مکرر ہے اور اب اس کے نکالنے کے بعد ۲۹ علامتون مین سے صرف ۲۸ باقی رہجاتی ہین،

فارسی خط مین جزم (ـْـ) کی بھی کوئی آواز نہین ہے، اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نیچے جو حرف ہے اس کا کوئی اعراب نہین ہے بلکہ وہ اپنی اصلی آواز دیتا ہے، تشدید کی بھی کوئی آواز نہین ہے، اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نیچے کا حرف مکرر پڑھا جائیگا، لیکن اگر وہی حرف مکرر لکھدیا جاسے تو تشدید کی ضرورت نہ ہوگی اب اگر ان دونون بے آواز علامتون کو بھی نکال دیا جاسے تو ۲۶ علامتین باقی رہجاتی ہین، جو اپنی مخصوص آواز رکھتی ہین، لیکن زبانِ فارسی مین چار آوازین اور ہیں جو اس طرح پیدا ہوتی ہین کہ اعراب کی دو قسمین ہین،

(۱) حرکات کے ساتھ اعراب مثلاً زبر و زیر و پیش،

(۲) حروف کیساتھ اعراب مثلاً الف، واو اور ی کے ساتھ جیسے باد، بود او بند مین الف، واؤ اور ی اعرابی حروف ہین، اب ۲۶ آوازون پر ان تینون آوازون کے اضافہ کے بعد ۲۹ آوازین ہوجاتی ہین،

فارسی زبان مین واو کی بھی دو قسمین ہین،

(۱) وہ واو جو دونون ہونٹھون سے اپنی آواز دیتا ہے، مثلاً شو اور قول

(۲) وہ واو جو نیچے کے ہونٹھ اور اوپر کے دانت سے آواز دیتا ہے، مثلاً ور زیدن کا واؤ، تو اب اگر واو کی اس آواز کا بھی اضافہ کردین تو فارسی زبان کی مجموعی آوازین ۳۰ ہوتی ہین اور اس لحاظ سے فارسی خط مین ان تیس آوازون کے مقابل مین ۳۰ علامتین ہونی چاہئیین حالانکہ ایسا نہین ہے، بلکہ صرف ۲۷ علامتین ہین جنمین اگیارہ علامتین یعنی (ث، ح ذ، ص ض ط ظ ع، ق ہ (جزم) ّ (تشدید) بے آواز ہین، اور بقیہ ۲۶ علامتین آواز دیتی ہین، چار علامتین کم ہین کہ انھی ۲۶ حروف مین سے (الف ری) دونون دو آواز دیتے ہین، اور ایک حرف (و) تین آواز دیتا ہے، اور یہ فارسی زبان کا ایک نقص ہے،

اب ہم فارسی زبان کی تیسون آوازون کے مقابل مین لیٹن حروف کو لکھتے ہین تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کتنی آوازین بے حرف رہ جاتی ہین،

	آواز فارسی	لیٹن حرف		آواز فارسی	لیٹن حرف
۱	الف اصلی	O	۱۰	ر	R
۲	الف اعرابی	ندارد	۱۱	ز	Z
۳	ب	B	۱۲	ژ	ندارد
۴	پ	P	۱۳	س	S
۵	ت	T	۱۴	ش	ندارد
۶	ج	G	۱۵	غ	ندارد
۷	چ	C	۱۶	ف	F
۸	خ	ندارد	۱۷	ک	Q
۹	د	D	۱۸	گ	ندارد

	آواز فارسی	لیٹن حرف		آواز فارسی	لیٹن حرف
۱۹	ل	L	۲۵	ھ	ندارد
۲۰	م	M	۲۶	ی (اصلی)	Y
۲۱	ن	N	۲۷	ی (اعرابی)	I
۲۲	و (از دولب)	ندارد	۲۸	ــَـ زبر	ندارد
۲۳	و (از لب پائین و دندان بالا)	V	۲۹	” زیر	ندارد
۲۴	و (اعرابی)	U	۳۰	ــُـ (پیش)	ندارد

خط فارسی کے نقائص: فارسی خط کا پہلا نقص جیسا کہ بیان کیا گیا یہ ہے کہ اس مین اگیارہ علامتین بے آواز ہین، اور چار آوازون کے لیے اس مین مخصوص علامتین نہین ہین،

دوسرا نقص یہ ہے کہ حرکات اعرابی کے لیے حروف سے الگ علامتین ہین، جو حروف کے ساتھ نہین لکھی جاتین بلکہ حروف کے اوپر اور نیچے لکھی جاتی ہین، جس سے تحریر مین زحمت ہوتی ہے اور وقت زیادہ صرف ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انکو لکھا نہین جاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بے اعراب تحریر کو صرف منتہی پڑھ سکتے ہین، مبتدی اور غیر اہل زبان کو اس کے پڑھنے مین دشواری پیش آتی ہے،

ایک اور نقص یہ ہے کہ الفاظ کے حروف نہ کلیتہً الگ الگ لکھے جاتے، نہ کلیتہً ملا کر لکھے جاتے بلکہ بعض الفاظ مثلاً "دور" کے حروف الگ الگ، بعض الفاظ مثلاً "گفت" کے حروف ملا کر اور بعض الفاظ مثلاً "شاہ" کے کچھ حروف الگ الگ اور کچھ حروف ملا کر لکھے جاتے ہین، اور اس صورت مین یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ اگر کاتب الفاظ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ چھوڑے، تو بعض الفاظ کے بعض حروف، پہلے لفظ کے بعض حروف سے مل کر پڑھنے مین دشواری پیدا کرتے ہین، یہی وجہ ہے کہ فارسی الفاظ کے پڑھنے کے لیے زیادہ علم کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کے پڑھنے لکھنے مین وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔

فارسی خط مین یہ نقص بھی ہے کہ اسمین ٹائپ کے حروف اس کثرت سے ہین کہ ایک صفحہ کے چھاپنے کے لیے سیکڑون حروف کی ضرورت ہوتی ہے، اوران کے کمپوز کرنے کے لیے بھی مہارت درکار ہے، اس کے برعکس لیٹن خط مین الفاظ الگ الگ حروف مین چھپتے ہین، اس لیے زیادہ حروف کی ضرورت نہین ہوتی، اور کمپوز کرنے مین بھی آسانی ہوتی ہے،

فارسی خط مین نقطون کی کثرت بھی ایک نقص پیدا کردیتی ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ خط فارسی ناقص ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس ناقص خط کا بدل کیا ہو سکتا ہے؟ دنیا کے تمام خطوط ناقص ہین، یہانتک کہ لیٹن خط خود رومی زبان کے لیے ناقص ہے، کیونکہ رومی زبان مین ۴۰ سے زیادہ آوازین ہین جو لیٹن خط کے احاطہ سے باہر ہین، اس وقت یورپ کے اور خط بھی ناقص ہین مثلاً انگریزی زبان مین ۳۲ آوازین ہین لیکن انگریزی زبان کے خط مین صرف ۲۶ حروف ہین، جو ۲۲ آواز دیتے ہین، بقیہ دس آوازین انھی حروف کی ترکیب و تکرار سے نکلتی ہین جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی خط فارسی زبان سے بھی زیادہ ناقص ہے، چنانچہ اس کے ثبوت مین ہم انگریزی خط کو پیش کرتے ہین:-

	آواز	حروف		آواز	حروف
۱	ب	B	۱۰	ن	N
۲	د	D	۱۱	پ	P
۳	ف	F	۱۲	ر	R
۴	ج۔گ	G	۱۳	س	S
۵	ہ	H	۱۴	ت	T
۶	ج	J	۱۵	و (از لب زیرین و	V
۷	ک	K	״	دندان بالا)	W
۸	ل	L	۱۶	و (از دو لب)	
۹	م	M	۱۷	ز	Z

انگریزی زبان کے اصلی حروف مین چار حرف یعنی C . Q . X . Y کی کوئی مخصوص آواز نہین
ہے، بلکہ حرف C کبھی S کی اور کبھی K کی آواز Q ، K کی آواز X دو حروف یعنی H اور S
کی آواز اور Y " i " کی آواز دیتا ہے، جو اعرابی حرف ہین،

انگریزی زبان کے اعرابی حروف حسب ذیل ہین،

۱	A -	کبھی فتحہ فارسی کی آواز دیتا ہے اور کبھی الف اور فتحہ کے درمیان کی آواز	FATHER FAT
۲	E -	کبھی کسرہ کی آواز دیتا ہے اور کبھی یاے معروف کی	MEN . ME
۳	i -	کبھی یاے ماقبل مفتوح کی اور کبھی یاے معروف خفیف کی آواز دیتا ہے	MINE, MILK.
۴	O -	کبھی الف فارسی کی آواز دیتا ہے اور کبھی واو معروف کے مشابہ آواز دیتا ہے	[illegible]
۵	U -	کبھی زبان اردو کے فتحہ کی آواز دیتا ہے اور کبھی یو کی	BUT, TIME

اب اگر حروف اعراب کی ان دس آوازون کو حروف اصلی کی سترہ آوازون کے ساتھ جمع کر دین تو ستائیس[۲۷] آوازین ہوتی ہین، ان کے علاوہ انگریزی زبان مین ش، چ، ژ، ث اور ذال کی آوازین بھی ہین، مثلاً WITH AZURE, CHURCH SHUT اس لیے اگر ان ستائیس[۲۷] آوازون پر ان پانچ آوازون کا اضافہ کرین تو ۳۲ آوازین ہوتی ہین، اور یہ تمام آوازین ۲۶ حروف سے بلا تناسب ادا ہوتی ہین،

ان تمام مباحث کے بعد آقاے موصوف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فارسی زبان کے لیے موجودہ فارسی خط سے زیادہ کوئی خط موزون نہین ہے، اور اسی سلسلے مین فارسی خط کی متعدد خوبیان گنائی ہین جنمین اس کی سب سے بڑی خوبی خوشنویسی ہے، ایشیا کے فنون لطیفہ مین یہ ایک بہت بڑا فن ہے، اور اسمین متعدد صاحب کمالون نے شہرت حاصل کی ہے، اور ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین اور قطعے مختلف عجائب خانون کی زینت ہین، اگر اس خط کو بدل دیا گیا، تو ایشیا کے ایک مخصوص فن کا خاتمہ ہو جائیگا،

پیرس کے اردو مخطوطون کی فہرست

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی ایم۔ آر۔ اے ایس، ایف آر، اے، ایس (لندن)

تاریخ ہند کا مبتدی بھی اس سے واقف ہے کہ فرانسیسیون کا تعلق ہندوستان کے ساتھ کب سے شروع ہوا، بجائے
کے ساتھ ساتھ جہان ملک گیری ہوتی رہی، وہان ملک گیری کے ساتھ یہان کے نایاب ذخیرے بھی یورپ کو
منتقل ہوتے رہے، منجملہ دیگر اشیاء کے ایک قلمی کتابین ہین جو آج بھی پیرس کے قومی کتب خانہ ببلیوتھک
نیشنل BIBLITHEQIIE مین موجود ہین، عربی۔ فارسی، سنسکرت، مرہٹی، تلنگی سے قطع نظر کر کے
ہم کو صرف اردو سے بحث کرنی ہے،

فرانس کا محقق اردو، گارسی ڈی تاسی ہے جس کے خطبات کا ترجمہ رسالہ اردو اورنگ آباد مین
نواب مسعود جنگ بہادر نے شائع کیا ہے، خیال یہ تھا کہ گارسی ڈی تاسی کا پورا کتب خانہ پیرس کے قومی
کتب خانہ مین منتقل ہوا ہوگا، مگر ایسا نہین ہے، صرف چند مخطوطے اس کے یہان آئے ہین، اس کا پورا کتب خانہ
کیا ہوا؟ کدھر گیا؟ کسی کو اس کا علم نہین ہے،

موجودہ زمانہ مین فرانس کے پروفیسر سنسکرت موسیو جوابلاق اس کی تلاش مین ہین، ممکن ہے،
پتہ چل جائے،

معلوم ہوتا ہے، ڈی تاسی کے مرنے پر اس کے ورثہ نے کتب خانہ کی حفاظت نہین کی، اور وہ
منتشر ہو گیا، چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ مین ولی کا جو دیوان
ہے وہ ڈی تاسی کی ملک رہا ہے اس پر اس کے نوٹس بھی ہین، بہرحال افسوس ہے، اردو مخطوطون

کی یورپ کو منتقلی کے بعد بھی حفاظت نہین ہوئی !!

پیرس کے قومی کتب خانہ کے اردو مخطوطون کی کیٹلاگ ۱۹۱۲ء مین شائع ہوئی ہے جس کا مصنف (A.CABATON) ہے، یہ کیٹلاگ، انڈیا آفس یا برٹش میوزیم کے کیٹلاگ کی طرح صراحت و وضاحت سے نہین ہے، اور پھر کئی حیثیت سے نامکمل اور غیر صحیح ہے،

اوّل تو یہ کہ اردو مخطوطون کو ہندوستانی سے (INDIEN) موسوم کرکے جو فہرست بنائی گئی ہے اس مین (۲۴۱) کتابین ہین مگر منجملہ ان کے صرف (۱۵۱) اردو مین، باقی سنسکرت، مرہٹی، تلنگی، تامل۔ فرنچ وغیرہ مین، طرفہ یہ ہے کہ سنسکرت، مرہٹی، تلنگی وغیرہ کے بھی علیحدہ کیٹلاگین ہین، منتظمین کتب خانہ کے حسب بیان ہندوستانی (INDIEN) سے صرف اردو مخطوطے مراد ہین، اس سے واضح ہے غیر اردو کو اردو سے موسوم کرنا کس قدر غلطی ہے،

دوسری فروگذاشت یہ ہوئی ہے کہ کئی ایک مخطوطے جو ایک دوسرے کے ساتھ مجلد مین، ان کا ذکر بھی نہین ہے، اس طرح کئی کتابین کیٹلاگ سے مفقود ہین، اور جب تک کتابون کو دیکھا نہ جائے کچھ معلوم نہین ہو سکتا،

تیسری فروگذاشت یہ ہے کہ اندراج فہرست مین کوئی خاص ترتیب فن یا حروفِ تہجی وغیرہ کی نہین رکھی گئی ہے جس کے باعث کسی خاص کتاب کی تلاش مشکل سے خالی نہین،

ان کے سوا کتابون کے نام مصنفین (جو صرف چند ہین) کے نامون کے متعلق بھی غلطیان تھین، منتظمین کتب خانہ کو جب ان امور سے آگاہ کرایا گیا تو اُنھون نے خاص طور پر مجھے اس امر کی اجازت دی کہ کتب خانہ کے صرف اردو مخطوطون کی فہرست مرتب کردون،

ظاہر ہے یہ کام علاوہ دقت طلب ہونے کے کافی وقت کا مقتضی تھا، بریں ہم فن کے لحاظ سے ایک فہرست مرتب کردیگئی جو غالباً طبع کیجائے گی،

ناظرین "معارف" کی آگاہی کے لیے یہان کے اردو مخطوطون کی فہرست کا انتخاب ذیل مین پیش

مذہبی

(۱) خلاصۃ المعاملات ۔ ورق (۴۲) سطر (۱۵) مصنف سہیل، منظوم

(۲) انواع العلوم ۔ ورق (۱۳۰) سطر (۱۵) مصنف سہیل، منظوم،

(۳) فقہ ہندی ۔ ورق (۱۲) سطر (۱۲) رر امین رر

(۴) فرائضِ نص ۔ ورق (۱۴) سطر (۱۲) رر رر

(۵) نورنامہ ۔ ورق (۱۰) سطر (۱۵) مصنف الٰہی بخش رر

(۶) انتخاب الکتب ۔ ورق (۵۲) سطر (۱۵) رر کمال الدین رر

(۷) نافع المسلمین ۔ ورق (۷۹) سطر (۱۶) رر

(۸) رسالہ عقائد ۔ ورق (۱۳) سطر (۲۳) رر محمد باقر آگاہ رر

(۹) ہدایت نامہ ۔ ورق (۱۰) سطر (۲۳) رر رر رر

تاریخ

(۱۰) عاشورنامہ ۔ ورق (۵۰) سطر (۱۱) مصنف ۔ عبدالملک، رر سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ

(۱۱) نکات الشعرا ۔ ورق (۵۳) سطر (۱۵) مصنف ۔ میر تقی میر رر

(۱۲) گلشنِ ہند ۔ ورق (۱۵۲) سطر (۱۷) رر مرزا علی لطف رر

(۱۳) تاریخِ آسام ۔ ورق (۱۳۶) سطر (۱۵) رر سید بہادر علی حسینی رر

یہ احمد شہاب الدین کی تاریخِ آسام کا (جو سنہ ۱۰۷۳ھ میں مرتب ہوئی تھی) ترجمہ ہے جس کو سید بہادر علی حسینی نے سنہ ۱۸۰۵ء میں کیا ہے،

(۱۴) ہشت بہشت ۔ ورق (۲۱) سطر (۲۳) مصنف ۔ محمد باقر آگاہ، رر

(۱۵) سری کشن ورق (۴۹۵) سطر (۱۵)

قصص

(۱۶) ترجمۂ گلستان۔ ورق (۱۸۰) سطر (۱۱)

(۱۷) نسخہ ثانی۔ (۷۴) سطر (۱۱) صرف بابِ اول کا ترجمہ ہے،

(۱۸) پدماوت۔ ورق (۲۰۸) سطر (۱۱) مصنف۔ ملک محمد جائسی۔

شیرشاہ سوری کے زمانہ مین اوّل مرتبہ پدماوت بزبانِ بھاکا مرتب ہوئی ہے، "پدماوت" پر ہم نے تفصیل سے مضمون لکھا ہے جو نیرنگِ خیال مین شائع ہوا ہے، اس وقت یہ "بھاکا" کتاب دستیاب نہین ہوئی تھی، اس لیے اس کی صراحت اس مین نہین ہے، کیمبرج مین بھی اس کا ایک نسخہ ہم نے دیکھا ہے، پیرس کا یہ نسخہ ۱۱ رجب سنہ ۱۱۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے، پہلا شعر حسب ذیل ہے:-

سنور دن آوایک کرتار و جین جیو دنیہ کینہ سنیار و

(۱۹) افسانۂ ہندی۔ ورق (۵۶) سطر (۱۵) . . . . نثر

(۲۰) قصۂ جنگِ امیر حمزہ۔ ورق (۹۶) سطر (۱۲) . . . . نثر

یہ قصہ داستانِ امیر حمزہ کے سوا ہے، اس مین ۲۲ قصون مین کتاب ختم ہوتی ہے، تاریخِ کتابت سنہ ۱۱۹۵ھ

(۲۱) مثنوی سحرالبیان۔ ورق (۳۳) سطر (۱۱) مصنف۔ میر حسن۔

(۲۲) دوسرا نسخہ سنہ ۱۲۱۲ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۲۳) تیسرا نسخہ سنہ ۱۲۳۱ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۲۴) چوتھا نسخہ . . . .

(۲۵) مثنوی راسخ۔ ورق (۳۱) سطر (۱۱) مصنف راسخ سنہ کتابت سنہ ۱۲۳۱ھ

(۲۶) قصہ خاور شاہ۔ ورق (۲۱۶) سطر (۱۱) مصنف۔ غلام حسین۔ منظوم

داستانِ امیر حمزہ کی طرز پر شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ مین مرتب ہوئی ہے، پہلا شعر:-

کیا کہے اب زبان حمدِ خدا　　ما عرفناک جب نبی نے کہا

(۲۷) مثنوی یوسف زلیخا - ورق (۱۴۹) سطر (۱۴) مصنف محمد امین۔

سنہ تصنیف ۱۱۰۹ھ - یہ مثنوی عالمگیر کے عہد مین بھروچ (گجرات) مین لکھی گئی ہے، اس کے متعلق مین نے تفصیل سے علحدہ مضمون لکھا ہے، جو "جامعہ" مین شائع ہوا ہے،

(۲۸) وامق و عذرا - ورق (۴۰) سطر (۱۱) منظوم

(۲۹) انشار نورتن - ورق (۱۹۳) سطر (۱۵) مصنف محمد بخش مہجور شاگرد "جرأت" غازی الدین حیدر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی ہے، سنہ تصنیف ۱۲۳۰ھ یہ نسخہ خود مصنف کا قلمی ہے،

منظومات

(۳۰) معراج نامہ - ورق (۴۳) سطر (۱۵)

(۳۱) دوازدہ ماسہ ورق (۱۵) سطر (۱۱) مصنف کا نام باوجود تلاش نہ معلوم ہوا،

(۳۲) کلیاتِ سودا - ورق (۲۳۴) سطر (۹ تا ۱۲) مصنف - مرزا رفیع سودا

(۳۳) نسخہ ثانی - - - - - - - - - - - -

(۳۴) مجموعۂ کلام - ورق (۲۳) سطر (۱۱) ولی اور سودا کا مختصر انتخاب ہے،

(۳۵) دیوانِ عاجز - ورق (۴۰) سطر (۱۵) عارف الدین خان عاجز کا دیوان ہے جن کی مثنوی لال و گوہر بھی مشہور ہے، اس کے دو نسخے انڈیا آفس اور ایک نسخہ برٹش میوزیم مین ہے،

(۳۶) دیوانِ علیم اللہ شاہ - ورق (۹۶) سطر (۹) مصنف علیم اللہ شاہ سنہ کتابت ۱۲۵۷ھ

(۳۷) مجموعہ کلام - ورق (۱۷۶) سطر (۹) چند فارسی اور اردو غزلون کا مجموعہ ہے۔

(۳۸) راگ ہائے ہندی - ورق (۴۵۴) سطر (۱۵)

(۳۹) کلام چراغ علی شاہ - ورق (۲۲) سطر (۱۰) مصنف چراغ علی شاہ،

(۴۰) دیوانِ امان۔ ورق (۷۶) سطر (۱۱) مصنف۔ امان۔

(۴۱) تحفۃ النساء۔ ورق (۱۸) سطر (۲۳) مصنف۔ محمد باقر آگاہ،

(۴۲) ریاض الجنان۔ ورق (۷۲) سطر (۲۳) مصنف 〃

(۴۳) رسالہ فرقہ ہائے اسلام۔ ورق (۷) سطر (۲۳) مصنف 〃

(۴۴) ہدایت نامہ۔ ورق (۱۰) سطر (۲۳) مصنف 〃

متفرق

(۴۵) چند خطوط۔ کسی غیر معروف شخص کے چند خطوط ہین، ورق (۱۱) سطر غیر معین،

(۴۶) لغت فارسی واردو۔ ورق (۱۲۱) سطر (۱۲)

(۴۷) آموز المنشی۔ ورق (۱۷) سطر غیر معین،

(۴۸) چند یادداشتین، ورق (۳۰) سطر (۱۵)

(۴۹) اردو وفرنچ۔ ورق (۱۰۲) سطر (۱۱)

(۵۰) آئین وقواعدِ افواج کمپنی علاقہ مدراس۔ ورق (۳۵) سطر (۱۳)

انگریزی فوج مقیم مدراس کے متعلق فوجی قواعد اور سزا وغیرہ کے قانون بیان کئے گیے ہین،

(۵۱) نامعلوم الاسم۔ ورق (۱۱۲) سطر (۱۱)

تصوف مین ایک نامکمل کتاب ہے، پنجابی زبان مین لکھی گئی ہے،

یہ ہے کل مخطوطون کی تفصیل جو پیرس کے قومی کتب خانہ مین محفوظ ہین،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

شادِ مرحوم کے ڈھائی خط

مقبول بنیوا کی بیالیس تینتالیس برس کی کمائی یا علمی و ادبی سرمایہ مین کم و بیش اکیزار خط ایسے محفوظ ہین جنپر دنیاے ادب و انشا کو ناز ہو سکتا ہے، ان مین اعزہ و اساتذہ کی تحریرات بھی ہین اور مشاہیر اہل قلم کی بھی، زندگی نے وفا کی تو استعفاے خدمت کے بعد ان جواہر پارون کو انتخاب و ترتیب دیکر قدر شناسون کے نذر کرونگا، ورنہ اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ، لیکن جولائی کے معارف مین "متروکاتِ شاد" کو دیکھ کر مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی، ان کے تین خط تلاش سے اس وقت مل گئے، پیشکشِ احباب ہین، پہلا والا نامہ خود بتاتا ہے کہ کس موقع پر کس تقریب سے لکھا گیا تھا، میرے والد بزرگوار فتحپور مین ڈپٹی کلکٹر تھے، ایک نامور فاضل ادیب و شاعر اور صاحب تصانیف کثیرہ ہونے کی حیثیت سے شاد نے اپنی بعض کتابین ان کو بھیجی تھین، مین ایک نوعمر طالب علم تھا، نوآموز و نومشق، شاد کی مثنوی "نوید ہند" پر ریویو لکھا جو شاید (اودھ اخبار لکھنو اور) ریاض الاخبار گورکھپور (دونون) مین چھپا، مرحوم نے قدر شناسی اور اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی، دوسرا صحیفہ عطاے خطاب "خان بہادر" کی تہنیت کے جواب مین صادر ہوا تھا، تیسرا (کارڈ) آخری تحریر ہے، جب مین شاد کو اور وہ مجھے بھول چکے تھے، مئی سنہ ۱۹۲۴ء کے معارف مین ان کی ایک غزل چھپی، ایک مصرع مین کوئی لفظ چھوٹ گیا تھا، سکتہ سا تھا، مین نے اپنا خیال عرض کیا، آپ نے تصدیق اور اس فروگذاشت کی تصحیح فرمائی،

شاد تو دنیا سے رخصت ہو چکے اور یہ ناچیز شاد و ناشاد ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو تیار ہے ع

ماندہ ایم و دلبستی سخن از ما ماند

(مقبول صمدانی)

(۱)

مطاعِ محترم من دام معالیکم و بورکت ایامکم ولیالیکم، تسلیم دو عنایت نامے باعثِ مزید شکر گذاری ہوئے، ؎

قاصد رسید و نامہ رسید و خبر رسید درحیرتم کہ جان بکدامی کنم نثار

نامۂ منظور کے عطا فرمانے کا شکریہ دل سے بجا لاتا ہون، مین ایسی بیش بہا اور نایاب کتاب پر ضرور کچھ لکھ کر خدمتِ عالی مین پیش کرونگا، گو اسکی لیاقت نہین رکھتا کہ ایسے باکمالون اور وحیدِ عصر فاضلون کی تصانیف کو سمجھ بھی سکون، آپ کی غائبانہ محبت، لیاقت، ریاست، متانت نے ضرور میرے دل پر انتہا سے زیادہ اثر پیدا کیا، اور مین اس ریویو کا جو نویدِ ہندسی ناچیز کتاب پر لکھا گیا بے انتہا ممنون ہون، میرا ہرگز یہ قاعدہ نہین کہ اپنی غم انگیز کہانی ایسے سنجیدہ اور لائق فائق لوگون کے سامنے لے بیٹھون مگر تعمیلِ حکم کئے بغیر چارہ نہین، قلتِ فرصت سے اگر اختصار ہو جائے تو قابلِ عفو تصور کیا جاؤن، ورنہ اپنے نزدیک اسی مختصر مین کوئی بات اٹھا نہ رکھون گا، انشاء اللہ یہ خیال کر کے کہ آپ بھی اس ہذیان سرائی کو ایک دل لگی سمجھین، اسکو فصل فصل کر کے لکھتا ہون،

فصل اول نسب کے بیان مین میرا پردادا نواب سید دانش مند خان محمد شاہی امیر الامرا خاندان کا بہنوئی ہے، خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ کے خاندان مین منسوب ہون، میری دادی قطب الملک سید عبد اللہ خان بارہہ وزیر اعظم کے خاندان کی ہے، نانا میرا نواب لطف اللہ خان صادق ہے، جس نے کئی بادشاہانِ دہلی کے ساتھ بڑے بڑے معرکے جھیلے ہین، نانی میری نواب مہابت جنگ صوبہ دارِ بنگالہ کے خاندان سے ہے ان لوگون کے حالات موجودہ سب تاریخون مین کم و بیش مندرج ہین، اب تک گورنمنٹ سے مجھکو تنخواہ ملتی ہے، اور بزرگون کا کسی قدر المتغا بھی میرا وجہِ بقائے معیشت ہے،

فصل دوم حالات تحصیلِ علم مین مین انگریزی مطلق نہین جانتا، اسکی حسرت ضرور ہے، عربی مین صدرا تک بے ترتیب کتابین نکل گئی ہین، چونکہ میرے چچا کا گھر ایرانیون کی فرودگاہ تھا، اس لیے فارسی زبان مین کسی قدر دستگاہ ہو گئی، ہان چوڈ

برس راتون کو جاگ جاگ کر سب قسم کی کتابون کو ضرور دیکھ گیا ہون، چاہے کچھ یاد رہا ہو یا نہ رہا ہو، پانچ برس تک اخبار نسیم سحر پٹنہ کا آنریری اڈیٹر بھی رہ چکا ہون، پندرہ برس کی عمر سے شاعری کا ناصور پیدا ہوا، اب عمر میری تقریباً ۴۴ سال کی ہے، میری تصانیف علاوہ اُن کے جو چھپ گئی ہین، ایک اردو کا دیوان ہے جسمین غزلین دو ہزار سے زیادہ اور اکثر اقسامِ نظم پر مبنی ہے، مین مثنوی کا شاعر نہین ہون، اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ مثنوی کی نسبت میری غزلیت زیادہ ہے، اور مینا کار اس کے بھی یہی تصفیہ فرماتے ہین، غرض کلیات نظم ۴ جزون مین اور کلیات نثر ۱۲ جزون مین ہے، میرے شاگرد اکثر صاحب دیوان ہین، حکامِ انگریزی گورنمنٹ مجکو میرے فن کے ساتھ جانتے اور پہچانتے ہین، یہ احوالات صاف صاف جو تھے وہ عرض کئے گئے، بخدا سے طرز ل خودستائی ویادہ گوئی نہین ہے

فصل سوم تنازع اہل وطن کے باب مین | ابتدائے مشق شاعری مین مین بھی مشاعرون مین شریک ہونے لگا، بعد چندے جو لوگ کہنہ مشق تھے حسد کی نگاہون سے دیکھنے لگے، تھوڑے دنون بعد کچھ لوگ اور بھی ان کے شریک احوال ہو گئے، اور ہمیشہ یہی قصد رہا کہ جس طرح ہو سکے اور جہان تک ممکن ہو میری شہرت کو مٹا کر ذلیل و رسوا کرین، لیکن کوئی صورت مدتون تک نہ نکلی، یہان تک کہ مین نے ایک کتاب موسوم بہ **نوائے وطن** لکھی، اور اتفاق کا بڑا ہو کہ بلا غور و نظر ثانی چھپ بھی گئی، اسکو زمانہ پانچ چھ برس کا ہوا، اس کتاب سے میرا اصل مقصد تو فقط یہی تھا کہ میرے ہموطن استعمالِ محاورات اردو مین غلطی نہ کرین گو ضمناً اور بھی مقاصد تھے، قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کو غلط نہین سمجھ لیتا اصلاح نہین کرتا اُسی بنا پر مین نے پہلے اہل عظیم آباد و اطراف عظیم آباد کے لوگون کے محاورات کی غلطیان ثابت کین، اس کے بعد اس کی اصلاح کو لکھ دیا، ساتھ اس کے یہ بھی ثابت کیا کہ اس زمانہ کے بہ نسبت اگلے زمانہ والون کی زبان نہایت فصیح تھی، اگر ہمارے زمانہ مین بسبب کمی مقدرتِ اہل شہر اہل دہات کے عروج نے گویا اُنھین کی زبان کو زبانِ فاتح بنا دیا، تمام شد، یہی قصور مین قصور ہے جیسا کہ مثنوی فغانِ دلکش اور نوائے وطن کے ملاحظہ سے ثابت ہوگا، اس زمانہ مین انڈین کرانکل ایک اردو اخبار بعض اہل شہر کے چندہ سے یہان چھپتا تھا، اس کے ایک صاحب نئے اڈیٹر ہوئے تھے، خدا جانے کیون اُن کو

مجھ سے چشمک تھی، انھون نے نواے وطن کا ریویو نہایت معترضانہ بلکہ معاندانہ و مخاصمانہ و نامہذب چھاپا، افسوس
یہ کہ انھون نے ریویو مین صداقت کو خیرباد کہکر لوگون کے برانگیختہ کرنے کو جابجا اس قسم کے ریمارک دیئے کہ مصنف
اہل دہات کو جانور اور بہائم سمجھتا ہے، مصنف اہل دہلی و لکھنؤ تک کو بھی نہین مانتا، مصنف بجز اپنے کسی کو قابل نہین
سمجھتا، مصنف عظیم آباد والون کی زبان کو بدنام کرنے کے لیے وہ کہتا ہے وغیرہ وغیرہ، معاند فرقہ تو اسی انتظار
مین بیٹھا ہوا تھا، ریویو دیکھکر مخالفت پر اٹھ کھڑا ہوا، علی الخصوص وہ نئے انگریزی دان جو میری مخالفت مین اپنی
نام آوری سمجھے ہوے تھے کثرت سے اُس اخبار مین مراسلات بھیجنے شروع کیے، افسوس اس کا ہے کہ صاحبانِ
انصاف نے اُس وقت پوری چشم پوشی کی، یعنی اس قصہ سے بسببِ خوف فتنہ انگیزی زمانہ بالکل پہلوتہی کی، یا انکے
نواے وطن کو منگا منگا کر خود ان لوگون نے تصدیق کی کہ مصنف پر نہایت ظلم ہو رہا ہے اور مخالفون کو اپنی
اپنی جگہ پر خوب خوب سمجھایا، مگر وہ حضرات تحریرون سے سخت زبانیون سے کسی طرح باز نہ آئے، چشم پوشی اس خیال
سے کہہ رہا ہون کہ تحریر مخالفانہ کی تردید کسی نے نہین کی، اب کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے خود کیون نہین کی، بیشک
یہ صحیح ہے، مگر سخت زبانیون اور گالیون کا جواب مین کیا دیتا، اس مخالفت کا اثر یہانتک پھیلا کہ بعض رؤساے
شہر جو اُس اخبار کے معاون تھے یعنی جنکے چندہ سے وہ اخبار چھپتا تھا، میری محبت سے چندہ سے کنارہ کش
ہو گئے اور اخبار بند ہو گیا، جس زمانہ مین اخبار بند ہوتا ہے مخالفین نے سمجھا کہ شاید میری ہی ریشہ دوانی سے بند
ہوتا ہے مجمع کر کے قصد کیا کہ میرے گھر مین آگ لگا دین، مین نے صبر کیا اور گھر کا دروازہ بند کر لیا، خلاصہ یہ ہے
کہ اسکی خبر جناب کلکٹر صاحب بہادر کو ہوئی اور انھون نے بعض مخالفین کو بلا کر دھمکایا اور چشم نمائی کی، غرض
اس کے بعد یہ مادہ یون نکلا کہ ان مخالفین گروہ نے آپس مین چندہ کر کے مستقل ایک اخبار نکالا جس کا نام
اپنچ ہے، اُس اخبار نے کوئی بات میری نسبت اٹھا نہین رکھی، دو برس تک خوب خوب پھکڑ اور ہجون سے
کام نکالا، مگر دو برس بعد جب مین نے فغانِ دلکش شائع کی تو بہت سے معاندین اُس سے کنارہ کش ہوے
اور اخبار کا زور ٹوٹ گیا، دوسرے یہ ہوا کہ اُس اخبار کے سات شخص معین تھے، پہلا شخص موت فجاۃ مین

جوان مرگ ہوا، خدا اس کے گناہون کو بخشے، دوسرے کو بھی موت نے کھینچا، تیسرا شخص ریل مین کچلکر ہلاک ہوا، لیکن اخبار ابھی تک چلتا ہے، ہرچند زور ٹوٹ گیا ہے، مین خدا اور اسکے رسولِ برحق کو گواہ کرتا ہون کہ نہ مین پہلے اس کے عوض کا خواہان تھا، نہ اب ہون، خدا جانے مجھ سے کیا گناہ عظیم سرزد ہوا تھا جسکی مکافات مجھپر ہوئی، وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی، اس بد آب وہوا کا اثر لکھنؤ تک پھیلا، یعنی میرے مخالفین نے اودھ پنچ کو خبر کی کہ علی محمد شاد، منشی امیر احمد وغیرہ کو بھی اپنے نزدیک ایک ناچیز جانتا ہے، چونکہ آزاد کے اڈیٹر اور اپنچ کے اڈیٹر سے ملاقات تھی اور آزاد کے اڈیٹر اور اودھ پنچ کے اڈیٹر سے قرابت ہے، اسلیے اس اخبار مین بھی بے واسطہ مجھپر سخت زبانیان ہوگئین، مین ان باتون کو بچشم عبرت دیکھتا رہا، یہان تک کہ مشیر قیصر نے میری مدد کی اور اودھ پنچ اور آزاد مخالفت سے باز آ گئے، اب دو برس سے کوئی مخالف تحریر میری نظر سے نہین گذری ہے، ہان مین شکرگذار ہون کہ نصرت الاخبار دہلی اور آفتاب عالم آرہ نے میری بہت کچھ معاونت کی، اور میرے آنسو پونچھے مگر کیا ہوتا ہے میرا دل ملک والون سے بہت چھوٹ گیا، میرا خیال ہے کہ مخالفت کی بد آب وہوا متعدی ہے بخصوص جب محرک موجود ہون اسی طرح موافقت کی آب وہوا، ہان اگر اب بھی دو چار خدا ترس، دو چار اخبارون مین برابر کوشش کرکے تحریرین چھاپا کرین تو زمانہ کا رنگ بدل جائے گا، اگرچہ مین اپنی جگہ پر سمجھتا ہون کہ میرے مرنے کے بعد جسکا زمانہ بہت قریب ہے، میرا ماتم عموماً لوگ کرین گے کیونکہ مین تصانیف کی باقیات الصالحات بہت کچھ چھوڑ جاؤنگا، اور موت میری مخالفت کو فنا کردے گی مگر مجھے کیا، **نوید ہند** پر اب تک چار ریویو میری نظر سے گذرے، آزاد دہلوی اور نصرت الاخبار اور مشیر قیصر اور حضرت مقبول کے نگر دل د ہی اور انصاف اسی پچھلے ریویو مین زیادہ تھا، فغان دلکش پر صرف آزاد نے اچھا ریویو لکھا تھا، اگرچہ بہت مختصر تھا مجھے یاد نہ رہا کہ کس پرچہ مین تھا، ایک برس سے البتہ دیکھ رہا ہون کہ ملک کسی قدر قدردانی پر آمادہ ہوا ہے، روز دو چار نئے شائق میری کتابون کو مانگ بھیجتے ہین بعض بہت کچھ تعریفون کے دفتر لکھ کر مجھسے طالب جواب ہوتے ہین، مگر واللہ نہ مجھے فرصت ہے اور نہ مین اسکا

خواہان کہ میری تعریف مجھی سے بیان ہو، اگر قدردانی مقصود ہے تو انھین تحریرون کو اخبارون مین شائع کرنا ہے

آپ نے جس سرگرمی اور لیاقت و متانت سے مجھ پر توجہ کی ہے مجھکو صرف مسرت نہین بلکہ مین اسکو اپنا فخر

سمجھتا ہون، اور امید ہے کہ آپ اپنی مضبوط اور بلیغ تحریرون سے زمانے کی ہوا کو ضرور بدل دینگے، اپنے والد

ماجد کے حضور اقدس مین اس خادم عقیدت شعار کی تسلیم فرمائی جائے، اور عرض کیا جائے کہ حضرت کے کمال سے

مین پہلے ہی آگاہ ہو چکا ہون، اور نالہ منظوم کی کیا تعریف کرون کہ مستغنی عن الاوصاف ہے مگر پھر بھی انشاءاللہ کچھ لکھکر حاضر کرونگا،

نوائے وطن انشاءاللہ کل پرسون تک خدمت مین ابلاغ کرتا ہون، زیادہ والتسلیم

میری ہذیان سرائی پر مجھے معاف فرمائیے گا، اصل کیفیت بینی و بین اللہ لکھدی، فقط

۲۱ رجب المرجب ۱۳۰۵ھ مین عظیم آباد   نمقہ بیمناہ الفقیر الحقیر السید علی محمد عفاعنہ

یہ عریضہ نہایت جلدی مین لکھا ہے، ضرور غلط ہوگا امیدوار عفو ہون، فقط[1]

---

[1] دنیا بھی عجیب انقلاب کا مرقع ہے، حضرت شاد جن دیہاتی معترضین کی طرف اشارہ کر رہے ہین، ان مین سے اکثر میرے عزیز و قریب تھے۔ یہ صوبہ بہار کا دور اول تھا جب پرانی تعلیم کی جگہ نئی تعلیم لے رہی تھی، حسن اتفاق سے اس نئے دور کے ہونہار افراد تمامتر نوجوان تھے جو عربی تعلیم کی تحصیل کے بعد انگریزی زبان یا انگریزی خیالات سے متاثر تھے، اس جماعت کے ممتاز افراد حسب ذیل اصحاب تھے، مولوی سید عبدالغنی صاحب وارثی مرحوم (متعدد کتابون کے مصنف اور مترجم ہین) مولوی سید رحیم الدین مرحوم (اڈیٹر الپنچ) پروفیسر شہباز مرحوم مولوی سید شرف الدین صاحب (جج ہائیکورٹ) حافظ فضل حق آزاد، شمس العلما، حافظ محب الحق، اس وقت صرف آخری دو صاحب زندہ ہین، باقی ہستیان تاریخ کی داستان بن چکین ہین ان واقعات کیساتھ ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے، مولوی اعظم صاحب ایک بزرگ تھے آخر عمر مین ان کو مین نے اپنے چھوٹے چچا (مولوی سید ابو یوسف صاحب) کے ہمراہ جنسے ان کے تعلقات بالکل برادرانہ تھے، ایک دفعہ دیکھا تھا، انھون نے ولایتی بیگم کی دلچسپ و طویل داستان لکھی تھی جو قصہ کیساتھ اپنی زبان کے لحاظ سے بھی بڑی دلچسپ تھی، کہا جاتا ہے کہ مصنف نے یہ کتاب حضرت شاد مرحوم کو نظرثانی کیلئے دی، شاد مرحوم نے اس کتاب کو اپنے نام شائع کر دیا، اور صورۃ الخیال اسکا نام رکھا اس واقعہ نے اس فتنہ کے بھڑکانے مین باد تند کا کام کیا، خط کے بعض مندرجہ فقرے تصویر کا ایک طرفہ رخ ہین،

تفصیل بالا سے اندازہ ہوگا کہ پٹنہ عظیم آباد اور اسکے اطراف کے مردم خیز دیہات و قصبات مین اسی قسم کی جنگ تھی جیسی لکھنؤ مین کبھی امیر، شوق قدوائی اور عبدالحلیم شرر، اور اودھ پنچ اور دوسرے اصحاب کے درمیان، شہری اور قصباتی کے نام سے برپا رہی،

لیکن شاد مرحوم کے حسن ظن یا اگلے بزرگون کے اختلاف نما اخلاص کا نتیجہ سمجھئے کہ حضرت شاد نے جب اپنا دیوان چھپوانا چاہا تو اطراف عظیم آباد ہی کے ایک دیہاتی قصباتی کو جو ان کے مخلص حریفون کا آغوش پروردہ تھا، اسپر تقریظ لکھنے کا اہل سمجھا، اور اپنی آخری تصنیف حیات فریاد اسی کے زیر نظر اشاعت کیلئے وصیت فرمائی، یہ مین ازراہ خود پسندی نہین لکھتا، بلکہ ان بزرگون کی یادگاری کیلئے یہ چند سطرین واقعہ کے چالیس پچاس برس بعد لکھ رہا ہون جبکا موقع فریقین سے بیگانہ ایک تیسرے شخص (سید مقبول احمد صاحب) نے اتفاقاً پیدا کر دیا ہے، اب نہ شاد ہین نہ شاد کے حریف، نہ وہ قہقہے نہ وہ چہچہے، اب نہ وہ چمن ہے، نہ وہ بلبل، نہ وہ بزم ہے نہ وہ شمع۔

"نوائے وطن" کا وہ نسخہ جو معترضین کے استعمال مین تھا اب کتبخانۃ الاصلاح دیسنہ (بہار) مین تبرکاً محفوظ ہے۔

ان اعتراضات اور تنقیدون نے شاد مرحوم کو اور زیادہ زبان و محاورات مین محتاط بنا دیا، اور بالآخر وہ وقت آیا کہ حضرت شاد کی پیشینگوئی پوری ہوئی مرنے کے بعد نہین بلکہ انکی زندگی ہی مین جب مخالفت اور تعصبات کی آندھیان تھم گئین تو انکے شاعرانہ فضل و کمال کا نور ہر طرف چمکتا نظر آیا۔

(سید سلیمان ندوی)

(۲) مکرمی روحی فداکم

تسلیم بالتکریم ۔ مین اور آپکو بھول جاؤن ؎ این خیال ست و محال است و جنون مگر بات یہ ہے کہ برسون سے پاؤن مین چکر ہی کبھی دارجلنگ کبھی کلکتہ شاید اس بیچ مین کوئی سرفراز نامہ آیا ہو اور مجھے نہ ملا البتہ مین نے نیاز نامہ ارسال خدمت نہ کیا، واللہ مجھے یہی خیال رہا کہ معلوم نہین ان دنون آپ کہان تشریف رکھتے ہین، اب پتہ ملگیا اگر اب کوتاہ رقمی ہو تو قصوروار ہون بیشک گورنمنٹ عالیہ نے مجھے خطاب مرحمت فرمایا اور یہ خطاب محض شاعری نے مجھکو دلوایا ہے، اسکی بھی ایک داستان ہے اگر لکھنے بیٹھون تو کتاب ہو جائے جہانتک مجھے معلوم ہے گورنمنٹ نے میرے نظم خیالات کو مقطع نکالکر خوب جچوا لیا ہے تب یہ اعزاز عنایت کیا، امید ہے کہ اس سے زیادہ قدردانی ہو، مگر میرا وہی خیال ہے ؎

زمین شدیم چہ شد آسمان شدیم چہ شد بچشم خلق سبک یا گران شدیم چہ شد

البتہ مجھکو اس بات کا فخر ہے کہ گورنمنٹ انگلشیہ مین سب سے زیادہ رتبہ ہندوستان کی شاعری کا پست تھا، مگر مین نے اسی کو وسیلۂ ترقی قرار دیا، فالحمد للہ علیٰ ذالک،

آپنے مطلق اپنے حالات و کوائف سے مجھی مطلع نہ کیا کہ ان دنون آپ کیا کر رہے ہین اور اپنے مرحوم و مغفور والد ماجد کی جگہ پائی یا نہین، مین سب سے زیادہ اسکا مشتاق ہون، خدا آپ کو کامیاب و فائز المرام کرے، آمین،

۱۹ جنوری ۱۹۰۸ء از عظیم آباد خاکسار السید علی محمد عفا عنہ

(۳)

میرے مخدوم، تسلیم بہ الوف تکریم، درست فرمایا مصرعہ یون ہے ؎

قدم اٹھتے نہین کیون جانب دیر کسی مسجد مین بہکا یا گیا ہون

معلوم نہین اس غزل کے کتنے شعر چھپے ہین، پندرہ سے زیادہ ہین، اور سب مین ایک مضمون ہے، میرا دیوان میرے پیش نظر چھپنا تو شروع ہوا ہے، خدا کو علم ہے کہ تا انجام زندہ رہون نہ رہون،

اس سال سے ۸۰ برس عمر کے شروع ہونگے، اللہ ہی اللہ ہے، کبھی کبھی یاد فرمالیا کیجئے، آپ ایسے لوگ اب اس دنیا مین کہان، خاکسار السید علی محمد شاد ۹ رجون ۲۴ء، پٹنہ

بے اختیار آپ کی طرف دل کھنچتا ہے کوئی باطنی سبب ضرور ہے ۔ فقط

اخبار علمیہ

امریکہ مین اثری انکشاف

جنوبی امریکہ مین میکسیکو کا ایک بڑا علاقہ گھنے جنگلون سے بھرا پڑا ہے، وہان آبادی کا نام بھی نہین ہے اور کسی کو اس بات کا وہم بھی نہین ہو سکتا تھا کہ کبھی یہ علاقہ آباد اور شہرون سے پر ہو گا، مگر گذشتہ چند سال سے ماہرین اثریات نے اسکی طرف توجہ کی ہے اور گذشتہ سال کے آخر تک تقریبًا ۲ اسو آبادیون کا پتہ لگایا ہے، جہان شکستہ عمارتین اور پختہ راستے اپنی قدیم عظمت پر خاموشی سے مرثیہ خوان ہین، اس سال اُنھون نے اپنی تحقیقات کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ اُن علاقون کی (جہان وہ دشوار گذار راستون کی وجہ سے نہین پہنچ سکتے تھے) ہوائی پیمایش شروع کی ہے، اس پیمایش کا ذمہ دار افسر کرنل لینڈبرگ (COL. LINDBERGH) ہے، اور اس نے پہلی ہی پرواز مین تقریبًا نصف درجن ویران نئے شہرون کا پتہ لگایا ہے، اس کا خیال ہے کہ اس علاقہ مین ابھی سینکڑون ایسے ویران شہر موجود ہین، جو گھنے جنگلون سے پوشیدہ ہین، اس نئی دریافت سے امریکہ کے اثری حلقہ مین خاص طور سے دلچسپی لیجا رہی ہے، کہ اس کے ذریعہ بہت سے نئے معلومات کے حصول کی امید ہے۔

(س‌ا)

دنیا کی سب سے بڑی ماہر سائنس خاتون

میڈم میری کری، اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ماہرِ سائنس خاتون تسلیم کیجاتی ہین کہ ریڈیم کی دریافت کا سہرا ان کے اور ان کے خاوند کے سر ہے، انھون نے سنہ ۱۹۰۶ء مین اس عجیب و غریب چیز کو دریافت کیا، اور اسی وقت سے اس چیز کی مانگ شروع ہو گئی، میڈم کری دراصل پولینڈ کی رہنے والی ہین، لیکن عرصہ سے پیرس مین مقیم ہین، وہ باہمت ہونے کے ساتھ ہی دل کی بھی بڑی ہین چنانچہ سنہ ۱۹۲۱ء مین جبکہ انکی مالی حالت بہت نازک ہو گئی تھی،

تو امریکہ کے ہمدردوں نے ان کو ایک گرام ریڈیم اور ایک معقول رقم پیش کی تھی اُنھوں نے ریڈیم ایک اسپتال کو دیدیا اور اس رقم سے ریڈیم خرید کر کے اپنے وطن کے دوسرے شفاخانہ کی نذر کر دیا، خود انکا دار التجربہ اپنی وضع کا بہت بڑا تجرباتی مرکز ہے،

(لٹ)

رفعت پیما کی ایجاد

اس وقت تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہین ہوا تھا جس کے ذریعہ ہوا باز یہ دریافت کر سکتا کہ وہ زمین سے کتنی بلندی پر ہے، اور رات کی تاریکی یا کہرے کی کثرت مین جو حادثے ہوتے ہین، اُن کی بڑی وجہ یہی ہے، ابتک بلندیٔ پرواز معلوم کرنے کی صرف ایک صورت تھی اور وہ یہ کہ ہوا پیما کے ذریعہ یہ دیکھا کر کہ ہوا کا دباؤ کتنا ہے، یہ اندازہ لگایا جاتا تھا کہ اس وقت جہاز زمین سے کتنی دور ہے، مگر فضا کی حالت یکسان نہین رہتی، سردی مین ہوا کا دباؤ بہت بڑھ جاتا ہے، اور گرمی مین اُسی تناسب سے کم ہو جاتا ہے، اس لیے ڈاکٹر الکزنڈرسن نے ایک نیا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے بلندی کا صحیح اندازہ ہو سکیگا؛

(سا)

نوبل کے سالانہ انعامات

نوبل کے سالانہ مختلف انعامون سے ہندوستان کے اکثر لوگ واقف ہین، اس سال ادب کا انعام جرمنی کے مشہور افسانہ نویس ادیب ہرتھامس من کو ملا ہے، اسکو یہ انعام اس کے افسانہ رڈلنبروک (RUD-OLENB-ROOKS) کی وجہ سے دیا گیا ہے،

طبعیات کا ۱۹۲۸ء کا انعام لندن شاہی کالج کے ناظم طبعیات پروفیسر او، ڈبلو، رچرڈسن (PROF O.W. RICHARDSON) کو ملا ہے، اور ۱۹۲۹ء کا انعام پیرس کے ڈیوک ڈی بروگلے (DUCDEBROGLIE) کو دیا گیا ہے، دونون نے برقی ذرات کے متعلق مفید انکشافات کئے ہین،

کیمیا کا ۱۹۲۹ء کا انعام دو ماہرین مین تقسیم کر دیا گیا، وہ لندن یونیورسٹی کے مسٹر آرتھر ہرڈن اور سٹاکہم کے پروفیسر وان ایلور ہین،

ناگری پرچارنی سبھا کو عطیہ،

بنارس کی بھارت کالا پرشاد نے اپنے تمام تاریخی وتصویری ذخیرہ کو اپنے ہمشہر ناگری پرچارنی سبھا کو دیدیا ہے، اس ذخیرہ کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ ہے، سبھا نے اپنی عمارت کی بالائی منزل جو حال ہی مین ۲۵ ہزار کی رقم سے بنائی ہے، اس کے لیے وقف کر دیا ہے، امید کیجاتی ہے کہ یہ ذخیرہ بہت جلد بڑھ جائیگا،

سائنس کے تاریخی آلات،

برطانیہ کے رائل انسٹیٹیوٹ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے عجائب خانہ مین وہ تمام آلات موجود ہین، جن کے ذریعہ اٹھارہوین صدی کے اواخر اور انیسوین صدی کے اوائل کے ماہرین سائنس نے جدید انکشافات کئے ہین، اس وقت اس مجلس کی عمارت زیر تعمیر ہے، اس لیے وقتی طور پر یہ ذخیرہ ایک دوسرے عجائب خانہ مین عام نمایش کے لیے رکھدیا گیا ہے، ان آلات کے دیکھنے سے برقیات، کیمیات وغیرہ کی ترقی کے ابتدائی مدارج سامنے آجاتے ہین، یہ مجلس ۱۷۹۹ء سے قائم ہے، اس کے بانی سر بنجمن تھامپسن ہین، یہان دسمبر کی تعطیل مین مشہور ماہرین سائنس طلبہ کے سامنے، تقریرین بھی کرتے ہین،

ربڑ کی سڑکین،

اس وقت تک یورپ کے بعض مشہور شہرون مین تجربہ کے طور پر ربڑ کی چھوٹی چھوٹی سڑکین بنائی گئی تھین، مگر اب جبکہ یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو رہا ہے، اس کو وسیع پیمانہ پر کام مین لایا جا رہا ہے، اس سڑک کے دو بڑے فائدے تو یہ ہین کہ ان پر گاڑیون کی آواز بالکل کم ہوگئی، دوسرے برسات کے موسم مین موٹرین پھسلا نہ کرینگی، ان کے علاوہ انتہائی گرمی مین بھی ان سڑکون کو کوئی اثر نہ ہوگا، اور موجودہ سڑکون سے دیرپا ثابت ہونگی،

امریکہ مین حادثات کی کثرت،

ڈاکٹر ایل، ای، ڈبلن کا بیان ہے کہ اس وقت امریکہ اس حیثیت سے سب سے زیادہ بدقسمت ملک ہے، کہ وہان حادثات سے دنیا کے تمام ملکون سے زیادہ موتین واقع ہوتی ہین، ہر لاکھ آدمیون مین ۷۸ اِن

مہلک حادثون کا شکار ہوتے ہین، اس کے مقابلہ مین دوسرے ممالک کے اعداد یہ ہین:-

اسکاٹ لینڈ	۵۰	انگلستان و ویلز	۳۸
جرمنی،	۳۶	سویڈن	۳۵
فرانس	۲۹		

یہ ۱۹۲۶ء کا حال تھا، ۱۹۲۸ء مین یہ تعداد اور بڑھ گئی، اور صرف موٹر سے اُس سال ۲۷۵۰۰ مہلک حادثات پیش آئے، یہ تعداد مجموعی حادثون کا ایک ثلث ہے، اس کے علاوہ عورتون کی موتین بھی بکثرت واقع ہوتی ہین،

انسان کی آیندہ شکل

ڈاکٹر اے، ہارڈلیکا نے فیلی ڈلفیا کی مشہور مجلسِ فلسفہ کے سامنے تقریر کرتے ہوے بتایا کہ اُس وقت انسانی ارتقاء کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا ہے، وہ بہت تھوڑا ہے، موجودہ انسان کا وجود تیس ہزار سال سے زیادہ کا نہین ہے، اس سے پہلے انسان کس شکل وصورت کے ہوتے تھے، اس کا فیصلہ اب تک نہین ہوسکا ہی، البتہ اس وقت انسان جس طریقہ سے ترقی کر رہا ہے اُس کو دیکھتے ہوے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیندہ چل کر اسکی کھوپڑی پہلے نرم اور بڑی اور پھر سخت ہوجائیگی، اُس کے سر کے بال کم ہوجائین گے، اور اس وقت سے زیادہ طویل القامت ہوگا، انسان کو دیو زاد ہونے کے لیے ابھی عرصہ درکار ہے، اسی سلسلہ مین یہ جاننا بھی دلچسپ ہوگا کہ لوگون کے شوقِ پرواز کو دیکھکر بعض اساتذۂ ارتقاے انسانی کا خیال ہے کہ انسانون کے بازو بہت جلد چمگادڑون کی طرح جھلی پیدا کرلینگے،

ریل کے نئے ڈبے

سویڈن اور جنوبی امریکہ کی ریلوے کمپنیون نے اب ایسے ڈبے بنانے شروع کئے ہین جنکی چھت ضرورت کیوقت آسانی سے ہٹادیجاسکتی ہی، اور اُن سے بند اور کھلے دونون قسمون کے ڈبون کا کام لیا جاسکتا ہی، دوسرے ممالک مین نہایت تیزی کیساتھ اس کی نقل کی جارہی ہے،

"ن"

ادبیات

سخنِ حبیب

از

نواب صدر یار جنگ مولٰنا حبیب الرحمٰن خان شیروانی المتخلص بہ حسرت

پردۂ ماہِ رُخت زُلفِ پریشان تاکے | در تۂ ابر نہان مہرِ درخشان تاکے
اے صبا نفحۂ اُنسے ز ریاضِ طیبہ | وحشت آباد بود این دلِ ویران تاکے
پشتِ پا بر سر و سامان زن و فارغ برخیز | دردِ سر تا بکجا قصۂ سامان تاکے
نعرۂ ہو زن و در سینہ فگن شورِ نشور | سر خوشِ خواب بود شیرِ نیستان تاکے
خیز واز خونِ جگر تشنہ لبان را بنواز | ماتمِ قیس کند ریگِ بیابان تاکے
کاش از سینۂ مردے شررے باز جہد | دیو پامال کند خونِ شہیدان تاکے
دلِ پاکت صدفِ گوہرِ عرفان آمد | غرقِ بحرِ ہوسِ قطرۂ نیسان تاکے
پردہ از رخ فگن و عرصۂ محشر افروز | لاف از نور زند نیرِ رخشان تاکے
یارب از قافلۂ رفتہ نشانی نہ بما | چون جرس گرم فغان این دلِ سوزان تاکے

درے از فیضِ ازل بر رخش از فضل کُشا
رو بدیدار بود حسرتِ حیران تاکے

غزل

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی

دشواریوں کو عشق نے آسان بنا دیا | غم کو سرور، درد کو درمان بنا دیا
برقِ جمالِ یار یہ جلوہ ہے یا حجاب! | چشمِ ادا شناس کو حیران بنا دیا

اس عشقِ سحرکار کا اعجاز دیکھنا — غم کو نشاطِ روح کا سامان بنا دیا

اس جانفزا عتاب کے قربان جایئے — ابرو کی ہر شکن کو رگِ جان بنا دیا

حسنِ نظارہ سوز کی کوئی خطا نہ تھی — مجھکو ہجومِ شوق نے حیران بنا دیا

کھوے ہوؤن کا بھی نہ نشان مل سکا کبھی — راہِ طلب کو بھول بھلیان بنا دیا

اے برقِ حسن تیری اداؤن کے مین نثار — ایک مشتِ خاک کو حرمِ جان بنا دیا

کیا ایک مین ہی مین ہون اس آئینہ خانے مین — مجھکو تو کشفِ راز نے حیران بنا دیا

اے ذوقِ جستجو تری ہمت پہ آفرین — منزل کو ہر قدم پہ گریزان بنا دیا

آنسو کی کیا بساط مگر جوشِ عشق نے — قطرے کو موج، موج کو طوفان بنا دیا

اٹھی تھی بحرِ حسن سے اک موجِ بیقرار — فطرت نے اس کو پیکرِ انسان بنا دیا

کیا رنگ دل کا اے غمِ جانان بنا دیا — ہر نیشتر کو ناوکِ مژگان بنا دیا

موجِ شعاعِ حسن ہو یا اضطرابِ شوق — دونون کو کشمکش نے پریشان بنا دیا

کس کی بہارِ حسن ہے میری نگاہ مین — جس سمت اٹھ گئی چمنستان بنا دیا

کیا مشقِ سوزِ عشق کی حسرت نکالیے — آتشکدے کو بھی تو گلستان بنا دیا

بزمِ ازل سے جھاڑ کے دامن چلا جو مین — ذرون نے اٹھ کے عالمِ امکان بنا دیا

محشر مین نقشِ نامِ محمد نے اے سہیل
داغِ گنہ کو درہمِ ایمان بنا دیا

باب التقریظ والانتقاد

جدید رسالے اور خاص نمبر

گذشتہ چھ مہینے اردو صحافت کیلئے خوش آیند وامید افزانہ تھے، کہ اس شش ماہی مین ایک آدھ کے سوا کوئی ایسا رسالہ عالم وجود مین نہین آیا جو اردو رسائل کی فرسودہ راہ سے ہم کو آگے بڑھاتا، یا کسی خاص موضوع سے متعلق ہمارے معلومات مین اضافہ کرتا، لیکن اس کے ساتھ ہی متعدد رسالون کا جاری ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اردو خوان طبقہ ابھی رسائل کا محتاج ہے، اور اگر واقعی کوئی کارآمد مفید اور بہتر رسالہ جاری کیا گیا تو اسکا پرجوش استقبال کیا جائیگا،

بہرحال ہمارے پاس اس شش ماہی مین جو نئے رسائل آئے ہین ان کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے:-

ادبی دنیا، چیف ایڈیٹر جناب تاجور نجیب آبادی، قیمت سالانہ للعہ، پتہ میکلوڈ روڈ لاہور،

اس ششماہی کے تمام رسالون مین اپنی ظاہری شان، اپنی رنگین وسادہ تصاویر اور اپنے تنوع مضامین کی حیثیت سے اس رسالہ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے، اس کا مقصود یہ ہے کہ یہ اردو کا ایک ایسا مقبول عام اور پسندیدہ صحیفہ بنے جو موجودہ طرز مذاق کے معیار پر پورا اتر سکے، علمی، ادبی، تاریخی، سیاسی ہر صنف سخن کے دلدادون کیلئے دلچسپی کا سرمایہ فراہم کرسکے،

اس رسالہ کو جناب سر عبدالقادر کی سرپرستی، اور جناب تاجور صاحب جیسے تجربہ کار صاحب تحریر کی خدمات حاصل ہین، اس لیے اس سے بہت کچھ توقع کیجا سکتی ہے،

جن، جناب نیاز صاحب فتحپوری، قیمت سالانہ عہ، پتہ منیجر نگار، نظیر آباد لکھنؤ،

رسالہ نگار کے ایڈیٹر تعارف سے بالاتر ہین، مادی دنیا کے حصول کے بعد اب انھون نے روحانی دنیا کی

طرف قدم بڑھایا ہے، اور اپنے ساتھ اپنے ناظرین کو بھی اس نامعلوم عالم سے باخبر کرنے کے لیے یہ رسالہ نکالا ہے، یہ واقعہ ہے کہ روحانیات کے مسائل وواقعات اور تجربون نے گذشتہ نصف صدی مین مغرب مین جو حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا ہے. وہ اس کا طالب ہے کہ ان خیالات کا کم ازکم سرسری ہی طور سے اگر عوام کو نہین تو خواص کو علم ہو جاسے، مگر لکھنو آکر نگار نے اپنی ادبی شاہراہ چھوڑکر جس طرح ہر مسلم اور متفق علیہ مسئلہ پر جا و بیجا تنقید شروع کر دی ہے، اس کو دیکھتے ہوسے یہ ڈر لگتا ہے کہ دیکھین یہ آتشین پیکر اب کس کس خرمن کو خاک سیاہ کرتا ہے، اور کیا یہ بھی اُسی جنگ کیلئے ایک نیا میدان تو تلاش نہین کیا گیا ہے،

خضرِ راہ، اڈیٹر حامد علی صاحب ندوی، قیمت سالانہ ۳؎، پتہ :- نیاگاؤن، لکھنو،

دارالعلوم ندوۃ العلما کے بعض طلبہ نے اس نام کا ایک رسالہ نکالنا شروع کیا ہے، مضامین کے لحاظ سے اس مین ادبی رنگ غالب ہے، اس طرف اس نے بعض مشہور اصحابِ قلم کے مضامین حاصل کرنے مین بھی کامیابی حاصل کرلی ہے،

مشاعرہ، اڈیٹر جناب نوراللہ محمد صاحب نوری، قیمت سالانہ للعہ، پتہ :- پرانی حویلی، حیدرآباد دکن،

اس رسالہ کا مقصد طرحی غزلون کا شائع کرنا ہی نہین ہے، بلکہ عروض اور فن شاعری پر تنقیدی مضامین کی اشاعت بھی ہے، اس رسالہ نے اس وقت تک اکثر ممتاز شعراء کے کلام کے حصول مین کامیابی حاصل کی ہے، اور اگر شاعری پر اس کے مضامین بہتر قلم سے نکلتے رہے، تو یقیناً بہت مفید و کامیاب ثابت ہوگا،

پیامِ اسلام، اڈیٹر جناب عبدالحق عباس صاحب، قیمت سالانہ ۳؎، پتہ :- انجمن اشاعت اسلام جالندھر شہر

رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، انجمن اشاعتِ اسلام جو جالندھر کی تبلیغی انجمن ہے، اسکا یہ نقیب ہے، اس مین ترجمۂ قرآن مجید، مذہبی مباحث اور مناظرانہ مضامین کے علاوہ تاریخ اسلام کے اخلاقی واقعات اور نظم کا بھی حصہ ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی اسمین ایسے مذہبی مضامین بھی شائع ہو جاتے ہین جنکی بنا پر اس کا اصولی مسلک و مشرب مشتبہ ہو جاتا ہے، اس وقت اختلافی تحقیق سے زیادہ متفق علیہ تحقیقات کی اشاعت کی مسلمانون کو سخت ضرورت ہے،

ادب، مرتبہ سید اعظم حسین صاحب قیمت للعہ پتہ یحیٰی گنج لکھنؤ،

اردو ادب کا یہ ایک نیا رسالہ لکھنؤ سے نکلا ہے، اسمین زیادہ تر ادبا و شعراے لکھنؤ کے نظم و نثر مضامین شائع ہوتے ہین، ادبی تنقید بھی اس رسالہ کا خاص موضوع معلوم ہوتا ہے، لکھنؤ کی سرزمین ادبی رسائل کے لیے اب تک زمین شور ثابت ہوئی ہے، دیکھنا ہے کہ یہ ادب کی دنیا کب تک آباد رہے،

انکشاف، مرتبہ جناب سید محمد نسیم صاحب انھونوی قیمت سالانہ عہ پتہ:۔ دفتر ایک آنہ فنڈ لکھنؤ،

ایک آنہ فنڈ کی مجلس، لکھنؤ کی وہ خاموش کارکن جماعت ہے، جسکی وجہ سے وہان کی مسجدون کی رونق و آبادی اور غریب بچون کی ابتدائی تعلیم جاری ہے، اب اس انجمن نے انکشاف کو اپنے ترجمان کی حیثیت سے نکالا ہے، ضرورت ہے کہ رسالہ جس مقدس مقصد کا مبلغ ہے اسی قدر اس کے مضامین اور صورت حال بھی مقدس اور نقد ہو، یہ رسالہ وقتاً فوقتاً خاص خاص نمبر بھی شائع کرتا رہتا ہے، چنانچہ اس کا عید نمبر عام حیثیت سے برا نہین ہے، اس کی خریداری ہم خرما و ہم ثواب ہے،

ممالک متحدہ کوآپریٹو ماہوار رسالہ، اڈیٹر رائے بہادر ہربنس پرشاد صاحب وکیل قیمت سالانہ عہ پتہ بجنور

صوبجات متحدہ کی مجلس امداد باہمی کی جماعت عاملہ کا یہ ماہوار رسالہ ہے اور اس مین اسی کے متعلق مختلف مضامین شایع ہوتے رہتے ہین، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کو زیادہ دلچسپ اور عام فہم بنایا جاے کہ غریب کسان آسانی سے اس سے فائدہ اٹھا سکین،

رفیق، مرتبہ جناب آغا رفیق بلند شہری قیمت سالانہ عہ، پتہ:۔ فراش خانہ بلند شہر

جناب آغا صاحب اپنے مضامین وغیرہ کی وجہ سے اردو خوان طبقہ مین عرصہ سے روشناس ہین، اب انھون نے خود اپنا چھوٹا موٹا رسالہ شائع کیا ہے، رسالہ کے مضامین عام پسند ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ اپنی دلچسپ تحریرون کی وجہ سے "بقامت کہتر و بقیمت بہتر" ثابت ہوگا،

کامیابی۔ اڈیٹر ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی قیمت سالانہ عہ پتہ:۔ حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی

یہ رسالہ مندرجۂ بالا کتابوں کی تجارتی کمپنی کا ترجمان ہے، اس میں ایسے مضامین شایع ہوا کرتے ہیں جو انسان کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے میں معاون ہوں، اس کے علاوہ تجارت، اخلاق اور تعلیم کے سلسلہ میں بھی مفید ہدایات درج ہوتی ہیں، ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ "نقلِ کفر کفر نباشد" کا پرانا اصول اب نئے زمانہ میں ناقابلِ تسلیم ہے، آجکل کے متمدن عہدِ صحافت میں "نقلِ کفر ہم کفر است" کا اصول رائج ہے، آپ کسی غرض سے کوئی چیز چھاپیں، مگر بہرحال ان خیالات کی تبلیغ اور پروپگنڈے میں داخل، اور عذاب و ثواب اور سزا و جزا میں آپ شریک ہو گئے،

ان رسائل کے علاوہ بعض قدیم رسائل نے اپنے خاص نمبر بھی شایع کئے ہیں، ان میں مندرجۂ ذیل قابلِ ذکر ہیں،

عید نمبر و سالنامہ | **نیرنگِ خیال** لاہور، قیمت عہ، نیرنگِ خیال اپنے تنوعِ مضامین اور تصاویر کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کر چکا ہے، وہ ہر سال دو خاص نمبر شائع کرتا ہے، عید نمبر اور سالنامہ، زیرِ تنقید عید نمبر تقریبًا ۲۲۰ صفحات کا ہے، اس میں عام مضامین کے علاوہ، عید سے متعلق مختلف مضامین، مطائبات، افسانے، ڈرامے اور نظم کا حصہ ہے، تصاویر میں سہ رنگی ۴، دو رنگی ۲ یکرنگی ۲۰، کل ۲۶ تصاویر ہیں، موجودہ عید نمبر گذشتہ نمبروں سے کم نہیں ہے، اب اس نے دسمبر میں اپنا سالنامہ شائع کیا ہے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ہر طرح دلپسند اور دلکش ہے،

دوسرا رسالہ جس نے اپنا شاندار عید نمبر شائع کیا ہے، امرتسر کا نسوانی رسالہ سہیلی ہے، اس رسالہ کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اسکا حلقۂ ادارت تمام تر تعلیم یافتہ خواتین پر مشتمل ہے، مضامین میں بھی تقریبًا ۵۰ فیصدی خواتین ہی کے ہیں، تصاویر بھی رسالہ کی شان کے مطابق ہیں، اون کی تعداد رنگین و سادہ ملا کر ۱۵ درجن ہے،

رسول نمبر | اس سال رسائل میں سے صرف دو نے رسول نمبر شائع کئے، ان میں ایک جناب ملا واحدی صاحب کا نظام المشائخ دہلی قیمت عہ ہے، نظام المشائخ عالمِ تصوف کا ایک قدیم سنجیدہ رسالہ ہے، اور ابتدائے اشاعت سے ہر سال یہ نمبر شائع کرتا رہا ہے، اس سال بھی اس کا یہ نمبر اپنی دیرینہ روایات کے مطابق ہے، اس میں نظم و نثر کے ملا کر ۳۸ عنوانات ہیں، دوسرا رسالہ اسی شہر کا پیشوا ہے، اس کی قیمت عمہ ہے، جناب عزیز حسن صاحب بقائی رسول نمبر کے نکالنے میں خاص اہتمام کرتے ہیں، ان کے مضمون نگاروں میں ہندو مسلم دونوں نظر

آتے ہین، اس کے ساتھ ہی وہ اس نمبر کو زیادہ دلچسپ بنانے کے لیے متعدد مقاماتِ مقدسہ کی تصاویر اور نقشے بھی شائع کرتے ہین،

اس عید نمبر مین تازہ مضامین کے ساتھ کچھ مشہور اہل قلم کے پرانے مضامین کے مفید اقتباسات بھی شامل کئے گئے ہین،

اسی سلسلہ مین **مخزن** کے دو خاص نمبرون کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے، اس مین سے پہلا اس کا سالگرہ نمبر ہے، اور دوسرا افسانہ نمبر، اول الذکر اپنے تنوعِ مضامین کی وجہ سے پراز معلومات اور مؤخر الذکر اپنے خاص موضوع کے اعتبار سے اردو صحافت مین ایک مفید اضافہ ہے، ہر نمبر کی قیمت عہ ر ہے،

نیرنگ رامپور اپنے خاص نمبرون کی کثرت سے ممتاز ہے، جون کے رسالہ کو اس نے تنقید نمبر کے نام سے شائع کیا ہے، لیکن نفس تنقید اور اس کے ارتقائی مدارج کے متعلق ایک مضمون بھی اس مین نہین ہے، اس نمبر مین ڈاکٹر سر اقبال اور جناب اکبر الہ آبادی مرحوم کی تحریرون کے عکس بھی ہین، اس خاص نمبر کی قیمت آٹھ آنہ (۸ر) ہے،

افغانستان، اس گئی گذری حالت پر بھی ہندوستان مین فارسی زبان تمام مشرقی زبانون سے زیادہ پڑھی اور سمجھی جاتی ہے، حبل المتین کلکتہ کے "گہے پیدا و دیگر دم نہان است" صحیفہ کے علاوہ کوئی دوسرا فارسی رسالہ یا اخبار ہندوستان مین موجود نہین، افغانستان کے گذشتہ دورِ فساد و انتشار نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ ہندوستان سے ایک فارسی اخبار موجودہ فارسی زبان مین شائع کیا جائے، چنانچہ لاہور سے آقا مرتضیٰ احمد خان افغان نے ایک پانزدہ روزہ اخبار افغانستان شائع کرنا شروع کیا ہے، اس کو افغانستان سے وہی نسبت ہے جو حبل المتین کو ایران سے ہے، امید ہے کہ اس ہمسایہ ملک کی سیاسیات سے واقفیت پیدا کرنے کے شائقین اور فارسی زبان سے ذوق رکھنے والے اصحاب، اور عام مسلمان اس کے خریدار بنینگے، ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ افغانستان، افغانستان سے نکل کر دوسرے ادبی، اخلاقی، تعلیمی عوالم مین قدم رکھے تو اسکولون اور کالجون کے طلبہ اس سے فائدہ اٹھائین گے، اور اس اخبار کی دیرپا زندگی کی بھی ضمانت ہو گی، قیمت سالانہ صہ مرتبہ لاہور،

"ن"

مطبوعاتِ جدیدہ

قاعدہ و کُلیّہ قاعدہ مرتبہ جناب شیخ چاند بھائی صاحب بی اے، صفحہ ۳۲ و ۱۶، قیمت ۱۰ و ۸، پتہ:- راج کمار کالج راجکوٹ، کاٹھیاوار،

بچون کی ابتدائی تعلیم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، اس وقت حروفِ تہجی اور آسان عبارت کی تعلیم کے لیے متعدد اشخاص مختلف قاعدے لکھ چکے ہین، یہ قاعدہ اسی کوشش کی ایک کڑی ہے، اس قاعدہ کو صوتی اصول پر مرتب کیا گیا ہے، اور اساتذہ کی ہدایت کے لیے کلیہ قاعدہ کے نام سے ایک الگ رسالہ شایع کیا گیا ہے، اپنے اصول کے لحاظ سے یہ ایک جدید قاعدہ ہے اور ممکن ہے کہ مفید ثابت ہو،

کنز المنافع مؤلفہ مرزا محمد جعفر صاحب صاحب رامپوری، ص ۵۶، قیمت ۴ر، پتہ:- شیخ جان محمد اللہ بخش تاجرانِ کتب، کشمیری بازار لاہور،

ملا عبد الواسع ہانسوی کا رسالہ درسی کتابون مین داخل ہے، پنجاب یونیورسٹی نے منشی عالم کے امتحان مین بھی اس کو شریکِ نصاب کر دیا ہے، اور اسی سبب سے مؤلف نے اس کا اردو مین طلبہ کی آسانی کے لیے خلاصہ کر دیا ہے، یہ خلاصہ طلبہ کو اصل کتاب سے آزاد کر دیتا ہے اور جو لوگ صرف امتحان کیلئے اسکو پڑھنا چاہتے ہین انکے لیے مفید ہے،

سیرت و کردار، مصنفہ مولوی محمد عبد الرحمن صاحب صفحہ ۷۵ قیمت ۸ر، پتہ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

یہ رسالہ بچون کی اخلاقی حالت درست کرنے کے لیے لکھا گیا ہے، اور ۴ ابواب پر منقسم ہے، پہلے "دو باب مین مدرسہ اور کھیل کے متعلق آداب و اخلاق بتلائے گئے ہین، تیسرے مین ملک و مالک کی محبت، خدمت گذاری اور وفاداری پر مختصر و مفید مضامین لکھے گئے ہین" اور چوتھا باب عام اخلاق و آداب پر مشتمل ہے، بچون کی عقل و فہم اور سن و سال کا لحاظ کر کے زبان اور موضوع بھی آسان رکھے گئے ہین، ہر باب مین مختلف موضوع مین چنانچہ

پہلے باب مین ۱۳، دوسرے مین ۵، تیسرے مین ۴، اور چوتھے مین ۸ موضوع ہین، یہ رسالہ ہر بچہ کے لیے مفید، سبق آموز اور اخلاق کی درستی کا سبب بن سکتا ہی، اس رسالہ کا خط بھی جلی اور صاف ہے،

قوم پرست طالب علم، مؤلفہ جناب محمد عبد الغفار صاحب، مدھولوی، صفحہ ۴۰، قیمت ۴؍ پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ، قرول باغ دہلی،

یہ ڈراما بچون کے کھیلنے کے لیے لکھا گیا ہے، اس مین متحدہ قومیت، حبِ وطن، ایثار، راست بازی، وفاداری اور بالآخر کامیابی کے مناظر نہایت ہی اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہین، اور طلبہ مین یہ پاک جذبات پیدا کرنے مین یہ ڈراما یقیناً کارآمد ثابت ہوگا، لیکن اگر اس مین ارشد کو آخر وقت تک طالب علم ہی مین رکھا جاتا تو بہتر تھا، ورنہ اگر ناسمجھ کم سن لڑکون کے دلون مین ہمارے ہیرو کی پیروی کا خیال آگیا تو ان کو تعلیم کی دولت سے محروم ہونا پڑیگا، دوسرے طلبہ کے سن کو بھی واضح نہین کیا گیا ہے،

دوزخ کا کھٹکا، مصنفہ جناب مولانا حافظ احمد سعید صاحب، ص ۱۳۶، قیمت ۸؍ پتہ:- منیجر مکتبہ علمیہ بازار بلی ماران دہلی،

اب سے کچھ ماہ پہلے مولوی صاحب موصوف نے ان احادیث کو جنمین جنت کی بشارت دیگئی ہے جنت کی کنجی کے نام سے رسالہ کی صورت مین شائع کرایا تھا اور اب انھون نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جنمین عذابِ دوزخ کا ڈر دلا کر لوگون کو گناہون سے روکا گیا ہی، عوام کے لیے اس کا مطالعہ بہتری کا باعث ہوگا،

پروازِ خیال، از خواجہ حمید الدین صاحب حمید لکھنوی صفحہ ۲۸۲ مجلد قیمت درج نہین، پتہ منیجر نامی پریس، لکھنؤ،

خواجہ حمید لکھنؤ کے نوجوان شعرا مین ہین، پروازِ خیال انھی کی غزلون کا مجموعہ ہے، ابتدا مین جناب خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی کا مقدمہ ہی، اسمین مصنف کے حالات کے علاوہ غیر لکھنوی زبان و شاعری پر معاندانہ بحث بھی ہی، اور اسی چیز نے خواجہ حمید کے کلام کو صرف لطفِ خیال کی بجائے ناقدانہ طور پر پڑھے جانے کا سبب بنا دیا ہی، اور اگر اس پر بعض مخالفانہ تقریظین شائع ہون تو تعجب نہین کہ اعلانِ جنگ اسی طرف سے ہوا ہی، اس قسم کا مقدمہ اصل کتاب کی اکثر خوبیون کو برباد کر دیتا ہے، خواجہ حمید لکھنؤ کے شاعر ہین اور لکھنوی شاعری کے اکثر محاسن ان کے کلام مین موجود ہین، کہین کہین دہلی شاعری کا اثر بھی ہی، ہمکو امید ہی کہ شاعری سے ذوق رکھنے والے اصحاب اس نوجوان شاعر کی ہمت افزائی کرینگے۔ "ن"

جلد بست و پنجم ۲۵ | ماہ شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۰ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

صاحبزادہ **آفتاب احمد خان** مرحوم جو مفلوج ہو کر دو سال پہلے سے خاموش ہو چکے تھے، اب وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے، علی گڈھ کالج نے قومی خدمتگذارون کی سب سے پہلی جو جماعت پیدا کی تھی، اس مین صاحبزادہ مرحوم سب سے پیش پیش تھے، وہ سرسید کی پالیسی کے سخت ترین مقلد تھے، وہ مسلمانون کی سیاسی، علمی، تعلیمی، تجارتی، دینی، دنیاوی غرض ہر قسم کی ترقی کا ذریعہ جدید تعلیم کو سمجھتے تھے، یہی اُن کا عقیدہ تھا، اسی عقیدہ پر وہ جئے اور اسی پر مرے، اُن کے قومی کامون کا آغاز علی گڈھ کالج اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے ہوا، اور اسی پر خاتمہ ہوا، وہ جس مسلک پر تھے اس پر پوری مضبوطی سے قائم رہے، ان مین مسلمانون کی تعلیمی خدمت گذاری کا مخلصانہ ولولہ تھا، اور مسلم یونیورسٹی کی خدمت کا بھی پورا ارادہ رکھتے تھے، مگر افسوس کہ علی گڈھ کی مکدر فضا اُن کے خدمات کو راس آئی، اور یونیورسٹی کو اُن کی کوششون سے کوئی فیض نہ پہنچ سکا، مرحوم کا دلپسند فلسفہ یہ تھا کہ مسلمان عبدیت اور نیابت الٰہی دونون کے درمیان تطبیق دین، یعنی یہ کہ ایک طرف تو وہ خدا کے آگے سر جھکائین اور اپنے کو اس کا لاچار بندہ سمجھین، دوسری طرف خدا کی خلافت و نیابت سے سرفراز ہو کر عالم اور کل قواے عالم پر اپنے علم کے زور سے حکمرانی کرین،

مرحوم ۴ر مئی ۱۸۶۷ء مین پیدا ہوے تھے، ۱۸۷۸ء مین علی گڈھ کالج مین داخل ہوئے تھے، ۱۸۹۱ء مین بیرسٹری کی تعلیم کے لیے ولایت گئے، ۱۸۹۴ء مین کامیاب ہو کر واپس آئے، اور علی گڈھ مین پریکٹس شروع کی، اور ساتھ ہی کالج اور کانفرنس کی خدمت بھی، ۱۹۱۷ء مین انڈیا کونسل کے ممبر ہو کر انگلینڈ گئے، اور ۱۹۲۴ء مین اس عہدہ سے مستعفی ہو کر ہندوستان آئے، مرحوم کو درحقیقت انگلینڈ کی صحت بخش آب و ہوا ہی نے کھا لیا، وہان کی آب و ہوا انکو بالکل راس نہ آئی، واپسی کے بعد وہ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہو گئے، مگر اُن کی تندرستی

نے ان کو فرصت نہ دی، ۱۹۲۶ء میں اس عہدہ کی میعادِ انتخاب کے خاتمہ پر جنوری ۱۹۲۷ء میں مسلم یونیورسٹی پر جو نوٹ لکھا، وہ مرحوم کی زندگی کا آخری تحریری کارنامہ اور مسلم یونیورسٹی میں طبی شعبہ کا قیام، ان کا اخیر علمی کارنامہ ہے کیونکہ اس کے چند روز بعد جنوری ۱۹۲۸ء میں ان پر فالج کا پہلا حملہ ہوا، اور تین برس اسی امید و بیم کی حالت میں بسر کیا، اور آخر ۸ جنوری ۱۹۳۰ء (شعبان ۱۳۴۸ھ) میں فالج کا دوسرا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے، مرحوم مرنج و مرنجان، خوش اخلاق، متواضع اور خاکسار تھے، مگر اپنی رائے کے سختی سے پابند تھے، مسلمانوں کی ترقی کے اسباب و علل و نتائج اور ذرائع و وسائل کے جو سبق انھوں نے سرسید مرحوم سے شروع میں پڑھے تھے، وہ آخر تک انکو یاد رہے، ایسے پختہ ایمان لوگ حقیقت میں قدر کے لائق ہیں، اور بعض خاص حیثیات سے وہ اپنی قوم کی تعمیر کیلئے بیحد ضروری اجزا ہیں،

مرحوم نے اپنے زمانہ میں ایجوکیشنل کانفرنس کو بیحد ترقی دی، اُسکو مالی حیثیت سے بہت حد تک مستغنی اور بے پروا کر دیا، اسکی علیحدہ عمارت بنوائی، اُس میں تعلیمی کتبخانہ جمع کیا، جو گویا تعلیم، فلسفۂ تعلیم، اور طریقۂ تعلیم کے بہترین ذخیرہ کا اعلیٰ ترین نمایش خانہ ہے، وظائف کے شعبہ کو ترقی دی، ریاستوں سے کانفرنس کے لیے ماہوار امدادی رقمیں مقرر کرائیں، مگر ان سب کے باوجود افسوس یہ ہے کہ انکی زندگی کا ہر کارنامہ ناتمام سا رہا، خدا مغفرت فرمائے،

گذشتہ چودہ برس کے زمانہ میں دار المصنفین میں ملک کی وہ تمام ہندو مسلمان نمایاں اور ممتاز ہستیاں جو آج ملک و قوم کی زندگی کے مختلف شعبوں میں کارفرما ہیں، آچکی ہیں، اور اپنے فیض سے اُس کو مشرف بنا چکی ہیں، ہندوؤں میں گاندھی جی، پنڈت موتی لال، مالوی جی، مسز نائیڈو سے لیکر جواہر لال تک، اور اسی طرح مسلمانوں میں تمام ممتاز علما اور رہنما وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی حیثیت سے آتے رہے ہیں، مگر ناظرین کو خیال ہوگا کہ ہم نے معارف میں بہت کم ان لوگوں کی آمد کا تذکرہ کیا، مگر اس سال کی جنوری میں دو ایسی ہندو اور مسلمان ممتاز ہستیاں یہاں آئیں جو اپنی شہرت، امتیاز، وجاہت کے علاوہ علم اور علم دوستی کے لحاظ سے بہت بلند ہیں، ایک ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو

اور دوسرے ڈاکٹر ضیاء الدین، یہ سپرو صاحب ان ہندوون مین ہین، جنکو اردو اور فارسی سے اب تک موروثی انس باقی ہے، انھون نے جب صہبائی کا فارسی دیوان دیکھا تو نکلوا کر دیکھا، اور فرمایا کہ میرے دادا مولانا صہبائی کے شاگرد تھے، ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب مسلمانون کے علم ہئیت کی تاریخ لکھ رہے ہین، ان کو دار المصنفین کے مختصر و نو عمر کتبخانہ مین بھی ریاضیات کی بعض عجیب کتابین نظر آئین، اور ابن یونس حاکمی کی زیچ کا وہ نسخہ جو سنہ ۱۸۰۴ء مین فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس سے شائع ہوا تھا دیکھکر بڑی حیرت ہوئی یہ کتاب میرے سفر یورپ کے تحفون مین ہے،

ناظرین کو احساس ہوا ہو گا کہ اس سلسلہ مین ہمکو سب سے زیادہ جسکی آمد کا انتظار تھا وہ خود اپنی مجلس کے صدر نشین نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ تھے، مولانا شروانی نے علامۂ شبلی مرحوم کی زندگی مین بھی ایک دو دفعہ اعظم گڈہ آنے کا خیال کیا تھا، جس پر مولانا مرحوم نے انکو بڑے اشتیاق سے خط لکھا اور یہ مصرع لکھا،

ع :۔ شبلی کا گھر بھی خانۂ دشمن کے پاس ہے،

ع :۔ میرے ویرانہ مین بھی ہو جاے دم بھر چاندنی

مگر مولانا شروانی "خانۂ دشمن" مین آنے کے باوجود بھی "شبلی کے گھر" نہ آئے اور نہ اس "ویرانہ" مین انکی آمد کی "چاندنی" چھٹکی، علامۂ مرحوم کی سنہ ۱۹۱۴ء مین وفات کے بعد سے لیکر اس فروری تک داعی کی زیارت کی جگہ "داعی کے مزار کی زیارت کا جذبہ ان کو ہمیشہ ادھر کھینچتا رہا، مگر کبھی اس جذب دل کو عملی قوت کے اظہار کا موقع نہین ملا، اور یہ کشمکش یون ہی جاری رہی، بالآخر ۹ فروری سنہ ۱۹۳۰ء (۹ رمضان سنہ ۱۳۴۸ھ) کو اس انتظار اور کشمکش کا خاتمہ ہوا گویا یہ وہ دن تھا جو عالم قدر مین اس کام کے لیے مقدر ہو چکا تھا، اور جس سے پہلے اس کے لیے ہر کوشش ناتمام رہی، اور ہمیشہ کارکنان قضا اس راہ مین ہر عزم کو اسباب و علل سے شکست کرتے رہے،

موصوف ۹ رمضان المبارک کی شام کو اعظم گڈہ تشریف لائے، اُن خاص تعلقات کی بنا پر جو

مولانا شروانی اور علامہ مرحوم کے درمیان تھے۔ تمام شہر کو ان کی آمد کی خوشی تھی، اسی آمد کی شام کو شبلی مسلم ہائی اسکول کی طرف سے جو علامہ مرحوم کی قومی زندگی کا ابتدائی کارنامہ ہے، ایڈریس دیا گیا، اس ایڈریس مین نہایت لطیف و بلیغ فقرہ مین نواب صاحب ممدوح اور علامہ مرحوم کے دوستانہ تعلقات کا بیان تھا، اور جس کے آخر مین نہایت پراثر انداز مین علامہ مرحوم کے مذکورۂ بالا خطوط کے اشارات و تلمیحات تھین، اور آخر مین تھا کہ "چاندنی تو آئی گر چادر ہزار سنگ" اس فقرہ نے وہ پرتاثیر منظر نمایان کیا کہ یہ خیر مقدم اور نوید مسرت کی محفل سراسر بزم ماتم بنگئی، خود محترم مہمان جب جواب دینے کو کھڑے ہوے تو ضبط گریہ گلوگیر ہوگیا، اور فقرون کو ناتمام چھوڑ چھوڑ دینا پڑا،

نواب صاحب ممدوح نے دو دن دار المصنفین مین قیام کیا، اور یہان کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا کئی گھنٹون مین کتبخانہ پر ایک نظر ڈالی، پھر دفتر، پریس، گودام گھر اور دوسرے صیغون کو دیکھا، رفقاے دار المصنفین سے ملے اور انکی زیر نظر اور زیر تالیف کتابون پر مبادلۂ خیال کیا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہان کی ہر چیز کو دیکھکر خوش اور مطمئن ہو رہے ہین، مولانا شبلی کو جب دار المصنفین بنانے کا خیال آیا تھا تو مولانا شروانی سے اسکی بابت استصواب کیا تھا، اس وقت دونون کے درمیان یہ جھگڑا تھا کہ یہ کہان قائم ہو، مولانا شبلی اپنا وطن اعظم گڈہ پیش کرتے تھے تو مولانا شیروانی اپنا مستقر و دار الامارت حبیب گنج (علی گڈہ)، بالآخر مولانا نے اعظم گڈہ مین اپنی جان دیکر اور یہان پیوند خاک ہو کر اسکی ترجیح کا حق ثابت کر دیا، اور مرحوم کی اس "مقاومت مجہول" کی خاموش دلیل نے ان کو ساکت کر دیا، مگر دار المصنفین کی باطنی زندگی اور روحانی وجود اب بھی حبیب گنج مین ہے،

دار المصنفین مین ضرورت کی مختلف عمارتین کچھ تعمیر ہو چکی ہین، مگر سب سے زیادہ فکر یہان ایک چھوٹی سی مسجد کی تھی جسمین ساکنین دار المصنفین فریضۂ جماعت ادا کر سکین، سلسلۂ تعمیرات کی تکمیل مین اس مسجد کی تحریک ہم نے پیش کی تھی، اس تحریک کی عملی کوشش بھی حبیب گنج ہی کی قسمت مین تھی، اور اس کوشش کی کامیابی اس قطعۂ

زمین کی قسمت مین تھی جس سے ٹوٹکر حبیب گنج کا ستارہ بنا ہے، نواب سر مزمل اللہ خان رئیس بھیکم پور علی گڈھ کا نام تعارف کا محتاج نہین، سر نواب صاحب کی شاہانہ فیاضی اور علم دوستی سے کون واقف نہین، چنانچہ دار المصنفین کی اس مسجد کی تعمیر کا پورا خرچ ممدوح نے ادا کرنے کا وعدہ فرمایا، مگر اس وعدہ کی ایفا کی ضروری شرط، خود ساکن حبیب گنج کا اعظم گڈھ آنا تھا، چنانچہ اس آمد کے موقع پر نواب صدر یار جنگ کی وساطت سے مسجد کی ابتداے کار کے لیے سر نواب صاحب نے دو ہزار مرحمت کئے اور باقی کے لیے آیندہ مئی کا وعدہ فرمایا، جزاہ اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء۔

مسجد کے رسم بنیاد کے لیے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا، ۱۱ رمضان کی شام کو بعد نماز عصر یہ تقریب پوری سادگی کے ساتھ عمل مین آئی، بنیاد کھودی جا چکی تھی، اہل شہر اور ممتاز اصحاب مع ارکان و رفقاے دار المصنفین موقع پر گئے، نواب صدر یار جنگ بنیاد کی گہرائی تک ننگے پاؤن اتر کر معمار بنے اور جناب مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن اور جناب مولانا حیدر حسین محدث دار العلوم ندوۃ العلماء، مزدور، ان مقدسین نے مسجد کی بنیاد ڈالی، اور اس کے بعد پوری رقت، پورے خضوع اور پورے اخلاص کیساتھ انھون نے اس مسجد کی ظاہری و باطنی آبادی کی دعا مانگی، اور جماعت نے آمین کہی، دعا کے بعد ایک خوش الحان قاری نے حضرت ابراہیم و اسماعیل کی تعمیر کعبہ والی دعاے قرآنی کا رکوع تلاوت کی، اس پر اثر منظر نے دلون کو گرما دیا، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

مسجد کا ابتدائی کام جاری ہے، اور توقع ہے کہ ایک مہینہ کے بعد تعمیر کا سلسلہ شروع ہو جائے، اور چند ماہ مین تمام ہو جاے، اور کم از کم یہ ہے کہ آیندہ رمضان المبارک مین دار المصنفین کی تراویح کتبخانہ کے ہال کے بجاے اسکی مسجد کے دالان مین ہو، اسی کے ساتھ ممکن ہے کہ دار المصنفین کے مصنفین و رفقاء کی سکونت کے لیے جن چند مکانون کی ضرورت ہے، اسکی داغ بیل بھی پڑ جاے، بشرطیکہ فراہم شدہ سرمایہ، تاخیر و تعویق و التوا ریہ

زبردستی مجبور نہ کردے، والامر بید اللہ

نواب محمد یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) سے ہم نے حیدرآباد کے چندہ کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ دارالمصنفین کی جہنم سے ھل من مزید کی جو صدا آرہی ہے وہ سن رہے ہیں؟ ان کا نوازشنامہ آیا ہے کہ انھون نے یہ آواز سنی، اور وہ کوشش کرینگے کہ ایک ہزار کی مزید قسط دارالمصنفین کے لیے فراہم ہوجاے، ہمین صرف اتنا ہی کہنا ہے، کہ حیدرآباد! اور ایک ہزار ع

نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز
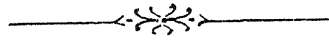
جنوبی ہندوستان کی مسلمان فیاض ہستیون مین سے مدراس کے مشہور مخیر ساہوکار سیٹھ عبدالحکیم صاحب کو گورنمنٹ نے امسال شریف مدراس بنایا ہے، ہرچند یہ سرکاری اعزاز ان کے اُس قومی اعزاز سے بدرجہا کم ہے جو ان کی فیاضی کی بدولت ان کی برادری اور قوم کے دلون مین ہے، وہ مدراس کے کامیاب تاجر ہین، اور اندازہ ہے کہ اب تک قومی درسگاہون اور ادارون مین انھون نے مختلف اوقات مین کم از کم چھ سات لاکھ روپیہ دیا ہے، اس سلسلہ مین انھون نے حال مین اسلامیہ کالج وانمباڑی کو ۲۵ ہزار کی رقم دی ہے، موصوف کو دارالعلوم ندوۃ العلماء سے پرانی ہمدردی ہے، اور وہ وقتاً فوقتاً اس کی امداد کرتے رہے ہین، آجکل ہماری تحریک پر موصوف نے دارالعلوم ندوہ کی تعمیر مین پانچہزار عنایت فرمائے، جنمین نصف ابھی دیدیا ہے، اور باقی نصف کے ماہ مئی مین دینے کا وعدہ ہے، سچ یہ ہے کہ ہماری قومی درسگاہین، انھین لوگون کی ہمت اور اعانت سے چل رہی ہین، ورنہ خزانہ سرکار اور افراد قوم نے تو ان کی اعانت سے ہاتھ روک ہی لیا ہے،

مقالات

قرآن مجید اور سائنس

(۲)

از

مولوی عبدالوحید صاحب ناظم اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

ممالک اسلامیہ میں ماضی ترقی ممالک اسلامیہ نے قرون وسطیٰ میں بہت زیادہ ترقی کی تھی، ڈریپر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ

"اندلس میں عرب مشکل سے جمنے ہی پائے تھے کہ انھون نے ایک نہایت شاندار راہ عمل اختیار کی، ایشیا کے خلفاے اسلام کی طرح قرطبہ کے امیرون نے بھی اپنے آپ کو علم وفن کا مربی قرار دے کر یورپ کے دیسی شہزادون کے مقابلہ پر ایک عجیب وغریب مثال قائم کر دی، ان امیرون کے زمانہ میں قرطبہ اپنے انتہائی عروج پر تھا کہ اُس مین دو لاکھ سے زاید مکانات اور دس لاکھ سے زیادہ انسان آباد تھے، غروبِ آفتاب کے بعد سیدھے دس میل تک سڑک کی روشنی کی مدد سے ہر شخص جا سکتا تھا، اس سے سات سو سال بعد تک شہر لندن مین ایک لالٹین بھی سڑک پر نہ تھی، اُس کی سڑکین نہایت عمدہ اور پختہ تھین، صدیون کے بعد تک پیرس مین جو شخص اپنے دروازہ کے باہر بارش مین قدم نکالتا تھا ٹخنہ تک کیچڑ مین دھنس جاتا تھا"

لین پول لکھتا ہے:-

"تقریباً آٹھ سو سال تک اندلس نے اپنے مسلمان فرمانرواؤن کے ماتحت یورپ کے سامنے ایک نہایت شاندار مہذب و شایستہ سلطنت کی مثال پیش کی ہے، علوم و فنون اور ادب نے ایسی ترقی کی جس کی مثال اُس زمانہ مین یورپ کے کسی ملک مین نہین ملتی، جرمنی، فرانس اور انگلستان سے طلبہ علوم و فنون کے ان چشمون سے سیراب ہونے آتے جو صرف مسلمانون ہی کے شہرون مین بہتے تھے، اندلس کے اطبا، و جراح اپنے فن مین سب سے آگے تھے، عورتون کو اعلیٰ علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی، اور قرطبہ کے باشندے لیڈی ڈاکٹر کے نام سے ناواقف نہ ہوتے تھے، ریاضی، نجوم، علم نباتات، تاریخ، فلسفہ اور قانون صرف اندلس ہی مین یہ علوم حاصل کئے جا سکتے تھے، زراعت کا عملی کام آبپاشی کے بہتر طریقے، جہاز سازی و قلعہ بندی، پارچہ بافی کا انتہائی کمال، لوہار اور سنار کے کام مٹی کے برتن، فن تعمیر ان سب چیزون کو اندلس کے مسلمانون نے انتہائی معراجِ کمال کو پہنچا دیا تھا، کسی سلطنت کو زبردست و دولتمند بنانے کے لیے جو کچھ درکار ہے اور تہذیب و شایستگی کے جس قدر لوازمات ہین وہ سب اسلامی اندلس مین پائے جاتے تھے۔"

متذکرۂ بالا اقتباسات سے قرونِ وسطی مین اسلامی دنیا کی ذہنی و دماغی ترقی کا ایک عام خاکہ ذہن مین آجاتا ہے، حالانکہ یورپ اس زمانہ مین جہالت اور توہمات مین مبتلا تھا، اب مین انفرادی طور پر ان علماے اسلام کے کامون کا حال لکھون گا جس سے مسلمانون کے کارنامون کی تعداد اور اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا، ان معلومات کا اصل ماخذ **سارٹن** ہے،

علم الحساب محمد بن ابراہیم الفزاری، الکندی اور الخوارزمی نے ہندو طریقۂ اعداد کو یورپ مین پہلی مرتبہ رائج کیا، ابن السمح نے تجارتی حساب پر ایک رسالہ لکھا۔ النسوی نے اعشاریہ کو سب سے پہلے رائج کیا۔

جبر و مقابلہ الخوارزمی نے ایک بڑا رسالہ جبر و مقابلہ پر[1] لکھا جس مین تحلیلی حل خطی اور دو درجی مساوات کے پیش کئے۔

[1] معارف، خوارزمی کا جبر مقابلہ ۱۸۳۱ء مین لندن مین انگریزی ترجمہ کیساتھ شائع ہو چکا ہے۔

کعبی مساوات کے حل، کعبی تراش کی مدد سے پیش کیے، دو درجی مساوات کے اقلیدسی حل نکالے، ابو کامل نے جبر و مقابلہ کے مقادیر کی ضرب و تقسیم اور علامت جذر کی جمع و تفریق رائج کی، ابو جعفر الخازن نے کعبی مساوات حل کی، عمر خیام نے مساوات کے عجیب و غریب اقسام مقرر کیے جس میں صرف کعبی مساوات کی تیرہ مختلف شکلیں تھیں اور ان سب کو حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔[1]

اقلیدس | حجاج بن یوسف نے اقلیدس کے "مبادیات" کا ترجمہ کیا، بنو موسی نے کرۂ ارضی کی پیمایش پر کتابیں لکھیں، زاویہ کے تین برابر حصے کیے، الماہانی نے اقلیدس کی شرح لکھی، احمد بن یوسف نے تناسب پر ایک کتاب لکھی، ابو کامل نے مخمس اور معشر کا خاص طور پر مطالعہ کیا، السنجری نے زاویہ کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا،

علم مثلث | حبش الحاسب نے مماس کے پہلے جداول تیار کیے، البتانی نے جیب کو رائج کیا اور مماس التمام کی جدول تیار کی، ابو الوفا نے جیب کی جدول تیار کرنے کا نیا طریقہ ایجاد کیا، مماس کے مسئلہ پر کافی غور و فکر کیا اور قاطع و قاطع التمام رائج کیے،

علم فلکیات | ابراہیم الفزاری نے پہلے اصطرلاب تیار کی، سیاروں کی گردش کا نقشہ مرتب ہوا، میل منطقۃ البروج دریافت کیا گیا، عباسی خلیفہ المامون کی زیر سرپرستی دنیا کی پیمایش کے طریقے ایجاد ہوے، حبش الحاسب نے سیاروں کے متعلق تین جدولیں تیار کیں اور سب سے پہلے اسی نے کسی ارتفاع سے وقت معلوم کرنا بتایا۔ ابو سعید الدریر نے خط نصف النہار کی نقشہ کشی کے متعلق ایک رسالہ لکھا، الفرغانی نے علم نجوم پر نہایت مبسوط کتاب لکھی ہے جو سترہویں صدی تک نہایت مقبول رہی، جابر بن سنان نے آفتاب اور سیارگان کی بلندی کی پیمایش کے لیے آلات تیار کیے، البتانی نے ستاروں کی فہرست مرتب کی، سیاروں کے باہمی تعلق کو نہایت صحت کے ساتھ قائم کیا، آفتاب کی حرکت دریافت کی اور اس مبحث پر ایک نہایت معقول تصنیف کی جو سولہویں صدی تک مستند تسلیم کی گئی، عبدالرحمن الصوفی نے سیاروں کی ایک مصور فہرست مرتب کی جو اسی کے مشاہدات پر مبنی تھی اور جس نے

---

[1] معارف:- عمر خیام کا جبر و مقابلہ بھی ذکر کے قابل ہے، یہ ۱۸۵۱ء میں پیرس سے شائع ہوا ہے، اس کے علاوہ ابن بدر اندلسی کی "کتاب الجبر والمقابلہ" ۱۹۱۶ء میں میڈرڈ (اسپین) سے چھپکر شائع ہوئی ہے، اور قابل ذکر ہے،

ستارون کے درجۂ النور کے متعلق معلومات مین بہت کچھ اضافہ کردیا، ابن یونس نے مشہور زیچ حاکمی جس مین گرہن
پرسیارون کے اجتماع، ثوابت کی خصوصیات اوران کی بلندی کے متعلق مشاہدات اوران کے نتائج درج تھے،
مرتب کی، ابن ہیثم نے لنگر اور اوقات دریافت کئے، شعاع کا جھکاؤ دریافت کیا، فضا کی بلندی شعاع وسیارون
کی امداد سے معلوم کی، عمر خیام نے ایک نئی جنتری بنائی جو غیرمعمولی طور پر صحیح و درست تھی، الزرقانی نے آفتاب کے فاصلہ اور حرکت کو سب سے زیادہ طویل ثابت کردیا،
الغزالی نے سیارون کی ماہیت اور حرکت کے متعلق ایک رسالہ لکھا، جعفر بن مکتفی باللہ نے دمدار ستارہ کی غیرمعین نقل وحرکت کے متعلق تفحص
مشاہدہ کیا، اور اس کے متعلق ایک رسالہ لکھا، بنو اماجور نے چاند کی رفتار و حرکت معلوم کی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی
نے علم نجوم پر سنسکرت کی کتاب "سدھانتا" کا ترجمہ کیا[1] علم نجوم کے متعلق سب سے پہلی رصدگاہ عربون نے شہر
سیوائل (اسپین) مین تعمیر کی[2]، رصدگاہ مراغہ سے ایک نئی فہرست سیارون اوران کی گردش کے متعلق مرتب ہوکر
شائع ہوئی۔ ابن رشد نے آفتاب کے داغ معلوم کیے،

تاریخ موالید و تاریخ بدء الکائنات | اصمعی نے گھوڑے، اونٹ، بھیڑ اور انسان کی ابتدا و پیدائش کے
متعلق کتابین لکھین[3]، الجاحظ نے حیوانون کے متعلق ایک کتاب لکھی جو گنجینۂ معلومات ہے، اس کے علاوہ
اور کتابین لکھین جو موجودہ نظریات مثلاً ارتقا، نفسیاتِ حیوان وغیرہ کا سرچشمہ ہین، الدینوری نے نباتات پر
ایک نہایت مشہور کتاب لکھی[4]، البکری نے اندلس کے درختون کے متعلق ایک رسالہ لکھا، ابن زکریا نے
فن فلاحت پر ایک نہایت مشہور کتاب تصنیف کی[5] ہے،

علم کیمیا | جابر بن حیان نے فن کیمیا کی مزید تحقیقات کے لیے نہایت عمدہ اصول مرتب کئے، زمین کے اندر
جمادات کی ابتدا کے متعلق ایک نظریہ قائم کیا، سیسہ کے اجزا معلوم کیے، آرسینک و تحلیہ گندک کے ترشہ تیار کئے

---

[1] معارف: سندھ کے ایک ہندو پنڈت کی مدد سے ترجمہ کیا [2] معارف:۔ سب سے پہلی رصدگاہ مامون
الرشید نے بنوائی، [3] معارف:۔ یہ کتابین لغت کی حیثیت رکھتی ہین، [4] معارف:۔ اس کی حیثیت بھی لغت کی
تھی، ابن جلجل نے نباتات کے خواص کی تحقیق کی، [5] معارف:۔ اسپر مشہور کتابین ابن وحشیہ اور ابوزکریا یحییٰ اشبیلی کی

ابن زکریا کے بجائے ابوزکریا یحییٰ بن محمد اشبیلی چاہیے، اس کتاب کا اردو مین بھی ترجمہ ہوچکا ہے،

دھاتون کا صاف کرنا بتایا، لوہے کو بنانے کی ترکیب معلوم کی، کپڑے اور چمڑے کو رنگنا بتایا، ابو منصور موفق نے معدنیات کی ماہیت اور اُن کی تیاری کے متعلق کتابین تصنیف کین، ابو القاسم نے مفرد و مرکب دوائین تیار کرنا سکھا، رازی[1] نے کیمیاوی مادہ کی تجزیہ کی کوشش کی،

طبیعیات | الکندی نے اقلیدسی و طبعی مناظر پر ایک رسالہ لکھا، بنو موسیٰ نے مسئلہ توازن پر ایک کتاب لکھی، الحجاظ نے سکون سیالات کے توازن کے ذریعہ کثافت اضافی کا تعین کیا، النیریزی نے فضائی ماحول پر ایک رسالہ لکھا، ابن ہیثم نے اقلیدسی اور عضویاتی مناظر کے زمانۂ قدیم اور سولھوین صدی کے متعلق نہایت گہرا مطالعہ کیا، کروی اور سلیجمی آئینہ کے متعلق مطالعہ کیا، زاویۂ وقوع اور زاویہ میلان کا تناسب معلوم کیا، فضائی ماحول کا مطالعہ مثلاً شام کا وقت، آنکھ اور نگاہ، پردہ شبکیہ کو نظر کا مقام قرار دیا، یہ امر واضح کر دیا کہ روشنی بجائے آنکھ کے اس چیز مین پیدا ہوتی ہے جس کو دیکھا جاے جیسا کہ علماے یونان کا خیال تھا، دو چشمی نظر کی تشریح کرنے کی کوشش کی، یہ امر دریافت کر لیا کہ روشنی کا عکس فضا کی کثافت کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتا ہے، اور خود فضا کی کثافت پر بلندی کا اثر ہوتا ہے، الکندی نے اقلیدسی اور عضویاتی مناظر پر ایک رسالہ لکھا جس سے راجر بیکن بہت متاثر ہوا، البیرونی نے سولہ جواہرات اور دھاتون کی کثافت اضافی معلوم کی، مسلمان جہازرانون نے مقناطیسی سوئی کی سمت نمائی کی خاصیت جہازرانی کے متعلق دریافت کی، ابن سینا نے حرکت، تماس، قوت، خلار، روشنی، حرارت وغیرہ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا،

یہ بتانا بہت زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا کہ مسلمان علما نے یورپ مین علم موسیقی کو ترقی دینے مین بڑی امداد کی ہے، الکندی نے موسیقی پر سات کتابین لکھین جنمین تان کے تعین کے متعلق ایک ترقیم موجود ہے، الفارابی نے عربی مین موسیقی پر ایک نہایت اہم تصنیف کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے یورپین ہمعصر ماہرین فن سے بہت آگے بڑھ گیا تھا، ابن سینا کا موسیقی کا مطالعہ اپنے ہمعصر لاطینی دنیا کے بہت زیادہ وسیع تھا، خز

---

[1] معارف :- زکریا رازی؛ امام رازی نہین،

موجودہ آلاتِ موسیقی کی ابتدا اسلامی اندلس یا خلفاء کے دوسرے ممالک سے ہوئی ہے،

طب | الکندی نے ریاضی کے اصول پر دوا کی خوراک کی تقسیم کے متعلق ایک کتاب لکھی، علی نے ایک ضخیم طبی انسائیکلو پیڈیا مرتب کی جس میں فلسفہ، حیوانات، علم جنینیات، نفسیات، فلکیات وغیرہ پر بحث کی تھی، رازی نے بھی ایک ضخیم طبی انسائیکلو پیڈیا "الحاوی" کے نام سے تیار کی، شہسواری اور اس کے متعلقات پر لکھا جو طب حیوانات کے ابتدائی مسائل پر حاوی ہے، ابو عثمان اور سنان بن ثابت نے شفاخانے مرتب کیے، ابو منصور موفق نے ایک رسالہ مسئلہ اجزائے ادویہ پر لکھا۔ بلادی نے ایک رسالہ حمل اور شیر خوارگی کی صفائی اور احتیاط کے متعلق لکھ ابن سعد نے امراض نسائی زچگی اور بچوں کے معالجہ پر رسائل لکھے، ابن وافد نے غسل کے ذریعہ علاج کے متعلق رسائل لکھے، الماردینی نے مختلف مرکبات کے تیار کرنے کے متعلق ایک نہایت ضخیم تصنیف چھوڑی جو صد تک نہایت مستند تصنیف تسلیم کیگئی،

ابن سینا ایک ضخیم طبی انسائیکلو پیڈیا "قانون" کا مصنف ہے جو چھ سو سال تک سب سے بڑی مستند تصنیف تسلیم کیگئی ہے، عمرو نے آنکھ کے علاج کے متعلق ایک کتاب لکھی جس میں صرف پردہ چشم کے متعلق چھ عمل جراح کی تفصیل کیگئی تھی، اُس نے آنکھ کی تشریح اور اُس کی ساخت کے متعلق بھی ایک رسالہ لکھا۔ علی بن عباس دورانِ خون کا ابتدائی خاکہ پیش کیا اور وضعِ حمل کے وقت رحم کی مختلف حرکات کی تفصیل لکھی،

ابو القاسم جو یورپ میں " Albucasis " کے نام سے مشہور تھا نہایت اعلےٰ درجہ کا جر اُس نے نہایت دشوار اور سخت عمل جراحی کئے تھے، عورتوں کے اپریشن میں نہایت قابل اور تعلیم یافتہ عورتیں جرا کی امداد کرتی تھیں، Rhazes نے پاگل جانوروں کے ذریعہ سے انسان کو جو امراض لاحق ہوتے ہیں ان کی تشخیص وغیرہ کے متعلق تفصیل سے لکھا، اس نے سب سے پہلے بچوں کے امراض کے متعلق لکھا، اس نہایت تحقیق اور عالمانہ طرز سے موتی جھرا چیچک اور سرخ بادا کے متعلق لکھا ہے،

جغرافیہ | المامون کے حکم کے مطابق کرہ ارض کی پیمائش ہوئی اور ایک بڑا نقشہ دنیا کا مرتب کیا گیا، ابن سیرافہ

تمام دنیا کا جغرافیہ لکھا، المسعودی نے تاریخی جغرافیہ کی ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کی[1]، الاصطخری نے مختلف ممالک کے رنگین نقشے شائع کیے، ابن حوقل، مقریزی، الاصطخری[2] ادریسی، ابو الفدا اور البیرونی نے جغرافیہ کے اُس حصہ کو جس کا تعلق ریاضی سے ہے مرتب کیا، البیرونی نے مساحت کے ذریعہ سے پیمائش کی اور ایک ہی عرض البلد کے مختلف مقامات نہایت صحت کیساتھ معلوم کئے، الفرغانی نے دنیا کا قطر دریافت کیا، الکندی نے مد و جزر کے متعلق ایک رسالہ لکھا،

سیاحت | تاجر سلیمان نے چین کی سیاحت کی، چین سے اسلامی دنیا کے نہایت قریبی اور گہرے تعلقات تھے، ابن خردازبہ نے ایک کتاب سڑکون اور صوبون کے متعلق لکھی جس مین مختلف سڑکون کے کنارے مختلف منزلون اور مختلف مقامات کے محصولات کا تذکرہ تھا۔ ابوزید نے ابن وہب کے چین کے سفر کی داستان لکھی جس مین چین، ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک کے حالات درج تھے، ابن فضلان نے خط دالکا کا سفر کیا اور روس کے متعلق سب سے پہلے مستند حالات پیش کئے، ابن بطوطہ نے علم کے شوق مین بہت سے ممالک کا سفر کیا اور ان ممالک کے باشندون، نباتات وحیوانات، معدنی پیداوار اور وہان کے طبعی حالات وآب وہوا کے متعلق حالات تحریر کیے،

طبقات الارض | ابن حزم نے زمین کی اندرونی چٹانون پر پانی کے اثرات کے متعلق لکھا[3]،

علم معدنیات | عطارد نے سب سے پہلے پرانی اسلامی (LAPIDARY) شائع کی جس مین جواہرات کے خواص درج تھے، ابن سینا نے معدنیات پر ایک رسالہ لکھا جو مغربی یورپ مین دورِ تجدید تک سرمایۂ معلومات رہا، جابر بن حیان نے زمین کے اندر دھاتون کی ساخت اور ان کی صفائی اور لوہے کے بنانے کے متعلق لکھا،

علم تاریخ | الدینوری، ابن قتیبہ اور الیعقوبی نے عام تاریخ کی کتابین لکھین، ابن مسکویہ نے مختلف اقوام کی

---

[1] معارف :۔ یہ کارنامہ معجم البلدان کے مصنف یاقوت حموی کی طرف منسوب کیا جاتا تو اچھا تھا، مسعودی نے تاریخ جغرافیہ اور سفرنامہ کو ملا کر مروج الذہب لکھی ہے،

[2] معارف :۔ ابن حوقل اور اصطخری کی کتابین عام جغرافیہ اور سفرنامون کی حیثیت رکھتی ہین،

[3] معارف :۔ اس مسئلہ پر ابن سینا نے بھی بحث کی ہے،

ایک تاریخ مرتب کی[1]، ابن جلجل نے اسلامی اندلس کے اطبا، اور ان کے ہمعصر حکما کی تاریخ لکھی۔ البیرونی نے قدیم قومون کی ایک فہرست مرتب کی جسمین اس نے مختلف قومون کی تقویم اور عہد کی تشریح کی، ابن سعید نے ایک تاریخ لکھی جس مین علوم کی تاریخ پر خاص طور پر توجہ کی، ہمدانی نے عرب کی نہایت مفصل تاریخ لکھی جس مین وہان کے قبائل کا حال اور آثار اور یمن کے جغرافیہ اور قبائل کی کیفیت درج تھی، مقریزی کی مصر کے متعلق تصنیفات سے وہان کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، تجارتی اور انتظامی حالات اور وہان کے آثار کے متعلق نہایت واضح طور پر معلومات فراہم ہوجاتی ہین۔

علم اللسان | ابن القوطیہ نے فعل کی گردان پر سب سے پہلا رسالہ لکھا[2]، الخطیب البغدادی نے اہم معرفہ کے ہجہ پر خاص توجہ کی۔ حجاج بن یوسف نے اعراب کا استعمال شروع کیا،

فلسفہ | الکندی اور فارابی نے یونانی علوم و یونانی فلسفہ کو مدغم کرکے اسلام کے اصولون سے ان کی تطبیق کا عظیم الشان کام انجام دیا، ارسطو کی شرح سب سے بہتر ابن رشد نے کی ہے اور اس کا فلسفہ سترہوین صدی عیسوی تک یورپ کے مدارس مین رائج رہا، راجر بیکن انگلستان مین ابن رشد کا سب سے زیادہ ممتاز مقلد تھا، نصر بن یعقوب نے مسئلہ خواب پر ایک رسالہ لکھا۔ ابن سینا نے منطق پر ایک رسالہ[3] لکھا، اور ابن مسکویہ[4] اور الماوردی نے علم الاخلاق پر نہایت تفصیل سے لکھا، البیرونی نے ہند فلسفہ کا نہایت غور سے مطالعہ کیا، فارابی نے نفسیات اور مابعد الطبیعیات پر کتابین لکھین،

علم الاجتماع | الفارابی نے "بہترین شہر"[5] کے نام سے ایک کتاب لکھی جس مین اس زمانہ کی معاشرتی زندگی پر

---

[1] معارف:۔ شاید مقصود تجارب الامم سے ہے جسمین اسلامی تاریخ پر فلسفیانہ نظر ہے، اس سلسلہ مین ابن خلدون فلسفہ تاریخ کے بانی کا نام لینا ضرور تھا،

[2] معارف:۔ کتاب الافعال لیڈن مین ۱۸۹۴ء مین چھپی [3] معارف:۔ "شاید منطق المشرقیین" مراد ہے، [4] معارف:۔ ابن مسکویہ کی کتاب کا نام کتاب الطہارۃ، اور ماوردی کی کتاب کا نام ادب الدنیا والدین ہے، دونون کتابین چھپ گئی ہین،

[5] معارف:۔ کتاب کا عربی نام "آراء المدینۃ الفاضلۃ" ہے جس کے معنی بہترین شہریت کے متعلق خیالات ہین کتاب چھپ گئی ہے،

تنقید تھی اور ایک بہتر نمونہ پیش کیا گیا تھا، الماوردی نے اصول حکمرانی پر کئی کتابیں لکھیں[1]، نظام الملک نے بھی طریقۂ حکومت پر ایک رسالہ لکھا[2]،

رہنمائے علوم عہد وسطی | یہ امر کہ عہد وسطی میں علوم کی تحصیل اور دماغی جد و جہد خالصۃً اسلامی تھی نہایت مستند تاریخی واقعات سے ثابت ہو چکا ہے، علوم کی ترقی کے لیے قرآن کی زبان بین الاقوامی ذریعہ تھی[3] ہر نیا علمی نظریہ، ہر نیا انکشاف عربی زبان میں شائع ہوتا تھا حتی کہ یہودی اور عیسائی بھی اپنی علمی تصنیفات اسی زبان میں لکھتے تھے، اُس وقت یورپ میں جو کوئی علوم اور تہذیب کی اشاعت کرتا وہ مسلمان سمجھا جاتا، اور عیسوی یورپ اس سے ویسا ہی سلوک کرتا۔ راجر بیکن کو اُس کے علمی کارناموں کی وجہ سے مسلمان کہا جاتا اور اسی لیے اس کو ۱۴ سال کی قید کا حکم دیا گیا تھا، لوتھر جس نے مذہب میں نہایت اہم تبدیلیاں پیدا کیں اور جس سے دور اصلاح کا آغاز ہوا وہ بھی مسلمان قرار دیکر مطعون کیا گیا تھا، جو شخص کہ طبیعات، کیمیا، نجوم یا طب وغیرہ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اس کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ تھی کہ وہ اسلامی اندلس جائے اور مسلمان اساتذہ کا شاگرد ہو۔ اور یہ سب کچھ قرآن ہی کی برکت تھی جس نے دماغی انقلاب پیدا کر دیا تھا،

دور تجدید کی ابتدا | عہد جاہلیت میں اسلامی دنیا کے علمی کارناموں کی متذکرۂ بالا کیفیت تھی جبکہ عیسوی یورپ کا دماغ از کار رفتہ یا نہایت پست ہو گیا تھا اور تحصیل علم محض علم کی خاطر اک فعل عبث سمجھا جاتا تھا؛ یورپ میں تجدید علوم چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ اب مجھے یہ بتانا ہے کہ یہ چودھویں صدی کی تجدید بھی مسلمانوں کی تہذیب کا نتیجہ تھی، اس تجدید کے دو سب سے بڑے نقیب راجر بیکن اور جنگ صلیبی تھے؛ راجر بیکن نے علوم میں تجربہ کو داخل کر دیا اور جنگ صلیبی نے نئے خیالات کی یورپ میں اشاعت کی،

---

[1] معارف:۔ کتاب کا نام "الاحکام السلطانیہ" ہے طبع ہو چکی ہے۔ [2] معارف:۔ سیاست نامہ مطبوعہ ہے۔

[3] Sarton: Introduction to The History of Science

جس سے عیسوی یورپ کے نوجوانون کے دماغ مین وسعت پیدا ہوئی، اور انھون نے تجدید کے لیے میدان صاف کرنے مین امداد کی،

راجر بیکن | بیکن کی ولادت سے بہت پہلے دنیا نے مشاہدہ اور تجربہ کا ایک وسیع طریقہ دیکھ لیا تھا جو اسلامی دنیا مین اندلس سے لیکر عراق تک مختلف رصد گاہون اور تجربہ گاہون کی صورت مین جاری تھا، جہان انتھک کام کرنے والے مدتون سے اسرار قدرت دریافت کرنے پر تُلے ہوے تھے،

بیکن ۱۲۱۴ء مین پیدا ہوا، لیکن اس وقت تک علوم عربیہ مغربی یورپ مین پہونچ چکے، اور اپنا سکہ جما چکے تھے، ہیسکنس کہتا ہے کہ[1]:

"اندلس سے ارسطو اور اس کے عرب شارحین کی مابعد الطبیعات اور فطریات جن سے یورپ کے خیالات مین انقلاب پیدا ہونے والا تھا، تیرھوین صدی مین آے، اندلس کے مترجمون نے گیلن اور ہپا کریٹس کے مروجہ ترجمون اور ابن سینا جیسے عرب حکما، دونون سے امداد لی، اندلس ہی سے نئی اقلیدس، نیا جبر و مقابلہ علم المناظر اور مناظر پر رسائل نکلے، اندلس ہی فلکی جداول اور فلکی مشاہدات کا مسلمہ اور ذرکالی کے وقت سے الفانسو کے زمانہ تک مرکز رہا ہے، ٹلیڈو کا لصعت النہار عرصہ تک یورپ کے لیے مرکز رہا ہے، الفرغانی کے فلکی جداول جو آج بھی جاری ہین قابل توجہ ہین، اس کے علاوہ بطلیموس کے المجسطی کا ترجمہ (جس کے شوق مین جیرارڈ آف کریمونا نے ٹلیڈو کا طویل سفر اختیار کیا تھا) بھی خاص اہمیت رکھتا ہے، مشرقی علم نجوم کا بڑا حصہ فن کیمیا کی طرح اندلس ہی سے تمام دنیا مین رائج ہوا۔"

راجر بیکن کے زمانہ تک علوم عربیہ جس حد تک یورپ مین رائج ہو چکے تھے، اس کا کچھ اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو سکتا ہے، اڈیلارڈ آف باتھ (Adelard of Bath) نے اور کتابون کے علاوہ

---

[1] Hasknis: Studies in The History of Medieval sience

(۱) محمد بن موسے الخوارزمی کے علم نجوم کی جدول (۲) مبادیات اقلیدس (۳) ابو معشر جعفر کے رسالہ نجوم کا ترجمہ عربی سے کیا، اس نے اپنی تصنیفات مین ۷۰ ابواب کا ایک مکالمہ بھی چھوڑا ہے جس سے ان علوم کی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو اس نے عربوں سے سیکھے تھے[۵۰] ہرمین آف کارنتھیا (Hermanno of Corinthia) نے (۱) خوارزمی کی زیچ (۲) ابو معشر جعفر بلخی کی علم نجوم ۸ جلد اور (۳) مسلمہ کی عربی تصنیف (Ptolem[illegible] [illegible]) کا ترجمہ کیا،

بارہوین صدی مین بطلیموس کی علمی تصانیف عربی سے ترجمہ ہو کر یورپ پہنچ چکی تھین، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس کے (Plani[illegible]) کا ترجمہ عربی سے ہرمین نے ۱۱۴۳ء مین کیا تھا علم المناظر کا ترجمہ عربی سے لاطینی زبان مین ایگنس آف پلرمو (Eugenius of Palermo) نے کیا، اس کی زبردست تصنیف المجسطی بھی الفرغانی کے ترجمہ کے ذریعہ سے جس کو (Gerard of Cremonia) جیرارڈ آف کریمونا نے ۱۱۷۵ء مین بمقام طالیڈو کیا تھا یورپ پہنچی،[۵۱] جیرارڈ نے ۹۲ عربی کتابوں سے کم ترجمہ نہ کیا تھا۔[۵۲]

مچل اسکاٹ (Mishal Scott) اور تھیوڈر آف انٹیاش (Theodore of Antioch) نے علم حیوانات کے متعلق عربی کتابوں سے ترجمے کیے، البطروغی کی کرہ پر جو کتاب ہے اسکاٹ نے اس کا بھی ترجمہ کیا تھا،

ہگو سنکٹلنس (Hugo Sanctallen) نے ابو معشر جعفر کی موسمی تغیرات کے متعلق پیشین گوئیوں کی ایک کتاب اور ماشاء اللہ اور الکندی کے دو رسایل کا ترجمہ کیا، ربرٹ آف چیسٹر (Robert of Chester) نے خوارزمی کے جبر و مقابلہ، علم کیمیا اور نجوم کے متعلق کتابوں کا ترجمہ کیا

ان تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ راجر بیکن سے پہلے مسلمانوں کے علمی کارنامے یورپ مین

---

[۵۱] Haskins Studies in The History of Medieval Science

[۵۲] Ch. Singer The Dark Age in Modern Science & Civilization

[۵۳] " " "

داخل ہو چکے تھے، یہ بھی واقعہ ہے کہ بیکن نے جو کچھ علم و فضل حاصل کیا اس کا سرچشمہ علوم اسلامیہ تھے جیسا کہ اس امر سے ظاہر ہے کہ آکسفورڈ کا مدرسہ جہاں اس نے تعلیم حاصل کی اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کیلئے ان یہودیوں نے جو ولیم آف نارمنڈی (William of Hormanay) کے ساتھ انگلستان پہنچے تھے، قائم کیا تھا[1]، یہ بھی واقعہ ہے کہ راجر نے یورپ کے مختلف علوم اسلامیہ کی درسگاہوں میں پڑھا تھا اس لیے کہ یورپ میں اور کہیں باقاعدہ علوم کی تعلیم نہ ہوتی تھی، رابرٹ برنفالٹ کہتا ہے کہ:

"نہ راجر بیکن اور نہ اس کے ہمنام دوسرے بیکن کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ تجربہ کے طریقہ کو رائج کرنے والے قرار دیے جائیں، راجر بیکن کی اس سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں کہ وہ اسلامی علوم کو عیسوی یورپ تک پہنچانے کا ایک ذریعہ تھا، وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتا رہا کہ اس کے معاصرین کے لیے علم حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ عربی زبان اور عربی علوم حاصل کریں۔ یہ بحث کہ تجربہ کے طریقہ کا کون موجد تھا ایسا ہی ہے جیسا کہ عربوں کی ہر ایجاد و انکشاف کا موجد اس شخص کو قرار دے دیا جاتا تھا جس کے ذریعہ سے پہلی مرتبہ یورپ اس ایجاد سے روشناس ہوا ہو مثلاً قطب نما کا موجد ایک فرضی شخص فلیو یوجیو جا کو بتایا جاتا ہے یا الکحل کا ارنلڈ کو یا عینک و بارود کا بیکن یا شوارکز کو لیکن یہ یورپ کی تہذیب کا آغاز بالکل غلط طور پر بیان کرنا ہے، عربوں کے تجربہ کا طریقہ بیکن کے زمانہ تک بہت عام ہو چکا تھا اور تمام یورپ نہایت شوق سے اس کی پیروی کرتا تھا، اس کو اڈیلارڈ آف باتھ، الیگزنڈر آف نیکم، وینسنٹ، ارنلڈ اور برنارڈ پیش کر چکے تھے[2]"

یہ امر کہ راجر بیکن نے جو کچھ حاصل کیا وہ بہت کچھ اسلامی علوم کی وجہ سے تھا، اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے علمی مشاغل کی وجہ سے مسلمان قرار دیکر ملزم بنایا گیا، وہائٹ کہتا ہے:-

---

[1] Briffault. The Making of Humanity

[2] " " "

"علم کے میدانِ کارزار مین ایک دوسرا موثر حربہ بہنایت کامیابی سے استعمال کیا گیا، عربون نے سائنس مین نہایت عظیم الشان انکشافات کئے تھے اور ابن رشد (اکثر لوگون کے خیال کے مطابق) سینٹ تھامس اکیوناس کی عزت وشہرت مین شریک پیدا ہو گیا تھا اُن وجوہ سے ایک نئی گولی ایجاد ہوئی اور یہ مسلمان ہونے کا الزام تھا چنانچہ اس کا وار بھی کامیابی کے ساتھ بیکن پر کیا گیا"[1]

اس مین کوئی شبہہ نہین ہے کہ راجر بیکن علوم عربیہ مین کمال مہارت رکھتا تھا اور انھین علوم سے اس نے اپنے فلسفہ کے لیئے مواد حاصل کیا،

محاربات صلیبی | یہ ظاہر ہے کہ محاربات صلیبی کے ذریعہ سے جو کچھ یورپ کو حاصل ہوا وہ سب اسلامی مشرق کی تہذیب کا نتیجہ تھا، کیونکہ نوجوانانِ یورپ کے مقابل ان طویل محاربات صلیبی مین صرف مسلمان ہی تھے" اس طرح اسلامی تہذیب نے مشرق ومغرب دونون طرف سے یورپ مین تجدیدِ علوم کے لیے راہ کھولدی،

عہدِ تجدید | وہ اسباب جو دورِ تجدید کے آغاز کا باعث ہوئے حسب ذیل ہین:-

(۱) امریکہ کا دریافت ہونا (۲) یونانی علوم کا احیاء (۳) پوپ کے اقتدار مین کمی واقع ہونا۔
(۴) چھاپہ کی ایجاد،

ان مین سے امریکہ کا دریافت ہونا مسلمانون کے ایجاد کردہ قطب نما کی بدولت ہوا، کولمبس سے صدیون پہلے عرب جہاز ران اس عجیب آلہ کو استعمال کر رہے تھے جس نے آیندہ جہاز رانی کی راہین کھولدین خود کولمبس کی تحریرون مین ایسے حوالے موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن رشد کی تصنیفات نے اس کو ایک مغربی براعظم کا وجود سمجھایا تھا۔ الکندی اور اس کے مثل دوسرے جغرافیہ نویسون کی تصنیفات نے یہ بات ظاہر کردی تھی کہ کرۂ ارض کی دوسری جانب بھی ضرور زمین ہے، یونانی علوم کا احیاء بھی اسی لیے ممکن ہوا کہ وہ سب عربی مین محفوظ تھے، ہسٹورینس ہسٹری (The Historians History) مین عربون کے متعلق ہے کہ:-

[1] Dr. White: Medieval Mind

"وہ (عرب) یونانیوں اور ہندوؤں کے علوم کو محفوظ رکھنے کے باعث ہمیشہ شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ یونانی یا ہندو اس زمانہ میں کسی قابل نہ تھے اور یورپ اس وقت تک اس درجہ جاہل تھا کہ وہ ان خزانوں کی حفاظت کا کام اپنے ذمہ لینے کا اہل ہی نہ تھا، عربوں کا نام تاریخ سے مٹادو تو تم دیکھو گے کہ یورپ میں تجدیدِ علوم کا کام صدیوں پیچھے ہٹ جائے گا۔"

مسلمانوں نے یونانی علوم کی صرف حفاظت ہی نہیں کی بلکہ ان کی شرح کی اور حاشیہ لکھے، انھوں نے غلطیاں بھی نکالیں اور ان سے بہت آگے ترقی بھی کی، یونانی علوم کی بعض نہایت سخت غلطیوں کا ازالہ کیا گیا مثلاً ابن ہیثم نے یہ ثابت کر دیا کہ آنکھ جب دیکھتی ہے تو شعاع اس میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس چیز میں پیدا ہوتی ہے جسے دیکھا جائے،

تیسرا سبب پوپ کے اقتدار کا کم ہو جانا ہے، یہ امر قابلِ غور ہے کہ پوپ کے اقتدار کے خلاف سب سے پہلے بغاوت لوتھر نے کی تھی جس کے اصلاحی خیالات اسلام کے اثر سے پیدا ہوئے تھے،

آخر میں چھاپہ کی ایجاد بھی اسی لیے کامیاب ہو سکی کہ کاغذ اس سے پہلے مسلمان بنا کر یورپ میں رائج کر چکے تھے، ایچ جی۔ ویلس لکھتا ہے:-

"مطابع کو اور زیادہ منظم صورت میں پیش کرنے میں جو ناکامی ہوئی، بلاشبہ اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ اس زمانہ میں کاغذ کافی مقدار میں نہ مل سکتا تھا۔ . . . .

اگر اس زمانہ میں مطابع ہوتے بھی تب بھی وہ بیکار بند پڑے رہتے"

اس طرح عہدِ تجدید بلاواسطہ اسلامی تہذیب کے اثرات کے ماتحت عالمِ وجود میں آیا ہے، ہر مستند مصنف نے اب اس کو تسلیم کر لیا ہے، ڈاکٹر تھارنڈ ایک کہتا ہے:-

"اگر عرب چارلس مارٹل اور فرانکس کو جو کہ سلطنتیں یوں بھی ختم ہو رہی تھیں شکست دیدیتے اور اگر وہ مغربی یورپ پر مسلط ہو جاتے جیسا کہ اندلس پر ہو گئے تھے تو یورپ میں تہذیب کی تجدید بہت جلد ہو گئی ہوتی۔"

Lynn Thorndike: Medeival Europe

ولی کا غیر مطبوعہ کلام

از

مولوی نصیر الدین احمد صاحب ہاشمی، ایم آر، اے ایس، ایف آر ایس اے،

ولی اورنگ آبادی کا کلام اب تک متعدد مرتبہ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ سے بھی شائع ہو چکا ہے، اور ابھی حال مین انجمن ترقی اردو اورنگ آباد نے نہایت اہتمام سے متعدد دیوانون سے مقابلہ کرکے ولی کے کلیات کو زیور طبع سے آراستہ کیا ہے، اس کے بعد بظاہر کوئی مزید اضافہ کی گنجایش نہین معلوم ہوتی مگر انگلستان کے ذخیرہ کے مدنظر ہنوز اس کلیات کو نامکمل کہنا ناگزیر ہے،

انگلستان مین ولی کے پندرہ دیوان ہین جنکی صراحت حسب ذیل ہے:-

(۱) انڈیا آفس	۸ مخطوطے	(۴) کیمبرج	۳ مخطوطے
(۲) برٹش میوزیم	ایک مخطوطہ	(۵) اکسفرڈ	۲ مخطوطے،
(۳) اڈنبرا یونیورسٹی	ایک مخطوطہ		۱۵

ان دیوانون کے مدنظر نہ صرف ہم اس کے شائع شدہ کلیات مین اضافہ کر سکتے ہین بلکہ بعض دیگر حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کا نام ولی محمد تھا اور دکن کے باشندے تھے، یہان سب سے قدیم دیوان سنہ ۱۱۴۴ کا مرتبہ ہے جبکہ ولی خود زندہ تھے،

اس کے قبل کہ غیر مطبوعہ کلام پیش کیا جائے مختصر طور پر ہر دیوان کی صراحت بے موقع نہوگی،

انڈیا آفس (۱) دیوان نمبر ۱۱۳، ورق (۱۱۰) سائز ۹ ½ × ۵ ½ سطر ۱۱ تا ۱۷، خط نستعلیق، کاتب حفیظ اللہ سنہ کتابت دوم ربیع الثانی سنہ ۱۳ جلوس محمد شاہ (سنہ ۱۱۴۴) اس مین (۳۶۵) غزل، دو مستزاد، ستائیس رباعی

چالیس فرد۔ نو مخمس، دو ترجیع بند، دو مثنویاں، چار قصیدے درج ہیں، ہر ورق پر جھلی چپاں کی گئی ہے تاکہ بوسیدہ کاغذ تلف نہ ہو، مگر صاف طور سے پڑھا جا سکتا ہے، نہایت خوشخط ہے، بلند نڈیا آفس میں نئی بنوائی گئی ہے، یہ دیوان اس لیے قابل قدر ہے کہ سب سے قدیم ہے جبکہ ولی خود زندہ تھے،

(۲) دیوان نمبر ۱۴۱، ورق (۲۱۲) سائز ۷ ۱/۴ × ۴ ۱/۲ سطر ۱۱ تا ۱۲ خط نستعلیق تاریخ کتابت ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۲۴ جلوس محمد شاہ (۱۱۵۵ھ) غالباً اسی سنہ میں ولی کا انتقال ہوا ہے، اس میں ۳۷۷ غزل سے زیادہ ہیں، کیونکہ بعض حاشیہ کی تعداد شامل نہیں کیگئی ہے، اس کے بعد دس رباعی (۶۴) فرد، دو مستزاد، دو بازگشت، دو ترجیع بند، ایک چار در چار، ایک مثلث، سات مخمس، اس کے بعد پھر تین مستزاد، دو قصیدے اور ایک مثنوی درج ہے،

اس نسخہ میں جابجا الفاظ کی اصلاح کی گئی مثلاً "کہتا ہوں" کو "لکھتا ہوں" بنایا گیا ہے وغیرہ، حاشیے پر متعدد اشعار زیادہ کئے گئے ہیں، اس دیوان پر دو مہر ہیں ایک میں محمد عبد اللہ ولد حافظ محمد احمد سنہ ۱۱۶۶ھ اور دوسرے میں محمد احمد سنہ ۱۱۶۸ھ مرقوم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان ان کی ملک رہا ہے،

اس میں دیگر اصحاب کے متعدد فارسی شعر بھی درج ہیں اور بعض ہانگی یادداشتیں بھی ہیں، بعض اندراجات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گجرات میں مرتب ہوا ہے، اس دیوان کا کاتب محمد نور الدین علی ہے،

(۳) دیوان نمبر ۱۵۵ ورق (۱۴۴) سائز ۸ ۱/۴ × ۴ ۳/۴ سطر ۱۱ تا ۱۵ خط نستعلیق تاریخ کتابت ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۱۵۶ھ، کاتب محمد تقی ولد سید ابو المعالی، یہ ابو المعالی وہی بزرگ ہیں جنکے ساتھ ولی نے دہلی کا سفر کیا تھا،

اس دیوان میں اوّل (۳۸۸) غزل، اس کے بعد چار قصیدے، ایک ترجیع بند پھر ایک قصیدہ، نو مخمس (۲۶) رباعی۔ (۲۹) فرد۔ تین مستزاد پھر ایک ترجیع بند، اور آخر پر ایک اور قصیدہ درج ہے، ابتدائی اوراق خوشخط ہیں، اس کے بعد زشت خط ہو گیا ہے،

اولاً بسم اللہ کے ساتھ بیس غزل ردیف الف کی خوشخط درج ہیں، اس کے بعد ایک صفحہ پر چند دیگر فارسی اشعار لکھے گئے ہیں، اس کے بعد پھر بسم اللہ کے ساتھ غزلوں کی ابتدا ہوئی ہے، کچھ تو مکرر درج ہوئے ہیں، اور کچھ

نہین ہین، دیوان کے آخر علاوہ دیگر فارسی اشعار کے فراقی کی ایک اور غزل اور ایک عربی دعا مرقوم ہے، کتابت کے بعد مقابلہ کیا گیا ہے، جا بجا اصلاح اور حاشیہ پر الفاظ درج ہین، اس دیوان کے سرورق پر یہ درج ہے:

"تصنیف مغفرت پناہ میان ولی محمد متوطن دکن"

اور آخری صفحہ پر مرقوم ہے :-

"تمت تمام شد دیوانِ مغفرت نشان میان ولی محمد مرحوم متوطن دکھن بتاریخ دویم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۱۵۶ ہجری بروز پنجشنبہ بوقت صبح تحریر یافت مالک وکاتب این دیوان عاجز المذنب محمد تقی ولد سید ابو المعالی است کسے دعوی کند باطل است"

(۴) دیوان نمبر ۱۱۶، ورق (۱۱۶) سائز ۸×۵ سطر ۱۳ تا ۱۷، خط نستعلیق، تاریخ کتابت اور نام کاتب وغیرہ کی صراحت نہین ہی، مگر کاغذ اور خط کے مدنظر اس کو بھی بارہوین صدی ہجری ہی کا تصور کرنا چاہیئے،

اس مین اوّل چار قصیدے، ایک قطعہ، اس کے بعد دو مثنویان درج ہین، اس کے بعد ایک صفحہ خالی چھوڑ کر غزلون کی ابتدا کیگئی ہی جنکی تعداد (۳۴۷) ہے اس کے بعد تین مستزاد دو ترجیع بند (۲۳) رباعی چالیس فرد، ایک قطعہ اس کے بعد پھر تین غزل اور پھر ایک قصیدہ درج ہے، اسکو بھی جعلی سے جوڑا گیا ہے،

اس دیوان پر فورٹ ولیم کالج کی مہر ثبت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کالج کی ملک رہا ہے

(۵) دیوان نمبر ۱۱۷ ورق ۱۰۷، سائز $9\frac{1}{4} \times 5\frac{1}{4}$ سطر ۱۱ تا ۱۴ خط نستعلیق تاریخ کتابت درج نہین اسمین (۲۲) غزل گیارہ رباعی، چار مستزاد، تین مخمس، ایک بازگشت، ایک چار درچار، ایک مثلث، ایک ترجیع بند اور دو قصیدے درج ہین، دیوان کے آخر حسب ذیل عبارت درج ہے :-

"چہاردہم جزِ دیوانِ ولی بموجب فرمودہ بہ جو کرج جیو سلمہ اللہ تعالیٰ بخط ناپختہ (؟) خادم بروز دسہرہ اتمام یافت"

۶- دیوان نمبر ۱۱۸ ورق (۵۸) سائز $8\frac{3}{4} \times 6$ سطر ۱۱ تا ۱۳ خط نستعلیق تاریخ کتابت، نام کاتب وغیرہ

درج نہیں ہے، بلحاظ کاغذ اور خط تیرہویں صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے، اس میں (۲۷۲) غزل، دو مستزاد۔ دو مخمس درج ہیں :-

۷ - دیوان نمبر ۱۹، اوراق ۱۰۷، سائز ۹ ½ × ۶، سطر ۱۱ تا ۱۴، خط نستعلیق، یہ دیوان ناقص الاول اور ناقص الآخر ہے، اس لیے تاریخ کتابت وغیرہ معلوم نہیں ہو سکتی، بلحاظ شانِ خط و کاغذ بارہویں صدی ہجری کا ہے۔ اس میں ۱۴۳ غزل ہیں۔

۸ - دیوان نمبر ۲۰، اوراق ۲۷، سائز ۲ ۱/۲ × ۷، سطر ۱۱ تا ۲۱، خط نستعلیق، تاریخ کتابت ۲۷ ذیحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ کاتب غلام محمد۔

اس دیوان میں ۱۵۳ غزل، ایک مستزاد، ایک مخمس، ایک ترجیع بند درج ہیں، یہ دیوان ولایتی عودے کاغذ پر لکھا گیا ہے، پہلے صفحہ پر حسب ذیل عبارت درج ہے :-

"کتاب ہذا حسب فرمایش جناب سیٹھ صاحب بہروزجی سراب جی ایسرن بمقابلہ منشی یسین خان بتاریخ ۱۱ جولائی سنہ ۱۸۶۴ء تسوید شد فقط یسین خان۔"

اور آخر پر درج ہے :-

"الحمد للہ والمنۃ کتاب دیوان ولی در بندر صورت اختتام یافت تحریر تاریخ ۲۷ ذیحجہ سنہ ۱۲۸۰ الصلوٰۃ والسلام الراقم غلام محمد"

۹ - دیوان برٹش میوزیم لندن نمبر ۱، ورق ۱۳۴، سائز ۸ × ۶ ½، سطر ۱۱، خط نستعلیق، تاریخ کتابت ۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۳ بمقام بوین پلی۔

اس میں صرف غزل ہیں، اکثر مقامات پر حروف، مصرع اور شعر کی جگہ چھوڑ دی گئی ہے، معلوم ہے کاتب سے وہ الفاظ حل نہیں ہوئے۔

۱۰ - دیوان مملوک اڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۸۷، ورق ۱۹، سائز ۹ × ۶ ½، خط نستعلیق، دیوان کے

اوراق کرم خوردہ ہیں، اس لیے تاریخ کتابت وغیرہ جو درج ہے معلوم نہیں ہوسکتی۔ بلحاظ کاغذ و نشان خط ۱۲ صدی ہجری کا ہے، اس میں ۳۶۴ غزل، ایک ترجیع بند، گیارہ مخمس، تین مستزاد، تین رباعی، دو فرد اور ایک قصیدہ درج ہے،

۱۱۔ دیوان کتب خانہ کیمبرج یونیورسٹی، نمبر ۳۵۰ (Add) ورق ۱۰۲، سائز ۲۲ر۶ × ۱۲ر۶، سطر ۱۲ خط نستعلیق، خوشخط جدول سرخ، تاریخ کتابت ۲۶ صفر ۲۲ جلوس محمد شاہ ۱۱۵۳ھ،

اس دیوان میں ۲۱۴ غزل، تین مستزاد، ایک بازگشت، نو مخمس، دو ترجیع بند، چار قصیدے، ایک قطعہ، دو مثنویاں، ۲۳ رباعی، ۲۲ فرد درج ہیں، خاتمہ پر حسب ذیل عبارت درج ہے:-

"دیوان ولی بحسب فرمائش رفعت و عوالی پناہ خانصاحب مہربان محمد نسار (نثار؟) جیو مرقوم شد بست و ششم شہر صفر ۲۲ سنہ محمد شاہ"

اس دیوان کو بھی لکھنے کے بعد مقابلہ کیا گیا ہے، اکثر اشعار وغیرہ حاشیہ پر بنائے گئے ہیں، اس دیوان کی ایک خصوصیت یہ ہے، یہ گارسی ڈی ٹاسی کی ملک رہا ہے (Garcin de Tassy) کیونکہ اس کے دستخط موجود ہیں، جلد قدیم ہے ممکن ہے کتابت کے زمانہ کی ہو۔

۱۲۔ دیوان کتب خانہ کنگ کالج کیمبرج نمبر ۱۴۶ ورق ۹۱، سائز ۱۰ × ۶، سطر ۱۴۔ خط نستعلیق، تاریخ کتابت وغیرہ درج نہیں ہے، سرخ جدول ہے، بلحاظ نشان خط تیرھویں صدی ہجری کا ہے، صرف غزلیات ہیں جن کی تعداد ۲۲۲ ہے

۱۳۔ دیوان کتب خانہ کایر کالج کیمبرج Caius college نمبر ۴ سائز ۱۰ × ۵ ورق (۵۹) سطر ۱۷۔ تاریخ کتابت ۲۵ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ کاتب آتمارام۔ خط نستعلیق،

اس میں ۲۴۴ غزل، دو مستزاد، چار رباعی، ایک ترجیع بند، تین مخمس درج ہیں، دیوان کے آخر حسب ذیل عبارت درج ہے:-

"بخط بندہ احقر اتمام تاریخ ۲۵ ربیع الاول سنہ مطابق سنہ ۱۲۱۲ روز جمعہ وقت دوپہر شاہ عالم بادشاہ غازی"

۱۴۔ دیوان کتب خانہ اکسفرڈ یونیورسٹی۔ نمبر ۶۴ ورق ۱۲۵ سائز $\frac{5}{8}$۸×$\frac{3}{4}$۴ سطر ۱۱ تا ۱۵۔ خط نستعلیق، تاریخِ کتابت وغیرہ درج نہیں مگر کاغذ اور شانِ خط کے لحاظ سے بارہویں صدی ہجری کا ہے اس میں ۲۴۴ غزل مگر ۲۱۳ غزل کے بعد درمیان میں ایک مستزاد اور ایک بازگشت درج کیا گیا ہے اور ان کو مدور عنوان دیا گیا ہے، اس کے بعد باقی غزل درج ہیں، غزل کے ختم پر جو صفحہ ۱۰۱ پر ہوئی ہے "تمت تمام شد دیوانِ ولی" لکھا گیا ہے اور اس کے بعد دس مخمس، ایک ترجیع بند، پانچ قصیدے اور پھر ایک ترجیع بند ۲۶ رباعی ہیں۔ فرد درج ہوئے ہیں، حاشیہ پر بعض الفاظ کے معنی لکھے گئے ہیں اور بعض جگہ اشعار اضافہ کئے گئے ہیں،

۱۵۔ دیوان اکسفرڈ، نمبر ۵۸۶ ۲۴ ، ورق ۹۵، سائز ۹×$\frac{1}{2}$۵ سطر ۱۷۔ خط نستعلیق، تاریخِ کتابت ۲ رجب سنہ ۱۱۵۳ کاتب شیخ امام الدین،

اس دیوان میں ۳۶۲ غزل، اس کے بعد ایک ترجیع بند، تین مخمس، ایک قصیدہ، ایک مثنوی درج ہیں، دیوان کے آخر حسب ذیل عبارت درج ہے:۔

"بعون الملک الوہاب حسب الامر حافظ محمدی ولد خواجہ محمد فاضل مرحوم اسکنہ اللہ فی دار الجنان در عہدِ خلافتِ بادشاہ جمجاہ خلایق بارگاہ محمد شاہ بادشاہ غازی . . . . . . (؟) منصور فی المعارک والمغازی کاتب الحروف شیخ امام الدین ساکن الدکریہ (؟) بتاریخ دویم رجب المرجب سنہ ۱۱۵۳ھ روز شنبہ نسخہ دیوان بوقت چہار گھری روز برآمد بہ تصحیح . . . . ؟ این صحائف پرداخت"

ان دیوانوں کے متعلق مصنفین کٹیلاگ نے جو فروگذاشتیں کی ہیں، ان کی صراحت کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ چند دیگر امور ضرور قابلِ تذکرہ ہیں۔

ان دیوانوں سے ولی کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کی زندگی سے اب تک

مرتب ہوتا رہا ہے اور بلحاظ مذہب و ملت ہر شخص نے اس کی قدر کی ہے یہاں مسلمانوں نے اوسکو مایۂ صد افتخار خیال کیا، وہاں ہندو اصحاب نے بھی اس کو قدر کے ہاتھوں لیا، اسی طرح پارسی اقوام نے اس کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے، اسی طرح یورپ نے قدر کی ہے،

دیوان نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام ولی محمد صحیح ہے اور وہ درحقیقت دکن کے باشندے تھے، نیز یہ کہ ۱۱۵۵ھ میں وہ بقید حیات نہین تھے،

دیوان نمبر ۴ مین ولی کی غزل، ہوا ہے رشک چنپے کی کلی کون الخ کے حاشیہ پر ناصر علی کا اردو جوابی شعر حسب ذیل درج ہے:-

باعجاز سخن گرا اوڑ چلے تو ن نہ پہنچیگا ولی ہرگز علی کون

دیوان نمبر ۱ کا ایک ورق درمیانی موجود نہین ہے، اگرچہ مصنف کیٹلاگ نے پنسل سے جو نمبرات قائم کئے ہین وہ برابر ہین مگر صفحہ (۵۳) ذیل کے شعر پر ختم ہوتا ہے،

چاہو کی ہو ولی کے نمط جگ مین دور بین انکیان مین سرمہ پیو کے خاک چرن کرو

اور صفحہ ۵۴ پر ذیل کے مقطع کے ساتھ صرف تین شعر ہین،

ولی مت حاسدا نکے ہاتھ سون دلکون مکدر کر کہ آخر دسون جاوی گا غبار آہستہ آہستہ

اس سے ظاہر ہے کہ وہ صفحہ جس پر اس کا مطلع اور باقی شعر تھے نہین ہے، نیز دیگر غزل جو اس پر ہونے چاہئین مثنویان جن دیوانون مین درج ہین، ان کے اشعار کی تعداد تقریباً سب مین ایک ہے، اور وہی دو مثنویان ہین جو کلیات ولی مین بھی درج ہو چکی ہین،

انڈیا آفس کے کل دیوانون کی جلدین نئی بندھوائی گئی ہین، البتہ نمبر ۳ مین قدیم زمانہ کی جلد بھی شامل ہے اس صراحت کے بعد اب مین غزلون سے قطع نظر کرکے دیگر اصناف سخن کی (جو کلیات ولی مین شائع ہوئے ہین) وضاحت کرتا ہون کہ وہ کن کن دیوانون مین درج ہین :-

(الف) مستزاد . (مندرجۂ کلیاتِ ولی)

(۱) بے تاب کیا شوق نے مجھ دل کو بدن مین الخ

یہ دیوان نمبر (۲ و ۳ و ۴) مین موجود ہے،

(۲) لائی ہے لگن تم سون چھٹ کون سکے گا الخ (دیوان نمبر ۱)

(۳) بخشی ہین آ مین رنگ سون اس گل ترے گا لان، الخ ״

(۴) کیتا ہے نظر جب ستی تجھ رشک پری پر ، الخ (۱و۲و۴و۵و۶و۸و۱۱و۱۳و۱۵)

(۵) معلوم نہین کن نے میرے دل کو لیا ہے، الخ (۲و۳و۴و۵و۶و۸و۱۰و۱۱و۱۳)

(۶) گئے رات معراج وہ عرش پر، الخ (۱و۲و۴و۶و۱۱)

(۷) ہرگز تو نہ لا ساتھ رقیب دغلی کون الخ (۱و۲و۱۳و۱۴)

(۸) دل چھوڑ کے یار کیونکہ جاوے الخ (نمبر ۲)

(۹) کیتا ہون ترے ناؤن کو مین ورد زبان کا الخ (نمبر ۲)

(ب) مخمس

(۱) تجہ قد نے مجھ نگاہ کون عالی نظر کیا الخ (۱و۳و۱۰و۱۱و۱۴و۱۵)

(۲) مطلب نہین ہے ہم کون حسینان نعیم کا الخ (۱۰و۱۱و۱۴)

(۳) نکو کر آشنائی غیر سون اے سیمتن ہرگز الخ (۱و۲و۶و۸و۱۰و۱۱و۱۳)

(۴) عاشق ترے جمال پہ شیدا ہوے اتال الخ (۱و۲و۱۱و۱۴و۱۵)

(۵) گلشن مین مجھ سنے کے اے صاحب جمال چل الخ (۱و۲و۳و۵و۱۰و۱۱و۱۴)

(۶) نازسون آ تجھے خدا کی قسم الخ (۱و۳و۸و۱۰و۱۱و۱۴)

(۷) نیرنگی ترے لب کی مسیحا پہ لکھا ہون الخ (نمبر ۱۰)

(۸) تیرے قدم کے فرش رہ میرے نین سب دن اچھو الخ (۱و۳و۱۰و۱۱و۱۳)

(۹) سجن کا ذکر مین تسدن رٹا ہے الخ (کسی مین نہین ہے)

(۱۰) تہ تنہا حسنِ خوبان دلربا ہے الخ (۲و۱۰و۱۴و۱۵)

(۱۱) یاقت لب تیرے سجن پہ دل میرے کا قوت ہے، الخ (۱و۲و۳و۶و۱۰و۱۱و۱۳و۱۴)

(۱۲) مشق کر اے دل سدا تجرید کی، الخ (۸و۱۰و۱۱و۱۲و۱۴)

(۱۳) ہمسر ہو تیرے دعوی مین اڑ کون سکے گا، الخ (۱۰)

(۱۴) ہوس دل مین سدا تیری ہے سوتے ہو رکھانے کا، الخ (کسی مین نہین ہے)

(۱۵) رحم کر تجکو دلبری کی قسم، الخ (۲)

(ج) ترجیع بند،

(۱) میرے دل مین وہ سرو گلفام ہے، الخ (۱و۲و۳و۴و۵و۸و۱۱و۱۵)

(۲) اے تو مقبولِ سرورِ عالم، الخ (۱و۲و۳و۴و۱۱و۱۳)

(د) قصائد

(۱) اے زبان پر تو اوّل اوّل، الخ (۱و۳و۴و۵و۱۰و۱۱و۱۴و۱۵)

(۲) عشق مین لازم ہے اوّل ذات کون فانی کرے، الخ (۱و۲و۳و۴و۵و۱۱و۱۴و۱۵)

(۳) ہر ایک رنگ مین جو دیکھتا ہون چرخ کے نیرنگ الخ (۱و۳و۴و۱۱و۱۴)

(۴) کیا ہے غم مجکون اگر جگ مین نہین مونسِ غم، الخ (۳و۴و۱۱و۱۴)

(۵) دکھے نظر سون اگر یہ جمال نورانی، الخ (۴و۱۴)

(۶) ہوا ہے خلق اپر پھر کے فضل سبحانی (۱و۳و۴)

(ھ) مثنوی،

(۱) الٰہی دل اپر دسے عشق کا داغ ، الخ (۱و۲و۴و۱۱)

(۲) عجب شہران مین ہی پر نور ایک شہر الخ (۱و۲و۴و۱۱)

(د) بازگشت ،

(۱) دلربا آیا نظر مین آج میری خوش ادا ، الخ (۲و۱۴)

(۲) سب چمن کے گلرخان کا تون ہی زیب گلبدن الخ (۲و۵و۱۱)

(ح) مثلث ،

(۱) دیکھ غمزے ترے کا جور وجفا ، الخ (۲و۵)

(ط) چار در چار ؛

(۱) صنم سات جب آ کے بار لگے ، الخ (۲و۵)

(ی) قطعہ

(۱) گجرات کے فراق سون ہے خار خار دل ، الخ (۳و۴و۱۱)

(۲) ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال' الخ (کسی مین نہین ہے ،

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ کلیاتِ ولی کا شائع شدہ کلام عموماً یہان کے دیوانون مین موجود ہے ، مگر مین اب ایسے کلام کو پیش کرونگا جو یہان کے دیوانون سے دستیاب ہوا ہے اور کلیات مین موجود مین ہے ، اور چونکہ کلیاتِ ولی نہ صرف مخطوطون سے مرتب کیا گیا ہے بلکہ مطبوعہ دیوانون سے بھی مدد لیگئی ہے اس لیے یہ کہنا کہ ذیل کا کلام غیر مطبوعہ ہے بالکل صحیح ہے ،

قصیدہ ، مستزاد ، بازگشت ، مثلث ، چار در چار کے متعلق مجھے کچھ صراحت کرنے کی ضرورت نہین ہے کیونکہ اس صنف کا کوئی مزید کلام دستیاب نہین ہوا ہے ،

مخمس | کلیات مین کل بند ، ۵ مخمس شائع ہوئی ہین جنمین سے تیرہ تو یہان کے دیوانون مین بھی موجود ہین ،

مگر دو کا یہان پتہ نہین چلا،

اس کے برخلاف ذیل کے تین مخمس کلیات مین نہین ہین، وہو ہذا:-

مخمس

یہ برہ کی تار کیون کی جاوی — چلنے کی پکار کیون کی جاوی

جان وار کی پار کیونکی جاوی — دل یار کو چھوڑ کیونکی جاوی

زخمی ہے شکار کیونکی جاوے

پھرتا ہون جہان وجگ سون ہزار — اس بند مین آٹھو ہون لاچار

کیونکر ہو برہ مین مست ہوشیار — جب لگ نہ ملی شراب دیدار

انکھیانکا خمار کیونکی جاوی

جب عشق کی فوج نے آئی گھیرا — حیران ہوا ہوا اس میرا

اس ون سون ہوا ہون تیرا چیرا — یکسان ہے ہمیشہ حسن تیرا

جنت سون بہار کیونکی جاوی

یہ دل تری دیکھنے کو رووہی — ہر شام صبح مین تل نہ سووی

یہ عمر عزیز غم مین کھووی — انکھوانکے اگر مدد نہ ہووی

مجھ دل کا غبار کیونکی جاوی

عاشق کی یہی ہے جگ مین بانان — معشوق کی نانو پر بکانان

نہین کام ہر ایک کا اسمین آنان — ممکن نہین اب ولی کا آنان

ہی عاشق زار کیونکی جاوی

یہ خمسہ صرف دیوان نمبر ۲ مین ہے، — (باقی)

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۳)

لحج

سلطان عبدالکریم فضل

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

لحج | حکومت لحج عرب کی ایک چھوٹی مگر ترقی یافتہ اور زرخیز ریاست ہے، سلطان عبدالکریم فضل یہاں کے موجودہ حکمران ہیں، اس کے حدود اربعہ یہ ہیں، جنوب میں بحرِ عرب کا ساحل باب المندب سے ملحاقات تک، شمال میں امام یحییٰ کے حدودِ سلطنت، مشرق میں حضرموت اور مغرب میں بحر احمر، مجموعی رقبہ ۲۵۰۰ مربع میل اور آبادی ۳۰ لاکھ ہے، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی مختلف مذاہب اور فرقوں پر مشتمل ہے، سنیوں میں شافعی، حنفی اور شیعیوں میں جعفری، اسمٰعیلی اور زیدی، دیگر مذاہب میں یہودی، عیسائی اور ہندو ہیں، یہاں بعض قبائل ایسے بھی آباد ہیں جو ابھی تک زمانۂ جاہلیت کی روایات پر قایم اور اسلام سے بالکل ناواقف ہیں، مشہور قبائل میں عبادلہ، یوافع، آلِ فضل، عوالق، حواشب، صبیحہ ہیں، اور مشہور مقامات کے نام یہ ہیں، سقرہ، حوطہ، ملحاف، لحج، ابین، انصاب، شمیر وغیرہ،

حکومتِ لحج کی تاریخ | آج سے دو سو برس قبل حکومت لحج کا رقبہ یمن کے ممالک محروسہ میں شامل تھا، یہاں امام یحییٰ کا حاکم رہا کرتا تھا، اٹھارہویں صدی کے ربع اول میں یمن سے علیحدہ مستقل حکومت قائم ہوئی، ۱۷۲۸ء میں ایک زیدی فوجی افسر حکومتِ یمن کی طرف سے یہاں کا حاکم تھا، اس میں آزادانہ حکمرانی کا

کا جذبہ پیدا ہوا اور عدن پر قبضہ کرکے مستقل حکومت قائم کرلی۔ اس وقت یہاں کی آبادی [illegible]

شافعی سنی تھے، یہ گو امامِ یمن کے زیرِ حکومت تھے لیکن ان کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ اس عامل نے

ان کو مائل کرنے اور اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے سنی مذہب اختیار کرلیا، اس تبدیلِ مذہب سے

حکومت کی تاسیس میں بہت مدد ملی، یہ شخص سلطنتِ لحج کا پہلا بانی تھا۔ اس کے بعد [illegible]

ہوئے یہ سب زیدی النسل اور شجاعت و شہامت میں مشہور تھے۔

سلاطینِ لحج | ان میں سے چار زیادہ مشہور ہیں، سلطان محسن بن فضل [illegible]

[illegible] اٹھارہویں صدی کا اول تھا، یہ نہایت غیور اور حریت پسند تھے، [illegible]

[illegible] مل نہایت شریفانہ تھا، ان میں اپنی سلطنت کے [illegible]

[illegible] ہمیشہ موقع کے منتظر رہا کرتے تھے، اسی لئے ان سے اور انگریزوں سے کبھی نہیں بنی، انہیں کے زمانہ

[illegible] عدن پر انگریزوں کا قبضہ ہوا، یہ نہایت زمانہ شناس، دور اندیش [illegible]

[illegible] تھے، انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں لحج کی اصلاح و ترقی [illegible]

[illegible] کومت بہت مختصر تھا لیکن اس قلیل زمانہ میں فوج، مالیات، اور تعلیم و فنون کی [illegible] و ترقی

[illegible] بہت کچھ کامیاب ہوئے، اگر انکو زیادہ موقع ملتا تو لحج کی حکومت کو [illegible] دیتے لیکن

[illegible] کی بے وقت وفات کی وجہ سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا تاہم مرتے وقت اپنی تمام دولت [illegible]

[illegible] خاندان کی تاسیس اور ترقی کے لئے وقف کر گئے، ان کے بعد سلطان فضل بن علی بن محسن ان کے

[illegible] قائم مقام ہوئے، یہ بھی شجاعت و شہامت میں عقل و فرزانگی اور اصابتِ رائے میں اپنے پیشرو کے

[illegible] بر تھے، ان کا اصول تھا کہ بغیر دولت کے سلطان کی کوئی عزت نہیں، اس لئے انھوں نے اپنی تمام

[illegible] جہ امن و امان کے قیام اور زراعت کی ترقی کیجانب مبذول رکھی، حدودِ سلطنت میں بھی وسعت پیدا

[illegible]، چنانچہ حوشب پر قبضہ کرلیا لیکن کچھ دنوں کے بعد انگریزوں کی وجہ سے پھر واپس کردیا۔ ان کے اور

حکومت عدن کے تعلقات اچھے تھے، انگریز انکا ظاہر اپورا احترام کرتے تھے، لیکن مخلصانہ تعلقات نہ تھے، یہ ۳۳ برس تک حکمران رہے، اور نہایت عدل و انصاف سے حکمرانی کی، زراعت، اوقاف اور قبیلوں کے باہمی تعلقات کے متعلق انھون نے نہایت عمدہ قوانین جاری کئے، جو آج تک دستور العمل کا کام دیتے ہین، ان کے بعد سلطان احمد بن فضل بن محسن تخت نشین ہوئے، یہ بھی علم دوستی اور ذکاوت مین اپنے اسلاف کے ہمسر اور ہمت و حوصلہ مین ان سے بڑھکر تھے، لیکن ویسے مخیر اور فیاض نہ تھے، انگریزون سے ظاہری تعلقات اچھے تھے لیکن اندرونی تعلقات مین انگریز چالبازی اور بوسیدہ سیاست سے کام لیتے تھے، امام یحییٰ کے ساتھ ان کے تعلقات بہت مخلصانہ اور مضبوط تھے، ترکون کے مقابلہ مین انھون نے امام کی نہایت قیمتی مدد کی، اور شریف حسین کو بھی ترکون کی امداد سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ترکون کے مقابلہ مین امام کی مدد کرنا نہین چاہتے تھے، اس لئے ان کی کوشش کامیاب نہ ہوئی، یہ عرب پر عربون کے علاوہ کسی کی سیادت گوارا نہ کرتے تھے اسی لئے ترکون سے ہمیشہ تعلقات کشیدہ رہے، انھون نے اپنے زمانہ مین اتحادِ عرب کی نہایت مبارک اور مہتم بالشان کوشش کی تھی اور اس مقصد کے لئے فرمانروایانِ عرب کی ایک عام موتمر منعقد کرنا چاہتے تھے، دعوت نامے بھی بھیجدیئے تھے تاکہ سب کسی ایک مقام پر جمع ہو کر عرب قوم کی فلاح و بہبود، اور انکی سیاست اور وحدت پر غور کرین، لیکن دعوت نامے بھیجنے کے بعد پھر کسی نامعلوم سبب سے یہ تجویز ملتوی کر دی، اگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دیتے تو یہ ان کی زندگی کا نہایت روشن کارنامہ ہوتا،

عدن قدیم: موجودہ سلطنت لحج کے حالات معلوم کر لینے کے بعد عدن قدیم کی مختصر تاریخ سن لینی چاہیے کہ اسکو اس سے بہت گہرا تعلق ہے، لحج گو چھوٹی سی ریاست ہے، لیکن عدن کی وجہ سے کسی زمانہ مین نہایت طاقتور تھی، کوئی بیرونی طاقت اس وقت اس کے معاملات مین مداخلت نہ کر سکتی تھی، انگریزون کے قبضہ سے پہلے یہ مقام عرب کا بہت بڑا تجارتی مرکز تھا، ۱۸۳۸ء مین ایک فرانسیسی

سیاح لاردوک عدن آیا تھا، اس نے اپنے سفرنامہ میں اسکی قدیم عظمت کا نقشہ کھینچا ہے، لیکن ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں، عدن ہی عرب و عدن کا سب سے سنگین قلعہ تھا، یہاں ایک زبان ایک مذہب ایک تمدن تھا، امرأ عرب کے محلات و قصور انکی تجارتی کوٹھیاں اور سنگین قلعے اسکی رونق کو دوبالا کرتے تھے، قدیم آثار میں یہاں کا مشہور و معروف بند نہایت حیرت انگیز اور عجیب و غریب چیز ہے، یہ بند آج سے کئی ہزار برس قبل دو پہاڑیوں کے بیچ میں پانی جمع کرنے کے لئے بنایا گیا تھا، اسمیں پانی کے متعدد ذخیرے ہیں جنمیں ۵۰ ملین گیلن پانی جمع ہوتا ہے، یہ مخزن اتنے بڑے ہیں کہ یہاں کی قلیل بارش ایک سال میں بھرنے سے قاصر رہتی ہے، امتداد زمانہ سے یہ بند پٹ گئے تھے، ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے انکو دوبارہ صاف کرایا ہے،

عدن کی موجودہ اہمیت قدیم تاریخ کے علاوہ اسکی جغرافی حیثیت نے اسکو موجودہ دور میں اور زیادہ اہم بنا دیا ہے، عدن مشرق اور مغرب کی دریائی گزرگاہ اور مشرق کا صدر دروازہ ہے، اسکی اہمیت سے جزائر برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان یہ جہازوں کا آخری مرکز ہے، پہلا جبرالٹر، دوسرا سویز، تیسرا عدن، اسکی بحری حیثیت بہت اہم ہے، مشرق اور مغرب کے درمیان جتنے جہاز چلتے ہیں عدن ان سب کے کوئلہ کا سب سے بڑا مخزن ہے، اس کے ٹیلیگراف آفس پر بحری امن و امان کا دارومدار ہے، گو دنیا میں اس سے بھی بڑے ٹیلیگراف آفس ہیں لیکن عدن کا مرکز ان سب سے اہم ہے، اگر آج عدن کا سلسلہ تاربرقی توڑ دیا جائے تو یورپ، افریقہ اور آسٹریلیا سب ایک گوشہ میں پڑ جائینگے، [illegible] قدیم زمانہ کی بحری تاخت و تاراج شروع ہوجائے گی، خصوصاً ہندوستان کا تعلق [illegible] سے بالکل منقطع ہوجائیگا، جن قوتوں کے بل پر انگریز ہندوستان میں حکومت کر رہے ہیں ان میں عدن کی قوت بھی اہم ہے، اگر عدن ان کے ہاتھوں سے نکل جائے تو پھر ہندوستان پر انکی گرفت ڈھیلی پڑ جائیگی، اسی لئے اب انھوں نے ہندوستان اور یورپ کے درمیان ہوائی سروس قائم کی ہے،

عدن پر قبضہ کی کوشش

غرض ہندوستان کو قبضہ میں رکھنے کے لئے عدن پر انگریزوں کا قبضہ ضروری تھا، چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں انگریزوں نے عدن پر قبضہ کرنے کی خفیہ کوششیں شروع کیں، اور ۱۸۰۲ء میں سلطان احمد فضل کے ساتھ پہلا تجارتی معاہدہ کیا، اور اس تجارت کے پردہ میں عرب کے ساحل پر ہندوستان آنے جانے والے جہازوں کے لئے کوئلہ کا مخزن قائم کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن لحج کے سلطان محسن نہایت مدبر اور حریت پسند تھے، انھوں نے انگریزوں کی چال سمجھ لی، اور ۱۸۲۸ء میں معاہدہ توڑ دیا، یہ محمد علی پاشا خدیو مصر کا زمانہ تھا، یہ شام پر قبضہ کرکے عرب کے بعض حصوں تہامہ اور عسیر پر قابض ہو چکے تھے، عرب میں انکا اثر و نفوذ انگریزی مصالح کے بالکل خلاف تھا، خاص کر عدن کے معاملہ میں تصادم کا خطرہ یقینی تھا، کیونکہ انگریز یہاں کوئلہ کا مخزن قائم کرنے کے لئے اس پر قبضہ کی فکر میں تھے، اور محمد علی پاشا اپنی عربی مقبوضات کی حفاظت کے لئے اپنا قبضہ چاہتے تھے، اور سلطان لحج سے عدن میں اپنے حقوق محفوظ کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اور انگریزوں کے مقابلہ میں انکی کامیابی زیادہ متوقع تھی، اس لئے انگریزوں نے سب سے پہلے اس خطرہ کو دور کرنا ضروری سمجھا، اور لارڈ پامرسٹن وزیر اعظم انگلستان نے ۱۸۳۸ء میں محمد علی پاشا کو لکھا کہ عرب میں انکا کوئی حق نہیں ہے، یہاں سے وہ اپنی فوجیں ہٹا لیں،[۱]

دوسری طرف باب عالی کا سہارا لیا، گو عدن پر ترکوں کا قبضہ نہ تھا لیکن ان کی سیادت ضرور تھی، خصوصاً ایسے موقع پر یورپین طاقتیں ظل اللہ کی مذہبی سیادت سے فائدہ اٹھا لیا کرتی تھیں، چنانچہ انھوں نے عثمانی حکومت سے ایک تجارتی معاہدہ کیا کہ انگریز تاجر اپنا مال عثمانی حکومت میں بیچ سکیں گے، اور اسی معاہدہ کی بنا پر تجارت کی کوٹھی بنانے کے لئے عدن مانگا، سلطان عبد المجید نے فوراً فرمان جاری کر دیا، اسکے

۱؎ اس سلسلہ میں ۱۸۴۰ء میں انگلستان میں کانفرنس ہوئی اور اسکی قرارداد کے بموجب شام ترکی حکومت کو واپس مل گیا، اور عرب سے بھی محمد علی پاشا کو دستبردار ہونا پڑا،

انڈیا کمپنی نے یہ وسیلہ تو اچھا پیدا کیا لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی خوب سمجھتی تھی کہ عرب مین حقیقی حکومت عربون کی ہے اس لئے تنہا اس فرمان سے کام نہ چلیگا اس لئے اب عدن پر قبضہ کرنے کے لئے کسی معقول عذر کی تلاش ہوئی، بدقسمتی سے اس زمانہ مین انگریزی تجارتی جہاز عدن آیا جایا کرتے تھے، اتفاق سے ایک جہاز ڈوب گیا عربون نے اسکا سامان لوٹ لیا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا، چنانچہ اس نے کپتان اسٹافرڈ ہینس کو تین سو مسلح فوج کے ساتھ ایک جنگی جہاز دیکر سلطان لحج کے پاس تاوان مانگنے کے لئے بھیجا، اس وقت سلطان محسن یہان کے حکمران عدن ہی مین موجود تھے، کپتان موصوف نے سلطان عبد المجید کا فرمان دکھا کر تاوان مانگا، یہ اس فرمان سے بہت برہم ہوئے کہ عثمانی سلطان کو ہماری حکومت مین دخل دینے کا کیا حق ہے، ان کے انکار پر کپتان اسٹافرڈ نے فوراً حملہ کر دیا، سلطانی فوج نے مقابلہ کیا، اور آخر مین ایک معاہدہ پر معاملہ طے ہوا جس کی رو سے انگریزون نے عدن مین سلطان کے حقوق محفوظ کر کے ایک لاکھ ماہانہ انکا وظیفہ مقرر کر دیا، اور انگریزون کو عدن کے قریب ایک چھوٹے سے مقام پر قیام کی اجازت مل گئی، اس معاہدہ مین دو شرطین یہ بھی تھین کہ کوئی اجنبی شخص خواہ وہ برطانیہ کا باشندہ ہی کیون نہ ہو، لحج مین بغیر سلطان کی اجازت کے داخل نہین ہو سکتا، دوسرے انگریزی رعایا مین کا کوئی اگر کوئی جرم کریگی تو سلطنت لحج کی تعزیرات کے مطابق انکو سزا دیجائے گی،

ان شرائط سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انگریز کن شرائط پر عدن مین آباد ہوئے تھے لیکن یہ خواہ کتنی ہی ذلیل شرائط پر آئین تاہم یہان ان کے قدم پہنچ گئے، وہان پھر دوسرے حکمران کا جمنا بہت مشکل ہے، چنانچہ کچھ ہی دنون کے بعد انگریزی قنصل اور سلطان مین اختلافات شروع ہو گئے جسکا نتیجہ جنگ کی صورت مین ظاہر ہوا، اس جنگ مین سلطان کو شکست ہوئی، اور ان کے قبیلہ عبادل کو انگریزون نے عدن سے بالکل نکال دیا، حتی کہ کسی کو عدن مین گھر تک بنانے کی بھی اجازت نہ دی، اور عدن پر انکا کامل قبضہ ہو گیا، اس قبضہ کے بعد دوسرا معاہدہ ہوا جس کی رو سے سلطان لحج نے

انگریزوں کی سیادت تسلیم کرلی لیکن اندرون ملک میں انکی کامل آزادی برقرار رکھی گئی البتہ بیرونی طاقتوں
سے معاہدہ ناجائز قرار دیا گیا، امرائے عرب کے ساتھ تعلقات پر کوئی قید نہ تھی، سب سے زیادہ دلچسپ دفعہ یہ تھی کہ
لحج کے حدود میں کسی اجنبی کی ملکیت یا اسکا داخلہ سلطان کی اس اجازت کے بغیر جو حکومت برطانیہ سے
حاصل کیجائے نہیں ہوسکتا، بہرحال اس معاہدہ کے الفاظ میں گو سلطان آزاد تسلیم کرلئے گئے تھے
لیکن درحقیقت عملاً انکی آزادی سلب ہوچکی تھی،

دوسری جنگ کے بعد عدن انگریزی قبضہ میں چلا گیا، لیکن عدن کے علاوہ انکی آبادی اور جہازات کے
پاس نہ تھا، اور عدن کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ یہاں فوجی بارکیں اور دوسرے استحکامات
بنائے جائیں تاکہ وہ بیرونی حملہ آوروں سے حفاظت کرسکیں لیکن اس کے لئے کوئی معقول جگہ نہ ملتی
تھی، چنانچہ انھوں نے عدن سے باہر قدم پھیلانے کی کوششیں شروع کیں، پاس ہی شیخ عثمان کی آبادی
اس مقصد کے لئے بہت موزوں تھی، یہ مقام گو آزاد تھا لیکن حکومت لحج کے زیر سیادت تھا، انگریزوں نے
اسکو یہاں کے رئیس سے انکی قیمت بھی پیش کی لیکن وہ راضی نہ ہوا، تو انھوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار
کیا، سلطان لحج کے حقیقی بھائی سلطنت میں بہت دخیل اور اس کے کارکن تھے، انکو ملک سے زیادہ
روپیہ عزیز تھا، انگریزوں نے ۱۸۸۲ء میں ان سے ۴۰ ہزار کے عوض شیخ عثمان کا خفیہ معاملہ کرکے کتابت
کرالی، سلطان کو علم ہوا تو انھوں نے بھائی کو خارج البلد کرکے انکو تمام حقوق سے محروم کردیا، اور اس
کتابت کے خلاف بہت احتجاج کیا، لیکن انگریزوں نے اس کتابت کو قانونی دستاویز قرار دیکر واپسی سے
انکار کردیا، اور وہاں اپنی فوجیں اتار دیں، آخر میں سلطان خاموش ہوگئے کہ انگریزی فوج کا مقابلہ انکے
امکان سے باہر تھا، رفتہ رفتہ شیخ عثمان کی حیثیت ایک چھوٹے سے شہر کی پیدا ہوگئی، اور فوجی بارکوں اور
سامان جنگ کی وجہ سے خاصی چہل پہل رہنے لگی،

جنگ عظیم اور لحج | جنگ عظیم میں ترکوں اور انگریزوں کے درمیان لحج کی پوزیشن بالکل بلجیم کی ایسی تھی، اسکو

اس دوران مین سخت نقصان اٹھانا پڑا، خاندان شاہی بھی ان مصائب کا شکار ہوا۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ شیخ سعید کا رقبہ جنگ کے قبل ترکون کے پاس تھا یہان ان کے قلعے تھے، اور جنگی سامان رہتا تھا جب انھون نے ۱۹۱۵ء مین عدن پر حملہ کرنا چاہا اور انگریزون کو اسکا علم ہوا تو وہ شیخ سعید کی طرف بڑھے تاکہ اس پر قبضہ کرکے انکی جنگی قوت توڑ دین لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے انگریزی فوجین حملہ آور نہ ہو سکین تاہم تربہ اور اس کے قرب وجوار کے متعدد قلعے تباہ کر دیے، اور اس وقت ترک آگے نہ بڑھ سکے۔ بلکہ انکو پیچھے ہٹنا پڑا، لیکن چند ہی مہینون کے بعد ماویہ سے لحج ہوتے ہوئے عدن کی طرف بڑھے انگریزون نے عدن کی حفاظتی فوج کو شیخ عثمان ہوتے ہوئے لحج کی طرف بڑھنے کا حکم دیا لیکن موسم کی سختی کی وجہ سے فوج وقت پر نہ پہونچ سکی، اور ترک اس کے پہلے لحج پہونچ گئے اور انگریزون کو پسپا ہو کر پیچھے ہٹنا پڑا، اس کے بعد ترکون نے لحج کو خوب لوٹا اور شیخ عثمان [illegible] فوجین اتار دین، لیکن چند ہی دنون کے بعد انگریزی فوجین پہونچ گئین، اور ترکون کو شیخ عثمان چھوڑ کر لحج واپس جانا پڑا، انگریزون نے یہان سے ہٹانے کی بھی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے،

ترکون کی ۱۵ ہزار شامی فوج یمن مین تھی، اور اس کا ایک حصہ سعید پاشا چرکس کے زیر کمان ماویہ مین تھا، سعید پاشا نہایت خوش اخلاق افسر تھے، انکی خوش اخلاقی کے گرویدہ تھے اس لئے سعید پاشا نے کوشش کی کہ عربون کو ساتھ لے کر عدن پر حملہ کرین اس حملہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ انگریز یہان مشغول رہین اور عرب کے دوسرے حصون مین ترکون کا مقابلہ نہ کر سکین چنانچہ انکی ہر دلعزیزی کی وجہ سے یہ اس کوشش مین کامیاب ہوئے، اور بہت سے قبیلے ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ماویہ سے عدن پر حملہ کا راستہ لحج کے اندر ہو کر تھا سعید پاشا نے سلطان لحج سے اجازت مانگی لیکن یہ انگریزون کے حلیف تھے اس لئے اجازت نہ دی، انکے انکار پر سعید پاشا نے لحج پر حملہ کر دیا، لحجیون نے مقابلہ کیا، اور وکیم کے پاس سخت معرکہ آرائی ہوئی، لیکن یہ سب غیر تربیت یافتہ اور تعداد مین

کم تھے، اس لئے شکست کھا گئے، اور انگریزی فوجین اُس وقت پہونچین جب لحجی کامل شکست کھا چکے تھے، اس تاخیر کی مختلف تاویلین کیجاتی ہین لیکن عدن مین عام طور پر مشہور ہے کہ ہندوستانی مسلمان رجمنٹ نے ترکون کے مقابلہ سے انکار کر دیا تھا، بہرحال واقعہ جو کچھ بھی ہو ترک لحج پر کامل طور پر قابض ہو گئے، اور سعید پاشا نے سلطان لحج کے انکار کا ان سے بہت سخت بدلہ لیا، خاندان شاہی قلعے سے برابر مدافعت کرتا رہا لیکن آخر مین ترکون کی گولہ باری سے مجبور ہو کر راتون رات شیخ عثمان کی طرف بھاگ نکلا، عین اسوقت انگریزی امدادی فوج پہونچگئی لیکن اس نے تاریکی مین شاہی خانوادہ کو ترکی دستہ سمجھکر آتشباری شروع کر دی، بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوئے، خود سلطان کے پاؤن مین گولی لگی جس کے صدمہ سے وہ عدن پہونچکر انتقال کر گئے،

ترکون نے لحج پر قبضہ کرنے کے بعد اسکو خوب تباہ کیا، یہان کے باشندے ان کے مظالم سے تنگ آکر عدن چلے گئے، شاہی خاندان کے باقی ماندہ افراد نے بھی عدن کا راستہ لیا، لحج پر قابض ہونے کے بعد سعید پاشا نے جارحانہ پیشقدمی روک دی، انگریز بھی شیخ عثمان اور عدن سے مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے، اور جنگ کے ہولناک زمانہ مین ان دونون مقامات پر کامل امن و امان رہا، انگریز بھی سعید پاشا کی اس صلح پسندی اور اخلاق کے معترف اور مداح ہین، اس مدت مین خاندان شاہی عدن مین بیٹھکر اپنی قسمت کے فیصلہ کا انتظار کرتا رہا، ان کے مدت قیام مین انگریز برابر ان کی خبر گیری اور ہر طرح کی دلدہی کرتے رہے، حتی کہ سلطان عبدالکریم کے اس احتجاج پر کہ "انگریزی فوجون کے بروقت نہ پہونچنے سے شاہی خاندان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا،" انگلستان کی حکومت نے عدن کے حاکم اور یہان کے کمانڈر دونون کو معزول کر دیا، اختتام جنگ کے بعد جب ترکون کی قسمت کا فیصلہ ہوا، تو خود سعید پاشا جرکسی نے عدن جاکر انگریزون کو تلوار حوالہ کی، اور لحج پھر سلطان عبدالکریم کو واپس مل گیا، جب یہ لوگ لحج واپس ہوئے تو یہان کی حالت بہت ابتر تھی، لیکن لحجیون نے زراعت

مین ہمہ تن مشغول ہوکر بہت جلد حالت سنبھال لی،

موجودہ حکمران | موجودہ حکمران سلطان عبدالکریم فضل نہایت روشنخیال تعلیم یافتہ اور حریت پسند امیر ہین ان مین ان کے اسلاف کی تمام خصوصیات موجود ہین علوم وفنون کے ساتھ خاص دلچسپی ہے خصوصاً عرب اور تاریخ اسلام کے مطالعہ کا بہت ذوق ہے، انکا مطالعہ نہایت وسیع ہے جدید سے جدید کتابین اور شام ومصر کے تمام اخبارات زیر مطالعہ رہتے ہین جس وقت یہ اقوام عالم کی پالٹیکس پر گفتگو کرتے ہین، تو یہ نہین معلوم ہوتا کہ عرب کے کسی گوشہ کا بدوی حکمران ہے، بلکہ مصری تعلیم یافتہ کا دھوکا ہوتا ہے، ان مین تعصب وتنگ نظری کا نام بھی نہین، ان کے آزادانہ خیالات سنکر سخت حیرت ہوتی ہے وطنیت اور قومیت انکی رگ رگ مین سرایت کئے ہوئے ہے، کہا کرتے ہین کہ تعصب اور مذہبی تنگ نظری اقوام کی سب سے بڑی مصیبت اور وطنیت کی سب سے بڑی بدبختی ہے، کاش عرب سمجھ جائے کہ انکی آزادی کا مدار دماغ پر ہے، دل پر نہین ہے، اپنے وطن مین اجنبی اثر ونفوذ کو سخت ناپسند کرتے ہین اور اس کی کامل آزادی کے لئے ہمیشہ کوشان رہتے ہین، اگر انکی کوششین جاری رہین، تو تعجب نہین کہ بعض کھوئے ہوئے حقوق ان کو واپس مل جائین، ان مین اور برٹش گورنمنٹ مین عرصہ ہوا ایک جدید معاہدہ کے متعلق گفت وشنید ہو رہی تھی، اسکی دفعات سے انکی وطن پرستی اور حریت پسندی کا اندازہ ہوگا،

(۱) لحجی حکومت کو اندرون ملک کی حفاظت اور بیرونی مدافعت کے لئے اسلحہ خریدنے کا پورا حق ہوگا، اور اس معاملہ مین اس پر سے تمام قیود اٹھا دیئے جائین گے،

(۲) سلطان عدن کی انگریزی فضائی قوت کو ضرورت کے وقت سرکش قبائل کی تادیب مین استعمال کر سکین گے،

(۳) حکومت لحج اپنے حسب منشا ملکی فوج کی جیسی تنظیم چاہے گی کر سکیگی،

(۴) امام یحیٰی نے حکومت لحج کے جن مقبوضات کو دبا لیا ہے، سلطان اسکی واپسی پر بالکل

آزاد ہون گے،

(۵) برٹش گورنمنٹ کو سلطان کے بیرونی تعلقات مین جو سلطان کے اندرونی ملک سے متعلق ہون، آزادانہ حقوق ماننے چاہئین،

(۶) لحج کے قرب وجوار کی عربی امارتون صبیحہ، حواشب، قطیب، امین، ضالع، یافع، علوی سے برطانیہ کو اپنی حمایت اٹھاکر لحج کی حکومت کے متعلق کر دینا چاہیے،

(۷) سلطان کو ایک جنگی موٹر (ٹینک) رکھنے کا اختیار ہوگا، اور وہ اسکو جب چاہین گے کام مین لاسکین گے، دو ایک دفعات ولیعہدی کے متعلق ہین جنکا تذکرہ آگے آئے گا،

گورنمنٹ مین اعزاز، برٹش گورنمنٹ مین سلطان عبدالکریم کا بڑا اعزاز ہے، عدن کی حکومت انکا بہت احترام کرتی ہے، اکثر ان مسائل مین جنکا تعلق قبائل یا عرب کے اندرون ملک سے ہوتا ہے، ان سے صلاح و مشورہ کرتی ہے، C. I. E. کا خطاب ہے، گیارہ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہے، مراسلات مین ایشیائی طرز کے بڑے بڑے القاب سے مخاطب کرتی ہے، مثلاً خط مین وہ عمدۃ امراء الکرام قدوۃ النجباء الفخام حضرت سلطان محبی وصدیقی عبدالکریم فضل بن علی کے سی آئی ای، لکھتی ہے، ۲۳۰۰ ماہوار اعزازی وظیفہ مقرر ہے،

ولیعہدی، حکومت لحج کے لئے ولیعہدی کا مسئلہ بہت اہم ہے، یہان انتخابی حکومت کا طریقہ رائج ہے گو اب تک ایک ہی خاندان کے حکمران منتخب ہوتے رہے، لیکن قبائل اس کے پابند نہین ہین، اور انتخاب مین انکو آزادی حاصل ہے جسکو چاہین سلطان منتخب کر سکتے ہین، انتخابی حکومت یقیناً بہت عمدہ شے ہے، اور آج کل تمام دنیا اسی کی طرف جا رہی ہے لیکن یہ طریقہ صرف ترقی یافتہ ممالک کے لئے مناسب ہے، جہان کے باشندے تعلیم یافتہ اور انتخاب مین بالکل آزاد ہون، مگر ایک غیر تعلیم یافتہ ملک مین خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ انتخاب مین دوسری قوتین بھی دخیل ہون، سخت مضر ہے، لحج مین

گو حکمران کا انتخاب عمال، عمائدِ سلطنت اور سردارانِ قبائل کرتے ہین، لیکن اسمین انگریز بھی مداخلت کر سکتے ہین، جسکو اپنے اغراض و مقاصد کے لئے موزون سمجھین، خواہ وہ ملک کے لئے کتنا ہی مضر ہو، سلطان بنا سکتے ہین، اس لئے سلطان عبد الکریم ولیعہدی کا طریقہ رائج کرنا چاہتے ہین، کہ بادشاہ خود اپنا جانشین مقرر کر جائے، چنانچہ معاہدہ مین ایک دفعہ اسکی بھی رکھی ہے، کہ انگریز اسکو تسلیم کر لین، وہ اپنے بعد اپنے لڑکے امیر فضل کو ولیعہد بنانا چاہتے ہین، یہ ابھی نوجوان ہین، انکی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام ہو رہا ہے، مشرقی علوم کے ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے،

لحج مین ترقی کے آثار حکومتِ لحج گو رقبہ کے لحاظ سے عرب کی بہت چھوٹی حکومت ہے، لیکن ترقی مین بہت آگے ہے، عدن سے پایہ تخت تک ریلوے لائن ہے، سلطان عبد الکریم اسکی ترقی مین ہمہ تن کوشان رہتے ہین، سلطان محسن اپنی تمام ثروت اسی مقصد کے لئے وقف کر گئے تھے، سلطان عبد الکریم نے اس سے حوطہ مین مدارس اور شفاخانے قایم کئے ہین، مدارس مین شام و مصر کی جدید ریڈرین پڑھائی جاتی ہین، اور ان مدارس اور شفاخانون کے لیے انھین دونون مقامون کے اطبا اور مدرسین کی خدمات حاصل کی ہین، اگر انگریزون کی موافقانہ مدد شامل رہی، تو بہت جلد لحج کی حکومت متمدن حکومت بنجائیگی، زراعت کی ترقی مین بھی سلطان کو خاص انہماک ہے، وہ خود بھی اپنا تھوڑا وقت زراعت اور باغبانی مین صرف کرتے ہین، لحج کی زمین سیر حاصل ہے، اسکی ترقی کے لیے سلطان جدید آلات منگانے والے تھے (اب غالبًا آگئے ہونگے) روئی کی کاشت بھی شروع ہو گئی ہے، گندھک اور بارود کی تیاری کا سامان بھی ہو رہا ہے، غرض اس چھوٹی سی حکومت مین ہر طرف ترقی کے آثار نمایان ہین،

مغربی تمدن، سب سے زیادہ عجب یہ بات ہے، کہ یہان جدید تمدن نہایت سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے، سلطان عبد الکریم کی روشنخیالی نے اسمین اور مدد دی ہے، خود سلطان کی ذات مشرق و مغرب کے امتزاج کا عملی نمونہ ہے، وہ فرنگی لباس پر عربی عبا اور ہندوستانی وضع کا عمامہ باندھتے ہین، انکا

محل مشرقی اور مغربی تمدن کے امتزاج کی سب سے بڑی نمایش گاہ ہے، محل کی عمارت عربی اور انگریزی مخلوط طرز کی ہے پھر اس کے اندر بھی یہی تقسیم ہے، انتہا یہ ہے کہ بعض کمرے جدید ترین سامانوں سے آراستہ ہین ایک طرف پیانو، گراموفون اور اس قبیل کی دوسری اشیا نظر آئین گی جو اس جدید تمدن کی نقیب ہین، بلیارڈ کا کمرہ مع مکمل سامان کے علٰحدہ ہے، اسی کے بالمقابل دوسرے کمرون مین خالص عربی وضع کی آرایش ہے۔۔۔ نہایت عمدہ صوفے اور بیش قیمت قالینون سے کمرہ آراستہ ہے، سامنے ٹیبل پر صحیح بخاری قسطلانی اور نودی کی مجلدات رکھی ہوئی ہین، محل سے نکل کے باغ کی سیر کیجئے تو یہان بھی یہی بہار دکھائی دیگی، مشرقی درختون کے ہمسایہ مغربی پودے بھی جھوم رہے ہین، غرض قصر شاہی کی تمام چیزین نشستگاہ دسترخوان، سواری اور کتابون تک مین مشرق و مغرب دست و گریبان نہین، بلکہ باہم بغل گیر نظر آتے ہین،

القضا فی الاسلام

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اردو مین ایک جدید موضوع پر ایک پر از معلومات رسالہ، جسمین یہ دکھلایا گیا ہے، کہ اسلام مین شہادت اور انفصال مقدمات کے اصول شہادت عادلانہ اور جدید تمدنی ترقیون کے موافق ہین، حجم ۹۲ صفحے قیمت ۱۲؍

"منیجر"

حکیم اسپنوزا

از

پروفیسر محمد یوسف خانصاحب سلیم

(۲)

کیرکٹر۔ اخلاق وعادات یون تو جس شخص کو خارج از جماعت کیا جاے اس کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے، لیکن ایک یہودی کے حق مین یہ بات موت سے بھی بڑھکر ہے، بیشک اسپنوزا نے علماے یہود کے متفقہ فیصلہ کو نہایت خاموشی کے ساتھ سنا، اور اپنے ضمیر کی آزادی برقرار رکھنے کے لیے ہر قسم کی تکلیف اٹھائی لیکن اس واقعہ کا اس کے مزاج پر اثر ہوا اور ضرور ہوا، ظرافت، خوش طبعی اور ہنسی مذاق، ان تینون باتون مین سے کوئی بات اس کی تحریر یا زندگی مین نہین پائی جاتی، بیشک کینٹ بھی فلاسفر تھا، بلکہ زاہد خشک، لیکن ہر روز دوپہر کے کھانے کے بعد، گھنٹہ دو گھنٹے یار دوستون اور طلبہ سے صحبت گرم کرتا تھا اور وہ وقت خالص دماغی تفریح کے لیے وقف تھا، لیکن غریب اسپنوزا ہنسنے ہنسانے کے لیے پیدا ہی نہین ہوا تھا، بلکہ بیشتر اوقات اسکی تحریر مین ایک دلخراش طنز مخفی ہوتا ہے جس سے بوے انتقام بھی آتی ہے، مثلاً علم الاخلاق حصہ اول کے ضمیمہ مین ہادیانِ طریقت کا ذکر کرتے ہوے یون لکھتا ہے کہ

"یہ مقدس طبقہ علی العموم ان لوگون کو جو بحیثیت فلاسفہ معجزات کی علت یا مظاہر فطرت کو سمجھنا چاہتے ہین، اور بیوقوفون کی طرح ان باتون پر متحیر رہنے کو کافی نہین جانتے، کافر ملحد اور بے دین قرار دیدیتا ہے، اور یہ طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے جنھین عوام دیوتاؤن اور کائنات کے اسرار کا حامل سمجھتے

ہین، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہین کہ اگر عوام الناس کی آنکھون سے جہالت اور تعصب کا پردہ دور ہو جاے تو پھر ہم ان پر حکومت نہین کر سکتے "

اس کے علاوہ اس بیچارے نے عمر بھر مین ایک دفعہ دل بہلانے کی کوشش کی اور اسی مین ناکام رہا، اس ناکامی نے اسپنوزا کو بتا دیا کہ یہ جگہ دل لگانے کی دنیا نہین ہے،

مین کہتا ہون کہ ڈاکٹر نذکو ر کی بیٹی اگر نہ ملی تو یہ بات تو حاصل ہو گئی کہ دنیا اور اس کے تعلقات اس لائق نہین کہ کوئی سمجھدار آدمی ان کو درخور اعتنا سمجھے، میرے دل مین اس کی قدر و منزلت محض اسی لیے ہے کہ اس نے طلب علم کو مقصد حیات قرار دیا علم سے مراد، ذات باری کا علم ہے،

رائینز برگ مین جہان وہ رہتا تھا وہ مکان آج بھی موجود ہے، اور جس سڑک پر وہ واقع ہے اسکا نام بھی اسپنوزا روڈ چلا آتا ہے، اس مکان کے ایک مخصوص کمرہ مین دو دو تین تین شبانہ روز مسلسل بیٹھا کام کرتا رہتا تھا، نہ وہ کسی کے پاس جاتا نہ کوئی اس کے پاس آتا۔ اوقات مقررہ پر خادمہ دبے پاؤن آتی اور کھانا میز پر رکھکر چلی جاتی، مسٹر کارلس جنھون نے اس کے دیکھنے اور ملنے والون سے دریافت کر کے اس کے سوانح حیات مرتب کئے تھے لکھتے ہین:۔

" ہر سہ ماہی کے بعد اسپنوزا آمد و خرچ کا حساب کیا کرتا تھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خرچ اسکی آمدنی سے زیادہ تو نہین ہے بعض اوقات وہ مالکہ مکان سے کہا کرتا تھا "مین تو اس سانپ کے مانند ہون جس کے منھ مین سوائے اس کی دم کے اور کچھ نہین ہوتا" یعنی جتنی آمد اتنا ہی خرچ بقایا ندارد"

لیکن اس زندگی سے وہ بالکل مطمئن تھا، ایک مرتبہ ایک شخص نے اس سے کہا "کیا اچھا ہو کہ آپ عقل کے بجاے الہام پر بھروسہ رکھین" اس نے جواب دیا "جو پھل مین اپنی فطری عقل کی بدولت جمع کرتا ہون اگر وہ محض خیالی بھی ثابت ہون جب بھی مجھے افسوس نہ ہوگا، بلکہ اسی پر قناعت کرونگا کیونکہ میری راحت صرف جمع کرنے مین مضمر ہے اور مین چاہتا ہون کہ اپنی زندگی امن سکون اور روحانی خوشی مین بسر

کرون، نہ یہ کہ رات دن گذشتہ پر افسوس اور آیندہ کے متعلق فکر کرتا رہون"، ایک بڑے آدمی کا قول ہے
کہ اگر نپولین اسپنوزا کے برابر عقلمند ہوتا تو وہ ایک حجرہ مین رہ کر چند کتابین تصنیف کر دیتا" یہ قول اناطول
فرانس کا ہے، آگے چل کر کالیرس لکھتا ہے "اسپنوزا درمیانی قد کا آدمی تھا، نک سک سے درست تھا،
رنگت سانولی تھی، بال سیاہ اور گھونگریالے تھے، بھوین لانبی اور گھنی تھین جو بھی دیکھتا فوراً کہدیتا
کہ یہ شخص پرتگالی یہود کی اولاد ہے" جو تصاویر آج دستیاب ہوتی ہین، اُن سے یہ بیان سراسر
مطابقت رکھتا ہے، اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ اس کا چہرہ کتابی تھا، اور آنکھون سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ اس شخص کو روحانی سکون اور اطمینانِ قلب حاصل ہے،

لباس کی طرف سے وہ قطعاً لاپرواہ تھا، شاید مزدورون کا لباس بھی اس کے لباس سے بہتر ہوتا
ہوگا، ایک مرتبہ ایک بڑا آدمی جو سلطنت مین بڑے عہدہ پر ممتاز تھا اس سے ملنے آیا، وہ اس وقت
ایک کثیف لبادہ (گاؤن) پہنے ہوے تھا، اس امیر نے اس بات پر بہت تعجب کیا اور کہا "اگر حکم ہو تو مین
ایک نیا اور بیش قیمت لبادہ آپ کے رتبہ کے لائق حاضر کرون" اسپنوزا نے ہنسکر کہا "کوئی شخص قیمتی
لبادہ زیب تن کرنے سے اشرف و اعلیٰ نہین ہوسکتا، علاوہ برین جسم جیسی حقیر اور فانی شے کو بیش قیمت
لباس پہنانا قرینِ عقل نہین" بایہمہ وہ ترکِ لذات یا جسم کو دکھ دینے یا بے ہنگم زندگی بسر کرنے کا قائل
نہ تھا، چنانچہ ایک موقعہ پر اس نے لکھا ہے "جو شخص سلیقہ کا پابند نہین اسکا نفس شایستہ نہین ہوسکتا"

بہت سے لوگ اُس کی مالی امداد کرنا چاہتے تھے لیکن اس نے کبھی اپنا بار دوسرون پر نہین ڈالا
آبائی جائداد بطیبِ خاطر اپنی بہن کو دیدی۔ سائمن ڈی ایز ایک دولتمند سوداگر تھا وہ اُسے اس قدر عزیز
رکھتا تھا کہ ایک مرتبہ اس نے پانچہزار کی رقم اس کی خدمت مین پیش کی مگر اس نے شکریہ کے ساتھ واپس
کردی، مرنے سے پہلے اپنی چوتھائی جائداد اس کے نام لکھدی لیکن اس نے مجبور کیا کہ ساری جائداد اپنے
بھائی کے نام لکھدو کیونکہ وہ حقدار ہے، اور مجھے ضرورت نہین، لیکن اس کے مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ

اپنی وصیت مین ایکہزار سالانہ اسپنوزا کے نام لکھ گیا ہے، اُس نے اسے بھی اس کے بھائی کے نام منتقل کرنا چاہا، لیکن احباب کے اصرار سے ڈیڑھ سو ڈالر سالانہ قبول کر لیے، شہنشاہ لوئی چہاردہم نے ایک معقول پنشن اس شرط کے ساتھ پیش کی کہ آیندہ تصنیف میرے نام سے منسوب کیجاے، مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا "مین سواے خدا کے اور کسی کا ممنون احسان ہونا نہین چاہتا، اس نے مجھے قواے عقلیہ عنایت کیے ہین اور مین اُن سے کام لونگا"

کتاب سیاست و مذہب مین لکھتا ہے "حکومتون کو چاہیے کہ دار العلوم قائم نکرین کیونکہ آگے چل کر یہی دار العلوم دار الیلار ہوجاتا ہے، ہر شخص کو آزادی ہونی چاہیے کہ جو چاہے پڑھے اور جو چاہے سکھاے، علم کی اصلی ترقی کتابون کی اشاعت اور مدارس کی کثرت پر منحصر نہین ہے بلکہ ضمیر کی آزادی پر"

اگرچہ احباب اس کی امداد کرتے تھے لیکن وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا، عینک سازی سے جو آمدنی ہوتی وہ اپنے صرف مین لاتا، بالائی رقوم فقرا اور مساکین پر تقسیم کر دیتا، مرنے کے بعد لوگون نے اس کے رجسٹر کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک دن اُس نے صرف شوربہ اور مکھن ہی پر قناعت کی جس کی لاگت ۳/۲ پائی تھی، دوسرے دن لپسٹا ہی چاٹ لیا جس مین تھوڑی سی کشمش بھی تھی،

کالیرس لکھتا ہے کہ عموماً عمایدین شہر اُسے مدعو کرتے تھے لیکن وہ اپنے گھر کی سادہ غذا کو رؤسا کے مرغن کھانون پر ترجیح دیتا تھا،

زمانہ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ایسے شخص کو لوگون نے، عیاش اور لامذہب کہکر بدنام کیا اور سواے جرمنی کے کوئی ملک ایسا نہین جہان کے مصنفین نے یہ الزامات اس پر عاید نہ کیے ہون حالانکہ اُس سے بڑھکر مذہبی آدمی شاید ہی گذرا ہو، چنانچہ ناولیس اُسکو "سرشار محبت الٰہی" کہکر خطاب کرتا ہے، اور اب ہر شخص اس کی راے کا مؤید ہی نظر آتا ہے،

آزادی کا اس قدر دلدادہ تھا کہ خورد ونوش کے لیے دوسرون کا دست نگر ہونا گوارا نہ تھا وہ عقائد اور خیالات مین بھی کسی کا پابند نہ تھا، جبتک کوئی بات اس کی سمجھ مین نہ آتی، اُسے تسلیم نہ کرتا، یہ سچ ہے کہ ڈیکارٹ اس کا روحانی استاد تھا، کیونکہ اُسی کے فلسفہ پر اُس نے اپنے خیالات کی بنیاد قائم کی، لیکن ڈیکارٹ کے فلسفہ کی کمزوریون کو بھی اس سے زیادہ کسی نے واضح نہ کیا ہوگا، جس بات مین اختلاف کرتا ہے تو وجہ اختلاف کو نہایت بلند آہنگی کے ساتھ بیان کر دیتا ہے، وہ کہا کرتا تھا "خدا نے مجھے عقل دی ہے، مشکلات مین اس کی مدد سے کام کرونگا، ورنہ یونہی رہونگا، لیکن دوسرون کے عقاید سے بہرہ اندوز نہ ہونگا،

اس کے مخالفین نے طرح طرح کے الزامات اس کے سر تھوپے ہین، لیکن چال چلن مین کوئی عیب نہ نکال سکا، یہ بات بہت کم فلاسفہ کو نصیب ہوتی ہے کہ وہ جو لکھتے یا کہتے ہین اُس پر خود بھی عمل کرتے ہون، یہی وجہ ہے کہ ایک بہت بڑا مصنف لکھتا ہے "نیٹشا نے لکھا ہے کہ آخری عیسائی (مسیح) صلیب پر مر گیا، اس کے بعد کوئی عیسائی پیدا ہی نہ ہوا، لیکن مین کہتا ہون کہ نیٹشا سے غلطی ہوئی، وہ بینی ڈکٹ اسپنوزا کو بھول گیا" واضح ہو کہ لکھنے والا عیسائی ہے اور اسپنوزا عیسائی ہی نہ تھا، بلکہ اس نے بائبل پر نکتہ چینی بھی کی ہے،

اُس کی ہمت اور جرأت غیر معمولی تھی، جس طرح اُس نے افلاس اور بیچارگی کا مقابلہ کیا اُسی طرح علالت اور موت کا، مرتے دم تک بشاش رہا، اس کی زندگی اول سے آخر تک بہترین تائب کی جرأت کا نمونہ ہے، خوف وہراس، رنج وغم کبھی اس کے پاس نہ آیا، انتہائی تکلیف مین بھی خوش وخرم رہتا تھا، جس خاندان مین رہتا تھا اس کے افراد سے نہایت شریفانہ سلوک کرتا تھا، اگر کسی سے بات کرتا تھا تو اُن سے، کبھی کبھی اپنا رفیق زندگی یعنی پائپ منھ سے لگائے، ان کے ملاقاتی کمرہ مین بیٹھتا اور ان ہی کی سمجھ کے موافق بات چیت کر لیتا، وہ لوگ اس بات سے بیحد خوش ہوتے تھے، اور اُسے اپنے

لیے مایۂ افتخار خیال کرتے تھے،

تصانیف | اسپنوزا کی ساری عمر تصنیف و تالیف ہی مین بسر ہوئی، سب سے پہلے ڈیکارٹ کے فلسفہ پر تنقید شائع کی جس نے اُسے مرجعِ شہرت بنا دیا، اس کتاب مین اُس نے ڈیکارٹ کے سوانح حیات، اس کے فلسفہ کا خلاصہ اور پھر اُس پر تبصرہ لکھا تھا، یہ کتاب سنہ ۱۶۶۳ء مین شائع ہوئی اور اس کا اصلی نام "مبادیاتِ فلسفۂ ڈیکارٹ" ہے،

دوسری کتاب "وسائلِ ارتقا و نشو و نمائے عقل" ہے جو سنہ ۱۶۶۵ء مین شائع ہوئی، تیسری کتاب جو اس کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، "فلسفۂ اخلاق" ہے جسکو اس نے سنہ ۱۶۵۱ء سے لکھنا شروع کیا اور سنہ ۱۶۶۵ء مین ختم کیا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد یعنی سنہ ۱۶۷۷ء مین شائع ہوئی،

تیسری کتاب "سیاست نامہ و مذہب نامہ" ہے جو سنہ ۱۶۷۰ء مین بغیر مصنف کے نام کے شائع ہوئی تھی، اُس پر وہ طوفان بے تمیزی برپا ہوا کہ الامان!!! تقریباً تمام ممالک مین اُس کی اشاعت ممنوع قرار دیگئی، اور ایک دو نہین سیکڑون کتابین رد مین لکھی گئین۔ اسی کتاب نے اسکو ملحد کافر اور زندیق کے معزز خطابات عطا کئے، وجہ صرف اتنی سی تھی کہ اُس نے اس کتاب مین بائبل پر بھی بے لاگ تنقید کی تھی، اور اس سے بڑھکر یہ کہ پادریون کو بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے، عوام الناس اور انسانیت دونون کے حق مین مضر ثابت کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تنقید اس غضب کی تھی کہ اسکی وجہ سے جرمنی اور تمام یورپ کے علمائے مذہب کا زاویۂ نگاہ بدل گیا بلکہ مسیحیت کی مذہبی تاریخ ہی بدل گئی جس طرح گذشتہ جنگ عظیم کی وجہ سے یورپ کا نقشہ، اگر یہ تنقید شائع نہ ہوتی تو نہ جرمنی مین اسٹراس پیدا ہوتا، نہ فرانس مین رینان اور نہ انگلستان مین رابرٹسن، یہ جو آج مسیحی دنیا مین عقل و مذہب کے درمیان ایک معرکہ گرم ہو رہا ہے، اُس کا بانی دراصل اسپنوزا ہے، اسپنوزا ہی کی تحریر ہیوم نے پڑھی، اسی کے خیالات سے بل متاثر ہوا، ان دونون نے مسیحی مذہب کے متعلق جو کچھ لکھا اس نے آج انگلستان مین "تحریک جدید" پیدا کر دی ہے اور اس تحریک کے ارکان، آہستہ آہستہ، کلیسائے مسیحی کے تمام مسلمہ عقاید سے

دست بردار ہوتے جا رہے ہین، مزید تفصیل کے لیے اسلامک ریویو نمبر ۷ ووکنگ (انگلستان) بابت ماہ جولائی ۱۹۲۹ء ملاحظہ کیجئے کیونکہ یہ مضمون اُس بحث کا متحمل نہین ہو سکتا۔

اس کتاب کی بدولت اسپنوزا کے پاس وقتاً فوقتاً بہت سے گالیون سے بھرے خطوط بھی آتے رہتے تھے، ایک شخص البرٹ نامی نے جو پہلے اس کا شاگرد تھا، بعد مین رومن کیتھولک عقیدہ کا عیسائی ہو گیا تھا، اُس کے پاس ایک خط بھیجا جس مین لکھا:-

"آپ ادعا کرتے ہین کہ آپ نے سچا فلسفہ پا لیا ہے، آپ کس طرح جانتے ہین کہ وہ فلسفہ جس پر آپ قائم ہین بہترین ہے؟ کیا آپ نے تمام سابقہ فلاسفہ کی حکمت کا مطالعہ کر لیا ہے، اور اُن مین سے ہر ایک کے فلسفہ کو پرکھ لیا ہے؟ اگر ایسا ہے بھی تو آپ کو اس بات کا یقین کس طرح ہوا کہ جس حکمت کو آپ نے منتخب کیا ہے وہ بہترین ہے آپ کو یہ جرأت کس طرح ہوئی کہ آپ نے اپنے آپکو مقدس کلیسا کے تمام شہدا، اولیا، حکما، فضلا، وغیرہم سے برتر سمجھ لیا؟ آپ نے اُن پراسرار عقاید مسیحیت کا مضحکہ اڑانے کی جسارت کس طرح کی جنکو ہم کیتھولک خود وراء العقل انسانی تسلیم کرتے ہین؟ (اسرار سے مراد عقاید تثلیث تجسم کفارہ وغیرہ ہے)

اسپنوزا نے اس حماقت کا جواب یون دیا ہے:-

"آپ ادعا کرتے ہین کہ آپ نے سچا مذہب پا لیا ہے اور آپ اس مذہب کے بانی پر کامل اعتقاد رکھتے ہین۔ آپ کس طرح جانتے ہین کہ آپ کا مذہب سچا اور بہترین ہے؟ کیا آپ نے جمیع ادیان و ملل کا بامعان نظر مطالعہ کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو آپ کو اس بات کا کس طرح یقین ہو گیا کہ جو مذہب آپ نے منتخب کیا ہے وہ سچا بھی ہے اور بہترین بھی؟ غرض اسی طرح بادنیٰ تغیر اس کے خط کا جواب اسی کے الفاظ سے دے دیا،

چوتھی کتاب سیاست نامہ ہے جو غیر مکمل شائع ہوئی۔

پانچوین کتاب "قوس قزح نامہ" ہے جو سیاست نامہ کے ساتھ ہی بعد وفات شائع ہوئی،

چھٹی کتاب "خدا اور انسان" ۱۶۵۲ء مین لکھی تھی جو دراصل "فلسفۂ اخلاق" کا ایک حصہ سمجھنا چاہیئے، یہ رسالہ ڈچ زبان مین لکھا تھا بقیہ کتب لاطینی مین لکھی تھین، کیونکہ اُس زمانہ مین لاطینی تمام یورپ کی علمی زبان تھی اور ہر جگہ سمجھی جاتی تھی، جس طرح کسی زمانہ مین عربی جملہ ممالک اسلامی کی علمی زبان تھی،

چونکہ اس کا فلسفہ مکمل طور پر "فلسفۂ اخلاق" مین مندرج ہے، لہذا ہم اسی کتاب سے ناظرین کو روشناس کراتے ہین، لیکن ایسا کرنے سے قبل مشہور جرمن فاضل الٰہیات شلائیر میخر کے الفاظ ذیل مین نقل کرتے ہین، جو اُس نے اسپینوزا کی تصنیف "الاخلاق" کو پڑھنے کے بعد سپرد قلم کئے تھے، وہ اپنی کتاب "مباحث متعلق مذہب" ۱۸۰۱ء مین لکھتا ہے:۔

"وہ ایک بڑی روحانی شخصیت رکھتا تھا، خدائے غیر محدود اس کی ابتدا اور انتہا تھی، اور اُس کی پیدا کردہ کائنات اسکا واحد مطلوب تھا، وہ مذہب اور احساس مذہبی سے سرتاپا معمور تھا، پس وہ باعتبار اپنی شخصیت کے یکتا ہے اور عام فلاسفہ دھلکا، اُس کی گرد کو بھی نہین پہنچ سکتے، وہ اپنے فن مین کامل تھا، اس ناپاک دنیا سے بالاتر، نہ اس کا کوئی شاگرد تھا اور نہ ہم صحبت"

میرا خیال ہے کہ شلائیر میخر نے "یسوع مسیح" کی تعریف اس سے زیادہ نہ کی ہو گی، آیندہ ہم اسکے فلسفۂ وحدت الوجود کا اجمالی خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرینگے (انشاء اللہ تعالیٰ)

تلخیص و تبصرہ

عربی خون کا ایک گرم قطرہ

اسپین کی اسلامی تاریخ کا ایک ورق

اسپین مین جب مسلمانون کی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہوا تو اس انتشار کی حالت مین کچھ مسلمان افریقہ چلے گئے، کچھ اسپین ہی مین رہکر عیسائیون کے مظالم سہنے لگے، اور کچھ لوگون نے عیسائی مذہب قبول کرکے ان مظالم سے نجات حاصل کرلی، اور عیسائی سلاطین کے مقربین مین داخل ہوگئے، انھی عیسائیون مین اموی خاندان کا ایک بہادر بھی شامل تھا، جس کا اسلامی نام محمد بن امیہ تھا، لیکن عیسائی ہونے کے بعد الدن قسطونیو مولائی دی قرطبہ و قالور کے نام سے پکارا گیا، اس کی صلب سے تین لڑکے پیدا ہوے جنمین ایک کا نام فرنینڈو دوسرے کا مارٹین اور تیسرے کا لویس تھا، ان مین الدن فرنٹنڈو جو خاندانی لقب سے ممتاز تھا نہایت آزاد اور ہر دلعزیز شخص تھا اور غرناطہ کی مجلس امرار کا ممبر منتخب ہوگیا تھا، اس تعلق سے وہ سنہ ۔۔۔ مین یعنی فتح غرناطہ کے ستر سال بعد ایک بار مجلس امرار مین جبکہ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی شریک ہونے کیلئے گیا، اور جیسا کہ تمام امرار کا دستور تھا، اپنی تلوار دروازے پر رکھدی، لیکن اپنے خنجر کو اپنے پاس سے جدا کرنا پسند نہین کیا، اس کی یہ روش صدر مجلس کو پسند نہین آئی، اور اس پر اس نے سختی کے ساتھ اس کو سرزنش کی، فرنینڈو نے اس کے یہ سخت الفاظ سنے تو اس کا عربی خون کھولنے لگا، اور اس نے ان الفاظ مین اس کا جواب دیا،

مین جس طرح چاہون گا مجلس مین شریک ہون گا، کیونکہ مین سلاطین بنو امیہ کی اولاد ہون اور

میرے آباؤ اجداد اس ملک کے بادشاہ تھے"

اب صدر مجلس نے اور بھی سخت الفاظ استعمال کیے، اور اس کو ایک وحشی قوم کا فرد قرار دیا، اسپر فرنڈو کا غصہ اور تیز ہوا اور اس نے دفعتہً اس پر حملہ کر دیا، اس کے بعد تمام امرار نے اس پر متفقہ حملہ کیا تو اس نے اپنے خنجر سے سب کا مقابلہ کیا، اور دروازے تک ان کو ڈھکیلتا ہوا چلا آیا، دروازے پر پہنچکر اپنی تلوار بھی ہاتھ مین لیلی، اور ایک خاص محلے مین جس مین عرب خاندان آباد تھے نکل آیا اور چند ہی دنون مین ان عربون کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی شریک کار ہوگئی اور اس نے ان کی ایک فوج مرتب کی اور ان کو لیکر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوا، جس پر بہت سے عرب آباد تھے اور سب کے سب عیسائیون کے مظالم سے تنگ آکر اس پہاڑ کے دامن مین پناہ گزین ہو گئے تھے، ان سب کی پشت پناہی حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنی بادشاہی کے ساتھ اسپینی سلطنت کے خلاف عام جہاد کا اعلان کیا اور اس کے جھنڈے کے نیچے عربون کی ایک معتدبہ جماعت جمع ہوگئی، جن کے سینے اسپینیون کے بغض و عداوت کا آتشکدہ بنے ہوے تھے، اس جماعت کو لیکر اس نے اسپینیون پر حملہ کیا اور ان کے خون کا دریا بہادیا، اسپینی سلطنت نے بھی بڑے عزم و استقلال کیساتھ اس پرجوش اسلامی جماعت کا مقابلہ کیا، لیکن ایک مدت تک ناکام رہی، لیکن بدقسمتی سے فرنڈو کا ایک چچازاد بھائی جس کا نام ابن امیہ تھا، اور جو ان عربون پر حکومت کرنے کا خواہشمند تھا اس کا رقیب بنگیا، اور سازش کرکے اس کو دھوکے سے قتل کرادیا اور خود بادشاہ بنکر دوبارہ اسپینیون کے ساتھ جہاد شروع کیا، لیکن اس کے اعوان و انصار کو رشوت دیکر اسپینیون نے اس کو قتل کرادیا، اور اس کے قتل ہوجانے کے بعد تمام عرب حملہ آور منتشر ہوگئے اور چار سال کی جنگ کے بعد اسپینیون نے ان پر قابو پالیا،

فرنڈو کا باپ اپنے بیٹے کی موت کے بعد ماڈریڈ مین پناہ گزین ہو گیا تھا، اور ایک فوجی سردار کی سفارش سے سلطنت نے بھی اس کو اور اس کی اولاد کو معافی دیدی تھی، اور اس معافی کے بعد اسکا

دوسرا فرزند الدن، مارٹین خاندانی لقب سے ممتاز ہوا، لیکن اس نے اپنے تیسرے بھائی الدون لوئس کے ہاتھ اپنی تمام جائداد فروخت کردی اور اب اس کا لقب الدون لوئس ای ابنیسیا ہنو اروس قرار پایا، لیکن لوئس کے دوسرے بھائی مارٹین کا لقب صرف مارٹین دی والور باقی رہگیا،

اسپین مین اب تک یہ معزز خاندان اپنی قدیم وجاہت کے ساتھ قائم ہے اور اسکی تاریخ کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس وقت اسپین مین انھی دونون متصادم فریقون کی یادگار آجکل ایک مشہور اسپینی شاعر ہے جسکا نام فیلا سپاسا ہے والور جو مارٹین کے لقب کا ایک جزو ہے، اس شاعر کی مان کے خاندان کا نام ہے، اور اسکا باپ جنرل فیلا سپاسا کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جس نے اسپینیون کی طرف سے الدن فرنڈو کا مقابلہ کیا تھا، اس مشہور شاعر یعنی فیلا سپاسا کی ولادت ٹھیک اوسی مکان مین ہوئی ہے جس مین اسکا اسلامی اور عربی دادا فرنڈو دھوکے سے مارڈالا گیا تھا، حریر کی جس سبز رنگ چادر مین فرنڈو قتل کیا گیا تھا، وہ فیلا سپاسا کی مان کے پاس بطور ایک یادگار کے محفوظ تھی، لیکن فیلا سپاسا نے چودہ برس کی عمر مین ایک تہوار کے دن اس کو استعمال کیا تو بلجیم کے ایک شخص نے اس کو خریدنا چاہا اور اس سے اس کے فروخت کرنے کی درخواست کی پہلے تو فیلا سپاسا نے انکار کیا، بعد کو اس کے اصرار سے مجبور ہو کر بلا قیمت ہدیۃً دیدی اب اس کے خاندان مین اس چادر کا صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا محفوظ رہگیا ہے،

اس عبرتناک واقعہ پر اب اگرچہ صدیان گذر گئی ہین اور خود مسلمان اپنی اسپینی شان وشوکت کا افسانہ بھول چکے ہین، لیکن اس شاعر کی رگون مین اب تک عربی خون دوڑ رہا ہے اور وہ بار بار اپنے اشعار مین اس بھولے ہوے افسانے کو دہراتا رہتا ہے۔

چند روز ہوے ایک عیسائی عرب سیاح نے امریکہ مین یہ مقام سان پاولو اس سے ملاقات کی ہے، اور اس کے حالات، سوانح، معاشرت اور کلام پر ایک شاعرانہ ریویو کیا ہے جو المقتطف نومبر ۲۹ء

مین چھپا ہے جب یہ تلخیص ماخوذ ہے، وہ لکھتا ہے کہ "اس شاعر کی عمر ۵۰ سال سے زائد نہین ہے، وہ سگریٹ پیتا ہے اور کھانے پینے کی پروا بہت کم کرتا ہے،
ہمیشہ شاعرانہ تخیلات مین غرق رہتا ہے اور یہ استغراق اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ شور وغل سے اسکے شاعرانہ خیالات مین کوئی خلل نہین واقع ہوتا، وہ شعر
لکھتا رہتا ہے اور اسکے بچے اسکے گرد کھیلتے کودتے اور شور مچاتے رہتے ہین، اس کی تصنیفات کی تعداد
اس وقت تک ۵۰ تک پہنچ چکی ہے، اگرچہ کثرتِ تصنیف کسی مصنف کی کوئی خاص فضیلت نہین ہے،
لیکن اس شاعر نے کثرتِ تصنیف کے ساتھ خوبیِ تصنیف کی فضیلت بھی حاصل کرلی ہے، اور نظم ونثر دونون
مین اپنے خیالات ظاہر کئے ہین، اسکی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان مین اکثر کا موضوع
عرب اور عربیت ہے، اس کے ایک ناول کا نام "قصر لونو" ہے، جس مین اس نے ابن احمر کے زمانے کا
ایک واقعہ لکھا ہے جو غرناطہ مین پیش آیا تھا، ایک ناول مین جسکا نام "ابن امیہ" ہے، وہ واقعات لکھے ہین
جو فتح غرناطہ کے ستر سال بعد وہان کے بچے کھچے عربون کو پیش آئے، ایک ناول مین جو "بادیہ" کے نام سے
مشہور ہے، وہ واقعات لکھے ہین جو صحرا مین پیش آئے، اور ان واقعات کے سلسلہ مین اہل عرب کی شجاعت،
فیاضی، اور مہمان نوازی وغیرہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے، غرض اس کے تمام ناولون کے کیرکٹر اور ہیرو
عرب ہین، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرب، آثار عرب اور انکی اندلس کی معاشرتی و اخلاقی زندگی
کی تاریخ سے کس قدر واقف ہے، اس کا کلام تمام انواع شاعری کا جامع ہے، وہ کبھی ہنستا ہے، کبھی روتا ہے،
کبھی رنجیدہ ہوتا ہے، کبھی خوش ہوتا ہے، جس منظر کی تصویر کھینچتا ہے، وہ آنکھ کے سامنے مجسم ہو کر آجاتا ہے،
نہرون کی روانی کا نقشہ دکھاتا ہے تو کانون مین پانی کے گرنے کی آواز آجاتی ہے، ابھی ایک پرسکون
نہر کے کنارے کھڑا ہے کہ دفعۃً ایک مواج سمندر کے کنارے پہنچ جاتا ہے، ابھی تم اس کو زمین پر
دیکھ رہے تھے کہ دفعۃً وہ آسمان پر نظر آنے لگتا ہے،

وہ عربی زبان کا شیدائی ہے، وہ ایک بار صاحب فراش تھا، مین اس کی عیادت کو گیا تو اس نے
[illegible] نے ایک قصیدہ کے چار بند مجھ کو سنائے، اور انھی سے اس کی شاعرانہ

قوت کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ ان کے بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

غرناطہ! آہ غرناطہ تیری شان و شوکت مین سے کچھ بھی باقی نہ رہا،
تیری نہرون مین سے آنسوؤن کے سوا اور کیا بہتا ہے؟ جو تیری سلطنت کے کھنڈرون پر بہ رہی ہے،

تیری نسیم صبح
صرف آہ سرد ہے

غرناطہ! آہ غرناطہ تو صرف ایک ویران کھنڈر ہے،
سنو تو کے لوگ تیرے مصیبت زدہ فرزندون کو افریقہ لیجاتے ہین

اور وہان تیرے فرزند اُن کے خوف سے
روتے ہین، بہنین اپنی ناامیدی سے روتی ہین

غرناطہ! آہ غرناطہ تو برباد ہوا اور یہ کس قدر حسرتناک بربادی ہے،
موج اُن کے لیے روتی اور آہ سرد بھرتی ہے جب اسکی ڈبڈبائی ہوئی آنکھین اُنکو نظر آتی ہین،

اس نے میرے سامنے یہ اشعار پڑھے تو اس کی آنکھون مین آنسو بھر آئے، اور جب وہ اس کو ختم کر چکا تو ہم پر ایک خاموشی طاری ہو گئی، جو رنج و غم سے لبریز تھی، اسکو خود یہ قصیدہ بہت محبوب ہے، اور جو جلسے اس کے اعزاز مین کیئے جاتے ہین ان مین اس کو باواز بلند پڑھتا ہے، صرف یہی نہین کہ وہ اس عربی جوش و تفاخر کا اظہار صرف اہل عرب کے سامنے کرتا ہے، بلکہ وہ تمام مجالس مین اہل عرب کی یاد خوانی کرتا ہے، اور لومۃ لائم کی مطلق پروا نہین کرتا، مین نے جب اس کو اپنی تصویر دی اور اس پر پرتگالی زبان مین جسکو وہ سمجھتا ہے بطور تہدیہ و تقدمہ کے کچھ الفاظ لکھنے چاہے، تو اس نے اس کو گوارا نہین کیا، اور عربی زبان مین جو اس کو بہت محبوب ہے ان الفاظ کے لکھنے کی خواہش کی مجھکو اس کے بعض دوستون سے معلوم ہوا کہ اہل عرب کے ساتھ اس کی محبت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے، کہ ایک بار مین نے اس کو دیکھا کہ مدرید کی سڑکون

پر عربی لباس پہنے ہوے گھوم رہا ہے، عام طور پر اگرچہ وہ مغربی وضع مین رہتا ہے، لیکن اس کے اندر
عربی دل کی دھڑک محسوس ہوتی ہے، اس نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اسپین پہنچکر ہر ممکن کوشش اس غرض
کے لیے کرے گا کہ غرناطہ مین عربی ادب و تاریخ کی تعلیم کے لیے ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کیجائے

مدرسہ کا اثر ذکاوت و ذہانت پر

"ع"

یہ ایک نہایت اہم سوال ہو کہ مدرسہ کی تعلیم بچون کی ذہانت کو ترقی دیتی ہے؟ یا ان کے ذہن مین
صرف چند معلومات کا اضافہ تو کردیتی ہے باقی ان کی ذہانت مین کسی قسم کی تبدیلی نہین پیدا کرتی؟ لیکن یہ سوال
صرف نظری حیثیت نہین رکھتا بلکہ اس کے جواب کے لیے عملی طور پر دقیق تجربہ کی ضرورت ہے، اور اس تجربہ کیلیے
سب سے پہلے بچون کی ایک معین تعداد ایسی مقرر کرلینی چاہیے، جو ایک ہی مقام کے رہنے والے ایک ہی سن و
سال، ایک ہی طبقہ، اور ایک ہی سی صحبت رکھنے والے ہون، ان اوصاف کے ساتھ ان کو دو حصون مین منقسم
کردینا چاہیے۔ ایک وہ جو کسی پابند نظام مدرسہ مین تعلیم پاتا ہو، اور دوسرے وہ جنکو تعلیمی محرومی نے اُن کی فطری
استعداد پر قائم رکھا ہو، اب ان دونون کو ذہانت، اور ذکاوت کے مختلف معیار سے جانچنا چاہیے، اگر ان دونون
کی ذہانت مین کوئی فرق نظر آے، تو یہ تسلیم کرلینا چاہیئے کہ مدرسہ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے، جس نے پہلے
حصے کو دوسرے حصے سے ممتاز کر دیا ہے، لیکن اس تجربہ سے پہلے ہم کو یہ بتا دینا چاہیے کہ ذہانت کس کو کہتے
ہین؟ اور اس کے جانچنے کا معیار کیا ہے؟

ذہانت کی مختلف تعریفین کیگئی ہین لیکن ان مین کوئی تعریف جامع و مانع نہین کہی جاسکتی، سادہ
طور پر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذہانت مختلف عناصر مثلاً نشاط ذہنی، بصیرت، دقت مشاہدہ اور آسانی کے
ساتھ مشکل مسائل کے حل کرلینے کا نام ہے، اور اس بنا پر ہر عنصر کے لحاظ سے بچون کی ذہانت کے مختلف
معیار مقرر کرنے پڑین گے، اور ان مختلف معیارون سے جو نتیجہ نکلیگا اس سے اس کی ذہانت کا اوسط نکالا جاسکیگا
بہرحال اس معیار کا کام یہ ہوگا کہ دو حالتون یا دو شخصون، یا مختلف اشخاص کے دو مجموعون پر اگر اس کو منطبق کیجائے

توان مین جو فرق ہے اس کو نمایان کردے، مثلاً دقت نظری کا معیار کسی انسان یا حیوان کی تصویر کو قرار دیا جاسکتا ہے یعنی اگر ایک ہی قسم اور ایک ہی درجہ کے دو بچون سے کسی جانور کی دو تصویرین کھنچوائی جائین، پھر دونون پر غور کرنے سے اگر یہ نتیجہ نکلے کہ ایک تصویر مین بعض اہم اعضا چھوڑ دیے گئے ہین، اور دوسری تصویر مین اس جانور کے تمام جسمانی جزئیات کا احاطہ کرلیا گیا ہے، تو معلوم ہوگا کہ ایک مصور کو دقت نظری مین دوسرے مصور پر ترجیح و تفوق حاصل ہے،

اگرچہ ایک ہی معیار سے مختلف ذہنی حالات معلوم کیے جاسکتے ہین، مثلاً تصویر کشی کا بھی معیار دقت نظری کے ساتھ جمالیاتی ذوق اور سبکدستی کا بھی معیار ہے، تاہم عام قاعدہ یہ ہے کہ ایک معیار کو ایک ہی ذہنی حالت پر منطبق کیا جاتا ہے، مثلاً بچے ایک سال کی عمر مین انھی الفاظ کو بول سکتے ہین جو دو حرفی ہوتے ہین، جیسے "دادا" "ماما" وغیرہ، اس لیے اس کو سال بھر کی عمر کے بچون کی ذہانت کا معیار قرار دیا جاسکتا ہے، اور اس معیار کے روسے جو بچہ ان الفاظ کا تلفظ عمدگی کے ساتھ کرسکیگا وہ اُس بچے سے ذہین خیال کیا جائے گا جو ان کا تلفظ عمدہ طور پر نہین کرسکتا،

ان مختلف معیارون کے مطابق ابتدائی مدارس کے سو چھوٹے بچے اور اسی قسم کے سوان پڑھ لڑکون کو جانچا گیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسہ کی تعلیم ذہانت کو اس قدر ترقی دیتی ہے جس کے لیے دو برس کی مزید مدت درکار تھی، یعنی جس بچے کا سن دس برس کا ہے، مدرسہ کی تعلیم اس کی ذہانت کو بارہ سال کے ان پڑھ بچے کے برابر کردیتی ہے،

اس تجربہ کا یہ اوّلین نتیجہ ہے، لیکن اس سے دوسرا نتیجہ یہ نکالا جاسکتا ہے کہ جن قومون مین ایک طویل زمانے سے تعلیم عام کردیگئی ہے، ان کے بچے فطری اور موروثی طور پر ذہانت مین ان قومون کے بچون سے ممتاز ہوتے ہین جنمین تعلیم عام نہین ہے یا اس کی اشاعت چند روز سے ہوئی ہے، لیکن مختلف یورپین اور یادداشتون سے معلوم ہوتا ہے کہ بلجیم، سوئٹزرلینڈ، انگلستان، فرانس اور مصر کے بچے ابتدائی عمر مین ذہانت

کے لحاظ سے برابر ہوتے ہین، پھران کی عمرین جس قدر بڑھتی جاتی ہین ان مین اختلاف پیدا ہوتا جاتا ہے، او

اس اصول کا نتیجہ ہے کہ زندہ مخلوقات مین ابتدًا یکرنگی اور ہمواری پائی جاتی ہے، لیکن بعد کو ان مین اخ

پیدا ہو جاتا ہے، نباتات وحیوانات کی شکل وصورت ابتدا مین یکسان ہوتی ہے، پھر بعد کو ان کی حال

مختلف ہو جاتی ہین، یہی حال بچون کی استعداد و ذہانت کا بھی ہے، شروع عمر مین ان مین کوئی فرق

ہوتا، لیکن بعد کو جب عمر بڑھتی ہے، تو باہم فرق واختلاف پیدا ہو جاتا ہے، "ع"

اعلان

شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

حسب تفصیل ذیل کتابون کی تالیف کے لیے کام کے نمونے مطلوب ہین، ہر کتاب کے متعلق ایک

حسب تصریح ذیل ناظم دار الترجمہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پاس اشتہار کی تاریخ سے تین ماہ کی مدت مین پہنچ جا

۱- تاریخ عہد بنی عباس، محققانہ تاریخ مستند عربی تاریخون کی بنیاد پر، ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہو گی

تالیف کا معاوضہ پانچہزار روپیہ تک ہوگا، نمونہ بقدر کسی ایک خلیفہ کے عہد کے،

۲- مسلمانون کی خلافت اور سلطنت کے سیاسی نظریات،

عہد ہاے ذیل کے متعلق علیحدہ علیحدہ کتابین تالیف ہونگی، ہر عہد ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگا، تا

کا معاوضہ دس روپیہ فی صفحہ تک ہو سکیگا، نمونہ بقدر ایک مکمل باب،

(۱) عہد نبوت وخلافت راشدہ،

(۲) عہد بنی عباس و بنی امیہ،

(۳) عہد بنی فاطمہ

(۴) اندلس کا عہد اسلامی

(۵) ہندوستان کا عہد اسلامی،

(۶) سلطنت عثمانی ترکی،

اخبار علمیہ

اکابر علماء اور کاہلی

اکابر علماء اور شعراء پر کاہلی کا الزام بہت قدیم ہے کیونکہ یہ لوگ اجتماعی زندگی کے شور اور ہنگاموں سے گھبرا کر گوشۂ عزلت تلاش کرتے ہین کہ یہان اطمینان کے ساتھ بیٹھکر نیچر سے سرگوشی کر سکین، اسکاٹ لینڈ کے مشہور شاعر اور ناول نگار والٹر اسکاٹ کی نشست گاہ ایک پتھر تھی، یہ پتھر اسکاٹ لینڈ مین بہت مشہور ہے وہ یہان تنہائی مین بیٹھا کرتا تھا،

روسو جب کچھ لکھنا چاہتا تھا تھوڑی دیر ایک کشتی پر چت لیٹ جاتا، اور اس درمیان مین وہ اپنے سامنے کے نیلگون ٹکڑون کے سوا کچھ نہ دیکھتا،

نیوٹن چند گھنٹے اپنے خانہ باغ مین تنہا بیٹھتا تھا انھین طویل نشستون مین کی ایک نشست مین اس نے کشش کا راز معلوم کیا،

جیفریز لوگون سے نجات حاصل کرنے کے لیے بلوط کے سایہ مین بیٹھا کرتا تھا، کیونکہ بلوط کی شاخون کی خفیف سرسراہٹ اس کے افکار کو ایسے بلند خیالات اور امیدون کی دنیا مین پہنچا دیتی تھی، جہان کی پر راحت زندگی اس فانی زندگی سے کہین زیادہ دل آویز ہے، اس کے ہمسایہ اسکی اس زندگی کا مضحکہ اڑاتے تھے، اور اس کو کاہل سمجھتے تھے اور وہ ساکھو کے درخت کے نیچے پڑا ہوا ہاتھون سے زمین کریدا کرتا تھا،

کیا چھوٹے کیڑے کان بناتے ہین

ولایات متحدہ امریکہ کے کانون کے شعبہ کے ماہرین حیاتیات کی رائے ہے، کہ چھوٹے چھوٹے کیڑے پتھر کا کوئلہ بنانے مین بہت معاون ہوتے ہین، اس کے ثبوت مین وہ اپنے مشاہدات بیان کرتے ہین کہ انھون نے بعض

ایسے قوی جراثیم کا مشاہدہ کیا ہے جو لکڑی پر زندگی بسر کرتے ہین، اور مدتون زندہ رہتے ہین، اس لیے بہت ممکن ہے کہ اسی قسم کے جراثیم پتھر کے کوئلہ کی پیدایش کا سبب ہوتے ہون، اس اعتقاد کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ انھون نے ان نباتات کی تحلیل کے وقت جو پتھر کے کوئلہ کا قالب بدل رہی ہین ان مین بہت ہی چھوٹے جراثیم کا مشاہدہ کیا ہے، اس سے انھون نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسی قسم کے جراثیم نباتات کی طبیعت مین تبدیلی پیدا کرکے اس کے کوئلہ بنانے مین معاون ہوتے ہین،

فیتامین کی دو جدید نوعین

بعض انگریز علماء نے دو جدید قسم کے فیتامین کا پتہ چلایا ہے، یہ لوگ کہتے ہین کہ ان مین سے ایک قسم کا فائدہ تجربہ والے چوہون کے نمو مین ثابت ہو چکا ہے، لیکن ابھی تک یہ نہین معلوم ہوا، کہ اس سے انسان کو کیا فائدہ پہنچتا ہے، ابھی تک اس جدید قسم کا کوئی نام بھی نہین تجویز ہوا ہے، اس کا انکشاف تازہ دودھ، خس گھانس بھوس بیل کے عضلات اور جگر مین ہوا ہے، البتہ اسکی دوسری قسم فیطامین بائی، (منسوب بہ بی B) کی ایک نئی شاخ ہے،

مٹھائی مین مصنوعی آفتاب کی شعاعین

مختلف مادون مین آفتاب کی جمع شدہ کرنین سل، قلتِ خون اور گٹھیا کے امراض کا جدید ترین طریقہ علاج ہے، حال مین ویئنا کے دو طبیبون نے ایک جدید طریقہ ایجاد کیا ہے، جس کے ذریعہ سے مٹھائیون مین بغیر ان کا مزا اور خوشبو بدلے ہوے مافوق البنفسجی شعاعین پہنچ جاتی ہین، ان طبیبون نے یہ تجربہ سب سے پہلے چوہون پر کیا اور ان کو مافوق البنفسجی شعاعین پڑی ہوئی مٹھائی کھلائی، اس سے یہ بہت موٹے ہوگئے، چوہون کے بعد انسانون پر بھی یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوا، جن لوگون کو یہ مٹھائیان استعمال کرائی گئین، ان کی بھوک کھل گئی اور خون بڑھ گیا، علامہ ہاری اسٹینبوک پروفیسر وسکنسن یونیورسٹی امریکہ سب سے پہلے شخص ہین جنھون نے غلون کو مصنوعی آفتاب کی شعاعون سے متاثر کرنیکا طریقہ ایجاد کیا اور اسکی ایجاد کے صلہ مین حکومت نے

ان کو انعام دیا، پروفیسر مذکور نے خلق اللہ کی خدمت کے خاطر اس تجربہ کے تمام حقوق یونیورسٹی مذکور کو دیدیے، اور اس یونیورسٹی نے اسے بعض غذا کے کارخانون کو اس شرط پر دیدیا ہے کہ وہ ان شعاعون سے متاثر کی ہوئی غذائین بلا نرخ بڑھائے ہوئے عام لوگون کے ہاتھ فروخت کرے تاکہ سب اس سے مستفید ہون،

فیشن کی سنگدلی

فیشن عورت کو پوستین کے استعمال پر مجبور کرتا ہے، لیکن اس پوستین کے حصول مین جاندار کو شکار سے لیکر قتل تک مختلف تکلیف دہ حالتون مین مبتلا ہونا پڑتا ہے، اب کچھ دنون سے لوگون مین اس کا احساس ہو چلا ہے کہ وہ محض اپنی خواہش نفس کے خاطر جاندار پر سخت ظلم کرتے ہین، اور یورپ مین یہ تحریک پیدا ہوگئی ہے کہ جانورون کو ان سخت تکلیفون سے بچایا جائے، چنانچہ خاص خاص کھیتون مین ان کی پرورش و پرداخت کیجاتی ہے، یہان ان کو جال اور پھندے کی مصیبت سے نجات ملتی ہے، ایک رسالہ کا تخمینہ ہے کہ محض شمالی امریکہ مین ایک لاکھ پوستینین سالانہ فروخت ہوتی ہین، اور پوستین سازی کی صنعت اور اسکی تجارت کا چار سو ملین ڈالر صرف ہے ۱۹۲۵ء مین واشنگٹن مین ایک کمیٹی بنی تھی کہ وہ پوستین والے حیوانون کو موجودہ طریقہ شکار سے بچائے جس مین جانور جلد نہین مرتا، آجکل شکار کے جو جال لگائے جاتے ہین، یہ جانور کے پیرون کو اس طرح پکڑ لیتے ہین کہ ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور پرانے طریقہ شکار مین جانور وقتی تکلیف اٹھا کر بھاگ سکتا تھا،

سکون کے پرکھنے کا آلہ

امریکہ مین سکون کے پرکھنے کا حیرت انگیز آلہ ایجاد ہوا ہے تجربہ کے لیے اس مین ۳ مختلف قسم کے سکے ڈالے گیے، ایک تانبے کا ½ ڈالر دوسرا اس سے کسی قدر حجم مین چھوٹا اور تیسرا وزن مین کم، ان سکون کی دھاتین بھی مختلف تھین، آلہ نے ان سب کو ناپ تول کرکے اور دھات کی تحلیل کرکے بتا دیا اور فونوگراف کے ذریعہ کہا کہ امید ہے کہ آپ صرف کھرا سکہ استعمال کرین گے،

کانین تھکتی ہین،

علمائے معاون کہتے ہین کہ جانداروں کی طرح کانین بھی تھکتی ہین، اور جب وہ مسلسل چھوٹے چھوٹے صدمات سے تھک جاتی ہین تو بلاکسی ظاہری سبب کے پھٹ جاتی ہین، ان کو پھٹنے سے بچانے کی صرف یہ صورت ہے، کہ ان کو آرام کا موقعہ دیا جائے، مسٹر مور پروفیسر نیویز یونیورسٹی امریکہ نے ایک طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ سے کانین ایک سو ملین سے زیادہ چھوٹے چھوٹے صدمات سے بچ سکتی ہین، پروفیسر مذکور نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ کان پہلے تھکاوٹ کا احساس کرتی ہے، اس احساس کی علامت یہ ہے کہ اسکی کوئی چھوٹی قلم تقسیم ہو جاتی ہے اور جب یہ تھکن برابر قائم رہتی ہے تو اور قلمین بھی تقسیم ہونے لگتی ہین اور پھر پوری کان پھٹ جاتی ہے،

"م"

کیا یورپ تباہ ہو جائیگا

یورپ کے طبی اور معاشرتی مستند حلقون مین اس خیال کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ یورپ کی ذہنی حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے، اور اس کے ساتھ شرح پیدائش بھی گھٹ رہی ہے، اسلیے اگر کچھ زمانہ تک یہی حالت رہی تو یورپ کے لیے نہ صرف سخت ترین مشکلات کا سامنا ہوگا، بلکہ وہ تباہ و برباد ہو جائے گا، اُن کا خیال ہے کہ آیندہ لڑائیون مین مشین مشین کا جواب بنجائیگی، اس لیے اصلی معرکہ آرائی مختلف قومون کی انفرادی قوت مین محدود ہو جائے گی، اور جو قوم مضبوط اور کثیر التعداد ہوگی وہی غالب رہیگی، یہ افسوسناک حالت مغربی یورپ کی ہے، جو تمدن و تہذیب، ایجادات و اختراعات مین اپنے کو دنیا کا استاد سمجھتا ہے، لیکن اُس کی یہی مادی بلندی اس کے لیے رحمت کی جگہ زحمت اور برکت کی جگہ لعنت ثابت ہو رہی ہے،

"ن"

ادبیات

نالۂ تپش

جناب تپش بی، اے، لاہور

گرد ہین تیری شمعِ محفل کے　　حوصلے دیکھ تو عنادل کے

کر گئے کام ولولے دل کے　　قیس ہے ساتھ ساتھ محمل کے

توبہ کر بیٹھے میکشی سے وہ　　بن گئے جام جب مری گِل کے

رکھ کے آنکھون پہ لے گئے عشاق　　سارے حلقے مری سلاسل کے

اب وہ طوفانِ زندگی کیسا؟　　موج آغوش مین ہے ساحل کے

کس قدر تند تھی شرابِ عشق　　ہو گئے ٹکڑے شیشۂ دل کے

کیون نہ بھٹکین مسافرانِ عدم　　پھیر مین آگئے ہین منزل کے

موج زن ہے حیات کا طوفان　　قطرہ قطرہ مین خونِ بسمل کے

گل کھلاتی رہی چمن مین بہار　　زخم جب تک ہرے رہے دل کے

اللہ اللہ رے خمارِ ستم!　　لڑکھڑاتے ہین پاؤن قاتل کے

کر دیا فاش رازِ ناخنِ غم!　　کھول کر عقدے میری مشکل کے

چھٹ گیا دامنِ امید تپش
رہگئے خالی ہاتھ سائل کے

تابشِ اختر

از جناب علی اختر صاحب اختؔر

شبوں کو رشکِ سحر بنا دے، سحر کے غنچے گلاب کر دے
جو شمع سینے میں کی ہو روشن اُسے اب آفتاب کر دے

جھلک دکھا کر نظر ہٹا لے، نظر ملا کر خراب کر دے
مجھی کو ناکامیاب بھی کر، مجھی کو پھر کامیاب کر دے

پھر اس طرح مسکرا، کہ رگ رگ میں برق کی لہر دوڑ جائے
سکوت ہنگامہ آفریں کر، سکوں کو اب اضطراب کر دے

ادا کی سحر آفرینیوں کو ستم کی آزادیاں عطا کر
نظر کی صہبا فروشیوں سے دلوں کی دنیا خراب کر دے

فریبِ تابِ نگاہ کب تک، ہمارے گلستاں کو جاوداں کر
جلا کے میری نظر کے پردے حقیقتیں بے نقاب کر دے

وہ لذتِ بیخودی عطا کر، فدا ہو پندارِ عقل جس پر
بنے جو بیداریوں کا عنوان وہ غفلتِ کیف خواب کر دے

دھوئیں کو صبحِ الم کے چمکا حسین جلووں کی روشنی میں
وہ شب جو بے کیف تیرگی ہے اُسے شبِ ماہتاب کر دے

شراب کی بو سے ہر نفس ہو، نسیمِ صبحِ مراد میرا
مرے شبستانِ غم کو، آ، اب بہشتِ حسن و شباب کر دے

یہ جوش سے کوئی جا کے کہہ دے کہ اخترِ نامراد کو بھی
اثر سے ملنے کی آرزو ہے خدا اگر کامیاب کر دے

نواب جعفر علی خان اثر لکھنوی

آثارِ علمیہ ادبیہ

نامۂ حالی

نتوان شمار دولت جاوید یافتن　　　در خود ز روی ہندسہ گاہے شمار یافت

از بس پُر است جیب مسمّٰی ز نقد اسم　　　ہر جا الف بنشت محاسب ہزار یافت

"میرزا غالب کے یہ دو شعر قصیدہ کے ہین جنکا مطلب باوجود غور کرنے کے بخوبی سمجھ مین نہین آیا تھا، تو میرے اشارہ سے میرے برادر مکرم مولوی محمد ریاض حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ (متخلص بہ دانش در پارسی وخیالؔ در ریختہ) نے مولانا حالیؔ کو خط لکھکر اس کا مطلب دریافت کیا، مولانا حالیؔ مرحوم نے جو خط جواب مین لکھا تھا، وہ اس وقت تک موجود ہے، اب اسکی نقل جو انھین کے قلم دست رعشہ دار سے ہے، بعینہ لکھکر بھیجتا ہون امید ہے کہ ناظرین معارف مین سے جن لوگون کو فن سے شغف اور اس قسم کی تحقیقات و تدقیقات سے دلچسپی ہے، شوق سے پڑھین گے، و محظوظ ہون گے"

"محمد اعجاز حسن"

مکرمی، اگرچہ مرزا صاحب کو مین عالم تخیل کا شہباز بلند پرواز سمجھتا ہون، اور ہندوستان کی فارسی شاعری کا اُن پر خاتمہ سمجھتا ہون لیکن مثل دیگر اساتذہ کے اُنکو بھی خطا اور لغزش سے پاک نہین سمجھتا مین اب لکھنے پڑھنے کے قابل نہین رہا لیکن آپ کا شوق مفرط دیکھکر بہ تکلف شعر مسئول عنہ کو معنی بتاتا ہون، آپ کو معلوم ہے کہ ہر حرف کا ایک مسمّٰے ہوتاہے اور ایک اسم، مثلاً ا مسمّٰے ہے اور الف اسکا اسم ہے یا مثلاً ج مسمّٰے ہے اور جیم اُس کا اسم ہے، کہتا ہے کہ ممدوح کی دولت جاوید کسی طرح

شمار نہین ہوسکتی، کیونکہ محاسب جب اسکی دولت کو گنتا شروع کرتا ہے تو ایک کے ہزار ہوجاتے ہین، جیسے اکا اسم الف ہے، اور الف اور الف کی ایک شکل ہے، تو گویا اسکی دولت کا ایک گننے سے ہزار گونہ ہوجاتا ہے،

مگر میرے نزدیک یہ خیال مرزا صاحب سے بوجہ احسن ادا نہین ہوا جیب بر مسمّے کا نقد اسم سے پر ہونے سے یہ مراد ہے، کہ ایک کے ہزار ہوجاتے ہین، والسلام

الطاف حسین حالی

از پانی پت ۳ر اپریل ۱۹۱۳ء

حصّہ اوّل

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

جسمین اردو شاعری سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کتابت اور کاغذ اعلیٰ ہے، ضخامت ۴۵۶ صفحے قیمت للعہ ر

ایضاً حصّہ دوم

جسمین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت اعلیٰ ضخامت ۴۵۵ صفحے، قیمت للعہ ر

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

دو مصنف شاہزادے

دیوان کامران اور مجمع البحرین

مغل بادشاہوں اور شہزادوں کو جو چیز دنیا کے تمام حکمران طبقہ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صاحب سیف بھی
تھے اور صاحب قلم بھی، وہ دل و دماغ اور دست و بازو دونوں کے بادشاہ تھے، وہ رزم و بزم دونوں مملکتوں
پر یکساں طور پر حکمران تھے، ہندوستان میں آکر انکا یہ وصف اور نمایاں ہوگیا چنانچہ بابر سے لیکر بہادر شاہ
ثانی تک (برائے نام وقتی بادشاہوں کو چھوڑکر) کوئی بھی ایسا فرماں روا نظر نہیں آتا جس کا ہاتھ تیغ و قلم
سے خالی ہو، بابر ہندوستان بھی فتح کرتا ہے اور تزک و دیوان بھی مرتب کرتا ہے، ہمایوں شیر شاہ کا مقابلہ
بھی کرتا ہے، اور کتبخانہ میں بیٹھ کر مطالعہ بھی کرتا ہے، اکبر راجپوتانہ و دکن کو زیر و زبر بھی کرتا ہے، اور علمی
دفاتر بھی اسکے سامنے لائے جاتے ہیں، جہانگیر شمشیر زنی بھی کرتا رہتا ہے، اور فرصت کے وقت تزک
بھی لکھتا جاتا ہے، شاہجہاں میدان کارزار میں دشمنوں کے سر بھی قلم کرتا ہے، اور گوشۂ عافیت میں
بیٹھکر کتابوں کی سیر بھی کرتا ہے، اورنگزیب دکن کو فتح کرکے اپنی حکومت بھی وسیع کرتا ہے، اور اپنے نامہا
رقعات کا خزانۂ معلومات بھی دیجاتا ہے، بہادر شاہ اول ہندوستان کا بادشاہ ہی نہیں بلکہ شیخ الشیوخ
بھی ہے، حتی کہ غریب و بدنصیب ظفر شاہ قلعۂ معلی کا "شاہ عالم" ہی نہیں بلکہ ضخیم دیوانوں کا مصنف بھی
ہے، یہ تو حکمرانوں کا حال تھا، دوسرے شہزادے بھی اس حیثیت سے کسی سے کم نہ تھے، کامران و دارا شکوہ
وغیرہ اسکی نمایاں مثالیں ہیں، اور یہاں پر ہم اول الذکر دو شہزادوں کے علمی کمال ... کے متعلق

کچھ کہین ۓ گے

یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ یہ دونون شہزادے اپنے بھائیون ہی کے ہاتھون مظلوم بنے، اور چونکہ ان کے بعد جو مورخ بھی پیدا ہوئے، ان کو دربار یا اہل دربار سے تعلق تھا، اس لئے اُنھون نے بڑی حد تک صداقت کو مادی منفعت کے بھینٹ چڑھا دیا، اور یہی وجہ ہے کہ نہ تو ہمکو ان کے ذاتی حالات، یا ان کے صحیح پوزیشن کا علم ہے، اور نہ انکے کمالات علمی کا، اس حیثیت سے ملک کے نوجوان مصنف و محقق جناب پروفیسر محفوظ الحق صاحب ایم اے، ہمارے شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہین، کہ اُنھون نے صدیون بعد ان دو مظلومون کی حالت پر رحم کرکے اُن کے علمی فتوحات کے دو عظیم الشان کارنامون کو دنیا تک پہونچا دیا، اور اپنے فاضلانہ مقدمہ کے ذریعہ انکے تمام ذاتی وخاندانی حالات علمی وعملی کارنامون اور مملکت علم مین ان کے حقیقی درجہ کو ہمارے سامنے پیش کر دیا،

کامران، بابر کا بیٹا اور ہمایون کا (سوتیلا) بھائی تھا، وہ فاتح ہند کی گود مین پلا اسکی پدرانہ شفقت کی تربیت مین بڑھا، اور بالآخر بھائی کی خود غرضانہ مصلحت اندیشی کا شکار ہوا، بابر نے اپنی زندگی ہی مین اسے کابل و قندہار بلکہ پنجاب و سندھ کا بھی ایک حصہ دے رکھا تھا لیکن باپ کی موت کے بعد ہی بھائیون مین لڑائی شروع ہوئی، اور خود ہمایون نے اُس سے ان ممالک کو لے لینا چاہا حتیٰ کہ یہان تک بیان کیا جاتا ہے کہ ہمایون نے اسے زہر تک دینے کا سامان کر دیا تھا، ہان یہ سچ ہے، کہ ہمایون کو ہندوستانی فوج نہین مل سکتی تھی، اور افغانستان وغیرہ کا علاقہ اسکے بھائی کے قبضہ مین ہونے کی وجہ سے وہان بھی وہ فوج بھرتی نہین کر سکتا تھا لیکن اسکے ہرگز یہ معنی نہ تھے کہ وہ دوسرے بھائی کو اس کے جائز حق سے محروم کرتا، ہمایون نے کیا ہندوستان سے جانے کے پہلے اور کیا واپس آنے کے بعد ہمیشہ کامران کو بے دخل کرنے ہی کی کوشش مین رہا، اور اگرچہ آج تمام تاریخین اس صداقت سے خالی ہین، لیکن اگر کامران

لہ دیوان میرزا کامران، مجمع البحرین، مصنفہ دارا شکوہ،

کامیاب ہوتا تو شاید موجودہ تاریخون کا رنگ ہی دوسرا ہوتا،

اسمین کوئی شبہہ نہین کہ ہمایون نے اُسے ملکی حکومت سے بیدخل کر دیا، اُسے اندھا کرایا اور اُس غریب الدیار نے وطن سے ہزارون میل دور جلاوطنی مین جان دی لیکن پھر بھی ہمایون اُسکی اُس حکومت سے جو سنگ و خاک اور مٹی اور پتھر کی فانی حکومت سے مضبوط تر، مستحکم تر، اور دیرپا تھی محروم نہ کر سکا، اس سے ہماری مراد اسکی وہ حکومت ہے جو مملکتِ کلام کے نام سے موسوم ہے،

کامران کے ایک بلندپایہ نغزگو شاعر ہونے مین کسی کو کلام نہین، اُسکی غزلین صاف، روان، سادہ اور پُرتاثیر ہین، اُسکی رباعیات، قطعات وغیرہ کا بھی یہی حال ہے، وہ صرف فارسی ہی کا شاعر نہ تھا، بلکہ ترکی مین بھی شعر کہتا تھا، اور اگر مخزن الغرائب کی روایت تسلیم کر لیجائے تو وہ اردو مین بھی کہہ لیتا تھا، ان تمام حالات کے باوجود اس کا کلام بعض تذکرون اور بیاضون کے علاوہ کہین نہین ملتا تھا، اور اس بدنصیب شہزادہ کا یہ روشن تر پہلو بھی ہماری آنکھون سے پوشیدہ، مگر پروفیسر محفوظ الحق نے اس فرض کو اپنے ذمہ لیا اور اسکے دیوان کو، جسکا صرف ایک ہی نسخہ موجود ہے، اور جو خدابخش خان مرحوم کے کتبخانہ کی ملکیت ہے نہایت اہتمام سے شایع کیا،

ابتدا مین لایق مصنف نے ۸۵ صفحون کا ایک پُراز معلومات مقدمہ لکھا ہے، اسمین کامران کے ذاتی حالات، اُسکی برادرانہ کشمکش، اُسکی ناکامیابیان، اور پھر اُسکی شاعری پر تنقید اور دیوان کامران کے موجودہ نسخہ کے خصائص نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ لکھے ہین، ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے نوجوان محقق نے اس سلسلہ مین کتنی محنت کی ہے، اور کیسے کیسے جواہر ریزون کو یکجا کرکے زر و جواہر کا انبار لگا دیا ہے، کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن لوگون کے لئے جو اردو نہین جانتے مقدمہ کا خلاصہ انگریزی مین دیدیا گیا ہے اور کتاب کو بہمہ وجوہ مکمل بنانے کے لئے قلمی نسخہ کے ٹائٹل پیج کا عکس بھی دیا گیا ہے، کہ اس سے نفس اس نسخہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، یہ نسخہ خود میرزا کامران کی زندگی مین لکھا گیا

تھا، اور اس کے بعد کامران کی بیٹی نور النسا، جہانگیر، شاہجہان، عالمگیر وغیرہ کے پاس بھی رہا ہے، جہانگیر و شاہجہان
کے ہاتھ کی تحریرین بھی اس پر ثبت ہین اور مغل سلاطین و امرا کی مہرون سے بھرا ہوا ہے، دیوان کا کاتب مشہور
خطاط محمود بن اسحاق الشہابی ہے، اور اسکی ایک وصلی کا بھی عکس درج ہے، ان کے علاوہ ہمایون و بابر
کی شانِ تحریر ظاہر کرنے کے لئے مشہور نسخہ دیوانِ حافظ مملوکہ کتب خانہ پٹنہ، اور دیوانِ بابر مملوکہ گنجینۂ
سرکاری رامپور کے عکس بھی دیئے گئے ہین مطبوعہ کتاب کا پہلا ٹائٹل پیج بھی بلاک کا ہے، اور کتابت او
طباعت بھی بہت اچھی ہے،

اسی بد نصیب شاہزادہ کی طرح اس سے تقریباً ایک سو سال بعد ایک اور شہزادہ اسی طرح برادر
جنگ کے نذر ہوا، اس سے مراد، شاہ بلند اقبال دارا شکوہ ہے، دارا کے علم و فضل سے کون انکار کرسکتا ہے
اسکی متعدد تصانیف اور اسکا منتخب کلام جو ہم تک پہونچا ہے، اس بات کا ثبوت ہین کہ وہ ایک لایق
مصنف اور اچھا شاعر تھا، تصوف سے اُسے ابتدا ہی سے لگاؤ تھا، اور اکبر نے اتحادِ مذاہب کی جو بنیاد
قائم کی تھی، اس کا آخری معمار یہی بدنصیب شہزادہ تھا، وہ اپنی تصانیف کے ذریعہ یہ بتانا چاہتا تھا
کہ ہندو مذہب اور اسلام مین کوئی بنیادی فرق نہین ہے، اصولِ توحید مین دونون یکسان ہین، اور اپنے
ی عقیدہ کے جوش مین وہ مسلم کی جگہ موحد ہوگیا تھا، اور اسی کے ثبوت مین اس نے پہلے مجمع البحرین
ھی اور پھر اپنشد کا ترجمہ کرتے ہوئے، وید کو قرآن کی مذکورہ کتاب مکنون ٹھہرایا،

مگر دارا کا وہ ادعائے فضل و کمال، اور فقر و غنا اس کے اُن افسوسناک اعمال و حرکات کے مقابلہ
ن جو اس نے بھائیون سے جائز رکھے تھے ایک بڑی حد تک اس سے ہماری ہمدردی کو چھین لیتے ہین،
س نے اپنی برادرکش حکمت عملی کی وجہ سے ہندوستان کو کئی سال تک ایک میدانِ جنگ بنا دیا تھا،
س سے کوئی مورخ انکار نہین کرسکتا، اور اسکی یہی کارروائی اس کے صوفیانہ صاف و امن پرور دنیا داری کا
ا داغ ہے، اگر دارا اپنے کو صرف اپنے علمی کارنامون ہی مین لگائے رکھتا تو آج وہ مصلحینِ مذہب

کی اولین صف مین ممتاز جگہ پر نظر آتا، اوس کے قول وفعل کے تضاد نے اُسے کہین کا نہ رکھا ، اور وہ کسی جماعت کا ہیرو نہ بن سکا،

تو کہے گبر مجھے، گبر مسلمان مجھکو

بہر حال یہان پر ہمکو ان چیزون سے چندان بحث نہین ہے، اور اس چیز کو ہندوستان کے سیاسی مورخ کے لئے چھوڑ کر اسکی زیر تنقید کتاب کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہین،

دارا کو تحقیق مذاہب کا جو شوق تھا، وہ اس بات کا مقتضی تھا کہ وہ تمام دوسرے مذاہب کے اصول کا مطالعہ کرے، چنانچہ اُس نے اس طرف توجہ کی، نہ صرف اس نے کتابین پڑھین، نہ صرف اس نے پنڈتون سے تبادلہ خیال کیا، بلکہ اس نے اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے ہندو جوگیون اور رشیون سے ملاقات کی، اسکی تصانیف کی ترتیب جن پر پروفیسر صاحب ممدوح نے نہایت ترتیب کے ساتھ ناقدانہ تبصرہ کیا ہے، ہمکو یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ وہ کس طرح اپنے اس مطالعہ، تبادلہ خیال، اور ملاقاتون کی وجہ سے اسلام یا اسلامی تصوف سے الگ ہو رہا ہے، خوشامدی درباریون اور خود غرض مصاحبون نے اُسے باور کرا دیا کہ وہ ولی اللہ اور مقرب خدا ہے، بس پھر کیا تھا، ایک طرف تو اسکو ندائے غیبی سنائی دینے لگی، اور دوسری طرف لشسٹھ جی خواب مین آکر مہاراجہ رام چندر سے اسکا برادرانہ تعارف کرانے لگے، ان چیزون نے روز بروز بڑھنا شروع کیا۔ اور دارا نے رشی بابا لعل کے اس دعوی کو تسلیم کرتے ہوے کہ حق وصداقت اور توصل الی اللہ کسی مذہب کی ملکیت نہین ہے مجمع البحرین لکھی اور اسمین ویدانتک توحید اور اسلامی متصوفانہ توحید کے اصول کو ایک ثابت کر دکھایا، مجمع البحرین اسی اجمال کی تفصیل ہے،

پروفیسر محفوظ الحق نے اس کتاب کو شایع کرکے نہ صرف ایک بڑی علمی وتصوفانہ خدمت انجام دی ہے، بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی اسکو خاص اہمیت حاصل ہے کہ یہ کتاب یہ بتانے کے لئے کافی

ہے، کہ مسلمان عوام تو عوام خود سلاطین اور شہزادے کس طرح دونون مذاہب کی مشترک تعلیمات کو یکجا کرکے دونون قومون مین ذہنی وسیاسی اتحاد کی کوشش مین مصروف تھے،

یون تو دارا شکوہ کی متعدد کتابین شایع ہوچکی ہین، لیکن اس کتاب کا شایع ہونا خاص اہمیت رکھتا ہے، ایک مشہور فرانسیسی مستشرق کا بیان ہے کہ اُس نے توحید کو اسی کتاب سے سمجھا ہے، فرانس مین دارا کے متعلق خاص دلچسپی کا اظہار کیا گیا ہے، اور اس وقت ایک ہندوستانی طالب علم پیرس مین اسی کے متعلق کتاب لکھنے مین مصروف ہین،

مجمع البحرین کے اس نسخہ کی اشاعت مین پروفیسر صاحب نے جو محنت کی ہے، اور جس جانفشانی سے مختلف نسخون کو مقابلہ کرکے ان اختلافات کو یکجا کیا ہے، وہ ان لوگون سے جو ایسے کام سے دلچسپی یا ان کا عملی تجربہ رکھتے ہین، ضرور خراج تحسین وصول کریگا، ابتدا مین دارا کی زندگی، اسکی تصانیف اور نفس مجمع البحرین کے امتیازات پر ناقدانہ بحث ہے، اسکے بعد مجمع البحرین کا انگریزی ترجمہ ہے، پھر اصل کتاب، بعد ازان اختلافات اور خاتمہ پر تین ابجدی فہرستین، پروفیسر صاحب کے مقدمہ مین، جو حاشیے ہین، وہ معلومات کی کان ہین، اور ان سے انکی وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے، ہم جوان سال وجوان ہمت پروفیسر کو ان کی اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین، اور توقع رکھتے ہین کہ وہ کم از کم دارا کے متعلق اپنی اس ہمدردی کو جاری رکھکر اسکی دوسری کتابون کو بھی ہم تک پہونچادین گے کہ مظلومون کی امداد دنیا کی سب سے بڑی نیکی ہے،

اجرش دہد خدا ے کہ کر دست یاوری

باآن کسے کہ حامی وناصر نہ داشتند

"ن"

لال کھٹور

اردو مین سراغ رسانی کے افسانہ لکھنے والون مین ہمارے دوست جناب ظفر عمر صاحب سپرنٹنڈنٹ

پولیس صوبۂ متحدہ (جونپور) نے خاص شہرت حاصل کی ہے چورون کا کلب، بہرام کی گرفتاری اور نیلی چھتری اُن کے بہترین افسانے ہین اور خصوصیت کے ساتھ اُن کی نیلی چھتری سب سے زیادہ دلچسپ، مقبول اور ہر دلعزیز افسانہ ہے، اور شاید اُن کے قلم کا بہترین کارنامہ جسمین آرسن لوپن کی کارفرمائیون کی جھلک پوری طرح نمایان ہے،

ابھی حال مین اُنھون نے لال کُٹھور کے نام ایک تازہ افسانہ حوالۂ قلم کیا ہے، اور چھپ کر شایع ہوا ہے، یہ بھی سراغرسانی کا دلچسپ فسانہ ہے، مگر اسکی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تمامتر فرضی افسانہ نہین بلکہ "بادہ و ساغر" کہکر اسمین "معاملۂ حق کی گفتگو" کی ہے، اور زمانۂ ماضی کی فرضی داستان نہین بلکہ زمانۂ حال کے کچھ "حقائق و وثائق" ہین،

مصنف نے اسمین اپنے دو گذشتہ معروف و مشہور ہیرو دُن مسعود اور بہرام کے ساتھ مرزا بلگرامی نام ایک نئے ہیرو کا تعارف کرایا ہے، جو نہ مسعود کی طرح علی گڈھ کا گریجویٹ، اور نہ بہرام کی طرح شریف ڈاکو ہے، بلکہ ایک "صوفی عالی مقام" ہے، جس کے "رازِ درون پردہ" کو عالم آشکارا کیا گیا ہے، ہمارے دیسی کے افسانون مین ایک عیب یہ ہوتا ہے، کہ وہ مختصر ہوتے ہین، اور شاید یہی عیب دوسرے کم فرصت لوگون کے نزدیک ہنر بھی ہو، مگر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قصہ کی الجھنون اور بھول بھلیون مین گرہین اور پیچیدگیان کم پڑتی ہین، حالانکہ یہی پیچیدگیان اس قسم کے قصون کی جان ہوتی ہین، معلوم نہین ہمارے قلیل الفرصت کثیر المشاغل صاحب السیف و القلم سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس ہماری اس خوردہ گیری سے اتفاق کرین گے یا نہین،

لال کُٹھور مین ریاست بھوپال کے ایک مدفون خزانہ کی سراغرسانی کا قصہ ہے، اسمین ایک پارسی ترک، مسٹر مسعود، بہرام جنگ اور مرزا بلگرامی کے کارنامون کی تفصیل ہی، مرزا بلگرامی کے پہچانے مین ناظرین کو دقت نہ ہوگی، تاہم اگر اسمین مرزا صاحب کے ساحرانہ کمالات کے دکھانے کے لئے "ثعبان مبین"[1] کے بجائے "عصائے موسوی" اور "ید بیضا" کی کرامتین دکھائی جاتین تو زیادہ مناسب ہوتا،

افسانہ نہایت دلچسپ اور فرصت کے اوقات مین مطالعہ کے لائق ہی، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۳ صفحے قیمت ۱۲ عہ پتہ نامی پریس لکھنؤ

---

[1] معارف:- حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی والا سانپ،

مطبوعات جدیدہ

یادگار عشق

مرتبہ جناب ثاقب عظیم آبادی، ص ۱۲+۳۰+۱۶۰ قیمت عہ، پتہ :- انجمن ترقی اردو، پٹنہ سٹی،

حضرت رکن الدین عشق اردو شعراء کے اُس ممتاز اولین جماعت سے تعلق رکھتے ہین جس نے میر، درد، اثر و سوز پیدا کئے، حضرت عشق اردو کے تیسرے مرکز عظیم آباد کے شاید اولین اردو شاعر ہین، وہ تصوف و شاعری کے وراثۃً مالک تھے، اس لئے تسخیرِ قلب اور قبولیتِ عام کا سحرِ حلال انکے قبضہ مین تھا صوبہ بہار کا چپہ چپہ انکے صوفیانہ فیوض سے بابرکت ہورہا ہے، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ صوبہ کے ولی کے کلام وحالات کو لوگون نے بھلادیا تھا حتی کہ شاد مرحوم کو بھی اُن کے ایک شعر کے علاوہ کچھ اور نہ معلوم تھا، مگر خوش قسمتی سے جناب ثاقب کو اُن کے کلیات کا ایک نسخہ جو سات سو صفحات پر مشتمل ہے مل گیا ہے، اُن کے کلام کی اہمیت کا اقتضا تو یہ تھا کہ ان کا پورا کلیات شایع کر دیا جاتا، مگر صوبہ کے اصحابِ دولت کی بے توجہی اور اصحابِ علم کی روایتی غربت اس کام مین سخت رکاوٹ ہے، اس لئے جناب ثاقب نے صرف اپنے ذرایع پر بھروسہ کرکے اسکے انتخاب کا بیڑہ اٹھایا، اور بحمد اللہ کہ وہ اسمین ایک بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہین، اس کتاب مین انتخابِ کلام کے علاوہ مرتب کی لکھی ہوئی ایک تمہید اور عشق کے حالات اور ان کی شاعری کی خصوصیات پر سو صفحون کا دیباچہ ہے، ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک مقدمہ ہے، اس مقدمہ مین عشق کے حالات پر ناقدانہ بحث کے علاوہ، لکھنؤ اور دہلی کی شاعرانہ خصوصیات پر نہایت ہی بلیغ طریقہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، کلام کا انتخاب ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس مین غزل،

رباعی اور مثنوی سب ہین، ہم جناب ثاقب کو اس علمی خدمت پر مبارکباد دیتے ہین،

سلیقۂ تحریر، مولفہ جناب مولوی محمد مسلم صاحب ایم اے، تقطیع خورد، ص ۱۶۰، قیمت عہ پتہ:۔ مؤلف، سینٹ کولمبس کالج، ہزاری باغ،

آج سے تقریباً ۱۰ سال قبل مؤلف نے تعلیم التسوید کے نام سے ایک مجلد رسالہ مضمون نگاری کے متعلق شایع کیا تھا، اور اُس زمانہ مین صوبہ بہار کے اکثر اسکولون مین اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی، اب اس طویل مدت کے بعد انھون نے اپنے اسی رسالہ کو ترمیم و اضافہ کے ساتھ شایع کیا ہے ابتدا مین کتابت وغیرہ کے اصول بتائے ہین، پھر خطوط کا طریقہ سکھایا ہے، اور آخر مین مختلف قسم کے مضامین لکھنے کی تعلیم دی ہے، طلبہ کی آسانی اور سمجھانے کے لئے ہر چیز کی مثالین بھی دی ہین، امید کہ یہ رسالہ بھی اپنے پیش رو کی طرح مقبول ہوگا، کہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول،

آئینۂ اردو، مولفہ مولوی محمد شفیع اللہ صاحب صفی، ص ۱۶۰، قیمت عہ، پتہ محمد مفضل کریم صاحب تاجر کتب کچہری روڈ گیا،

اس رسالہ مین مؤلف نے حروفِ تہجی سے لے کر صرف و نحو، تذکیر و تانیث، معانی و بیان غرضکہ تمام ضروری لسانی و تحریری مباحث پر نہایت ہی صاف اور سادہ زبان مین معلومات یکجا کئے ہین، نہ صرف اسکول بلکہ بہتیرے کالج کے طلبہ بھی اس مفید تالیف سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن اسکے ساتھ ہی ہمکو یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک طریقۂ تحریر وغیرہ کے متعلق ہمارے اساتذہ ہی میں اتفاق رائے نہین ہے، چنانچہ سلیقۂ تحریر مین جناب مسلم صاحب نے لکھا ہے کہ

"جب دو لفظ اس طرح مرکب ہون کہ مل کر (دیکھئے) جدا مفہوم پیدا کرین تو ان کو ایک لفظ قرار دیکر ساتھ لکھنا چاہئے، الگ لکھنا غلط ہے............ دیکھکر صحیح ہے دیکھ کر غلط،" صث

اب صاحب آئینۂ اردو کی تعلیم دیکھئے :-

"لفظ "کر" عام طور پر اپنے پہلے کے لفظ سے الگ لکھا جاتا ہے، جیسے سمجھ کر، بوجھ کر وغیرہ ..... الخ" ص ۱۰

اب غریب طلبہ حیران ہین کہ وہ کس استاد کا کہنا کرین، کیا ہمارے اساتذہ سب سے پہلے ایک متحد طریقہ کے اختیار پر متفق ہون گے یا کار طفلان تمام خواہد شد،

کائناتِ ادب، مرتبۂ جناب ایم اے حمید صاحب میرٹھی، ص ۳۳۷+۸، قیمت درج نہین، پتہ :- ایجوکیشنل بک ہاؤس، سول لائن علی گڈھ،

ہندوستان کے مختلف صوبون مین اردو مٹرکولیشن کے امتحان کے لئے تقریباً لازمی ہے اور طلبہ کی اسی ضرورت کو محسوس کرکے متعدد اشخاص نے اردو مصنفین کے انتخابات کے مجموعے شائع کئے ہین، زیر تنقید کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور مٹرکولیشن کے طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے اسمین تقریباً گذشتہ اساتذہ کے مضامین کا انتخاب ہے خطوط بھی دے گئے اور آخر مین مصنفین وشعراء کے حالات بھی ہین، جو یقیناً طلبہ کے لئے بہت مفید ہون گے، خطوط سولہ اصحاب کے ہین نثر مین ۱۱ مضامین ہین، اور نظم مین ۲۳ شعراء کے کلام کا انتخاب ہے،

اسلامی قانونِ فوجداری، مترجمہ مولانا عبد السلام صاحب ندوی، ص ۴۰۵ قیمت للعہ پتہ منیجر دار المصنفین، اعظم گڈھ،

انگریزون نے جب شروع شروع ملک پر قبضہ کیا تو ان کے پاس تعزیراتِ ہند کی ضخیم جلدین تھین اور نہ قانون ساز مجالس اس لئے انھون نے ہندوون اور مسلمانون کے معاملات کو طے کرنے کا یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ وہ اول الذکر کے مقدمات مین پنڈتون سے اور موخر الذکر کے معاملات مین مولویون سے استمداد کرتے، اسی ضرورت کی بناء پر اسی زمانہ مین ایسی متعدد کتابین فارسی مین

لکھی گئیں، جن مین اسلامی قانون کی توضیح و تشریح تھی، انھین مین سے ایک کتاب محمد آباد کی عدالت کے مشیر شرعی مولانا سلامت علیخان مشہور بہ حذاقت خان تھے، انھون نے اسلامی فوجداری قانون کے تمام دفعات کو فقہ حنفیہ کی متعدد مستند تاریخون سے جمع کرکے فارسی ترجمہ کے ساتھ پیش کیا تھا، یہ کتاب اپنی اصل شکل مین دو بار شایع ہو چکی ہے، اور اب حیدرآباد کے علم دوست وکیل جناب میر احمد شریف صاحب کی فرمایش سے جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے اسکو اردو کا جامہ پہنایا ہے، ترجمہ کی خوبیون کے متعلق مولانا کا نام ہی کافی ہے، امید کہ قانون پیشہ اور علم دوست اصحاب اس سے فائدہ اٹھائین گے،

تفسیر قرآن، مصنفہ مولوی شایق احمد صاحب عثمانی ص ۵۶ قیمت ۱۲ر پتہ منیجر عصر جدید نمبر ۲ چونا گلی کلکتہ،

مولوی شایق احمد صاحب اُن چند مخصوص نوجوان کارکنون مین ہین جو صحافت و سیاست کے دائمی طوفان مین گھرے رہنے کے بعد بھی وقتی سکون سے فائدہ اُٹھا کر کچھ نہ کچھ علمی خدمت کرتے رہتے ہین آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے انھون نے تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا، اور اسی زمانہ مین انتیسوین اور تیسوین پارون کی تفسیر بھی شایع کردی تھی، اور اب انھون نے پانچ سورتون کی مزید تفسیر شایع کی ہے، یہ سورتین یہ ہین :- (۱) ملک، (۲) دہر (۳) نبار (۴) بلد اور (۵) عادیات، مولوی صاحب موصوف کی زبان صاف اور سادہ ہوتی ہے، اور معمولی سے معمولی علم کا آدمی بھی انکی تفسیر کو بآسانی سمجھ سکتا ہے،

سفینۃ الخیرات فی ذکر مناقب السادات، مولفہ مولوی مرغوب احمد صاحب لاجپوری ص ۱۰۰ قیمت درج نہین، پتہ مؤلف، مدرسہ تعلیم الدین نمبر ۳۴۳ مغل اسٹریٹ رنگون

مولوی مرغوب احمد صاحب نے اس کتاب مین خاندان نبوت اہل بیت اطہار اور ائمہ کرام کی بزرگی سرداری اور روحانی عظمت و بزرگی کے متعلق قرآن حدیث اور دیگر ذرائع سے بحث کی ہے، امید کہ خاندان نبوت سے محبت رکھنے والے اس سے مستفید ہون گے،

جلد بست و پنجم | ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان مین عربی علم ادب ولغت ومحاورات کے جوچند مخصوص ماہرین ہین، اُن مین ایک مولانا عبدالحئی صاحب سہارنپوری استاد جامعہ عثمانیہ بھی تھے، افسوس کہ انھون نے ۲۸ رمضان ۱۳۴۶ھ کو بمقام حیدرآباد دکن مرض طاعون مین مبتلا ہوکر وفات پائی، مرحوم کے دادا شیخ الحدیث مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری تھے جو اپنے زمانہ مین علم حدیث کے مرجع کل تھے، اُن کے صاحبزادہ اور مرحوم مولانا عبدالحئی صاحب کے والد مولانا حکیم حبیب الرحمان صاحب ادب عربی کے نامور عالم اور عربی کے شاعر تھے، انھون نے اندلس کی تباہی کے مشہور مرثیہ کی بحر وقافیہ مین مولانا حالی مرحوم کے اشارہ سے ہندوستان کی تباہی کا بہت پُردرد مرثیہ لکھا تھا، مولانا عبدالحئی مرحوم کی عمر ۴۵ اور پچاس کے درمیان تھی، عربی ادب، امثال اور محاورات کے بڑے عالم تھے، وہ سرکار نظام کی اعانت سے وہ عربی محاورات کا ایک ضخیم لغت فراہم کررہے تھے، افسوس کہ یہ عظیم الشان کارنامہ بھی اُن کی موت سے ناتمام رہا، انا للہ وانا الیہ راجعون،
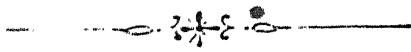
ہندوستان کے موجودہ عربی ادبا مین مولانا عبدالعزیز صاحب میمن راجکوٹی استاذ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ عربی علم ادب کی جوخدمتین انجام دے رہے ہین، ان کی صدائے بازگشت مصر وشام اور یورپ تک سے آرہی ہے، وہ شام کی مجلس علمی عربی کے ممبر بھی منتخب ہوئے ہین، اور جاویدان نژاد اور دوسرے قدیم رسائل کو ہندوستان کے کتب خانون کے گمنام گوشون سے نکال کر علمی دنیا تک پہنچارہے ہین، اور ادبائے عرب بھی اس "ہندی ملوا" کا لوہا مان رہے ہین، عربی مین سب سے ضخیم لغت لسان العرب ہے، جس کا طبع اول نایاب تھا، اب مطبع سلفیہ اس کا طبع ثانی نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کر رہا ہے، اسکے مرتبین ومصححین مین ہمارے دوست کا نام بھی

شامل ہے، اور یہ درحقیقت تمام ہندوستان کے لیے فخر وعزت کی سند ہے، ہم اپنے دوست کو اس بڑی کامیابی پر
مبارکباد دیتے ہین،
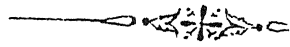
اس پرچہ کے باب التقریظ والانتقاد مین ایک مضمون ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب ایم،
اے، پی، ایچ، ڈی، پروفیسر عربی الہ آباد یونیورسٹی، سابق پرنسپل کلیۂ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا شائع ہورہا ہے
موصوف ہندوستان کے موجودہ مغربی سندیافتگانِ السنۂ مشرقیہ مین ممتاز درجہ رکھتے ہین، اور خصوصیت
کیساتھ عربی زبان کے فقہ اللغۃ (فیلالوجی) اور عربی اور سامی اور فارسی زبانون کے باہمی تعلقات پر اُن کو عبور
کامل ہے، اُنھون نے اس مضمون مین ہمارے مکرم مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری استاذ علوم دینیہ مسلم
یونیورسٹی علیگڈہ کی تازہ تصنیف **المبین** پر جو عربی زبان کے فضائل وخصوصیات پر لکھی گئی ہے، تبصرہ کیا ہے
ہم نے خود یہ کتاب نہین دیکھی ہے، مگر اس تبصرہ کو دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس مین اشتقاقِ کبیر پر
بحث ہوگی، نیز عربی مین دوسری زبانون کے جو لفظ ہین اُن کو عربی ثابت کیا گیا ہو،
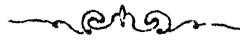
"اشتقاقِ کبیر" کے معنی یہ ہین کہ جن چند حرفون سے مختلف الفاظ مرکب ہوتے ہین،
اُن حرفون کے ایسے مشترک معنی قرار دیئے جائین جو اُن حرفون سے مرکب ہونے والے تمام الفاظ
مین عموماً پائے جائین، یقیناً یہ بڑی تلاش، محنت اور مغزپاشی کام ہے، اور اس سے زیادہ قوت متخیلہ کی وسعت
کا کام ہے، ہمارے علماے ندوۃ العلماء اور رفقاے دارالمصنفین مین مولوی ابوالجلال صاحب ندوی مدرس
مدرسۂ جمالیہ مدراس کو اس فن کا بڑا خبط تھا، تقریباً سات آٹھ برس جبتک وہ ہمارے ساتھ رہے اس موضوع
پر کام کرتے رہے، اور عربی مین تقریباً پانچ سو صفحون کی "کتاب پریشان" انھون نے لکھ ڈالی ہے، جس مین دو
چند حرفون کے الٹ پھیر سے کسی مشترک معنی کا پتہ اپنے جانتے دریافت کرلیتے تو بڑے فاتحانہ انداز سے و

بہرحال ہم کو مصنف المبین کا شکرگذار رہونا چاہیے کہ اُنھون نے اس "عہد جدید" مین "عہد قدیم" کی یاد دلائی اور جن علوم کی بساط زمانہ کے دست بردنے الٹ دی تھی ان کو دوبارہ یاران بزم کے سامنے بچھائی ہے

اے گل تو خرسندم تو بوے کسے داری

ندوۃ العلما نے اپنی تیس برس کی جد و جہد مین مشرقی علوم کا جو کتبخانہ فراہم کیا ہے وہ بہت کچھ قدر کے لائق ہے خصوصاً اس حالت مین کہ اس کتبخانہ کی توسیع و ترقی کیلئے اسکو کبھی کسی قسم کی مالی امداد کہین سے بھی نہین ملی اور آجکل یہ حالت ہے کہ یورپ اور مصر و شام و عراق کے عربی مطابع ہر ماہ اسلاف کی علمی دولت کے نئے نئے خزانے اگل رہے ہین، جنکا فراہم کرنا ایک بڑی رقم کا محتاج ہے، اس کیساتھ بہت سی ایسی کتابین ہین جنکی طبع کی امید نہین ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر حکیم سید عبد العلی صاحب بی ایس سی، ایم بی بی ایس خلف الصدق جناب مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما، جو اپنے پدر بزرگوار کی متروکہ خدمت کے جائز وارث ہوئے ہین، اور اسی لیے ارکان ندوہ نے انکو اپنی مجلس کا نائب ناظم اور کتبخانہ کا ناظم منتخب کیا ہے، انھون نے کتبخانۂ ندوہ مین علم حدیث کی بعض قلمی کتابون کی نقل و فراہمی کے لیے مسلمانون کے سامنے ایک اپیل شایع کی ہے جس کے لیے دو ہزار چار سو ساٹھ روپیے کا چندہ طلب کیا ہے، علم دوست حضرات سے امید ہے کہ وہ اس مختصر سی رقم کی فراہمی مین حوصلہ مندی سے کام لین گے،

شیخ ابو علی سینا سے کون واقف نہین، طب مین انکی مشہور تصنیف قانون ہے جو عام طور سے طب کے نصاب درس مین پڑھی پڑھائی جاتی ہے، یورپ کو اس مصنف اور اسکی اس تصنیف سے ہمیشہ شغف رہا کہ اسی کے بدولت یورپ مین علمی طب کا رواج ہوا چنانچہ ابو علی سینا پر ایک محققانہ رسالہ ایک جرمن فاضل نے ۱۹۳۰ء مین لکھا ہے، اب حال مین ابو علی سینا کی تصنیف القانون پر انگریزی مین ایک مبسوط کتاب ۱۲۰ صفحون مین لکھی گئی ہے، جس کے مصنف کا نام ڈاکٹر کیمرن گرونر ایم ڈی (O. CAMERON GRU-NER) ہے، لیوزک کمپنی لندن نے اسکو شائع کیا ہے، کیا عجیب بات ہے کہ ہم اپنی طب کو مردہ سمجھ رہے ہین، اور آج کی زندہ قومین، اس کو زندۂ جاوید بنا رہی ہین،

مقالات

ظاہریہ کے عقائد اور مسائل

اور

المحلّٰی لابن حزم

اسلام کے موجودہ فقہی مذاہب مین پانچ مذہب تو مشہور ہین یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اور اہلحدیث، دوسری اور تیسری صدی ہجری مین فقہ کے اور بہت سے ایسے امام مجتہد تھے جو کسی فقہی مذہب کے بانی تھے، اور اُن کے خاص اجتہادات تھے، جیسے سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ، مگر مناسب فضا اور موافق آب وہوا نہ ملنے کے سبب سے ان کے اجتہادات کو زندگی نہ مل سکی، اور نہ اُن کے مذاہب کو فروغ نصیب ہوا، اور اُن کے مسائل وتحقیقات کا ذخیرہ صرف کتابون مین مدفون ہوکر رہگیا،

بہرحال ان تمام مذاہب مین احکام فقہی کا مأخذ اور اصل واساس چار چیزین مانی گئی ہین، کتابؒ (قرآن پاک) سنتؒ (احادیث) اجماعؒ (اتفاق اہل علم) اور قیاسؒ، قیاس کے معنی یہ ہین کہ جو نیا مسئلہ ایسا پیش آئے جس کا جواب کتاب، سنت اور اجماع سے نہ مل سکے، اُس کو ان تینون مین کسی ایک مین جو مسئلہ ایسا بیان ہو چکا ہو، جو اس کے مشابہ اور نظیر ہو اُس پر وہی حکم لگادین، جو اُس مشابہ اور نظیر کا تھا،

مگر اس کے بعد ان مذاہب کی دو تقسیمین ہوئین، جنکو عام طور سے اہل حدیث اور اہل الرائے کہتے ہین، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل حدیث وہ ہین جو صرف حدیث پر عمل کرتے ہین، اور اہل الرائے وہ ہین جو مسائل مین عقل وقیاس ورائے کو دخل دیتے ہین حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ عقل و قیاس و مصلحت

ورائے سے اہل حدیث کی جماعت بھی خالی نہین،

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ مین ان دونون مین جو فرق بتایا ہے، اور ان دونون اصطلاحون کے درمیان جو امتیاز دکھایا ہے وہ بڑی نکتہ وری اور دقیقہ شناسی پر مبنی ہے، وہ فرماتے ہین کہ مجتہدین نے اپنے اجتہادات مین دو راہین اختیار کین، ایک نے تمام منصوص احکام کو سامنے رکھکر اُن مین مناسب مصلحتون اور حکمتون کو دیکھکر اصول وضع کر لیے، اور ان اصول کے مطابق ہر نئے مسئلہ کا جواب دیا، اور اگر کوئی حدیث اُن اصول کے خلاف نظر آئی تو گویا اُن اصول کلیہ کو پیش نظر رکھکر اس ایک حدیث کو لائقِ التفات نہین سمجھا، دوسرے فریق نے یہ اصول کلیہ نہین وضع کیے، بلکہ ہر حکم اور ہر ایک حدیث کو فرداً فرداً علحدہ علحدہ نظر سے دیکھا، اور اس سے مسائل کا استخراج کیا، پہلا فرقہ اہل الرائے اور دوسرا اہل حدیث کہلاتا ہے،

امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، امام مالک، بلکہ امام شافعی بھی اہل الرائے ہین، امام احمد بن حنبل، امام بخاری ترمذی، وغیرہ اہل حدیث ہین،

ان مجتہدینِ کبار مین ایک اور فرق بھی نمایان ہے، اصل یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری تک چونکہ عہد نبوت سے فصل زیادہ نہ تھا اور صرف نسلین بیچ مین گذری تھین اس لیے لوگون کے علم کا مدار روایت پر نہین، بلکہ عملی شکل پر تھا، اور یہی سبب ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو دوسری صدی کے وسط مین تھے اور صحابۂ کرامؓ کے صرف ایک واسطہ سے شاگرد تھے، یہ اصول قائم کیا تھا کہ "عمل اہل المدینۃ حجۃ" یعنی مدینہ والون کا متفقہ عمل بھی حجت ہے، کہ وہ اس وقت تک نبوت معصومہ، خلافت راشدہ، اور صحابۂ کرامؓ کی تعلیمات و تلقینات اور عملی زندگی کا ہو بہو نقشہ تھا، الغرض اس عہد تک صحابۂ کرامؓ سے براہِ راست فیض پانے والے زندہ تھے، اس لیے ان کو دیکھکر ان کے فعل و عمل سے استناد، ان کے نزدیک تنہا روایت سے کہین زیادہ معتبر اور مستحکم ذریعہ تھا،

پوری ایک نسل کے بعد امام شافعیؒ کا زمانہ آیا، اور اُن کی پوری ایک نسل کے بعد امام احمد بن حنبل کا زمانہ آیا، یہ وہ عہد تھا جب لوگون کی عملی زندگی مین تغیر آچکا تھا، عباسی حکومت کے دور مین تو مدن کے اختلاط علوم

کے ترجمے، اور ملحدین وزنادقہ کی پیدائش نے مذہبی فتنہ وفساد کے دروازے کھول دیے تھے، ایسی حالت مین امام شافعی پہلے شخص ہین جنھون نے روایات مین موقوف ومرسل ومنقطع اور مرفوع ومسلسل کے امتیازات پیدا کئے، ورنہ ان سے پہلے موقوف ومنقطع ومرسل اور صحابہ اور تابعین کے آثار اور طرزِ عمل پر بنیاد قائم تھی اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاری سے پہلے حدیث کی جو کتابین مدون ہوئین، اُن مین مرفوع ومسلسل حدیثون سے زیادہ آنحضرت صلعم کی سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کے آثار اور عمل بکثرت قلم بند ہوے، چنانچہ موطا امام مالک، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق، مسند دارمی وغیرہ مین زبانی مرفوع ومسلسل روایات کے بجاے اکابرِ صحابہ وتابعین کے آثار واعمال کی کثرت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قولی احادیث کے بجاے عملی صورت وکیفیت خواہ وہ صحابہ ہی کی کیون نہو، اُن کی نگاہ مین ان کی اہمیت زیادہ تھی، اور گویا آثار کو اخبار پر بھی اپنے ثبوت وصحت مین ترجیح حاصل تھی،

امام شافعی نے نظریہ اور امام بخاری نے عمل کر کے اس اصول کو پلٹ دیا، اور یہ کہا کہ رسول کے قول کے مقابلہ مین کسی کے قول اور عمل کا اعتبار نہین، روایت کو سنت پر، خبر کو اثر پر، اور قول کو عمل پر ترجیح دی، اس تشریح کے رو سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک آثاری، اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اخباری ہین،

ان بزرگون کے بعد اصفہان کے امام داؤد پیدا ہوے، ان کی ولادت ۲۰۲ھ مین کوفہ مین ہوئی، اسحاق بن راہویہ وغیرہ کے شاگرد تھے، ۲۷۰ھ مین وفات پائی، ان کا مسلک صرف یہی نہ تھا کہ خبر کو اثر پر، روایت کو سنت پر، اور قول کو عمل پر ترجیح ہے، بلکہ اُن کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ قیاس وراے اور نظر کی کوئی شرعی حیثیت نہین ہے، اور نہ وہ اجتہاد واستنباط کی کوئی اصل ہے، کہ اصول صرف تین ہین، کتاب، سنت، اور اجماع، اور اجماع بھی صرف صحابہ کا معتبر ہے، اس کے بعد کوئی اجماع اجماع نہین بلکہ مسلمانون مین اختلاف کا دور شروع ہو گیا تھا، اس لیے صرف اُن مسائل کا اعتبار ہے، جو قرآن یا حدیث صحیح مرفوع ومسلسل مین مذکور ہین یا جن پہ صحابہ کا اجماع ہوا ہے، تمام آیندہ مسائل کے حل کرنے کے لیے رسول نے وحی قرآنی، یا اپنی تشریح زبانی (حدیث) کے ذریعہ سے جو شریعت پیش کی ہے، یا اُس کے بعد جن باتون پر صحابہ نے اجماع کیا ہے، وہ تنہا کافی ہین، اور جو امور ایسے

پیش آئین جن کے متعلق قرآن وحدیث و اجماع مین کچھ نہین ہے، وہ شرعاً جائز ہین، کہ اصل اشیاء مین جواز ہے تا آنکہ شریعت اُن کو حرام یا ناجائز نہ بتائے،

امام داؤد کی فقہ نے بھی کافی اشاعت حاصل کی، انتہا یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بیچ مین سندھ مین ان کے پیرو ون کی کافی تعداد تھی، اس طرح دوسری طرف دنیاے اسلام کے دوسرے گوشہ اندلس مین اس کے حامی اور طرفدار موجود تھے، چونکہ یہ قیاس، راے اور نظر کے منکر تھے، اس لیے لوگون نے ان کو ظاہریہ (ظاہر پرست، لفظ پرست) کہنا شروع کیا، اور امام ربانی کی نسبت سے ان کو داؤدیہ کہا گیا،

اس فقہی مذہب کے سب سے بڑے علمبردار اندلس کے مشہور عالم علامہ ابن حزم ظاہری تھے، ان کا نام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم تھا، یہ اندلس کے خاندانِ وزارت سے تھے، خود بھی وزیر رہ چکے تھے، معقول و منقول دونون کے امام، اور علم حدیث، رجال، انساب اور کلام کے متبحر فاضل تھے، دنیا کے تمام فرق و مذاہب پر اُن کی نظر وسیع تھی، علم کلام مین الفصل فی الملل والنحل اُن کی مشہور کتاب ہے، جو عام طور سے چھپی ہوئی ملتی ہے، اس مین اُنھون نے فلاسفہ، حکماء، ملحدین، یہود، نصاریٰ، اور اہل سنت کے علاوہ دوسرے اسلامی فرقون پر نقد و تبصرہ کیا ہے، اور اُن کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور اہل سنت کے عقائد کو بدلائل عقلی ثابت کیا ہے،

وہ اپنی تحقیقات مین نہایت آزاد تھے، قرآن پاک اور سنت صحیحہ کے علاوہ دنیا مین کسی کے قول کو وہ حجت نہین سمجھتے تھے، اور نہ کسی کے کلام کو بلا دلیل مانتے تھے، بڑے بڑے امامون کے اقوال کو وہ نہایت بے پروائی سے ٹھکرا دیتے تھے، اور جو باتٗ اُن کو دلائل سے حق معلوم ہوتی تھی، اس کے اظہار مین وہ دنیا کی کسی قوت سے نہین ڈرتے تھے، اور نہ عام مسلک کے خلاف راے ظاہر کرنے مین حکومتِ وقت کی مصلحتون یا جمہور عوام کے جذبات کی پروا کرتے تھے، ایک بے نیام تلوار تھی جو اُنکے نزدیک حق کی نصرت اور باطل کی شکست مین آگے پیچھے داہنے بائین ہمیشہ اپنا وار کرتی رہتی تھی، اسی لیے عام طور سے یہ مثل ہو گئی ہو کہ یوسف بن حجاج ثقفی کی تلوار اور ابن حزم کی زبان، دونون سگے بھائی ہین،

[1] سفرنامۂ بشاری مقدسی ذکر اقلیم سندھ۔

عقائد وتحقیقات کے اس بے پروایانہ اظہار، اور دوسرے بزرگون کے حق مین سخت سے سخت الفاظ کے استعمال پر حکومت کی مصلحت نے مجبور کیا کہ وہ اُن کو جلاوطن کردے، ان کی عمر کا اچھا خاصہ حصہ انکی اس زبان درازی اور صاف گوئی کی بدولت بادیہ گردی مین گذرا، اور سلاطین نے ان کو اپنی حکومتون مین پناہ دینے سے انکار کیا، لیلاے علم کے اس مجنون نے آخر اسی صحرا نوردی کے عالم مین جان دی، ۴۵۶ھ مین وفات پائی، رجال وانساب، فقہ حدیث اور علم کلام مین تصنیفات کا بڑا ذخیرہ چھوڑا جنمین سے علم کلام مین ملل ونحل جسکا ذکر اوپر گذرا، اس وقت تک چھپی تھی، پھر اصول مین احکام چھپی، مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ اب فقہ مین ان کی کتاب مُحلّی بھی چھپنی شروع ہوئی ہے،

ہم کو جب سے علمی ہوش آیا ہے، کم کسی نادر کتابون کے شائق صاحب علم سے کتابون کا ذکر آیا کہ اس نے ابن حزم اندلسی کی محلّی اور ابن عبدالبر اندلسی کی تمہید اور استذکار کا ذوق وشوق ظاہر کیا ہو، لیکن جب سنا تو یہی سنا کہ کہین اُن کی ایک جلد ہے، کہین ایک ٹکڑا ہے کہین ان کے کامل نسخہ کا بھی پتہ نہین چلا، مگر خدا جزاے خیر دے مصر کے اہل علم اور اہل مطابع کو کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قدماے سلف کی اہم تصانیف کو شائع کرتے رہتے ہین، ابھی حال مین مصر کے چند علماء اور فضلار نے مل کر قدیم مذہبی تصانیف کی اشاعت کی کوشش کی ہے، اور مطبعہ سلفیہ اور مطبعۂ منیریہ کے نام سے دو مطبع خاص علماے حدیث کی تصانیف شائع کر رہے ہین، مطبعۂ منیریہ، محمد منیر عبدہٗ آغا دمشقی کی ملکیت ہے، اور اُنھین کے نام کی طرف منسوب ہے، اور اب تک تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام مین چالیس پچاس کتابین نئی یا دوبارہ اس نے چھاپی ہین، جنمین سے قابلِ ذکر تفسیر روح المعانی آلوسی حنفی، تفسیر سورۂ نور ابن تیمیہ، تفسیر معوذتین ابن قیم، بدائع الفوائد ابن قیم، الفوائد فی التصوف ابن قیم، نیل الاوطار شوکانی، ارشاد الفحول شوکانی، شرح مہذب نووی، تہذیب الاسماء واللغات نووی، احکام الاحکام ابن دقیق العید، الموافقات فی اصول الاحکام شاطبی، ایضاح الدلالة فی عموم الرسالة ابن تیمیہ، کتاب النبوات ابن تیمیہ، جامع بیان العلم ابن عبدالبر، الروض الباسم

عن سنۃ ابی القاسمؐ یمانی، تلبیس ابلیس ابن جوزی، فضل السلف علی الخلف ابن رجب حنبلی، الخشوع فی الصلوٰۃ ابن رجب حنبلی، ذم الموسوسین حازمی، الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار حازمی، مفاتیح العلوم خوارزمی، سنن ترمذی مع تعلیقات، مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ سیوطی، اور محلّی ابن حزم وغیرہ کتابین ہین، دوبارہ کتابین وہی چھاپی گئی ہین جنکا طبع اول مفقود اور نایاب ہو چکا تھا،

ان کتابون مین سے اس وقت ہم کو جس کتاب کا ذکر کرنا ہے وہ ابن حزم کی محلّی ہے، یہ عقائد اور فقہ مین ایک بے نظیر کتاب ہے، متعدد جلدون مین ہے، اس وقت تک اس کی دو جلدین شائع ہو چکی ہین، پہلی جلد توحید وعقاید سے لیکر طہارت، وضوء اور نواقض وضو تک، اور دوسری غسل، موزون پر مسح نماز اور نفل نماز تک کے مسائل پر مشتمل ہے، باقی جلدین زیر طبع ہین، اس کتاب کی تصحیح و مقابلہ اور تعلیق اور تحشیہ کی خدمت شیخ احمد محمد شاکر قاضی شرعی عدالت مصر نے انجام دی ہے، اسکی تصحیح ونقل کے لیے ایک نسخہ مصر کا ہے، اور دوسرا یمن سے آیا ہے، قاضی صاحب موصوف نے حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی تصحیح و تعلیق مین بڑی محنت اور جانفشانی کی ہے، اور سچ یہ ہے کہ اپنی تلاش وجستجو اور وسعت نظر کا بہت بڑا ثبوت پیش کیا ہے، جس قدر کتاب مین حدیثین ہین کتب حدیث سے مقابلہ کر کے ہر ایک کی تخریج کی ہے، اور مطبوعہ کتابون سے ہر حدیث کی جلد اور صفحون کا حوالہ دیا ہے، اختلافات بتائے ہین، صحابہ تابعین، اور دوسرے رجال کے حالات کی تفتیش کی ہے، اور ان کے مآخذ و مراجع کا نشان دیا ہے، نامانوس لغات کی تحقیق کی ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کی ہے کہ دوسرے مجتہدین پر مصنف کے بے پناہ اعتراضات، اور بے روک حملون پر تبصرہ کیا ہے، اور اسکی غلطیون کو جابجا واضح کیا ہے، اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے علاوہ مصر مین آجتک اس طرح کوئی کتاب اس اسلوب سے اڈٹ ہو کر شائع نہین ہوئی،

ابن حزم نے اپنی آزاد تحقیقات، اور غیر مقلدانہ اجتہادات مین جو روش اختیار کی اسکو بہت کم اہل علم نے پسند کیا، خود محلّی مین وہ نہایت بیباکی اور صفائی کے ساتھ ہر مسئلہ مین یہ کہتے چلے جاتے ہین کہ اسمین ابو حنیفہ نے

لی، شافعی نے یہ خطا کی، مالک نے یہ قصور کیا، ابن حنبل سے یہ لغزش ہوئی، سفیان نے دھوکا کھایا، اوزاعی نے
ما، اور ہرایک کی غلطی اور اپنی صحت پر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے چلے جاتے ہین، مگر ظاہر ہے کس اندھا
ب کی غلطیون کے پکڑنے مین خود اپنی غلطی کا میدان کتنا وسیع ہوجاتا ہے، اور دوسرون کی لغزش دکھانے
د اپنی لغزش کا کتنا ڈر رہتا ہے، چنانچہ ابن حزم کی خود اپنی غلطیان بھی بے لاگ محققین کی نگاہ مین
ین ہین، تاہم مجتہدانہ تحقیق کی قوت، اور استدلال کا زور، تقلید محض کی کمزوری سے علم کے شائق اور
نظر کے طالب کو زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز معلوم ہوتی ہے،

ملل ونحل کی طرح محلی مین بھی اُن کی بیسیون رائین ایسی ہین، جو جمہور ائمہ کی رایون کے خلاف ہین،
مین عورت کی نبوت کے امکان، اور سحر وجادو کے بے حقیقت ہونے کو جس طرح لکھا ہے، محلی مین بھی اس
ین بکثرت نظر آتی ہین، مثلاً گو ابھی محلی کی نکاح والی جلد شائع نہین ہوئی ہے، تاہم جیسا کہ ابن حجر
کیا ہے، ابن حزم نابالغ لڑکے کے نکاح کو ناجائز کہتے ہین،

محلی کی پہلی جلد مین پہلے توحید یعنی عقائد کا باب ہے، جو پچاس صفحون مین ختم ہوا ہے، مین بہت سی باتین مسلک
خلاف ہین، مثلاً

(۱) نفس اور روح دونون ایک ہین، (ص ۵)

(۲) موت کے بعد قبر مین پھر جسم زندہ نہین ہوتا، بلکہ صرف روح پر عذاب ہوتا ہے، جسم کی دوبارہ زندگی قیامت تک معلق گی
بعد قبر مین عذاب کیلیے روح کا پھر بدن مین لوٹایا جانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہین، صرف ایک حدیث
کا راوی منہال بن عمرو ہے، جو قوی نہین، (ص ۲۱ و ۲۲)

(۳) روح کو فنا نہین، نہ وہ کسی دوسرے جسم مین منتقل ہوتی ہے، بلکہ وہ ہمیشہ باقی رہتی ہے، اور اس مین عقل و احساس قائم
اور وہ اپنے عمل کے مطابق آرام یا تکلیف مین رہتی ہے، قیامت تک اسکا یہی حال ہوتا ہے، قیامت مین وہ روح
مین داخل ہوکر جنت یا دوزخ مین جائیگی، صرف انبیا علیہم السلام اور شہدا کی روحین موت کے بعد

ہی جنت مین رزق و نعمت پاتی ہین، (ص ۲۵ و ۲۶)

(۴) خدا محالات پر بھی قادر ہے، محال انسان کے لحاظ سے ہے، خدا کے نزدیک کوئی چیز محال نہین (ص ۳۳)

(۵) خدا کے ہاتھ، منھ، آنکھ وغیرہ اعضا ہین، اوران مین تاویل جائز نہین، (ص ۳۴)

(۶) قیامت مین خدا کے نیک بندے جو خدا کے دیدار سے سرفراز ہونگے، انکی یہ رویت انکی موجودہ دنیاوی قوت کے علاوہ کسی اور قوت کے ذریعہ ہوگی، (ص ۳۴)

(۷) خوارق و معجزات کا ظہور صرف انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے، اور اُن کیلئے تحدی شرط نہین (ص ۳۶)

(۸) سحر اور جادو صرف حیلہ گری اور نظر بندی ہے، اس مین قلبِ ماہیت نہین ہوتا، وہ صرف تخیل کا نام ہے (ص ۳۷)

(۹) جنت مین انبیاء علیہم السلام کے بعد اُنکی ازواجِ مطہرات کا درجہ ہوگا اُنکے بعد تمام صحابہ کا درجہ ہے (ص ۴۴)

(۱۰) تمام دنیائے اسلام مین ایک وقت مین صرف ایک امام ہونا چاہئے، اور اُس امام کی بیعت ہر مسلمان پر فرض ہے، اور ایک امام کے مرنے کے بعد تین دن سے زیادہ مسلمانون کا بے امام ہونا جائز نہین بلکہ اتنی تاخیر بھی درست نہین (ص ۴۵)

(۱۱) خضر علیہ السلام بھی انبیاء مین سے ایک تھے، اور وہ وفات پاچکے، (ص ۵۰)

(۱۲) لیکن ان سب سے زیادہ عجیب ابن حزم کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے، وہ گو عام مسلمانون کی طرح یقین رکھتے ہین کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوے، (ص ۱۰) اور یہ بھی یقین رکھتے ہین کہ وہ قیامت کے قرب مین نازل ہونگے (ص ۹) لیکن دوسری طرف جمہور کے خلاف یہ کہتے ہین کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے یعنی مرچکے لکھتے ہین:

وان عیسیٰ علیہ السلام لم یقتل ولم یصلب ولکن توفاہ اللہ تعالیٰ عز وجل ثم رفعہ الیہ، وقال عز وجل (وما قتلوہ وما صلبوہ) وقال تعالیٰ (انی متوفیک ورافعک الیّ) وقال اللہ تعالیٰ عنہ انہ

اور عیسیٰ علیہ السلام نہ تو مقتول ہوے، اور نہ اُن کو سولی دیگئی، بلکہ خدا نے اُن کو وفات دی، پھر اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (نہ تو یہودیون نے عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ سولی دی) اور حضرت عیسیٰ کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ (مین تجھکو وفات دینے والا ہون اور تجھکو اپنی

قال (وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شئ شهيد) وقال تعالى (الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها) فالوفاة قسمان نوم وموت فقط ولم يرد عيسى عليه السلام بقوله (فلما توفيتني) وفاة النوم فصح انه انما عنى وفاة الموت ومن قال انه عليه السلام قتل او صلب فهو كافر مرتد حلال دمه وماله لتكذيبه القرآن وخلافه الاجماع (ص ۲۳)

طرف اشارہ فرماتے ہین) اور خدا حضرت عیسیٰ کا قول نقل کرتا ہے کہ اُنھون نے عرض کی کہ (اور مین اُن پر گواہ تھا جب تک مین اُن مین تھا، پھر جب تو نے مجھے وفات دی تو تو اُن کا نگہبان تھا، اور تو ہر چیز پر گواہ ہے) اور خدا فرماتا ہے (کہ خدا وفات دیتا ہے جانون کو اُن کی موت کے وقت، اور جو نہین مرتی ان کو نیند کے وقت، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول (جب تو نے مجھے وفات دی) سے نیند کی وفات مراد نہین لی، تو صحیح یہ ہے کہ انھون نے موت کی وفات مراد لی، اور جو یہ کہے کہ وہ قتل ہوے یا سولی پائے وہ کافر ہے، مرتد ہے، اُس کا خون اور اس کا مال حلال ہے، کہ وہ قرآن کو جھٹلاتا اور اجماع کی مخالفت کرتا ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید مرحوم سے پہلے بھی کچھ علما اس مسئلہ مین ان کے ہم آہنگ گذرے ہین، اور آج کل جو لوگ اس مسئلہ کو کفر اور اسلام کا معیار بنا رہے ہین، وہ افراط و تفریط مین مبتلا ہین،

خیابانِ دانش

تیسرا باب،

بسلسلۂ گذشتہ

(فلسفہ کا مطلق فائدہ)

از مولوی ابوالقاسم صاحب سرور، دار الترجمہ، حیدرآباد دکن۔

عنوانِ بالا مین مطلق کا لفظ آگیا ہے، پہلے اس کی توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے، فلسفہ کی اصطلاح مین کسی شے کو قیود سے معرّا اور آزاد رکھکر اس کی تعمیم و عمومیت باقی رکھنے کا نام مطلق ہے، مثلاً زید کی قومیت، مذہب، پیشہ، تمول و عدم تمول، صحتِ اعضا یا عدمِ صحت، حسنِ شمائل یا اس کا عکس، عالم یا جاہل وغیرہ وغیرہ یہ سب قیدین ہین، ان سب سے اگر قطع نظر کرکے ذات زید سے صرف انسانیت کا مفہوم مراد لیا جاے تو اسے مطلق کہین گے، اس تصریح سے عنوانِ بالا کا مفہوم صاف ہوگیا کہ یہان فلسفہ کے اقسام وغیرہ سے بحث نہین بلکہ عام طور پر فلسفہ کی سودمندی کا اظہار مدِ نظر ہے اور فلسفہ سے بغیر کسی قسم کی تخصیص کی حدبندی کے تعمیم و عمومیت مراد ہے،

اصل بحث سے پہلے ابھی علوم مختلفہ کے فوائد کی نسبت کچھ کہنا ہے، مذاق عام نے فوائدِ علوم کی جو فہرست مرتب کی ہے اس مین پہلا نمبر اُن علوم کا رکھا ہے جن سے معیشت کی تھیلیان سونے کے پھلون اور چاندی کے پھولون سے بھری رہین، عوام کے نزدیک راس المال اور معیارِ التفات وہی علم سمجھا جاسکتا ہے جو افلاس کے درد کی دوا ہو، اور مادی جلبِ منفعت کے سکے جس سے برابر ڈھلتے رہین، یہ سوقیانہ مسلہ عام طبیعتون کے لیے کیسا ہی طمانیت بخش اور سکون آور کیون نہ ہو، لیکن ایک بالغ نظر کبھی بھول کر بھی اس ننگ و عار کو گوارا نہین کرسکتا کہ فوائدِ علوم کا معیار ایسا پست و فروتر قرار دیکر دامنِ روحانیت مادیت کے بدنما دھبون کے لیے وقف کردے،

اصل حقیقت یہ ہے کہ رجحانِ عام کے عکس و نقیض وہ علوم جنہیں ظاہری منفعت کا درجہ نہایت فروتر ہے، اربابِ نظر نے انھیں کی اولیت و افضلیت تسلیم کی ہے، کسی شے پر منفعت بخش یا مضرت رسان کا اُس وقت تک اطلاق نہیں ہو سکتا جب تک اس شے کی غایت مفید یا غیر مفید ہونے کی تعیین نہ کر دیا ئے، جس کے اکتساب کے لیے وہ شے کارآمد تصور کی جاتی ہے، مطلق[1] یا اضافی[2] یہی دو قسمیں ہر شے کی منفعت کی ہو سکتی ہیں، کسی علم کے حاصل کرنے سے ذہنی نشو و نما میں اگر آثارِ ترقی ظاہر ہوں تو یہ منفعت مطلق ہو گی، اور اگر یہ تحصیل و اکتساب علوم کی اور اور شاخوں کی معرفت اور اس کی تحصیل کی معاون ہو تو اسے منفعت اضافی سے تعبیر کیا جائیگا،

منفعت مطلقہ کی بھی دو صورتیں ہیں، داخلی[1] اور خارجی[2]، کسی علم کی تحصیل سے ذہن کی قوتوں کو بیدار کر کے ترقی کے راستہ پر لانے کا نام داخلی ہے اور اس کی وساطت سے کچھ تھوڑی بہت واقفیت کی سوغات کا ذہن تک پہنچنے کو خارجی کہتے ہیں، کوئی سودمند چیز اس وجہ سے لائقِ قدر و منزلت نہیں قرار پا سکتی کہ اس میں کوئی منفعت کا عنصر پوشیدہ ہے، جو منزلت و عزت کا باعث ہوتا ہے بلکہ اس کی اصل علت یہ ہے کہ وہ شے مفید کسی اور مفید تر شے کی تحصیل کا ذریعہ ہے، جو افراد اس اصول کے ماننے پر بھی فلسفہ کی علمی منفعت کے کھلم کھلا منکر ہیں، مغرب کے ایک نقاد نے اس عدمِ تسلیم کی دو وجہیں بیان کی ہیں،

پہلی[1] وجہ یہ کہ منکرین کے نزدیک نوعِ انسان خود اپنی ذات کی آپ غایت نہیں، بلکہ اُس کی ہستی اس سے علیحدہ ایک اور شئے خارج کے لیے معرضِ وجود میں آئی،

دوسری[2] وجہ یہ کہ معارضین کی نظر میں کسی شے کی صرف واقفیت حاصل کر لینا ذہنی ترقی کے مقابلہ میں گران وزن ہے،

پہلی[1] وجہ کی تردید اس طرح کی ہے کہ انسان حقیقۃً خود اپنی ذات کی آپ غایت ہے، اس بنا پر کہ یہی ذاتِ سرمدی کا مظہر اور اس کی آفرینش کی علت تزئین ہے، انسان کی ذات جس حد تک تکمیلِ اخلاق اور تہذیب کے زیور سے آراستہ ہو گی اُسی حد پر اوصافِ ربانی کے مرکز اور جمالِ یزدانی کے مظہر کا اس پر اطلاق آ سکے گا، اور یہ

بنا پر کہ اصل علتِ تخلیق یہی ہے کہ انسان اوصافِ ربوبیت کا حامل اور بقدرِ امکان اس کی ترجمانی مین مصروف و منہمک رہے، بتدریج اپنی ذات کو مدارجِ تکمیل پر پہنچانا اور اس کمال سے حقیقی مسرت و انبساط کا اندوختہ فراہم کرنا وجودِ انسانی کا ماحصل یہی ہے، نوعِ انسانی کا ہر فرد آپس مین ایک دوسرے کے لیے کسی منفعت و صنعت و حرفت یا دستکاری یا کسی اور پیشہ کی بدولت تعاون و نفع رسانی کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا ہے، بہ لحاظِ اصل غایت اور بہ اعتبار ذریعہ یا آلہ مدارجِ کمال پر فائز ہونے کے لیے اس قسم کی تعلیم کار آمد کہی جاسکتی ہے، جس کی دو مختلف سیر گاہین ہون، ایک کسبی یا اکتسابی، دوسرے آزاد،

قسم اول کے علوم مین نان و نمک کا سامان نظر آتا ہے جنھین اہلِ مغرب توس اور مسکہ کا ہوٹل کہتے ہین لیکن بطور استثنا انھین اکتسابی علوم مین بعض ایسے بھی ہین جو قواے اعلیٰ کے معین و مددگار ہین، اسی بنا پر ایسے علوم کو پہلی قسم سے خارج کر کے دوسری قسم مین جگہ دی ہے،

علم طب چونکہ معین قواے اعلیٰ کی مثال مین شامل ہے اس لیے اُسے قسم دوم مین شمار کیا جائیگا، بہر طور انھین علوم کا اکتساب حقیقی طور پر مفید و کار آمد کہنے کے قابل ہے جو انسان کو کار آمد و مفید ذخیرہ کا سرمایہ دار بنا دے، مگر حقیقت کے اعتبار سے لفظ مفید کا یہ محلِ استعمال بھی پورے طور پر صحت سے ہمدوش نہین

دوسری وجہ کی تردید اس طور پر کیگئی ہے کہ واقفیت حاصل کرنا اور قواے عقلی یا ذہنی کی بالیدگی و ترقی یہ دونون ایک چیز نہین ان مین کافی فرق کی دیوار حائل ہے، ذہن کے نشو و نما کے واسطے محض حصولِ واقفیت کچھ نفع بخش نہین بلکہ قوائے عقلیہ کا خود استعمال اور ان سے برابر کام لینے پر اس کی ترقی و تکمیل کا انحصار ہے، بنظرِ تعمق دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قوائے عقلی کی ترقی و تکمیل کے مقابلہ مین صرف واقفیت کی تحصیل نہایت ادون مرتبہ رکھتی ہے، نظری اور عملی علوم کے اکتساب و تعلم کا نصب العین صرف یہی ہے کہ خیالات اور قواے عقلیہ کو اس طرح غور و خوض کی محنت کا خوگر بنایا جائے جس سے ذہنی ترقی و تکمیل ہمدوش ہو، اس اکتساب سے صرف واقفیت کا حاصل کرنا ہرگز غرض و غایت نہین، یہی وجہ ہے کہ

جو علوم ترقی کی راہ مین پیشقدمی کررہے ہین اور جن کے آخری حدود نظر سے اوجھل ہین، ان کے مطالعہ کی شوق انگیزی یونہی ہے کہ ابھی وہ پورے طور پر معلوم نہین، اگر ان کی حقیقت کا راز تمام کھل چکا ہوتا تو پھر تحصیل حاصل مین ذوق و شوق کی جگہ نفرت لے لیتی، مطلقاً کسی علم کے دائرہ فہم مین آجانے سے اس کی تحصیل کا خیال خوشگوار زحمت جستجو کا جذبہ دل مین پیدا نہین ہونے دیتا، لطف جب ہی آتا ہے کہ تلاش کے قدمون سے جتنی راہ طے ہو چکی ہے، وہ طے شدہ راستہ چونکہ کدوکاوش کا نتیجہ ہے، اس وجہ سے وہ بیش بہا خزانہ کی طرح معلوم ہوتا ہے اور اسی سے آگے بڑھنے کی ہمت ہوتی ہے، یہ خیال ذوق و شوق کے پر پرواز لگا دیتا ہے کہ اتنا حصہ تو قبضہ مین آچکا، اب باقی ہی کتنا ہے، خیال کی اس حوصلہ افزائی سے سخت سے سخت پیچیدگی، سہل تر تصور ہی مین نہین معلوم ہوتی، بلکہ عملی میدان مین بھی اسی وزن و مقدار پر پوری اُترتی ہے، آگے کا راستہ چونکہ دیکھا بھالا نہین ہوتا اس لیے قدم قدم پر ناواقفیت کی ٹھوکرین کھانا اور سنگ راہ دریافت کرکے علمی تجربہ کی ٹھوکر سے اُسے ہٹا دینا یا مصلحت وقتی کے اقتضا سے اس سد راہ سے کترا کر نکلنے اور اسی دُھن مین آگے بڑھنے مین جو کیف انبساط ہے وہ علوم معلومہ کے کسب مین نہین،

حقیقت یہ ہے کہ راہ طلب مین سنبھل سنبھلکر گرنا اور گر گر کر سنبھلنے کا مزہ اہل ذوق ہی محسوس کرسکتا ہے، علمی رکاوٹون کے خارزار کو تحقیق سعی و کوشش کے دست و بازو سے چھانٹنے مین جو روحانی بالیدگی اور حقیقی نشاط و انشراح کی تلذذ آفرین کیفیت پیدا ہوتی ہے، مادی دنیا مین اس کی نظیر و مثال کے لیے کوئی منظر مسرت ڈھونڈنے سے بھی نہین مل سکتا،

طہر علمی بیداری، حقیقی ہوشیاری و ترقی اور تکمیل و کمال کا روحانی دلچسپ جمگھٹا گرد و پیش جمع کردیتی ہے، اور وہی علم استحقاق منزلت رکھتا ہے جو انسان کے قوائے دماغی کو غور و خوض کی ورزش پر آمادہ کردے، اس معیار سے فلسفہ کو دیکھو کہ اس مین چارون طرف حقائق کے پرپیچ لق و دق میدان تصور کی حد نگہ سے بھی آگے تک پھیلے ہوئے ہین، خانوادۂ دماغ کے نبرد آزما یعنی قوائے عقلیہ حقیقت کے دام

سربستہ کے دریافت کرنے کا بیڑا اٹھا کر حقائق کو بے نقاب دیکھنے کے شوق مین راستون کے ہیر پھیر، کج و واکج مقامات، سنگلاخ راہون مین ان کی وہ ستم کی دوڑ دھوپ رہتی ہے کہ دم چڑھنے لگتا ہی، دانتون پسینہ آجاتا ہے، لوہے کے چنے چبانا پڑتے ہین مگر دامنِ ہمت ہاتھ سے نہین چھوٹتا، شوق کا یہ عالم کہ آثارِ منزل ناپدید، راہ مین سے راہ اور ایک راستہ مین سے نئے نئے راستے اور ہر راہ کے ایک جداگانہ پیچ و خم کا انتکال اور صعوبتِ منزل تک پہنچنے کی دھن مین ان پر گران نہین گزرتی جتنی دشواریان پیچیدگیان سامنے آتی جاتی ہین ان مختلف صعوبتون کی محض اطلاع اور ان کے معلوم ہو جانے کو ہی اس سفر کا زادِ راہ سمجھا جاتا ہے،

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حقیقۃً سرمایۂ منفعت اور گنجینۂ منزلت وہی علم قرار دیا جا سکتا ہی جس سے قواے عقلیہ محنت کے اکھاڑے مین غور تام کے ڈنڑ پیلین؛ اس معیار کے اعتبار سے منفعتِ علم کو پیش نظر رکھ کر فلسفہ کو جانچو کہ اس علم سے بڑھکر قوائے عقلی کی ورزش اور کیا ہوگی؛ اس لیے کہ علتون کے استقصا سے معلولات کے علم حاصل کرنے کا نام فلسفہ ہے، اور اس لحاظ سے اُسے تجسّسِ علل کے نام سے بھی موسوم کر سکتے ہین، کیونکہ ہر علت اپنے سے مافوق اور کسی علت کا معلول ہوا کرتی ہے، اگر یہی سلسلۂ جستجو باقی رکھا جائے تو انتہا مین علت العلل تک پہنچنا اس کا لازمی نتیجہ ہے، ہر ایک معلول کا پیکر دو یا کچھ زاید علتون کے عناصر سے تیار ہوتا ہے، کسی چیز کا نفسِ وجود اطمینان کے لائق نہین جبتک اس کی علت معلوم نہ ہو، یہ علم جستجوے علل کے اصول کی طرف رہبری کرتا ہے، کسی شے کا بغیر علّت کے ظاہر ہونا بالکل غیر مفہوم طریقہ ہے، علت و معلول کا طویل سراغ علت اولی کے بامِ حقیقت تک پہنچا کر دم لیتا ہے، اگرچہ اسکی کنہ اور ماہیت فہمِ بشر کے لیے ایک غیر مفہوم امر کے مماثل ہے مگر تاہم وجود کی علت غائی یا علت تامہ کا ناقابلِ انکار سراغ ضرور ملجاتا ہے اور یہی حد نفس ناطقہ کے لیے باعثِ طمانیت تسلیم کیگئی ہے، غور و خوض کے میدان مین جتنا قدم آگے بڑھے گا اتنا ہی علل بعیدہ کا سامنا ہوگا اور ان مین سے تدریجاً ہر علت سادہ اور سادہ تر

دکھائی دے گی۔ ممکنات کی تحلیل دیرپا نہین ہوتی، یہ شمع تحلیل کے دو ایک ہی جھونکون سے گھل گھل کر بہت جلد ختم ہو جاتی ہے، اس کے مقابلہ مین تصورات یا خیالات کی قندیل زیادہ دیرپا ہوتی ہے، علت و معلول کی تلاش ہوتے ہوتے آخر مین وحدت مطلقہ کا سراپردہ آجاتا ہے جہان کل بشری قویٰ ہیچ و ناکارہ نظر آتے ہین، تو فلسفہ جستجوے علل کے اصول و قوانین کی تعلیم دیتا ہے، جس کی بدولت لم یلد و لم یولد کے حقیقی مصداق کی قربت تک رسائی ہوتی ہے،

ظاہر ہے کہ قواے عقلیہ کا غیر معمولی محنت برداشت کئے بغیر اس علم کا مدعا کب حاصل ہو سکتا ہے' اس بنا پر فلسفہ کے سودمند اور مفید ہونے مین ادنیٰ شک کی گنجایش نہین رہتی، اس کے ماسوا فلسفہ کی ایک خاص قسم (الٰہیات) کی وجہ سے بھی کوئی اور علم فلسفہ کی برتری تک نہین پہنچ سکتا، کیونکہ الٰہیات مین افضل ترا شیا کی مبسوط بحثین ہی اس کا آغاز و اختتام ہین، منزلت موضوع کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علت العلل واحد احد، ارواح انسانی اور ان کے مستقبل کی روداد کے لبریز حیرت تذکرون کے سوا مادیت کے ناکارہ رطب و یابس کا ایک حرف تک جس مین نہین آنے پاتا،

بزم مخلوقات مین نفس ناطقہ کی صدر نشینی، اس کی سحر طراز قدرت، علم نفس ناطقہ کی معرفت کا وحدت مطلقہ کی طرف رہبری کرنا، اور بقول بعض اثبات واجب کے قوی دلائل کا نتیجۂ نفس ناطقہ سے دستیاب ہونا، فکر بشر کے منتہاے پرواز کی تعیین اور اس منتہا سے اس جانب کے پراسرار طلسم کی حد بندی جہان اس کی باریابی ممکن نہین یہ اسی مہر عالم افروز کی شعاعین ہین، اس بیان سے معلوم ہوا کہ فلسفہ ذہن کی صیقل، اس کی بالیدگی، نشو و نما، ترقی و تکمیل کا بہترین سبب و ذریعہ ہے،

ارسطاطالیس، فلسفہ کے متعلق کہتا ہے کہ طلب علم مین قواے دماغی کا محنت کش کا خوگر ہونا فلسفہ کی یہی غایت اصلی ہے، نہ کہ صرف مجرد علم، بحث بالا مین ترقی کا لفظ بہ کثرت آیا ہے، اس کے متعلق فقط اتنی ہی توضیح کفایت کرتی ہے کہ ترقی ذاتی جد و جہد کا کرشمہ اور ہمت ذاتی کے نہال بارآور کا

گلِ نوشگفتہ ہے، اکتساب و تحصیل سے انسانی ادراک کے دست و بازو ہمت کی طاقت سے جتنے قوی ہون گے اسی حد پر تعلیم اپنے مدعا اور حقیقی نصب العین سے قریب تر ہو جائے گی،

ہر فرد بشر کا بغیر تخصیص فرض اولین یہی ہے کہ اپنی ذات کا خود معلم بنے تجربہ کے فلاسفر کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے نہایت مستعدی اور عرق ریزی سے تمام و کمال درسیاتِ دانش نکال کر وسیع سرمایۂ فہم و خرد فراہم کرے، ہمت افزائی کی ترقی اور کیفیت پیدا کرنے کے لیے پہلے طالب کے حرکات و سکنات کے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ وہ ذہنی تفکر کی سلسلہ جنبانی کی طرف مائل اور اس پر عامل بھی ہے کہ نہین، نفی کی صورت مین ترغیبات کے ذریعہ سے اس کی توجہ والتفات اس طرف منتقل کر دینا غیر ممکن نہین ممکن ہے،

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۴)

نو زیرِ حمایت قبائل

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

انگریزی سیاست ایک ننھے سے زندہ جسم کی طرح ابتدا میں بہت چھوٹی سی شکل میں پیدا ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ترقی کرتے کرتے ایک دیو ہیکل شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے، شروع میں دوستانہ معاہدہ ہوتا ہے، پھر اس میں وقتاً فوقتاً نہایت غیر محسوس طور پر قیود کا اضافہ ہوتا جاتا ہے کہ اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے، اور جب معاہد اس کے ذریعہ سے گرفت میں آ گیا تو پھر جنبش نہیں کر سکتا، یہ ایک عام اصول ہے جو عموماً برتا جاتا ہے اور بہت کامیاب ثابت ہوتا ہے،

اس عام اصول کے علاوہ ملک کی حالت کے لحاظ سے اور بھی مختلف طریقے استعمال ہوتے ہیں، ان ممالک میں جہاں زیادہ جہل و جمود اور لامرکزیت ہے، وہاں تفرقہ کا استعمال زیادہ مفید ثابت ہوا ہے، بحرِ عرب کے ساحل اور حضرموت اور یمن کی سرحدوں پر شمالاً تا [illegible]قیہ میں اسی قسم کے قبائل آباد ہیں اور انھیں قبائل کے انقیاد و سرکشی پر بحرِ عرب کی بندرگاہوں کے امن و بد امنی کا دارومدار ہے، ان میں سے بعض راہزن ہیں، قتل و غارت گری ان کا پیشہ ہے لیکن اکثروں میں یہ وحشت نہیں ہے، لیکن جنگجو اور سرکش سب ہیں، انگریزوں نے ان سب کو زیرِ حمایت لے رکھا ہے، اس لیے ان کی بندرگاہیں محفوظ ہو گئی ہیں، اور بوقت ضرورت یمن کے مقابلہ میں بھی یہ کام میں لائے جا سکتے ہیں،

ابتدا میں ان سے دوستانہ معاہدہ ہوا تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ سب زیرِ حمایت آگئے، سب سے

پہلے عزیبی سے معاہدہ ہوا کہ "ہم ایک دوسرے کے دوست ہین اور امن و امان اور باہمی امداد کا عہد کرتے ہین، ہمارے مقاصد اور دلی خواہشات متحد ہین، عدن مین ہمیشہ امن رہیگا، اگر انگریز ہمارے قبیلہ کے کسی آدمی کو یا ہم کسی انگریز کو پکڑینگے، تو اسکو کسی قسم کی تکلیف نہ دیجائے گی اور نہ اہانت کیجائیگی"۔ پھر ۱۸۳۹ء مین یافع اور حواشب وغیرہ کے ساتھ اسی قسم کے معاہدے ہوے، لیکن ان مین مزید شرائط کا اضافہ ہوتا گیا، جنمین ان کے اختیارات اور آزادی کی تحدید ہوتی گئی، مثلاً "قبیلہ کا سردار خواہ وہ شیخ ہو یا سلطان، سلطنت برطانیہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسری سلطنت سے نہ خط وکتابت کر سکتا ہے، نہ معاہدہ کر سکتا ہے نہ ان سے کسی قسم کی مالی اور غیر مالی امداد دے سکتا ہے، اور نہ اپنی ملکیت کا کوئی حصہ کسی بیرونی سلطنت کو کرایہ پر یا رہن مین یا عطیہ کے طور پر دے سکتا ہے"۔ اس معاہدہ نے قبائل کے بیرونی تعلقات کو بالکل منقطع کر دیا اور اس کے بدلہ مین مرتبہ کے اعتبار سے قبیلہ کا وظیفہ مقرر ہو گیا،

لیکن ابھی آزادی کا تسمہ باقی ہے، کیونکہ قبائل اندرونی معاملات مین آزاد ہین، لیکن ان کی باہمی آویزش کے تصفیہ مین یہ تسمہ بھی باقی نہین رہتا، آزاد قبائل ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہین، خاص طور پر عربی قبائل تو اس وصف مین مشہور ہین، چنانچہ جب کسی ایسے دو قبیلون مین جو انگریزون کے وظیفہ خوار ہین کوئی اختلاف رونما ہوا، تو وہ فوراً ثالث بن گئے، اس ثالثی سے ان کو کافی فائدہ پہنچ گیا، انھون نے دونون کے حدود مقرر کر کے پتھر نصب کر دیا، لیکن ان کی زیر سرپرستی جو صلح ہوئی اس مین ایک فریق کو اپنا نقصان محسوس کرنا ایک فطری امر ہے، چنانچہ یہ فریق ان کے مقرر کردہ حدود توڑ دیتا ہے اور دوسرا فریق صلحنامہ کی آڑ پکڑ کے لڑتا ہے اور چونکہ انگریز ثالث تھے اس لیے ان سے امداد کا خواہان ہوتا ہے، چنانچہ یہ ان کی امداد کرتے ہین اور اس امداد سے حمایت کا دور شروع ہو جاتا ہے اور جو قبیلہ پہلے برابر کا معاہد تھا وہ زیر حمایت آجاتا ہے، اس قسم کے زیر حمایت قبائل کی تعداد نو ہے، ان کے مختصر حالات یہ ہین:

صبیحہ | یہ قبیلہ متعدد قبائل عطیفی، بریمی وغیرہ کا مجموعہ ہے، اور عدن کے مغربی سمت مین عمران سے

باب المندب تک لبِ ساحل آباد ہے، جنگ وغارتگری ان کا پیشہ ہے' ان مین کوئی ضبط ونظام نہین'
شیوخ اور عقال ان پر بدویانہ حکومت کرتے ہین' ان مین ۲۰ ہزار نفوس ہتھیار اٹھانے کے لائق ہین'
ان کا کوئی متعین وظیفہ مقرر نہین ہے' انعام کے طور پر ہر تیسرے مہینہ کچھ رقم ملجاتی ہے جس کی تعداد
سو سے زیادہ نہین ہوتی' یہ رقم عقال عدن سے وصول کرلاتے ہین اور بعضون کو کچھ کے ذریعہ سے ملتی

آلِ فضل | یہ قبیلہ عدن کے مشرق جانب عبادلہ کے حدود سے لیکر مغربی عوالق تک لبِ ساحل سو میل
کے رقبہ مین آباد ہے، عدن کے شمالی مشرق مین ان سے زیادہ تندخو اور طاقتور کوئی قبیلہ نہین ہے،
سلطان عبدالقادر یہان کے رئیس ہین' ان کو ۴۰۰ ماہوار وظیفہ ملتا ہے اور ۹ ضرب توپ کی سلامی مقرر
ہے، ان کے پاس پچیس ہزار مسلح فوج ہے' یہ فوج بدوی ہے اور نہایت شجاع وجنگجو ہے' عبدالقادر
کو اپنے حدودِ حکومت وسیع کرنے کی ہمیشہ فکر رہتی ہے' چنانچہ انھون نے اس مقصد کے لیے انگریزون
سے اسلحہ بھی مانگے تھے، لیکن انھون نے نہین دیئے' اس سے دونون کے تعلقات ناخوشگوار ہوگئے،

العوالق | یہ بھی لبِ ساحل آلِ فضل کے قریب آباد ہین، ان کا رقبہ آبادی" نوائی نسخہ مجیبیہ " ہین سب سے
زیادہ وسیع ہے، مشرق اور شمال دونون سمت مین سو میل سے اوپر کے رقبہ مین پھیلے ہوئے ہین' انکی
آبادی دو حصون مین منقسم ہے' بالائی عوالق اور نشیبی عوالق' بالائی عوالق پر سلطان صالح بن عبداللہ
عوالقی حکمران ہین' انصاب ان کا صدر مقام ہے' نشیبی حصہ مین ایک اور سلطان حکمران ہین' انکی طاقت
سلطان صالح سے زیادہ ہے' ان دونون کے علاوہ عرقا اور رمینا مین علحدہ حکمران ہین' بالائی عوالق
کے شیوخ اور علماء مین مال ودولت کی طمع بہت ہے اور وہ آزادی کو بھی اس پر قربان کردیتے
ہین، چنانچہ یہ لوگ برطانوی گورنمنٹ کے وظائف کے عوض اپنے ملک مین اس کا اثر ونفوذ بڑھاتے
ہین، ان مین اور حکومتِ عدن مین سنہ ۱۹۰۳ء مین ایک معاہدہ بھی ہوا تھا' نشیبی عوالق کے تعلقات
بھی انگریزون کے ساتھ دوستانہ ہین' سنہ ۱۸۵۵ء مین ان سے اور انگریزون سے معاہدہ ہوا تھا' اس کے

بعد ایک اور معاہدہ ہوا کہ سلطان افریقہ کے غلام اپنے ملک مین نہ آنے دینگے، یہان کے سلطان کو سو روپیہ ماہوار
وظیفہ ملتا ہے، ان کے پاس ۳۰،۰۰۰ ہزار آدمی اسلحہ باندھنے کے لائق ہین، لیکن انگریزون سے تعلقات، ساحل
پر آبادی، غیر اقوام سے اختلاط کے باوجود انکی وحشت علی حالہ قائم ہے، حتی کہ بعض قبائل اسلام سے بھی
واقف نہین اور جاہلی روایات پر قائم ہین،

الواحدی | یہ قبیلہ عواذق کے پاس شمال مشرق مین آباد ہے، سلطان علی بن محسن یہان کے حکمران ہین، حبان
ان کا پایہ تخت اور بلحاف بندرگاہ ہے، برٹش گورنمنٹ سے ان کو وظیفہ ملتا ہے، حبان تاریخی مقام ہے،
کسی زمانہ مین علم و ادب مین مشہور تھا اور اب بھی یہان علماء کی ایک مختصر جماعت موجود ہے، الواحدی مین
بداوت بہت زیادہ ہے، اسی لیے یہ لوگ ہمیشہ حمایت کی قید توڑنے کی فکر مین رہتے ہین،

العوازل | یہ آل فضل اور عواذق کے درمیان مین آباد ہین، ان کی آبادی کا نام وثنیہ ہے، یہ مقام نہایت
سرسبز و شاداب ہے اور یہان کے باشندے نہایت سخت مزاج اور تندخو ہین، کسی زمانہ مین وثنیہ اپنے
تمرد اور سرکشی مین مشہور تھا، چنانچہ ایک مرتبہ انھون نے انگریزون کی حمایت کا قلادہ اتار کے پھینک دیا تھا،
اور عدن کی فوج کو نہایت فاش شکست دی تھی لیکن عواذق کی وجہ سے جو ان کے ہمسایہ اور انگریزون
کے دوست اور ان کے مددگار ہین، ان کا ملک اجنبی اثر سے پاک نہ ہو سکا، اب بھی ان مین اور انگریزون
مین کھٹک رہتی ہے کیونکہ انھون نے ایک مرتبہ برٹش اقتدار پر نہایت سخت ضرب لگائی تھی، انگریزون نے
اس کے انتقام مین عدن کے عوازل کو کوڑے لگا کر شہر بدر کیا،

یوافع | سمت مغرب مین وادی رقوح کو طے کرنے کے بعد سپید کوہستانی سلسلہ کے جنوب مین شاداب
قطعہ کے اُس پار ان کی آبادیان شروع ہوتی ہین، عواذق کی طرح ان کی آبادی بھی دو حصون پر تقسیم ہے
ان دونون حصون کے علٰحدہ علٰحدہ حکمران ہین، ان حکمرانون کے علاوہ متعدد شیوخ بھی ہین، نشیبی یوافع
کے حکمران سلطان محسن بن علی ہین، ۱۸۳۹ء سے ان مین اور انگریزون مین دوستانہ تعلقات تھے، لیکن

ن سے کشیدگی پیدا ہوگئی ہے کیونکہ انھون نے ان سے مشاہرہ مین اضافہ چاہا جس کو انھون نے

ریا، یہ سب بدوی ہین، اسی لیے دوستی اور دشمنی دونون مین نہایت سخت ہین ۱۸۷۳ء مین ان

فضل مین بگڑ گئی تھی جس کا سلسلہ ۲ سال تک قائم رہا، آخر مین ۱۸۹۵ء مین انگریزون نے اپنی

لیکر دونون کی کشیدگی رفع کی،

لائی یوافع کی حالت نشیبی سے بالکل مختلف ہے، ان کے سلطان فضل بن محمد کو انگریزون

علق نہین ہے، وہ نہ اُن کی برتری تسلیم کرتے ہین اور نہ اُن سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے

ن سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہین، یہ حصہ نواحی تسعہ مین عبادلہ کی طرح بہت ترقی یافتہ اک

اس کی تجارت کا سلسلہ ہندوستان اور بحرِ ہند کے جزائر تک پھیلا ہوا ہے، یہ حد درجہ

ریت پسند ہین اپنے دوسرے ہمسایون کے سامنے فخریہ بیان کرتے ہین کہ آجتک ہمارے

ئی اجنبی آسکا اور نہ آئیندہ آسکیگا گذشتہ ایام مین حکومتِ عدن نے عربان شعیب کے ایک

ہے اور ان کے درمیان سرحد کی حفاظت کے لیے وظیفہ دیکر مامور کیا تھا،

یہ قبیلہ منجملہ اُن قبائل کے ہے جنکو حکومتِ عدن باوجود کوشش کے دوسرے قبائل کی طرح

مین نہ لے سکی، ۱۸۹۵ء تک ان سے باضابطہ تعلق نہ پیدا ہوا تھا لیکن ان کے ہمسایہ سلطان

کے توسط سے یہان کے شیخ کو برابر وظیفہ ملتا رہا تا آنکہ دوسرے قبائل کی طرح ان سے بھی

لیا، لیکن اس معاہدہ کے بعد بھی پوری طور پر یہ حمایت مین نہ آئے جو کچھ حمایت اور دوستی

رائے نام ہے،

قطیبی صبیحہ کی طرح جنگجو ہین، پہلے یہ ضالع اور علوی سے بہت لڑا کرتے تھے، اور قافلون

ں وصول کرتے تھے اور کبھی کبھی راہزنی بھی کر لیتے تھے پھر متعاہدین کے زمرہ مین آگئے لیکن پوری

یت نہین قبول کی، چنانچہ دارالاعتماد کو اب تک ان پر بھروسہ نہین ہے، ان کے موجودہ

شیخ کا نام شیخ محمد صالح اخرم ہے، جب یمن نے نواحی تسنہ کو اپنے ممالک محروسہ مین شامل کرنے
کے لیے ان پر حملہ کیا تو اولاً انھون نے مقابلہ کی کوشش کی لیکن پھر مجبور ہوگئے اور امام یحیٰی کی ماتحتی قبول
کر لی کیونکہ دار الاعتماد نے مال اور اسلحہ سے ان کی مدد نہین کی،

حواشب | یہ قطیبی لحج اور صبیحہ کے قریب آباد ہین، سب سے پہلے انگریزون سے انھون نے اور عزیبی
نے معاہدہ کیا تھا، یہ زر کے بندہ ہین جو روپیہ دے اُسکی حمایت مین لڑتے ہین، علی بن مانع ان کے حکمران
ہین مسیمیر ان کا صدر مقام ہے، تین سو ماہانہ ان کو وظیفہ ملتا ہے اور چھٹے مہینہ برآمد ہوتا ہے، اس کے
عوض یہ راستہ کے امن و امان کے ذمہ دار ہین، اِن کو امام یمن سے سخت پرخاش ہے اور انگریزون
کے مقابلہ مین اِن کی دوستی قبول کرنے پر آمادہ نہین ہوتے، ان کے پاس ۲ ہزار سپاہی ہین، امام
یحیٰی کے حالات مین گذر چکا ہے کہ اُنھون نے ایک مرتبہ اِن پر حملہ کیا تھا لیکن انگریزی طیارون نے
بمباری کر کے یمنی فوجون کو منتشر کر دیا، یہ وہ تو مقامات ہین جو انگریزون کے زیر حمایت یا کم از
کم اِن کے وظیفہ خوار ہین،

عقارب | اِن کے علاوہ اسی رقبہ مین دو اور قبائل عقارب اور ضالع ہین، عقارب کا رقبہ گو نہایت
مختصر ہے لیکن بہت قدیم ہے اور ابھی تک آزاد ہے، یہ قبیلہ درحقیقت عبادلہ کی ایک شاخ ہے، لیکن
بارہوین صدی عیسوی مین اس نے الگ مستقل حکومت قائم کر لی، اسکی چند خصوصیات قابلِ ذکر ہین،
ان مین کسی دوسرے قبیلہ کی آمیزش نہین ہے، جو تعداد بھی ہے وہ سب ایک جگہ آباد ہے اور شروع
سے اب تک ایک حالت پر قائم ہے، جو تعداد ان کی پہلے تھی وہی اب بھی ہے اور جو حدود اُس وقت
تھے بعینہ وہی اس وقت بھی ہین، یہ لوگ اپنے مرکز بیر احمد پر اپنی اس حالت پر قانع اور شاکر ہین، یہ بھی عجیب
اتفاق ہے کہ ان کی تاسیسِ حکومت کے وقت سے معلوم نہین کتنے انقلابات ہوئے لیکن ان پر اسکا
کوئی اثر نہ پڑا حتی کہ جب لحج پر تباہی آئی تو یہ لوگ قربت کے باوجود محفوظ رہے،

ضالع | یہ قبیلہ متعدد قبائل پر مشتمل ہے اور صنعاء کے راستہ مین شمال جانب علویون کے مغربی سمت آباد ہے، یہان کے پہلے حکمران امیر نصر بن شائف تھے لیکن اب یہ مقام امام یحیٰ کے زیر سیادت ہے، ضالع کے شیوخ کے اجداد ائمۂ یمن کے غلام تھے اور ضالع پہلے سلطنت یمن کا ایک حصہ تھا گذشتہ صدی مین یہان کے مشائخ نے مستقل حکومت قائم کرلی تھی، لیکن اب پھر زیدیون نے امیر نصر بن شائف کو نکال کے دوبارہ ممالک محروسہ مین شامل کرلیا،

فہرست وظائف | ذیل کے نقشہ سے نواحی قسمہ اور بعض دوسرے شیوخ کے وظائف اور ان کی فوج کا حال معلوم ہوگا،

نام حکمران	مقام یا قبیلہ کا نام		وظیفہ ماہوار	تعداد فوج
سلطان عبدالکریم فضل بن علی	سلطان لحج		۳۲۸۰	۲۰۰۰
سلطان عبدالقادر بن حسین فضلی	سلطان شقرہ		۳۶۰	۱۰۰۰
سلطان صالح بن عبداللہ عولقی	سلطان بالائی عوالق	عوالق	۲۵۰	
شیخ محمد محسن بن فرید عولقی	شیخ بالائی عوالق		۳۵۰	۳۰۰۰
شیخ محسن بن رویق	״ ״ ״		۱۵۰	
سلطان ابوبکر بن ناصر	سلطان نشیبی عوالق		۱۶۰	۱۰۰۰
سلطان محسن بن علی	سلطان بنی قاصد	بلاد یافع	۲۰۰	
سلطان صالح بن عمر	سلطان ضبی		۸۰	۳۰۰
شیخ سالم بن صالح بن عاطف جابر	شیخ ضبی		۸۰	
شیخ ابوبکر علی	شیخ موسطہ		۱۰۰	
شیخ محمد علی محسن	״		۵۰	

نام حکمران	مقام یا قبیلہ کا نام	وظیفہ ماہوار	تعداد فوج
شیخ عبدالرحمٰن مفلحی]	شیخ یوافع	۸۰	
سلطان محسن بن علی بن مانع	سلطان حواشب	۴۰۰	۱۰۰۰
امیر نصر بن شائف	امیر ضالع	۳۰۰	۱۰۰۰
شیخ محمد صالح اخرم	شیخ قطیب	۱۰۰	۵۰۰
شیخ عبدالنبی علوی	شیخ صبیب	۱۰۰	۵۰۰

ولی کا غیر مطبوعہ کلام

از

مولوی نصیر الدین احمد صاحب ہاشمی ایم آر اے ایس ایف آر ایس اے

(۲)

دیگر

اے یار من بھلا ہے گا — بیچ اس کے بہت جفا ہے گا

جانِ من اس اوپر فدا ہی گا — . . . مز مبتلا ہے گا

عشق بازون بیچ تکا ہے گا

جان من اس طرف تون آیا کر — ایک دو بات خوش سنا یا کر

ہر کسی کون گلے نہ لا یا کر — بات کہکر سبھی بھلا یا کر

اس مون تیرا بہت بھلا ہے گا

جانِ من ہر کہون پہر امت کر — سخن بد کہون سنا مت کر

بانکہ دغندہ سون ملامت کر — ان دغل باز کون لیامت کر

زانکہ بسیار بیوڈہ[1] (؟) ہے گا

تہمتان لوگ کرتے ہین مجہ پر — سب ترے واسطے سنے دلبر

تون مرا یار ہو کسی سون نہ ڈر — لاک تلوار گر پڑی سر پر

سر تری راہ پر فدا ہے گا

ورنہ کھچون جو مین تلوار — ملک ہندوستان کرون گلزار

[1] معارف: بیہُدہ (؟)

جس کے سر پہ لگائی مار ون وار یکسون دو کرونؑ دو سون چار

تیغ میری سون لا فتا ہے گا

درکفِ یار کا نسہٗ تنگ است یارمن دیدنش بسے رنگ است

شکر للہ کہ یار ہمرنگ است یارمن درجہان عجب رنگ است

رنگ بارنگ آشنا ہے گا

یار میرا ہے ہیچو شیرین بر سارے خوبصورتون مین ہی گا نر

نام رکھا ہون مین جس کا اژکر مددادوست مرتضیٰ حیدر

دلربا بوی دلربا ہے گا

ای ولی تون مثال سیمین بر ہیچو جوگی ہو گشتہ ام در در

یار میرا جیبے گا جادوگر سحر آنکھون سنے کیا مجہ پر

نگہ اس کی مین کیا بلا ہے گا،

یہ خمسہ صرف دیوان نمبر ۴ امین ہے،

دیگر

حضرت نبی کے نور سین سب جہان نورانی ہوا

روشن علی کی آل پر جیو جان قربانی ہوا

جامی نظامی مت کہو اب شعر خاقانی ہوا،

حب الوطن کی مصر سون اب یوسفِ ثانی ہوا

ترا غم مجہ دل منی اب ہمدمِ جانی ہوا

معشوق کی منزل منی آواز آیا جرس کا

کرتا جفا جو مدعی ستم دیکھو حیا بی ترس کا

دنیا منی ثابت ہوا کچھ خوف ناہین حرص کا

در در پکاری ہو پہرون مشتاق تیری درس کا

جل بل برہ کی اک ہین لعلِ بدخشانی ہوا

اس ملک ہندوستان منی مشہور کامل کا شرف

صابن لگا دھو یا کرو منہ تا نہین غم کا حرف

ہر یک سون جا ارتا پرتی کم ذات کا جو ہو ظرف

راکھی فقیرون کا کمل شاہان کی مسند پہ شرف

ہمنا کو جس کا بوریا تخت سلیمانی ہوا

ناصح منع کرتا مجھے مین مست اپنی حال سون

دیکھی عجب ہم نے صفت معشوق کے خط خال سون

اب چھوٹنا مشکل ہوا اس بند کی جنجال سون

سن یہ غزل کلمہ پڑا آکاس اور پاتال سون

دنیا کی چارون رکن مین دورِ سلمانی ہوا

یہ دل کبوتر ہو مرا گیرا پرا شاہین کا ،،

جل بل انگارا ہو رہا یہ کام ہے نہین دین کا

پوچھو اگر پہیرِ خدا تک دکھ و فا سکن ہوا

اس سیس پر قائم اچھو تک سایہ محی الدین کا

معشوق میرے کون مدد محبوب سبحانی ہوا

رباعی | کلیاتِ ولی مین کل (۲۴) رباعیان شائع ہوئی ہین جو یہان کے دیوانون مین بھی درج ہین

مگر ان کے سوا ذیل کی رباعیان یہان کے دیوانون مین موجود ہین جو کلیات مین نہین ہین :-

نگاہ تیز و پلک تیز و غمزہ آتش تیز — کئے ہین دل سون مری اُلکہ لبسہ تیز تیز

رقیب پر چلی جو چلی بس یو خاک کری نہون — جو حشر تک دو پکاری بر یز بر یز

(دیوان نمبر ۱ ورق ۸۸ ب)

دیگر

باج تجہ درد کی جگ مین درد مجھے — نہین ہمدم دوجا ہی غیر دم سرد مجھے

جب کہ دیکھا ہون تیرا روپ نظر پڑا نہین — عشق تیری نے کیا زر کی نمن زرد مجھے

(دیوان نمبر ۱ ورق ۱۰۰ الف)

دیگر

تحصیلِ دل کون ہونی یو نکہ کتاب بس ہے — دانائے منتخب کون یو انتخاب بس ہے

تجہ حال کا کری گر آکر سوال دلبر — تو لاجواب ہونا اتنا جواب بس ہے

(دیوان نمبر ۲ ورق ۱۵ الف)

دیگر

جبکہ وہ رشکِ پری جلوہ گرِ ناز ہوا — دل کی تسخیر کون مظہرِ اعجاز ہوا

سبزۂ خط نے رخِ یار کون بختا ہی جلا — دیکھ یہ رنگ عجب آئینہ پرواز ہوا

(دیوان نمبر ۳ ورق ۱۵۸ ب)

دیگر

یوسفِ حسن آج سستا ہے — جا کہ لینی کو جیو ترستا ہے،

مدعی کون کہو کہ جیو دنون کا — وہ نہ دیون کا جو جیو مین بستا ہے،

(دیوان نمبر ۴ ورق ۱۵۹ الف)

دیگر

آہ سون مجہ جگر مین بھید ہوئی — فاش مجہ عاشق کی تہید ہوئی

اس سیہ دلسون جا کہو یاران — رو ہی دیدی مری سفید ہوئی

(دیوان نمبر ۴ ورق ۱۵۹ ب)

دیگر

تجھ یاد سون سینہ ہو مرا روشن باغ — جس باغ کے دیکھے سون ہوا لالہ داغ

روشن باغ مین تنگ غم کا محل باندھا ہون — مین آہ کے حسن بیچ کئے لالہ چراغ

(دیوان نمبرہ ورق ۹۱)

دیگر

شاخِ گل ہو یا نہالِ راز ہے — سرو قد ہے یا سراپا ناز ہے،

دود آہِ شوق مشتاقان نہین — خط نہین یہ حسن کا آغاز ہے

(دیوان نمبرہ ورق ۹۲)

دیگر

مہربانی و لطفِ دلربا — سابقا تھا سو اب نہین دستا

یا مگر خواب وہ زمانا تھا — کہ مجھے خواب مین نہین دستا

(دیوان نمبرہ ورق ۹۲)

دیگر

خوبرو کون جمال لازم ہے — عشق کون تب خیال لازم ہے

حسن کون خط و خال لازم ہے — مسکین طوطی کون فال لازم ہے

(دیوان نمبرہ ورق ۹۲)

غزل — کلیاتِ ولی مین کل (۴۲۳) غزلین شائع ہوئی ہین جو مختلف دیوانون سے جمع کی ہین، اس لیے کسی ایک دیوان سے اس قدر غزلون کا دستیاب ہونا ممکن ہے،

پندرہ دیوانون سے کلیاتِ ولی کا مقابلہ کرکے غیر درج شدہ غزلون کا پیش کرنا ایک

بڑے وقت کا متقاضی ہے اور مین اپنے قلیل وقت مین اس سے زیادہ مصروف نہین ہو سکتا تھا جس قدر کہ ہوا ہون

اس پر بھی بلاشک کہا جا سکتا ہو ان دیوانون مین متعدد غزلین ایسی ملینگی جو کلیات مین نہ ہون،

اس کے علاوہ خود اختلاف اشعار بھی ایک خاص صورت پیدا کر سکتا ہے مثلاً کلیات ولی مین درج ہے

اے دوست تیری یاد مین دل کو کمال ہو نقش مراد آئینہ تیرا جمال ہے

لازم ہے درس یار تحصیل رات دن ہر مدرسے کے بیچ یہی قیل و قال ہے

(صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰)

اس کے برخلاف یہان کے دیوان نمبر ا مین اس طرح ہے،

اس رشک ماہ کا جسے ہر دم خیال ہو دل اس کا رشک خوبی بدر کمال ہے

لازم ہو درس یار کی تحصیل اے ولی

ہر مدرسے کے بیچ یہی قیل و قال ہو

کلیات ولی مین درج ہے:-

ترا قد دیکھ اے سید معانی ہوئی روشن دلان کی فکر عالی

اس کے برخلاف یہان کے دیوان مین درج ہے:-

ترا قد دیکھ اے سید معانی سخن فہمان کے ہوئی ہے فکر عالی

کلیات مین درج ہے:-

لہریا چیرا صنم کا بسکہ خوش انداز ہے دلربائی مین برنگ موج گل ممتاز ہے

اور یہان کے دیوان نمبر ا مین ہے:-

لب سین بڑیا چیرا صنم کا بسکہ خوش آواز ہے دلربائی مین برنگ موج گل ممتاز ہے

غرض کہ اس قسم کا مواد بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے،

اسی تفصیل میں غزلوں کے متعلق جو بعض حواشی کلیات میں درج ہیں ان کے متعلق [illegible]
مواد سے بھی روشنی ڈالنی غیر مناسب نہیں ہے :-

غزل نمبر ۲ کلیات = کسی دیوان میں زیر بحث شعر نہیں ہے،

غزل نمبر ۵۹ - کلیات = غزل موجود ہے مگر زیر بحث شعر نہیں ہے،

غزل نمبر ۷۳ رر = زیر بحث شعر نہیں ہے۔

غزل نمبر ۹۹ و ۱۰۱ و ۱۰۲ = یہاں کسی نسخہ میں نہیں ہیں :

غزل نمبر ۱۶۶ = کسی دیوان میں زیر بحث غزل نہیں ہے۔

غزل نمبر ۱۸۰ = کسی دیوان میں نہیں ہے۔

غزل نمبر ۱۹۲ = "

صفحہ نمبر ۱۱۸ - پر ایک غزل کے پانچ شعر درج ہیں یہ غزل [illegible] دستیاب نہیں ہوئی ہے
اس صراحت کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ [illegible] کے مطبوعہ کلیات میں بعض ایسا کلام بھی
درج ہوا ہے جو دراصل ولی کا نہیں ہے۔

ولی کی مثنویاں اور دہ مجلس | جامع کلیات ولی نے دو مثنویوں کو درج کر کے لکھا ہے :

ایک مثنوی غالباً ولی کی دہ مجلس کا ابتدائی حصہ ہے، اور اس کے بعد دو [illegible] قطعہ تاریخ بھی درج
کیا گیا ہے، مگر یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ قطعہ کس کس دیوان میں موجود ہے۔

مجھے "دہ مجلس" کے ولی کی تصنیف ہونے سے اختلاف ہے، میری رائے ہے کہ ولی اورنگ آبادی
نے "دہ مجلس" نام تصنیف نہیں کی ہے، اپنی تائید میں حسب ذیل امور پیش کرتا ہوں۔

(الف) ولی کے اب تک جس قدر دیوان دیکھے گئے اور جن میں مثنویات درج ہیں ان میں صرف دو ہی
مثنویاں پائی گئیں، اگر ایک مثنوی اس کے "دہ مجلس" کا ابتدائی حصہ ہے تو اس کا صرف اسی قدر حصہ ہر

ان مین درج ہونا ایک تعجب انگیز امر ہے، یہ ہرگز نہین کہا جاسکتا کہ کل دیوان ایک سے نقل کیے ہوئے ہین، اور یہ
سمجھ مین نہین آتا کہ ہر جامعِ دیوان نے کیون دہ مجلس کے ابتدائی حصہ کو اپنے دیوان مین نقل کیا، مثنوی کا
صرف اسی قدر حصہ دیوان مین ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ولی نے اسی قدر حصہ کہا تھا،

(ب) "دہ مجلس" کوئی تصنیف کسی ولی کی اب تک دستیاب نہین ہوئی، نہ تو ہندوستان کے کتبخانون
مین اور نہ یورپ مین اس کا پتہ چلا، اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ ولی کی دہ مجلس کا خارج مین کوئی وجود نہین ہے

(ج) یورپ کے کسی دیوان مین "دہ مجلس" کا قطعۂ تاریخ درج نہین ہے خصوصاً سب سے قدیم دیوان (۱۱۴۴ھ)
میر ابوالمعالی کے فرزند کے مرتبہ دیوان مین اس کا نہ ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ولی نے وہ تاریخ کہی ہی نہین،

(د) "دہ مجلس" غالباً فارسی کا ترجمہ ہے، ولی کی شان اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے، وہ ذاتی تصنیف
کے بجائے کسی کتاب کے ترجمہ پر اپنا وقت صرف کرے جبکہ خود وہ اس سے بہتر تصنیف کرسکتا تھا، تو پھر
اس پر تعجب ہوتا ہے کیون اس نے فارسی سے ترجمہ کرنا مناسب سمجھا،

ان وجوہ سے مین دہ مجلس کو ولی کی تصنیف خیال کرنے سے قاصر ہون، میرا خیال ہے کہ "دہ مجلس"
جو ولی سے منسوب کیگئی ہے، دراصل وہ ولی دیلوری کی "روضۃ الشہداء" ہے، خصوصاً جبکہ روضۃ الشہدا کا بیان
دس مجلسون مین بیان کیا گیا ہے اور ہر مجلس کا پہلا شعر مجلس ہی کے نام سے شروع ہوتا ہے، مثلاً

کرون مین مجلسِ اول مین تحریر   وفات سید عالم کا تقریر

کرون مین مجلسِ دویم پُر غم   وفاتِ فاطمہ رض کر کر مرقم

قلم ہو غم کے صحرا کا مسافر   لگیا چلنے دھم مجلس مین اک سر

اس طرح "روضۃ الشہدا" کا دوسرا نام "دہ مجلس" ہوسکتا ہے، پھر تاریخ تصنیف کے شعر قریب قریب
ایک ہوگئے ہین، چنانچہ روضۃ الشہدا مین درج ہین :-

کیا ہون ختم جب یو درد کا قال   اگیارا سو او پر تھا تیسوان سال

وؔلی اب رکھ قلم اور ختم کر باب   نبی اور آل او پر بول صلوات

کلیات مین جو قطعہ درج ہے وہ حسب ذیل ہے،

ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال   گیا رہ سو پو نتھا اکتالیسوان سال

کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول،   وؔلی کا ہے سخن جن پاس مقبول

قیاس کیا جا سکتا ہے کاتبون کی غلطی سے سہو کتابت ہوئی ہے،

بہر حال جب تک دہ مجلس نام کوئی کتاب وؔلی کی دستیاب نہ ہو اور اسمین وؔلی کی مثنوی کا وہ حصہ جو دیوان

مین درج ہے موجود نہ ہو مین اس کو وؔلی کی تصنیف خیال کرنے مین تامل کرتا ہون،

فردین | کلیاتِ وؔلی مین کل ۹۰ فرد درج ہوئے ہین، بعض اور فردون کا پتہ چلتا ہے جو کلیات مین نہین ہین،

مثلاً دیوان نمبر ۱ و ۳ مین درج ہین،

ترشی چین و شکر لب یار   حق مین میرے ہے شربت لیمون (ص ۸۹)

گنہ ہانکی سیہ نامے سون کیا غم ہے پریشان کو   جسے یہ زلف دست آویز ہر روز قیامت کو

کیون نہ اسکون صافی حاصل مثال ارسی   اپنی جوہر کی حیا سون سر بسر پانی ہوئی (ص ۹۰)

روز و شب یک برس اگر برسے   نہ بھرے کوکہ کا نگر تا لاب

تجھ جام لب سون بوند پری خاک جم مین گر   سلے جام مثل لالہ نکالے دو بوئی تر

دیکھ کر سب سے سیتے تراس مجھے   لے گئی نیند پیو کے پاس مجھے

ترے ساغر چشم طلسی نے تین،   کیا یک دور مین مجنون مجھے

ہے ترے لب سون اے شکر گسار   بات کہان نبات سون شیرین (ص ۹۰)

اس کے علاوہ دیگر امور جنکا اظہار کیا جا سکتا ہے اس کو مین اپنی مستقل تالیف کیلئے اٹھا رکھتا ہون،

امید ہے اس وضاحت سے یورپ کے موجودہ دیوانون کا حال معلوم ہو جائے،

تلخیص و تبصرہ

بہائی مذہب

اور

اتحادِ مذاہب

مذہبی بے اطمینانی نے اہل یورپ کو مشرقی مذاہب کی طرف شدت سے متوجہ کر دیا ہے اور اب وہ ان کے اندر اپنی روحانی طمانیت کا سامان ڈھونڈھ رہے ہیں، بالخصوص جدید مشرقی مذاہب کے ساتھ اُنکو اور بھی زیادہ دلچسپی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بہائی مذہب کے ساتھ جو مشرقی مذاہب مین ایک جدید مذہب ہے ان کو بہت زیادہ شغف پیدا ہو گیا ہے، مصر کے ایک صاحب نظر نے اہل یورپ کی اسی دلچسپی کے سلسلہ مین اپنا ایک نہایت دلچسپ ذاتی واقعہ بیان کیا ہے جس سے بہائی مذہب کے بعض نظریات و معتقدات کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ "دس سال سے زیادہ کا زمانہ گذرا کہ مین نے مذہبی تحقیقات و مطالعہ کی ابتدا کی اور رفتہ رفتہ یہ ذوق اس قدر بڑھا کہ دوست و احباب کی ملاقات کا کوئی موقع اس دلچسپ بحث سے خالی نہ جاتا تھا، اسی زمانے مین ایک بار مین نے اسکندریہ کا سفر کیا اور وہان ایک شخص سے میرے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے، جو میرا ہم مذاق تھا اور اس حیثیت سے عباس عبدالبہاء کی خدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا، اور قریب قریب انھین کا ہم عقیدہ ہو گیا تھا، اس نے مجھکو بھی ان کی ملاقات کی ترغیب دی اور کہا کہ "تم جس قسم کے مذہبی مباحث کی جستجو کتابون مین کرنا چاہتے ہو ان کا مشاہدہ خود اپنی آنکھون سے کر لوگے" مین اس وقت تک ایران کے جدید پیغمبر "عبدالبہاء" سے واقف نہ تھا، لیکن جب مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا تو وہ مجھکو ایک نہایت

باوقار بزرگ معلوم ہوے جن کے چہرے سے زہد و تقشف سے زیادہ علم و تجربہ کے آثار نمایان تھے، ان کے کمرے مین ایک منشی ایک کرسی پر الگ بیٹھا ہوا تھا جس سے وہ ایک خط لکھوا رہے تھے اور اسکی نسبت بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ترکی وزیر جنگ شوکت پاشا کے نام کا تھا، اُنھون نے پہلے ہم کو اشارے سے بیٹھنے کو کہا اور جب خط لکھوا کر فارغ ہوے تو ہمارے لیے ایک نہایت دولتمند ایرانی رئیس چاے لایا، اور جب تک ہم پیالے پیتے رہے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا رہا اس کے بعد اس نے چاے کی پیالیان اُٹھائین، اور ادب سے اُلٹے پانون واپس گیا تاکہ عبدالبہار کی طرف پشت نہ ہونے پائے، اس وقت کسی قدر ترشح ہو رہا تھا، اس کے بعد نصف گھنٹہ تک خوب بارش ہوئی پھر آسمان صاف ہو گیا، اس حالت مین ہم لوگ ایک بند کمرے مین بیٹھے ہوے شیشے کی کھڑکیون سے گھر کے باغ کا جس کے درختون کے ساتھ ہوائین چہل کر رہی تھین، نظارہ کر رہے تھے اور اُنکی شادابی و تروتازگی کو دیکھ رہے تھے، عبدالبہاء نے بھی ان درختون کو دیر تک دیکھا پھر ہماری طرف متوجہ ہوے، اور ہم کو یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک گہری نیند سے بیدار ہوے ہین یا خود ہم کو ایک گہری نیند سے بیدار کر رہے ہین پھر اُنھون نے فرمایا۔

"سبحان اللہ! ہر چیز کو اسکی روزی مل ہی جاتی ہے، جہان درخت ہوتے ہین، وہان پانی برس ہی جاتا ہے"

لیکن مین نے کہا

"یا یہ کہ جہان بارش ہوتی ہے وہان درخت اوگ ہی جاتے ہین"

اب اُنھون نے میری طرف بغور دیکھکر فرمایا،

"ایسا بھی ہو سکتا ہے"

مین نے کہا "تو ان دونون باتون مین سے کون سی بات صحیح ہے"

اُنھون نے ایک نہایت باوقار ترنم ریز لہجے مین فرمایا:۔

"دونون باتین قریب قریب ایک ہی ہین، اور دونون یکسان طور پر صحیح ہین۔

اس کے بعد تھوڑی دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا:-

"ہم صرف اُس نقطۂ اتحاد کو دیکھتے ہین جہان دو باتون مین اتفاق ہوتا ہے، اُس نقطہ کو نہین دیکھتے جہان سے ان کے اختلافات کی سرحد شروع ہو جاتی ہے، اس لیے دو باتین گو وہ کتنی ہی مختلف ہون ہم کو باہم مربوط نظر آتی ہین"

اس کے بعد وہ اسی ترنم ریز لہجے مین بار بار اسی بات کو دہراتے رہے، پھر فرمایا:-

"لوگون کے درمیان بہت سے اختلافات ہین جن مین بآسانی اتفاق پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک نہین ہے؟ کیا تمام قومین متحد الاصل نہین ہین؟ بایں ہمہ لوگون کے درمیان اختلافات ہین لیکن کیون؟ اس لیے کہ اُن کو متفق ہونے کا طریقہ معلوم نہین"

مین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اُن کی خدمت مین اپنی جدید کتاب "خلاصۃ الیومیۃ" پیش کی جو چند ہی ہفتہ پیشتر چھپی تھی، اور مین نے اس کے پہلے ہی صفحے مین عام انسانی شیرازہ بندی کے متعلق لکھا تھا کہ

تمدنی ترقیان تمام دنیا کے ساتھ انسان کا تعلق پیدا کر رہی ہین، اور وطنی حد بندیان اب عنقریب ٹوٹ جائینگی، اور زمین تمام نوعِ انسان کا عام وطن ہو جائے گی، یہ اقتصادی ہلچل جو جلب منفعت کے لیے دور دراز قومون مین روابط پیدا کر رہی ہے، ایک دن قومون کے مصالح عامہ مین اتحاد پیدا کرادیگی اور اس طرح جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا، اور ہر طرف امن و امان کا پھریرا اُڑنے لگیگا"

مین نے ان کے ہاتھ مین کتاب دی تو اُسی فقرے کی طرف اُن کی توجہ مبذول کرائی۔ اُنھون نے اس حقیر علمی ہدیہ کو بخوشی قبول فرمایا اور اس فقرے کو بغور پڑھکر بولے:-

"انشاء اللہ، انشاء اللہ آپ نے خوب لکھا، آپ نے خوب لکھا"

لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ اس وقت مجھکو اقتصادیات کے ساتھ خاص دلچسپی ہے۔ تو فرمایا:

"لیکن اس وقت دنیا مادیات کے نشے مین چور ہے، حالانکہ امن و امان کا راستہ روح کے اندر سے

نکلتا ہو، دنیا صرف دو بازؤن سے اُڑسکتی ہے، ایک مادہ کا بازو اور دوسرا روح کا بازو لیکن

وہ اس وقت صرف ایک بازو سے اڑرہی ہے اور اس کا دوسرا بازو ٹوٹا ہوا ہو، اس لیے دنیا

دو حصون مین منقسم ہوگئی ہو، لیکن جب تک اس کے مادی اور روحانی مقاصد مین اتفاق نہ ہوگا

وہ اپنے ذروۂ کمال تک نہین پہنچ سکتی، بلکہ اگر موجودہ روش پر چلتی رہی تو سخت مصیبت کا سامنا

ہوگا، جس سے خدا ہم دونون کو محفوظ رکھے"

یہ واقعہ عالمگیر جنگ سے دو سال پیشتر کا ہے، اس کے بعد مین نے چند مہینے عباسیہ مین قیام کیا اور

دوران قیام مین اپنے بعض احباب کے ساتھ ایک ایرانی حلوا فروش کی دوکان پر جایا کرتا تھا جس کو ہم لوگ

فیلسوف کہا کرتے تھے، کیونکہ وہ فلسفیانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور مذاہب و سیاسیات کے متعلق عالمانہ

اور ماہرانہ گفتگو کیا کرتا تھا، ایک دن جب مین نے اس سے بھی اُسی قسم کی باتین سنین جس قسم کی باتین عبدالبہاء

سے سنی تھین تو اس سے دریافت کیا کہ کیا تم بہائی ہو؟ اس نے اثبات مین جواب دیا، مین نے کہا کہ

"تم نے یہ باتین خود عبدالبہاء سے سنی ہین"؟ اس نے کہا "ہان اور یہ پیشنگوئی پوری ہوکر رہیگی"

عباس عبدالبہاء بھی اپنے مخاطبین کو اسی مصیبت عظمیٰ سے ڈرایا کرتے تھے، اور ان کے اتباع

اس پیشین گوئی کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہین،

(ملخص از الہلال بابت جنوری ۱۹۳۰ء)

سوپارہ

گجرات کے ایک مشہور پرانے شہر کا نام عرابن نے سوبارہ لکھا ہے، اصطخری نے ہندوستان کے

مشہور شہرون مین ایک اس کا بھی ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد بیت المقدس کے سیاح بشاری نے

چوتھی صدی ہجری کے آخر (دسوین صدی عیسوی کے آخر) مین اس کا نام لیا ہے، اور اس کی جگہ کھمبائت

---

[۱] احسن التقاسیم بشاری ص ۴۷۷، لیڈن،

کے قریب بتائی ہے اور دونون مین چار مرحلون کا فصل بتایا ہے، اور کہتا ہے کہ "سوبارہ سمندر سے ایک فرسنگ (۸ میل) کی دوری پر ہے"[1]،

۲ر فروری ۱۹۳۰ء کے سنڈے بمبئی کرانیکل مین (ص ۳۱) سوپارہ کی اثری تحقیق پر ایک مضمون نکلا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

ابھی حال مین گجرات مین جو پرانی یادگارون کی تحقیقات ہوئی ہے انھین ایک سوبارہ نام کے شہر کا بھی پتہ چلتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شہر ہے، جس کا عرب سیاحون نے اپنے زمانہ مین ذکر کیا ہے، آثار قدیمہ کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا پتہ مگدھ دیس (بہار) کے مشہور راجہ اشوکا کے زمانہ سے چلتا ہے، یہان راجہ اشوکا کا ایک یادگاری پتھر ۱۸۸۲ء مین ہمارے اثری محققون کو ملا ہے، سپارہ اب بھی بی بی سی آئی ریلوے کے ایک غیر معروف اسٹیشن کا نام ہے، جو اپنے قریب کے اسی نام کے ایک گاؤن کے سبب سے رکھا گیا ہے، پنڈت بھگوان لال اندراجی آنجہانی نے یہان اشوکا کے سنگی کتبہ کا پتہ لگایا تھا، اب یہ مقام بمبئی کے علاقہ مین بسین سے تین چار میل اتر اور خاص شہر بمبئی سے تیس میل ہے،

۲۵۰ ق م مین یہ مقام ہندوستان کے مشہور پر رونق شہرون مین سے تھا، جس کے سبب سے یہ اُن چند خوش قسمت شہرون مین منتخب ہوا جہان راجہ اشوکا نے اپنے یادگاری پتھر لگائے، سوپارہ والا پتھر یہان سے اٹھا کر پرنس آف ویلس میوزیم مین رکھا گیا ہے، اس مین دس سطرین ہین، پہلی چار سطرین مٹ گئی ہین، اس کا خط وہ خط ہے جو دیوناگری اور دوسرے ہندی حروف کی اصل ہے، اور جس کے متعلق یورپ مین محقق بوہلر کی رائے ہے کہ یہ تجارتی آمد و رفت کی راہ سے مسیح سے سات آٹھ سو برس پہلے عراق سے ہندوستان آیا تھا،

ڈاکٹر بھنڈارکر کہتے ہین کہ بمبئی مین تھانہ کے ضلع مین سوپارہ مشہور بندرگاہ تھا، جس کا نام

---

[1] احسن التقاسیم بشاری ص ۴۸۶ - لیڈن -

مہابھارت مین سورپا لکھا ہے، اور بطلیموس نے اپنے جغرافیہ مین اس کا نام سوپارہ SOUPARA لکھا،
یہ ایک مقدس مقام اور اپارنتا کا دارالحکومت تھا،
موجودہ سوپارہ گاؤن اسی نام کے مشہور قدیم شہر کے موقع پر آباد ہے، یہ ایک خلیج کے بائین کنارہ پر واقع ہے جو خلیج بسین کے ریلوے پل کے اور دریائے ویترنا کے درمیان گھومتی نظر آتی ہے،
پرانے سوپارہ مین اب بھی پرانے عمارات اور مکانات کے نشان باقی ہین، یہان ایک رام کنڈ بھی ہے، جو اس کے تیرتھ ہونے کی دلیل ہے،
۱۸۸۱ء مین جب سوپارہ کے یادگاری پتھر کا پتہ لگا ہے، اس گاؤن مین بمشکل چھ سو گھر تھے جن مین تقریباً دو ہزار آدمی رہتے تھے، جن مین برہمن، ہندوستانی عیسائی اور مسلمان ہین، مسلمانون مین عرب اور ایرانی ہین جو سات صدی پیشتر سے تجارتی تعلق سے یہان آباد ہوے"
اس تحقیق سے عرب سیاح اصطخری اور بشاری کے بیانات کی جنھون نے دسوین صدی عیسوی مین اس کو دیکھا تھا، پوری تصدیق ہوتی ہے،

ہندوستان کا تعلیمی خرچ

لندن ٹائمس نے اپنے تعلیمی ضمیمہ مین مندرجۂ بالا عنوان پر ایک مضمون شائع کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ وزیر ہند نے ایک سوال کے جواب مین وہ اعداد پیش کئے ہین جو ہندوستان مین تعلیمات کے اخراجات کو جو ۲۶-۱۹۲۷ء مین ہوئے ظاہر کرتے ہین، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اخراجات ۲۳۱۸۰۰۰ پونڈ سے بڑھ کر ۹۳۸۰۰۰۰ پونڈ تک پہنچ گئے ہین، اور اس کے معنی یہ ہین کہ حکومت ہند پہلے اپنی مجموعی آمدنی کا ۴۸ء۳ اس سلسلہ مین صرف کرتی تھی اور اب ۷۲ء۵، وزیر ہند نے یہ بھی بتایا کہ اس مین وہ اخراجات شامل نہین جو کسی خاص قسم کی تعلیم سے متعلق ہین (مثلاً فوجی، طبی، صنعتی، زراعتی) کی

اُن کا محکمہ تعلیم سے کوئی واسطہ نہین ہے، اور نہ ان مین بہت سی جدید عمارات کی تعمیر اور قدیم کی ترمیم ہی شامل ہے، ان رقمون کے علاوہ وہ رقمین بھی جو مجالس بلدیہ، مجالس اضلاع یا فیس کے ذریعہ حاصل ہوتی ہین محسوب ہین، ہرٹاگ کمیٹی کے ایک نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ذرائع سے حاصل شدہ رقم جو تعلیمی امور مین صرف ہوتی ہے، حکومت کی رقم سے کہین زیادہ ہے، سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء مین یہ رقم ۱۲ کروڑ ۱۵ لاکھ ہوگئی تھی، اور اس وقت حکومت نے صرف ۱۱ کروڑ ۳۹ لاکھ دیا تھا، اس وقت تمام سرکاری تعلیمی ادارون پر مجموعی حیثیت سے دو کروڑ پونڈ صرف ہوتا ہے،

خرچ کی یہ زیادتی دراصل نتیجہ ہے اُس اضافہ کا جو طلبہ کی تعداد مین ہوگیا ہے، سنہ ۱۹۲۲ء مین ان کی تعداد ۷۷،۵۰۰۰۰ تھی اور سنہ ۱۹۲۷ء مین یہ ۱۰۵۰۰۰۰ ہوگئی، ہرٹاگ کمیٹی کا بیان ہے کہ جدید ادارے بھی حیرت انگیز طریقہ سے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہین جس جگہ جتنے زیادہ تعلیم یافتہ لوگ ہین وہان اتنے ہی زیادہ تعلیمی ادارون کی مانگ ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۲ء کے اختتام تک طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۶۰۰۰۰۰ ہوجائیگی لیکن شرط یہ ہے کہ مالی یا دوسرے موانع پیش نہ آئین،

سر فلپ ہرٹاگ اور ان کے رفقاء کا خیال ہے کہ اخراجات کے اعداد وشمار دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگون کو تعلیم کے متعلق دلچسپی صرف نظری نہین ہے بلکہ عملی ہے اور وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہین۔ اکثر صوبوی مجالس مین ارکان نے وزراء کی درخواست پر نہایت خوشی سے تعلیم کے سلسلہ مین مزید رقوم کو منظور کر لیا ہے، یہ حال صرف صوبوی قانون ساز مجالس ہی کا نہین ہے، بلکہ مقامی مجالس نے بھی اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ تعلیم کے لیے وقف کر رکھا ہے، لیکن بدقسمتی سے ہم کو ہندوستان کی تعلیمی حالت کے صحیح اندازہ کرنے مین نہ تو رقوم کی تعداد اور نہ طلبہ کا شمار کوئی مدد دے سکتا ہے، تعلیمی کمیٹی کا بیان ہے کہ یہ وقت ہندوستان کی تعلیم عامہ کے لیے بہت نازک ہے، اور جب تک ایک مضبوط اجتماعی کوشش نہ کیجائیگی ان خرابیون سے جو اس وقت موجود ہین نجات نہین مل سکتی،

سب سے بڑی خرابی طلبہ کو قبل از وقت مدارس سے ہٹا لینے کی ہے اعداد مظہر ہین کہ ہر اُن سو طلبہ مین جو ۱۹۲۲ء مین ابتدائی مدارس کے پہلے درجہ مین تھے ۲۵-۱۹۲۶ء مین صرف ۱۰ طلبہ چوتھے درجہ مین موجود ہین، ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار ہین کہ موت و علالت وغیرہ سے تعداد مین کمی ہو سکتی ہے لیکن مذکورۂ بالا کمی نہایت ہی افسوسناک وخطرناک ہے، اس کے معنی یہ ہین کہ پہلے درجہ کے صرف ۱۰ فی صدی طلبہ کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اُن مین چوتھے درجہ تک پہنچنے اور حصول تعلیم کی صلاحیت ہے، ہم کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چونکہ بہار و بنگال مین ایسے ابتدائی مدارس کی جنمین صرف تین ہی درجہ ہین کثرت ہے، اس لیے وہان کے طلبہ کو چوتھے درجہ مین پہنچنے کا کوئی موقع ہی نہین ہے، ہرٹاگ کمیٹی نے اندازہ لگایا ہے کہ اس طرح جو طلبہ قبل از وقت ابتدائی مدارس سے الگ ہو جاتے ہین، اُن کی وجہ سے ۔۹ فی صدی اخراجات یونہی بیکار جاتے ہین؛

"ل"

اخبارِ علمیہ

موجودہ ایجادات کا خاتمہ

جنرل ولیم بی، پرسن نے جو کولمبیا یونیورسٹی کے صدر ہین ایک تقریر مین یہ پیشینگوئی کی ہے کہ اگر انجینیرون اور سائنس کے ماہرون نے جلد از جلد کسی ایسی قوت کا جو تیل یا کوئلہ کی جگہ استعمال کیجا سکے، پتہ نہین چلایا تو وہ زمانہ دور نہین کہ وہ تمام کارخانے و تمام عہد موجودہ کی عجیب و غریب ایجادین جنپر دنیا کو اتنا ناز ہے اور جو تہذیب حاضرہ کا سرمایۂ فخر ہین ختم ہوجائینگی، اُن کا خیال ہے کہ اس وقت جتنے کوئلون کے خزانون اور تیلون کے تالابون کا پتہ چلا ہے وہ زائد از زائد سو سال تک چل سکینگے، اس لیے اُن کی راے ہے کہ اس خطرہ سے محفوظ رہنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ آبشارون، بڑے دریاؤن اور اسی قسم کے غیر مختتم فطری خزانون سے قوت حاصل کرنے کی کوشش کیجاے،

جرمنی اور سرعت رفتار

اس وقت تک مختلف ذرائع سے متعدد اوقات یہ خبرین سننے مین آئی تھین کہ فلان شخص ایک ایسی چرخی بنا رہا ہے جس مین بیٹھ کر وہ چاند تک پہنچ جائیگا، لیکن اس وصال قمر کے خبط نے اس خیال ہی کو کوئی اہمیت حاصل ہونے نہین دی تھی، لیکن اب جرمنی کے ایک نوجوان باہمت پروفیسر ہرمین روبرتھ نے یہ دکھانے کے لیے کہ اس قسم کا تخیل ایک بے بنیاد شے نہین ہے، یہ اعلان کیا ہے کہ وہ ایک ایسی چرخی بنا رہا ہے جس مین بیٹھ کر وہ آنِ واحد مین جرمنی سے امریکہ پہنچ جائیگا، چنانچہ یہ آلۂ پرواز تقریبًا مکمل ہوچکا ہے،

(لمٹ)

دنیا کی سب سے بڑی صنعت

دنیا کی کسی صنعت نے اتنے قلیل عرصہ مین اتنی وسعت اختیار نہین کی ہے جتنی کہ موٹر کی صنعت نے اپنی تیس سالہ زندگی مین، موٹر بنانے کی اولین مساعی سنہ ۱۸۹۰ء سے لیکر سنہ ۱۸۹۶ء تک مین کی گئین اور سنہ ۱۹۰۰ء مین فرانس مین ۵۰۰ سے زاید موٹرین نہ تھین اور امریکہ مین جو اس وقت اس کا سب سے بڑا مرکز ہے صرف ایک ہزار موٹرین تھین، لیکن ان تیس سالون مین ان کی تعداد ...... ۲۳۰ ہو گئی ہے، اس کے معنی یہ ہین کہ ۵۵ آدمی کے حصہ مین ایک موٹر ہے، یہ عام تخمینہ ہے، لیکن اگر ہم ہر ملک کو الگ الگ لین تو معلوم ہوگا کہ امریکہ مین ہر پانچ آدمیون مین ایک موٹر ہے، کناڈا مین ۹ آدمیون مین اور برطانیہ و فرانس مین ہر ۳۵ اشخاص مین، اگر اس صنعت کی موجودہ رفتار باقی رہی تو اس صدی کے آخر تک اس کی موجودہ تعداد دس گنا مضاعف ہو جائے گی،

اس صنعت کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ جس ملک مین اس کے کارخانے ہین، وہان کی اکثر پیداوار بھی اسی کام مین آتی ہین، مثلاً امریکہ کی مندرجۂ ذیل چیزین اس تناسب سے ان کارخانون مین صرف ہوتی ہین

ربڑ	۸۵ فی صدی	شیشہ	۴۲ فی صدی
لوہا	۱۸ "	لکڑی	۱۹ "
کپڑا	۶۰ "	المونیم	۲۷ "
تانبا	۱۵ "	سیسہ	۲۶ "
جستہ	۵ "	نکل	۲۸ "
پیٹرولیم	۸۰ "		

حرارت ارضی کے متعلق جدید نظریہ

اس وقت تک ارضیات کے ماہرین کا یہ ایک مسلمہ نظریہ تھا کہ زمین روز بروز سرد ہو رہی ہے

اور وہ زمانہ دور نہین جبکہ کرۂ خاکی بھی دوسرے بہت سے کُرون کی طرح بالکل برفستان ہو جائیگا، مگر اب پروفیسر ڈبلو۔ انڈرسن نے جرمنی کے ایک علمی رسالہ مین اپنے تجربات شائع کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم نے اس وقت تک زمین کی گہرائی مین جو کچھ دیکھا ہے وہ زائد از زائد صرف ایک میل گہرائی تک محدود ہے، لیکن اگر ہم اس سے زیادہ گہرائی کی طرف جائین تو ہم کو معلوم ہوگا کہ سردی کی جگہ زمین سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور یہ حرارت ہر سو فیٹ گہرائی پر ایک درجہ بڑھتی جاتی ہے، اس کے معنی یہ ہوے کہ زمین ابھی حرارت پیدا کرنے سے عاجز نہین ہے، اور سطح خاک پر جتنی برودت بڑھتی ہے اس سے کہین زیادہ حرارت تہ خاک سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے زمین کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہین ہے،

لکڑی سے غذا

جنگ عظیم کے دوران مین جرمنی نے جنگلی لکڑیون سے غذا پیدا کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس زمانہ مین اس مین خاطر خواہ کامیابی نہین ہوئی تھی، مگر اب بعض پروفیسرون کی مساعی جمیلہ نے اس کو ایک کامیاب صنعت بنا دینے مین کامیابی حاصل کی ہے، چنانچہ حال ہی مین پروفیسر فریڈرک برگس نے اپنی ایک تقریر مین بیان کیا ہے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ جرمنی اپنی اس غذا سازی کی صنعت کو کاروباری طریقہ پر شروع کرے، ان کا بیان ہے کہ اگر عام جنگلی لکڑیون کو خاص کیمیائی طریقہ سے غذا کی شکل مین منتقل کیا جاے تو وہ غذا نہ صرف جانورون بلکہ انسانون کے لیے مفید، اور ارزان ثابت ہو سکتی ہے،

ایک نفسی بیماری

پولینڈ کے ایک استاذِ نفسیات پروفیسر سٹیفن بلوتسکی نے مسلسل تجربون کے بعد یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اگرچہ ہر آدمی مین بعض چیزون کے گننے کی عادت ہوتی ہے، لیکن پھر بھی بعض ایسے اشخاص بھی ہوتے ہین، جنکا تمام خیال صرف اسی ایک شغل تک آکر محدود ہو جاتا ہے، کبھی سیڑھیان گنتے ہین، کبھی الفاظ کے حرون کو شمار کرتے ہین اور کبھی دوسری چیزون کو، یہ عادت اُن کے ذہن مین اس قدر راسخ ہو جاتی ہے

وہ اکثر وبیشتر اسی دلچسپ شغل مین مصروف رہتے ہین اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آگے چل کر اس قابل بھی نہین رہتے کہ کسی چیز پر پوری طور سے غور کر سکین، اس استاذ نفسیات نے اس مرض کا نام مالیخولیۂ اعداد یعنی (ARITHMO-THYMIA) رکھا ہے،

یورپ کا اوّلین تنبا کوکش

اسپین کا کارخانۂ تنباکو شہر ریامونٹے مین یورپ کے اولین تنباکو کش کی یادگار کے طریقہ پر اُس کے شہر مین ایک لوح نصب کرنے والا ہے، ان لوگون کا دعویٰ ہے کہ تاریخی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شہر کا باشندہ راڈریگو ڈی جیرز (RODRIGO DEJEREZ) کولمبس کے ساتھ گیا تھا اور امریکہ مین اُس نے وہان کے قدیم باشندون سے تنباکو پینا سیکھا، جب واپس آیا تو اپنے ساتھ تنباکو بھی لایا یہان اس کے ناک اور منھ سے دھوان نکلتے دیکھ کر لوگون نے مذہبی عدالت کے افسر اعلیٰ سے شکایت کی کہ اس شخص کے اندر ایک ایسی خبیث روح حلول کر گئی ہے، جو ہر وقت دھوان نکالتی رہتی ہے، چنانچہ یہ شخص گرفتار ہو کر عدالت کے سامنے پیش کیا گیا، اور جب اس نے اصل حقیقت کو عملاً بتایا تو اُسے آزادی نصیب ہوئی،

تصویر کشی کا نیا آلہ

اس وقت تک جتنے اس قسم کے آلے ایجاد ہوئے ہین اُن کی انتہائی تعریف یہ تھی کہ وہ تیز سے تیز یا چھوٹی سی چھوٹی چیز کا عکس لینے مین کامیاب ہوتے تھے، مگر اب اس ایجاد نے ایک قدم اور بڑھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اب اس کے ذریعہ اُتنی دور کی چیزون کی تصویر بھی لیجا سکتی ہے جتنی دور کی چیزین معمولی آنکھون سے نظر نہین آتین، چنانچہ اس سے سب سے پہلی جو تصویر لی گئی وہ اُن پہاڑون کی تھی جو ۲۲۷ میل دور اور انسانی نظر سے اوجھل تھے، اس کامیاب تجربہ نے ایک نئی دلچسپی پیدا کر دی ہے، اور اصحابِ فلکیات وحربیات دونون بہت غور سے اس ایجاد کے فائدی مطالعہ مین مصروف ہین،

مارچ ۱۹

ادبیات

بچہ اور شمع

از

از فضل حق صاحب قرشی متعلم قانون لکھنؤ یونیورسٹی

طفلک پروانہ خو تو کس لیے بیتاب ہے شمعِ بیجاں کیلئے کیوں دل ترا خوناب ہے

ڈھونڈھتا ہے جسکو تو شعلوں میں وہ نایاب ہے جنسِ الفت اس سرے دہر میں اک خواب ہے

سازہائے زندگی کا جزر و مد معلوم ہے

اپنی ناکامی پہ تو پھر کس لیے مغموم ہے

ہوش میں آ "لیلیٔ فطرت" کے سارے کام دیکھ سوئے گلشن اک نظر کر گردشِ ایام دیکھ

دے نہ جائے تجھکو دھوکا تیری طبعِ خام دیکھ مقصدِ ہستی سمجھ آغاز سے انجام دیکھ

رازِ پنہانی کو تو اک مشتِ خاکستر سے سیکھ

یہ نمو خرمن کی خونِ صاعقہ پرور سے سیکھ

پھر تجھے تڑپا دیا نادان ضیائے شمع نے کر لیا گرویدہ تجکو پھر فضائے شمع نے

درسِ عبرت بھی دیا پروانہائے شمع نے طاقِ نسیان پر رکھا لیکن ادائے شمع نے

آہ نادانی تری دل کو مرے تڑپا گئی

کیوں تری معصومیت دنیا سے دھوکا کھا گئی

تو سمجھتا ہے جسے لطفِ شبابِ زندگی　　تو سمجھتا ہے جسے صد آب و تابِ زندگی

ہے حقیقت مین وہ اک نادان حبابِ زندگی　　ماہیت اُسکی نہین کچھ جز سرابِ زندگی

زعمِ باطل کو الگ کر بیخودی کو راہ دے

مٹ نہ جائے آشیان تک پر تو گمراہ ہے

شبنمِ واصل کو جب پرواز کی حسرت رہی　　کرمکِ شب تاب کو تارون سے جب قربت رہی

اک ہجومِ یاس سے دل کو ترے اُلفت رہی　　اپنی ناکامی پہ تجھکو بے سبب حیرت رہی

پر تمنا ہے کہ ہو معلوم رازِ زندگی

تیرا سازِ زندگی ہو بے نیازِ زندگی

خیر! آ تجھکو بتا دون مین رموزِ کائنات　　ابتداے زندگی ہے ابتداے حیات

ہر کمالِ زندگی ہی ہون تپیدا خواہشات　　قیدِ ہستی زندگی کو نہ سمجھا ثبات

ساری دنیا سے نرالا اپنا میخانہ رہے

گر نہ ہو ساقی تو کیا گردش مین پیمانہ رہے

باب التقریظ والانتقاد

المبین پر تعقب و تبصرہ

از

جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی پی ایچ ڈی، پروفیسر عربی الہ آباد یونیورسٹی

المبینؔ "رسالہ جس میں عربی زبان کے فضائل اور اُس کے بے نظیر خصائص بتا کر اُس کی جملہ السنۂ عالم کے مقابلہ میں ناقابلِ انکار فوقیت وقدامت ثابت کیگئی ہے"، نوشتہ مولوی محمد سلیمان اشرف صاحب ضخامت ۲۷۱ صفحے علی گڑھ ۱۹۲۹ء۔

کتاب سات باب پر تقسیم کی گئی ہے، پہلے باب میں "عربی زبان کے مخصوص فضائل" بیان ہوئے ہیں، اِس باب کے بعض حصے سیوطی کی کتاب المزہر کی نوعِ اوّل سے ماخوذ ہیں اور بعض مصنف کے طبعزاد جن میں زیادہ حصہ عربی زبان اور عجمی زبانوں کے مقابلے کا ہے، یہ مقابلہ اِس دعوے کے ساتھ شروع ہوتا ہے: "انصاف کی نگاہوں سے اگر دیکھا جاے تو عربی زبان کا دیگر السنہ پر وہی شرف محسوس ومشہود ہوتا ہے جو غیر عرب کی زبان وکلام کو وحوش وطیور کی آوازون پر حاصل ہے" (صفحہ ۷)

تعجب ہے کہ مصنف نے جب یہ الفاظ لکھے تو زرا دیر کے لیے بھی یہ بات "انصاف کی نگاہوں سے" نہ دیکھی کہ اگر کسی شخص کے سامنے ایسی زبان بولی جاے جسے وہ نہ جانتا ہو تو اُس کے لیے وہ ویسی ہی بے معنی ہوگی جیسی وحوش وطیور کی آوازین۔ اگر وہ دونون مین کچھ فرق کر سکے گا تو بس اِسی قدر کہ جو آوازین ایک انسان منھ سے نکال رہا ہے وہ بہ نسبت جانورون کی آوازون کے زیادہ نظم و ترتیب رکھتی ہین۔ اِسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا

کی ہر قوم اپنی زبان کو بہتر جانتی ہی۔ جیسے ہر خود دار قوم کو اپنی زبان پر ناز ہوتا ہی عربوں نے بھی اپنی زبان پر فخر
کیا اور بجا فخر کیا۔ اُن کی زبان کے محققوں نے خوب خوب دادِ تحقیق دی۔ عربی کی صرف نحو کو مدوّن کیا اور
فصاحت کے گُر بتائے مگر صرف نحو اور فصاحت کے وہ اصول عربی ہی تک محدود رہے۔ اُن محققوں میں سے
ایک نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ ہم نے جو قاعدے مقرر کیے ہین وہ عربی کے سوا کسی دوسری زبان کے محک
کا کام دے سکتے ہین۔ اُن بزرگون مین سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ عربی اور عجمی مین وہی نسبت ہی جو عجمی زبانون
اور جانورون کی آوازون مین ہی بلکہ اُنھین واجب التعظیم بزرگون مین سے بعضون نے اس قول کو بھی مانا ہی
کہ علّم آدم الاسماء کی تفسیر یون ہی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کل مخلوقات کو تمام زبانون یعنی عربی فارسی سُریانی
عبرانی، رُومی وغیرہ مین اسماء بتائے۔[1]

مصنف کو اگر انصاف مدنظر تھا تو پہلے دنیا کی ساری زبانون کو حاصل کرتے اور اُن کے لیے جو اصول
اُن زبانون کے محقّقون نے بتائے ہین اُن سے کما حقہ واقف ہو لیتے تب اس بحث پر قلم اُٹھاتے۔ بجائے
اس کے اُنھون نے سنسکرت اور عربی کا مقابلہ یون شروع کیا ہی کہ

"سنسکرت نے مخارجِ حروفِ تہجی کے لیے آٹھ مقام متعین کیے اور یہ سب سے بڑی تعداد ہی جسے عجمی
زبانون نے پیش کیا ہی۔ اُن زبانون کو چھوڑیے جنھون نے نہ مخارج کو جانا نہ اُس سے حروف کے لیے اُن
کے قواعدِ تعلیم وضع ہوئے . . . . اب عربی زبان کو دیکھیے جس کے حروفِ تہجی کی کُل تعداد
انتیس ہی، اُس نے جب حرفون کے مخارج کی طرف صحیح احساس و تمیز سے غور کیا تو مخارج کا تعین سترہ مقام پر ہوا"
(ص ۸)

مصنف نے یہ نہ سوچا کہ حروفِ تہجی کے مخرج کا تعین کرنا صوتیات کے ماہرون کا کام ہی نہ کہ خود زبان
کا اور یہ کہ آوازون کی کسی جنس کو انواع مین تقسیم کرنے کی ذمہ دار زبان نہین بلکہ وہ لوگ ہین جنھون نے
زبان کی آوازون کے مخرجون کو کم یا زیادہ انواع مین تقسیم کیا ہی۔ ممکن ہے کہ ایک ہی زبان کی آوازون کو

---

[1] السیوطی، المزہر، ج ۱ ص ۷-۶۔ ابن جنی نے بھی الخصائص، ص ۳۹، میں اسی طرح لکھا ہی۔

یک ماہرِ صوتیات زیادہ انواع مین تقسیم کرے اور دوسرا کم انواع مین، پھر تقسیم خود بھی متنوع ہو سکتی ہی؛ یہہ خیال بھی درست نہین کہ کوئی زبان ایسی بھی ہو سکتی ہی کہ حرف رکھتی ہو مگر اُن کے مخرج متعین نہ ہو سکین۔ یہہ بھی سمجھ مین نہین آتا کہ عربی زبان نے "حرفون کے مخارج کی طرف صحیح احساس و تمیز سے غور کیا" سے مصنف کلام کا مقصود کیا ہی، کیا دنیا کی کسی بولی مین احساس اور غور کی قدرت بھی ہی؟ اگر "زبان" سے مجازاً "زبان کے بولنے والے یا اُس کے محقق" مراد ہین تو یہہ شاعری یقیناً بے ضرورت اور بے محل ہی؛ آگے چل کے سنسکرت کے متعلق ایک عجیب خیال ظاہر کیا گیا ہی:

"سنسکرت اس کی تو مدعی ہو گئی کہ فلان فلان حرف یہان بھی حلقی ہین، لیکن حلق کے اُس حصۂ خاص کو متعین نہ کر سکی جس سے اُس حرف کے ادا کا تعلق تھا، اور یہہ ظاہر ہی کہ جب حصص مین تمیز نہ ہوئی تو پھر صوت مین بھی ممتاز ہونے کی طاقت ضعیف و کمزور ہو گی، متکلم جہان سے اُس کا جی چاہیے گا اُسے ادا کریگا۔" (ص ۹)

اس عبارت کو پڑھ کر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور سنسکرت ہی جس کا وجود صرف مصنف کے ذہن مین ہے ورنہ ایسی زبان کا وجود ہی محال ہی جس مین یہ آزادی ہو کہ بولنے والا کسی آواز کو جہان سے اُس کا جی چاہے ادا کرے'

اس کے بعد عربی اصوات کے مخرجون کی تفصیل دی گئی ہے اور پھر سنسکرت کا نقص یہ بتایا گیا ہی، کہ اُس مین جو حروف حلقی کہے جاتے ہین وہ اُن معنون مین حلقی نہین جن معنون مین عربی کے بعض حروف حلقی کہے جاتے ہین، بالآخر یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ "عجم کی قوت ممیزہ عرب سے بدرجہا کم ہے" (صفحہ ۱۱)

مصنف کی ساری کوشش یہ ہی کہ عربی کی خصوصیات فضائل مین شمار کر لی جائین اور اس طرح اور زبانین خود بخود محاسن سے خالی مان لی جائین مگر یہہ راہ تو سیدھی ترکستان کو گئی ہی؛

سیدھی سی بات ہی کہ ہر زبان اپنی خصوصیات رکھتی ہے، اور وہی خصوصیتین اُسے اور زبانون سے ممتاز رکھتی ہین، پس ایک زبان مین دوسری زبان کی خصوصیت کے نہ ہونے سے اُس کا نقص لازم نہین آتا اور اگر یہہ تصور کر لیجیے کہ نقص لازم آتا ہے تو پھر ایسے نقص سے کوئی ایک زبان بھی پاک نہین، اگر بعض آوازین

عربی مین ہین اور سنسکرت مین نہین پائی جاتین تو بعض آوازین ایسی بھی ضرور ہین کہ سنسکرت مین ہین ا
عربی مین نہین پائی جاتین۔ ایسی صورت مین اصوات کے وجود اور عدم یا اُن کے زیادہ اور کم متنوع ہونے
سے بحث کرنا عبث ہے، یہہ استدلال انسانی منطق کے حدود سے بالکل باہر ہے کہ

غ اور خ کا تلفظ "عجمی ناخواندہ" اگر کرے گا تو گ اور کھ کرے گا " پس بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے
کہ سنسکرت کے حروفِ تہجی کسی وقت مین عربی ہی حروفِ تہجی تھے جو گھستے پٹتے اپنی ہیئتِ اصلیہ سے
اِتنے دور ہوتے چلے گئے کہ آخر کار اُن کی ہیئت نے ایک خاص شکل اختیار کر لی لیکن پھر بھی بعض بعض
حروف مثلاً گ اور کھ اِس وقت اِس کا پتہ دیتے ہین کہ یہ حرف عربی کی بگڑی ہوئی صورت ہے (ص ۱۲)"

یہ خیال کہ ایک زبان کسی دوسری زبان کی بگڑی ہوئی صورت ہے ایک عامیانہ مغالطہ ہے اور
اِس مغالطے مین وہ لوگ اکثر پڑ جاتے ہین جنھون نے زبانون کی تاریخ اور اُن کی ارتقا کے مدارج کا کما حقہ
مطالعہ نہین کیا ہے۔ زبان کوئی ایسی چیز نہین کہ دس بیس پچاس برس مین بنجاتی ہو۔ بلکہ ایک زبان کے
لیے ہزار برس کا زمانہ ایک ادنی سی بات ہے، اکثر زبانین اب سے ہزارون برس پہلے وجود مین آئین اور
اب تک زندہ ہین یا تھوڑا ہی زمانہ ہوا کہ مردہ ہو گئین مگر اُن مردہ زبانون کے خط و خال بھی اُن لوگون کے
لیے جنھین مطالعے کی توفیق ہو ایک بڑی حد تک روشن ہین۔ اِس صورتِ حال پر نظر کر کے کوئی سمجھدار
آدمی کسی زبان کی کنہہ پر ہرگز رائے زنی نہ کرے گا، جب تک کہ اُس نے اُس زبان کی تاریخ کا غور کے
ساتھ مطالعہ نہ کر لیا ہو۔

"المبین" کے مصنف کی جسارت پر حیرت بھی ہے افسوس بھی کہ اُنھون نہ صرف تمام تاریخی ملاحظات
کو بالائے طاق رکھدیا ہے بلکہ السنہ کے اثریات اور تاریخی مواد کا مطالعہ کرنے والے علما کی تضحیک
فرماتے ہین۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"مین اپنا مذکورۂ بالا دعوی قبرون اور کھنڈرون کے کتبون یا توریت کی عبارتون سے ثابت

رنا نہین چاہتا اور نہ توہم وتخیل کو تاریخ وتحقیق کہکر دعوے کا کوئی حصہ تسلیم کرانا چاہتا ہون..." (ص - ۱۸)

یہ جملہ یقیناً شرح سے مستغنی ہے مگر اس صنعت کی داد نہ دینا ظلم ہوگا، کہ اتنے تھوڑے سے لفظون مین کتنی متناقض چیزین جمع کردیگئی ہین۔

صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۴۲ تک صفاتِ حروف سے بحث ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کیگئی ہے کہ عربی زبان کی ہر منفرد آواز بھی ایک معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اِس بحث مین اِس قدر مبالغے سے کام لیا گیا ہے کہ عربی زبان بالکل ایک مصنوعی چیز معلوم ہوتی ہے، چنانچہ مختلف مادّون کے معنون مین زبردستی کا تعلق پیدا کیا گیا ہے، فرماتے ہین:۔

"مثلاً لفظ اگر حرف شین سے شروع ہوا ہے جو عربون کے نزدیک تفشّی کا حرف ہے، اب جس کلمہ مین یہ حرف پایا جائے گا، اُس مین پھیلاؤ، وسعت یا پراگندگی کا مفہوم ضرور پایا جائے گا، عام ازین کہ حسّی ہو یا معنوی" (ص ۱۸)

اِس کی جو مثالین دیگئی ہین اُن مین سے چند یہ ہین: شباب (جوانی)، شجر، شرف (بزرگی)، شتم (بدزگالی)، شجاع، شرع (قانون الٰہی)، شحم (چربی)، شرح، اِن تمام لفظون کے معنون مین جو وجہ مناسبت بتائی گئی ہے وہ کسی طرح اعتنا کے قابل نہین ہوسکتی، اِس مقام پر اگر یہ بتا دیا جائے کہ "تفشّی" کا لفظ حرف شین کی آواز کے متعلق سب سے پہلے کس شخص نے استعمال کیا اور کن معنون مین تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

ہجرتِ نبوی کی دوسری صدی (تقریباً ۱۳۸ھ) مین ایک ایرانی ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر پیدا ہوا اور ۱۸۰ہجری مین کوئی بیالیس[۴۲] برس کے سن مین شیراز مین مرا اور وہین دفن ہوا، ماں باپ نے پیارے سیبویہ کہکر پکارا، اِسی لقب سے دنیا مین شہرت پائی، اُسکی تصنیف "الکتاب" عربی نحو پر سب سے پہلی کتاب ہے اور مسلمانون کے علمی عروج کے زمانے مین کلام اللہ کے بعد شاید امام سیبویہ کی "الکتاب" ہی وہ کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی تھی، اُس زمانے کے بعض اہلِ نظر نے سچ کہا ہے کہ کسی علم پر

[۱] اِس بحث کا ماخذ یقیناً احمد فارس الشدیاق کی تصنیف "سر اللیال" ہے لیکن تعجب ہے کہ مبین نے شدیاق یا اُسکی کتاب کا حوالہ نہین دیا

ایسی جامع کتاب نہیں تالیف ہوئی جیسی ہیئت مین بطلیموس کی مجسطی، منطق مین ارسطاطالیس کی کتاب اور علمِ نحو مین سیبویہ بصری کی "کتاب" ہے[1]

شؔ کی آواز کی صفت مین جو "تفشّی" کا لفظ استعمال کیا وہ بھی سیبویہ ہی نے :-

" والراء لا تدغم فی اللام ولا فی النون لأنها مکررة وھی تفشّی کأنّ معها غیرھا فکرھوا ان یجحفوا بها فتدغم مع مالیس یتفشّی فی الفم مثلها ولا تکرر[2]

ترجمہ "اور رؔ نہ تو لؔ مین مدغم ہوتی ہے اور نہ نؔ مین اِس لیے کہ وہ "مکرّرہ" ہے، اور وہ (تلفظ مین) ایسی بھرپور ہوتی ہے کہ (گویا) اُس کے ساتھ سوا اُس کے کوئی اور (آواز) بھی ہے، پس اہلِ زبان نے پسند نہ کیا کہ اُن کو (رؔ کے ساتھ مدغم کر کے) بوجھل کر دین اِس لیے اُن کا (یعنی لؔ اور نؔ کا) ادغام نہیں (آوازون) کے ساتھ کیا جاتا ہے جو ادا ہوتے وقت منھ کو پُر نہیں کر دیتی ہین، اور نہ تکرار کے ساتھ ادا ہوتی ہین....."

اِس سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ "تفشّی" شؔ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اور آوازون مین بھی ہے، "المبین" کے مصنف نے اِس کا ذکر بالکل نہیں کیا کہ رؔ مین بھی تفشّی ہے،

اُسی صفحے پر چند سطرین آگے چل کے امام سیبویہ نے یہ فرمایا ہے :-

والشّین لا تدغم فی الجیم لان الشین استطال مخرجها لرخاوتها حتی اتصل بمخرج الطاء فصارت منزلتها منها نحواً من منزلة الفاء مع الیاء فاجتمع ھذا فیها والتفشّی فکرھوا ان یدغموها فی الجیم کما کرھوا ان یدغموا الراء فیما ذکرتُ لک فی الراء۔

" اور شؔ جؔ مین مدغم نہیں ہوتا اِسلیے کہ شین کے ڈھیلے پن (رخاوۃ) کے باعث اُس کا مخرج لمبا ہو جاتا ہے، یہانتک کہ وہ طؔ کے مخرج سے جا ملتا ہے پس اُس کی حالت ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی فؔ کی

---

[1] یاقوت، ارشاد الاریب، ج ۶ ص ۸۲،

[2] الکتاب، مطبوعہ کلکتہ، ص ۱۰۷۸ ،

حالت ہی کے ساتھ، اور پھر ان سب (باتون) کے ساتھ اس مین (یعنی شؔ مین) آواز کی پُری (تفشّی) بھی ہے، اِس لیے (اہلِ زبان) نے ناپسند کیا کہ اُسے جؔ مین مدغم کرین، اُسی طرح جیسے کہ اُنھون نے یہ ناپسند کیا کہ رؔ کو اُن آوازون مین مدغم کرین جنکا ذکر مین رؔ کی بحث مین کر چکا ہون"۔

"تفشّی" کے جو معنی سیبویہ نے لیے ہین وہ "آواز کے بھرپور" ہونے کے ہین۔ اور یہ صفت محض شؔ مین نہین بلکہ رؔ مین بھی بتاری ہے، علاوہ اِس کے خود شؔ کی صفت علاوہ تفشّی کے "رخاوۃ" بھی بتاری ہے، پس شؔ کو خاص کر "حرفِ تفشّی" کہنا (المبین ۔ص ۱۶) درست نہین۔ خود مصنف "المبین" نے ہر حرف کی کئی کئی صفتین لکھی ہین۔ اگر یہ سب صفتین لفظون کے معنون سے متعلق کر دیجائین تو جس لفظ مین جو صفت چاہیے اور جتنی صفتین چاہیے پہنا دیجیے۔ اِس کے معنے یہ ہون گے کہ لغات مین جو امتیاز ہے وہ باقی نہ رہے گا اور یہ زبان کی خوبی نہین سب سے بڑا عیب ہے،

"الکتاب" مین سے جو عبارت اوپر دی گئی ہے اُس کے پڑھنے سے یہہ معلوم ہوگیا کہ امام سیبویہ نے جو بلا شبہہ اسلام مین سب سے بڑا نحوی گزرا ہے "تفشّی"، "رخاوت" اور "مکرّرہ" کو صرف صوتیات کی اصطلاحون کے طور پر استعمال کیا ہے، اسی طرح آوازون کی اور صفات جو "المبین" مین لکھی گئی ہین تقریباً سب کی سب سیبویہ کے ہان موجود ہین مگر صرف آوازون کی نوعیت کے ظاہر کرنے کو۔ لفظون کے معنون سے اُنھین اصلا تعلق نہین کیا تعجب کی بات ہے کہ سیبویہ ایسے محقق کو ذرا تنبّہ نہ ہوا کہ آوازون کی صفات کے وہ جو نام رکھ رہا ہے وہ ان لفظون کے معنون کی طرف رہبری کر رہے ہین جنمین وہ آوازین آگئی ہین۔ عربی لغت کی اِس اعجوبہ خصوصیت کو سیبویہ نے نہین پہچانا تو خیر۔ اس کے استاد خلیل عروضی نے شعر کی لے کو تاڑ کر بحرین تو قائم کر دین مگر حرفون کے نغمے کو وہ بھی نہ پہچان سکا!!!

دوسرے اور تیسرے باب مین بھی اکثر اسرارِ حروف و حرکات بیان کیے گیے ہین،

تیسرے باب مین یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر ثلاثی مادّے کے پہلے دو حرفون (یعنی ف اور ع کلمے) کی

صوتی صفات کے لحاظ سے مادّے کے معنی متعین ہوتے ہین اِس دعوے کے ثبوت مین جو مثالین دیگئی (ص ۳۵-۴۱) اُن مین سے بعض یہ ہین :-

"ہمزہ و بآ جب کسی کلمہ مین . . جمع ہونگے تو اُس کے معنی مین دوری یا جدائی یا تنافر و توحش کا مفہوم ہوگا۔ مثلاً۔

لفظ	معنے
اَبَّ	روانگی کا قصد کیا
اَبتَ	دن ایسا گرم ہوا کہ کاروبار چھٹ گیا۔
ابد	وحشت دکھائی، بھاگا،
ابر	نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالا،
ابز	ہرن نے جست کی
ابس	ڈرایا
ابق	غلام آقا سے بھاگا،
اَبَہٗ عن الشی[1]	اس چیز سے دور ہوا،
ابی	انکار کیا یا ناپسند کیا۔"

اِس مثال مین مصنف نے جن نو لفظون کے معنے لکھے ہین اُن مین سے صرف چار لفظون (ابد، ابس، ابق، ابی) کے معنے تو ٹھیک ہین مگر باقی پانچ لفظون کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اُن کے معنون کے بیان کرنے مین افراط تفریط سے کام لیا گیا ہے اور عربی زبان مین جو معنے اُن لفظون کے آتے ہین اُن کے لحاظ سے وہ مصنف کے دعوے کو ثابت نہین کرتے بلکہ اُسے توڑتے ہین قبل اس کے کہ مین ان لفظون کے

[1] "المبین" مین اِس لفظ کو اَلَہ لکھا ہے مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اَبَہٗ ہونا چاہیے۔

معنون کی تشریح کرون یہ عرض کر دینا ضروری جانتا ہون کہ جب کسی لفظ کی اصل کی تحقیق کی جاتی ہے تو اُس کے ابتدائی مفہوم سے بحث کی جاتی ہی، اور مرادی یا تشبیہی معنے یا وہ معنے جو بعد کو پیدا ہوئے ہین بحث سے قطعاً خارج کر دیے جاتے ہین۔ عربی زبان کے جتنے محقق گذرے ہین اُن کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ یہہ اور بات ہے کہ کوئی محقق اپنی اِس کوشش مین ناکام رہا ہو کہ لفظ کے ابتدائی معنے دریافت کرے اور اِس طرح اُس نے دھوکے سے مرادی معنے کو ابتدائی معنے سمجھ لیا ہو۔ اب اُن پانچ لفظون کے وہ معنے ملاحظہ ہون جو عربی کے مستند لغت "لسان العرب" مین درج ہین:-

"الأَبُّ الكَلأُ وعبّر بعضهم عنه بانه المرعی وقال الزّجاج الاَبُّ جمیع الکلاَ الذی تعتلفه الماشیة وفی التنزیل العزیز: وفاکِهَةً وأَبًّا۔ قَالَ ابو حنیفة سمّی اللّٰهُ تعالیٰ المرعی کُلَّهٗ أَبًّا۔ قال الفرّاءُ الاَبُّ ما یأکله الانعامُ وقال مُجاهِد الفاکهة ما اکلهُ النّاسُ والاَبُّ ما اکلت الانعامُ فالاَبُّ من المرعی للدّوابّ کالفاکهة للانسان[1]"

ترجمہ | "اَب گھاس (کو کہتے ہین)، اور بعضون نے اُس سے چراگاہ مراد لی ہے، زجاج[2] نے کہا ہے کہ اَبّ تمام قسمون کی گھاس ہے جسے چوپائے چرتے ہون۔ کلام مجید مین آیا ہی "اور پھل (یا میوہ) اور گھاس" (وفاکِهَةً وأَبًّا) ابو حنیفہ[3] کا قول ہی کہ اللہ تعالیٰ نے سب قسم کے چارے کو "اَب" کہا ہی۔ فرّاء[4] نے کہا ہے کہ اَب اُسے کہتے ہین جو چوپائے چرتے ہین، مجاہد[5] کا قول ہی کہ فاکہہ وہ جسے آدمی کھائین اور ابّ وہ جسے چوپائے کھائین۔ پس اَبّ

---

[1] لسان العرب، ج ۱، ص ۱۹۸-۱۹۹ [2] ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن السّری الزجّاج۔ المتوفی ۳۱۱ھ بصری اہلِ لغت مین سے تھا اور المبرّد کا شاگرد۔ دیکھو الفہرست ص ۶۰؛ ابن خلکان شمار ۱۲

[3] ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری۔ المتوفی ۲۸۲ھ ابن السکّیت کا شاگرد تھا۔ دیکھو الفہرست ص ۷۸؛ کشف الظنون ج ۵ ص ۱۶۲

[4] ابو زکریا یحییٰ بن زیاد الفرّاء۔ المتوفی ۲۰۷ھ لغت اور نحو کا امام تھا اور الکسائی کا شاگرد۔ دیکھو معارف ابن قتیبہ ص ۲۷۰؛ الفہرست ص ۶۶؛ ابن خلکان شمار ۸۰۸

[5] مجاہد بن جبیر تابعین مین سے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد۔ ۱۰۱ھ مین تراسی برس کی عمر مین وفات پائی۔ دیکھو تہذیب الاسماء ص ۵۴۰۔

جانوروں کا چارا ہے، اُسی طرح جیسے انسان کے لیے فواکہ،

یہ تو ابّ کے اسمیت کے معنے ہوئے۔ اب اُس کے فعلیت کے معنے سنیے :-

(۱) "اَبَّ للسیر تَهَیَّأ للذهاب وتجهَّز۔۔۔" (۲) اَبَّ اذا حرّک (۳) وابّ اذا هزّ بحملة لا مکذوبة فیها۔ (۴) "الابُّ النزاعُ الی الوطن وابّ الی الوطنِ وابّ وطنه۔۔۔۔۔ نَزَعَ" (۵) "ابّت اَبابة الشیٔ۔۔۔ استقامت طریقتہ"[1]

ترجمہ۔ "(۱) اَبَّ للسیر (کے معنی ہیں): چلنے کے لیے تیار ہوا اور اُس کا بندوبست کیا (سفر کی ضروریات کو مہیا کیا) (۲) اَبَّ جنبش کی (۳) جب (کسی نے) ایسے حملے کے لیے حرکت کی جو جھوٹا نہ پڑا تو کہیں گے اَبَّ، (۴) ابّ (اپنے) وطن کا اشتیاق ظاہر کیا (۵) اُس چیز کا ڈھنگ مستقل ہو یعنی اُس چیز میں استقامت یا استقلال ہو"

معنی نشان (۵) میں محض استقامت ہے جس میں کوئی شائبہ دوری، جدائی، تنافر، توحش کا نہیں (۴) میں اشتیاق شوق یعنی قوی خواہش ہو۔ دوری کا مفہوم شوق اور خواہش کے افعال میں بنفسہا نہیں مانا جا سکتا گو اُن کا مفعول فاعل سے عموماً جدا یا دور ہوتا ہے۔ (۲) اور (۳) میں محض جنبش کا مفہوم ہے سو دوری یا توحش اُس میں بھی کہیں نہیں۔ (۱) کی صورت یہ ہو کہ جب چلنے کے ساتھ استعمال ہو تو بھی اَبّ کے معنے محض تیاری اور بندوبست کرنے کے ہوں گے،

پس معلوم ہوا کہ اِس فعل میں مفہوم ہے میلان یا شوق اور استقامت کا اگرچہ وہ بھی شدید میلان کا نتیجہ ہے)

اب سوال یہ ہے کہ میلان اور گھاس میں کیا واسطہ ہے، غالب یہ کہ اِس مادے کے ابتدائی معنے گھاس کے تھے جانور کا میلان چارے کی طرف نہایت قوی ہوتا ہے اُس کا چارے کا شوق، اشتیاق، اُس کی طرف لپکنا، اُس کی طرف جانے کا ارادہ کرنا، اُس کی طرف منہ موڑنا سب معلوم۔ یہ ساری باتیں اِسی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اَبّ (اسم) ابتدا میں تھا اُس سے فعل (اَبَّ) بنا۔ اور اُس اسم میں نہ کہیں دوری یا جدائی ہے

---

[1] لسان العرب ج ا ص ۱۹۹

نہ تنافر یا توحش۔

اَبَتَ کے معنی ہیں: "(دن) بہت گرم ہوا" اور بس مصنفِ "المبین" نے اُس کے جو معنی لکھے ہیں اُس میں یہ ٹکڑا: "ایسا .... کہ کاروبار چھوٹ گیا" لغت کی کسی کتاب میں نہ ملے گا۔ پس کاروبار چھوٹ جانے کی قید صحیح نہیں۔

اَبَدَ کے ابتدائی معنے "دہر" یا "بہت طویل زمانے" کے ہیں اور اُس میں دوری ضرور ہو مگر "جانور کے بھڑکنے" کے معنے بعد کے ہیں۔ ملاحظہ ہو: "الاَبَدُ الدَّھرُ ..... والابدُ الدائمُ والتأبیدُ التخلیدُ و اَبَدَ بالمکانِ .... اقام بہ ولم یبرحہ ..... وأبَدَت البھیمۃُ ..... ای توحّشت ..... الذکرُ آبِدٌ والانثیٰ آبدۃٌ وقیل سُمّیت بذلک لبقائھا علی الأبدِ"[1]

ترجمہ (۱) ... ابد = دہر، دائم۔ اور تأبید = ہمیشہ (کسی جگہ رہنا)" اَبَد بالمکان" وہ ایک ہی جگہ (جا) رہا اور وہاں سے ٹلا نہیں۔" (۲) "اَبَدَت البھیمۃ" جانور نے وحشت دکھائی۔ (جانور کو) نر ہو تو آبد اور مادہ ہو تو آبدۃ کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ نام یعنی آبد یا آبدۃ (جانور کو) اس لیے دیا گیا کہ اُس کا توحش (ہمیشہ) باقی رہتا ہے (چاہے کتنا ہی سدھایا جائے)"۔

لسان العرب کی اس تشریح کے بعد تو کوئی شبہہ نہیں رہا کہ اس لفظ کے ابتدائی معنے توحش کے نہیں ہیں بلکہ ہمیشگی کے ہیں پھر اس میں وہ خاصیتیں کہاں جن کے لیے مصنفِ "المبین" اُسے بحث میں لائے۔

اَبَرَ کے معنے مصنف لکھتے ہیں "نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالا" یہ صورت مواصلت کی ہے، اور مواصلت اُن سب خاصیتوں کا ضد ہے جن کو مصنف اس لفظ کے پہلے دو حرفوں میں بتاتے ہیں،

اَبَہَ کے معنے ہیں "(کسی چیز کو) یاد کیا، بھولی ہوئی چیز کو یاد کر لیا" اور اُبّھۃ = خوبی، چمک اور فخر کو کہتے ہیں۔ تأبَّہَ علی فلانٍ = "اُس نے فلاں شخص پر فخر جتایا یا تکبر دکھایا" مصنف نے اپنے دعوے کی دلیل میں "اَبَہَ عن الشیءِ" کو پیش کیا ہے، اس پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں:۔

---

[1] لسان العرب، ج ۴، ص ۳۵۔

پہلے یہہ کہ اُس کے جو معنے مصنف نے لکھے ہین وہ اتبہ عن کے نہین ہین، بلکہ تأتبہ عن کے ہین، مزید بر آن یہ کہ یہہ لفظ باب تفعیل سے (یعنی فَعَّلَ کے وزن پر) کلامِ عرب مین آیا بھی نہین ہے،

دوسرے یہ کہ اَتبَهَ اور تَأتبَهَ دونون ثلاثی مزید فیہ سے ہین اُن کو اِس بحث مین لانا درست نہین۔ یہان لفظون کے قدیم ترین معنون سے بحث ہے اِس لیے ثلاثی مجرد کو پیش کرنا چاہیے۔

تیسرے یہ کہ عن نے فعل کے معنون کو متناقض کر دیا عربی کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ اکثر فعلون کا صلہ جب "عن" آتا ہے تو مخالف معنے پیدا ہوتے ہین مثلاً رَغِبَ عَنِ الشَّئِ کے معنے ہوئے "اُس چیز سے منھ پھیر لیا یا اُسے ناپسند کیا"۔ رغبت ایسا لفظ ہے جس کے معنی ہر اُردو دان بھی جانتا ہے سخت حیرت ہے کہ مصنف نے اِس طرف مطلق توجہ نہین کی۔ اپنی کتاب کے ص ۳۰ پر جو دوسری مثال پیش کی ہے اُس مین اَنزَعَ کے معنی "بد دل ہوا" لکھ دیے ہین حالانکہ یہ اَنزَعَ عَنْ کے معنی ہین اَنزَعَ کے معنی ہین: "(بھیڑ کو) پیٹ بھر کے غذا دی" جس مین "بد دلی" کا کوئی شائبہ نہین۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو جب کسی لفظ کے معنے مفیدِ مطلب نہین ملتے ہین تو "عن" کی مدد سے وہ کم سے کم اُن لوگون کے لیے جو عربی نہین جانتے ایک طرح کا ثبوت اپنے دعوے کا بہم پہنچا لیتے ہین، مگر یہ نہین سمجھ مین آتا کہ خود اُن کو بھی اس سے کوئی اطمینان ہو جاتا ہے یا نہین۔ وہ دعویٰ جس کے ثبوت مین یہ لفظ پیش کیا گیا ہے یہہ ہے:- "ہمزہ اور زائے معجمہ اگر جمع ہون تو معنے تنگی اور بے دلی کے پیدا ہونگے" (ص ۳۰)

اِس دعوے کے ثبوت مین جو اور مثالین دی گئی ہین اُن مین سے صرف ایک کا ذکر کرونگا:-

"اَزَجَ سستی کی"، مگر لغت مین اِس کے "لمبا ہونے" کے معنے ہین: مثلاً اَزِجَ العَقِبُ اور اَزَجَ: "(چال مین) تیزی کی" سستی، تنگی یا بیدلی کے معنی مطلق نہین ہین،

اب تک تو انھین لفظون کا ذکر ہوا جن کو مصنف نے خود پیش کیا ہے مگر جو اُن کے دعوے کی

دلیل کا کام نہین دے سکتے بلکہ ایک بڑی حد تک اُن کے دعوے کے خلاف پڑتے ہین۔ بعض لفظ ایسے بھی ہین جنکا ذکر اُنھون نے نہین فرمایا ہے مثلاً ہمزہ اور ب والے لفظون مین:۔

اَب (ابو) = "باپ"۔ اِس مین دوری، جدائی، تنافر، توحش کون بتا سکتا ہی؟

اَبَثَ = "گالی دی"۔ اِس مین تنافر ضرور ہی، مگر اسی لفظ کے ایک اور معنے بھی ہین: "اونٹنی کا دودھ پیا" جس مین وہ کوئی بات نہین جسے مصنف ثابت کرنا چاہتے ہین۔ اور قرینہ یہی ہی کہ "اونٹنی کا دودھ پینا" ابتدائی معنے ہین:۔

اَبَشَ = "جمع کیا، مہمانون کی ضیافت کا سامان کیا"

اَبِصَ = "خوشدل ہوا"۔ اِس کا مرادف اہلِ لغت نے "نَشَطَ" بتایا ہے اور "نشاط" سے اردو والے بھی اچھی طرح واقف ہین۔

اَبَضَ = "اونٹ کا زانو باندھا"
اِبط = "بغل"
اِبل = "اونٹ"
} وہ خاصیتین ان لفظون مین بھی نہین ملتین،

اِسی طرح چند اور حرفون کے ایک لفظ مین جمع ہونے کا اثر معنون پر بتایا ہی (ص ۳۸-۴۱ نیز کتاب کے بعض اور مقامات مین) اور بہت کھینچ تان کر مطلب نکالنے کی بے نتیجہ کوشش کی ہے، مصنف کے اِس طرزِ استدلال کو دیکھ کر شیخ سعدی کا وہ معرکے کا استدلال بے اختیار یاد آگیا جس کی رو سے اُنھون نے ثابت کر دکھایا تھا کہ "حاجی" کے معنے ہین "سگ"

تیسرے باب مین مصنف نے جو کچھ تقریر فرمائی ہی اُسے بنیاد سمجھ کر چوتھے باب کی عمارت کھڑی کی ہی اور اُس کا نام رکھا ہی: "ایک سوفسطائیت کا اندفاع"۔ اِس باب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ "ایک مستشرق کے سخت مغالطہ کا سمجھنا اِس بحث پر موقوف ہی" (ص ۴۴)۔ وہ مستشرق جرجی زیدان ہی (ص ۵۲)

سوفسطائیت یہہ کہ وہ بعض لفظون کو جو عربی مین مستعمل ہین غیر زبانون سے ماخوذ بتاتا ہے، ثلاثی مادّون کے تیسرے حرف کو زائد تصور کرتا ہے، اور بعض عربی لفظون کو حکایتِ صوت کے اصول پر مبنی جانتا ہی اور ان ذرائع سے عربی کو کم مایہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہی (ص ۵۳) مصنف اپنے بیان کے سلسلے مین آگے بڑھکر لکھتے ہین:-

"زیدان........ اپنی تحقیق کے سلسلے کو یورپ کے سلسلۂ تحقیق کی ایک کڑی ثابت کرتا ہے چنانچہ اِس وقت کے مستشرقین بلا استثنا سب کے سب عربی زبان کے متعلق جو کچھ لکھ رہے ہین اُن کا ماخذ جرجی زیدان کی تصانیف ہین یا ڈاکٹر فونڈیک کے اقوال، مجھے اس موقع پر نہ استاد کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت تھی نہ شاگرد کی طرف لیکن مصیبت یہہ آپڑی کہ اہلِ مشرق سے ایسے اشخاص جن کے دماغ ماؤف تھے اور اُن کا سرمایۂ ناز و افتخار محض یورپ کی نقالی اور اہلِ مغرب کی غلامی تھی، اُن کے منہ سے بھی وہی ہفوات صداے بازگشت ہوکر نکلنے لگے، اِس لیے ضرورت سمجھی گئی کہ جرجی زیدان کی فلسفیت کی سوفسطائیت اچھی طرح ظاہر کر دیجائے"

(ص ۵۲-۵۴)

مصنف نے جو جرجی زیدان اور مستشرقون پر اپنے سخت غصے کا اظہار فرمایا ہی اُسکی مطلق ضرورت نہ تھی۔ یورپ کے علما کے نزدیک جرجی زیدان کا شمار لسانیات کے ماہرون مین نہین کیا جاتا ہی اور یہہ خیال ہرگز ہرگز صحیح نہین کہ "اِس وقت کے مستشرقین کا ماخذ جرجی زیدان کی تصانیف ہین" جہان تک لسانیات کا تعلق ہی فون ڈائک بھی اُن لوگون مین نہین جن کے اقوال اس فن کے ماہرون کا ماخذ ہین، کاش "المبین" کے مصنف مستشرقون کی تصنیفون کو خود پڑھتے اور دیکھتے کہ اُن کا ماخذ انھین بزرگون کی تصانیف ہین جنھون نے اسلام کے زرین عہد مین علومِ عرب کی بنیاد رکھی تھی۔ اسلامی علوم کی جو خدمت پچھلے سو برس مین یورپ کے علما نے کی ہے اُس کا اعتراف نہ کرنا ہماری سخت ہٹ دھرمی ہوگی اور اس ہٹ دھرمی یا ناشکر گذاری سے یورپ کے علما کا مطلق کوئی نقصان نہین بلکہ خود ہمارا ہی خسارہ ہی۔ ہمارا یہہ حال ہی کہ ہم خود اپنے بزرگون کے کارنامون کو فراموش کر چکے ہین اور اگر اغیار ہمارے بزرگون کے علم و فضل سے مستفید ہو کر اُن کی تصانیف

اور اقوال کو اپنا دلیلِ راہ بتاتے ہین تو اُن کو ہم گمراہ ثابت کرنے مین کوشان ہین۔ پست ہمتی اور ناشکری کی حد ہوگئی۔ یورپی مستشرقون کے علاوہ جس گروہ کو مصنف نے اس مقام پر یاد فرمایا ہے وہ اہلِ مشرق ہین جنھون نے مغربی تعلیم بھی پائی ہے، بدقسمتی یا خوش قسمتی سے راقم الحروف بھی اُسی گروہ مین شامل ہے اور اس لیے اس کو یہی شایان ہے کہ وہ اس امر مین کچھ نہ کہے،

جرجی زیدان کے متعلق ابھی کہا جاچکا ہے کہ وہ لسانیات کا ماہر نہین، اُس نے کوشش کی کہ اس فن کو عربی زبان مین منتقل کرے، اور اس لیے وہ بڑے عربی دانون کے شکریے کا یقیناً مستحق ہے۔ فن کے بعض اصول مین اُس نے دانستہ یا نادانستہ مبالغہ کیا، مثلاً حکایتِ صوت کے بارے مین، ورنہ لسانیات کے ماہرون نے اس مسئلے کو اُسی حد تک مانا ہے جس حد تک نحاۃ عرب نے[1]

مادّے کے سہ حرفی یا دو حرفی ہونے کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ عربی کے حدود کے اندر بلا شبہہ مادہ سہ حرفی ہے، اُس کے دو حرفی ہونے کی بحث محض عربی سے متعلق نہین بلکہ اُس قدیم سامی زبان سے متعلق ہے جس سے تمام سامی زبانین (عربی، ارامی، عبرانی وغیرہ) نکلی ہین۔ یہہ بات "المبین" کے مصنف کی نظر مین غالباً اس لیے نہین آسکی کہ اُن کے نزدیک تاریخ سے بحث کرنا جائز نہین۔

اب رہی یہ بات کہ عربی مین اور زبانون کے لفظ آگئے ہین سو اس کی شہادت اوائلِ اسلام سے لیکر اس وقت تک عربی کے ائمۂ فن برابر دیتے چلے آئے ہین[2] بھلا اُن کے اقوال کے ہوتے ہوئے "المبین" کے ان لفظون کا کیا وزن ہو سکتا ہے:-

"...... اس کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے کہ عربی کی بے مائگی دکھانے کے لیے حکایت صوتی کی آواز سنی جائے، پھر سامی زبانون سے بھیک مانگی جائے، کچھ آریہ زبانون سے خیرات لیجائے......" (ص ۵۸)

---

[1] دیکھو ابن درید، کتاب الاشتقاق ص ۳۲۷ اور ابن قتیبہ، ادب الکاتب ص ۲۱۲ ابن جنی بھی، جو صاحبِ "المبین" کا بطل ہے، حکایت صوت کے متعلق کہتا ہے:-

وھذا عندی وجہ صالح ومذھب متقبل یعنی "یہی رائے میرے نزدیک صحیح ہے اور یہی مذہب مقبول" دیکھو "الخصائص" ص ۵۴

[2] حوالہ آگے آتا ہے، ص ۲۳۶۔

مین اِس قدر عرض کرون گا کہ مسلمانون کی عصبیت کو برانگیختہ کرنے کے لیے اِس علمی بحث کے ذیل مین جو "بے مایگی" "بھیک" اور "خیرات" کے لفظ لائے گئے ہین اُن کی مطلق ضرورت نہ تھی کاش ہمارے ہان کے مصنفین قلم اٹھانے سے پہلے اپنے موضوع کا صحیح اور کافی مطالعہ کرلیا کرتے۔ مصنفِ "المبین" قدم قدم پر لسانیات کے ماہرون کے "تعصب" کی شکایت دردناک لفظون مین کرتے ہین (مثلاً ص ۶۲) حالانکہ وہ سب شکایتین سراسر بے بنیاد ہین۔ یورپ کے محققون نے جو اصول لسانیات کے قائم کیے ہین وہ علماے اسلام کے اقوال سے مطابق ہین ؛

پانچوین باب مین مصنف نے اپنے خیال مین "فلسفۂ ارتقاے لسان" بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اُنھون نے باب کے شروع مین بتلایا ہے، اپنے اِس "فلسفے" کی بنیاد اُنھون نے "اشتقاقِ کبیر" پر رکھی ہے، جس سے وہ اگلے باب مین بحث کرین گے، یعنی پانچوان باب چھٹے باب کا مقدمہ ہے، پس یہان پانچوین باب کی تفصیلات سے بحث کرنا بے ضرورت ہے، بس اتنا کہدینا کافی ہے کہ حکایتِ صوت کے معاملے مین جرجی زیدان نے مبالغہ کیا ہے، جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے، ایک زمانے مین یورپ مین حکایتِ صوت کے نظریے کو ا بہت فروغ ہوا، مگر بہت جلد اُس کی حدبندی ہوگئی اِس طرح پر کہ کسی زبان کے سب کے سب مادے حکایتِ صوت پر مبنی نہین البتہ بعض ضرور اُس پر مبنی ہین، یہی مسلک علماے اسلام کا بھی ہے۔

چھٹا باب جس کا نام "فلسفۂ اشتقاق" رکھا گیا ہے اُسی پر "المبین" کی عمارت کھڑی کی گئی ہے، لیکن اِس باب مین ابوالفتح ابن جنّی کے اُس نظریے کا بیان ہے جسے "اشتقاقِ کبیر" یا "اشتقاقِ اکبر" کا نام دیا گیا ہے اور جسے اہلِ لغت نے مانا ہی نہین ہے۔ قبل اِس کے اِس نظریے سے بحث کیجائے بہتر ہوگا کہ یہ معلوم کرلیا جائے کہ یہ نظریہ قائم کرنے کی کوشش جس شخص نے کی وہ کون تھا اور کس زمانے مین تھا :

ابوالفتح عثمان بن جنّی یونانی الاصل تھے۔ سنہ ۳۳۰ھ سے کچھ قبل پیدا ہوے اور سنہ ۳۹۲ھ مین وفات پائی[1]

---

[1] الفہرست۔ ص ۸۷؛ ابن خلکان، شمارہ ۴۲۳۔

ـ طرح پر اُن کے علمی مشاغل کا زمانہ چوتھی صدی کے نصفِ آخر مین پڑتا ہے ابن جنّی کے استاد ابو علی الفارسی
ے جو ۲۸۸ھ مین پیدا ہوئے اور جنھون نے ۳۷۷ھ مین (ابن جنی سے پندرہ برس پہلے) وفات پائی،[1]
ن سلسلے مین یہہ بتا دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ زبانِ عرب کا ایک اور بہت بڑا محقق بھی ابو علی الفارسی
ے شاگردون مین تھا یعنی صحاح کا مصنف ابو نصر اسمٰعیل بن حمّاد الجوہری الفارابی (المتوفی ۳۹۳ھ)[2] یہہ
ب حضرات چوتھی صدی ہجری کے ہین۔ یاد رکھنے کی بات ہی کہ عربی زبان کی اور اُس کی صرف نحو اور لغت
ی تحقیق پہلی صدی مین شروع ہو گئی تھی اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہی کہ دوسری صدی ختم ہونے سے پہلے
ن پہلے اِن علمون کی تدوین بھی ہو گئی تھی۔ سیبویہ اپنی یادگار ”الکتاب“ تکمیل کو پہنچا چکا تھا اور اُس کا نامور
ستاد الخلیل کتاب العین[3] کی بنیاد ڈال چکا تھا، ابو عمرو الثقفی، ابو عمرو بن العلا، یونس بن حبیب اور الکسائی جیسے
مۂ فن تحقیق و تدقیق کی داد دے کر اِس دارِ فانی سے اُٹھ چکے تھے، الفرّاء، ابو عمرو الشیبانی، ابو عُبیدہ، الاصمعی
ور ابو زید الانصاری بھی اسی زمانے مین شمار ہون گے اِس لیے کہ یہ سب محقق تیسری صدی کے پہلے پندرہ برس
کے اندر اندر رحلت کر چکے تھے، انھین کے ہمعصر اور شاگرد ابو عُبید، ابو حاتم السجستانی، ابن السکّیت، ابن قُتیبہ
ابو حنیفہ، المبرّد اور ثعلب تیسری صدی کے ختم ہونے سے بہت پہلے گزر چکے تھے اور اُس علمی عروج کے زمانے کے سب سے
بڑے لُغوی ابن دُرید نے کم و بیش چھتّر برس علمی مشاغل مین مصروف رہ کے ۳۲۱ھ مین وفات پائی، یہہ
وہ ہستی تھی جسے ”خاتم اللُغویین“ کہیے تو بجا ہوگا۔

تعجب اور سخت تعجب ہی کہ اِن بزرگون مین سے ایک کی نظر بھی عربی زبان کی اُس خصوصیت پر نہ پڑی
جس کا نام ابن جنّی نے ”اشتقاقِ اکبر“ رکھا ہی اور طرفہ یہہ کہ جب ابن جنّی نے اِس راز کو منکشف کر دیا تب بھی

---

[1] الفہرست۔ ص ۶۴؛ یاقوت۔ ارشاد الاریب۔ ج ۲ ص ۲۶۷۔ ج ۳ ص ۹؛ ابن خلکان شمار ۱۶۲،

[2] یاقوت۔ ارشاد الاریب۔ ج ۲ ص ۲۶۶۔

[3] عربی لغت کی سب سے پہلی کتاب،

اُس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی،

ابن جنی خود لکھتا ہے:-

باب فی الاشتقاق الاکبر۔ هذا موضع لم يسمه احدٌ من اصحابنا غير أنّ ابا علی رحمه الله كان يستعين به ويخلد اليه مع اعواز الاشتقاق الاصغر لكنه مع هذا لم يسمه وانما كان يعتاده عند الضرورة ويستروح اليه ويتعلل به۔ وانما هذا التلقيب لنا نحن ستراه فتعلم أنّه لقب مستحسن[1]

باب ۔ اشتقاق اکبر کے بیان میں ،

اِس کا نام ہمارے اصحاب (یعنی استادوں اور ائمۂ معاصرین) میں سے کسی نے نہیں لیا سوا اس کے ابوعلی رحمہ اللہ اس سے مدد لیا کرتے اور جہاں اشتقاقِ اصغر سے کام نہ چلتا وہ اسکی (یعنی اشتقاق اکبر کی) طرف جھکتے لیکن باوجود اس کے اُسے (اشتقاق اکبر کا) نام نہیں دیا اور صرف ضرورت کے وقت اُس کی طرف رجوع کرتے اور (مطالعہ کی) تھکن دور کرنے کیلیے اس سے لطف اُٹھاتے اور دل بہلاتے اور یہ نام میرا دیا ہوا ہے اور تم دیکھو گے کہ یہ لقب بہت اچھا ہے،

اِس کے بعد کہتے ہیں کہ: میرے نزدیک اشتقاق کی دو قسمیں ہیں: کبیر اور صغیر۔ صغیر تو وہ ہے جسے لوگ جانتے ہیں اور جو کتابوں میں موجود ہے یعنی ایک مادے کو لیکر اُس سے صیغے بنا لیے۔

واما الاشتقاق الاكبر فهو أن تأخذ اصلاً من الاصول الثلاثية[2] فتعقد عليه وعلى تقاليبه الستة معنى واحدًا تجتمع التراكيب الستة وما يتصرف من كل واحد منها عليه وان تباعد شيء من ذلك رُدَّ بلطف الصنعة والتاويل اليه[3]

اور اشتقاق اکبر یہ ہے کہ کوئی ثلاثی مادہ لے لو اور اُس کے حرفوں کو الٹ پلٹ کر جو چھ صورتیں بنیں اُن سب پر ایک ہی معنی جما دو اور اُن تراکیب ستہ (چھوں مرکبوں) کو اور ان میں سے ہر ایک سے اُسکے جو صیغے نکلتے ہوں اُن کو بھی جمع کر کے اُنھیں معنوں میں جا ملاؤ اب اگر اس میں سے کوئی چیز متباعد ہو تو وہ: لطفِ صنعت اور تاویل کی مدد سے اُسی ایک معنی کی طرف پھیر دی جاتی ہے۔"

[1] ابن جنی، الخصائص ج ۱، ص ۵۲۵-۵۲۶ [2] یہ لفظ غالبًا الثلاثیۃ ہے، غلطی سے الثلاثۃ چھپ گیا ہے۔

[3] ابن جنی: الخصائص ج ۱، ص ۵۲۶۔

اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ کھینچ تان کر چھ لفظوں کے معنے ایک کر دو، لفظوں کے معنے بتانا کسی چیز کے مفہوم کو بے کم و کاست بیان کرنا ہے "تسمین" "لطفِ صنعت" یا "تاویل" کو کیا دخل؟ متقدمین نے اس کاریگری کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور لغت کے معاملے میں خصوصاً نہایت احتیاط سے کام لیا مگر وہ اسلام کے علمی عروج کا زمانہ تھا اور یہ اس عروج کا آخری زمانہ تھا۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم کی دماغی ترقی زوال پذیر ہوتی ہے تو علمی مسائل گورکھ دھندوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن اس گورکھ دھندے کا یہ حال ہے کہ اس نے کسی زمانے میں فروغ نہ پایا، ابن جنی نے خود ہی یہ بھی مانا ہے کہ یہ تقلب اشتقاق کے حدود سے باہر شے ہے، مگر پھر بھی اس کا نام "الاشتقاق الاکبر" رکھکر اس کا ایک پورا باب باندھا اور اس میں سراسر "لطفِ صنعت و تاویل" سے کام لیا ہے۔ "المبین" کو اسی کا پرتو کہنا چاہیئے،

ابو علی الفارسی نے اس نظریے کی بنیاد رکھی، اس کے شاگرد ابن جنی نے اسے "اشتقاقِ اکبر" کا نام دیا، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسے مانا کس کس نے سب سے پہلے خیال ابن حماد الجوہری کی طرف جاتا ہے کہ وہ ابو علی کا شاگرد تھا اور ابن جنی کا ہم سبق۔ عربی کا نہایت مستند لغت الصحاح جوہری کی تصنیف ہے اور موجود ہے، مگر اس نظریے کا "تسمین" کوئی نشان مشکل ہی سے نظر آتا ہے، پس معلوم ہو گیا کہ اس نظریے کو کوئی فروغ نہ ابو علی کی زندگی میں ہوا نہ ابن جنی کی زندگی میں، اس کے بعد کے لغویوں نے بھی اس گورکھ دھندے کو نہ مانا، مگر "المبین" کے مصنف کا بیان ہے کہ

"ابن جنی کے بعد امام رازی، جلال الدین سیوطی اور زمخشری نے بھی اپنی تصانیف میں اشتقاق کبیر اور اِن مثالوں کا ذکر کیا ہے،

غرض یہ ایسا مسئلہ نہیں جسے میں لکھ رہا ہوں بلکہ قدما نے لکھا اور متاخرین نے اس کی صحت کو تسلیم کیا"[۱] (ص ۱۱۱)

---

[۱] الخصائص، ص ۴۸۔

یہ کہدینا کہ "فلاں فلاں نے بھی اِس کا ذکر کیا ہے" کافی نہین، سوال یہ ہے کہ ذکر کیا ہے تو کس طرح؟ "المبین"، کے مصنف نے نہ اُن تصنیفون کا حوالہ دیا نہ اُن صفحون کا جنمین[1] وہ ذکر آیا ہے، جن لفظون مین جلال الدین سیوطی نے "اشتقاق اکبر" کا ذکر کیا ہے، ذرا اُنھین بھی سن لیجیے:-

المزھر مین اشتقاق کو بیان کرکے آخر مین لکھا ہے:-

وھذا ھو الاشتقاق الاصغر المحتج بہ. واما الاکبر فیحفظ فیہ المادة دون الھیئة فیجعل ق و ل و و ل ق و ق ل و ل ق و و تقالیبھا الستة بمعنی الخفة والسرعة وھذا مما ابتدعہ الامام ابو الفتح ابن جنی وکان شیخہ ابو علی الفارسی یأنس بہ یسیرًا ولیس معتمدًا فی اللغة ولا یصح أن یستنبط بہ اشتقاق فی لغة العرب، وانما جعلہ ابو الفتح بیانًا لقوة ساعدہ وردہ المختلفات الی قدر مشترک مع اعترافہ وعلمہ بأنہ لیس ھو موضوع تلک الصیغ وأن تراکیبھا تفید اجناسًا من المعانی مغائرة للقدر

یہ تو اشتقاق اصغر ہے جس سے (نحوی) استدلال کیا جاتا ہے (یعنی جو اشتقاق لغت مین مستند ہے) اور اشتقاق اکبر یہ ہے کہ اُس مین مادے کی ہیئت (ترکیبی) سے قطع نظر کرکے (یعنی حرفون کی ترتیب کا لحاظ نہ کرکے اور انھین پھیر پھار کے جس ترتیب مین چاہین رکھین) مادہ ایک ہی مانا جائے اِس طرح یہ قول، ولق، اقل لقو (وغیرہ) کہ اُس کی چھہ (مختلف) ترتیبین صرف خفت اور سرعت کے معنے رکھتی ہین۔ اور یہ امام ابو الفتح ابن جنی کی ایجاد ہے اور انکے استاد ابو علی الفارسی بھی اس کی طرف مائل تھے مگر یہ (اشتقاق) علم لغت مین معتمد نہین اور زبان عرب مین اِس طرح کسی اشتقاق کا استنباط کرنا صحیح نہین اِسے تو ابو الفتح (ابن جنی) نے اِس لیے بیان کیا ہے کہ اپنی قوت، درزور دکھائے کہ وہ کیونکر ایسی چیزون کو جو ایک دوسرے سے مختلف ہین ایک مشترک معنے کی طرف

---

[1] امام رازی نے تفسیر کبیر کی پہلی جلد مین ص ، سے ص ۹ تک اشتقاق اکبر کا ذکر ضرور کیا ہے، مگر کہین سے ثابت نہین ہوتا کہ انھون نے اُس کی صحت کو مان لیا ہے بلکہ انھون نے اسکی خرابیون کی طرف توجہ دلائی ہے (دیکھو ج ا ص ۸ - مسئلة الثانیة) اسی طرح ج ا ص ۲۳ پر اس نظریے کو "سعی باطل" اور "عمل ضائع" کہا ہے کہ ایک لفظ دوسرے سے مشتق کیا جائے، امام زمخشری کی "مفصل" مین تو یقینًا اسکا ذکر نہین "کشاف" مین ڈھونڈھا مگر ملا نہین، جلال الدین سیوطی نے جو کچھ لکھا ہے وہ وہین نقل کر دیا گیا ہے، "اساس البلاغة" "الفائق" اور "مقدمة الادب" مین کہین اس کا ذکر نہین، "کشاف" ...

شترك . . . . . .

سببُ اهمالِ العرب وعدم التفات المتقدمين
معانيه أنّ الحروف قليلةٌ وانواع المعاني
متناهية تكاد تتناهى فخصّوا كل تركيب
نوع منها ليفيدوا بالتراكيب والهيآت
واعًا كثيرةً واقتصروا على تغاير المواد حتّى
لا يدلّوا على معنى الاكرام والتعظيم الّا
ما ليس فيه شيءٌ من حروف الايلام والضرب
لمنافاتهما لهما لضاق الامر جدًّا ولاحتاجوا
الى الوف حروف لا يجدونها بل فرّقوا
بين مُعتِق ومُعتَق بحركةٍ واحدةٍ تحصل
بها تمييز بين ضدّين۔ هذا وما فعلوه
أخصرُ وأنسبُ وأخفُّ، ولسنا نقول انّ
اللغة ايضًا اصطلاحيةٌ بل المراد بيان انّها
وقعت بالحكمة كيف فرضت ففي اعتبار
المادّة دون هيئة التركيب من فساد اللغة

پھر سکتا ہے، باوجود اِس بات کے اعتراف اور علم کے کہ وہ (مشترک
معنی) اِن صیغون (مشتقات) کا موضوع نہین اور حقیقت یہ ہے
کہ اُن (صیغون) کی ترکیبین معانی کے اُن اجناس پر منطبق
ہوتی ہین جو قدرِ مشترک کی رو سے ایک دوسرے کے مغایر ہین
اہل عرب نے جو اِن مختلف معنون کو اختیار نہین کیا اور متقدمین
نے جو اِن کی طرف التفات نہین کیا سو اِس کا سبب یہ ہے کہ حرفون
کی تعداد کم ہے اور معنون کے انواع لاتناہی ہین اسلیے اُنھون نے ہر ترکیب
کو ایک ہی نوعِ معنی کیلیے مخصوص کر دیا تاکہ (حرفون کی) ترکیبون
اور ہیئتون سے (معنی کے) انواعِ کثیرہ مستفاد ہون اور اگر
وہ مادّون کے تغایر کو اِس طرح محدود کر دیتے کہ (مثلاً) کسی
ایسے لفظ کو اکرام اور تعظیم کے معنون مین نہ لیتے جو حروفِ ایلام
و ضرب سے بالکل خالی نہ ہوتا کہ کہین وہ حروف اُن خواص
کی نفی نہ کر دین، تو اِس طرح تو معاملہ نہایت دشوار ہو جاتا، اور
ہزارون حرفون کی ضرورت پڑتی جنکا وجود ہی (حروفِ تہجی مین)
نہین، (متقدمین نے ایسا نہین کیا) بلکہ ایک اکیلی حرکت کی بنا پر
بھی ایک مشتق اور دوسرے مشتق مین فرق کیا جس سے دو
متضاد (معنون) مین امتیاز ہو گیا۔ اور اُنھون نے جو کچھ
کیا بہت ٹھیک ہے اور بہت مناسب اور بہت آسانی
سے سمجھ مین آنے والی بات ہے مین یہ نہین کہتا کہ زبان بھی

ما بيّنتُ لك ولا ينكر مع ذلك ان يكون بين التراكيب المتحدة المادّة معنى مشترك بينها هو جنس لانواع موضوعاتها، ولكنّ التحيل على ذلك فى جميع موادّ التركيبات كطلب لعنقاءِ مُغرِب ولم تحمل الاوضاع البشرية الّا على فهوم قريبة غير غامضة على البديهة فلذلك أن الاشتقاقات البعيدة جدّا لا يقبلها المحققون[1]

اصطلاحی چیز ہے، بلکہ مقصود اس بات کا بیان کرنا ہی کہ جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہی زبان حکمت پر مبنی ہی پس مادّے کا اعتبار بلا لحاظ ہیئت ترکیب کے کرنا زبان میں ایک فساد ڈالنا ہی جس کی توضیح میں کر چکا ہوں، اس لکھنے سے اس بات کا انکار نہیں ہوتا کہ (اشتقاق صغیر کے مطابق) جو ترکیبیں ایک ہی مادے سے ہیں ان میں ایک مشترک معنی ہوتے ہیں، وہ (مادہ) جنس ہی اور اس کے موضوعات اُسی (جنس) کے انواع ہیں لیکن اس حکم کو ترکیبات کے جملہ مادوں پر جاری کرنا ایسا ہی ہی جیسے کوئی عنقا کو تلاش کرے (بات یہ ہے کہ) انسانی اوضاع کا اعتماد صرف ایسے ہی مفہوموں پر کرنا چاہیے جو قریب الفہم ہوں، نہ کہ اُن پر جو بدیہی طور پر اسرار ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسے اشتقاقوں کو جو بہت متباعد ہیں محققین قبول نہیں کرتے،

سیوطی کے لفظوں کا ترجمہ اوپر دیدیا گیا، خلاصہ اُس کا یہہ ہے کہ "اشتقاق اکبر" کے مقابلے میں جس چیز کو "اشتقاق اصغر" کہتے ہیں وہ تو ایک مستند چیز ہے، مگر خود "اشتقاق اکبر" محققوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں، بلکہ وہ زبان میں ایک فساد پیدا کرتا ہے، اور اُس کو عربی زبان میں تلاش کرنا، ایسا ہی ہی جیسے کوئی عنقا کی تلاش میں سرگردان رہے اور ہوا کے سوا کچھ بھی اُس کے ہاتھ نہ آئے، یہ ہے "المبین" کا مبنی۔

مصنف کا یہ کہنا کہ "اشتقاق کبیر" کو "قدما نے لکھا اور متاخرین نے اُس کی صحت کو تسلیم کیا" ایک ایسی حکایت ہے جس پر سمجھ میں نہیں آتا کیا کہا جائے، سیوطی کے مفصل اور مدلل بیان سے یہہ پوری طرح معلوم ہو گیا کہ

---

[1] سیوطی المزہر ج ۱ ص ۱۶۴-۱۶۵،

نوین صدی[1] ہجری تک ابن جنّی کا یہ اختراع قطعاً مردود رہا اور اُسے کسی نے نہین مانا۔ متاخرین سے آخر کون لوگ مراد ہین؟ سوا ایک احمد فارس الشدیاق کے، کوئی مصنف ایسا نہین ملتا جس نے ابن جنّی کی رائے کو مانا ہو، شدیاق موجودہ زمانے کا آدمی ہے اور اُس کی کتاب[2] پہلے پہل ۱۲۸۴ھ ہجری مین قسطنطنیہ سے شائع ہوئی، قلب اور ابدال پر متقدمین کی تصنیفین کثرت سے موجود ہین، مگر شدیاق نے سب کو پس پشت ڈالکر "قلب" اور "ابدال" کے وہی معنے لیے ہین جو ابن جنّی کی ایجاد ہین، "المبین" کے اکثر مقامات کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ شدیاق کی کتاب سے ماخوذ ہین، مگر کہین حوالہ نہین دیا گیا ہے، غالباً اس وجہ سے کہ شدیاق کسی شمار مین نہین اور اُسے متاخرین سے بھی بہت بعد کا زمانہ نصیب ہوا۔ قصّہ مختصر مصنف کا یہ دعویٰ واقعات سے بہت دور ہے کہ "اشتقاقِ کبیر" کی صحت کو متاخرین نے مانا ہے، بلکہ بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ ابن جنّی کی اِس رائے کو سب نے مردود جانا ہے،

باوجود اِس کے "المبین" کے مصنف صاحب پروفیسر وِٹنی پر سخت غصے کا اظہار فرماکر اُس پر تعصبِ مذہبی اور تجاہلِ عارفانہ کا الزام دھرتے ہین:-

"وٹنی اپنی کتاب مین عربی زبان سے بھی بحث کرتا ہے لیکن یہان اُس کو لفظون کے قلب کرنے کا خیال بھی نہین آتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ص ۱۱۲)

اِس کا جواب یہی ہے کہ عربی مین ایسے قلب کو خود علماے اسلام نے نہین مانا، بلکہ اُسے زبان کا فساد سمجھا (جیسا کہ سیوطی نے شرح و بسط سے بیان کیا ہے) پھر وِٹنی بیچارہ کیون موردِ ملامت ہے، واقعہ یہ ہے کہ لسانیات ایک ایسا فن ہے جس سے مذہبی تعصب بہت دور ہے، اُس کا مقصود ہرگز یہ نہین کہ ایک زبان کی برتری دوسری زبان پر ثابت کیجائے، بلکہ لسانیات کا موضوع حقیقی اور واقعی چیزین ہین نہ کہ ظنی اور توہمی،

ابن جنّی اور اُس کے استاد کے متعلق ایک اور امر کا اظہار بھی یہان ضروری ہے۔ "المبین"

---

[1] سیوطی ۸۴۹ھ مین پیدا ہوے اور ۹۱۱ھ مین وفات پائی ان کی تصنیف المزہر فی علوم اللغۃ وانواعہا ایک نہایت جامع کتاب ہے، جسمین نوین صدی ہجری تک کے ائمۂ فن کے اقوال درج ہین۔ [2] سر اللیال فی القلب و الابدال،

سے کے اوراق میں بعض جگہ ایسی عبارت آئی ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ مصنف "المبین" زبان کے مسائل میں بھی معتزلیوں کے مسلک کو کچھ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے (ص ۷) مگر وہ شاید اس بات کو بھول گئے کہ جس نظریے پر وہ اپنی کتاب کی بنیاد رکھ رہے ہیں، اُس کے بانی بھی یعنی ابوعلی اور ابن جنی دونوں معتزلی تھے

چھٹے باب کے دوسرے نصف میں (ص ۱۱۴-۱۳۲) مُعرّب اور دخیل کی بحث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کسی زبان میں دوسری زبانوں کے لفظوں کا داخل ہو جانا اُس کے لیے ننگ و عار کا باعث ہے، میں باادب اُن کی خدمت میں پھر ایک بار عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میدان مطالعے اور غور و فکر کا ہے نہ کہ متعصبانہ مناظرے کا۔ "المبین" کے بعض فقرے ملاحظہ ہوں:

"اُس زمانہ تک کہ اہل مشرق کے قوائے دماغیہ یورپ کی غلامی سے آزاد تھے کسی فرد واحد کو اس کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ عربی زبان، غیر عربی زبانوں سے مستعارہ الفاظ لیکر بنی ہے۔"

"اسی جامد اور کورانہ تقلید کے نتائج میں سے ہے جو اب یہ کہا جا رہا ہے کہ عربی زبان کوئی مستقل زبان نہیں۔ نہ صرف عبرانی و سریانی یعنی سامی زبانوں سے اُس میں لفظ لیے گئے ہیں، بلکہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں رہگئی رہگئی جس نے اپنی سخاوت کا ہاتھ عربی کی طرف نہ بڑھایا ہو" (ص ۱۱۵)

اِن پرجوش فقروں کے استعمال کی حاجت مصنف کو مطلق نہ ہوتی، اگر انھوں نے سیوطی کے یہ الفاظ پڑھے ہوتے:-

قال ابو عبید القاسم بن سلام، اما لغات العجم فی القرآن فان الناس اختلفوا فیھا، فروی عن ابن عباس ومجاھد وابن جبیر وعکرمة وعطاء وغیرھم من اھل العلم	ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ عجمی الفاظ قرآن میں موجود ہیں لوگوں نے اس میں اختلاف کیا تو ابن عباس اور مجاہد اور ابن جبیر اور عکرمہ اور عطا اور اہل علم کا یہ قول پیش کیا گیا کہ اُن کی رائے میں بہت سے لفظ عجمی زبانوں کے ہیں، اُن

لہ سیوطی، مزہر، ج ۱، ص ۶۶

أنهم قالوا في أحرف كثيرة إنها بلغات
العجم، منها قوله طه، واليم، والطور، والربانيون
فيقال إنها بالسريانية، والصراط والقسطاس
والفردوس يقال إنها بالرومية، ومشكاة
وكفلين يقال إنها بالحبشية، وهيت
لك يقال إنها بالحورانية، قال فهذا
قول أهل العلم من الفقهاء"

ہیں سے اللہ پاک کے کلام میں ہیں: طٰہٰ اور یم اور طور اور
ربانیون، جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ سُریانی کے (لفظ) ہیں
اور صراط اور قسطاس اور فردوس جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ رومی
(یعنی یونانی) ہیں اور مشکاۃ اور کفلین جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ
حبشی زبان کے ہیں اور ہَیتَ لکَ، جس کی نسبت کہا جاتا ہے
کہ حورانی زبان کا لفظ ہے۔ (ابو عبید) کہتے ہیں کہ یہ قول اُن
اہلِ علم کا ہے جو فقہا میں سے ہیں"

یہ قول اُن بزرگوں کا ہے جو نہ تو وہ "اہل مشرق" ہیں جن کے قوائے دماغیہ یورپ کی غلامی سے آزاد نہیں اور نہ اُن کے مقتدا یعنی یورپی محققین، بلکہ تو رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب اور صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اُن کے شاگرد ہیں اور وہ حضرات صرف یہی نہیں فرماتے کہ عربی زبان میں کچھ لفظ غیر زبانوں کے ہیں، بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی میں بھی جسے "عربی مبین" کہا ہے، "ناپاک عجمی لفظ داخل ہیں"۔

مصنف کا یہ خیال کہ یورپ کے علما کی رائے ہے "عربی زبان کوئی مستقل زبان نہیں" سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے، مستشرق یا غیر مستشرق کسی نے یہ خیال نہیں ظاہر کیا۔

آگے چل کے بعض وہ حروف گنائے گئے ہیں جو عربی لفظوں میں جمع نہیں ہوتے اور کچھ وہ وزن جو عربی میں نہیں آتے (ص ۱۱۸) یہ سب وہ ہیں جنکا ذکر علمائے لغت نے کیا ہے، مگر "المبین" کے مصنف نے اُن کی مدد سے جو استدلال فرمایا ہے (ص ۱۲۰-۱۲۴) وہ سراسر غلط ہے، ایک معمولی استعداد کا آدمی بھی اِس استدلال کے سُقم کو ذرا غور میں معلوم کر لیگا، اور اس پر مصنف کے یہ دعوے ہیں کہ سجیل اور ہیت کے متعلق فرماتے ہیں:-

"اِن دونوں کو عجمی کہنے میں علما لغت سے مسامحت واقع ہوئی ہے" (ص ۱۲۰)

طوالت کے خوف سے یہ بحث یہیں چھوڑی جاتی ہے، آئندہ کسی موقع پر معرب اور دخیل کے مسائل سے تفصیل

کیسا بحث کی جا اُٹھی اُس باب کے باقی ورقون اور ساتوین باب مین جو کچھ لکھا گیا ہی وہ بھی اُسی رنگ مین ہی، جس کا بیان اِن صفحات مین آچکا ہی، اُس کے دہرانے کی ضرورت نہین، مگر ساتوین باب کا ایک خاتمہ بھی ہے، جس کی یہ عبارت کچھ سمجھ مین نہین آئی

"ایک ثلث حصہ کتاب کا ڈیڑھ مہینے مین مبتیضہ بھی ہو گیا، لیکن اس منزل پر پہنچکر عجمیت کی بیجا عصبیت عربی کے نطق و صداقت سے ایسی دست و گریبان ہوئی کہ تاتاریون اور چنگیز خان کے ہاتھون علمی دنیا مین جو کچھ ہوا تھا، تاریخ نے مختصر طور پر گویا اُسے پھر دہرا دیا،

"مہینون کا کیا ذکر سال پر سال گزرتے چلے گئے، لیکن تعصب کا جوش نہ کم ہونا تھا نہ ہوا، کتاب نامکمل رہی، اور بجز سکوت کوئی دوسری صورت امان کی نظر نہ آئی" (ص ۱۶۸)

بہت غور کیا مگر صرف اِتنا معلوم ہوا کہ مصنف پر کسی نے ظلم کیا، جس کی یہہ شکایت ہی جن لوگون نے ظلم کیا وہ "تاتاری" کہے گئے اور اُن کے سرگروہ کو "چنگیز خان" کا خطاب ملا، مگر آخر یہ کس گروہ اور کس شخص کی طرف اشارہ ہے؟ اِس قسم کا طنز و کنایہ علمی تقریر و تحریر مین محمود نہین، اور اگر کسی کے جور و ستم کی شکایت ضروری تھی تو صاف صاف نام لینے مین کون سا امر مانع تھا، مصنف کو یہ بھی خیال کرنا چاہیے تھا کہ نامون کا خفیہ رکھنا، اُن کی مصلحت کے بھی خلاف ہے، اِس لیے کہ اگر بعض لوگ اِس عبارت کو پڑھکر اُس کے لکھنے والے سے ہمدردی کرین گے، تو بہت سے لوگ یہ بھی خیال کرین گے کہ ممکن ہے کہ وہ ظالم ایک سخت گیر عادل ہو اور اُس کی شکایت بے جا،

"البیین" کے مصنف کا یہ طرزِ ادا عجمیت کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے، ورنہ عرب تو جو کچھ کہتا ہے مردانہ وار کہتا ہے۔

مطبوعات جدیدہ

الایمان، جناب حاجی مولوی مقتدا خان صاحب شروانی ناظم مطبع مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے الایمان
م سے اسلام کے اوّلین عقائد آمنت باللہ کی تفسیر مین پہلا اور دوسرا دو رسالے لکھے ہین، پہلا رسالہ مختصر
ں مین ایمان کی چھ دفعات اللہ، ملائکہ، کتب، انبیا، یوم آخر، قدر، ہر ایک کی نہایت آسان مختصر اور
الفہم تشریح کی ہے، دوسرے رسالہ مین اس متن کی گویا شرح لکھی ہے، اور نہایت خوبی کیساتھ ہر ایک
کو سمجھایا اور بتایا ہے، پہلی دفعہ مین اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسمارِ حسنیٰ بیان کئے ہین، انبیا کے
ین تمام انبیار علیہم السلام کے مختصر حالات لکھے ہین، اسی طرح ہر دفعہ کی نہایت سلیس اور عام فہم تشریح
ہے، بچون اور عورتون بلکہ نومسلمون کے لیے بھی نہایت مفید اور کار آمد ہے، ہم مولوی صاحب کو
کی اس اہم مذہبی خدمت پر مبارکباد دیتے ہین، قیمت حصۂ اوّل ۴ر، حصۂ دوم ۱۲ر، لکھائی چھپائی
ہ، مصنف کے نشان بالا سے ملیگی،

کلیاتِ طبِّ جدید، مدراس کے ایک فاضل طبیب جناب حکیم محمد سعید صاحب چودھری نے
نام سے ضعفِ ہضم، سوءِ ہضم اور ہیضہ کے تمام اسباب وعلل، اور اس کے علاج وتدبیر، اسباب کی جدید
ریح، غذاؤن کے اقسام، ہر ایک کی غذائیت کی تعین، ترکیب واستحالۂ غذا کے اجزار، اور اُن کے
متعلقات ولوازم پر جدید طبی تحقیقات کی روشنی مین نہایت مشرح ومفصل بحث کی ہے اور یقیناً
دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر اردو مین اس سے زیادہ جامع، زیادہ محقق، زیادہ مفصل
کی کتاب نہین لکھی گئی، زبان اردو ہے، مگر نہایت صاف ہے، اصطلاحات آسان اور زود فہم
ین، اس کتاب کی تالیف پر نہ صرف حکیم صاحب بلکہ پورا مدراس مبارکباد کا مستحق ہے، ضخامت ۰۰ ۱ صفحہ

قیمت دو روپیے،

ازالۃ الشکوک، غدر کے پس و پیش زمانہ مین مولانا محمد رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی مرحوم نے علمائ
کے رد مین جو ربانی شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور خصوصاً اُن کی عربی تصنیف میزان الحق وغیرہ نے
صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیاے اسلام مین مقبولیت حاصل کی، احاطۂ مدراس کے مشہور عربی درسگاہ باقیات
الصالحات نے ازالۃ الشکوک کے نام سے مولانا مرحوم کی کتاب کی دو جلدین اردو مین شائع کی ہین، مسائل
مناظرون سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لیے یہ معلومات کا ذخیرہ ہے، قیمت تین روپے، پتہ:۔ مہتمم
مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور، شمالی آرکاٹ، احاطۂ مدراس،

رسولِ مدنی، یہ میلاد کی محفلون مین پڑھنے کا ایک مختصر رسالہ مولوی میر نذر علی صاحب در
کاکوروی کا لکھا ہوا ہی، کچھ نثر اور کچھ نظم ہے، دور از کار روایتون کو عموماً نہین لیا ہے، اور اختصار کیسا تھ
چند صفحون مین اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے متعلق مفید باتین درج ہین، اور عام محفلون مین پڑھنے
اور سنانے کے لائق ہین، ضخامت ۳۲ صفحے، قیمت ۲ر، پتہ:۔ ملک تین الدین صاحب کتب فروش اللہ والے
کی قومی دوکان، محلہ ککے زئیان، لاہور،

النجمۃ السائرہ، آجکل عربی مدارس کے نصاب مین عربی عروض کے نصاب مین محیط الدائرہ بہت چل گئی
جو ایک شامی عیسائی کی تصنیف ہی، مگر مختصر اور سہل الفہم ہونے کی بنا پر مقبول ہی، النجمۃ السائرہ کے نام سے جنا
مولوی سید سبط حسن صاحب ممتاز الافاضل نے اوپر عربی متن دیکر نیچے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے
اور تشریح کی ہے، اس لیے اردو دان اصحاب یا مشرقی امتحانات کے دلدادہ طلبہ اس سے پورے
طرح فائدہ اٹھا سکتے ہین، قیمت عہ

پتہ:۔ انجمن مؤید الاسلام، مدرسۃ الواعظین، لکھنؤ،

جلد بست و پنجم ۲۵ | ماہ شوال المکرم ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۰ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

پچھلے شذرات مین مولنا عبدالحیٔ سہارنپوری مرحوم کے تذکرہ مین انکے والد ماجد کا نام غلطی سے حبیب الرحمان لکھ گیا تھا، صحیح نام عبدالرحمان تھا، اس سلسلہ مین نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی اپنے والا نامہ مورخہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ مین ارقام فرماتے ہین

"مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم بڑے مخلص دوست، ہمدرد بہی خواہ اسلام بزرگ تھے، انجمن اسلامیہ کے مقاصد کی تائید مین متواتر دورے ایام فرصت مین فرماتے تھے، شگفتہ طبع بذلہ سنج تھے، وفات سے دو سال پہلے کلام مجید بڑے اہتمام سے حفظ کیا، پارسال بڑے اہتمام سے محراب مین سنایا امسال بھی، ۲۰ رمضان مبارک کی شب کو تراویح مین کلام پاک سنانے کی حالت مین مبتلا سے طاعون ہوئے، ۲ ماہ مبارک یوم جمعہ کو وفات پائی، احباب کو بالخصوص بہت تاسف ہے،،

مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ کیمیا کے نوجوان لائق صدر ڈاکٹر قاسم علی منصوری ایم اے، ایم، ایس سی (کینٹب) پی ایچ ڈی (گوٹنجن) جو ہماری قوم مین اس فن کے مستند ماہر اور یورپ کی درسگاہون کی متعدد سندون کے مالک تھے، ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء کی صبح کو کسی بیماری مین دل کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پا گئے، مرحوم کے دل کا یہ عارضہ کیمیائی تجربہ گاہ کے بعض خاص قسم کے گیس کے اثر سے شروع ہوا تھا، جس سے وہ بالآخر نجات نہ پا سکے، اس طرح ہم ان کو شہید علم کا درجہ دے سکتے ہین، مرحوم کی اس غیر متوقع وفات سے ہمارے ملک کے حلقۂ علم وفن کو بڑا صدمہ پہنچا، خدا مغفرت فرمائے،

بشار بن برد، خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دربار کا بڑا شاعر تھا، جہان تک معلوم ہے اس کا دیوان اب تک شائع نہین ہوا ہے، شام کے چوتھی صدی ہجری کے دو مشہور شاعر بھائی جو خالدین کے نام سے معروف ہین، اُنھون نے اس کا دیوان مرتب کیا تھا، اور اس کی شرح پانچوین صدی کے ایک ادیب اسماعیل بن احمد برقی نے لکھی تھی، اس دیوان اور اس شرح کا

نہایت عمدہ نسخہ کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن مین ہے، مسلم یونیورسٹی کے معلم عربی مولوی بدرالدین صاحب جنکا ادبی ذوق مسلم ہے اور جو ادبی عنوانات پر الزہرا مصر، اور رسالہ المجمع العلمی العربی دمشق مین مضامین لکھتے رہتے ہین، اُنھون نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ اس کتاب کو تصحیح و تحشیہ کے بعد شائع کرین، جناب نواب مسعود جنگ پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے اُنکے اس ارادہ کو پسند کیا اور اُنھون نے یہ قلمی نسخہ حیدرآباد سے منگواکر انکے حوالہ کیا ہے، دعا ہے کہ یہ مفید علمی خدمت جلد سرانجام پائے،

حیدرآباد دکن کے ایک نوجوان اہل قلم سید تمکین صاحب کاظمی اردو شاعرہ خواتین کا تذکرہ مرتب کرنا چاہتے ہین، ابتدا شروع سے آج تک جتنی اردو شعر کہنے والی خواتین گذری ہین، اُن کے حالات اُنھون نے فراہم کئے ہین، اس سلسلہ مین وہ چاہتے ہین کہ جن صاحبون کو کسی گذشتہ یا موجودہ کسی ایسی سنجیدہ باکمال شاعرہ کے کچھ حالات اور کلام معلوم ہون وہ ان سے اُنکو مطلع کرین، ان کا پتہ کوٹلہ عالی جاہ، حیدرآباد دکن ہے،

ناظرین معارف کو پنجاب کے نوجوان فاضل اور ہفت زبان شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے کا نام یاد ہوگا، گورنمنٹ کے وظیفہ پر وہ اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز مین عربی کی مزید تعلیم و تحقیق کے لیے گئے ہین، اُن کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ پروفیسر آرنلڈ صاحب جن سے ہندوستان کے لوگ آشنا ہین اور جو اب اس اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز مین ہین، وہ جامعہ مصریہ کی درخواست پر جنوری ۱۹۳۰ء مین مصر آئے ہین، اور تقریباً چار مہینے وہان ٹھہر کر اسلامی تاریخ کا درس دیتے ہین، جسمین مصریون کو خصوصیت کیساتھ ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور یہان کی اسلامی حکومت، سیاسی اقتدار اور شاندار تمدن سے آگاہ

پیر جھنڈا (سندھ) کے مشہور کتبخانہ مین جو کتابین مختلف اقطاع عالم سے نقل ہوکر حال مین آئی ہین، ان مین حسب ذیل کتابین قابل ذکر ہین، طبقات محدثین اصفہان دو جلد کامل للحافظ ابی الشیخ، کتاب الافراد للدارقطنی کی جلد دوم، ابن مندہ کی کتاب علی الاتفاق والتفرق ابن عدی کی الکامل فی الرجال کی تیسری جلد، عسکری کی کتاب تصحیفات المحدثین، اور ابو داؤد سجستانی کی کتاب المصاحف،

ریاست حیدرآباد جس نے اردو کی شاندار خدمات انجام دی ہین کئی سال سے اردو کے مکمل و خوشنما نستعلیق کے تیار کرانے مین مصروف تھی،
چنانچہ چند سال کی کوششون کے بعد وہ اس مقصد مین کامیاب ہوئی ہے اور اب اُس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک کے ممتاز و سربرآوردہ اہل علم کو جنکو اس کام سے
دلچسپی و واقفیت ہو اور جو اس کی دقتون کے حل کرنے مین مناسب مشورے دے سکتے ہون انکو حیدرآباد آنے کی تکلیف دیجائے اور انکی ایک
مشورتی مجلس ۲۲-۲۳ اپریل سنہ کو حیدرآباد مین منعقد ہو، ریاست نظام نے اردو کی یہ اتنی بڑی اہم خدمت انجام دی ہے کہ اسکے اس احسان سے
نہ صرف اردو زبان بلکہ فارسی زبان بلکہ وہ تمام ایشیائی زبانین جو فارسی نستعلیق خط مین لکھی جاتی ہین، کبھی عہدہ برآ نہین ہو سکتین،

پچھلے رسالہ مین کتاب المبین پر ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی کا جو مضمون شائع ہوا تھا، ہمارے پاس اُسکا
ایک متین و سنجیدہ جواب ہمارے ہی حلقہ کے ایک ممبر مولوی اکرام اللہ خانصاحب ندوی معاون ادبی سکرٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
علی گڈھ کی طرف سے موصول ہوا ہے، مضمون دیر مین پہنچنے کے سبب سے اس مہینہ مین شائع نہ ہو سکا، انشاء اللہ آئندہ پرچہ مین شائع ہوگا،

جس طرح مکہ معظمہ مین علم و فن کی خدمت کا فخر اہل ہند کو حاصل ہے اب مدینہ منورہ مین اس کے حصول کا سامان میسر آگیا ہے، جناب مولنا سید
احمد صاحب فیض آبادی برادر مولنا سید حسین احمد صاحب نے جو اس شہر اقدس مین ایک مدت سے سکونت پذیر ہین، اور اپنے فضل و کمال اخلاص و
دینداری اور حسن اخلاق کی بنا پر عرب و ہند، شاہ و رعایا دونون ملکتون اور دونون طبقون کے قلوب پر یکسان
حکمران ہین، چند سال سے وہان "مدرسۃ العلوم الشرعیہ لیتامی البلدۃ النبویہ" کے نام سے ایک مذہبی درسگاہ قائم کی ہے اور جسکی الگ عمارت
مسجد نبوی کے جوار مین بن رہی ہے، عرب، ہندوستان اور افریقہ کے متعدد باکمال مدرسین اسمین ادبی و دینی علوم کا درس دے رہے ہین،
اور انتہائی ایثار کیساتھ صرف کفاف پر اپنی خدمتون کو انجام دے رہے ہین، ابھی حال مین سنہ ۱۳۴۲ھ کی روداد شائع ہوئی ہے جسمین
مدرسۂ مذکور کے متعلق ہر قسم کے معلومات اور مختلف چندون کی فہرستین درج ہین، ایسی ضروری درسگاہ کی امداد ہر مسلمان کا فرض ہے،
جو خوش قسمت اصحاب اس کار خیر مین شرکت کرنا چاہین وہ چاندنی چوک دہلی کوٹھی حاجی علی جان صاحب مرحوم کے
ذریعہ سے اپنا چندہ بھیج سکتے ہین،

مقالات

قدیم مشرقی مصنوعات

"اسلامی اقتدار کا اثر یورپ کی صنعت پر"

از

مولنا عبدالسلام صاحب ندوی

چند روز ہوے کہ ایک یورپین لیڈی نے ایک جغرافیانہ انجمن کے سامنے اس دلچسپ موضوع پر ایک تقریر کی تھی اور اُس تقریر مین یہ الفاظ کہے تھے:-

"جو کپڑا آج موسلین کے نام سے مشہور ہے وہ موصل سے آیا تھا اور اٹالین کپڑا جس کو "بلڈاکو" کہتے ہین، اس کے معنی پردہ یا چھتری کے ہین اور انگریز لوگ جس کپڑے کو "ڈیمیٹی" کہتے ہین اس کی اصل شہر "دُمیاط" سے ہے"

بلڈاکو کے متعلق اگرچہ اس لیڈی کا خیال غلط ہے، کیونکہ یہ لفظ "بلڈاک" سے مشتق ہے، جو بغداد کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور بلڈاکو "ثوب بغدادی" یعنی بغدادی کپڑے سے ماخوذ ہے جس کو یورپین لوگ اپنے ملکون مین چھتری بنانے کے لیے لیجاتے تھے، لیکن اور الفاظ کے متعلق اس کی فیلالوجی صحیح ہے، لیکن یہ جغرافیانہ تحقیقات صرف انھی چند الفاظ تک محدود نہین ہے، بلکہ یورپین زبانون مین اور بھی بہت سے کپڑون کے نام ملتے ہین جو یورپین ملکون مین مشرق کے مختلف شہرون سے لائے گئے ہین، اور وہان انھین شہرون کے انتساب سے مشہور ہوگئے ہین، مثلاً

French	اردو	تشریح
Alepine	حلبی	
Baldaquin	بغدادی ،	
Belebac	بعلبکی ،	یہ کپڑا بعلبک سے بنگال مین بھی آیا اور وہان بناگیا ،
Bocassin	بوقاسی	(حلب اور مصیصہ کے درمیان ایک شہر کا نام ہے)
Brocart	براق	
Cachemire	کشمیری یا قشمیری ،	
Caimacani	قائم مقامی ،	
Calicot	قالیقوطی	(کالیکوٹ) کالی کٹ کی طرف منسوب ہے ،
Cambaye	کنبائی	ہندوستان کے شہر کھمبایت کی طرف منسوب ہے ،
Canequin	خانقینی	خانقین کی طرف منسوب ہے جو عراق کا ایک گانون ہے ،
Chite	شیت	عراقی اس کو چیت یعنی چھینٹ کہتے ہین ،
Damas	دمشقی	
Demitte	دمیاطی	
Feutre	فیتر	
Fotte	فوطہ	
Fustanelle	فسطان	ایک قسم کا لباس ہے جس کو عورتین پہلے فسطاطی کپڑون سے بناتی تھین پھر رومیون نے اسکو اپنا مخصوص لباس بنالیا ،
Futaine	فسطاطی	فسطاط مصر کی طرف منسوب ہے جہان نہایت عمدہ کپڑے تیار کئے جاتے تھے ،
Gaze	غزی	

غرناطی	اندلس کے مشہور شہر غرناطہ کی طرف منسوب ہے،	Grenade
حبشی	بصرہ کے محلہ حبش کی طرف منسوب ہے،	Habassis
حموی		Haman
ہندی		Indienne
لاوندی (یعنی مشرقی)		Levantine
مضام	یہ لفظ ہندوستان کے شہر بیٹھا پلام سے ماخوذ ہے،	Madapolam
مغربی		Magrabin
مراکشی		Maroc
ماصولی	ہندوستان کے شہر مسلی پٹم کی طرف منسوب ہے.	Masulipatam
مقعد	ایک قسم کا کپڑا جو بیٹھنے کی چیزوں پر منڈھا جاتا ہے،	Mocade
مور	ایک کپڑا جس میں موجوں کی طرح لہریں اٹھتی ہیں،	Moire
مہابادی	ایک گانوں کی طرف منسوب ہے جو قم اور اصبہان کے درمیان ہے،	Mohabut
مخیر		Moncayar
مولتانی	ملتان کی طرف منسوب ہے،	Moultans
موصلی		Mousseline
ننکینی	چین کے شہر ننکین کی طرف منسوب ہے،	Nankin
ننکینیۃ		Nankinette
نوصاری	ہندوستان کے شہر نوصار کی طرف منسوب ہے،	Nossaris
بکینی	چین کے شہر پکین کی طرف منسوب ہے،	Pekin

صایہ	شابہ یا شیہ کی تحریف ہے جو سلج سے ماخوذ ہے جو ایک کپڑے کا نام ہے،	Saie Saiette
سیامی یا صیامی	سیام کی طرف منسوب ہے،	Siamoise
عتابی	عتابئین کی طرف منسوب ہے جو بغداد کا ایک محلہ تھا اور وہین یہ کپڑا بنا جاتا تھا،	Tabi Tabis
طنجلی	ہندوستان کا ایک شہر ہے،	Tanjeb.
ترکی		Turquoise

یہ ایک جدید تحقیقات ہے جسکو اس زمانے کے اور مورخانہ نظریات کی طرح اگرچہ قیاسی کہا جا سکتا ہے، لیکن تاریخی روایات سے بھی اس کی تائید کیجا سکتی ہے، اور ان روایات کی بنا پر مشرق کے اکثر شہرون کو مختلف قسم کی مصنوعات کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے، بالخصوص بغداد مین جو اس زمانے کا پیرس تھا بہترین قسم کے کپڑے تیار ہوتے تھے، اور وہان کے متعدد گاؤن اس صنعت مین نمایان شہرت رکھتے تھے، مثلاً سبن بغداد کا ایک گاؤن تھا جس مین سبنی کپڑے بنے جاتے تھے، اور وہ ایک قسم کا سیاہ تہ بند ہوتا تھا جو سوت اور حریر سے تیار کیا جاتا تھا اور اس کو عورتین استعمال کرتی تھین، ابن خلدون نے اپنی کتاب اخبار الاندلس مین بغدادی چادرون کا ذکر کیا ہے جو زرین حریر سے تیار کی جاتی تھین، اور گھوڑون کی زیبایش و آرایش کے کام آتی تھین، یاقوت حموی نے خطیرہ کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے :-

"بغداد کا ایک بڑا گاؤن ہے . . جس مین نہایت باریک سوتی کپڑے تیار کیے جاتے ہین، اور انکو تاجر اپنے شہرون مین لے جاتے ہین، حرزم بغداد کا ایک محلہ ہے جس مین مختلف قسم کے جالی دار کپڑے تیار ہوتے تھے ،،

مقدسی لکھتا ہے :-

"کیا تم نے بصرہ کے ریشم وہان کے کپڑے اور وہان کی اور چیزون کا ذکر نہین سنا ہے؟ ابلہ مین کتان

---

[1] تنزیب کی اصل غالباً یہی ہے، [2] نوعے از جامہ باشد و آنرا از علف بافند (برہان قاطع)

کے قیمتی کپڑے بنتے ہین اور کوفہ مین ریشم کے نہایت عمدہ عمامے اور بغداد مین نادر چیزین اور طرح طرح

کے ریشمی کپڑے، نعمانیہ مین چادرین اور عمدہ ادنی کپڑے بنائے جاتے ہین، اور بغداد مین قیمتی

تہ بند، عمامے، قصریہ اور یوبیتہ مین رومال، تکریت کے ادنی کپڑے، واسط کے پردے"،

یہ اس مضمون کا خلاصہ ہی جو بغداد کے مشہور رسالہ لغۃ العرب[1] مین شائع ہوا ہے، اور مضمون نگار نے

اس کو ان پر حسرت الفاظ مین ختم کیا ہے،

"آج ان صنعتون کا نام و نشان بالکل مٹ گیا ہے، اور بجز حریر کے تہ بندون کے اور کوئی صنعت

باقی نہین ہے، کیونکہ یورپین کپڑون نے سب کا گلا گھونٹ دیا ہے، کاش وہ دن آئے

جب ہماری قدیم صنعتین دوبارہ زندہ ہو جائین"،

لیکن یہ پر حسرت داستان یہین ختم نہین ہو جاتی بلکہ اس کو اور بھی زیادہ پھیلا کر بیان کیا جاسکتا ہے

اور ہم اس مضمون کے ذریعہ سے یہی فرض انجام دیتے ہین، عنوان کے لحاظ سے اگرچہ یہ مضمون تمام مشرقی مصنوعات

پر مشتمل ہے، تاہم جہان تک معلومات کا تعلق ہے وہ صرف صنعت پارچہ بافی مین محدود کر دیا گیا ہے، حالانکہ قدیم

زمانے مین کوئی صنعت ایسی نہ تھی جو مشرقی ممالک مین نہ پائی جاتی ہو، اگرچہ یہ افسوسناک بات ہے کہ ہمارے

مورخین نے مشرقی صنائع کی کوئی مستقل تاریخ نہین لکھی، اس لیے اس موضوع کے متعلق مفصل اور مسلسل معلومات

بہ مشکل مل سکتی ہین، تاہم ہمارے جغرافیہ نویسون اور سیاحون نے اس کے متعلق جو جستہ جستہ معلومات فراہم کی ہین،

اُن سے مشرقی ممالک کی صنعتی ترقیون کا اندازہ نہایت خوبی کے ساتھ ہو سکتا ہے، اور ہم مختلف صنعتون کے

متعلق انہی معلومات کو مختلف عنوانات مین یکجا کر دیتے ہین،

کاغذ دار القز بغداد کا ایک عظیم الشان محلہ تھا، عربی زبان مین قز ریشم کو کہتے ہین، جس سے قیاس ہوتا ہے،

کہ اس محلے مین ریشمی کپڑے تیار کئے جاتے تھے، لیکن یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ "اب یہ محلہ بالکل ویران ہو گیا

ہے، صرف چار محلے باقی رہ گئے ہین، اور ان مین کاغذ بنایا جاتا ہے[2]"،

[1] لغۃ العرب فروری سنہ ۱۹۲۹ء [2] معجم جلد ۴ صفحہ ۱۱

شاطبہ | مشرقی اندلس کا ایک عظیم الشان پرانا شہر تھا، اور اس مین نہایت عمدہ کاغذ تیار کیا جاتا تھا جو اندلس کے تمام شہرون مین جاتا تھا[1]،

ظروف گلی | تونس افریقہ کا مشہور شہر ہے اور اس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "تونس مین پانی رکھنے کے لیے مٹی کے کوزے بنائے جاتے ہین جنکو ریحیتہ کہتے ہین، اور وہ اسقدر سفید اور شفاف ہوتے ہین کہ ان کے اندر کی چیز قریب قریب جھلکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور ملکون مین ان کی نظیر نہین پائی جاتی[2]"،

ظروف چوبی | بعلبک نہایت مشہور مشرقی شہر اور صنعت و حرفت کا مرکز تھا، اسکی نسبت ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ "یہان لکڑی کے برتن اور چمچے ایسے عمدہ بنائے جاتے ہین جنکی نظیر اور شہرون مین نہین ملتی، یہ لوگ بڑے پیالے کو دست کہتے ہین، اور بعض اوقات ایک پیالہ تیار کرتے ہین، پھر اسی کے اندر دوسرا پیالہ تیار کرتے ہین اور اس طرح ایک پیالہ کے اندر دس پیالون کی گنجایش نکال لیتے ہین، حالانکہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی پیالہ ہے، اسی طرح ایک چمچے کے اندر دس چمچے بنا لیتے ہین، جنکا غلاف چمڑے کا ہوتا ہے، اور جب کوئی شخص دسترخوان پر ان سے کام لینا چاہتا ہے تو دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی چمچہ ہے، لیکن اس کے اندر سے دس چمچے نکلتے ہین[3]"،

غنسار | یہ ایک شہر کا نام ہے جس کے ذکر مین یہی سیاح لکھتا ہے کہ "غنساوی کپڑے یہین تیار ہوتے ہین اور سب سے عجیب تر جو چیز یہان تیار ہوتی ہے وہ بانس کے طشت ہین، جن کے ٹکڑے باہم نہایت مہارت کیساتھ جوڑے جاتے ہین اور چمکدار سرخ رنگ سے ان کو رنگا جاتا ہے، اور ایک طشت کے اندر دس طشت ہوتے ہین لیکن دیکھنے والے کو ایک ہی طشت معلوم ہوتا ہے، یہ لوگ اسی بانس سے پیالے بھی بناتے ہین اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ وہ اوپر سے گر کر نہین ٹوٹتا، ان مین گرم کھانا رکھدیا جاتا ہے، لیکن ان کا رنگ نہین بدلتا اور وہ ہندوستان اور خراسان مین وہین سے لایا جاتا ہے[4]"۔

---

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۴۳۰ [3] ابن بطوطہ جلد ۱ صفحہ ۹۵ [4] ابن بطوطہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۵۔

ظروف برنجی | ارمناز حلب کے اطراف مین ایک نہایت قدیم شہر تھا جہان نہایت عمدہ دیگ اور لوٹے بنتے تھے[1]

شیشہ سازی | حلب کو نہایت قدیم زمانے سے شیشہ سازی مین شہرت حاصل ہے، اور آج ہر شخص اسی شہرت کی بناپر حلبی آئینہ سے واقف ہے، اور اس کو یہ شہرت اس کی قدرتی پیداوار کی بناپر حاصل ہوئی ہے، چنانچہ یاقوت حموی ایک پہاڑ کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "اس مین چار کانین ہین، ایک تارکول کی ایک گیرو کی، تیسری اس مٹی کی جس سے لوہے ڈھالنے کی کلیا بنائی جاتی ہے چوتھی اس ریگ کی جو حلب مین پیدا ہوتا ہے اور اس سے شیشہ بنایا جاتا ہے، اور وہ چونا کی طرح سفید ہوتا ہے[2]" لیکن حلب ہی کی کوئی خصوصیت نہین بلکہ قدیم شہرون مین بہت سے شہر اس صنعت کے جلوہ گاہ تھے، مثلاً ابن بطوطہ دمشق کی سڑکون کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "ان پر جوہریون کتب فروشون اور عجیب و غریب شیشے کے برتنون کے کاریگرون کی دوکانین ہین[3]"

مشہور تاریخی مقام قادسیہ کے علاوہ زمانہ قدیم مین ایک گانون بھی اسی نام سے آباد تھا اور اسکی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "وہان شیشے بنائے جاتے ہین[4]"

چرم سازی | زمانہ جاہلیت کے اشعار مین عرب کے بعض مقامات کے مشہور چمڑون کا ذکر آتا ہے، احادیث مین بھی اسی قسم کی تصریحات ملتی ہین، بالخصوص ادیم یمنی تو عام طور پر مشہور ہے، لیکن ان کے علاوہ جغرافیون اور سفرنامون مین اور بھی متعدد مقامات کے نام ملتے ہین، جو چرم سازی یعنی چمڑون کی دباغت مین مشہور تھے، مثلاً یاقوت حموی اغمات کے ذکر مین جو مغرب کا ایک مشہور شہر تھا لکھتا ہے کہ "یہان چمڑون کی دباغت اس خوبی کے ساتھ ہوتی ہے کہ دنیا کے اور چمڑے ان کے آگے کوئی حقیقت نہین رکھتے، اور وہان سے وہ مغرب کے تمام شہرون مین لائے جاتے ہین، اور مغربی لوگ ان کے سخت خواہشمند ہوتے ہین[5]"

اسی طرح مغرب کے شہرون مین غدامس کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہان غدامسی چمڑون کی دباغت ہوتی

---

[1] معجم البلدان جلد اول صفحہ ۲۰۰ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ [3] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۶۵ [4] معجم جلد ۷ صفحہ ۲۰

[5] معجم جلد اول صفحہ ۲۹۶،

اور یہ بہترین دباغت شدہ چمڑا ہوتا ہے جس کے آگے خوبی کا کوئی درجہ نہین، نرمی اور چمک مین گویا وہ ریشمی کپڑا معلوم ہوتا ہے[1]

صعدہ یمن کا ایک شہر تھا اور اس مین چرم سازی کے متعدد کارخانے تھے، جہان جوتے کے لیے گاے بیل کے چمڑے کی دباغت ہوتی تھی[2]

صنعت پارچہ بافی اس صنعت کی ترقی کا پہلا دور سلیمان بن عبد الملک کے زمانے سے شروع ہوا کیونکہ وہ نہایت خوش خوراک اور خوش پوشاک تھا اس لیے اس کے دور حکومت مین قدرتی طور پر صنعت پارچہ بافی کو ترقی ہوئی، اور اسکے بعد مشرق کے تمام شہر تمام قصبات اور دیہات اس صنعت کا مرکز بنگئے، چنانچہ ان مین جس قسم کے کپڑے تیار ہوتے تھے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

مصلی اور قالین آمُل طبرستان کا مشہور شہر ہے، اور وہان طبرستانی مصلے اور نہایت عمدہ قالین تیار ہوتے تھے[3]

اِتش اندلس کا ایک شہر تھا اور یہان بے نظیر قالین تیار ہوتے تھے[4]

اقصرا روم کا ایک بہترین شہر تھا اور وہان بے مثل اونی قالین بنائے جاتے تھے، جو شام و مصر و عراق، ہندوستان، چین اور ترکستانی شہرون مین لائے جاتے تھے[5]

تبسہ افریقہ کا ایک مشہور شہر تھا جہان نہایت مضبوط اور لمبے چوڑے قالین تیار ہوتے تھے، اور مدتون ٹھہرتے تھے[6]

تنس بحر مصر کا ایک جزیرہ تھا جہان رنگین کپڑے، اور رنگا رنگ کے قالین بنائے جاتے تھے[7]

قالیقلا ارمینیہ کے اطراف مین ایک شہر تھا جس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے،

وتعمل بقالیقلا هذہ البسط المسماة بالقالی اختصروا فی النسبة الی بعض اسمه لثقله[8]

قالیقلا مین یہ بچھونے جنکو قالی کہتے ہین، بنائے جاتے ہین اختصار کے لئے اس کے نام کے ایک جزو کی طرف ان کو منسوب کر دیا ہے،

---

[1] معجم جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ [2] معجم جلد ۵ صفحہ ۳۵۰، [3] معجم جلد اول صفحہ ۶۳ [4] ایضاً صفحہ ۲۲۴ [5] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۲۲۲ [6] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۶۳ [7] ایضاً صفحہ ۴۱۹ [8] معجم جلد ۷ صفحہ ۱۷،

اس عبارت سے قالین کی وجہِ تسمیہ بھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ فارسی مین قالین کو قالی ہی کہتے ہین جو

اردو مین قالین ہوگیا ہے،

جہرم ایک ایرانی شہر تھا جہان نہایت عمدہ قالین تیار ہوتے تھے، اور خود ان قالینون کو بھی جہرم

کہتے تھے[1] اور غالباً جاجم کی اصلیت یہی ہے،

معجم وغیرہ مین ان مواقع پر "بسط" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بساط کی جمع ہے اور وہ قالین کے

علاوہ بچھانے کی اور تمام چیزون کو شامل ہے،

پردے | بصنا اہواز کے اطراف مین ایک شہر تھا جہان کے تمام مرد اور تمام عورتین اُون کاتتی تھین اور فرش

اور پردے بنتی تھین[2]

غندجان ایران کا ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہان قالین، پردے

اور کرسیان وغیرہ اس قدر عمدہ بنتی ہین، جو ارمنون کی صناعیون کا مقابلہ کرسکتی ہین، یہین سے بادشاہ

کے لیے طراز بھی بنکر تمام ملکون مین جاتا تھا[3]، جس کی حقیقت ابن خلدون نے ان الفاظ مین بیان کی ہے

"بادشاہون کے نام یا اس کی مخصوص علامتین ان کے حریر و دیبا کے لباس مین بیل بوٹون کے ساتھ کاڑھے

جاتے ہین، اور ان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ سنہرے دھاگے یا ایسے رنگین دھاگون سے جو اس کپڑے

کے رنگ سے مختلف ہون بن دیے جائین اور اس طریقے سے شاہی کپڑے شاندار ہوجاتے ہین"

رومال | سمنان، رے اور دامغان کے درمیان ایک شہر تھا جہان نہایت عمدہ رومال بنائے جاتے تھے[4]

عربی زبان مین رومال کو مندیل کہتے ہین جس کو ہمارے جغرافیہ نویسون نے نہایت وسیع معنون مین استعمال

[1] معجم جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۲۱۰

[3] معجم جلد ۶ صفحہ ۳۱۰

[4] معجم جلد ۵ صفحہ ۱۲۹،

کیا ہے، اس لیے سرپوش اور دسترخوان وغیرہ بھی اس مین داخل ہو گئے ہین، چنانچہ اسی وسیع معنی کی بناپر یاقوت حموی بشاری کے حوالے سے بدخشان کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "یہان ابرک پیدا ہوتا ہے جس کو آگ نہین جلاسکتی، اس کو تیل کے اندر رکھکر آگ لگا دیجاتی ہے تو وہ چراغ کی بتی کی طرح جلنے لگتا ہے، لیکن تیل تو جل جاتا ہے اور وہ بعینہٖ اپنے اصلی رنگ و روپ کے ساتھ قائم رہتا ہے، اس سے بڑے دبیز سرپوش بنائے جاتے ہین، اور جب وہ میلے ہو جاتے ہین اور ان کے دھونے کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کو آگ مین ڈال دیا جاتا ہے جس سے میل کچیل جل جاتا ہے اور وہ خود آگ سے صاف ستھرا اور بیداغ ہو کر نکل آتا ہے[۱]"،

چادر — قلعہ حماد، مغرب کا ایک شہر تھا، جہان ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ تھا اور غالبًا یہ شہر اُسی قلعہ کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہو گیا تھا، یاقوت حموی اس قلعہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "اس کا منظر تو اچھا نہین البتہ اس کے گرد بہت سے زرخیز گانون آباد ہین، جہان انجیر اور انگور پیدا ہوتے ہین، یہان باریک بناوٹ کی نہایت عمدہ چادرین بنتی ہین، جنپر سنہرے بیل بوٹے ہوتے ہین، یہان کے اون مین اس قدر نرمی اور چمک ہوتی ہے جو سونے کے ساتھ مل کر ریشم کا مقابلہ کرتا ہے[۲]".

ایران کی انتہائی سرحد پر تارم ایک شہر تھا جہان نہایت قیمتی ریشمی چادرین تیار ہوتی تھین[۳]، رصافہ شام ہشام بن عبدالملک کا آباد کیا ہوا تھا اور یہان کے لوگ چادرون کے بننے مین نہایت مہارت رکھتے تھے، یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہان کے غریب و امیر سب کے سب اُون کاتتے ہین اور ان کی عورتین بنتی ہین[۴]، دریائے نیل کے مغرب مین سبنو ایک مقام ہے جہان نہایت عمدہ چادرین بنتی تھین[۵] عفارہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو یہود اپنی عبادت گاہون مین اوڑھ کر جاتے ہین، اور اس قسم کی چادرون کے بننے مین سجلماسہ کے لوگ نہایت مہارت رکھتے تھے (معجم جلد ۵ صفحہ ۱۸۱)

---

[۱] معجم جلد ۲ صفحہ ۹۲، ۹۳ [۲] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ [۳] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۵۳ [۴] معجم جلد ۴ صفحہ ۲۰۵ [۵] معجم جلد ۵ صفحہ ۳۴۳،

تہ بند سجلماسہ، جنوب مغرب مین ایک شہر تھا جہان کی عورتین اُون کاتتے مین نہایت مہارت رکھتی تھین اور اس سے نہایت نادر قسم کے تہ بند تیار کرتی تھین، جنکی قیمت ۳۵ دینار سے زائد ہوتی تھی[1]،

تس ہندوستان کا ایک شہر ہے اور غالباً کچھ کا معرب ہے، اس کے ذکر مین یاقوت حموی لکھتا ہے کہ

"یہان سے مختلف قسم کے کپڑے اور تہ بند لائے جاتے ہین اور ہندوستان سے جو چیزین آتی ہین اون مین سب سے بہتر یہی ہے، یہان سے نیل بھی آتا ہے جو رنگنے کے کام آتا ہے، اور وہ بھی اپنے اقسام مین سب سے بہتر ہوتا ہے[2]"،

عمامہ تستر خوزستان کا بہت بڑا شہر ہے، جہان نہایت عمدہ کپڑے اور نہایت عمدہ عمامے بنائے جاتے تھے، چنانچہ ایک دن صاحب بن عباد نے تستر کا بنا ہوا، ایک منقش عمامہ باندھا تو اس کے بعض ہمنشینون نے اس کو بغور دیکھنا شروع کیا اس پر صاحب بن عباد نے یہ لطیف ادیبانہ فقرہ کہا،

ماعملت بتُستَر لتستر یعنی یہ تستر مین اسلیے نہین بنایا گیا کہ اسکو چھپا کر رکھا جائے۔

یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہ فقرہ صاحب بن عباد کے نوادرات مین سے ہے[3]،

پوستین سرقسطہ اندلس کا مشہور شہر ہے اور اس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "سمور صرف اسی شہر مین بنایا جاتا ہے اور وہ نہایت باریک کپڑا ہوتا ہے جو سرقسطیہ کے نام سے مشہور اور اسی اطراف کے باشندون کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن اس جگہ جس سمور کا ذکر ہے اس کی حقیقت سے مین ناواقف ہون یا تو وہ ایک گھاس کا نام ہے جو وہان ہوتی ہے، یا ایک مشہور جانور کا اون ہے، اور اگر وہ یہی مشہور جانور ہے تو اس کو جند بادستر بھی کہتے ہین[4]،

مصیصہ، انطاکیہ اور بلاد روم کے درمیان مسلمانون کا مشہور فوجی مرکز تھا اور یہان پوستین بنائے جاتے تھے جو اور ملکون مین جاتے تھے، اور ایک پوستین کی قیمت ۳۰ دینار تک ہوتی تھی[5]،

---

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۱۴ [2] رر جلد ۷ صفحہ ۸۵ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۳۸۷ [4] معجم جلد ۵ صفحہ ۱، [5] ایضاً جلد ۸ صفحہ ۱۰

نقاب | سرخس خراسان کے اطراف مین ایک نہایت قدیم شہر تھا اور یہان کے باشندے عورتون کے لیے نقاب، اوران کے سر مین باندھنے کے رومال وغیرہ کے بنانے مین نہایت مہارت رکھتے تھے[1]

نمدے | تلمسان مغرب کا ایک مشہور شہر ہے جہان گھوڑون کی ایک خاص نسل نہایت شہرت رکھتی تھی، اوراس مناسبت سے یہان گھوڑون کی زین کے نیچے رکھنے کے لیے نہایت عمدہ نمدے تیار کیے جاتے تھے، چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "تلمسان مین راشدی گھوڑون کو اور تمام گھوڑون پر فوقیت حاصل ہے، اور وہان کی عورتین مختلف قسم کے اونی نمدے تیار کرتی ہین جو وہان کے سوا اور شہرون مین نہین ملتے"، سبنو صعید مصر کا ایک گانون ہے اور یہان بھی نہایت عمدہ نمدے بنائے جاتے تھے (معجم جلد ۵ صفحہ ۱۴۵)

کپڑون کی ان مخصوص قسمون کے علاوہ عام ریشمی، سوتی اور اونی کپڑے تو تقریباً تمام شہرون مین بنے جاتے تھے، مثلاً

ریشمی کپڑے | البیرہ، اندلس کا ایک بہت بڑا ضلع تھا جس مین بڑے بڑے شہر آباد تھے اوراس کے گوشے گوشے مین کتان اور حریر تیار کیے جاتے تھے[2]

تبریز نہایت متمدن اور نہایت خوبصورت اسلامی شہر تھا اور یہان عبابی، خطائی، زرکار ریشمی کپڑے اور اطلس وغیرہ تیار ہوتے تھے جو مشرق اور مغرب کے تمام شہرون مین جاتے تھے[3]

توج ایران کا ایک شہر تھا جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین فتح ہوا تھا اور یہان کتان کے کپڑے تیار ہوتے تھے جو یہان کی مخصوص چیز سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہان کتان کے کپڑے تیار کیے جاتے ہین جو مصین کی سرزمین کی طرف منسوب ہین، اگرچہ جو لوگ اس قسم کے کپڑے تیار کرتے ہین وہ زیادہ تر کازرون کے باشندے ہین، لیکن اس کپڑے کی نسبت توج کی طرف اس لیے کیجاتی ہے کہ توج کے باشندے اسکی صنعت

---

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۶۵ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ [3] معجم جلد اول صفحہ ۳۲۲ [4] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۶۲

مین بہت زیادہ مہارت رکھتے ہین، یہ ایک باریک اور جالی دار کپڑا ہوتا ہے جو چھلنی سے مشابہت رکھتا ہے، لیکن اس کا رنگ نہایت عمدہ ہوتا ہے اور اس پر سنہرے بوٹے ہوتے ہین، اس کے ڈھیر گن گن کر فروخت ہوتے ہین، اہل خراسان اس کا بڑا شوق رکھتے تھے اور یہ وہان بکثرت جاتا تھا، اس کی ایک اور باریک قسم تیار کیجاتی ہے، جس کو لوگ استعمال کرتے ہین[1]،

جرجان ایک مشہور اسلامی اور تاریخی شہر ہے، جہان ریشم پیدا ہوتا تھا، اس لیے قدرتی طور پر وہ ریشمی کپڑون کا مرکز تھا، چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہان ریشم اور ریشمی کپڑون کی پیداوار ہوتی ہے جو اور ملکون مین جاتے ہین، جرجان کا یہ ریشم ایک کیڑے سے پیدا ہوتا ہے جو طبرستان مین جاتا ہے، اور طبرستان مین ریشم نہین پیدا ہوتا[2]،

قابس افریقہ کا نہایت متمدن اور زرخیز شہر تھا، جہان مختلف پھلون کے ساتھ ریشم بھی بکثرت پیدا ہوتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہان شہتوت کے درخت بکثرت تھے اور اون کے ایک درخت سے جس قدر ریشم پیدا ہوتا تھا دوسرے شہرون کے پانچ درختون سے بھی نہین پیدا ہو سکتا تھا، اس بنا پر یہان نہایت عمدہ اور نہایت باریک حریر تیار ہوتا تھا، جو افریقہ کے اور صوبون مین مطلق نہین پایا جاتا تھا[3]،

مریہ اندلس کا اسلامی شہر تھا جو ضلع بیرہ مین واقع تھا، اور یہان نہایت عمدہ دیبا تیار ہوتا تھا، جو پہلے قرطبہ مین بُنا جاتا تھا پھر اہل مریہ نے اسکی صنعت مین قرطبہ پر تفوق حاصل کر لیا، اور اس حیثیت سے اندلس کے اور شہرون سے ممتاز ہو گئے[4]،

عمان مین چند گاؤن تھے جن کے مجموعے کو نزوہ کہتے تھے، یہان ایک قسم کا حریر تیار ہوتا تھا جو عرب کے اور شہرون مین نہین پایا جاتا تھا، بالخصوص اس کے تہ بند غیر معمولی قیمت پر فروخت ہوتے تھے، یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "مین نے ان کو دیکھا اور پسند کیا[5]"، احادیث مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے قسی کپڑون

---

[1] معجم جلد ۲ صفحہ ۴۲۶، [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۵، [3] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۲، [4] ایضاً جلد ۸ صفحہ ۲۴، [5] ایضاً جلد ۸ صفحہ ۲۸۱،

کے استعمال کرنے سے منع فرمایا، لیکن اس کی حقیقت مین بڑا اختلاف ہے، بعض لوگون کے نزدیک قس ایک جگہ کا نام ہے اور یہ کپڑا اسی کی طرف منسوب ہے، بعضون کے خیال مین ایک مخصوص ریشمی کپڑے کا نام ہے، جو مصر سے آتا تھا، اور بعضون کے نزدیک یہ قز کا معرب ہے جس کے معنی ریشم کے ہین[1]، بہرحال یہ ایک ریشمی کپڑا ہوتا تھا جو مشرق ہی مین تیار کیا جاتا تھا؛

سوتی کپڑے باب بزاعہ، حلب کے صوبہ وادی بطنان کا ایک چھوٹا سا شہر تھا جہان بکثرت گاڑھا (کرباس) تیار ہوتا تھا اور مصر اور دمشق مین جاتا تھا[2]،

باقداری بغداد کا ایک گانون تھا جہان دبیز سوتی کپڑے بنے جاتے تھے جو بغداد مین نہایت مشہور تھے[3]،

حربی بھی بغداد اور تکریت کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا اور یہان بھی گاڑھا (کرباس) تیار ہوتا تھا جنکو تاجر اور تمام ملکون مین لے جاتے تھے[4]؛

لاذق ایک رومی شہر تھا اور یہان بھی نہایت عمدہ سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے، چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس شہر کے بازار نہایت عمدہ ہین اور یہان بے نظیر سوتی کپڑے بنائے جاتے ہین جنپر سنہرے بیل بوٹے ہوتے ہین، چونکہ یہان کی روئی عمدہ ہوتی ہے اور مضبوطی کے ساتھ کاتی جاتی ہے اس لیے یہ کپڑے نہایت پائدار ہوتے ہین اور مدّتون ٹھہرتے ہین، یہ کپڑے اسی شہر کی نسبت کے ساتھ مشہور ہین، اور ان کپڑون کی کاریگر زیادہ تر رومی عورتین ہوتی ہین، اور یہان بکثرت رومی رہتے ہین، جو ذمیون کی حیثیت رکھتے ہین[5]،

ان کپڑون کے علاوہ اور مختلف مواقع پر صنعت پارچہ بافی کا ذکر ملتا ہے، لیکن ان کی نوعیت کا پتہ نہین چلتا، یعنی یہ نہین معلوم ہوتا کہ وہ سوتی ہوتے تھے یا ریشمی؛ مثلاً یاقوت حموی اروستان کے ذکر مین لکھتا ہے کہ یہان بڑے بڑے گانون آباد ہین، جہان نہایت عمدہ کپڑے تیار ہوتے ہین، اور تمام ملکون مین جاتے ہین[6]، توزہ کی نسبت لکھتا ہے کہ یہان کے کپڑے اور ان کے بیل بوٹے حسن و خوبی مین ضرب المثل ہین[7]،

---

[1] معجم جلد ۷ صفحہ ۵۰۸ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۹ [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۰۴ [4] معجم جلد ۳ صفحہ ۲۴۵ [5] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۲۱۷، [6] معجم جلد اول صفحہ ۱۰۶ [7] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ .

کے متعلق لکھتا ہے کہ "شطوی کپڑے اسی کی طرف منسوب ہین، اور یہان اور دمیاط مین وہ قیمتی کپڑا تیار ہوتا ہے

کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ اس مین سنہرا کام نہین ہوتا[1]"،

ابن بطوطہ ایک چینی شہر کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "اس شہر مین چند سائبان بنے ہوے ہین جنمین کاریگر رہتے

ہین جو عمدہ کپڑے اور آلات حرب بناتے ہین[2]"،

ان تصریحات کے ساتھ مشرقی ممالک مین صنعتی گرم بازاری کا اندازہ کاریگرون کی کثرت سے بھی ہو سکتا

ہے اور اس کے متعلق بھی کتابون مین بکثرت معلومات ملتی ہین، مثلاً یاقوت حموی اصبہان کے ایک

گاؤن کی نسبت لکھتا ہے کہ "یہان کے باشندے زیادہ تر جولاہے ہین[3]" ابن فقیہ ایک موقع پر خراسان کے متعلق لکھتا ہے

کہ "صنعتی خوبی کے لحاظ سے وہ گویا چینی شہرون کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، یہان کے لوگ تجارتی زندگی بسر کرتے ہین[4]"

بم کے ذکر مین یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "کرمان کا نہایت عمدہ شہر ہے اور یہان کے لوگ خاص طور پر صنعتی

مہارت رکھتے ہین جو زیادہ تر جولاہے ہین اور یہان کے کپڑے تمام شہرون مین مشہور ہین[5]"،

دمیاط کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "وہ اسلام کا ایک فوجی مرکز ہے اور عمدہ شرب[6] کے کپڑے کی صنعت مین مشہور

ہے اور دمیاط اور تنیس کی یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ جو جولاہے ان قیمتی کپڑون کو بنتے ہین وہ قبطی ہوتے

ہین جو پست ترین طبقہ سے تعلق رکھتے ہین، نہایت ذلیل کھانا کھاتے ہین، اور کھانے کے بعد ہاتھ تک نہین دھوتے،

پھر اسی حالت مین یہ قیمتی کپڑے بنتے ہین، اور جب ایک خریدار ان کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عود سے

بسائے گئے ہین، یہ بھی یہان ایک عجیب بات ہے کہ یہان دریا کے کنارے چند مکانات ہین جو کارخانے کے نام سے موسوم ہین،

جولاہے ان کپڑون کے بننے کے لیے ان کو کرایہ پر لے لیتے ہین، اور وہین یہ کپڑے عمدہ بنتے ہین، اگر کسی دوسری جگہ بنے

جائین یہان تک کہ اگر ان مین صرف ایک بالشت کی کسر رکھی جائے جو ان کارخانون مین لاکر پوری کر لیجائے اور دلال کو

---

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۲۶۴ [2] ابن بطوطہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۴ [4] کتاب البلدان صفحہ ۳۱۶ [5] معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ [6] جنسے باشد از کتان نازک و رقیق کہ بیشتر در مصر بافند و اکابر و بزرگان آنجا بر سر بندند و آن بسیار لطیف و گرانمایہ دست زبر باشد ن

(قاطع)

معلوم ہوجائے تو وہ اس کی قیمت کم کردیتا ہے کیونکہ اس سے کپڑے کی نوعیت مین فرق آجاتا ہے،

دمیاط مین ہر قسم کا قصب بلخی اور شرب تیار ہوتا ہے لیکن تنیس ان کی صنعت مین دمیاط کا مقابلہ نہین کرسکتا حالانکہ دونون کے درمیان صرف دو پہر کا راستہ ہے، دمیاط مین سفید کپڑے کی قیمت تین سو دینار تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ اس مین سونا نہین ہوتا، دمیاط مین رنگین کپڑا اور تنیس مین سفید کپڑا نہین بنایا جاتا بعض معتبر تاجرون کا بیان ہے کہ ۳۹۸ھ مین دو دمیاطی حلے تین ہزار دینار مین فروخت کئے گئے، اور ایسا کسی اور شہر مین نہین سنا گیا، یہان ہر قسم کے بوٹے دار اور منقش فرش قلمونی اور تولیے بنائے جاتے ہین جو دنیا کے تمام بادشاہون کی خدمت مین ہدیۃً پیش ہوتے ہین[۱]۔

سمیران کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہ ایک مضبوط قلعہ اور محمد بن مسافر کے قبضہ مین ہے، وہ جب کوئی عمدہ تجارتی مال یا کوئی عمدہ صنعت دیکھتا ہے تو اس کے بنانے والے کا نام پوچھتا ہے، اور جب اس کو اس کی جائے سکونت معلوم ہوجاتی ہے تو اس کے پاس اس قدر مال بھیجدیتا ہے جو اس کے لیے موجب ترغیب ہوسکتا ہے، اور اس کے پاس آنے کے بعد اس سے بہت زیادہ مال کا وعدہ کرتا ہے، پھر جب وہ اس کے پاس آجاتا ہے تو قلعہ سے نکلنے نہین دیتا وہ اپنی رعایا کے بچون کو بھی صنعتی کاروبار مین لگاتا ہے[۲]"،

سوسہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس کے اکثر باشندے جولاہے ہین جو سوتی کپڑے بنتے ہین، اور یہ کپڑے اگر دوسرے شہرون مین بنتے ہین تو وہ ان کے مشابہ ہوتے ہین، خود سوسہ مین اس کپڑے کی قیمت دس دینار ہوتی ہے[۳]" دوسرے موقع پر لکھتا ہے کہ "سوسہ مین جولاہون کا پیشہ بہ کثرت رائج ہے، اور یہان ایک قسم کا سوت کاتا جاتا ہے جسکے ایک مثقال کی قیمت سونے کے دو مثقال کے برابر ہوتی ہے[۴]"، صالقان کی نسبت لکھتا ہے کہ "اس کے اکثر باشندے جولاہے ہین[۵]"،

[۱] معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۸۰، [۲] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۳۵، [۳] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۳۲، [۴] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۷۵، [۵] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۳۳۲

ایک کمیاب اردو مخطوطہ
"قصۂ حضرت تمیم انصاری رضؓ"

(کتب خانۂ کلیۂ جامعہ عثمانیہ مین)

از

مولوی عبد القادر صاحب سروری، ایم اے، ال ال بی، اسسٹنٹ پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ کالج

کتب خانۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے اردو مخطوطون کی تفصیلی فہرست (Descriptive Catalogue) کی ترتیب کے دوران مین قدیم دکنی اردو کے بعض کمیاب مخطوطے بھی مجھے دستیاب ہوئے جو کتب خانہ مین داخل کیے گیے، انھین مین صنعتی کا "قصہ حضرت تمیم انصاری رضؓ" بھی ہے، مولوی عبد الحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو کو اس مخطوطے کی کیفیت لکھنے پر موصوف نے مطلع فرمایا کہ آپ کے پاس بھی اس کا ایک غیر مکمل مخطوطہ موجود ہے، ان دو کے سوا کسی اور نسخے کا علم نہین۱؎، بحالت موجودہ کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کا نسخہ ہی مکمل معلوم ہوتا ہے اور اسلیے قیمتی ہے،

حیدرآباد مین باوجود قدیم ترین کتب خانون کے خود دکنی کتابون کی ریسرچ کا مواد اساسی کتب (REFERENCE WORKS) وغیرہ جیسی کہ ضرورت ہے نہین مل سکتے تاہم کمیاب مخطوطون کے متعلق ممکنہ سعی سے جس قدر معلومات فراہم ہوسکتی ہین، ان سے ایک

۱؎ اس مضمون کے لکھے جانے کے بعد ہم نے صنعتی کے قصے کا ایک اور نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر مددگار محکمہ صفائی (حیدرآباد دکن) کے کتبخانہ مین دیکھا، یہ نسخہ بھی مکمل اور نفیس ہے،

مضمون "باقر آگاہ" پر لکھا گیا تھا جو رسالہ "اردو" (اورنگ آباد دکن بابتہ اپریل سنہ ۱۹۲۸ء) مین شائع ہوا۔ یہ دوسرا مخطوطہ ہے جو شاید اب تک گوشۂ گمنامی مین پڑا ہوا تھا،

(عبدالقادر سروری)

قصہ حضرت تمیم انصاریؓ تقریباً تین سو سال پیشتر یعنی گیارہوین صدی ہجری کے وسط مین لکھا گیا تھا، اس کا مصنف بیجاپور کے دربار کا ایک شاعر صنعتی ہے، یہ تصنیف غالباً اردو منظوم قصہ نویسی کی تاریخ مین ابتدائی مرحلہ ہے، ادبیات کے متعلق بارہا کہا گیا ہے کہ وہ اپنے پیدایشی ماحول اور زمانہ کے رجحانات کا عکس ہے اردو کے متعلق اس امر مین کچھ شبہ نہین کہ یہ زبان مسلمانون اور ہندوون کے باہمی میل جول، ایک کا دوسرے پر عمل اور ردعمل اور بڑی حد تک انکی باہمی مفاہمت اور انس و یگانگت کا نتیجہ ہے،

مسلمانون کے ہندوستان مین مستقل طور پر آنے سے پہلے[1] اور اس کے فوراً بعد ہی سے انھون نے ہندو مسلک کے حق مین انصاف کرنے کی خاطر اس کو سمجھنے کی طرح طرح سے کوشش کی، عباسی خلفاء کے عہد ہی سے مسلمان ہندی تہذیب سے اپنے سیاح اور مصنفین وغیرہ کے ذریعہ روشناس ہو چکے تھے، لیکن ہندوستان کو اپنا وطن قرار دینے کے بعد یہ چیز اور بھی نمایان ہو گئی، یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان جو اسلامی عہدِ حکومت ہند کی قدیم ترین زبان ہے، مین بہت سی تصنیفات ہندو مسلک سے متعلق ملتی ہین،

ایک طرف تو وہ خود اس ملک کو زیادہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، دوسری طرف انھون نے ہندوؤن کو صحیح اور صحت بخش اصول پر اپنے آپ سے مانوس بنانے کی خاطر اپنے مشرب اور مذہب کو بھی ان پر واضح کرنے کی طرح طرح سے کوششین کین، اس تاریخی حقیقت کو نظر مین رکھتے ہوے اس اتفاق پر زیادہ استعجاب نہین ہوتا کہ اردو کے ابتدائی ادب کے پیدا کرنے والون مین اکثر مذہبی پیشواؤن کے اسمائے گرامی دیکھنے مین آتے ہین، اس سے ابتدائی ادب کے خاص خاص رجحانات کا پتہ چلانے مین بھی آسانی

[1] یہ اشارہ ہے البیرونی وغیرہ کی طرف جنھون نے خلفائے عباسیہ کے عہد مین ہندوستان کا سفر کیا اور یہان کے حالات کا مطالعہ کیا،

ہو جاتی ہے، چنانچہ اس دور کے کارنامے فطری طور پر تمام تر مذہبی تحریرون پر مشتمل ہین، "دکنی دور" جو اردو ادب کی پیدائش کا اولین دور ہے، اس کے تین سو سال کے اندر (۸۰۰ - ۱۱۰۰) جس قدر وسیع ادب پیدا ہوا اس کا بیشتر موضوع مذہب ہے، اسکی تفصیل یہان بے موقع ہے، صرف ہم اس قصہ کی موضوعی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے لیے ان ابتدائی امور کی طرف توجہ منعطف کرانی ضرور سمجھتے تھے،

قصہ گوئی اور قصہ نگاری، ہر قوم کی تمدنی ابتدا کا ایک دلچسپ واقعہ ہے، اس کی سنجیدہ اور فنی اہمیت سے قطع نظر کم سے کم دل بہلانے کے لیے اس کی ضرورت ہر جگہ اور ہر وقت مسلم ہے، لیکن قدیم ترین اردو مصنفین جنھین سے اکثر کسی حال مین بھی مذہبی پیشوا نہین تھے، اور جو زیادہ مذہبیات پر قلم اٹھانا نہین چاہتے تھے وہ بھی، مذہب کے گہرے اثرات سے خالی نہین تھے، چنانچہ قصہ نگاری جسے بظاہر مذہبیات سے کسی قسم کا تعلق نہین نظر آتا وہ بھی مذہب کے سہارے ہی چلنا چاہتی تھی، اس وقت کے عام رجحانات کی طرح قصہ نگارون کا بھی ایک رجحان تھا، چنانچہ مختلف قدیم قصون مثلاً "زلیخائے ثانی" (مصنفہ فتح) قصہ ملکہ مصر (مصنفہ عاجز) وغیرہ کی طرح قصہ تمیم انصاری بھی اسی قسم کے میلانِ طبع کا ایک ظہور ہے،

صنعتی جس کا علمی دنیا کو کم سے کم حال معلوم ہوا ہے دکن کے غالباً شہر بیجاپور یا اس کے نواح مین اس زمانہ مین پیدا ہوا، جبکہ شمالی ہند مین خوش حالی کا دورہ اکبر اعظم کی علمی ترقیون سے مستفید ہو چکا تھا، اور اب اس کا سلسلہ شاہجہان کی یادگار حکومت مین اپنی منتہا تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا، فارسی زبان، اور "ہندی فارسی" شاعری کے چرچے دربار کے اندر اور باہر خوب ہو رہے تھے، اردو شاعری کی تصنیف و تالیف کا تو یہان کوئی ذکر نہین، لیکن اس مین شبہہ نہین کہ دوآبے مین اور اس کے اطراف یہ زبان خاموشی کے ساتھ بن رہی تھی،

صنعتی کا ذکر تذکرون مین نایاب ہے، خوش قسمتی سے خود اس نے تمہید مین چند ایسے واقعات بیان کئے ہین جن سے اس کے متعلق تو نہین مگر اس کے ماحول کے مطابق کافی معلومات حاصل ہو سکتی ہین،

اس نے سلاطینِ عادل شاہی کے غالبًا دو سلسلے دیکھے، چنانچہ وہ اپنی اس تصنیف کے اندر محمد شہ
بادشاہ کی تعریف کرتا ہے،

کہ ہے جگپو او سایہ کردگار ۔۔۔ اچنبا ہے یو پوچھا کون پروردگار

محمد شہ داد گر دین پناہ ۔۔۔ کہ ہر دم محمدؐ جسے دستگاہ

یہاں محمد شہ سے خیال دکن کے ان تمام حکمرانوں کی طرف جا سکتا ہے جن کے نام یا نام کا جز
محمد شہ ہو، چنانچہ سلاطین بہمنیہ میں اسی نام کے تین بادشاہ گذرے ہیں، محمد شاہ بن بہمن شاہ (۷۵۹ -
۷۷۶ھ) محمد شاہ ثانی (۷۸۰-۷۹۹ھ) محمد شاہ ثالث جس کا پورا نام شمس الدین محمد شاہ تھا، (۸۶۷-۸۸۷ھ)
لیکن ان میں سے آخری بادشاہ کے زمانے سے بھی صنعتی کا زمانہ مطابقت نہیں کرتا، یہ قصہ اس نے
جس سنہ میں لکھا اس کو اور شمس الدین محمد ثالث کے زمانے کو ایکسو اڑسٹھ (۱۶۸) سال ہوتے ہیں اگر
اس قصہ کے لکھنے کے وقت صنعتی کی عمر کم سے کم بیس سال کی بھی سمجھی جائے تو اس حساب سے اس کے
قصے کے لکھنے کے وقت اس کی عمر (۱۸۸) سال کی ہوگی، جو ناممکن ہے، اس لیے یہ یقین ہے کہ بہمنی سلسلے
کے اس نام کے بادشاہوں میں سے کسی کے عہد میں صنعتی موجود نہیں ہو سکتا، اسی طرح سلاطین قطب شاہیہ
میں محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸-۱۰۲۰ھ) اور محمد قطب شاہ (۱۰۲۰-۱۰۳۵ھ) جس کے متعلق صنعتی کے معاصر
ہونے کا شبہہ ہو سکتا تھا، کوئی بھی اس قصے کے لکھنے کے وقت زندہ نہیں رہ سکتا،

صنعتی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد شہ ابراہیم شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، اس سے ہمارے قیاس کو
مزید تقویت ہوتی ہے، کیونکہ محمد عادل شاہ سے بالکل پہلے ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸-۱۰۳۷ھ) تخت نشین
تھا، صنعتی کے شعر میں محمد شاہ کے نام کے ساتھ "دادگر" کی صفت یقینًا اس کے عادل شاہی لقب کی طرف
اشارہ ہے،

یہ محمد شاہ دکن کا حکمران تھا، جس کو صنعتی ہی نے اپنے ایک شعر میں صاف کر دیا ہے، بیجاپور کے

پادشاہون کو شاعرون اور مورخون نے عموماً "شاہِ دکن" یا "پادشاہِ دکن" ہی لکھا ہے،

دکھن کا تون ہے خسروِ نامدار . جتے تاجداران و تے باجدار

فرشتہ نے اپنی مشہور "تاریخ فرشتہ"[1] ابراہیم عادل شاہ ثانی ہی کے زمانے مین لکھی، غالباً ابراہیم عادل شاہ کے عہد مین صنعتی کم عمر تھا، ورنہ وہ خصوصاً اس مقام پر جہان اُس نے ابراہیم کے فرزند علاء الدین کی پیدایش کے جشن کا حال لکھا ہے اور ضمناً شاعرون کے نام بھی لے لیے ہین ضرور صنعتی کا ذکر کرتا،

"بساتین السلاطین" (تاریخ بیجاپور) کے مصنف نے محمد عادل شاہ کے بیان مین ایک سرخی "در بیان بعضے شاعر کہ درآن زمان بودند" قائم کی ہے، اس مین وہ سب سے پہلے ایک شاعر کا ذکر کرتا ہے جس کا نام وہ ابراہیم خان صبعی بتلاتا ہے، صبعی کسی شاعر کا تخلص نہین سنا، بہت ممکن ہے کہ یہ صنعتی ہی ہو اور کاتب کی غلطی نے اس کو صبعی کر دیا ہو (افسوس ہے کہ ہم کو بساتین کا ایک بے حد غلط نسخہ ملا جو یہان کے تمام کتب خانون مین مل سکتا ہے) صبعی اور صنعتی مین لفظی مماثلت ظاہر ہے کہ کس حد تک ہے، اس لیے یہ غیر قرین قیاس نہین کہ ابراہیم خان کا تخلص صنعتی ہو،

ملا ابراہیم کا ذکر مصنفِ بساتین السلاطین نے بڑی وقعت سے کیا ہے، ظہوری کے حوالے سے وہ لکھتا ہے کہ محمد شاہ نے ظہوری سے مشاہیرِ دکن پر کتاب لکھنے کی فرمایش کی،

"تمام احوالاتِ پادشاہان را کہ در تاریخ مسطور بود، احوالِ سعادت مآل و فتوحاتِ برکاتِ آیاتِ پادشاہِ جمجاہ، سلطان خاقان ابن خاقان، سلطان محمد، ادام اللہ جلالہ علی مفارق البریات، انچہ خود مشاہدہ نمودہ، وانچہ از ثقاتِ صادق القول مسموع داشتہ بر صفحۂ ایام خجستہ فرجام نگاشتم، اول کسیکہ از مجلسیان حضور بہ تحقیق این مقدمہ پرداخت ابراہیم خان صبعی است کہ مجموعۂ علم عقلی فراہم آوردہ نقلِ مقالات او ہست و مقدماتِ جمیع علوم در اشارہ معلوم نمودن یک

[1] تاریخ فرشتہ (مطبوعۂ نولکشور ۱۲۸۱ھ) جلد دوم صفحہ ۸۲

نفس کوش برافتاد او بودن است، در دقیقہ یابی و نکتہ دانی موجی است کہ از قلزم تفکرش برخاستہ و از نازکی بیانش سوسن سیراب با آراستگی زبان خود آراستہ، در بزم گاہ سخن سنجیش شعر فہمان سخن رس را تا مصرع نفس موزون از سینہ سر بر زند دم زدن خیال محال است اندازہ بلندش کمندی است کہ بر کنگرۂ گردون پیچیدہ و فکر فلک پیوندش صید بندایست کہ سرگرم شکار ملک و ملک گردیدہ، و قصیدہ و غزل معنی پیچیدہ، و معانی رنگین برجستہ چندان سربستہ کہ از یارای تحسین آن زبان حرف گیران چون رنگ روے نشان درہم شکستہ نیسان فکرش از بہر مخزن اسرار ہزاران در بر روی کار آوردہ ویک فرخندہ پے خیالش بہ نہان خانہ معرفت پروردگاری بردہ نظم،

تو ہے نکتہ پرور از عالی مکان	کہ پیوند کہ فکرش قدر و شان
در ایت صنف گشتہ ہر صبح و شام	مضامین نایاب بہر سلام
بمیدان معنی چو تاز د سمند	سر اہل دعوی کند در کمند
چو دریاے طبعش شود موجزن	زند جوش گوہر زمین و زمن

(بساتین السلاطین مطبوعہ مطبع سیدی حیدر آباد دکن ص ۳۳۲-۳۳۴)

اس نسخے کی صحت مین بھی ناشر کو شبہ ہے، چنانچہ وہ اس کے آخر مین اسکی معذرت کرتا ہے کہ سوا ے ایک نسخے کے اس کا پتہ نہ چل سکا، اور یہ نقل صرف اصل سے مطابق ہے، اس لیے اس مین غلطیان بہت سی رہگئی ہین، اسکو قارئین درست فرمالین،

زیر نظر قصہ نو سطور کے (۹۵) اوراق پر ختم ہوا ہے، خوشنما خط نسخ مین دیسی کھرے کاغذ پر لکھا ہوا ہے اس کے ساتھ ترقیمہ نہین ہے، کاتب، سنہ کتابت اور مقام کتابت کا حال بھی درج نہین لیکن نسخہ نہایت اچھی حالت مین ہے، غالباً بہت قدیم نہین ہے، اور اچھی طرح محفوظ کیا گیا ہے،

قصہ کا موضوع حضرت تمیم انصاری کی فوق فطری مہمات ہین اور ان کی نوعیت وہی ہے جو قصہ

حاتم طائی یا "سندہ باد جہازی" کے قصے کے واقعات کی ہے، قصہ کا پلاٹ بھی تقریبًا ملتا جلتا ہے،

اکثر دکھنی تصنیفات کی طرح اس قصہ کی ابتدا بھی حمد سے ہوتی ہے،

ثنا بول اول تو سبحان کا — جو خلاق ہے جن و انسان کا

حمد کے ختم سے پانچ شعر پہلے مصنف اپنے تخلص کا اظہار کرتا ہے،

ترا رحم کر صنعتی پر مدام — کر نکی تو کر کر حرا مکا متام

حمد کے (۱۰) اشعار کے بعد نعت شروع ہوتی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے،

نبی کریم شفیع امین — رسول خدا رحمت العالمین

نعت کے کل (۲۷) شعر ہیں یہاں بھی اختتام نعت سے پانچویں شعر میں مصنف اپنا تخلص لاتا ہے

ہے صنعتی سو تری بات پر — دو جگ مین اسے تو سرافراز کر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت مین بھی نعت کے بعد (۴۹) شعر اور "سخن" (شعر)

کی تعریف مین (۵۸) شعر، بادشاہ وقت محمد عادل شاہ کی تعریف مین (۵۷) شعر لکھے ہین، چونکہ اسی حصے

سے مصنف کے ماحول پر روشنی پڑ سکتی ہے، اس لیے اس کے اشعار جابجا سے نقل کیے جاتے ہین، پہلا شعر یہ ہے

مبارک ا[1]وہی جھاڑ جس چھا[2]ؤن ت[3]ل — خلق آئین آسودگی کی بدل[4]

وہی جگ مین ہے آب حیوان تمام — کہ جیتی سدا فیض ہے خاص و عام

مسیحا جگت مین وہی آج ہے — کہ جس دم لگے تے سب خلق کا کاج ہے

اچھو جھاڑ سرسبز ایسا مدام — کہ جس جگ مین ہی فیض اچھتی تمام

اچھی کیون نہ او جھاڑ یون باروار — کہ ہے جس سون آرام سنسار[5] کار

کہ ہے جگ[6] او سایہ کرد گار — اجنبا ہے یو چھاؤن پروردگار

[1] وہ [2] چھاؤن [3] تلے [4] کے لیے [5] جس سے [6] سے [7] ہوتے اس سے [8] سے [9] سنسار [10] جگ پر [11] ظل اللہ کا ترجمہ

محمد شہ داد گر دین پناہ | کہ ہر دم محمد جسے دستگاہ
براہیم کے بعد از ہوا نا مدار | جگت مین محمد شہ کامگار
دکھن کا تون ہی خسرو تاجدار | جتی[1] تاجداران و تی[2] باجدار
رہی حکم تل تجھ ہو[3] عجم | شہاں تجھ[4] سورج کن[5] ستاریان تے[6] کم
کرین ملک گیری اتی[7] یون شتاب | کہ جون پل مین لیوی ملک آفتاب
دلانکی نگر مین سشھی تجھ سہاشے[8] | پرم کی نگر مین بھری تجھ دہائی
مدن[9] کا چمن جب تی[10] پایا جمال | نہ دیکھیا ہی تجھ سار[11] کا نونہال
مدن مین ہی بلکہ مدن روپ تو | مدن مست ہے تجھ مدن شوق سون
اسی حسن کے ملک کا شاہ تون | عدالت کی آکاس[12] کا ماہ تون
اگر ابر برسائے باران تر | تیرا ہات برسای لعل و گہر
برستا ہی تجھ ابر احسان جیون | نہ برسی کدھی ابر برسات یون

...عائیہ کے بعد ساقی نامہ پر اس مدحت کا خاتمہ ہوتا ہے،

سدا عیش و عشرتسون یون راجکر | دیا دان سون دل کو معراج کر
...تیا ساقی او جام لیا[13] زرنگار | سدا شہ کی اچھ[14] لطف سون کامگار
...ر اس د... را صاف خورشید کا (؟) | جو بسری جہان جام جمشید کا

...قی نامہ لکھنے کا رواج صنعتی کے زمانہ مین شروع ہو چکا تھا، ساقی نامے درحقیقت قدیم طویل
...بڑے لطف اور نزاکتون کے ادبی پارے ہوتے تھے جن سے شاعر تھکے ہوے ناظرین
...نا، اس کا رواج سب سے پہلے فارسی مین ہوا، جہان کی فضا اس کے لیے موزون تھی،

...ر رکھ [1] جتنے، [2] اس قدر [3] اور [4] تجھ [5] کنے، پاس [6] ستارون سے کم [7] وہ [8] موزون ہے [9] شراب، [10] سے
آسمان [11] لا [12] ...لے ہی، ...

یناً اس موقع کی ادبی صورت میں پیش کشی ہے جب قصے یا نظم کی یکسانیت سامعین کی طبیعتوں مین
ر پیدا کرنے کو ہو، اور شاعر یا قصہ خوان اُن کو اُکسانے کی کوشش کرے،

لیکن صنعتی کے ساقی ناموں مین اور دوسرے شاعرون کے ساقی ناموں مین ایک فرق ہے او
یہ ہے کہ دوسرے شاعر کسی بیان کے شروع کرنے سے پہلے ساقی نامہ لکھتے ہین اور صنعتی ختم ہونیوالی
ل کے آخر مین آنے والے واقعات سے متعلق ساقی نامہ لکھتا ہے، چنانچہ اوپر کے مدحی اشعار سے اسکا
چل گیا ہوگا،

مدح سے شاعر اپنے اصلی موضوع کی طرف گویا گریز کرتا ہے لیکن اصل مطلب کے آغاز کرنے
ے پہلے، وہ سببِ تالیفِ کتاب، سنہ تصنیف، وغیرہ پر کچھ روشنی ڈالتا ہے، وہ بیان کرتا ہے، ایک
ت مین سوچ رہا تھا، خیالات، فوج در فوج دماغ مین گھوم رہے تھے، آخر کار یہ خیال آیا کہ اس جگ مین
یات دائم کس کو نصیب ہے؟ لیکن اسکی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ نام نیک باقی رہتا ہے، ایسا جینا کس
کام کا جس کی یادگار ہی نہ باقی رہے، بقائے نام بڑی چیز ہے، اس کا وسیلہ نیک نام حقیقی اولاد نہین
بلکہ معنوی ہے،

جو بولے ہین یون عارفانِ سلف	کہ ہے شعر بہتر سو بہتر خلف
کہا طبع سون دل تے یو بات مین	کہون کون قصہ سو کس دھات[1] مین

غرض غور کرتے کرتے خیال مین یہ آیا کہ "سیہ زلف" اور "گال کے لعل" کا قصہ بیان کرنے سے بہتر
یہ ہے کہ کوئی کام کی بات بیان کیجائے، چنانچہ اسی لیے حضرت تمیم انصاریؓ کا یہ قصہ لکھنے پر آمادہ ہوگیا،

حالات

جو اول تمیم انصاری اوپر	کھریا کیون یہ قصہ عجیب سخت تر
سو کس کس بلا[2] ہانمین سپڑی[3] الو	بھی کس دھات[4] آپس[5] گھر کون پٹری[6] الو

---

[1] حالت، طرح [2] بلاؤن مین [3] گرفتار ہوے [4] وہ [5] بستی اور [6] حالت [5] اپنے [6] پکڑے،

ہواجب یو الہام مج آشکار		یہی پاک قصہ کیا اختیار

لیکن پہلے خیال تھا کہ اس قصے کو فارسی زبان مین لکھا جائے، چنانچہ لکھتے ہین،

اسی فارسی بولنا شوق تھا		دلی بی عزیز[1] ان کویون ذوق تھا

کہ دکھنی زبان سون اسی بولنا		جو سیپی تی موتی نمن[2] رولنا

جسی فارسی کا نہ کچھ گیان[3] ہے		سو دکھنی زبان ان کون آسان ہے

کیا اوستی[4] دکھنی مین آسان کر		جو ظاہر ویس[5] اس مین کی ہنر[6]

اس کے بعد قصے اور اس کے اخلاقی درس کی اہمیت کی بحث کرتے ہین، اور خود قصے کے متعلق بیان کرتے ہین کہ

اتھا گرچہ قصہ مین اس اختلاف		صحی[7] کر کر بولیان مین ہی خلاف

دیا اس رسالہ کو مین سعی کر		سو ترتیب بارا مقامات پر

ہزار ایک پر سال پنجاہ و پنج		ہوئی تب ہوا پُر جواہر یو گنج

ان ابتدائی امور پر کافی طور سے لکھنے کے بعد وہ اصل مطلب کی طرف گریز کرتے ہین، اور قصہ کا آغاز ایک ساقی نامہ سے کرتے ہین،

ایتا ساقی لیا جام او زر نگار		جو تا ناچری طبع کی سر نگار (؟)

پلا بھر کو ہر دور او صاف جام		جو کئی ایک جمشید اسکے غلام

---

[1] غالبًا یہ صنعتی کی کوئی رشتہ دار عورت ہے، [2] مثل [3] علم [4] اس کو [5] دکھائی دین، [6] کئی کئی [7] صحیح،

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۵)

نجد

سلطان عبد العزیز آلِ سعود

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

نجد حکومت نجد عرب کی موجودہ حکومتون مین سب سے زیادہ طاقت ور اور پر شوکت ہے، سلطان عبد العزیز یہان کے حکمران ہین، اس کے حدود اربعہ بہت پیچیدہ ہین، مختصراً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مجموعی رقبہ ۵ لاکھ مربع میل ہے، عرب کی کسی حکومت کا رقبہ اتنا وسیع نہین ہے، اس طول و عرض مین ۲۰ لاکھ نفوس آباد ہین، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی، شیعہ، حنبلی، (وہابی) اور بعض دوسرے اہل سنت پر مشتمل ہے، مشہور مقامات مین ریاض، بریدہ، عنیزہ، حائل، ثرمدہ، شقرا، جمجمہ، حریملا، ہفوف، قطیف اور مشہور قبائل مین مطیر، حرب، عتیبہ، سبیع، دواسر، عجمان، عوازم، سہول، بنو مرہ، قحطان ہین، اب چند برسون سے حکومتِ حجاز بھی نجد مین شامل ہوگئی ہے، اس لیے آبادی مین ۳ لاکھ نفوس اور رقبہ مین ۵۰ ہزار مربع میل کا اور اضافہ ہوگیا ہے اور حجاز کی سیادت کی وجہ سے اس کو مرکزی حکومت کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے،

حکومتِ نجد کی تاریخ نجدی حکومت کی تاریخ اٹھارہوین صدی کے اول سے شروع ہوتی ہے، ۱۷۰۳ء مین محمد بن عبد الوہاب نجدی نے عرب مین احیائے سنت کی دعوت شروع کی، اور ۱۷۴۴ء مین مقام درعیہ کے شیخ محمد بن سعود (موجودہ حکمرانِ نجد کے مورث اعلیٰ) اس دعوت مین شریک ہوے اور ۱۷۴۶ء مین

اطراف وجوانب کے قبائل سے جنگ چھڑ گئی اسوقت سے برابر انکا اثر بڑھتا گیا اور شرفاے مکہ نے انکو حج سے روک دیا، ۱۷۶۵ء مین اپنا کام ناتمام چھوڑ کر محمد بن سعود انتقال کر گئے، انکے بعد انکے لڑکے عبدالعزیز بن محمد بن سعود انکے جانشین ہوئے اور ۱۷۹۵ء مین اُنھون نے الحسا، اور قطیف پر قبضہ کرکے خلیج فارس کے ساحل پر اقتدار قائم کرلیا، ترکون نے ان کے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے، اور بالآخر ۱۷۶۲ء مین پاشاے بغداد نے عارضی صلح کرلی، اور ۱۷۹۸ء مین شریف مکہ نے ان کے بڑھتے ہوے سیلاب کی روک سے مجبور ہوکر عبدالعزیز کو حج کی اجازت دیدی اور انھون نے شریف کے زیراثر علاقہ مین تاخت وتاراج نہ کرنے کا اقرار کیا، لیکن یہ تعلقات زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکے، شیخ خزعل نے ایک وہابی قافلہ پر حملہ کردیا، اسکے انتقام مین سلطان عبدالعزیز نے ۱۸۰۱ء مین کربلا پر قبضہ کرکے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی اور یہان کے باشندون کو تہ تیغ کیا، ۱۸۰۳ء مین پھر شریف مکہ سے جنگ ہوئی، اس مرتبہ سلطان عبدالعزیز طائف پر قابض ہوگئے، اور اسی سال اُنھون نے فاتحانہ حج کیا، لیکن ان کی واپسی کے بعد پھر شریف غالب نے وہابی فوجون کو نکال دیا، البتہ کچھ مزید مراعات منظور کین، اسی زمانہ مین وہابیون نے خلیج فارس پر اقتدار جماتے جماتے بحرین پر قبضہ کرلیا، اور ۱۸۰۳ء مین عبدالعزیز کے بعد سعود بن عبدالعزیز ان کے جانشین ہوے، اُنھون نے ۱۸۰۵ء مین مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کرکے شریف غالب سے اطاعت قبول کرائی، اور خطبہ سے غالب کا نام نکال دیا گیا، اور ترکی حجاج کا قافلہ روک دیا گیا، نیز خلیفہ سے اپنی دعوت کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا اور ان کے انکار پر ۱۸۱۰ء مین حوران لوٹ لیا اور خلیج فارس پر تاخت وتاراج شروع کردی، اسی زمانہ مین انگریزون نے اس کی حفاظت کے لیے ایک جنگی بیڑا روانہ کیا، اس نے راس الخیمہ پر قبضہ کرکے سعودی بیڑے کو برباد کردیا، اسی زمانہ مین سلطان محمد علی پاشا خدیو مصر نے وہابیون کے مقابلہ مین فوجین روانہ کین، چنانچہ طوسون پاشا نے ۱۸۱۱ء مین ینبع البحر اور ینبع البر فتح کیا، اور ۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۳ء مین مدینہ اور مکہ پر ان کا قبضہ ہوگیا، ۱۸۱۳ء مین محمد علی پاشا خود جدہ آئے لیکن سعود سے

سے صلح نہ ہو سکی، ۱۸۱۳ء کے آخر مین طوسون پاشا نے تربہ پر دوسرا حملہ کیا لیکن اس مین ناکام رہا اس کے بعد مصریون کی جنگی کارروائی ختم ہو گئی اور ۱۸۱۴ء مین سعود کا انتقال ہو گیا ان کے بعد اُن کے لڑکے عبداللہ بن سعود جانشین ہوئے، ان کی جانشینی کے بعد پھر محمد علی پاشا نے جنگی کارروائی کا آغاز کر دیا اور ۱۸۱۵ء مین تربہ پر قبضہ کر کے عسیر کی طرف بڑھے اور قنفذہ ہوتے ہوئے مکہ آئے، اسی سال مارچ مین طوسون پاشا نجد مین داخل ہو گئے اور الراس پر قبضہ کر لیا یہان ان سے اور عبداللہ بن سعود سے عارضی صلح ہو گئی، ۱۸۱۶ء مین پھر ابراہیم پاشا بن محمد علی پاشا نے مصری فوج کی کمان اپنے ہاتھ مین لی اور ایک سال مسلسل خونریز جنگ کے بعد درعیہ پہنچ گئے اور ۱۸۱۸ء مین نجد کے دارالسلطنت پر قبضہ کر کے سلطان عبداللہ اور محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کو گرفتار کر کے قاہرہ بھیجدیا، ۱۸۱۹ء مین طوسون پاشا نجد سے واپس ہوئے ان کی واپسی کے تھوڑے ہی دنون بعد سلطان عبداللہ کے بھائی مشاری نے پھر درعیہ مین حکومت قائم کر لی، لیکن حسین نے بہت جلد اس حکومت کا خاتمہ کر کے اُس کو گرفتار کر لیا، مصری حملون کے زمانہ مین عبداللہ بن محمد کا لڑکا ترکی سدیر بھاگ گیا تھا، مشاری کے بعد اس نے ریاض مین خودمختاری کی کوشش کی، لیکن مصریون نے اسکو یہان سے نکال دیا، ۱۸۲۲ء مین پھر یہ اٹھا اور ریاض کے مصری دستہ پر حملہ کر کے اسکو تسخیر کر دیا اور محمد علی پاشا کو سالانہ رقم دیکر ان کو راضی کر لیا اور ۱۸۳۰ء مین الحسا جس پر ترک قابض تھے فتح کر کے بحرین پر پھر تسلط جما لیا، اس وقت سے نجدی حکومت کا دارالسلطنت درعیہ سے ریاض منتقل ہو گیا، ۱۸۳۴ء مین ترکی بن عبداللہ کا خاتمہ مشاری بن عبدالرحمن کے ہاتھون ہوا ابھی اسکو حکومت ملے چالیس دن ہوے تھے کہ ہفوف مین فیصل بن ترکی کے ہاتھون قتل ہو گیا، اور فیصل تخت حکومت پر بیٹھا، نجدی سلسلہ کے تیسرے فرمانروا سعود کے لڑکے خالد نے مصری فوج کی مدد سے فیصل کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ریاض مین فیصل کو شکست دی، مصری فوج کے سپہ سالار خورشید پاشا نے ۱۸۳۸ء مین الدلیم مین اسکو دوسری مرتبہ شکست دے کر گرفتار کر کے مصر بھیجدیا، اور خالد بن سعود نجد کا فرمانروا ہوا، لیکن مصری فوج کی واپسی کے بعد ۱۸۴۱ء مین عبداللہ بن ثنیان آل سعود ان کو ریاض سے نکال کے خود بادشاہ بن بیٹھا، ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اس سلسلہ

کے آٹھوین فرمانروا فیصل نے (جو اب رہا ہو چکا تھا) اسکو گرفتار کر کے قید کر دیا، فیصل بن ترکی ایک مرتبہ تجربہ اٹھا چکا تھا اس لیے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس نے دوبارہ نجد مین اپنی حکومت جمائی اور ۱۸۶۵ء مین انتقال کر گیا، اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ بن فیصل بن ترکی حکمران ہوا اسکی تخت نشینی کے ۶ سال بعد ۱۸۷۱ء مین اس کے بھائی سعود بن فیصل نے اس کو تخت سے اتار دیا، سعود بن فیصل کے زمانہ مین ترکون نے الحساء اور قطیف پر قبضہ کر لیا، اس کی موت کے بعد ۱۸۷۴ء مین پھر عبداللہ نے تخت حاصل کر لیا اور ۱۸۸۳ء تک قابض رہا، اسی سنہ مین اسکو محمد بن رشید حائلی سے جنگ کرنا پڑی، یہ جنگ مین مشغول تھا کہ سعود کے بیٹون نے حکومت پر قبضہ کر کے اسکو جلا وطن کر دیا اور محمد بن سعود حکمران ہوا، اس کے چند ہی دنون کے بعد محمد بن سعود کا چچا عبدالرحمن بن فیصل تخت نشین ہوا، ایک سال کے بعد محمد بن رشید نے اس کو تخت سے اتار دیا اور عبداللہ بن فیصل کو بٹھایا، یہ اسکی حکومت کا تیسرا موقع تھا، دو سال بعد ۱۸۸۹ء مین اس کا انتقال ہوگیا، اس کے انتقال کے بعد محمد بن رشید نے محمد بن فیصل کو بٹھایا، یہ سلسلہ رشید کے ماتحت تھا، محمد کی وفات کے بعد ریاض مین رشید کے عمال حکمران رہے،

موجودہ حکمران اسی سلسلہ کے بیدار مغز فرمانروا عبدالعزیز ہین، انھون نے اپنی کوششون سے اپنے آبا و اجداد کی مٹی ہوئی حکومت از سر نو قائم کی، ریاض پر محمد بن رشید والی حائل کا قبضہ تھا اور یہ جسکو چاہتے تھے حکمران بناتے تھے، ۱۹۰۲ء مین موجودہ سلطان نے کویت کے شیخ کی مدد سے ریاض کو واپس لیا، اور مدتون ان کے حملون کا کامیاب مقابلہ کرتے رہے، ابن رشید نے ترکون سے بھی مدد لی، لیکن حائل مین خود بدامنی پھیل گئی تھی، اس لیے کچھ نہ کر سکے، اور ریاض مین آزاد نجدی حکومت قائم ہوگئی، اب رشید خود ان کے دست نگر ہین اور ان کی جملہ ضروریات سلطان عبدالعزیز پوری کرتے ہین، سلطان عبدالعزیز آل سعود نہایت بیدار مغز اور روشن خیال حکمران ہین، ذہانت، طباعی اور زبان آوری فطرۃً موجود ہے، علوم سے بھی ان کو وافر حصہ ملا ہے، خصوصًا موجودہ پالیٹکس مین ان کے معلومات نہایت وسیع ہین، ہر مسئلہ کے متعلق ذاتی اور صائب راے رکھتے ہین، یورپ کو انھون نے خوب سمجھا ہے اور اس کی ہر ادا پر ان کی نظر بہت غائر رہتی ہے، اس کے

متعلق ان کی یہ راے نہایت عجیب ہے کہ "یورپ اس آہنی پھاٹک کے مثل ہے جس کے اندر کچھ نہین ہے"

یہ بیرونی طاقتون سے مطلقاً خوف نہین کھاتے اور ان کے نمایندون کے سامنے نہایت بے باکی سے اپنے خیالات اظہار کرتے ہین، گو وہ نجدی ہین، لیکن ان کی ذات مین کوئی تعصب نہین، ان کو شیعون کا سب سے بڑا دشمن کہا جاتا ہے لیکن غالباً لوگون کو یہ معلوم نہین کہ الحسا رمین ۳۰ ہزار شیعہ ان کے زیر حکومت نہایت آزادی سے زندگی بسر کرتے ہین، البتہ مراسم مین افراط تفریط کی اجازت نہین ہے، شیعہ تو مسلمان ہین، غیر مسلمون کے ساتھ ان کو تعصب نہین، چنانچہ انگریزون کے ساتھ بلا تکلف کانٹے چھری سے کھاتے ہین،

انگریزون سے تعلق حجاز مقدس کی حکمرانی کی وجہ سے مسلمانون کے لیے ان کے اور بیرونی غیر مسلم حکومتون کے تعلقات کا مسئلہ بہت اہم ہے، جنگ عظیم کے قبل تک ان کے اور انگریزون کے تعلقات دوستانہ تھے اور اس زمانہ مین انھون نے ان کی بہت قیمتی مدد کی تھی، اس کے عوض مین انگریزون نے کچھ رقم بھی مقرر کی تھی لیکن اختتام جنگ کے بعد پوری ادا نہین کی، اس لیے تعلقات مین ناخوشگواری پیدا ہو گئی، گو ظاہری تعلقات مین کوئی فرق نہین آیا ہے تاہم وہ بات باقی نہین رہی، اس کے علاوہ انھون نے سلطان کے دشمنون کو ان کے اردگرد حکمران بنا دیا ہے جس کی وجہ سے سلطان ہر طرف سے محصور ہو گئے ہین، عراق مین فیصل اور شرق اردن مین عبداللہ ان کے سخت دشمن ہین، آج سے چند سال پیشتر انگریزون کے ساختہ پرداختہ شریف حسین بھی تھے، لیکن اب وہ ختم ہو چکے تاہم جو لوگ باقی ہین، انگریز ان کی مالی اور سیاسی مدد کرتے ہین، اور اس کا منشا یہ ہے کہ سلطان انگریزون کے مفاد کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکین اور یہ بھی دوسرے فرمانروایان عرب کی طرح ان کی بساط سیاست مین مہرہ کا کام دین،

اتحاد عرب کا خیال سلطان ابن سعود ان تمام امور کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہین، اسی لیے وہ تمام امرای عرب کو متحد کرنا چاہتے ہین، اور اس مین وہ نہایت خلوص سے کوشان ہین تاکہ عرب مین کوئی خطرناک اجنبی اثر پیدا نہ ہو سکے، اتحاد عرب کے لیے انھون نے مختلف صورتین پیش کی ہین، ایک یہ کہ تمام فرمانروایان عرب کی

کانفرنس ہو اور وہ سب ان کو جزیرۃ العرب کا بادشاہ تسلیم کرین کیونکہ ان کے نزدیک اس منصب جلیل کا ان سے زیادہ کوئی اہل نہین ہے، اور اگر امرای عرب ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو منتخب کرین تو ان کو اس کے تسلیم کرنے مین تامل نہ ہوگا، اور اس کے بعد بھی یہ عرب کے فلاح و بہبود مین کوشان رہین گے اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو سکے اور کوئی ایسی تیسری شکل پر اتفاق ہو جو سب کے لیے مفید ہو تو اس کے قبول کرنے مین بھی ان کو عذر نہ ہوگا مثلاً آپس مین کوئی اس قسم کا معاہدہ ہو جائے جو امراے عرب کے انتظامی یا سیاسی امور کے متعلق ہو یا مشترک اقتصادی مسائل کے تحفظ پر مشتمل ہو تو وہ اس کو نہایت خوشی سے قبول کرینگے اور اگر ان شکلون مین کوئی بھی نہ ہو سکے تو کم از کم وہ خود اپنے سیاسی مقتضیات کے موافق ہر اس سلطنت کے ساتھ جس کا اور ان کا مفاد مشترک ہو گا معاہدہ کرنے مین تامل نہ کرین گے، اس کا مقصد کسی کی مخالفت نہ ہو گا کیونکہ سلطان ایک صلح پسند آدمی ہین، البتہ وہ یہ ضرور چاہتے ہین کہ ان پر بھی کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے لیکن عربون کے کسی معاملہ مین بھی انگریزون کی ثالثی پسند نہین کرتے، وہ یہ کہتے ہین کہ ان کی ثالثی اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع کر دیتی ہے، اگر دو شیوخ کے حدود مین کوئی ایسا اختلاف ہو جو ملکی آدمی کے ذریعہ سے بآسانی طے ہو سکتا ہے اگر اس مین انگریز ثالث بن جائین تو ان کا پولیٹیکل ایجنٹ اس اختلاف کو اور زیادہ موکد کر دیگا کہ پھر صلح ناممکن ہو جائے گی، اس مین تنہا انگریزون کا قصور نہین بلکہ ایک حد تک شیوخ بھی اس کے ذمہ دار ہین کیونکہ فریقین اپنی اپنی جگہ فطری طور پر یہ سمجھتے ہین کہ ثالث یا ان کا جنبہ دار ہوگا یا مخالف ہوگا، اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ مطالبات پیش کرتے ہین تاکہ جنبہ داری کی صورت مین سب پورے ہو جائین اور مخالفت کی صورت مین نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

نظام حکومت | نجد کی حکومت مختلف اضلاع پر تقسیم ہے ہر بڑے مقام پر ایک حاکم اعلی رہتا ہے، یہ یہان کے تمام سپید و سیاہ کا مالک ہوتا ہے، عدل و انصاف امن و امان اور پابندی شریعت حکومت نجد کا نمایان وصف ہے، خصوصاً عدل اس کا بنیادی اصول ہے، عدل و انصاف کے دائرہ سے کوئی عامل سرمو تجاوز نہین کر سکتا حتی کہ خود سلطان جب عمرہ پر نکلتے ہین تو کسی رعایا اور ادنے پیشہ ور سے بھی رسد نہین لیجاتی، شاہی اسٹاف

بازاری نرخ سے ایک حبہ کم نہین کرسکتا تاجرون پر کسی قسم کی زیادتی نہین ہونے پاتی محض قیام عدل کے خاطر رعایا کو عام اجازت ہے کہ راستون مین بھی سلطان کے سامنے اپنی شکایت پیش کرسکتی ہے، اس عدل و انصاف کا یہ کھلا ہوا نتیجہ تم کو ہر جگہ نظر آئیگا کہ نجد کے طول و عرض مین بلا مبالغہ اتنا امن وامان ہے کہ متمدن ممالک مین بھی اس کی نظیر نہین ملسکتی، قافلون کی گذرگاہین بالکل مامون ہین، ایک تنہا آدمی جس صحرا اور ویرانہ مین چاہے سفر کرے کوئی شخص تعرض نہین کرسکتا، سلطان کے عدل نے اُن مقامات پر امن پیدا کر دیا ہے جہان ترکی حکومت اپنی قوت و شوکت کے باوجود قیامِ امن سے عاجز تھی، عقیر وحسا کے درمیان ہمیشہ سے تجارتی قافلہ آتے جاتے ہین، ترکون کے زمانہ مین اسی راستہ مین ہر پانچ دس میل کی مسافت پر تاجرون کو قبائل کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا، اسی طرح بحرین اور عقیر کے تجار پھر عقیر سے نخل اور نخل سے ام الذر، ام الذر سے علاقہ کے تمام راستون مین تجار کو ہر ہر قدم پر داد و دہش کرنی پڑتی تھی، ترکون نے یہان امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی لیکن الٹے شکست کھائی، اب انھین راستون مین اگر کسی تاجر کا مال بھی رہجاتا ہے تو کوئی ہاتھ نہین لگاسکتا تاآنکہ وہ خود آکر نہ اٹھائے،

پابندیٔ شرع

شرع کی پابندی جس قدر نجد مین ہے اس کی نظیر کسی اسلامی ملک مین نہین ملسکتی، اس زمانہ مین شرعی حدود کا اجرار نجد کے سوا کہین نہین ہوتا، اس بارہ مین نجدی حکومت نے عہدِ صحابہ کی یاد تازہ کردی، پھر حدود کا اجراء اس شدت سے ہوتا ہے کہ اس سے امیر و غریب کوئی نہین بچ سکتا، چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، تارکِ نماز کو کوڑے کی سزا دیجاتی ہے اور اسی قبیل کے تمام شرعی حدود جاری ہین، ریاض کی تمام مسجدون مین نمازیون کی باقاعدہ حاضری لیجاتی ہے، بلا عذر غیر حاضر شخص کو ایک مرتبہ سمجھایا جاتا ہے، دوسری مرتبہ تنبیہ کیجاتی اور تیسری مرتبہ کوڑون سے ضیافت ہوتی ہے، تمباکو کا استعمال قانوناً ممنوع ہے، کوئی شخص علی الاعلان استعمال نہین کرسکتا، گھر کے اندر لوگ چوری چھپے سگریٹ وغیرہ پی لیتے ہین، خود معتدل نجدی اس سے احتراز نہین کرتے اور شیوخ ان باتون مین عمداً چشم پوشی کرجاتے ہین، گو یہ قوانین اس متمدن عہد مین پسندیدہ نہین ہین، لیکن خالص شرعی نقطۂ نظر سے ان کے مستحسن و محمود ہونے مین کسکو شبہہ ہوسکتا ہے،

حلم وعفو یہ ایک اصول ہے کہ محض درشتی اور سختی سے حکومت نہین چل سکتی اس کے لیے شدت کے ساتھ نرمی اور مواخذہ کے ساتھ درگذر بھی ضروری ہے، سلطان اس نکتہ سے اچھی طرح واقف ہین، چنانچہ ان کی ذات مین حدود اللہ کے علاوہ حلم وعفو کا مادہ زیادہ ہے، جو شخص چند ساعتین بھی ان کے ساتھ گذاریگا اس کو اس وصف کا تجربہ ہوجائیگا، وہ خلاف مزاج باتون مین بہت جلد مشتعل ہوجاتے ہین لیکن پھر چند ہی منٹون مین تبسم اور خندہ جبینی سے تلافی کر دیتے ہے، ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی ان کے اس سحر سے مسحور ہوجاتا ہے، بڑے بڑے باغی شیوخ گرفتار ہوکر آتے ہین اور جہان چند دن ان کی میزبانی مین بسر کیے سارے باغیانہ جذبات سرد پڑ جاتے ہین اسی لیے ان کی رعایا عام طور پر ان سے خوش ہے، شیخ محمد بن رشید جنکا ذکر اوپر آچکا ہے مدتون ان سے لڑے، ان کے آبا و اجداد کی سلطنت کو مٹایا لیکن جب وہ ان کے قبضہ مین آگئے تو انھون نے ان کے ساتھ کوئی برا سلوک نہین کیا، بلکہ شاہی مہمان کی حیثیت سے ان کا پورا گھرانا اب تک مقیم ہے اور حکومت کی طرف سے ان کی شایان شان جملہ ضروریات پوری کیجاتی ہین، مکان، سواری، لونڈی غلام اور جملہ ضروریات کے سامان سلطان کے ذمہ ہین، اس لیے اب وہ سب ان کے بڑے دوست ہین،

ایک اور وصف جو ان سب پر فائق اور لائق ذکر ہے وہ سلطان کی غربا پروری ہے، ریاض اور اس کے اطراف مین ہزارون کی تعداد مین فقرا اور مساکین ہین، ان کی پرورش حکومت کرتی ہے، صبح شام ان سبکو شاہی لنگر سے کھانا ملتا ہے، ان اوقات مین ہزارون کی تعداد مین شہری اور دیہاتی غربا ان اور اخوان مرد اور عورتین، بوڑھے اور بچے جمع ہوتے ہین، ان سب کو کھانا کھلایا جاتا ہے، پھر ان مسکینون مین فرق مراتب کا لحاظ رہتا ہے، بھیک مانگنے والون کی کشکول مین دیدیا جاتا ہے اور شریف تنگ حالون کو دسترخوان پر کھلایا جاتا ہے،

فوج نجدی فوج کی تعداد کی صحیح تعیین نہین کیجاسکتی، اور غالباً بڑی تعداد مین کوئی مستقل فوج ہے بھی نہین، قیام امن کے لیے اہم مقامون پر تھوڑی بہت فوج رہتی ہے، باقی بضرورت کے وقت بدوؤن اخوان سے فوجی خدمت لیجاتی ہے، ان عنوان اخوان کا تذکرہ آگے آئیگا جنگ کے زمانہ [illegible]

پر ملک کے ہر حصہ کے نجدی ہزارون کی تعداد مین جمع ہو جاتے ہین، یہ لوگ زمانہ جنگ مین اپنے اخراجات کا بار حکومت
پر نہین ڈالتے، سواری، اسلحہ اور سامانِ خورد و نوش ساتھ لاتے ہین، اخوان جن پر فوج کا بڑا حصہ مشتمل ہے سخت جفاکش ہین،
جفاکشی مین شاید ہی افریقہ کے وحشی ان کا مقابلہ کر سکین، دو دو تین تین دن تک بے آب و دانہ رہ سکتے ہین اور
ابرو پر شکن نہین پڑتی، عرب کے ریگستان مین کوسون ننگے پاؤن چلے جاتے ہین اور زبان سے اف نہین کرتے
ان کا نمایان وصف جہاد کا ولولہ ہے، جہاد کی اسپرٹ ان کے رگ و ریشہ مین ساری ہے، خدا کے نام پر جان دینا
ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے، ان کو فتحمندی سے زیادہ شہادت کی تمنا رہتی ہے اور جنگ کے زمانہ مین نہایت
جذبے و ولولہ کے ساتھ نعرہ لگاتے ہین کہ جنت کی ہوا چل رہی ہے، اس کا باغی کہان ہے، جس مین یہ اسپرٹ ہو
اس کو دنیا کی کونسی طاقت مغلوب کر سکتی ہے، اس لیے نجدی فوج بہت کم ناکام ہوتی ہے، یہ وہی جذبۂ قدوسیت
ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے نصف صدی کے اندر اندر ایران و روم کی پرشوکت سلطنتون کو ریگ بنا کر
اڑا دیا تھا گو مسلمانون مین یہ جذبہ عرصہ ہوا رخصت ہو چکا لیکن الحمدللہ کہ ویرانۂ نجد کے وحشی مسلمانون مین آج بھی
یہ خصوصیت نظر آتی ہے،

محاصل | نجدی حکومت کی آمدنی سے ہم بالکل لاعلم ہین لیکن قیاس کہتا ہے کہ مختلف ضروری ٹیکسون سے
کافی آمدنی ہوتی ہوگی، مفروضہ زکوۃ، پیداوار کا عشر کھلی ہوئی آمدنی ہے، نجد مین متعدد بازار ہین خصوصاً بریدہ
مین اونٹون کا عرب کا سب سے بڑا بازار ہے اور حکومت کی نگرانی مین ان بازارون سے کافی آمدنی ہوتی
بعض قدرتی اشیا، انگریزی کمپنی کے ٹھیکہ مین ہین، اس کے علاوہ اب چند برسون سے حجاز سے لاکھون روپیہ
سالانہ کی آمدنی ہے، یہ تمام آمدنیان ملا کر محاصل کی مقدار کافی ہو جاتی ہوگی،

تعلیم اور بعض ترقیات | نجد مین گو تعلیم عام نہین ہے لیکن اخوان کا ایک طبقہ جو "مطاوعہ" کہلاتا ہے مذہبی تعلیم کی اشاعت
کے لیے مخصوص ہے، علما ان کو ضروری تعلیم دیکر تیار کرتے ہین اور یہ گھوم پھر کر عوام کو مذہبی تعلیم دیتے ہین، بعض
خاص خاص مقامات مثلاً عنیزہ وغیرہ مین بہت خاصی تعلیم [illegible]

کے لڑکے مصر مین جدید تعلیم حاصل کر رہے ہین، سلطان تعلیم اور اس قسم کے دوسری ضروری اصلاحات مین کوشان ہین، چنانچہ محکمۂ حفظان صحت اور تعمیرات کے لیے اُنھون نے ڈاکٹرون اور انجینیرون کی خدمات حاصل کی ہین، اور چھوٹی چھوٹی آبادیون کی تعمیر کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے، یہ آبادیان "ھجر" کہلاتی ہین، جو لوگ تعلیم حاصل کرلیتے ہین وہ اپنے وحشت کدون سے نکل کے اسمین آکر آباد ہوتے ہین،

ایک ترقی یافتہ مقام نجد کے خشک بنجر اور غیر تربیت یافتہ علاقہ مین ایک مقام عنیزہ ہے، اس کو نجد کا پیرس کہنا چاہئے، یہ مقام نجد کی عام خصوصیات سے بالکل مختلف ہے، اس کی آبادی ۲۰ ہزار ہے، منظر کے لحاظ سے نہایت خوشنما ہے، چارون طرف سے سرسبز و شاداب کھجور کے جھنڈ اپنے دامن مین چھپائے ہوے ہین، بازار نہایت بارونق ہین، خصوصاً سوق منیرہ اپنی رنگارنگی کے لحاظ سے عجیب چیز ہے، یہان عربی بولنے والون کے جرگہ مین انگریزی فرنچ اور اردو بولنے والے بھی نظر آتے ہین اور مختلف رنگ اور نسل کے لوگون کے اژدحام سے کوئی بڑے متمدن شہر کا بازار معلوم ہوتا ہے، یہان کے باشندون کے طبائع بھی نجدیون سے مختلف ہین، ان مین کسی قسم کی وحشت نہین، اکثر تعلیم یافتہ صاحب ذوق، خوش اخلاق، شیرین زبان ہین، خواہ کسی ملک و ملت اور کسی زاد و بوم کا آدمی آئے مطلقاً مغائرت نہ محسوس کریگا اور بہت جلد ان مین مل جل جائے گا، مکانات نہایت خوشنما اور آراستہ و پیراستہ ہین، اگر آپ کسی کے یہان چلے جائیے تو نہایت خندہ جبینی سے استقبال کرے گا، باعزت جگہ بٹھائیگا اور اپنے ہاتھ سے قہوہ بنا کر پلائیگا، بعض ایسے بھی ملین گے جو علوم و فنون اور مختلف سیاسی مباحث پر گفتگو کرتے جائین گے، ان مین عام نجدیون کے جیسا مذہبی تقشف بھی نہین ہے، سیر و تفریح کے اوقات مین نماز بھی کھو دیتے ہین اور ترک نماز کے بعد میٹھ مواخذہ سے بھی بری رہتی ہے، غرض یہ وہ نجدی نہین جنکو دیکھکر مہذب انسان ڈر جاتا ہے،

اہل نجد کے طبقات ہندوستان مین علی العموم یہ اصول موضوعہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ نجدی نہایت وحشی اور سخت مزاج ہین، خصوصاً ان کا مذہبی تشدد جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے حتی کہ وہ اپنے علاوہ دوسرے

مسلمانون کو مسلمان نہین سمجھتے، اور ان پر تلوار اٹھانے مین بھی باک نہین کرتے، لیکن یہ حکم علی الاطلاق صحیح نہی
ہے، عام مسلمانون کی طرح ان مین بھی مختلف خیالات اور طبقات کے لوگ ہین، اخوان کا ایک طبقہ بلاشبہ
نہایت جاہل متعصب ہے، ان کو روحانیت اور عقل سے کوئی تعلق نہین، یہ لوگ اپنے علاوہ اور کسی مسلم فرقہ ک
مسلمان نہین سمجھتے اور ان کے سلام کا جواب نہین دیتے ہین، اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی ان کو اسلام قبول
کئے ہوے زیادہ زمانہ نہین گذرا، کچھ عرصہ پہلے یہ بالکل وحشی اور رسوم جاہلیت کے پابند تھے، دورِ جہالت
نکلتے ہی اُنھون نے خشک وہابی تعلیم پائی اور دنیا سے ملنے جلنے کا موقعہ نہ ملا، اس لیے اُن مین نرمی او
لچک نہ پیدا ہو سکی، خصوصاً اخوان نوار سخت وحشی ہین، ان کی وجہ سے بعض اوقات حکومت کو قیامِ نظم
مین دشواری پیش آجاتی ہے، یہ لوگ بلا قوت کے سیدھے نہین رہتے، اس لیے حکومت ان کے ساتھ سخت
سے پیش آتی ہے، انھین کے مقابلہ مین دوسرا طبقہ ان نجدیون کا ہے جن کو نجدی مذہب مین داخل ہو
کئی پشتین گذر چکی ہین، ان مین مطلق خشونت اور تنگ نظری نہین ہے، عام مسلمانون سے ملتے جلتے ہین
سلام کرتے ہین، سلام کا جواب دیتے ہین بلکہ تمباکو نوشی سے بھی پرہیز نہین کرتے، تفریح طبع کے لیے کبھ
کبھی گنگنا بھی لیتے ہین، عنیزہ کے وہابی تو نماز وغیرہ مین بھی تساہل کر جاتے ہین، ان سے زیادہ ترقی
طبقہ کی توحید و سنت صرف عقائد تک محدود ہے، عملاً وہ اس مین بہت سست اور کاہل ہین، غرض اس قد
نجد مین ۳ طبقات ہین، ایک وحشی اور مجنون نجدی، یہ عقل و روحانیت سے بالکل معرا ہین، ان سے فوجی خد
لیجاتی ہے، دوسرا معتدل یہ عہدون اور مناصب پر ممتاز ہین، تیسرا سست اور بے عمل، یہ تجارتی او
سیاسی امور مین لگائے جاتے ہین،

خیابانِ دانش

(۳)

چوتھا باب

استعمال لفظ فلسفہ کی مجمل تاریخ،

از

مولوی ابو القاسم صاحب سرور، دار الترجمہ حیدرآباد دکن،

تاریخ کیا ہے، گذرے ہوے ماحول کا ارگن یا گرامو فون، گذشتہ حالات اور واقعات کے پرتاثیر نغمے اس گرامو فون کے دلچسپ ریکاڈ ہین جنسے ملل سابقہ کی موسیقی حیات کی اطلاع اعقاب تک پہنچتی ہے، لیکن بیشتر و اکثر ریکارڈون کی یہ حالت ہے کہ ان مین نواہاے پیشین کے ناقص اور بے ربط ترانون کے چند بول باقی رہ گئے ہین، یہی وجہ ہوئی کہ ذوق تفتیش کے مطالبہ سے بچنے کے لیے قبل تاریخ اور بعد تاریخ کی قیدین لگاکر زمانہ کی تقسیم کرنا پڑی، تاکہ جستجو اور تلاش کی دوربین مین جو مقامات تاریخ نامعلوم یا دھندلے دکھائی دین ان کی نسبت قبل تاریخ کے الفاظ کہکر استفسار کے منھ پر ہاتھ رکھدیا جائے، عنوانِ صدر کی توضیح و تشریح کے لیے بہت پھیلنے کی ضرورت تھی مگر مجبوری کی صورت مین پھر سواے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جن چند باتون کا تذکرہ زبانون پر ہے انھین کو دہرادیا جائے،

پہلے پہل لفظ فلسفہ کس نے استعمال کیا، اس بارے مین اختلاف آرا ہے، شہرت عام اس ضمیر کا مرجع فیثاغورث کو قرار دیتی ہے مگر یہ اس لیے صحیح نہین کہ اکابر فن نے اس کے سلسلۂ رواۃ کو ساقط الاعتبار ٹھہرایا ہے، بعض بغیر تعیین عمرو زید مدعی ہین کہ سقراط سے پہلے اس لفظ کا پتہ چلتا ہے، دلیل اس سے زاید نہین کہ فالوزوفین کے معنی تحصیل و اکتساب علم کے واسطے سفر اختیار کرنے کے ہین اس معنے سے یہ احتمال پیدا کیا جاتا ہے کہ عجب نہین سقراط سے بھی پہلے یہ لفظ شہرت کے زبان زد رہچکا ہو، اس قول مین تعیین و تخصیص اور جزم و حتم کو ترک کر کے احتمال و امکان کو زیادہ قوت دیگئی ہے جو ضعف کی نمایان دلیل ہے،

بہرطور اس باب خاص مین ناقدین کی نگاہِ انتخاب سقراط ہی کی جانب اشارہ کرتی ہے اور اسی فیلسوفِ وقت کو اس کا مشارالیہ قرار دیکر ظاہر کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے لفظ فلسفہ کا استعمال عموماً علوم کے لیے سقراط ہی نے کیا، اور موجوداتِ عالم کی تعمیم کے بعد علل و اسباب کی سراغرسی کے علم کے لیے اس کی تخصیص کردی، جس کی مختصر سی سرگذشت یہ ہے کہ سوفسطائی حکما سے سقراط کی تحقیق کا نصب العین جداگانہ واقع ہوا تھا، یہ طبقۂ سوفسطائی وہ ہے جو اسرارِ قدرت اور نیچر کی اہم اور پیچیدہ مشکلات کی گتھیان سلجھانے کی لاف زنی کیا کرتا تھا جس کی تصدیق لقب سوفاس (یعنی عقلمند) اختیار کرنے سے یہ خوبی ہوتی ہے کہ فخر و غرور و خودبینی کے اظہار کے لیے یہ لقب زیر استعمال تھا، اس طبقہ کی بیجاگا دُزوریون اور غیر مفید سعی و کوشش کے باوجود کبر و نخوت کی گرم بازاری دیکھکر ان کے پندار و غرور کا سر نیچا کرنے کے لیے سقراط نے پہلے پہل سوفاس کے پندار نما لقب کے مقابلہ مین فلاسوفاس (یعنی متجسس عقل) کے استعمال کا اشتہار دیا،

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ سقراط کے زحمت کوشش نے فلسفہ کو دوشیا سے نیچے اتارا، اس کا مطلب یہ ہے کہ سوفسطائیون کے دور از کار صعب و دشوار مطمحِ نظر کے غیر مفید ہونے سے اُکتا کر سقراط

نے نفس ناطقہ کی معرفت مین انہاک تام کی راہ نکالی، اسی موحد فیلسوف نے سوفسطائیون کے بت نخوت توڑنے اور انسان ضعیف البیان کی ہیچمیرزی ظاہر کرنیکے لیے یہ لفظ تراشا تھا جس سے فروتنی اور انکسار کی ترویج مد نظر تھی مگر اسکی آنکھ بند ہونے کے بعد آہستہ آہستہ یہ لفظ پندار و استکبار کا مرادف بنگیا، حسن قبول کے ساتھ دینے سے اس حد پر اُس نے پاؤن پھیلائے کہ حقیقت شناس اپیک ٹیٹس کو یہ بگڑا ہوا رنگ دیکھ کر اُس سے اجتناب و احتراز کے متعلق اپنے حلقۂ تلامذہ مین ایک طولانی لکچر دینے پر مجبور ہونا پڑا لیکن جو غلطی شہرت کے پر و بال پیدا کرلیتی ہے اُس کا استیصال کر دینا پھر قابو مین نہین رہتا، ایک آدھ نے اگر کبھی مخالفت بھی کی تو اس غلطی کے پرستارون کے شور و غل نے اس پست آواز کو سننے نہ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر اس لفظ سے سقراط کے معین کئے ہوے معنے کے بجاے کبر و نخوت کا مفہوم رائج ہوگیا، اور تحسین عقل کی جگہ صرف عقل مراد لی جانے لگی، ایک مدت کے بعد رفتہ رفتہ یہ بلند آہنگی کم ہوئی اور اس شورش نے بالین سکوت پر سر رکھا اور تدریجاً اس لفظ کا استعمال نفس ناطقہ کے واسطے مخصوص ہوگیا، یورپ کے براعظم نے تو اسی تخصیصی نظر سے اس لفظ کو دیکھا لیکن **انگلستان** کو یہ تعیین و تخصیص پسند نہ آئی اور اس حد بندی کو توڑ کر تعمیم تشریک کر دینے سے اس نے اس کا مصرف کچھ سے کچھ کر دیا جس کی وجہ سے فلسفۂ قدرت، فلسفۂ زراعت، فلسفۂ تجارت، فلسفۂ طباخی وغیرہ سب اس دائرے مین آگئے اور لفظ فلسفہ ان سب کا جزو لاینفک بنکر استعمال کی زبان پر چڑھ گیا، بہ قول عام سقراط نے جسے بادلون کی بلندی سے نیچے اتارا تھا، انگلستان نے اُسے مطبخ کا ایندھن بنا دیا، بحث مذکور کے بعد اسباب فلسفہ کا تذکرہ بھی یہین مناسب معلوم ہوتا ہے،

اسباب فلسفہ،

انسان مین قوت علمیہ کا وجود ایک ناقابل انکار حقیقت کے حامل ہے، یہی وہ قوت ہے جو اسباب فلسفہ اپنے ساتھ رکھتی ہے، اسباب کے ساتھ ضروری اور معاون کی قیدین لگا کر دو قسمین کیگئی

ہین ، پہلی قسم یعنی اسباب ضروری کی بھی اسی طرح دو قسمین ہین پہلی یہ کہ انسان کی طبعی خواہش علت و معلول
مین ارتباط کا سلسلہ قائم کردے ، دوسری قسم بشری خواہش کا کثرت کو وحدت مین ضم کردینا یہ خواہشین
دراصل متفاوت ہونے پر بھی مآل و نتیجہ مین دونون ایک ٹھہرتی ہین ، فطرت انسانی کا تجسّسِ علل
کی جانب میلان و خواہش کو استدلال سے ثابت کرنا امر لایعنی کے مرادف ہے ، کیونکہ انسان کی یہ
فطری ادائین ہین کہ مشاہدہ اور تجربہ کی ہوئی چیزون کی وہ طبعًا پہلے علت کے ڈھونڈھنے کی زحمت
کوشش بطیبِ خاطر گوارا کرتا ہے اس لیے کہ علت کی تلاش سے ایک انبساطی کیفیت پیدا ہوتی ہے
اور اس کیفیتِ انبساطی کا فطرۃً انسان شیفتہ و فریفتہ ہے ، اس قسم کے اکتسابِ مسرت کی فطرت
انسانی ایسی خواہشمند ہے کہ کسی چیز کی اصل علت روپوش ہونے پر کد و کاوش سے مفروضی علت
ہاتھ آجانا ہی فی الجملہ اطمینان کے لیے غنیمت سمجھتی ہے ،

اسباب ضروری کی دوسری قسم یعنی خواہش انسانی کا کل سرمایۂ علم کو وحدت مین منتقل کردینا یہ
خواہش انتقالِ نوع انسانی کا ایک اہم خاصہ ہے ، یہ سچ ہے کہ انسان کثرت کی مضبوط زنجیرون
مین ایسا جکڑا ہوا ہے کہ جنبش تک نہین کرسکتا مگر اس قید پر بھی فطری ذوق تحریک کی بنا پر ذہنِ
بشر کے لیے اسی کثرت مین رہ کر وحدت کی جستجو مین منہمک ہونا اس کا ایک ضروری اور دلچسپ مشغلہ ہے
گروہِ فلاسفہ مین سے قدما ہون یا متاخرین سب کے سب برابر اسی خواہش یا رغبت کو تسلیم کرتے چلے آئے
اور کثرت کو وحدت مین منتقل کردینا ہی خیال ان کی نظر مین فلسفہ کا راس المال اور مقصد اہم قرار پایا ،
افلاطون اور اس کے تلامذہ کی تحقیق کا ماحصل اس بابِ خاص مین یہی تھا ،

ارسطاطالیس ، سینٹ اگسٹائن ، لائب نتز ، کینٹ اے وغیرہ کچھ تھوڑے تغایر لفظی سے بغیر
اختلافِ مفہوم اسی مصرحۂ بالا بیان کے مؤید و ہمنوا ہین ، چونکہ انسان کے لیے الفتِ وحدت فطری
چیز ہے اس لیے وہ انس اور الفت فطری عام مظاہرِ قدرت مین بھی اسی طرح وحدت تلاش کرنیکا

شوق پیدا کرتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر محقق طبعی علوم مین عام اصول و قوانین کی معرفت کو اپنا نصب العین بنانے پر مجبور ہوتا ہے اور معرفت کی ابتدائی کڑیون کا مسلسل ہوجانا تلاش کی صعوبت و عرق ریزی کے بعد بھی اس کے ذرا سستانے اور اطمینان آور خواب دیکھنے کا محل اور مقام ہے، جس خواہش کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کیے جا چکے اسی کے بارے مین یہ یاد رکھنا بھی ضرور ہے کہ ذرا سی نگاہ چوکنے پر یہی خواہش اغلاط کا انبار لگا دیتی ہے، اس لیے کہ تعمیم کے وسیع میدان مین اصل اور حقیقی واقعات کے جواہر فراہم کرتے وقت نظر دھوکا کھا کر غلطی سے مشتبہ اور غیر واقعی واقعات کے سنگریزون کو جواہر پارون کے ساتھ ملا دیتی ہے، واقعات کو کاٹ چھانٹ کر اپنے قیاس کے محاذ مین لے آنا اور غیر معلوم چیز کو شے معلوم کے اصول و قواعد سے منسوب کرنا، وہ چیزین جو بہت نہایت ہی خفیف باہم مشا رکھتی ہین اس خفیف سی مشابہت کی بنا پر ان سب کو ایک مفہوم کا مصداق قرار دینا، غلطیون کی دلدل مین پھنسنے کے یہی قوی اسباب ہین،

اس قسم کی غلطی کی نمایان مثال اگر دیکھنا ہو تو دور پیشین مین فیثا غورث کے حلقۂ تلامذہ پر نظر ڈالو جو تمام صفات محسوسات کو صرف اعداد کا پرتو سمجھتے تھے اور جنھون نے نیرنگیٔ قدرت کے پیچ اسرار کا حل خواصِ اعداد کو قرار دیا تھا، کچھ مدت کے بعد اس نظریے کی تردید مین مسئلۂ اعداد کی جگہ یہ خیال قائم ہوا کہ اگرچہ خود اشیا تغیر پذیر ہین مگر ان کے تعلقات کا سلسلہ دائمی ہے، اس تحقیق سے علم حیوانات کے محقق کچھ مدت کے بعد ایسے گمراہ ہوے کہ انسان کو حشرات الارض کا نتیجۂ تولید کہنے لگے، انھون نے اپنے خیالات کی اس طرح داغ بیل ڈالی کہ پہلے عالم قدرت کے واسطے وحدت کا زوجم اس کے بعد سے انسان اور حشرات الارض کی ساخت و ترکیب کے تقابل و توازن کی طرف طبیعتون کا میلان بڑھا اور توازن ترکیب کا نتیجہ ان الفاظ مین نکلا کہ انسان حشرات الارض کا ورثہ دار ہے،

صحیح یا غلط جو خیال پہلے پہل راسخ ہو چکتا ہے اس کے استحکام و استواری کے سامنے حصا
ہنی کی بھی کوئی حقیقت نہین مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ تفتیش کا فیصلہ زیادہ تر اسی خیال
ولین کے رجحان کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے، سابقہ سعی و کوشش سے حاصل کیے ہوے خیالات یا رایون
ا چشم زدن مین کالعدم کر دینا اگر محال نہین تو قریب قریب ناممکن کے ضرور ہے، تسلیم کیے ہوے
یالات کی الفت اور پاسداری تجسس اشیا سے اپنے ہی مطابق تکمیلی نتیجہ نکالنے کی رغبت پیدا کرتی
ہے، خیالات راسخہ کی عدم صحت کی صورت مین وہ اصول و قواعد جن کی بنیاد واقعات و مشاہدات
کے مصالحہ سے مستحکم و پائدار بنانے کا بلند آہنگی سے دعوی کیا جاتا ہے در اصل ان کی حد مفروضات
اختراع سے زائد نہین ہوا کرتی،

بہر صورت استقرار کی نزاکت اور اہمیت بہت دقت نظر چاہتی ہے، بلوغ نظر کے معیار سے
ر ہر جزو کو پرکھنا، جو اشیا آپس مین قوی مشابہت رکھتے ہین انھین اچھی طرح تیقن کے بعد ان چیزون
سے چنکر علیحدہ کر لینا جنمین اس مماثلت و مشابہت کا وجود تو ہے مگر برائے نام، اسی طرز کے بار بار
ی جانچ پڑتال مذکورہ رغبت و خواہش کو غلطی کی آمیزش سے محفوظ رکھتی ہے،

نفس اسباب کی دو قسمین ہین ایک اسباب ضروری اور دوسری اسباب معاون، پہلی قسم یعنی اسباب
ضروری کے بیان کے بعد اب اس کی دوسری قسم یعنی اسباب معاون کی تفصیل ملاحظہ طلب ہے، اس
دوسری قسم کو تاثرات کی گنجان بستی سمجھنا غیر موزون نہ ہوگا، کیونکہ اس کی بنا ہی تاثرات پر ہے جن مین
تعجب کا درجہ اگر ممتاز نہین تو قریب بہ امتیاز ضرور ہے، دختر جہل اور مادر علوم کے الفاظ اسی تعجب
کے لیے معین کئے جا چکے ہین، افلاطون اور ارسطاطالیس اسے فلسفی تاثر سے تعبیر کرتے ہین، بیکن
اسی کی تخصیص کر کے کہتا ہے کہ فلسفیانہ تحقیقون کی جانب میلان و رجحان کی علت تامہ یہی تعجب ہے
اس بنا پر اسے غایت حکمت کہنا غیر مناسب نہین، ایک اور نقاد فلسفہ کے آغاز و اختتام دونون

کی اصل اسی اک تعجب کو ٹھہراتا ہے، یعنی فلسفہ کی ابتدا بھی تعجب ہی سے ہوتی ہے، اور انتہا بھی اسی سے، فرق ان دونون حالتون مین بس یہی ہے کہ ابتدا کا تعجب نتیجۂ جہل ہے اور آخر کا سرچشمۂ معرفت،

نتیجۂ جہل اس بنا پر کہ ابتدائی معمولی معمولی باتون مین ذہن کا الجھنا، قدم قدم پر تشویش کی ٹھوکرین کھانا، رسمی اور پیش پا افتادہ باتون مین تلاشِ توجیہ سے طبیعت کی عاجزی و مجبوری سے تعجب کا پیدا ہونا یہ سب جہل کے متعلقات ہین،

سرچشمۂ معرفت اس لیے کہ انسان تدریجاً مادیت کا خارزار اکتساب و تحصیل کے قدمون سے بے جھجک طے کرتا ہوا روحانیت کے چمن زار کی سراغرسی مین ہمہ تن منہمک ہو کر دور تک آگے نکل جاتا ہے، اُس کی ہمت پیشقدمی اُس کو شکِ حقیقت تک پہنچا دیتی ہے، یہان چارون طرف سے نسیم حیرت کے تیز و تند جھونکے اُسے گھیر کر مبہوت و خود رفتہ بنا دیتے ہین، یہ پابندِ قیود ہستی اپنے ہی مخصوصات فطری کو گھٹا بڑھا کر اس بے قید و غیر محدود ہستی مطلق کی تفتیشِ حقیقت و ماہیت کا خاکہ بار بار بناتی اور بگاڑتی ہے، پیہم سعی و کوشش کے باوجود بھی حصول مقصود مین محرومی و ناکامی پر تعجب و حیرت دامن تھام لیتے ہین اور اُن کے سامنے انسان سپر انداختہ ہو کر خود رفتگی کے رنگ مین ڈوب جاتا ہے،

تعجب کو فلسفہ کا سبب قوی تسلیم کرنے مین، افلاطون اور ارسطاطالیس دونون کے دونون متحد و ہم آہنگ ہین، بعض حکما نے تعجب کے اظہارِ افضلیت مین زیادہ تر مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے، بظاہر اس کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جو فلسفیانہ مضامین نہایت حیرت آور اور تعجب خیز تھے ابتداءً ان حکما کی توجہ اور میلان انھین سے مڈبھیڑ ہوئی، خارجی عالم کی سیر نے طبیعتون کو استعجاب سے لبریز کر دیا کیونکہ قدرت کی بیرونی سمت ہی فلاسفۂ متقدمین کی سعیِ اکتساب کی معراج تھی، اس دور از کار اور غیر مفید روش کے خلاف پہلے سقراط ہی نے صدائے احتجاج بلند کی، اور اس وقت کے مسلمات عام کی بھیڑ سے ہٹکر نفس ناطقہ کی طرف توجہ و انہماک کی ایک علحدہ شاہراہ قائم کی، تو جملہ قوائے عقلیہ کی انتہائی سعی و کوشش اور جد و جہد کا ماحصل تعجب آخرین

سرچشمۂ معرفت، اور قواے عقلیہ کے تعطل و عدم ورزش کا نتیجہ تعجب اولین نتیجۂ جہل قرار پایا، ٹھیٹ فلسفہ کی زبان
مین نتیجۂ جہل کی توضیح یون کی جاسکتی ہے کہ قریب قریب اور پاس پاس کی علتون کے دریافت کرنے سے عاجز
آکر تعجب کے سلسلہ مین پھنس جاتا، اور سرچشمۂ معرفت کی تشریح اس طرح کہ علل قریبہ کی جستجو اور تلاش کے بعد بعید
علتون تک پہنچنا اور ان کا سراغ پا کر یا اتنے سراغ رسی مین آگے بڑھنا (یہ پیشتر ظاہر کیا جاچکا ہے کہ جتنی علتین
دور اور بعید ہوتی جائین گی اسی حد پہ سادہ اور سادہ تر حالت اختیار کرینگی) سادگی سے ہم دوش
علتون کی دیکھ بھال، جانچ پڑتال مین مصروف ہوکر تدریجاً ایسے راس العلل اور علت العلل تک پہنچ جانا
جس کے وجود کا ثبوت تو متحقق لیکن کنہ و ماہیت انسانی فہم و ادراک کے لیے بالکل غیر مفہوم، علت العلل
کے وجود کے ظہور و ثبوت کے بعد اس کی نوعیت ماہیّت کی لگاتار تجسس کی غیر معمولی عرق ریزی پر استعجاب
و تعجب کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آنا، یہی وہ تعجب ہے جسے اسلامی شریعت لفظ حیرت کے ساتھ تعبیر کرتی ہے،
اور محمودہ و مذمومہ کی قیدین لگا کر اس حیرت کی دو قسمین کی ہین، کنہ باری کے سوچ بچار مین جو ایک ربودگی
کی سی حالت ذہن پر چھا جاتی ہے اُسے حیرتِ محمودہ کہتے ہین، اور دنیاوی امور مین منتشر الحواس ہوکر
چراغ پا ہوجانا حیرتِ مذمومہ کہلاتا ہے،

ابوبکر بن زکریا الرازی،

ماخوذ از

ای، جے ہوم یارڈ، ایم اے، ایم ایس سی، افسر اعلی شعبہ کیمیا، کلفٹن کالج برسٹل،

از

س، م، بر ڈتی، ہوشیار پور، پنجاب،

یورپ مین علم طب مین علم کیمیا کا استعمال پیراسلسس (۱۴۹۳-۱۵۴۱) کے زمانہ مین شروع ہوا، باوجود اس کے کہ پیراسلسس کا طرز تحریر و تقریر رعونت آمیز اور اپنے ہمعصرون کو حقیقت سے ناآشنا رکھنے والا تھا، اُس نے علمائے کیمیا کو کیمیاگری کے خیال سے ہٹا کر ادویات کی طیاری کی طرف مائل کیا، اور یہ بہت بڑی خدمت تھی جو اُس نے سرانجام دی، لیکن علم طب اور علم کیمیا کا رشتہ اس سے بہت دیر پہلے کا معلوم ہوتا ہے، اسلامی ممالک کے اکثر کیمیادان دراصل طبیب ہی ہوا کرتے تھے، اور علم کیمیا مین اُن کی دلچسپی ادویات کی طیاری اور اکسیر کی تلاش کے سبب پیدا ہوئی، ان سب مین سے رازی کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، گو دونون کی طبیعتین ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھین، لیکن رازی کو ایرانی پیراسلسس یا پیراسلسس کو یورپی رازی کہا جاسکتا ہے،

گذشتہ چند سالون مین انگلستان مین کرنل رینکنگ اور پروفیسر براؤن نے جرمنی مین پروفیسر رسکا اور ہندوستان مین پرنسپل سٹیپلٹن نے رازی کی زندگی کے حالات اور اسکے کام کے متعلق بہت تحقیقات کی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب رازی کی زندگی اور کام کے متعلق صحیح رائے قائم کیجا سکتی ہے،

ابوبکر محمد بن زکریا الرازی ۸۶۵ء مین ایران کے صوبہ جبال کے قصبہ رے مین پیدا ہوا، رے اسی نواح مین واقع تھا، جہان اس وقت طہران ہے، رے کی نسبت کی وجہ سے اس کا نام الرازی مشہور ہو گیا اور اسی نام نے یورپی زبانون مین کئی مختلف شکلین اختیار کین،

زمانہ شباب مین اس نے اپنا وقت موسیقی، منطق، اور فلسفہ کے مطالعہ مین صرف کیا، وہ بہت اچھا گویّا تھا، اور بانسری خوب بجاتا تھا، لیکن بعد مین اس نے موسیقی کا خیال یہ کہکر ترک کر دیا، کہ داڑھی اور موچھون مین سے نکلتی ہوئی راگ کی سر بھلی معلوم نہین ہوتی، منطق کا نہ تو اس نے شوق سے مطالعہ کیا، اور نہ ہی منطق اس کی طبیعت سے ٹھیک طور پر راس آئی، اوسکے دلائل عام طور پر خام ہوا کرتے تھے اور دوسرے علماء کے اصولون کو سمجھنے کے بغیر ہی ان کی تردید شروع کر دیا کرتا تھا، تیس سال کی عمر کے بعد اسے بغداد جانے کا اتفاق ہوا، وہان پرانے شفاخانہ مین جو شہر کے مضافات مین شہر کے دائین کنارے پر واقع تھا اس نے ایک عجیب وغریب علاج کا تذکرہ سنا، چنانچہ اس طرح سے دلچسپی کا آغاز ہونے کے بعد اس نے ہر روز شفاخانہ جانا شروع کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ زندگی کا باقی حصہ علم طب کے مطالعہ مین ہی صرف کرے گا، علم طب کے مطالعہ کی ابتدا کے متعلق ایک اور قصہ بھی مشہور ہے، کیمیاگری کے سلسلہ مین تجربات کرتے ہوے ایک دن رازی کوئی زہریلی گیس سونگھ کر علاج کے لیے شفاخانہ گیا، علاج کے بعد طبیب نے پانچ سو دینار یعنی ڈھائی سو پونڈ کا بل پیش کیا، رازی نے خیال کیا کہ اصلی کیمیاگری یہی ہے، چنانچہ اس دن کے بعد اس نے علمِ طب کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا، لیکن رازی کی زندگی کے سب حالات معلوم کرنے کے بعد یہ نہایت وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ روپیہ کے لالچ سے اُسے یہ خیال پیدا نہین ہوا ہوگا، کیونکہ روپیہ سے اسے قطعی محبت نہین تھی،

اپنے وطن واپس آکر اس نے ہر روز شفاخانہ جانا شروع کر دیا، جہاں دوائی تقسیم کرنے والا رازی کا اپنا دوست تھا، تھوڑے ہی عرصہ مین اس نے اتنی مہارت حاصل کر لی کہ شفاخانہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ طبیب بھی اس کی قابلیت کے قائل ہو گئے، اور رے کے شفاخانہ کی اعلیٰ طبابت اور نظامت کا عہدہ اس کو پیش کیا گیا، اس عہدہ کے فرائض مین اطبا کی تعلیم بھی شامل تھی، چنانچہ رازی خود فرش پر بیٹھ جاتا تھا، اور شاگرد اس کے گرد بیٹھتے تھے، پرانے طلبا اس کے قریب اور مبتدی باہر کے حلقہ مین، جب کوئی مریض علاج کے

لیے آتا، تو سب سے پہلے وہ اپنی کیفیت باہر کے حلقہ کے طلبہ کو بتاتا، اگر وہ بیماری کی اصلیت سمجھ جاتے تو نسخہ تجویز کر دیتے ورنہ بیمار کو پرانے طلبا کے سپرد کر دیتے، اگر پرانے طلبہ بھی مرض تشخیص نہ کر سکتے تو رازی خود مریض کو دیکھتا، اور نسخہ تجویز کرتا،

رے میں رازی کی شہرت بحیثیت ناظم اور طبیب اس درجہ تک بڑھی کہ خلیفہ المکتفی (۹۰۲-۹۰۷) کے زمانہ میں بغداد کے شاہی شفاخانہ کی نظامت اور اعلیٰ طبابت کا عہدہ اسے پیش ہوا، بغداد میں اس شفاخانہ کا سنگ بنیاد رکھنے سے پیشتر اس کے جائے وقوع کے متعلق رازی سے مشورہ کیا گیا، چنانچہ اس نے شہر کے مختلف حصوں میں کچے گوشت کے ٹکڑے ہوا میں لٹکوا دیے، جس جگہ گوشت کا ٹکڑا سب سے زیادہ دیر میں سڑا، وہ جگہ شفاخانہ کے لیے انتخاب کی گئی، اس طریقہ انتخاب سے اسکی ذہانت اور قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بغداد میں اس نے کتنی دیر قیام کیا، اکثر دفعہ امرا اور خود خلیفہ کے ساتھ اس نے سفر کیا، ایران کو بوجہ اپنا وطن ہونے کے عراق پر ہمیشہ ترجیح دیتا تھا،

زندگی کے آخری حصہ میں وہ موتیابند کے مرض سے نابینا ہو گیا تھا، اس کے دوست عمل جراحی کے لیے بہت اصرار کرتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتا رہا، کہ اس نے دنیا بہت دیر تک دیکھی ہے، اور زیادہ دیکھنے کی خواہش باقی نہیں، ۲۶ اکتوبر ۹۲۵ء کو ساٹھ سال دو ماہ کی عمر میں رازی نے وفات پائی، وہ بہت فیاض اور خوش اخلاق تھا، غربا پر خاص طور پر شفقت کیا کرتا تھا، اور ان کا علاج ہمیشہ مفت کرتا تھا،

رازی اپنے زمانہ کا قابل ترین طبیب ہی نہیں تھا، بلکہ زمانہ قدیم کے اطبا کی تصانیف کا بڑا جید عالم تھا، یونانی علما کی تصانیف کے مطالعہ کا اسے بہت شوق تھا، اپنے فرائض سے فارغ ہو کر ہمیشہ مطالعہ میں مصروف رہتا تھا، یا کتب میں نقل کرتا رہتا تھا، زیادہ مطالعہ ہی غالباً اسکی بصارت کے ضائع ہونے کا موجب ہوا ہو گا،

رازی کے طریق علاج کے متعلق ایک نہایت دلچسپ کہانی مشہور ہے، ایک امیر گنٹھیا

کے مرض کی شدت کے سبب چلنے پھرنے سے عاری تھا، اور طبیبون کے علاج سے مایوس ہوکر اُس نے رازی سے علاج کروانا چاہا، رازی نے بھی کچھ دیر کئی طریقون سے علاج کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی، آخر اُس نے امیر مذکور سے کہاکہ وہ ایک نیا علاج کرنا چاہتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ علاج شروع کرنے سے پہلے امیر رازی کو اپنا سب سے اچھا گھوڑا اور خچر دیدے، امیر نے منظور کیا اور گھوڑا اور خچر رازی کے سپرد کردیے، رازی امیر کو شہر سے باہر ایک حمام مین لے گیا، اور اس کے ساتھ ایک گرم کمرے مین داخل ہوگیا، کچھ دیر تک مالش ہوتی رہی، اس کے بعد رازی باہر چلا گیا، اور لباس تبدیل کرکے واپس آگیا، اب اس کے ہاتھ مین ایک چھرا تھا، اور اندر آتے ہی اُس نے امیر کو گالیان دینی شروع کین، امیر سخت حیران ہوا، لیکن آخر جب رازی نے اسے قتل کردینے کی دھمکی دی تو امیر کے ڈر اور غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، مرض اور درد کا سب خیال بھلاکر وہ فوراً اپنے پاؤن پہ کھڑا ہوگیا تاکہ اپنے ملازمون کو مدد کے لیے بلائے، امیر کو چلتا دیکھ کر رازی حمام سے باہر نکل گیا، آپ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے نوکر کو خچر پر سوار کیا، اور جس وقت تک امیر مذکور کے علاقہ سے باہر نہ نکل گئے دم نہ لیا، رازی نے کچھ دیر بعد امیر کو لکھا کہ گالیان اور قتل کی دھمکی سب علاج کا ایک حصہ تھا، امیر جسے مرض سے بالکل صحت ہوچکی تھی سارے معاملہ کو سمجھ چکا تھا، چنانچہ اس نے رازی کو بہت تحائف بھیجے اور ایک ہزار پونڈ اور دوسو گدھون کا بار غلہ اسکی سالانہ پنشن مقرر کردی،

بہ حیثیت عالمِ کیمیا رازی خاص شہرت اور عزت کا مستحق ہے، اُس کی تصانیف مین سب سے پہلے کیمیائی مرکبات، مختلف کیمیائی عملون اور کیمیائی آلات کے متعلق مشاہدات کی نہایت باقاعدہ قسم بندی پائی جاتی ہے، یہی نہین بلکہ اُس نے اپنے مشاہدات کو ایسی صاف عبارت مین ادا کیا ہے جو اس زمانے کے کیمیاگرون کے ڈھکوسلون سے بالکل مبّرا ہے، رازی جابر کی شان کو کبھی نہین پہنچا، اور اپنی تصانیف مین جابر کی بہت عزت اور تعریف کرتا ہے، اپنے خیالات کو نہایت واضح طور پر ادا کرنے کا اس کا طریقہ ایسا تھا جو ہر خاص و عام کی سمجھ مین آسکے، یہ امر نہ صرف اس کی دائمی شہرت

کا باعث ہے، بلکہ اب تک بھی نہایت مفید اور کار آمد ہے، اس کی تصانیف کسی حد تک آج کی کیمیائی ٹکسٹ بکون کا مقابلہ کرتی ہین،

کیمیائی مرکبات کی مندرجہ ذیل قسم بندی سے علم کیمیا مین اسکی باریک بینی اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے،

مرکبات

۱ معدنیات ۲ ماخوذ از نباتات ۳ ماخوذ از حیوانات ۴ پہلی تین قسمون مین سے کسی دو سے ملکر بنے ہوئے اجسام، مثلاً جلا ہوا تانبا، توتیا، لوہے کا زنگ وغیرہ،

معدنیات:

۱ وہ اجسام جو حرارت سے بخارات مین تبدیل ہو جاتے ہین، مثلاً پارہ، گندھک اور نوشادر وغیرہ ۲ دھاتین ۳ حجر ۴ سلفیٹ سفید، سبز، سرخ وغیرہ ۵ سہاگے ۶ نمکیات شیرین، ترش، مثلاً قلعی، جوہا وغیرہ

رازی نے اُن آلات کی فہرست بھی دے رکھی ہے جو کیمیائی تجربات مین استعمال ہوتے ہین، پھر ان کو دو قسمون مین تقسیم کیا ہے، آلات کی فہرست اچھی خاصی مکمل ہے، لیکن رازی نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ مختلف حصون وجوڑ کر نئے آلات تیار کرنے کے متعلق بھی ہدایات لکھی ہین، چنانچہ اس کی تصانیف مین آلات کے متعلق ایسی ی مفصل تفصیل پائی جاتی ہے جیسے موجودہ زمانے کی تجربہ گاہون کے متعلق نوٹ بکون مین،

جابر کی طرح رازی بھی طلاسازی کے امکان پر یقین رکھتا تھا، چنانچہ پرنسپل سٹیپل ٹن نے ازی کے طریقۂ طلاسازی کا ایک خاکہ بھی دیا ہے، سب سے پہلے مختلف عملون سے اس مرکب کو صاف یا جاتا تھا جس سے اکسیر بنانی مقصود ہوتی تھی، اس کے بعد اسے ایسی صورت مین تبدیل کیا جاتا تھا کہ وہ سانی سے پگھل سکے، لیکن اس عمل مین اس مین سے بخارات خارج نہ ہون، اس کے بعد اسے کسی مناسب کیمیائی رکب مین حل کیا جاتا تھا، مختلف اقسام کے سلوشن مختلف مقدارون مین مل کر اکسیر پیدا کرتے تھے.

اکسیر کی بہت تھوڑی مقدار کو اگر کسی کم قیمت دھات کی بڑی مقدار کے ساتھ ملایا جائے تو سونا

اور چاندی بننے کی امید کیجاتی تھی،

رازی کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد سٹیپل ٹن کا خیال ہے کہ رازی کا نام محققین کی فہرست مین سب سے اول نمبر پر آنا چاہیے، اُس کی شاندار تحقیقات اور لاثانی قابلیت نہ صرف اُس کے اپنے زمانہ مین بلکہ گلیلیو اور بائل کے زمانہ تک اپنی آپ ہی مثال رہینگی، احکامعاملات کی اصلیت دریافت کرنے کا شوق انتہائی درجہ تک پہنچا ہوا تھا، اور وہ کتابین جو طب کے علاوہ اُس نے دیگر مختلف علوم کے متعلق لکھین اسکی حیرت انگیز ذکاوت کا بین ثبوت ہین ان سب باتون پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہین کہ رازی اپنے استاد جابر کے سوا ساتوین صدی سے لیکر چوتھی صدی قبل مسیح تک کے یونانی حکما کا ان سب علما مین سے زیادہ صاحب دانش و فراست پیرو تھا، جو ارسطو کی وفات کے بعد انیس سو سال کے عرصہ مین اس دنیا مین پیدا ہوے، اس کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جادو اور جوتش کی فسون سازیون پر اعتبار نہ کرتا تھا اور کبھی ایسی بات پر ایمان نہ لاتا تھا جو امتحان اور تجربہ کی کسوٹی پر صحیح اور درست ثابت نہ ہو،

علم طب کے متعلق رازی کی متعدد تصانیف کا اس جگہ تذکرہ کسی قدر بے محل ہوگا، لیکن یہ امر خالی از دلچسپی نہین ہوگا، کہ اُس نے چیچک اور خسرہ کے متعلق ایک ایسی جامع اور مکمل تصنیف چھوڑی ہے، جو اس وقت تک صحیح طور پر عربی علم طب مین ایک بے بہا اور درخشندہ گوہر تصور کیجاتی ہے، علم طب پر اس کی سب سے مشہور تصنیف حاوی (HAWi) کے نام سے مشہور تھی، جو عربی زبان مین کبھی شائع نہین ہوئی اور جس کا قلمی نسخہ بھی آج ناپید ہے، دسوین صدی مین علامۂ زمان علی بن عباس جو یورپ مین HALLYABAS کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی صرف دو مکمل جلدین تلاش کرنے مین کامیاب ہوا، لاطینی زبان مین یہ کتاب ۱۴۸۶ء مین بمقام برشیا (BRESCiA) شائع ہوئی اور شروع شروع مین تمام یورپ مین علم طب کی بہترین اور مستند کتابون مین شمار کیجاتی تھی،

تلخیص و تبصرہ

اوستاد جبر ضومط

شام کے اون عیسائی ادبا مین جنہون نے پچھلے پچاس برس کے طویل عہد مین عربی زبان کی خدمت کی، اور جدید طریقہ تعلیم سے فیض پاکر عربی زبان و ادب کے قدیم علوم کو نئے قالب مین ڈھالا اور اونکو ملک کا سکۂ رائج الوقت بنا دیا، ایک ہستی اوستاد جبر ضومط کی بھی تھی، افسوس ہے کہ انہون نے ۱۹ جنوری ۱۹۳۰ء کی صبح کو وفات پائی،

وہ ۱۸۵۹ء مین طرابلس الشام کے متصل برج صافیتا مین پیدا ہوئے اور وہین کے مدرسہ مین ابتدائی تعلیم پائی، اُس کے بعد لبنان کے ایک گانون عبیہ کے مشن اسکول مین ۱۱ سال کی عمر مین داخل ہوئے، پھر ۱۸۷۱ء مین شام کے مشن کالج مین داخل ہو کر دو برس تک تعلیم حاصل کی وہان سے اکتوبر ۱۸۷۲ء مین بیروت آئے اور ۱۸۷۶ء مین وہان سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور فارغ ہونے کے ساتھ ہی کفتین کے مدرسہ مین طبیعات اور عربی علم ادب کے مدرس مقرر ہو گئے، پھر ۱۸۸۳ء مین اُس جماعت کے ایک رکن مقرر ہوئے جو مہدی سوڈانی کی جنگ مین جنرل گارڈن کی رہائی اور خرطوم کے محاصرہ توڑنے کے لئے روانہ کی گئی تھی، وہان سے پلٹنے کے بعد امرکین کالج بیروت نے انکو اپنے یہان عربی زبان کا پروفیسر مقرر کر دیا اور یہان وہ ۴۴ سال تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور اس وسیع مدت مین اُن کے زیر تربیت بہت سے شامی طلبا نے ادبی حیثیت سے شہرت و امتیاز پیدا کیا لیکن ۱۹۲۳ء مین انہون نے خرابی صحت

سے پنشن لے لی لیکن پنشن پانے کے بعد بھی علمی مشاغل مین برابر مصروف رہے یہان تک کہ وفات سے دو ہفتہ پیشتر بھی اُن کا یہی دلچسپ مشغلہ تھا،

اوستاد جبر ضومط نے اگرچہ عمر بھر مختلف مدرسون مین تعلیم دی اور اس لحاظ سے معلّم کا لقب اُنکے نام کا جزو ہو گیا لیکن وہ صرف مدرس نہ تھے بلکہ اُسی کے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے، انہون نے جو کچھ لکھا ہے عربی زبان کے متعلق لکھا ہے اور اس سلسلہ مین اُنہون نے سب سے پہلی جو کتاب لکھی ہے اس کا نام "خواطر فی اللغۃ" ہے، اس کے علاوہ اُنکی تصنیف سے حسب ذیل کتابین ہین،

(۱) خواطر الاعراب فی النحو والاعراب،

(۲) المعانی الحسان فی المعانی والبیان،

(۳) فلسفۃ البلاغۃ،

سب سے اخیر مین اُنہون نے اپنے مضامین کا ایک مجموعہ "عربی علم لغت کا فلسفہ اور اُس کی تدریجی ترقی" کے نام سے تیار کیا تھا، جو مطبع المقتطف مین چھپا تھا،

ان علمی خدمات کی بنا پر اُنہون نے خاصی شہرت حاصل کر لی تھی اور تمام ملک اُنکی نہایت قدر کرتا تھا چنانچہ جب ۱۹۲۲ء کے موسم سرما مین وہ مصر آئے تو اُنکے تلامذہ نے جو وہان رہتے تھے نہایت شاندار طریقہ سے اُنکی پذیرائی کی، ۱۹۲۶ء مین امریکن کالج بیروت مین انکی جوبلی منائی گئی، اور اس طرح اُن کے علم و فضل کا اعتراف کیا گیا، وفات کے بعد بھی مراسم تجہیز و تکفین اُن کے شایان شان ادا کئے گیے،

اوستاد جبر ضومط نے عربی زبان کی سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی کہ اُنہون نے عربی زبان کو موجودہ اصول علم الالسنہ کے معیار پر پرکھا، اور دوسری سامی زبانون کے مقابلہ مین اُسکی اہمیت واضح کی پھر اُس کی بلاغت یعنی معانی و بیان کے پرانے اصول کو فلسفیانہ آمیزش کے ساتھ نئے قالب مین نوجوانون کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ان کے مذاق اور اُنکی طبیعت کے بالکل مطابق

تھی اور اس طرح عربی اصولِ بلاغت کو اُن کی نظرون مین قابلِ قبول بنا دیا، آج ہندوستان مین عربی دانون کی کمی نہین، عربی مدرسون کی کمی نہین، عربی علم ادب کے مدعیانِ خدمت کی کمی نہین، لیکن یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے علماء، ہمارے مدرسین اور ہمارے عربی مدرسے اب تک انہین پرانے سکّون کو نئے بازارون مین رواج دینے کے کوشان ہین،

سنہ ۱۹۲۹ء مین ادب کا نوبل پرائز

گذشتہ سال (سنہ ۱۹۲۹ء) مین ادب کا نوبل انعام جرمنی کے ایک خوش قسمت ادیب کے حصہ مین آیا جسکا نام تھامس مان ہے،

پہلے جرمن علم ادب کی عام خصوصیت مایوسانہ فلسفیانہ خیالات کی آمیزش تھی، گذشتہ زمانہ مین جرمنی مین جو مشہور فلاسفر پیدا ہوے جرمن علم ادب ان کے فلسفیانہ خیالات سے بہت زیادہ متاثر ہوا، لیکن بعد کو وہ ان گراہنا رخیالات سے سبکدوش ہوکر فرنچ اور روسی علم ادب کے ساتھ مذہب واقعی (ریا لزم) سے متاثر ہوا، پھر جب نٹشے نے شوپنہار کے فلسفۂ یاس و ناامیدی کی مخالفت کرکے اپنے فلسفہ کی بنیاد قوت پر رکھی، تو جرمن علم ادب کا ایک نیا دور شروع ہوا، اور جدید جرمنی کے شباب کی ابتدا اُسی کے خیالات کے اثر سے ہوئی اوسکا قول ہے کہ "زندگی کے آقا بنو، اس کے غلام نہ بنو" اور اسی قول نے نوجوانانِ جرمنی کو اُس کے فلسفیانہ خیالات و نظریات کا گرویدہ بنا لیا ہے، نہایت قدیم زمانہ سے جرمن علم ادب مین جذباتی شاعری کے عناصر کی آمیزش پائی جاتی ہے، اور گیٹے کے قصاید کا جرمنون کے دل پر بہت زیادہ اثر ہے لیکن موجودہ زمانہ مین جرمن علم ادب نے ایک بالکل جدید اسلوب اختیار لیا ہے، اور اس جدید اسلوب کے ادیبون مین تھامس مان سنہ ۱۸۷۵ء مین شہر لوبک مین پیدا ہوا، اور بدقسمتی سے اس کی عمر کے سولھوین سال باپ کا انتقال ہوگیا، البتہ اُسکی ماں زندہ رہی اور اُس نے اپنے لڑکے کی شہرت کا زمانہ شباب اپنی آنکھون سے دیکھا،

تھامس مان نے اوّل اوّل شہر میونیخ کی ایک بیمہ کمپنی میں ملازمت کی تھی لیکن یہ کام اسکو پسند نہ تھا، اسلئے فرصت کے اوقات میں ایک افسانہ لکھا کرتا تھا، جو بعد کو ایک اخبار میں شائع ہوا، اسکی شہرت کی ابتدا اسی افسانہ سے ہوئی اور اسی وقت سے ملازمت کو چھوڑ کر وہ مستقل طور پر ادبی خدمت میں مشغول ہوگیا، تصنیف و تالیف کے ساتھ وہ میونیخ یونیورسٹی میں جاکر لکچر بھی سنا کرتا تھا، وہ میونیخ سے نکل کر روما میں آیا اور وہاں ایک اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں شامل ہوگیا اور وہین اس نے اپنا مشہور افسانہ بوڈنبروکس لکھنا شروع کیا جس میں شہر لوبک کے ایک شریف خاندان کی مصیبتوں کا حال لکھا گیا ہے، اور لوگ اُس سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں،

اُسکو اٹلی میں ٹالسٹائی کے افسانوں سے بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اور وہاں وہ مختلف اخبارات میں افسانے لکھ لکھ کر بھیجا کرتا تھا، جو اگرچہ اٹلی کی فضا میں لکھے جاتے تھے لیکن اُن کے اندر جرمن علم ادب کی روح نمایاں نظر آتی تھی، اس کے بعد اُسکی متعدد کتابیں پے درپے شائع ہوتی رہیں لیکن اُس کا سب سے زیادہ اہم ناول "DERTODINVENEDIG" ہے جس میں اُس نے اپنی پوری ذہانت اور قابلیت صرف کردی ہے، اور جرمن ادبا میں کوئی شخص اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا،

(م ق)

لفظ "تبغ" کی اصلیت

جدید عربی زبان میں تمبا کو کو تبغ کہتے ہیں، اس زمانے کے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک عجمی لفظ "تاباک" "TABAC" کی تعریب ہے، خود قدیم عربی میں اس کے لئے کوئی لفظ موجود نہیں کیونکہ انکشاف امریکہ سے پہلے اہل عرب تمباکو کے وجود سے بالکل ناآشنا تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ "تاباسکو" یا "TABAS" سے مشتق ہے جو خلیج مکسیکو میں ایک جزیرے کا نام ہے اور غالباً تمبا کو وہیں پیدا ہوتا ہوگا، لیکن طرابلس الغرب کے ایک ادیب نے جو اسلامی علم ادب کے بڑے حامی ہیں اسکی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے اور

اسلام کے بعد اہل عرب اس لفظ سے واقف تھے اور تبا کو حجاز اور اس کے قرب وجوار مین پیدا ہوتا تھا، اور اہل عرب نے اپنے اشعار مین اسکا ذکر کیا ہے، چنانچہ تابط شرا کہتا ہے،

کانما حثحثوا حصاً قوادمہ　　　أو ام خشف بذی شث و طباق

ابن سیدہ نے مخصص جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۲ مین لفظ طباق کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک گھاس ہے جسکو بکریان کھاتی ہین، اسکے علاوہ بعض اہل لغت لکھتے ہین کہ وہ حجاز مین پیدا ہوتی ہے اور اسکو ہرن اور پہاڑی بکرے کھاتے ہین،

اسلامی شعرا مین ابو العلا معری نے بھی اپنے اشعار مین اس کا ذکر کیا ہے،

لم تنصفی غذیت اطیب مطعم　　　وغذا اُوهن الشث والطباق

اور لسان العرب مین ہے کہ طباق ایک گھاس یا ایک درخت کا نام ہے، ابو حنیفہ کہتے ہین کہ طباق قد آدم برابر ایک درخت ہوتا ہے جو تنہا کبھی نہین اُگتا بلکہ بہت سے درخت ایک ساتھ اُگتے ہین، صاحب قاموس کے نزدیک طباق ایک درخت کا نام ہے جو مکہ کے پہاڑون پر پیدا ہوتا ہے"

اب اس تحقیق کے بعد پہلا نظریہ بالکل بدلجاتا ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود لفظ "تنباکو" یا "تمباک" اسی قدیم عربی لفظ "طباق" کی تحریف ہے، (مق)　　"ع"

رومانیا اور بلگیریا مین مسلمان

اس وقت رومانیا مین مسلمانون کی تعداد ڈھائی لاکھ ہے، جو سب کے سب تورانی نسل سے ہین، اور ترکی زبان بولتے ہین، یہ لوگ زیادہ تر دوبریجہ کے اطراف مین رہتے ہین اور ان کی ایک مختصر سی تعداد جزیرۂ آطہ قلعہ مین دریاے ڈینوب کے کنارے بھی آباد ہے، ان لوگون کا ذریعہ معاش زراعت و تجارت ہے، لیکن ان مین دولت مند لوگ کم اور معمولی وجہ معاش رکھنے والے زیادہ ہین، البتہ ان کی اقتصادی حالت روز بروز ترقی کر رہی ہے،

رومانی حکومت کی طرف سے ان کو تمام تمدنی اور سیاسی حقوق حاصل ہین، رومانی فوج مین

اُن کے افسر موجود ہین، سرکاری کالجون اور یونیورسٹیون مین اُن کے طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہین، اور اُن مین وکلا، کی ایک جماعت موجود ہے، البتہ چونکہ اُن کے خیالات مین اتحاد نہین ہے، اور اُن کی مختلف سیاسی پارٹیان قائم ہین اس لئے وہ ان حقوق سے کافی فائدہ نہین اٹھاتے، آج سے آٹھ سال پہلے پارلیمنٹ مین اُن کے چار ممبر تھے اور اب صرف ایک ممبر رہ گیا ہے،

مذہبی حیثیت سے حکومت نے ان کے لئے چار مفتی اور چار قاضی مقرر کر دیئے ہین، اور ہر سال اُن کے مدارس و مساجد وغیرہ پر ۲ ملین (لای) یعنی ۴۲ ہزار مصری گنی صرف کرتی ہے، مساجد اوقاف اور ان کے ملازمین کی نگرانی مفتیون سے تعلق رکھتی ہے، اور قاضیون کا کام نکاح، طلاق، وصیت، اور وراثت کے مقدمات کا فیصل کرنا ہے، لیکن اس سال جنوری سے ایک نیا قانون پاس ہوا ہے جسکا منشاء یہ ہے کہ تمام تمدنی معاملات ایک سلسلہ مین منتظم ہو جائین اور اس قانون کی بنا پر سب سے پہلے ایک خاص عہدیدار کے سامنے تمدنی طور پر نکاح ہوتا ہے، اس کے بعد اگر فریقین کی خواہش ہو تو وہ مذہبی حیثیت سے بھی نکاح کر سکتے ہین لیکن اس قانون مین ترمیم و تنسیخ کرنے کے لئے مسلمانون کا ایک وفد بخارسٹ گیا ہے البتہ بعض مسلمان اسی جدید قانون کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہین،

آجکل تبدیل رسم الخط کے مسئلہ نے مسلمانان بلگیریا مین سخت اختلاف پیدا کر دیا ہے بعض نوجوان مسلمان چاہتے ہین کہ اسلامی مدارس مین عربی رسم الخط کے بجائے لیٹن خط رائج کیا جائے، چنانچہ بعض مدارس مین اسکا رواج بھی ہو چکا ہے لیکن بعض مدارس مین اب تک وہی قدیم عربی رسم الخط جاری ہے، اور اس مسئلہ کے تصفیہ کیلئے اسلامی کانفرنس مین جو صوفیہ مین منعقد ہوئی تھی بحث بھی ہوئی، لیکن اس بحث و مباحثہ کا نتیجہ اب تک کچھ نہین نکلا،

حکومت بلگیریا نے ایک مسودہ اس غرض سے بھی پیش کیا تھا کہ مسلمانان بلگیریا پر بھی عام بلگیرین قانون نافذ کئے جائین اور ان کے جو شرعی محکمے قائم ہین توڑ دئے جائین، لیکن رئیس المفتی اور بعض مسلمان ممبرون

کی مخالفت کے سبب سے اس نے اس کو واپس لے لیا، اور سر دست نکاح، طلاق اور وصیت وغیرہ کے تمام مقدمات اوّل اوّل ابتدائی شرعی محکمون مین فیصل کئے جاتے ہین اور انکی آخری اپیل محکمۂ افتا کے صدر کے یہان ہوتی ہے، جو صوفیہ مین قائم ہے۔ (ر ا) "ع"

"کایاپلٹ"

اگلے زمانہ کے بوڑھے شاعرون مین سے جنکو قانونِ فطرت کے عجائبات کا حال کم معلوم تھا کسی نے اپنی بیوقوفی سے یہ شعر کہا تھا،

جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی　　جو آکے نہ جائے وہ بوڑھاپا دیکھا

پہلے تو دور دور سے سنتے رہے کہ یورپ مین بوڑھون کو آپریشن اور نوجوان بندرون کی گلٹیون کا پیوند لگا کر جوان بنایا جا رہا ہے، دو مہینے ہوے کہ یہ روداد خود ہندوستان مین پیش آئی اور کلکتہ کے ایک دولتمند مارواڑی میان بیوی نے دو لاکھ روپئے خرچ کر کے یورپ سے ایسے ڈاکٹرون کو بلوایا اور اپنے آپریشن کرا کے اور بندرون کی گلٹیان لگوا کر جوان بننے کی کوشش کی گئی چنانچہ یہ کامیاب آپریشن کیا گیا، اور دونون اپنی اپنی جوانی کے منتظر ہین، یا شاید اس اثنا مین ہو چکے ہون،

ڈاکٹر جارونسکی نے پیرس کے فرنچ رسالہ ایر تو دیل مین جوانی اور بوڑھاپے اور عمر کی درازی پر ایک مضمون لکھا ہے جسمین وہ کہتے ہین۔

جوانی کے لوٹانے کے معنی عمر کے بڑھانے کے نہین ہین بلکہ صرف بوڑھاپے کی کمزوری کے انسداد اور زندگی کے نشاط کو کسی قدر بڑھا دینے کے ہین بوڑھاپا صرف جسمانی قوی کے تکان اور کمزوری کا نام ہے، موجودہ زمانہ کی ایجادون سے جہان ہمکو فائدہ پہونچایا ہے، وہان ہمارے جسمانی اور دماغی قوی کو فطری مقدار سے بہت زیادہ تھکانا شروع کر دیا ہے" موٹر ٹیلیفون، ریڈیو سینما وغیرہ انسان کو بہت زیادہ تھکا اور اس کے اعصاب کو صدمے پہونچا رہی ہے اس تھکن اور عصابی بے اضطرابی کے لحاظ سے کہنا صحیح ہے کہ ہمارے ایکدن کی محنت گذشتہ زمانہ کے دس دن کی محنت کے برابر ہے"

اسی طرح ہر روز اخبارات کی قلق افزا خبریں، دنیا کی روداد یں تار برقیاں اور ریڈیو کی آوازیں ہر گوشہ سے ہمکو متاثر کرتی رہتی ہیں اور ہمارے بوڑھاپے کو ہمارے بزرگون سے پہلے ہم تک پہونچا دیتی ہیں،

اس زمانہ مین بہت سے ایسے افسانے اور قصے لکھے گئے ہین جنمین جوانی کے دوبارہ آنیکے خوش آیند خیالات ظاہر کئے گئے ہین مگر درحقیقت ابھی تک ہم خواب و خیال کی دنیا مین ہین، بوڑھاپے کے انسداد کے معنی یہ نہین ہین کہ بوڑھون کو از سر نو جوان بنا دیا جائے بلکہ یہ ہین کہ جوانون کو جلد بوڑھے ہونے سے باز رکھا جائے،

تاہم اسمین شک نہین کہ ہمارے بعض ماہر اطبا اسکے لئے بھی کوشش کر رہے ہین کہ بوڑھون کو بھی جوان بنا دین۔ موریس والیف ودی نے یہ تحقیق کرکے بتایا ہے کہ بہت سے بوڑھے واقعی جوان ہوگئے کیونکہ بوڑھاپا جیسا کہ کہا جا چکا کہ صرف تھکن اور کمزوری کا نام ہے اس لئے بہت سے ایسے بدقسمت لوگ بھی ہین جو چالیس ہی برس کی عمر مین بوڑھے ہوگئے، اور بہت سے ایسے ہین جو ساٹھ برس کی عمر مین بھی پٹھے بنے پھرتے ہین، اور ایسے بھی ہین جو کہ سترکی عمر کو پہونچ چکے ہین لیکن انکی روشنی اور دانت سلامت ہین اور اسی عمر مین دوسرے ان تمام فطری عطیون سے محروم ہو جاتے ہین،

بہرحال جوانی کے دوبارہ حاصل کرنے کے پانچ طریقے اب تک دریافت ہو چکے ہین پہلا سٹیناخ کا طریقہ جو گو خود اسکے اور اسکے شاگردون کے لئے تو مفید ہوا مگر دوسرے مین کامیاب نہ ہوا، دوسرا دورونوف کا طریقہ جس کے نتائج گو شاندار ہین، مگر اوسکا اپریشن بہت خطرناک ہے، تیسرا آسٹریا کے ڈاکٹر دوپلر کا طریقہ اور چوتھا بوسکے کا طریقہ جسکا خلاصہ بیل کے جراثیم کی پچکاری اور جو عورت اور مرد دونون کے لئے کارآمد ہے، پانچوان طریقہ میرا ہے اور وہ کسی نوجوان کے خون کا بوڑھے جسم کے اندر داخل کرنا ہے، یہ طریقہ خطرات اور مشکلات سے پاک ہے، اس مین رد فعل کا عمل کیمیائی ہے، بیالوجی سے کوئی تعلق نہین رکھتا، ہمین معلوم نہین کہ خون مین کون سا موثر جز ہے جو اس اثر کو پیدا کرتا ہے۔ (ہلا)

"س"

آثارِ علمیہ ادبیہ

حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رامپوری اخیر زمانہ کے بڑے صاحبِ حال عالم تھے، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خاندان سے تھے، اپنے زمانہ مین فقہ حنفی کے مشہور شارح تھے، بڑے بڑے باکمال لوگون نے ان سے درس لیا حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رح بھی ان کے تلامذہ اور مستفیدین مین تھے، سنہ ۱۳۱۱ھ مین وفات پائی، ذیل کا فارسی خط بھی اسی سنہ کی تحریر ہے، (معارف)

زان روی کہ چشم تست احول معبودِ تو پیرِ تست اول

رشحات عین الحیات حضرات مشایخ نقشبندیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات مین مولانا علی بن الحسین کاشفی المتخلص بہ صفی علیہ الرحمۃ کے تالیفات سے مشہور کتاب ہے اس کا ایک نسخہ قدیم خوش خط لکھا ہوا حضرت اقدس مولانا و مرشدنا حافظ سید فرزند علی محدث نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ نے ہجرت سے پہلے مجھے مرحمت فرمایا تھا وہ اب تک میرے کتب خانہ کی زینت اور باعثِ خیر و برکت ہے،

اس کتاب مین میر حسینی علیہ الرحمۃ کا شعر مذکورۂ بالا ایک موقع پر لکھا ہے جب مین نے پڑھا تو بخوبی سمجھ مین نہین آیا اتفاقِ وقت سے حضرت مولانا قدس سرہ سے اس کا مطلب نہ پوچھ سکا تو مین نے حضرت مولانا محمد ارشاد حسین احمدی مجددی علیہ الرحمہ سے جو بڑے نامی درویش اور عالم اور فقیہ تھے اور دار الریاست رامپور مین تشریف رکھتے تھے اس کا مطلب بذریعہ عریضہ کے دریافت کیا، جناب ممدوح کی عنایت میرے حال پر تھی آپ نے اس کا جواب بذریعہ خط کے تحریر فرمایا وہ خط اس وقت تک خوش قسمتی سے محفوظ رہ گیا ہے، اس خط کو چھتیس ۳۶ سال سے زیادہ مدت گذری اسکی نقل معارف مین چھاپنے کیلیے بھیجتا ہون امید ہے کہ ناظرینِ معارف مین سے جنکو تصوف اور اس قسم کے اشعار سے دلچسپی ہوگی شوق سے پڑھینگے اور مستفید ہونگے، والسلام علی البررۃ الکرام فقط (محمد اعجاز حسن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ، از محمد ارشاد حسین عفی عنہ مولوی صاحب محبی و مخلصی مولوی
محمد اعجاز حسن صاحب وفقہم اللہ سبحانہ لرضاہ پس از سلام مسنون مطالعہ نمایند رقیمۂ کریمہ رسید جواب مسئلۂ مستفسرہ علیحدہ
نوشتہ شد و رقیمہ می فرستم و آنچہ از شعر مذکورہ رشحات پرسیدند بیانش مختصر این کہ معاملہ عابد با معبود آنست کہ چون
وچرا در اطاعت و امتثال اوامر و انتہاء نواہی معبود عابد را نمی رسد و اگر از عابد در این امور در ظاہر یا در باطن
واقع شود خلاف عبادت است پس ضابطہ مرید مستعد بہ نسبت شیخ کامل در ابتدا ہمین است کہ ہر چہ پیر مقتدا
از مرید می خواہد ہمان بجا آرد و علم و ادراک خود و اندیشۂ نفع و ضرر موہومہ خویش یکسر ترک نماید و چون و چرا
را در افعال و احکام و امور شیخ راہ ندہد چنانچہ حافظ شیرازی اشارہ بدین معنی می فرمایند

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پس در شعر مذکور می فرمایند کہ معبود تو در اول یعنی ابتداے ارادت و شروع سلوک پیر است
یعنی چنانکہ عابد را با معبود گنجائی چون و چرا نیست ہمچنین ترا کہ تعلیم راہ سلوک می خواہی با پیر خود گنجایش
چون چرا نیست زیرا کہ چشم تو احول است و این چون و چرا از ہمان حول پیدا شد کہ بسبب حول حکم حق را
کہ بر زبان پیر کامل نافذ است غیر حق و حکم حق می دانی پس اندیشہ کنی و گوئی کہ این امر چرا کنم کہ خلاف
مقصود من است و آن چرا نہ کنم کہ مرا نافع ست درین صورت از راہ و رسم مریدین دور افتی و سرمایہ استعداد از
دست دہی لہذا می فرمایند ازان روے کہ چشم تست احول و مقتضاے آن یک شئے را دو دیدن ست و مقتضاے
آن حکم پیر را غیر حکم حق قرار دہی لہذا می باید کہ پیر خود را معبود خود دانی و چون و چرا در احکام او بگذاری ورنہ از شیخ کامل
متمتع نخواہی شد و بعد حصول مناسبت معتدبہا و ملکۂ اخذ از جانب حق حاجت این چنین انقیاد و عبادت
نیست فقط اینست مختصر بیان شعر واللہ سبحانہ اعلم ، (مرقومہ ۱۳۱۱ھ)

اخبارِ علمیہ

بجلی کا باغ

چند ماہرین زراعت سویڈن کے پایہ تخت اسٹاکھوم مین پودون مین بجلی کے اثرات ڈال کر زراعت کی ترقی کے وسائل کا تجربہ کر رہے ہین کہ برقی رو درختون کی بالیدگی مین معاون ہوسکتی ہے یا نہین چنانچہ آجکل اُن کے تجربون کی جولانگاہ ایک باغ ہے اس باغ مین زیر زمین ایک ایک قدم کے فاصلہ پر بجلی کے تار نصب کرکے اُن کو اوپر سے پختہ اینٹون سے پاٹ دیا گیا ہے اور پھر ان اینٹون پر مٹی ڈال دی گئی ہے، اور اس طرح بجلی کے اثر کو درختون مین منتقل کرنا چاہا ہے، اگر ان درختون نے اثر قبول کرلیا تو وہ جلد سے جلد نشو نما پاکر پھیلنے لگینگے لیکن ابھی تک اس کے کسی نتیجہ کا اعلان نہین ہوا ہے۔

بحر و بر کے درمیان سلسلۂ لاسلکی

بے تار کی برقی خبر رسانی کی ایجاد کو ابھی تھوڑا زمانہ گذرا ہے، مگر اب اس کا استعمال عام ٹیلیفون کی طرح جا بجا ہونے لگا ہے، اور نیز اس کی مزید ترقیون کی جد و جہد کا سلسلہ جاری ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین ایک کوشش یہ جاری تھی کہ بحر و بر اور خشکی و تری کے درمیان بھی اسکا سلسلہ جاری کر دیا جائے کہ بحر اٹلانٹک مین سفر کرتا ہوا ایک تاجر اپنے نیویارک کے دفترون سے ہدایت و نگہداشت کا سلسلہ جاری رکھ سکے، چنانچہ ان کوششون کا تذکرہ ان صفحون مین ایک سے زیادہ مرتبہ کیا جا چکا ہے، اب اس سلسلہ کی آخری کڑی یہ ہے کہ یہ عملاً پورے طور پر کامیاب ثابت ہوگئی، اور امریکہ نے اس کے افتتاح

کا اعلان کر دیا چنانچہ نیویارک کی "ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی امریکہ" کے صدر مسٹر جفرڈ نے امریکہ کے ایک جہاز "لویاتھان" سے بے تار کی بجلی کے ذریعہ گفتگو کی، یہ جہاز یورپ کی طرف جا رہا تھا اور اگرچہ گفتگو کے وقت امریکہ کے ساحل سے صرف ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر تھا لیکن خیال ہے کہ اس مین فاصلہ کی کمی و بیشی کچھ اثر انداز نہ ہو گی، یہ گفتگو جسطرح ۳۰۰ میل کے فاصلہ سے کی گئی ہے اسی طرح ۱۵۰۰ میل کے فاصلہ سے بھی بآسانی ممکن ہے، مسٹر جفرڈ نے توقع ظاہر کی ہے کہ عنقریب دنیا کے ہر بڑے جہاز مین لاسلکی کا ایسا سلسلہ قائم ہو جائیگا جس سے بحر و بر کے درمیان سلسلۂ گفتگو قائم رہ سکے،

خطۂ منجمد جنوبی و قطب جنوبی کی ایک جغرافی مہم

دور حاضر کے علم جغرافیہ کی ترقیون مین قطب جنوبی و شمالی اور خطۂ منجمد شمالی و جنوبی کی تحقیقات و اکتشافات کو نمایان درجہ حاصل ہے جسکا سلسلہ گذشتہ صدی کے نصف آخر سے جاری ہوا ہے، اس سلسلہ مین امریکہ کے مشہور و معروف باہمت نوجوان کمانڈر برڈ کی لاثانی جد و جہد سے ان مقامات خصوصاً خطۂ منجمد جنوبی کے متعلق اس ناواقف دنیا کو بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے، اگرچہ خطۂ منجمد جنوبی کی تحقیقات کا اہم سلسلہ ۱۹۰۹ء سے کمانڈر پیری کی سرکردگی مین جاری ہوا لیکن اصل اکتشافات ۱۹۲۶ء مین حاصل ہوئے، جبکہ کمانڈر برڈ خطۂ منجمد جنوبی کی تاریخی مہم سے واپس آیا اور پھر آجکل اسی کے ہاتھون اس کی اہم ترین مہم انجام پا رہی ہے جس مین وہ بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے، چنانچہ حکومت ولایت متحدہ امریکہ نے اس کی موجودہ مہم کی مساعی کے صلہ مین اس کو "امیر البحر" کا خطاب عطا کیا ہے، اور وہ اپنے سفر سے فارغ ہو کر واپسی کے لئے روانہ ہو چکا تھا اور باشندگان امریکہ اپنے اس قابل فخر ہموطن کے لئے چشم براہ تھے کہ اوس کی آمد کے بعد اس کی اس جدید سرفرازی پر تہنیت کے جلسے کرکے اس کی خدمات کا اعتراف کرینگے، کہ یکایک بحر منجمد ساکن ہو گیا جس سے اس کا جہاز وسط

سمندر مین گھر گیا ہے لیکن مسرت ہے کہ جہاز کے مسافرون کے پاس خورد و نوش کا اتنا وافر سامان موجود ہے
کہ وہ اس موسم کو بآسانی گذار لینگے اور برف پگھلنے کے بعد امریکہ واپس آجائینگے ،

دوسری طرف انگلستان کا ایک وفد سر ڈگلس موشن کی سرکردگی مین گذشتہ ماہ اکتوبر مین قطب جنوبی کی طرف روانہ ہوا ہے، رئیس وفد نے روانگی سے پیشتر ایک بیان شایع کیا تھا کہ ان کے جہاز کا راستہ قطب جنوبی کے اس پہاڑی سلسلہ کے محاذاۃ مین ہوگا جسکی چٹانین سمندر تک ڈھالوان چلی آئی ہین اور وفد کے چند ارکان وہان کی خشکی کے بعض حصون پر تحقیقات کے لئے اُتر جائینگے اور جہاز آگے روانہ ہوجائیگا، توقع ہے کہ یہ جماعت اسی ماہ اپریل مین اپنی مہم سے فارغ ہو کر واپس آجائیگی ،

صحرا کا اثر بارش پر ،

کنیا (شمالی افریقہ) کے "محکمۂ جنگلات" کے افسر اعلی مسٹر نکلس نے "صحرا کا اثر ملک کی ہوا اور بارش پر" کے عنوان سے ایک مبسوط تقریر کی ہے جس مین اُنھون نے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ بارش کی کمی اور زیادتی مین صحرا کا اثر نہین ہوتا ، اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ملک کے صحرا وہان کی بارش کے ہونے اور نہ ہونے مین اثر انداز ہوتے ہین ، اور اعداد و شمار سے واضح کیا ہے کہ جن ممالک مین جنگلون کی کثرت ہے وہان بارش عام مقامات کی بنسبت ۳ فی صدی زیادہ ہوتی ہے، لیکن اہل علم کا خیال ہے کہ مسٹر نکلس اپنے نظریہ کے دلائل پیش کرنے مین کامیاب نہین ہوسکے ہین ،

سنہ ۱۹۳۰ء کی یادگار صد سالہ مجلسین ،

سال روان سنہ ۱۹۳۰ء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسمین مختلف ماہرین علوم جدیدہ کی یادگار کی صد سالہ مجلسین منعقد ہونگی، چنانچہ حسب ذیل اہل علم کی ولادت یا وفات پر سو سال پورے ہوتے ہین ،

مشہور ماہر فلک کیپلر کی وفات کو اس سال تین سو سال پورے ہونگے،

جرمن ماہر کیمیا کنکل کی ولادت کے دو سو سال پورے ہوتے ہین کنکل وہی مشہور ہستی ہے جس نے قدیم و جدید علم کیمیا کے درمیان نئے تجربون اور نظریون سے مابہ الامتیاز حد فاصل قائم کی اور اسی کے ہاتھون جدید علم کیمیا کی بنا پڑی،

اور اسی طرح مشہور ماہر فلکیات بوچار دی سارون، اور فرانسیسی ماہر فلک سسیا کی پیدائش کے دو سو سال پورے ہوجائینگے،

اور ماہر علم طبعیات فورسیے کی وفات کے سو سال گذر جائینگے،

اس سال ان تمام اہل علم کی صد سالہ یادگارین مختلف مقامات پر مختلف تاریخون مین منائی جائینگی،

بارش کے جبریہ حصول کی کوشش،

ہانکانگ مین گذشتہ ماہ جون تک کامل ایک سال تک بہت کم بارش ہوئی جس سے زراعت کو اس درجہ سخت نقصانات پہونچے کہ حکومت برطانیہ کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا حکومت نے اپنی طاقت کی نمائش ابر و باد پر بھی کرنی چاہی اور ہوائی جہازون کے ایک بیڑے سے سیاہ دل بادل ابر پر چڑھائی کی کہ وہ اوّل گھنگھور گھٹاؤن پر حملہ آور ہون جو ہانکانگ کی فضا پر اٹھ اٹھ کے چھاتی ہین اور سرزمین کو سیراب کئے بغیر چھٹ جاتی ہین لیکن حکومت برطانیہ کی یہ مہم ناکام رہی، دست قدرت نے اپنی شان جبروت سے مقابلہ کیا، اور آسمان کی بادشاہت دنیا کی سب سے بڑی بادشاہت پر اُس کے تمام ایجادات واختراعات سے مسلح ہونے کے باوجود غالب آئی، اور قدرت سے جنگ آزما سپاہ کو ناکام و نامراد واپس آنا پڑا،

ادبیات

رباعیات

علوم جدیدہ اور حقائق

از

لسان الحکمۃ شمس العلماء عبد الرحمٰن شاطر مدراسی

حضرت شاطر نے جنکا کمال فلسفہ کو شاعری کے قالب مین ڈھالنا ہے حسب ذیل رباعیان ہمکو عنایت کی ہین، ناظرین مین جو صاحب کسی رباعی کے معنی نہ سمجھین وہ اُس کا حل ڈاکٹر سر اقبال سے کرلین ہم سے نہ دریافت فرمائین کہ اس مین ہم بھی اُنہین کی طرح کورے ہین، (معارف)

اسماء کو ظہور مین تعطّل ہے محال
یعنی متجدّد ہین دمادم امثال
مغرب پہ کوانٹم تھیوری سے کھلا
اشراق جہان نمائے صوفی کا حال

سائنس کی فکر مین ہے گرگٹ کا حال
منطق ہے فلسفی کی، مکڑی کا جال
اڈنگٹن بھی ہے قیامت کا مقر
سمجھا ہے اسکو (انٹراپی) کا مآل

جب صفر کی قوت کو پہنچتے ہین عدد
کھو دیتے ہین فرق نسبتی بن کے احد
تمثیل سے بھی درست ہے استدلال
شاطر! لے نیستی سے لے تو بھی مدد

وہ منفرجہ بن گیا جو حادہ تھا | طفرہ جو کرے زاویہ حیرت ہے کیا
دیکھا نہیں کاربن کو سیال کبھی | نابالغ پیر کو بھی اکثر دیکھا

ایتھر خلا میں نہو تو حرکت ہے محال | معدوم ہوا ایتھر تو ہے باقی اشکال
ہم دیکھتے بھی ہیں، آنکھ بھی ہے محفوظ | اس راز کو سمجھے عقل کی کیا ہے مجال

اب ہے، یہ فزکس اور ریاضی کا بیان | محصور نہیں، گو متناہی ہے مکان
ہے کوئی ؟ جو امریکہ و یورپ سے کہے | شاطر سے سنو رازِ مکان، سرِ زمان

سچ ہے کہ نہیں سنت حق میں تبدیل | مانا کہ مظاہر میں ہے ربطِ تعلیل
گھٹتا بھی ہے بڑھتا بھی سردی سے آب | قانون کی کس اصول پر ہو تشکیل

فریادِ جرس

از

جناب محمد اسد خان، بی، اے، (ملتان)

فغان کہ اہلِ وطن را بہ دشتِ بے خبری | ز راہ گشتگان، می کنند راہ بری
خضر گم است خود اندر ہجوم راہزنان | کہ در لباسِ خضر می کنند جلوہ گری
بعذرِ راہنمائی شکستہ پائے چند | بہ دوشِ ہمسفران اندگرمِ رہ سپری
بہ ہیچ کارِ جہان رہ نیافتند مگر | کہ اختیار نمودند پیشۂ خضری
برآمدند بہ دعوائی تابشِ خورشید | ولے شدند نہان چون ستارۂ سحری

چو ہر یکے بہ فریبِ کسے گرفتار است　　　چہ سود دیر دگران طعنہ ہای کم نظری

بر و آمد، رہِ منزل رسیدگان بر گیر

مرو بہ رہبرِ افسون طراز ہمسفری

کیفِ سخن

از

مولانا کیفی چریا کوٹی خلف الصدق استاذنا حضرت مولینا محمد فاروق چریا کوٹی،

یہی گم ہو کے ہم کونین کا حاصل سمجھتے ہین　　　کہ اس کوچے کے ہر ذرّے کو اپنا دل سمجھتے ہین

ہماری دل پر اپنا نقش کھینچو نوکِ خنجر سے　　　سوا اس کے ہے جو کچھ ہم اسے باطل سمجھتے ہین

یہی ہے انتہاے وسعتِ صحراے ناکامی　　　جہان دل ٹھہر جاتا ہے وہین منزل سمجھتے ہین

وفورِ شوقِ نظارہ سے آنکھین بند کر لین گے　　　کہ ہم اپنی یہ خلوت آپکی محفل سمجھتے ہین

تری آنکھین پھرین تو عمرِ ہستی کٹ گئی ساقی　　　ترے کھنچنے کو مسکین خنجرِ قاتل سمجھتے ہین

مری عمرِ رواں سے ناخداے دل یہ کہتا ہے　　　یہ کشتی آکے ڈوبیگی لبِ ساحل سمجھتے ہین

کسی کروٹ جو دم لیتا نہین تو شامِ فرقت مین　　　یہ ہوگی صبحِ محشر اضطرابِ دل سمجھتے ہین

دلِ بیتاب کو لیکر چلے ہین سوے میخانہ　　　بقدرِ ظرف ہم ساقی کو دریا دل سمجھتے ہین

سمجھ مین آ نہین سکتا کسی سے اور کیا مانگین　　　گدا تیرے تجھے کونین کا حاصل سمجھتے ہین

نظر آتا ہے اعلین ہر طرف ہر ذرّہ بیگانہ　　　سیہ بختی کو اپنی آنکھ کا ہم تل سمجھتے ہین

یہ کیفِ جوشِ بیتابی ہے چارہ گر نہ سمجھیگا　　　تڑپنے لوٹنے کی انتہا بسمل سمجھتے ہین

بنے جز مرگ کیا چارہ گرون سے ناامیدی مین　　　جسے آسان ہم سمجھے ہین یہ مشکل سمجھتے ہین

اگر نکلے تو اپنی آرزو کو جان سمجھین گے
نہ نکلے یہ اگر دل سے تو داغِ دل سمجھتے ہین

یہ لمحے زندگانی کے چمک ہین سوزِ پنہانی
نگاہِ برق اس خرمن کا ہم حاصل سمجھتے ہین

نہ شوقِ پائمالی ہی نہ ذوقِ سرفرازی ہو
خدا جانے مرے دل کو وہ کس قابل سمجھتے ہین

دلِ بیخود کی بن آئی جنونِ کارفرما سے
وہ دیوانے ہین جو اس مست کو غافل سمجھتے ہین

کمالِ انسان کا شوقِ آرزو نے کھو دیا کیفی
یہ دل سینے مین ہم داغِ مہِ کامل سمجھتے ہین

شعر الہند

حصہ اوّل

مصنفہ

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

جس مین قدماء کے دور سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کتابت اور کاغذ اعلیٰ ہے، ضخامت ۴۵۴ صفحے، قیمت: للعہ ر

حصہ دوم

جس مین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کیگئی ہے، کاغذ اور کتابت اعلیٰ ضخامت ۴۵۵ صفحے، قیمت للعہ ر ”منیجر“

باب التقریظ والانتقاد

ماہِ نو

آج سے چھ برس پہلے کا زمانہ گذرا کہ فروری ۱۹۲۴ء مین ڈاکٹر سر اقبال نے محمد اکبر منیر نام
ایک نوجوان شاعر کا فارسی کلام میرے پاس بھیجا جسکا مطلع یہ تھا،

شترباناا بیا! بربند محفل   کہ دارم عزمِ خاک پاکِ بغداد

اور لکھا کہ یہ نوجوان جوہر صالح اور فارسی کا اچھا مذاق رکھتا ہے اور آجکل ایران کی سیاحت
مین مصروف ہے، منیر صاحب کی یہ نظم مارچ ۱۹۲۴ء کے معارف مین تھوڑی سی تمہید کے ساتھ شایع
ہوئی، غالباً ہندوستان مین منیر صاحب کا یہ پہلا تعارف تھا جو معارف کے ذریعہ انجام پایا، اسکے
بعد بھی معارف مین وقتاً فوقتاً انکی اکثر فارسی اور بعض اردو نظمین شایع ہوتی رہین،

"ماہِ نو" کے مجموعہ کا خیال جب منیر صاحب کو آیا تھا تو انہون نے اپنی مہربانی سے یہ تمام کام
میرے مشورہ سے کرنا مناسب سمجھا اور اسی تعلق سے وہ مطبع معارف مین چھپا، اور کہتے ہین کہ اچھا چھپا،
ادبائے ہند مین شمس العلماء آزاد پہلے شخص ہین جنہون نے عروس شیراز کے عشق مین ایران کی
خاک چھانی اور واپس آئے تو سخندانِ پارس کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، یہ تو اگلے زمانہ
کے بوڑھون کی بات تھی، اب اس نئے زمانہ مین نوجوانون کو بھی اس میدان مین اپنی ہمت دکھانی
چاہیے تھی، یہ کام پروفیسر محمد اکبر منیر صاحب نے انجام دیا، اس زمانہ مین ایک گریجویٹ کیلئے ولایت
مغرب کے بجائے مشرقی "ولایت" کا سفر "کرامت" سے کم نہین، جہان سے نہ ایل ایل ڈی، نہ پی ایچ

نہ اور کسی حرف ابجد کی ڈگری مل سکتی ہے، اور نہ وہان سے کامیاب واپسی پر کسی سرکاری قدر و منزلت
کی امید ہو سکتی ہے، یہان فارسی زباندانی کا ذوق و کمال پیدا ہوتا تو اس بازار مین اس متاع کا کوئی گاہک نہین
یا یہ مین ہم منیر صاحب کا آکسفورڈ، کیمبرج یا لندن جا کر کسی قلمی فارسی کتاب کو اڈٹ کر کے فارسی کی ڈاکٹری
کی ڈگری لانے کو چھوڑ کر سعدی و حافظ کے مزارون کی زیارت اور ان کے ملک و وطن کی گلیون
کی خاک بیزی اور خاک بازی، اس زمانہ مین اُن کا وہ سب سے بڑا علمی ایثار ہے جو وہ کر سکتے تھے، اُن
یورپ کے "پرشین اسکالرس" کی بخشی ہوئی ڈاکٹری کی ڈگری سے ماہ نو کا مجموعہ اہل نظر اور ارباب
کمال کی نگاہون مین زیادہ باوقعت، زیادہ مستند، زیادہ روشن اور زیادہ بلند ہے وہ فارسی
دانی کی کاغذ کی فرضی دستاویز نہین ہے بلکہ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" ہے،

ہر زبان کی طرح فارسی زبان بھی پہلے سے بہت کچھ بدل گئی ہے۔ الفاظ نئے پیدا ہو گئے
ہین محاورات نئے بن گئے ہین، خیالات مین انقلاب ہو گیا ہے، بحرین نئی نئی استعمال مین آگئی ہین اور
ان سب سے مل کر اب نئی فارسی زبان معرض وجود مین آگئی ہے، اور اب یہی ایران کی مقبول عام زبان
اور دلپسند شاعری بن گئی ہے، ہندوستان نے مسعود سعد سلمان سے لیکر آج تک پرانی فارسی کے
بے شمار شاعر اور استاد اس ملک مین پیدا کئے جن مین خسرو، حسن، غالب وغیرہ متعدد ایسے شاعر پیدا ہوئے جنکی تراب
ہند کسی بات مین بادۂ شیراز سے کم نہ تھی جب فارسی زبان نے اپنا قالب بدلا ہے اور عروس فارس نے غازہ گلرنگ کے بجائے غازہ
فرنگ سے اپنی زیبایش و آرایش کی ہے، ضرورت تھی کہ فارسی کے اس "جمال نو" اور "حسن تازہ"
کے کچھ قیس و وامق ہماری سرزمین مین بھی پیدا ہوتے اس اولیت کا فخر پروفیسر اکبر منیر کو حاصل ہے
کہ وہ سب سے پہلے ہندوستانی ہین جنہون نے اس دشت نوردی کا حوصلہ کیا اور اوسکے عشق مین اپنا
مال و متاع لٹایا اور آخر اُس "حور پاریس نژاد" کو لیکر خوش خوش گھر لوٹے، اس لئے ماہ نو کے
مصنف کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ وہ ہندوستان مین نئی فارسی کے سب سے پہلے نئے شاعر

ہین جنکو ایران کے پرانے شاعرون نے بھی ہندوستان کا نیا کامل شاعر تسلیم کرلیا،

شروع مین مقدمہ کے بعد "شاعر و آفتاب بہار" کے عنوان سے جدید شاعرانہ فارسی نثر ہے اُسکے بعد فارسی نظمین شروع ہوتی ہین، اولکا آغاز ایک پیشکش ہے، جونکتہ چین نقاد حضرات کے نام ہے جسکو "معصومانہ شاعرانہ تعلّی" کی ایک اچھی مثال ہم کہہ سکتے ہین،

مشمر حقیر زادۂ طبعِ جوانِ من — این قطرۂ آب و دانۂ گوہر شود ہمی

چین بر جبین مفگن اگر دامنش تہی است — کین آسمانِ شام پُر اختر شود ہمی

بے برگ و ساز بینی اگر پیکرِ ہلال — عیبش مکن کہ ماہِ منوّر شود ہمی

خندان مشو بہ گریۂ این اخترِ سحر — کز اشک او برون رُخ خاور شود ہمی

زین خون کہ قطرہ قطرہ چکد از خمِ دلم — گیتی بساطِ لالۂ احمر شود ہمی

آسان مگیر گرمی اندیشۂ منیر — کین طفلِ شعلہ مادرِ آذر شود ہمی

یہ نیا دیوان پرانے دیوانون کی طرح کسی سلطان و امیر کے نام نہین، بلکہ حسن عشق اور آزادی کے نام معنون ہے، اس کے بعد یہ نظم

شد وقت آن کہ برون زنم رم ترنج آئینہ فام را

پھر اسی طرح نسیم مصلیٰ، پیکِ صبا، غازی مصطفیٰ کمال، نسیم صبا، پیک ماہ، آئینہ جمال، روبہ طہران پھر

شتر با تا بیا در اصفہان انداز محمل را

پھر، ساقی تو خود بگو کہ بنوشم کدام را

پھر، قضائے خویشتن در پنجۂ گردون نمی خواہم

ان کے بعد خوشنہٗ پروین، خونِ خزان وغیرہ نظمین ہین، ان مین سے اکثر نظمین خود ایران کے مختلف شہرون مین لکھی گئی ہین اور اُن کے لئے خود اہل زبان سے داد تحسین حاصل کی گئی ہے، کلام

مین بے حد جوش و خروش، زور و قوت او فطرت پرستی کے مظاہر ہین، زبان کا لطف اور محاورات کی شیرینی مزید ہے،

دیوان مین فرضی حسن و عشق والی غزلین نہین ہین، جو کچھ ہے وہ حسن فطرت اور آزادی کا ترانہ ہے، یہ وہ صدائین ہین جو موجودہ ماحول کے ہر در و دیوار سے بلند ہو رہی ہین، ضرورت ہے کہ انگریزی اسکولون اور کالجون کے فارسی نصاب مین ان خیالات کو داخل کیا جائے اور پرانی شاعری کیساتھ ساتھ نئی شاعری کے نمونے بھی طلبہ کو دکھائے جائین، نیز فارسی زبان کے پرانے قدر شناسون سے بھی التماس ہے کہ اس ماہِ نو سے لطف اٹھا کر فارسی کے اس نوجوان شاعر کی قدر کرین، قیمت ۸؍ پتہ: پروفیسر اکبر منیر گورنمنٹ کالج اٹک،

"س"

خطباتِ مدراس

مولانا نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچر) دیے تھے، جو نہایت مقبول ہوے، اور مسلمانون نے انکو بیحد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت موثر الفاظ مین، تاریخی دلایل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ اس لایق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین ان کو پڑھا جائے،

ضخامت ۱۰۰ صفحے، طبع دوم قیمت ۸؍

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید الفاظ کی ڈکشنری قیمت ۸؍

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

غالب اور اُسکی شاعری، نوشتہ جناب احمد الدین احمد صاحب، ام اے جس ۸۸ قیمت ۶ر

پتہ :- سفیر بک ایجنسی، الہ آباد،

غالب کو اس وقت جو مقبولیت حاصل ہے اور اُسکی اردو شاعری کے متعلق (جسے وہ اپنے لئے ننگ سمجھتا تھا) جو بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے، وہ محتاج بیان نہین، پہلے اگر غالب کی شاعری کو مشرقی اصول کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا تو اب مغربی اصول اسپر چسپان کئے جارہے ہین، موجودہ مضمون بھی جو ایک نوجوان فارغ التحصیل طالب علم کا لکھا ہوا ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، مضمون نگار نے دعوی کیا ہے کہ غالب کو

نہ ستایش کی تمنا نہ گلہ کی پرواہ

ہے، وہ صرف اپنے پیغام کو عملی صورت مین دیکھنا چاہتا ہے لیکن پورے مضمون مین کہین بھی اُس کے اُس "روحانی پیغام" کا ذکر نہین ہے، مضمون سلیس اچھا اور لائق مطالعہ ہے،

مقالات نوشتہ جناب احمد الدین احمد صاحب ام اے جس ۸۸ قیمت ۶ر پتہ :- سفیر بک ایجنسی الہ آباد،

یہ چھوٹا سا رسالہ ہمارے نوجوان انشاپرداز کے پانچ چھوٹے چھوٹے مضامین کا مجموعہ ہے، اگرچہ ان عنوانات پر مفصل تحقیقات شایع ہوچکی ہین تاہم اُن کے نتائج کو جس کثرت سے پھیلایا جائے بہتر ہے، ہندوستان کے پانچ بڑے مسلمان حکمرانون پر جو پانچ غیر تاریخی الزامات ہین اُن کے یہ مجمل جوابات ہین اور عام اشخاص کیلئے جو تحقیقات و تنقیدات کے صبر طلب راستہ پر نہین چل سکتے

ایک حد تک تسکین کا باعث ہو سکتے ہین، ضرورت ہے کہ اس قسم کے مضامین بکثرت انگریزی ہندی وغیرہ مین لکھے جائین کہ صدیون کی پیدا کردہ غلطیون کا ازالہ ہو جائے،

"ن"

فیروز شاہ، مصنفہ جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب منیجر و پبلشر رسالہ دلگداز، حجم ۱۴۴ صفحے قیمت عہ ر پتہ:- منیجر دلگداز کٹرہ بیزن بیگ خان لکھنؤ،

جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب نے اس کتاب مین سلطان فیروز شاہ بہمنی اور راجہ دیو رای بیجانگر کی معرکہ آرائیون کا نقشہ حسن و عشق کی رنگ آمیزی کے ساتھ دلچسپ پیرایہ مین پیش کیا ہے،

حکیم صاحب نے اپنے اس ناول مین مولانا شرر مرحوم کے نقش قدم کی پیروی کی پوری کوشش کی ہے اور اگر فسانہ کے پلاٹ کی کہین کہین کی فروگذاشتون کو نظر انداز کر دیا جائے تو بلاشبہ اس پر مولانا شرر مرحوم کی تصنیف ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور یہی اس کتاب کی سب سے بڑی کامیابی ہے،

اسرار شریانیہ، مصنفہ مولانا حکیم محمد عبد الوہاب صاحب انصاری حجم ۱۳۰ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سے ر پتہ:- حکیم محمد عبد الحی صاحب انصاری جامع مسجد دہلی،

مولانا عبد الوہاب، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری وغیرہ جیسے اہل کمال کی صحبت کے فیضیافتہ ہین اور ایک زمانہ سے علم طب کی خدمت مین مصروف ہین، زیر تبصرہ کتاب مولانا کی ذاتی تجربات و مجربات پر مشتمل ہے،

کتاب کی ابتدا مین نبض کے حرکات و سکنات کیفیات، علامات اور اُس کے تمام اثرات و نتائج پر نہایت شرح و بسط سے مفصل و محققانہ بحث کی گئی ہے جو کتاب کے ۸۰ صفحون مین آئی ہے اِن کے بعد مولانا کے آزمودہ مرکبات اور اُن کے تفصیلی نسخے درج ہیں،

زبان سے قدیم اہل علم کے اردو طرز تحریر کا انداز نمایان ہے،

اتباع الرسول، مرتبہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری حجم ۴۸ صفحے قیمت ۲؍ پتہ دفتر اہلحدیث، امرتسر،

مولانا چند سال سے مولوی احمد دین صاحب "مدعی منکر حدیث" سے حدیث کے حجت اور قابلِ اتباع ہونے پر بحث و مناظرہ فرما رہے تھے، زیر نظر رسالہ اسی تحریری مناظرہ کی روداد ہے، جسمین طرفین کے خطوط سوال و جواب کی شکل مین شائع کئے گئے ہین، مولانا نے جوابات مین صرف قرآن مجید کو پیش نظر رکھا ہے، یون تو آجکل مناظرہ کا نتیجہ کبھی بھی فیصلہ کن ثابت نہین ہوتا، لیکن اگر ان خطوط کے اوّل و آخر کو دیکھا جائے تو دعویٰ "انکارِ حدیث" خود مدعی کے الفاظ سے سست ہوتا گیا ہے، اور بالآخر مولوی احمد دین کے قلم سے یہ الفاظ بھی نکل گئے ہین "رسالت کی اطاعت کے توہم دونون قائل ہی تھے" اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والون کیلئے یہ دلچسپ رسالہ ہے،

قاعدۂ فارسی، مولفہ جناب ابوالمحاسن محمد محسن خان صاحب متین مدرس فارسی وسطانیہ دار الشفاء سرکار عالی حیدرآباد، حجم ۴۲ صفحے تقطیع چھوٹی طباعت وکتابت ایرانی طرز مین عمدہ اور بچون کے لائق ہے۔ قیمت ۲؍ پتہ:۔ مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود ذاسٹیشن روڈ حیدرآباد،

یہ فارسی کا ایک جدید قاعدہ ہے جو نئے اسلوب مین جدید طریق تعلیم مین سے "طریق راست" (DIRECT METHOD) کے اصول پر مرتب کیا گیا ہے، جو غالباً ہندوستان مین فارسی زبان کے لئے سب سے پہلی کوشش ہے، رسالہ ۲۱ درس مین منقسم ہے پھر مختلف درس مختلف مشق مین مشق کرائے گئے ہین، ہر درس مین الفاظ کی تعبیر تصویرون سے کیگئی ہے، نیز قدیم فارسی الفاظ کے پہلو بہ پہلو جدید الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہین، پھر ہر درس کی تعلیم کے لئے ہدایتین الگ درج ہین، آخر مین ایک فرہنگ منسلک ہے، جسمین مشکل الفاظ کے اردو معنی بتائے گئے ہین جناب مؤلف اس تالیف کیلئے شکریہ کے مستحق ہین، توقع ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا،

"ر"

جلد بست و پنجم | ماہ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۰ء | عدد ۶

مضامین

تصحیح

صفحہ ۴۷۰، ۴۷۱ مین "مقری" کے بجاے ہر جگہ "مقرزی" چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کرلین،

"ض"

معارف کے صفحات مین سندھ کے کتبخانہ پیر جھنڈا کا نام اکثر آیا ہے، گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد سندھ مین ایک مقام ہے، جہان ایک زمانہ سے بزرگون کی ایک مسند بچھی ہے، جسپر بیٹھنے والے عام پیر و مشائخ سے ایسی بالاتر ہستیان تھین، جنھون نے اپنی نفس کی خدمت کے بجاے علم و دین کی خدمت اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا، آجکل اس خانوادہ کا پانچوان رکن یہان مسند نشین ہے، تیسرے مسند نشین نے زمانہ کا رنگ دیکھکر اصلاح امت کی خاطر دو بڑے کام کئے، ایک تو ایک مذہبی مدرسہ کی بنا ڈالی، جسمین خالص علوم دین کی تعلیم دیجائے اور مبتدعانہ مراسم سے بچایا جائے، اور دوسرے ایک نادر عربی کتبخانہ کی بنیاد رکھی، یہ دونون خیر جاری، اب تک نہ صرف جاری بلکہ روبہ ترقی ہین،
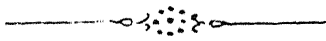
اس مدرسہ کا نام دار الرشاد ہے، اس کا مستقل نظم و نسق اور باقاعدہ سلسلۂ تعلیم سنہ ۱۳۱۹ھ مین صورت پذیر ہوا، چوتھے مسند نشین اسکے چندہ کے لیے اپنی جیب خاص اور اپنے معتقدین و متوسلین سے سالانہ سرمایہ فراہم کرتے رہے، مگر اب اس مدرسہ کا نظام اتنا بڑھ گیا ہے کہ تنہا ایک حلقہ خواہ وہ کتنا ہی وسیع ہو کافی نہین،
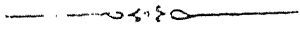
پچھلے سال مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، جسکی صدارت کے لیے ارکان نے راقم الحروف کا انتخاب کیا تھا، اور مین سفر کے لیے تیار بھی تھا کہ دفعۃً لکھنؤ تک پہنچکے درد گردہ کے دورہ نے اس دورہ کو روک دیا، اور معذرت کرنی پڑی، اور گو اپنی آنکھون سے مین اس درسگاہ کی زیارت نہ کر سکا، مگر ناظم صاحب مدرسہ نے میرے لیے مدرسہ کے متعلق ضروری معلومات لکھکر بھیجے، اور جن کو پڑھکر مین اس نتیجہ پر پہنچا کہ سندھ مین ایک ایسے مدرسہ کی جو کتاب و سنت کی تعلیم دے

اور بدعات فاسدہ سے مسلمانون کو محفوظ رکھے، سخت ضرورت ہے، اور اس لیے یہ مدرسہ نہ صرف متوسلین پیر جھنڈا بلکہ سندھ کے تمام مسلمانون کی اعانت کا مستحق ہے، امید ہے کہ سندھ کے اہل کرم اس چشمۂ فیض کی طرف توجہ کرینگے جو دریاے سندھ کے ساتھ ساتھ ان کی آبیاری اور سیرابی مین مصروف ہے،
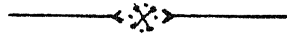
عام اخبارات مین اور معارف کے نام بھی ایک مطبوعہ تحریر مصر مین مقیم ایک ہندوستانی مسلمان شیخ محمود احمد عرفانی صاحب کی موصول ہوئی ہے جسمین مصر سے اردو زبان مین اسلامی دنیا نام ایک صحیفہ کی اشاعت کا اعلان ہے اور جس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی ملکون کو باہم ایک دوسرے سے متعارف کرنا، گو کہ مصر مین اسی مقصد بلکہ اس سے وسیع مقصد سے ایک عربی رسالہ الرابطۃ الشرقیہ نام نکل رہا ہے، تاہم اردو کا یہ مجوزہ صحیفہ بھی اپنی جگہ پر مفید ہوگا، یہ شیخ محمود احمد صاحب مولوی ابوتراب صاحب احمدی اڈیٹر رسالہ الحکم قادیان کے صاحبزادہ ہین، اس لیے ان کی خدمت مین یہ عرض کردینا مناسب ہوگا کہ وہ اپنے مجوزہ صحیفہ کو امید ہے کہ اختلافی مذہبی مسائل سے بھی پاک رکھین گے، اور جس خالص نیت کا انھون نے اظہار کیا ہے، اُسی خلوص نیت پر وہ قائم بھی رہین گے، ایسا نہ ہو کہ "یہ دنیاے اسلام،" دنیاے اسلام کے اتحاد و اتفاق کی دعوت کے بجاے اختلاف و افتراق کا آرگن بنجائے،

علامہ **شبلی** مرحوم کے مضامین کے دو مجموعے مقالات اور رسائل کے نام سے مدت ہوئی کہ چھپ چکے ہین، مگر اب تک ان کے سینکڑون مضامین متفرق اخبارات و رسائل مین منتشر ہین، قدردانون کا تقاضا تھا کہ ان بکھرے ہوے موتیون کو بھی جلد کسی رشتہ مین منسلک کردیا جائے، اب یہ کام شروع کردیا گیا ہے، اور بہت سے مضامین یکجا ہو گئے ہین، اور بہت سے پرانے اخبارات و رسائل کے فائل اُلٹے جارہے ہین، اس سلسلہ مین کوئی صاحب اگر ہم کو مدد دینا چاہین تو ہم شکریہ کے ساتھ قبول کرینگے

اندازہ ہے کہ یہ مضامین دس جلدون مین سما سکینگے، رسائل اور مقالات اور عالمگیر والے مضامین بھی اسی کے [illegible] ہونگے، جلدون کی تقسیم عنوانات پر ہوگی یعنی مذہبی ایک جلد، تعلیمی ایک جلد، سیاسی ایک جلد [illegible] تک اس کے حسب ذیل عنوانات قائم کئے گیے ہین، مذہبی، علمی، تعلیمی، تنقیدی، ادبی، سیاسی، تاریخی، تمدنی، قومی، اور آخری جلد اُن کے خطبات اور تقریرون کی ہوگی،

اڈیٹر معارف نے ۱۹۲۸ء مین "عرب و ہند کے تعلقات" پر جو خطبے ہندوستانی ایکاڈیمی الہ آباد مین دیئے تھے وہ اب چار سو صفحون کی ایک مبسوط و مفصل کتاب کی صورت مین ایکاڈیمی مذکور کی طرف سے خوبصورت ٹائپ مین چھپکر اور مجلد ہوکر شائع ہوگئی ہے، اور وہین چار روپیے مین ملے گی، امید ہے کہ یہ نیا تحفہ اہل علم اور عام ناظرین بلکہ ہندو مسلمان دونون کے لیے مفید ہوگا،

دارالمصنفین کی "موتی مسجد" (تشبیہ صرف چھوٹی مگر لطیف ہونے مین ہے) الحمدللہ کہ تعمیر ہو رہی ہے، دیوارین دس بارہ فیٹ بلند ہو چکی ہین، مسجد کا طول و عرض اس قدر ہے کہ سو آدمی اس کے [illegible] مین [illegible] کی چار صفون مین آسکین، طرز تعمیر مین قدیم و جدید دونون نمونون کی تقلید کیگئی ہے، مولانا مسعود علی صاحب ندوی دن کو اس کی عملی عبادت، اور رات کو اسی کے تصوری مراقبہ مین مصروف رہتے ہین، امید ہے کہ [illegible] اختتام تک ان کی اس طاعت و عبادت کا ذوق اگر اسی طرح قائم رہا، تو آیندہ سال خانہ خدا کے بعد بندگان الٰہی کے لیے بھی چند گھر دارالمصنفین کے احاطہ کے اندر بنوانے مین وہ کامیاب ہوجائینگے،

مقالات

تاریخ کے بعض پوشیدہ اوراق

ابن بطلان کی دو ضمنی تحریرین

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اسلامی دور حکومت مین جو عیسائی، یہودی، اور مجوسی حکما پیدا ہوے مسلمانون نے کمال [illegible] کے ساتھ اُن کو حکماے اسلام مین شامل کر لیا، اور جو کتابین اس موضوع پر لکھی گئین، ان مین [illegible] کے ساتھ اُن کے حالات درج کئے، ابن بطلان جس کی بعض تحریرون کا ذکر ہم اس مضمون مین کرنا چاہتے ہین اسی قسم کا ایک عیسائی طبیب ہے،

ابن بطلان[1] کا پورا نام ابو الحسن مختار بن حسن ہے، وہ بغداد کا رہنے والا تھا اور کرخ کے عیسائی [illegible] سے تعلیم حاصل کی تھی، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء مین لکھا ہے کہ اُس نے ابو الفرج عبد اللہ بن طیب سے بہت سی حکمت کی کتابین پڑھین، اور ثابت بن ابراہیم بن زہرون حرانی کی خدمت مین بھی مدتون رہا اور اس سے طبی فوائد حاصل کئے، وہ علی بن رضوان طبیب مصری کا معاصر تھا اور ان دونون مین باہم مناظرات رہتے تھے، یہان تک کہ ان دونون مین جو شخص کوئی کتاب لکھتا دوسرا اسکی تردید ضرور کرتا، اس نے ۴۳۹ھ مین علی بن رضوان کی ملاقات کے لیے بغداد سے مصر کا سفر کیا اور جزیرہ، موصل اور دیار بکر سے گذرتا ہوا پہلے حلب مین پہنچا، اور وہان معز الدولہ شمال بن صالح نے اس کی بہت تعظیم و تکریم کی،

[1] یہ مضمون اخبار الحکماء اور طبقات الاطباء سے ماخوذ ہے،

علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما مین لکھا ہے کہ "جب وہ حلب مین پہنچا تو جس بادشاہ نے اس وقت حلب پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اس سے درخواست کی کہ اُس کو عیسائیون کی عبادت کا متولی بنا دیا جائے، چنانچہ اس نے اس کو اس کا متولی بنا دیا" اور غالباً وہ یہی معز الدولہ ثمال ابن صالح تھا، بہرحال ابن بطلان نے اس جلیل القدر منصب کو حاصل کرکے عیسائیون کے اصول و شرائط کے موافق ان کے دینی قوانین بنائے جن کو وہان کے عیسائیون نے ناپسند کیا اور اس قدر برہم ہوے کہ اسکی ہجوین لکھین،

سوء اتفاق سے حلب مین ایک عیسائی طبیب جس کا نام حکیم ابوالخیر بن شرارہ تھا موجود تھا، وہ جب ابن بطلان سے ملتا تھا اور اس سے طبی مسائل کے متعلق مناظرہ کرتا تھا تو ابن بطلان اس کو منطقیانہ دلائل سے ساکت کر دیتا تھا اور وہ بظاہر مناظرے مین بند ہو جاتا تھا لیکن جب اس کے یہان سے آتا تھا تو اس غصے سے اسکی غیبت کرتا تھا اور حلب کے عیسائیون کو اس کے خلاف بھڑکاتا تھا، اور کہتا تھا کہ اس کے عقائد اچھے نہین، ان اسباب سے ابن بطلان نے حلب مین قیام کرنا پسند نہین کیا اور وہان سے روانہ ہوکر مصر پہنچا، اور ابن رضوان سے ملاقات کی، لیکن یہان بھی دونون مین سخت ناگوار مناظرے ہوے، یہانتک کہ اس کو مصر بھی چھوڑنا پڑا اور وہان سے روانہ ہوکر انطاکیہ پہنچا، جہان پہنچکر کثرتِ سفر اور ناساعد صحبتون نے اس کو دنیا سے علیحدہ ہونے پر مجبور کیا اور اس نے انطاکیہ کے ایک گرجے مین قیام کرکے راہبانہ زندگی اختیار کر لی اور اسی حالت مین سنہ ۴۴۴ھ مین وفات پائی[۱]،

معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس راہبانہ زندگی کے وہ انطاکیہ کے راہبون کو بھی خوش نہ رکھ سکا، چنانچہ ایک انطاکی راہب کا بیان ہے کہ جس گرجے مین ابن بطلان کا معبد ہے، جب اس مین چراغ جلایا جاتا ہے تو بجھ جاتا ہے، اس کے متعلق اس قسم کے اور واقعات مذکور ہین، اور اگر وہ پایۂ [illegible] اسلام کو اپنے ہم مذہب لوگون کے جور و تعدی کا کوئی گلہ نہین کرنا چاہیے،

۱؎ اخبار الحکما، قفطی، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے اسکی کتابون کا جو سال تالیف لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سن کے بعد بھی مدتون زندہ رہا ہے،

ابن بطلان نے مختلف موضوع و مباحث پر بہ کثرت کتابین لکھین جنکے نام حسب ذیل ہین ،

نام کتاب	کیفیت
کناشس الادیرۃ والرہبان	
کتاب شرار العبید	نام سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامون کی خرید و فروخت پر کچھ لکھا ہوگا ،
تقلیب الممالیک والجواری ،	یہ بھی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے غلامون اور لونڈیون کے متعلق ہوگی
کتاب تقویم الصحۃ	
مقالۃ فی شرب الدواء المسہل	
مقالہ فی کیفیۃ دخول الغذاء فی البدن وہضمہ ،	
مقالۃ فی سقی الادویۃ المسہلہ وترکیبہا	
مقالۃ الی علی بن رضوان	جب وہ سنہ ۴۴۱ھ مین فسطاط مین پہنچا ہے تو علی بن رضوان کے نام یہ مضمون اس کے ایک مضمون کے جواب مین بھیجا ہے
مقالۃ علۃ نقل الاطباء المہرۃ تدبیر اکثر الامراض التی کانت تعالج قدیما بالادویۃ الحارۃ الی التدبیر المبرد ،	یعنی اس بحث پر مضمون کہ قدیم زمانے مین جن امراض کا علاج گرم دواؤن سے کیا جاتا تھا، ماہر اطباء ان کا علاج سرد دواؤن سے کیون کرنے لگے ؟ اس مین اس نے قدماء اطبا کی رایون سے جو قرابادینون مین درج ہین مخالفت کی ہے
مقالۃ فی الاعتراض علی من قال ان الفرخ احر من الفروج ،	یعنی ان لوگون پر اعتراض جو یہ کہتے ہین کہ مرغی کا بچہ چوزے سے زیادہ گرم ہے اس نے سنہ ۴۴۱ھ مین بہ مقام مصر یہ مضمون لکھا تھا ،

کیفیت	نام کتاب
اس نے یہ کتاب امیر نصیر الدولہ ابی نصر احمد بن مروان کے لیے لکھی تھی	کتاب المدخل الی الطب
	کتاب دعوۃ الاطباء
	کتاب دقعۃ الاطباء
یعنی پادریوں کی دعوت ،	کتاب دعوۃ القسوس
یعنی اس بچے کا طریقہ علاج جس کے مثانوں میں پتھری پڑ گئی ہو	مقالۃ فی مداواۃ صبی عرضت لہ حصاۃ

ان رسالوں اور کتابوں کے علاوہ اس کے بعض خطوط اور تحریری مناظرے ہیں جو قدیم زمانے میں ایک نادر چیز خیال کیے جاتے تھے چنانچہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا میں لکھا ہے ،

وکانت بین ابن بطلان وابن رضوان المراسلات العجیبۃ والکتب البدیعۃ النعیہ — ابن بطلان اور ابن رضوان کے درمیان نہایت عجیب و غریب خط و کتابت ہوئی ہے ،

اور اس کے طرز تحریر کی یہ ادبی خصوصیت بتائی ہے ،

وکان ابن بطلان اعذب الفاظاً واکثر ظرفا وامیز فی الادب وما یتعلق بہ — ابن بطلان کے الفاظ نہایت شیرین ہوتے تھے، اور وہ ایک چرب زبان انشا پرداز اور ادب اور متعلقات ادب میں ممتاز تھا

خوش قسمتی سے علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما میں اس کا ایک خط جو ایک رئیس ہلال بن محسن بن ابراہیم کے نام ہے، نقل کیا ہے، اور مصر میں ابن رضوان سے اس نے جو مناظرے کئے ہیں، ان کے سلسلے میں اس کو جو خط لکھا ہے، اس کو بھی علامہ موصوف نے اس کتاب میں درج کیا ہے، یہ دونوں خطوط اگرچہ اخبار الحکما کے ساتھ چھپ گئے ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ عام ناظرین کے لیے ایک یادگار قلمی تحریر کی حیثیت رکھتے ہیں، اسلیے ہم اس موقع پر ان کا خلاصہ درج کرتے ہیں،

ہلال بن محسن کے نام اس نے جو خط لکھا ہے وہ درحقیقت اس کا مختصر سا سفرنامہ ہی جسکو اس نے

س کے پاس اسلیے بھیجا ہے کہ ایک تاریخی کتاب مین درج کیا جائے، چنانچہ لکھتا ہے کہ

"مین جب بارگاہ عالی سے رخصت ہوا تو دل مین یہ نیت کرلی کہ جن اطراف وبلاد کی سیاحت کرون اس کے نادر اور اعجوبہ خیز واقعات کے مطالعہ سے بارگاہ عالی مین اپنی یاد تازہ کرتا رہون تاکہ اس طریقہ سے اس کتاب کی جو محاسن ومفاخر کی تاریخ اور معانی ومآثر کا مجموعہ ہے خدمت کرون، تاکہ جناب ان مین سے جن باتون کو پسند فرمائین ان کو اس مین درج کردین،

مین بغداد سے نکلا تو اور شہرون کے مشائخ وخواص سے ملاقات کی اور ان کے آثار وعجائب قلمبند کیے، مجھ سے عجیب وغریب خبرین بیان کیگئین، اور مجھکو عمدہ اور لطیف اشعار سنائے گئے، لیکن وقت کی تنگی اور قاصد کی جلد بازی سے اس کے اکثر حصے کو نظر انداز اور تھوڑے سے حصے کو درج کرتا ہون، مین خدا کا نام لیکر رمضان ۴۴۰ھ مین نہر عیسیٰ کو عبور کرکے انبار کے قصد سے نکلا اور انیس منزلین طے کرکے رحبہ مین پہنچا، رحبہ ایک پاکیزہ شہر ہے، اور اس مین طرح طرح کے بیشمار میوہ جات ہین، اور صرف انیس قسم کے انگور ہین، وہ انبار، حلب، تکریت، موصل، سنجار اور جزیرہ کے درمیان واقع ہے، اور اس مین اور قصر رصافہ کے درمیان چار دن کا راستہ ہے، مین رصافہ سے حلب کو روانہ ہوا اور چار منزلین طے کرکے وہان پہنچا، حلب سفید پتھر کی چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے چھ دروازے ہین، اور چار دیواری کے پہلو مین قلعہ ہے، جس کے اوپر ایک مسجد اور دو گرجے ہین، ان دونون گرجون مین سے ایک مین وہ قربان گاہ ہے، جس مین حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کیا کرتے تھے، قلعے کے حصۂ زیرین مین ایک غار ہے جس مین ان کی بکریان رہتی تھین، چنانچہ جب وہ ان بکریون کو دوہتے تھے، تو ان کے دودھ سے لوگون کی مہمانی کرتے تھے، اس لیے لوگ باہم یہ پوچھتے رہتے تھے کہ حَلَبَ اَمْ لَا یعنی انھون نے دودھ دوہا یا نہین؟ اسی بنا پر اس کا نام حلب پڑ گیا، اس شہر مین ایک جامع مسجد

چھ گرجے، اور ایک چھوٹا سا شفا خانہ ہے، اور فقہاء امامیہ مذہب کے موافق فتوے دیتے ہین[1]، شہر کے لوگ

تالابون کا پانی پیتے ہین، اس کے دروازہ پر ایک نہر ہے، جو قویق کے نام سے مشہور ہے، جاڑون

مین اس کا پانی بڑھ جاتا ہے اور گرمیون مین خشک ہو جاتا ہے، شہر کے وسط مین علو معشوق کہری کا

مکان ہے، یہان میوے، ترکاریان اور نبیذ کی پیداوار کم ہوتی ہے، بجز ان کے جو روم سے آتی

ہین، حلب مین کوئی ویران جگہ نہین ہے، ہم حلب سے انطاکیہ کو روانہ ہوے، اور حلب اور انطاکیہ

مین صرف ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے، ہم نے ایک رومی شہر[2] مین جسکا نام عمّ[3] رات

بسر کی، اس شہر مین ایک نہر ہے جس مین مچھلی کا شکار کیا جاتا ہے، اور اس مین ایک پن چکی چلتی

ہے، اس شہر مین سورون، بدکار عورتون، زنا اور شرابون کی نہایت کثرت[4] ہے، اس مین

چار گرجے ہین اور ایک جامع مسجد جس مین خفیہ طور پر اذان دیجاتی ہے[5]، حلب اور انطاکیہ

کے درمیان جو مسافت ہے اس مین کوئی غیر آباد جگہ نہین ہے، صرف زیتون کے درختون کے

پہلو مین جو اور گیہون کے کھیت ہین، اس کے گانون باہم ملے جلے ہوئے ہین، اس کے باغات

سرسبز و شاداب ہین، اس مین خوب پانی جاری ہے، انطاکیہ ایک عظیم الشان شہر ہے، اس کے

چارون طرف چار دیواری اور ایک فصیل ہے، اس کی چار دیواری پر تین سو ساٹھ برج ہین

جس پر باری باری چار ہزار پہرہ دار گھومتے رہتے ہین، یہ لوگ قسطنطنیہ کے بادشاہ کی طرف سے

روانہ کئے جاتے ہین اور ایک سال تک شہر کی حفاظت کرتے ہین، اور دوسرے سال انکا

تبادلہ ہو جاتا ہے، شہر کی شکل نصف دائرہ کے مثل ہے، جس کا قطر ایک پہاڑ سے ملا ہوا

ہے، چار دیواریان پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئی ہین، اور ایک دائرہ کی صورت اختیار کر لی

---

[1] کیونکہ اس وقت شام کے ملک کا بڑا حصہ مصر کے اسمٰعیلی بادشاہون کے ہاتھ مین تھا، اور رومی یونان اس وقت شام کے بعض ساحلی مقامات پر قابض تھے، [2] [3] اس سے عیسائی ممالک کی اخلاقی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے [4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی شہرون مین مسلمانون کو مذہبی آزادی حاصل نہین تھی،

چار دیواری کے اندر پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ ہے، جو شہر سے دور ہونے کی بنا پر چھوٹا سا
معلوم ہوتا ہے، یہ پہاڑ سورج کو چھپا لیتا ہے، اس لئے اس شہر مین دوسرے گھنٹے مین
سورج طلوع ہوتا ہے، چار دیواریان جو پہاڑ کے علاوہ ہین ان مین پانچ دروازے ہین
اور ان کے وسط مین قلعہ قیسانی ہے، جو قیسان شاہ یعنی اس بادشاہ کا مکان تھا جس کے
لڑکے کو حواریون کے سردار پطرس نے زندہ کیا تھا، وہ ایک ہیکل ہے جس کا طول سو قدم
اور عرض اسی قدم ہے اور اس پر ایک گرجا ہے جو ستونون پر قائم ہے، ہیکل کے گرد رواق
بنے ہوئے ہین جسمین جج فیصلہ کے لئے بیٹھتے ہین، اور نحو ولغت کے معلم تعلیم دیتے ہین،
اس گرجے کے ایک دروازہ پر گھڑیون کی پیالی جو متصل رات اور دن مین بارہ گھڑی
بناتی ہے، اور وہ عجائبات دنیا مین شمار کی جاتی ہے، اس ہیکل کے اوپر پنج منزلہ ہر
اور پانچوین منزل مین حمام، باغ اور عمدہ عمدہ عمارتین ہین، اور اس سے پانی گرتا ہے،
یہان اور بھی بے شمار گرجے ہین، جو سب کے سب زرین نگینون، رنگین شیشون، اور منقش
پتھرون سے بنے ہوئے ہین، شہر مین ایک شفاخانہ ہے جسمین خود بشپ مریضون کی
دیکھ بھال کرتا ہے، اس شہر مین ایسے حمام ہین جنکی لطافت اور پاکیزگی اور کسی شہر کے
حامون مین نہین پائی جاتی، اسمین خوشبودار لکڑی کا ایندھن استعمال کیا جاتا ہے
اور اس کا پانی ہمیشہ روان رہتا ہے، شہر کے بیرونی حصے مین ایک نہر ہے جو مقلوب
کے نام سے مشہور ہے، جنوب سے شروع ہو کر شمال مین جا کر ختم ہو گئی ہے، اور وہ نہر عیسی
کے مثل ہے، شہر کے باہر دیر سمعان ہے، اور وہ تقریباً خلیفہ کا آدھا گھر ہے، جسمین سیاحون
کی مہمان نوازی کیجاتی ہے، بیان کیا جاتا ہے، کہ اس کی سالانہ آمدنی چار لاکھ دینار ہے
یہین سے جبل لکام پر چڑھا جاتا ہے، اس پہاڑ پر اس قدر گرجے، صومعے، باغات، چشمے

نہر مین زاہد سیاح، صبح کے وقت بجنے والے ناقوس اور نماز کی خوش الحانیان دیکھنے اور سننے مین آتی ہین کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ جنت مین ہے، انطاکیہ مین ایک شیخ ہے جس کا نام ابو نصر بن عطار ہے، وہ شہر کا قاضی القضاۃ ہے، اور علوم مین اس کو کافی دستگاہ حاصل ہے،

مین انطاکیہ سے نکل کر لاذقیہ کو روانہ ہوا، وہ ایک یونانی شہر ہے، اور اسمین بندرگاہ[5]، تماشا خانہ اور گھوڑون کے لئے ایک گول میدان ہے، اس مین ایک بتخانہ تھا جو اب گرجا ہے، لیکن ابتدائے اسلام مین وہ ایک مسجد تھا[1]، اسمین مسلمانون کا ایک قاضی اور ایک جامع مسجد ہے، اور پانچون وقت اس مین اذان دیجاتی ہے، اور رومیون کی یہ عادت ہے کہ جب اذان سنتے ہین تو ناقوس بجاتے ہین[2]، یہان مسلمانون کا جو قاضی ہے، وہ رومیون کی جانب سے مقرر کیا گیا ہے، اس شہر کے عجائبات مین سے ایک عجیب بات یہ ہے، کہ محتسب[3] قحبہ عورتون اور روم کے عیاشون کو ایک حلقہ مین جمع کر کے نیلامی بولی بولتا ہے، اور یہ بدکار لوگ خوب بڑھ بڑھ کے بولی بولتے ہین تاکہ ان کے ساتھ ایک رات بسر کرین، پھر انکو ہوٹلون مین لیجاتے ہین، جو مسافرون کے قیام کی جگہ ہین، لیکن اس سے پہلے ان مین ہر بدکار عورت پادری کی انگوٹھی لیتی ہے تاکہ اس کے ساتھ مین ایک دستاویز ہو اور والی اس پر گرفت نہ کر سکے، کیونکہ وہ جب کسی زانی کو کسی زانیہ کے ساتھ بغیر پادری کی انگوٹھی کے پاجاتا ہے تو اس پر

---

[5] یہی عیسائی ہین جو ہم پر بت خانون اور دوسری قومون کی عبادت گاہون کے ڈھانے کا الزام لگاتے ہین، اور خود مسجد کو گرجا بنا لیتے ہین، [2] کیا مذہبی اشتعال کا یہ طریقہ کبھی کبھی ہندو بھی عیسائیون سے سیکھ لیتے ہین؟ [3] برعکس نہند نام زنگی کافور،

جرم قایم کر دیا ہے[1]،

شہر مین راہب اور زاہد اس کثرت سے ہین کہ ان کے حالات اور ان کے الفاظ جو ان کے ذہن صافی اور عقل روشن سے نکلے ہین، تنگی وقت کی وجہ سے بیان نہین ہوسکتے[2]،

ابن رضوان کے نام اس نے جو طویل خط لکھا ہے، وہ اگرچہ ایک مناظرانہ تحریر ہے تاہم چونکہ اس سلسلے مین بہت سے دلچسپ فلسفیانہ مسائل آگئے ہین، اور اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ تحریری مناظرات مین قدما کا لب ولہجہ کیا تھا؟ اس لئے ہم اس کا ضروری ملخص اس موقع پر درج کرتے ہین، علامہ جمال الدین قفطی نے خود اس کا بہت سا حصہ حذف کر دیا ہے، اور ہم ان سے زیادہ اختصار سے کام لین گے، وہ لکھتا ہے کہ:۔

ہمین ایک قسم کی برادری، معاہدہ، اور حرمت وعصمت ہے، انصاف کے ساتھ پیش آنا اس کا ادنے ترین حق ہے، اور اس کا ایک فرض ظلم وعدوان سے بچنا ہے، مجھے شیخ کی جانب سے چند پیغامات پہنچے ہین، جنکو اگر مین شیخ کے اشتعال آمیز طبیعت پر قیاس کرون تو تقریبًا ان کی تصدیق کر سکتا ہون، لیکن اگر مین اس کے علم کی طرف ان کو منسوب کرون تو ان کو یقینی طور پر جھوٹ سمجھتا ہون، بہر حال مین اس جلے بھنے کلام سے چشم پوشی کرنا ضروری سمجھتا ہون، کیونکہ گو وہ اس وقت باطل کی طرف میلان رکھتے

---

[1] عیسائی دنیا کے اس شرمناک واقعہ کے بعد جسکو خود ابطلان کے ہم مذہب ایک عیسائی نے بیان کیا ہے، ہم پیرس کے ہوٹلون کو انطاکیہ کے ہوٹلون کی نقل نہ سمجھین تو کیا سمجھین؟ پیرس کے عیاشون نے تو اب تک کوئی مذہبی سند حاصل نہین کی تھی، لیکن رومی عیاشون نے پادری کی انگوٹھی کی سند بھی حاصل کرلی، کیا اس وقت کے عیسائی پادریو نے دین کو دنیا کے ہاتھ نہین فروخت کیا تھا، جب یہ ان کے قدما کا حال تھا تو متاخرین کا کیا کہنا،

[2] لیکن باوجود ان زاہدون کے شہر کی اخلاقی حالت کس قدر شرمناک تھی؟،

ہین، تاہم مجھے اعتماد ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرین گے، بالخصوص ایسی حالت مین جب کہ
مین نے صرف دوستانہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے، آپ کی جانب سے میرے پاس چند مسائل آئے
تھے، جن کا مین نے اسی وقت جواب دے دیا، لیکن اسی دوستانہ کے قائم رکھنے کے لیے
اب تک مین ان کو نہ بھیج سکا، اس کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ نے مباہلہ کی طور پر فرمایا کہ مین
آپ سے ہزار مسئلے پوچھون، اور آپ مجھ سے صرف ایک مسئلہ پوچھین گے، اگر مین اُس کی
توضیح کرنا چاہون تو کرسکتا ہون لیکن

قومی هم قتلوا امیم اخی ۔۔۔ فاذا رمیت یصیبنی سھمی

میرے بھائی کو خود میری قوم نے مار ڈالا، تو اگر مین اس کے بدلے مین ان پر تیر چلاؤن تو میرا تیر خود مجھکو لگیگا۔

میرا عقیدہ ہے کہ جماعت مثل میرے اعضا کے ہے، جو کبھی بیمار ہو جاتے ہین اور کبھی تندرست
ہین، بالکل اسی روش پر قائم رہا، یہانتک کہ بعض عظیم الشان اطراف سے مجھے اشارہ ہوا کہ مین
اس مضمون کو لکھون، جس کی مخالفت کرنا میرے امکان مین نہین،

یہ مضمون سات فصلون مین ہے،

(۱) پہلی فصل اس بحث مین ہے کہ جو شخص علما سے ملتا جلتا رہا ہے وہ اس سے افضل ہے جس
نے صرف کتاب سے درس حاصل کیا ہے،

(۲) دوسری فصل مین یہ بیان ہے کہ جس نے کتاب سے خراب قسم کا علم حاصل کیا ہے، اس کے
شکوک کا حل کرنا دشوار ہے،

(۳) تیسری فصل کا مضمون یہ ہے کہ جس عقل مین محال نہین سمایا ہے، اس کے لیے
حق کا ثابت کرنا آسان ہے، بہ نسبت اس شخص کے جس کے دماغ مین محال سرایت
کر گیا ہے۔

(۴) چوتھی فصل کا حاصل یہ ہے کہ فضلاء کی عادت یہ ہے کہ جب وہ قدماء کی کتابین پڑھتے ہین

اور ان مین ان کو تناقض و اختلاف نظر آتا ہے، تو ان سے بدگمان نہین ہو جاتے، بلکہ ہمیشہ بحث و

جستجو مین مصروف رہتے ہین،

(۵) پانچوین فصل مین چند مسائل ہین، جو صحیح دلائل و مقدمات سے ثابت ہین، اور برہانی طریقہ

سے ان کا جواب بھی مطلوب ہے،

(۶) چھٹی فصل مین اس مضمون پر بحث ہے، جس مین مجھ سے یہ مباہلہ کیا گیا ہے، کہ مین آپ سے

ہزار مسئلے پوچھون اور آپ مجھ سے صرف ایک مسئلہ دریافت کرین،

(۷) ساتوین فصل مین آپ کے اس مضمون پر بحث ہے جو نقطہ طبیعہ کے متعلق ہے، اور اس مین

اس تسمیہ کے متعلق اعتراض کے موقع کی تعیین کیگئی ہے،

مین نے معذرت کے ساتھ تعمیل ارشاد کی، لیکن مین آپ کو خدا اور توحید فلاسفہ کی قسم دلاتا

ہون کہ جب آپ قلم کی باگ ڈھیلی کرین تو بندے کو سفاہت سے معاف رکھین، اور نفس سوال کا جواب

صاف دلی کے ساتھ اس طرح دین کہ ٹھیک بات واضح ہو جائے، ثامسیطوس کہتا ہے کہ حکماء کے

دل خدا کے عبادت خانے ہین، اس لئے اس کے عبادت خانون کا پاک رکھنا ضروری ہے، فیثاغورس

کا قول ہے کہ عوام سمجھتے ہین کہ خدا صرف عبادت خانون مین رہتا ہے، اس لئے ان عبادت خانون

مین اپنے اخلاق کو بہتر بنا لیتے ہین، اسی طرح جو لوگ یہ جانتے ہین کہ خدا ہر جگہ ہے، انکو ہر جگہ

اپنے اخلاق کو اسی طرح بہتر بنانا چاہیئے جس طرح عوام انکو عبادت خانون مین بناتے ہین،

دوسری فصل اس بات کی وجہ کہ "جو شخص مطلب کو اچھی طرح نہین سمجھتا اس کے

شکوک حل نہین ہوتے"، یہ ہے کہ یہ شک قصور علم سے پیدا ہوا ہے، اور علم جس قدر خراب ہوتا ہے

اسی قدر شک کو تقویت حاصل ہوتی ہے، اور جس قدر شک قوت پکڑتا ہے اسی قدر علم خراب ہوتا ہے

تو علم کا ضعف شک کو قوت پہونچاتا ہے، اور شک کی قوت علم کو ضعیف کرتی ہے، یہ دونون چیزین باہم
ایک دوسرے کی علت بھی ہین، اور معلول بھی جس طرح سودا کہ وہ خیالات فاسدہ کا سبب ہی لیکن
خود خیالات فاسدہ سے اخلاط مین احتراق پیدا ہوتا ہے، اور وہ سودا کی طرف مستحیل ہو جاتے ہین،
اور سودا جس قدر قوت پکڑتا ہے، خیالات کو خراب کرتا ہے، اور خیالات جس قدر خراب ہوتے ہین،
سودا کو اسی قدر قوت حاصل ہوتی ہے، اور چونکہ جن لوگون کے خیالات خراب ہوتے ہین، وہ اس
خرابی کو محسوس نہین کرسکتے، اس لئے اُن کا مرض جلد زائل نہین ہوتا، جس طرح کتے کا کاٹا ہوا
آدمی سمجھتا ہے کہ پانی اسکو مار ڈالے گا، حالانکہ پانی ہی اس کی زندگی کا سبب ہے، اور جس قدر وہ پانی
سے پرہیز کریگا اسی قدر اس کی ہلاکت ہو گی، یہی وہ لاعلاج مرض ہے جس کے علاج سے اطبا عاجز
ہین، بعینہ اسی طرح جو لوگ ضعیف رایون کو صحیح سمجھتے ہین، وہ یہ نہین محسوس کرتے کہ یہ رائے اچھی نہین
اور حقیقۃً اس کی علت تلاش کرتے ہین لیکن چونکہ ان کو اپنے قصور علم کا علم نہین، اس لئے علما ان کے
شکوک کو زائل نہین کرسکتے، اور بجز ذات خداوندی کے لطف و کرم کے اس کے لئے شفا کی امید نہین
آرا، فاسدہ اسی طرح پیدا ہوتی ہین، اور جو لوگ حقیقت سے دور ہین، اسی طرح ان کو قبول
کرتے ہین، اور جو لوگ کاہل اور عیش پسند ہین، اسی طرح ان کی تقلید کرتے ہین، رفتہ رفتہ ان کو یہ
محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہی نیچر اور فطرت ہے، تو وہ اس سے مانوس ہو جاتے ہین۔ اور انھین کی
بنیاد پر ان کی نشو و نما ہوتی ہے، اور عادت کی وجہ سے اس کا چھوڑنا پسند نہین کرتے، اور اس کی
طرف بڑھتے ہین، اور علوم صحیحہ سمجھ کر اس کے لئے تعصب کا اظہار کرتے ہین، اس طرح ایک عقلی وبا
پھیل جاتی ہے، اور ذہین طبیعتین مرجاتی ہین، جس طرح آب و ہوا کی خرابی سے اجسام کو موت آجاتی
ہے، ارسطو کہتا ہے، کہ جاہل انسان مردہ ہے، جاہل بنا ہوا یا بنایا ہوا آدمی مریض ہے، اور عالم زندہ
اور تندرست ہے، اب یہ ثابت ہو گیا کہ جو کتابون سے خراب علم حاصل کرتا ہے، اس کے شکوک کا حل

کرنا مشکل ہے، اور ہم یہی ثابت کرنا چاہتے تھے،

چوتھی فصل، فضلا رکی عادت ہے کہ جب وہ قدمار کی کتابین پڑھتے ہین، توان کے متعلق یقینی طور پر جب تک کہ اصل حقیقت کو معلوم نہ کرلین کوئی خیال نہین قایم کرتے، کیونکہ قدما رکی یہ عادت ہے کہ جب مطالب کے سمجھنے مین انکو رکاوٹ پیش آتی ہے، یا ان مین اختلاف اور تناقض نظر آتا ہے، تو تلاش وجستجو کی طرف رجوع کرتے ہین، اور جلد بازی کرکے مطلب کو ملیا میٹ نہین کرتے، جو قوس وقزح چاند کی روشنی سے پیدا ہوتی ہے، ارسطو نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کی رصد مین صرف کیا، لیکن وہ اسکو صرف دوبار نظر آئی، انقباض نبض کے بعد جو سکون پیدا ہوتا ہے، جالینوس نے سالہا سال مین اس کا پتہ پایا، ہمارے شیخ ابو الفرج عبد اللہ بن طیب نے ۲۰ سال تفسیر مابعد الطبیعۃ مین صرف کیے، اور اس کے غور وفکر مین ایسا بیمار ہوا کہ قریب بہ ہلاکت ہوگیا، ان مین ہر ایک نے طلب علم مین اپنی عمر صرف کردی، اور جو باتین انکو بالفعل حاصل ہے وہ اس سے زیادہ ہے جو ابھی تک قوت سے فعل مین نہین آئی ہے، اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارا تقویٰ، ہمارے فعل سے زائد ہے، باایں ہمہ ہم ہمیشہ ان پر طعن کرتے رہتے ہین، حق ہم پر ہنستا ہے، اور ہم نے اپنے اندر کی بہترین چیز کو کھودیا ہے اس لئے ہر عالم پر جو ان سے کم رتبہ ہے، یہ فرض ہے کہ جب ان کے اقوال کو باہم متناقض دیکھے، ان کی نسبت بغیر کامل اعتماد کے کوئی قطعی رائے نہ قایم کرے، مثلاً جب ہم یہ دیکھین کہ ارسطو کتاب اسماء مین لکھتا ہے، کہ ستارون کی طبیعت پانچوین طبیعت ہے، جو نہ پیدا ہوئی ہے، نہ فنا ہوگی، لیکن کتاب الحیوان مین اس کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند کی طبیعت عناصر اربعہ سے ہے، تو ہم کو جلدبازی کے ساتھ یہ نہ کہدینا چاہئے کہ اس نے خود اپنی تردید کی اور اپنی رائے اور اپنے مذہب کو بھول گیا، اسی طرح جب ہم یہ دیکھین کہ وہ بقاء عقل ہیولانی کے متعلق ایک ایسی بات کہتا ہے جو مابعد الطبیعۃ مین اس کے قول کے منافی ہے، تو ہمکو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے اس طرز عمل کی

دو حیثیتین ہین، ایک حیثیت نہین ہے، کیونکہ ارسطو ہی نے ہم کو بعض کے شرائط سکھائے ہین، ان اصناف
کے متعلق جو اس دنیا مین روشن ستارون کے قایم مقام ہین، اور ہماری نگاہون کو ان کی نگاہون
کے ساتھ وہی نسبت ہے جو دن کی روشنی مین چیگاڈر کی آنکھ کو گدھون کی آنکھ کے ساتھ ہوتی ہے،
جناب کا خیال بھی اسی قسم کا ہے، بالخصوص حنین بن اسحاق کے نسبت کہ خدا نے لوگون کو قدما کے
علوم اسی کے ذریعہ سے سکھائے، اور لوگ اس کے علمی احسان پر زندگی بسر کر رہے ہین، اس بنا پر
مین جناب کے لئے یہ نہین پسند کرتا کہ آپ واقعہ خارجی کو رد کردین، اجماع کی مخالفت کرین، عقل
جس چیز کی شہادت دیتی ہے، اور دلیل جس چیز کی تصدیق کرتی ہے اسکو جھٹلائین کیونکہ اس مین بہت سی
رسوا کن خرابیان ہین، ایک تو بقراط صاحب فن کے معاہدہ کی عہد شکنی جس نے علما کی تعظیم و تکریم کی
وصیت کی ہے، دوسرے اس شخص کا کفران نعمت اور ناشکری کہ اگر وہ نہ ہوتا تو نہ جناب اور نہ کوئی
اور طب کا ایک لفظ بھی نہ سمجھتا، تیسرے یہ کہ استاد روحانی باپ ہے، اور مین جناب کے لئے باپ
دادون کے حق سے سرتابی کو پسند نہین کرتا، چوتھے یہ کہ جس شخص نے قدما سے چھیڑ چھاڑ کی وہ توفیق
الٰہی سے محروم رہا، اگر جناب غور فرمائین گے تو اس سے آپ کو نصیحت حاصل ہوگی، اس لئے یہ آپ کو
ناگوار نہ ہو، کیونکہ جب دوا کی غایت معلوم ہو جاتی ہے، تو اسکی تلخی گوارا ہو جاتی ہے، اہل عرب کا
قول ہے، کہ تمھارا بھائی وہ ہے جو تم کو نصیحت کرے، اور انسان بسا اوقات اپنے دشمنون سے بھی فائدہ
حاصل کر لیتا ہے، ان تمام تصریحات کی بنا پر جناب کا فرض ہے کہ ائمہ فن پر جو عیوب لگاتے ہین اس سے
رجوع کرین، بلکہ درگاہ خداوندی مین اس گناہ سے توبہ کرین، اور اس سے معافی چاہین تاکہ قیامت
مین اس سے ملین تو روشن چہرے کے ساتھ ملین، اور نئے نئے اطبا کے دل مین ان معائب کو ڈال کر
ان کو کتب فن کے پڑھنے سے نہ روکین جو مریضون کی ہلاکت کا باعث ہو،

تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر قدما کی کتابون کا مطلب کسی کی سمجھ مین نہ آئے تو وہ جلدبازی

ساتھ اس کے مذہب کو رد نہ کرے، بلکہ بحث و جستجو مین مصروف ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مفسرین علوم قدیمہ
کو جب اس قسم کے مواقع پیش آئے اور ان کی کتابون مین تناقض و اختلاف نظر آیا تو انھون نے کہا کہ یہ مجاز ہے، کاتب
یا ناقل کی غلطی ہے، یا جس زبان سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اس مین یہ جائز تھا، لیکن جس زبان مین ترجمہ کیا گیا اس مین
جائز نہین، مثلاً ایک ایسا اسم جو یونانیون کی زبان مین نہ مذکر ہے نہ مؤنث، یا وہ حاشیہ و تعلیق ہے، اصل کتاب مین
شامل نہین ہے، یا یہ کہ ضروری مطلب سے یہ زائد بات ہے جس کو اس نے مبالغۃً لکھدیا ہے، مثلاً بقراط کا یہ قول
"فقار الظہر" کہ فقار خود پیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہین، پھر اس کے ساتھ ظہر یعنی پیٹھ کا لفظ لانا مبالغۃً زائد از ضرورت ہے، یا
جیسا کہ شعرا کہتے ہین کہ سفید دودھ، تر تیل، یا وہ بطور جدل و خطابت کے ہے، اور اگر کوئی لفظ مکرر آجاتا ہے تو کہتے
ہین کہ اس نے اسکو تاکیداً استعمال کیا ہے، اور اسمار کے متعلق یونانیون کی جو عبادت ہے اس سے اس پر دلیل
لاتے ہین، مثلاً وہ ہر گرم مرض کو فلغمونی کہتے ہین، اور اگر کتاب مین کوئی ایسی مثال ہو جو ممثل لہ کے مطابق نہ ہو جیسا کہ
کتاب القیاس مین اس قسم کی مثالین پائی جاتی ہین تو کہتے ہین کہ وہ مثالون کی پروا کم کرتا ہے، اور اگر کسی قضیہ مین
کوئی تناقض دیکھتے ہین تو اس کے محمول کو اسم مشترک بنا لیتے ہین، یا یہ کہ نقیض کے جو شرائط ہین اس کو منع کرتے ہین
تاکہ تناقض اٹھ جائے، اور اگر ان کو نظر آتا ہے کہ مصنف نے ضدین مین سے صرف ایک سے بحث کی ہے جیسا کہ ارسطو
نے اسمار مین کیا ہے تو کہتے ہین کہ ایک ضد کو اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ دوسرے ضد کے ذریعہ سے وہ سمجھ مین آجائے
اور اگر تقسیم مین تمام اقسام کا ذکر نہین کیا ہے، تو کہتے ہین کہ اس موقع پر جس قسم کی ضرورت تھی صرف اسی کو بیان کیا ہے
اور اگر صاحب فن ایسے نام کا ذکر کرتا ہے جو اپنے معانی پر دلالت نہین کرتے، جیسا کہ اطبا، فم معدہ کو فواد یعنی
دل کہتے ہین تو کہتے ہین کہ قدمار کے لیے یہ جائز ہے کہ بعض چیزون کو ان نامون سے یاد کرین جنمین باہم شرکت
تعلق یا مشابہت پائی جاتی ہے، اور اگر مصنف شروع کتاب مین کسی بات کو مکرر بیان کرتا ہے تو کہتے ہین کہ
چونکہ اس نے شرح مین طوالت اختیار کی ہے اس لیے ایک بات کو دوہرا دیا ہے تاکہ کلام مین ربط پیدا ہو جائے
جیسا کہ ایساغوجی مین اس قسم کی تکرار پائی جاتی ہے، اور اگر یہ تکرار آخر کتاب مین ہوتی ہے تو کہتے ہین کہ اسکو

بطور نتیجہ و خلاصہ کے دوبارہ بیان کر دیا ہے،

پانچوین فصل، ان مختلف مسائل کے بیان مین جو براہین صحیحہ اور مقدمات صادقہ سے ثابت ہین اور ان کا جواب برہانی طریقہ سے مطلوب ہے،

دوسرا مسئلہ، یہ کیا بات ہے کہ انسان بعض اوقات پیشاب کو ضبط کر کے سو جاتا ہے، اور اس کو خواب مین نظر آتا ہے کہ وہ پیشاب کر رہا ہے، لیکن وہ درحقیقت پیشاب نہین کرتا، لیکن جب اٹھتا ہے تو فوراً پیشاب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اسکو پیشاب کرنا پڑتا ہے، لیکن یہی انسان خواب مین دیکھتا ہے کہ وہ جماع کر رہا ہے اور اس وقت اس سے ضبط نہین ہو سکتا یہانتک کہ اٹھتا ہے تو اس کا کپڑا تر ہوتا ہے، مین نہین جانتا کہ کس چیز نے اس گرم پیشاب کو روک لیا؟ اور باوجود کثرت مقدار کے بیدار ہونے تک اس مین رکاوٹ ڈالدی؟ اور منی باوجودیکہ اس کی مقدار کم تھی روان کر دیا اور بیدار ہونے تک کی فرصت نہ دی، حالانکہ یہ دونون مادّے فضلہ ہین، یہ مسئلہ اگرچہ معمولی ہے، لیکن فن طب کے جاننے والون کے لیے مفید ہین اور ہم نے اسکو اپنی کتاب دعوۃ الطبیہ مین بیان کیا ہے،

چوتھا مسئلہ، فلسفۂ الٰہی کی کتابون مین ثابت ہو چکا ہے کہ نفس ناطقہ لازوال اور ابدی ہے، تو اب موت سے اس کے محل کے فنا ہو جانے کے بعد یا تو وہ بذات خود قائم رہیگی یا اپنے محل مین پائی جائے گی یا دوسرے محل مین اس کا وجود ہوگا، لیکن اگر وہ بذات خود قائم ہو، تو لازم آئے گا کہ خدا کے علاوہ ایک اور چیز بھی قائم بالذات ہے، اور اگر اپنے فانی شدہ محل کے ساتھ قائم رہے، حالانکہ اس کی تحلیل عناصر کی صورت مین ہو چکی ہے، تو لازم آئے گا کہ وہ اس سے منفصل بھی ہو اور متصل بھی، اور مردہ زندہ ہو جو محال ہے، اور اگر وہ دوسرے محل کی طرف منتقل ہو تو وہ اس کے مناسب ہوگا یا غیر مناسب، اگر مناسب ہو تو لازم آئیگا کہ وہ اس کی طرف مکانی حرکت کرے، حالانکہ وہ جسم نہین ہے، اور حرکت جسم ہی کی صفت ہے، لیکن اگر وہ اس کے غیر مناسب ہو تو لازم آئیگا کہ ہر صورت ہر ہیولیٰ مین حلول کر سکتی ہے جس کے معنی یہ ہین کہ ہیولیٰ

کا صورت کے مناسب ہونا ضروری نہین، اور اگر یہ صحیح ہو تو نعوذ باللہ فلسفہ ہی باطل ہو جائے ،

چھٹی فصل، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فلسفی نے ایتھنز کے کسی امین کے پاس ایک کپڑا امانت رکھا جو اسکے یہان سے ضائع گیا، فلسفی کو اس کا سخت غم ہوا، لوگون نے اسکو اُسپر ملامت کی تو اس نے کہا کہ ایک ابابیل نے کسی قاضی کی کچہری مین گھونسلا لگایا، ایک سانپ آیا اور اس کے بچون کو اٹھالے گیا، اور پرندون نے اسکو تسلی دی لیکن اس کو صبر نہ آیا، اس پر اُسکو ملامت کیگئی تو اس نے کہا کہ مین اس مصیبت پر گریہ و بکا نہین کرتی، رونا ہے تو یہ ہے کہ مجھ پر خود عدالت مین ظلم کیا گیا ،

ساتوین فصل، جناب کے اس اعتقاد سے کہ مقناطیس لوہے کو چند خطوط کے ذریعہ سے جو اس کے اندر سے نکلتی ہین، جذب کرتا ہے، لازم آتا ہے کہ جسقدر وہ لوہے کو جذب کریگا اسی قدر اس مین کمی پیدا ہوگی اور لوہے مین اضافہ ہوگا بشرطیکہ ان خطوط مین میل طبعی پایا جائے، اور چونکہ وہ خطوط اجسام طبعی ہین، اسلیے لازم آتا ہے کہ وہ ایک مکان مین ایسی حرکت کرین جو زمانہ مین واقع نہ ہو، اور یہ محال ہے، میرے دل مین ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جس کو آپ انھی ایک ہزار مسئلہ مین شمار کرین جس کے پوچھنے کی مجھکو اجازت دیگئی ہے، اور وہ یہ کہ لوہا شوقیہ مقناطیس کی طرف کھنچ جاتا ہے؟ یا مقناطیس بجبر واکراہ اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے، ہم اسکو مشاہدۃً محسوس کرتے ہین، اس لیے ہم کو وہ بداہتۃً معلوم ہونا چاہیے، اگر ہم اس سوال کے متعلق حنین صاحب اغلاط کثیرہ کی طرف رجوع نہ کرین تو حیران و سرگردان رہین گے ،

مضمون کی ایک فصل سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جناب کو اشتعال آگیا ہے، غصہ تیز ہوگیا ہے، لعاب دہن خشک ہوگیا ہے، رگین پھول گئی ہین، شور و غل کے ساتھ مجھے گالیان دینا شروع کی ہین، اور میرے نام کی طرف اشارہ کیا ہے، اور میرے متعلق ہم فنی کے حق و حرمت کا لحاظ نہین رکھا ہے، مجھکو غبی بنایا ہے، اور یہ قطعی فیصلہ کیا ہے کہ مین نے قدما کے علوم کو بالکل نہین پڑھا ہے، اور لکھا ہے کہ اگر مین نے ان علوم کو پڑھا ہوتا تو مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ابن بکتیس نے جو مشائخ اطبا مین داخل ہے، اپنے کناش مین لکھا ہے کہ قلب کے اندر ایک نقطہ ہے جس سے

زندگی پیدا ہوکر تمام بدن مین ساری ہوجاتی ہے، مین کہتا ہون کہ جناب نے حسب عادت اس موقع پر بھی جلد بازی کی ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ ابن بکتش کتابون کا مترجم اور طب کا معلم ہے، اور آپ کو یہ معلوم نہین کہ یہ ایک اندھے کا بیٹا ہے، شراب پیتا ہے اور بدمست رہتا ہے، ابن الخمار نے اطبار کے امتحان کے متعلق جو مضمون لکھا ہے اس مین اس کے متعلق کہا ہے کہ بغداد مین اب طب کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ جو شخص ایک اندھے کو دو مہینہ تک راستہ دکھاتا ہوا چلے اور ایک دوکان کھول لے، وہ طبیب ہو سکتا ہے، یہ ابن بکتش شفاخانے سے بالکل الگ ہے، اور لوگ تین باتون کی وجہ سے اس کے طب سے محترز رہتے ہین، ایک تو یہ کہ دائمی شراب نوشی سے اوسکی عقل مین فتور آگیا ہے، دوسرے یہ کہ ہاتھ کے رعشہ کیوجہ سے وہ نبض ٹھیک طور پر نہین دیکھ سکتا، تیسرے یہ کہ قارورہ تک اس کی نگاہ نہین پہنچتی، حنین کے مسائل پر اسی نے شکوک کئے ہین، اور یہی شکوک جناب کو بھی مل گئے ہین، جناب کو اگرچہ اس کی کاوش سے نہایت دل آویزی ہے، تاہم مین آپ کو اس کا جہل بتانا چاہتا ہون، وہ کہتا ہے کہ مرد کے جسم مین ایک پسلی عورت سے کم ہوتی ہے، لیکن اس کو یہ معلوم نہین ہے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو وہ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے تعلق رکھتی ہے، تمام انسانون سے اسکو تعلق نہین ہے،

لاادریت

یعنی

فلسفۂ تشکیک

پر

جناب میر محمد تقی میرؔ کے شاعرانہ خیالات

از جناب سید مقبول حسین صاحب احمد پوری بی اے

یہ دو ہی صورتین ہین، یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئینہ ہے اس یار خود نما کا (میر)

زمین و آسمان کے وجود پر غور و فکر کرنے والے، دن اور رات کی تبدیلیون سے کسی آئندہ واقعے کی نشانی لینے والے، تاریخی نگاہون سے جذباتِ انسانی کے ارتقار اور وجود "عقل" کا پتہ چلانے والے اور پھر باوجود داعیِ عقل ہونے کے گرویدۂ جذبات ہو کر مذہب کے اٹل قوانین مین پناہ لینے والے اگر ذرا غور کر کے خیال کرین تو معلوم ہوگا کہ "عقل و سمجھ" پر انسان فطرۃً کوئی دعوے رکھنے کا حق نہین رکھتا، بنی آدم مین جذبات کی طرح عقل کو کوئی اہمیت نہین، البتہ عقل کو "تجربے" کے معنی مین لیکر انسان کو عاقل کہین تو زیادہ مناسب ہوگا،

تاریخ شاہد ہے کہ ابتدا مین انسان مظاہر قدرت کی جلالی و جمالی کیفیات پر شیدا تھا، رعد کی گرج اس کے دل کو رعب و ہیبت مین ڈالکر اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ ان مظاہر کو کسی "خدا" کی طرف منسوب

کرے، اور چونکہ ایسی کیفیتون کا تجربہ ہر موسم مین ہوا کرتا تھا اس لیے رعب و ہیبت کے جذبات اس احساس کو تجربے سے پختہ کر کے عالم کائنات کا خیال بھی پختہ کر دیتے تھے، وہ ان کیفیات کو "اندر" کا مقدس نام دیکر ان کی پرستش بھی کرنے لگتا تھا، اب چونکہ اپنی معاشرت کے علاوہ تجربے کی کوئی اور مثال مہیا نہین ہو سکتی، اسلیے بجلی "اندر" کا نیزہ سمجھی گئی، اسی طرح نیچر کے جمالی کرشمے بھی زندگی کے دلفریب پہلوؤن سے مطابق کر لیے گئے، اور انسان داعیِ عقل بنگیا اور دنیا مین تہذیب کا وجود ہوگیا، یہ دوسری بات ہے کہ کسی زمانے کی تہذیب مین "انا الحق" کہنے والے پیدا ہون اور کسی زمانے کے لوگ اپنے وجود کا پتہ محض "تبخیر مادہ" یا کیڑے مکوڑون مین لگائین[1]، ع

"فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست"

دنیا مین جتنے بڑے بڑے فلسفی، ریاضی دان اور اہل سائنس ہوئے ہین، سب نے اپنے کمال اور علمی تجربات کی انتہا پر پہنچ کر یہی کہا ہے کہ ابھی ہم تحقیق و تلاش کی سیڑھی پر ہین، منزلِ مقصود کا تو کہین نشان و گمان تک نہین، بلکہ یہ بھی نہین معلوم کہ آیا ہم منزلِ مقصود کے صحیح راستے پر ہین یا نہین، اور اکثر تحقیقین بالکل اچانک ہو گئی ہین، یعنی خیال کچھ کیا اور ہو کچھ گیا، گراموفون کی ایجاد، برق کا شعلے کی صورت مین حاصل ہونا، فوٹو اور عہد جدید کے دوسرے نہایت ہی حیرت انگیز کرشمے کسی شخص کی عقل کارفرمائیون کا نتیجہ نہین بلکہ دوسرے نصب العین کی تلاش مین سلسلۂ تجربات کی درمیانی گرفت یا اتفاقیہ تحقیقات کا نتیجہ ہین، زہے قسمت ع،

"گئے تھے آگ کو لینے پیمبری پائی"

پس سچے فلسفی وہی ہین جو نظامِ عالم کے حیرت انگیز وجود پر غور و فکر کرنے اور تجربات کی کسوٹی پر اپنے افکار کو آزمانے کے بعد یہ کہتے ہین کہ کسی چیز کی "علتِ اولیٰ" کی تحقیق دماغی قوت سے

---

[1] ڈارون "ORIGIN OF SPICIES"

کی دسترس سے باہر شے ہے، جب یہ بات ہے تو "علتِ اولیٰ" تک تجربات کی انتہا یعنی عقل کب پہنچ سکتی ہے،
وہاں تو صرف "لا احصیٰ" اور "لا ادریت" کا فلسفہ اپنے مفہوم کے سچے معنی کا مصداق ہو سکتا ہے خسرو

اے زخیالِ ما برون در تو خیال کے رسد
با صفتِ تو عقل را لافِ کمال کے رسد

پس معلوم ہوا کہ دنیا مین اگر کوئی فلسفہ اپنے نام نہاد مفہوم پر فلسفہ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو یہی "فلسفۂ تشکیک"[1] ہے، فلاسفہ جرمنی مین کینٹ، عربون مین ابن رشد اور قدیم ہندوستان مین کپل وغیرہ نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ جو چیزین ہمارے تجربہ مین نہ آسکتی ہون ان پر تخیل آزمائی کرنا شاعری کرنے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، مثلاً خدا کے وجود اور ما فوق الادراک مسائل مین دخل دینا،

کینٹ نے نہایت بے تکلفی سے لکھا ہے کہ

"عقل انسانی اپنے احاطۂ ادراک کے ایک پہلو مین ان مسائل کو غور کرنے پر مجبور کیجاتی ہے جو فطری طور پر خود بخود درپیش ہو جاتے ہین، لیکن ان پر کوئی قابلِ اطمینان رائے قائم کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ ان کی گرفت دماغ کی ہر قوت سے پرے ہوتی ہے، اور یہ دقت عقل کی کسی تقصیر کا نتیجہ نہین ہوتی، بلکہ عقل (تجربہ کے) ابتدائی اصولون کی روشنی مین آگے بڑھنا شروع ہوتی ہے، کیونکہ تجربے کی آب وہوا مین یہ (ابتدائی اصول) بہت ضروری ہین اور ان کی صداقت وکفایت تجربے سے ہی بہم پہنچی ہے، ان ابتدائی اصول سے ہم قسم قوانین کی ماتحتی مین عقل آگے بڑھنا شروع ہوتی ہے، (یہانتک کہ اسکو) زیادہ بلند مسئلہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اس طرح عقل کی تمام کوششین ہمیشہ ناتمام رہتی ہین، کیونکہ نئے مسائل کا پیدا ہونا رک نہین سکتا اس لیے عقل کو مجبوراً انھین اصول کی پابندی اختیار کرنا پڑتی

[1] ہکسلے "Method and Results" کے Agnosticism

ہے جو تجربون کی پہنچ سے بالا تر ہین اور جو عقل عامہ مین بغیر کسی تشکیک کے اٹل سمجھے جاتے ہین[1]
(مثلاً فوق الفطرۃ اسرار جنکی نمایان مثال مذہبی اصول ہین) "عقل" کے مفہوم کی یہ وہی تفسیر ہے
جس کو غالب نے اپنے ٹھوس فلسفے مین سمیٹ کر ایک مصرعے مین کسی قدر اختلاف سے ظاہر کیا ہے کہ ع

"عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے"

پس چونکہ عقل علم کی ماتحت تھی اور علم بغیر تجربے کے ناممکن تھا اس لیے خدا کی ذات اور مذہب کی
غرض وغایت کا ذکر کرنے سے کینٹ نے انکار کر دیا، اور کہدیا کہ اگر مین ایسا کرون گا تو حوادث و تجربات
کو بھی مذہب مین داخل کرنا پڑے گا اور ان سے کنہ حقیقت کے راز پر ذرہ برابر بھی روشنی نہین پڑ سکتی ہے
اسلیے "مجھے کیا ضرورت کہ علم کو منسوخ کر کے عقیدے کو قائم کرون[2]"

لاادریت یا تشکیک کی بنا اصول اور نظریون کے ختم ہونے والے سلسلے پر مبنی ہے، اس کا خلاصہ
"اعتراف لاعلمی" ہے، اس پر عمل کرنا "مسئلہ جبر" پر ایمان لاتا ہے، اور انسان کو محض جذبات کا بندہ تسلیم
کرتا ہے، کیونکہ "اگر انسان کو جذبات پر کوئی قابو ہوتا تو قانون جرائم کی ضرورت ہی نہ ہوتی[3]"، عہد ماضی
مین لاادریت بذات خود ایک فلسفہ تھا، چنانچہ قدیم ہندوستان کے "فلسفۂ نیائے" مین بھی اس کی جھلک
نمایان ہے، کینٹ اور ہیوم نے عہد حاضر مین اس کو اہمیت دی، اور ہکسلے نے اس کو علیحدہ فلسفے کی
صورت مین تسلیم کیا، عہد خلافت عباسیہ مین چونکہ فلسفہ عروج پر تھا اس لیے مسلمانون مین امام رازی
اس کے بڑے حامی تھے،

شاعری اور نظم مین صرف فلسفۂ تشکیک ہی ایک اہم اور مستند حیثیت رکھتا ہے خصوصاً مشرقی
شعرا تو مسائل جبر و تشکیک کے بندے ہین، مثلاً ایران مین حافظ، ہندوستان مین کبیر صاحب اور

---

[1] کینٹ دیباچہ کتاب Critique of Pure Reason "[2] ایضاً، [3] VOLTAIRE ON CRIMINOLOGY

اردو زبان مین "میر" وغیرہ، ان کا متفقہ مذہب تھا کہ انسان اپنی زندگی کی ضرورتون اور معاشرتی محاسن و
معائب کو خالص عقلی نقطۂ نظر سے ثابت نہین کرسکتا، کسی ایک سبب سے مختلف نتائج پیدا ہوجایا کرتے
ہین، ایک ہی بات سے کوئی خوش ہوتا ہے کوئی مغموم، کوئی امیدوار ہوتا ہے کوئی مایوس، ایک کے دل
مین محبت پیدا ہوتی ہے، دوسرے کے دل مین نفرت، پس معلوم ہوا کہ "لاف آف نیچر" تجربات و مشاہدات
کا مجموعہ ہے، عقل اس فطری قانون کے ادراک کا نام ہے، اور یہ استدراک ہر زمانے مین بدلتا رہتا ہے،
فلسفۂ تاریخ سے معلوم ہوگا کہ اہل یونان کی "عقل" دماغی تجربون کا نتیجہ تھی، اہل روم نے سیاست کو اسی
عقل مین ملا کر قوانین معاشرت بنائے، اہل مشرق نے اسی "عقل" مین روحانیت کو دخل دیکر چار چاند
لگائے اور اہل اسلام نے وحدانیت و تصوف کے پیرایے مین اسکو "مافوق العقل" سے ملا دیا اور یہ ثابت
کر دیا کہ جب تک انسان کے جذبات تجربون کے اصول سے مستفید ہوتے رہین گے، اور جب تک اس
نام نہاد عقل کا شائبہ بھی جذبات مین شامل رہے گا، اسکو آرزوؤن سے بے نیازی حاصل نہین ہوسکتی،
لیکن نئے مسائل اور آرزوؤن کا پیدا ہونا ہی سائنس کے وجود اور ترقی کا باعث ہے، پس
لاادریت کے مفہوم یعنی اعتراف لاعلمی سے یہ مطلب نہین کہ انسان کو کچھ کرنا ہی نہ چاہیئے، اگر اس نظریے کا
پابند ہو کر انسان خود کو مجبور محض سمجھنے لگتا تو آج نہ کہین "تجلّی طور" کا نام سنتے نہ "نالۂ منصور" کی آوازین
آتین، جذبات انسانی روحانیت و وحدانیت کی سمجھ تک ترقی نہ کرنے پاتے، اور اب بھی انسان سورج
و چاند کی پرستش کرتا نظر آتا، یا یون کہیے کہ انسان ابتک وحشی رہتا جگنو پکڑ پکڑ کر اپنے تاریک غارون کو
روشن کرتا، کیونکہ اسکو یہ سمجھ ہی نہ آتی کہ بجلی کو آسمان سے اتار کر بڑے بڑے محلون کو روشن کردے، یا
لاسلکی لگا کر مریخ سے نامہ و پیام کی کوشش کرے، پس جو نشانیان ہمارے سامنے موجود ہین انپر
غور و فکر کرنا ہی انسان کو تمام مخلوق پر شرف دیے ہوے ہے، اور صرف دماغ کی استفہامی خاصیت
کی وجہ سے وہ داعی عقل ہوسکتا ہے، اسی بنا پر قرآن حکیم مین کہا گیا ہے کہ جن چیزون کی نشانیان

سامنے موجود ہین ان پر غور و فکر کرنا انسانی فطرۃ کا تقاضا ہے اور اسی بنا پر انسان "عاقل" بھی کہا گیا ہے
لیکن جن باتون تک عقل رسا نہ ہو سکے اور جو ما فوق الادراک ہون ان مین پڑنے سے انسان گھبرا جاتا ہے
اور مولانا معنوی کے اس اعتراض کا مصداق ہے کہ ؎

باسبہا از مسبب غافلی — سوے این روپوشہا زان مائلی

غرض غور و فکر کی بنا پر انسان کو قرآن حکیم مین "اولی الالباب" کے لقب سے یاد کیا گیا، پس
صاحب عقل وہی لوگ ہین جو "یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض" کا مصداق ہو کر تخلیق عالم
اور نظام کائنات پر غور اور پر تقدیس تعجب کی نگاہین ڈالتے ہین، کیونکہ "اختلاف اللیل والنہار"
اور تغیرات عالم کے دیگر کرشمے صاحب عقل کے لیے "آیات" یا نشانیان ہین، یعنی دماغی جستجو اور خیال و فکر
کی راہ مین مشاہدات و تجربہ کی مشعل ہین، اگر انسان ان سے متحیر ہو کر اپنے جذبات کو کائنات کے "وجود"
خود بین مین محو کر کے تنظیم تخلیق سے ہم آہنگ کر دے تو گویا اس نے انتہائی سکون و مسرت کے راستے
کو اگر پا یا نہین تو کم از کم دیکھ ضرور لیا، اور اسکی روح کے سامنے حقیقت کی متبسم کرنین کچھ کچھ نمایان
ہو گئین، یہی وہ روشنی تھی جو شہزادہ سدھارتھ کے دماغ مین ایک برگد[1] کے نیچے ضوفشان ہوئی،
اور یہی وہ سرور ہے جس نے منصور کو انتہاے جذبات تک پہنچا کر آپے سے باہر کر دیا ؎

عام ہے یار کی تجلی میر — خاص موسیٰ و کوہ طور نہین،

اسی بنا پر صوفیاے کرام نے تصوف کو شریعت سے الگ کر کے طریقت کے لقب سے عام کیا ہے
جس کا نصب العین ادراک حقیقت ہے، جس کی ابتدا اعتراف لاعلمی اور لاادریت ہے اور انتہا فلسفۂ جبر
اور مشاہدۂ حقیقت[2] ہے، اس فلسفے کے ابتدائی مدارج پر دنیا کے تمام اہل علم اور ائمۂ مذہب گامزن ہین،

---

[1] گوتم بدھ کو ایک برگد کے درخت کے نیچے نور عرفان حاصل ہوا تھا، [2] ذوق ؎

رسائی کچھ نہین در خور بام تک اوسکی — لگا مین زینہ جو اقرار نارسائی کا

ہین، لیکن اسلام نے وحدانیت کا داعی ہوکر اسکو انتہا ے کمال تک پہنچایا، اور "الیوم اکملت لکم دینکم" کا سچا مصداق ہوا، اب چاہے کوئی اسکو محض عام فہم اور سادہ[1] مذہب کہے، یا ہے لبیک کہکر اسکی تعلیم کو پابند فطرۃ سمجھکر اپنی معاشرت مین شامل کرے، داعی فطرت نے پہلے ہی کہدیا کہ "لکم دینکم ولی دین" یہ حسنِ سماعت ہے کہ دورِ جدید مین نغمۂ وحدت سننے والے اسلام کو دنیا کے لیے نہایت ضروری[2] اور ترقی پذیر سمجھتے ہوئے زبان سے اقرار کرین مگر دل سے نہ مائل ہون، اور اگر ہم بیجا تاریخی حملون سے برگشتہ ہوکر دادخواہی چاہین تو "صم بکم" ہوکر بالکل خاموش ہو جائین، زہے انسانیت، ع

"گوش اگر گوش تو و نالہ اگر نالۂ من"

خیر مذہب تو جیسا کیسا اسلامی لٹریچر کی نسبت تو خیالات بالکل غیر قابل برداشت نظر آتے ہین خصوصاً عہدِ جدید مین غریب اردو جو محض مسلمانانِ ہند نہین بلکہ تمام ہندوستان کی متفقہ زبان ہے خواہ مخواہ ایسے بیجا خیالات کا شکار بنائی گئی ہے، اس غریب کو ہمل توہمات کی برچھیون نے ایسا گھائل کر دیا کہ اب ہم شکوے کرتے کرتے بالکل عاجز آگئے، حسرت ؎

ستم سے وہ نہ باز آئے تو ہمپر بھی ہوا لازم دلِ مجبور کو خو کردۂ آزار کر لینا

لیکن ہندوستان کی پیاری زبان اردو فلسفہ و تاریخ، آرٹ و سائنس، وغیرہ کی تکمیل مین اپنے ملک کی دوسری زبانون سے پیچھے نہین رہی، یہ کہنا کہ اردو مین بلند خیالی بالکل نہین، نیچریت کا کہین پتہ نہین اور یہ بالکل خط و خال کی مبالغہ آمیز رام کہانی ہے[3]، سراسر ظلم ہے، اس وقت ہم صرف اُس بلند خیالی کو مدِ نظر رکھکر کچھ مثالین پیش کرینگے وہ بھی اردو نظم سے، کیونکہ نظم زیادہ بدنام کی گئی ہے اور نظم مین بھی قدیم زمانے کی شاعری مقصود ہے، کیونکہ عہدِ حاضر مین اقبال کے خیالات کا مقا

---

[1] کارلائل اور لفنسٹن وغیرہ کہتے ہین کہ اسلام ایک عام فہم اور سادہ (Simple) مذہب

[2] Bernard Shaw [3] K. B. Chuklust

دنیا مین بڑے بڑے نہین کر سکتے، اس لیے ہم نہایت ابتدائی نظم یعنی شعراے متقدمین مین میر صاحب کے کلام کو انتخاب کرتے ہین جنکے زمانے مین اچھی طرح اردو زبان بھی نہ کھلی تھی، لیکن یہ خیال رہے کہ فارسی شاعری کی طرح لا ادریت و تصوف پر اردو فلسفۂ خیال بھی مبنی ہے، خصوصًا میر کے کلام مین تشکیک کا عنصر اور تصوف کا خمیر زیادہ ہے، میر ؎

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے　　پردہ اٹھا تو لڑیان آنکھین ہماری ہم سے

اگر سچ پوچھیے تو ہر فلسفے کی ابتدا تشکیک ہی سے ہوتی ہے، شاعری کو اگر فلسفے کی عینک سے دیکھیے تو وجدانی کیفیت اور ترنم خیال سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہ نظر آئے گی، اور "نیچرازم" تو کوئی فلسفہ نہین، بلکہ محض دماغی تفریح کا نتیجہ ہے، کیونکہ اگر معمولی آدمی صبح و شام کی نیرنگیون کو دیکھکر خود بخود گانے لگتا ہے تو ایک عالم اور فلسفی یہ کہہ اٹھتا ہے کہ

زمین و آسمان ہین اک کرشمہ جانِ جانان کا　　مئے وحدت سے متوالا ہے ہر اک گل گلستان کا

اور چونکہ اردو پر فارسی اثرات زیادہ غالب ہین اسلیے عشق و محبت کی محفل مین گل و بلبل کو نمایان طور پر جگہ دیگئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اردو مین گل و بلبل سے کوئی نظم خالی نہین ؎

باغ مین بلبل و گل بزم مین پروانہ و شمع　　بھیس بدلے ہوے پھرتی ہے محبت میری

لیکن میر صاحب نے جہان کہین فلسفیانہ خیالات ظاہر کئے ہین، وہان گل و بلبل کو بہت کم دخل دیا ہے، لا ادریت کے سواے قیصر روم[1] کی طرح میر صاحب نے اپنے فلسفے کو بالکل اعتدال پر رکھا ہے قیصر مذکور نے اپنی کتاب "محویت خیال"[2] مین لکھا ہے کہ نظام کائنات یا تو کسی زبردست طاقت کے ماتحت ہے یا عناصر کا محض بے ترتیب منظر ہے، اگر یہ قانون کسی حاکم کے ماتحت ہے تو انسان سے بڑھکر کوئی خوش قسمت مخلوق نہین ہوسکتی، اگر اسمین کوئی ترتیب نہین تو انسان کو بے ترتیب نہ ہونا چاہیے، کیونکہ

---

[1] Marcus Aurelius　[2] Meditations

اس کی فطرت مین ایک ایسی کیفیت پوشیدہ ہے، جو مخلوقات مین کہین نظر نہین آتی، میر صاحب کے دماغ مین بھی اسی قسم کے (Agnostic) خیالات اپنی جھلک دکھلاتے ہین، اور بمقتضاے پسند عام و معاشرت وقت پھر غائب ہوجاتے ہین، اگر میر صاحب ان پر غور کرتے تو شاید ہمارے لیے ایک باترتیب فلسفہ مہیا ہوجاتا، غرض تخلیقِ عالم کی نیرنگیون سے متحیر ہوکر میر صاحب فرماتے ہین،

یہ دو ہی صورتین ہین یا منعکس ہے عالم   یا عالم آئینہ ہے اس یار خود نما کا،

لیکن کائنات کی اس ظاہری نمود مین وہ "حقیقتِ منتظر" ظاہر نہین، اسلیے میر صاحب فرماتے ہین

کہتے ہین حجابِ رخِ دلدار ہے ہستی   دیکھین گے اگر یون ہے کہین جان بھی جاے

پھر باوجود اس پوشیدگی کے وہ ہر جگہ موجود ہے، اس طرح اس تضاد سے ایک ایسی تشکیک ظاہر ہوتی ہے، جس کے لیے کوئی موزون نام بھی نہین ملتا، میر

نہ عالم مین ہے نے عالم سے باہر   یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے،

بقول کینٹ کے اگر تجربے کی روشنی مین عقل حقائق کی ٹوہ لگاے تو اپنی ترقی کے ہر زینے پر ایک نئے راستے کو کھلا ہوا پاےگی، ہان اگر عوام الناس کی طرح غور و فکر کئے بغیر زندگی کے دن کاٹ دیے جائین تو صرف معمولی معاشرتی باتون تک عقل و تجربے کی دنیا بھی محدود رہے گی، میر

سرسری تم جہان سے گذرے   ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

ہمارے فطری شعور کا تقاضا ہے کہ ہم مخلوقات کے ہر "پیکرِ تصویر" کو ادراک و عقل کی گرفت مین لانے کی کوشش کرین، ذرہ ذرہ ہم کو مشاہدات و تجربات کے ذرائع کی طرف مدعو کرتا ہے، دنیا بلا شرکت غیر انسانی قبضہ و اقتدار مین کردی گئی ہے لیکن بغیر غور و فکر کئے ہوئے اسکی کوئی اہمیت نہین، اسلیے یہ ضروری ہے کہ احساس و شعور کی قوتین ترتیبِ دماغ کے لیے خیالات کا ذخیرہ جمع کرنے مین بھی صرف کیجائین، کیونکہ خود انسان مین ایسے ایسے کرشمے موجود ہین کہ انکی تحقیق ابھی تک ممکن نہین ہے

اس سب مضمون کو میر صاحب نے شاعری سے آراستہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے ؎

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر — منھ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ
ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں — شعبدے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بیچ

صوفیاے کرام اور فلاسفۂ مغرب کے اعتراف لاعلمی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ جذبات کے بندے رہ کر اعتقاد و شریعت کے دریوزہ گر ہیں، کیونکہ تسکین لاعلمی کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ ہو ضروری ہے، فرض کرو روشنی کی علت اولی دریافت کرنے کے لیے کسی فلسفی نے عقل و تجربے کو دخل دینا شروع کیا، رات، دن، آگ، بجلی، آفتاب، ماہتاب، اور ستاروں کی کیفیتیں غرض تمام چیزوں پر عقل دوڑائی حتی کہ نظام کائنات کی تخلیق کے سوال تک پہنچ گیا، اب آگے خیالات کو بڑھنے کے لیے سائنس کی مشعل بھی ممکن نہیں ہوسکتی، اسکی عقل عاجز ہوجاتی ہے، اور جذبات اس کو آگے نظر نہ آنے والے مناظر سے برگشتہ کر دیتے ہیں، خواہ مخواہ فلسفۂ لاادریت کے ماتحت ہوکر جذبات کی تحریک کے ساتھ اعتراف لاعلمی کے آگے اپنے تمام دماغی ہتھیار ڈال دیتا ہے اور ایک "استفہامی" کیفیت کے ساتھ صرف یہ "مشکوک" نظریہ پیش کرتا ہے کہ

اک نور گرم جلوہ فلک پر ہے ہر سحر — کوئی تو ماہ پارہ ہے میر اس رواق میں

خود حضرت انسان کی حالت کو لیجیے: "عاقل" ہونے کے باوجود ہمیشہ نئے نئے رنگ بدلا کرتے ہیں، ایسی حالت میں کیا فطرت انسانی کسی ایسے معیار کا دعوی رکھ سکتی ہے جو انسان کو "صاحب عقل" ثابت کرسکے؟ وہ تو ہمیشہ امید و بیم، خوشی و غم، اور آس و یاس کی متضاد و مختلف حالتوں میں مبتلا رہتا ہے، ان سب باتوں پر نظر کرکے مسئلۂ جبر کا دوسرا عنصر یعنی انسان کا "بے اختیار محض" یا پابند "جبر" ہونا ظاہر ہے، مشرقی شعرا نے اس خیال کو بہت برتا ہے اور بار بار یہی کہا ہے کہ "ظلوم وجہول" انسان گو اپنی عقل پر بہت نازاں ہے، لیکن اس کا کوئی کام اس کے ذاتی اختیا

و ارادے سے نہین ہوتا، نہ وہ کوئی بات کسی سائنٹفک دلیل سے ثابت کر سکتا ہے، یون اپنے کو دعی عقل سمجھا کرے، میر ؎

کہنے کو اختیار ہے، پر اختیار کیا ۔۔۔ پاتے ہین اپنے حال مین مجبور سب کو ہم

تو پھر آسمان و زمین کے قلابے ملانے، سپہر مریخ کی ہوا باندھنے، چند مادی مکاشفات پر بھولکر "مسبب الاسباب" کی کنہہ حقیقت معلوم کرنے کا دعویٰ کرنے اور عاجز آجانے پر دائرۂ ادب سے باہر ہوجانے والے دماغون کا کیا حشر ہوگا، یہ ظاہر ہے کہ جسکو خود اپنی خبر نہ ہو وہ اپنے پیدا کرنے والے تک عقل کو کیونکر رسا کر سکتا ہے، بقول، میر ؎

یہ تو سمجھے نہین کہ کیا ہین ہم ۔۔۔ کام کیا آتے ہینگے معلومات

ہان تو پھر کیا ماہرینِ فلسفہ و داعیانِ تصوف کے لیے عقائدِ شریعت کے اٹل قوانین ضروری نہین ہین؟ کیا اس لاادریت کے باوجود پردۂ حقیقت کا ایک گوشہ بھی اٹھانے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے؟ بالکل ناممکن، جو خود کو نہ سمجھے وہ دوسرے کو کیا سمجھے گا، میر ؎

پر نہ طالع کا ہم لکھا سمجھے ۔۔۔ لکھے دفتر کتابین کین تصنیف

لیکن اس سے یہ مطلب نہین کہ "کل یوم ھو فی شان" کی صفت سے موصوف ہونے والے کو ہماری باطنی آنکھین بھی نہین دیکھ سکتین، بیشک اس تک ہماری ظاہری نگاہین نہین پہنچ سکتین، ہمارے خیال کو رسائی نہین ہوسکتی، ہماری عقل اس کے خیال سے بھی قاصر ہے، تاہم جذبِ محبت اس تک ہمین پہنچا سکتا ہے، اور سویدائے قلب پر اس کی تجلی ہر وقت نمایان ہے، خسرو ؎

لیک بجلوۂ جہان چشم خیال کے رسد ۔۔۔ ہست بہ تختگاہِ دل جلوۂ قرب روز و شب

"تختگاہِ دل" کے علاوہ عالمِ ظاہری کی نیرنگیون مین بھی اس کے جلوے نمایان ہین، نگاہ کیونکہ اس کی کوئی خاص صورت نہین، میر ؎ ما

آتا نہین نظر وہ طرحدار ایک طرح　　گہ گل ہے، گاہ رنگ، گہے باغ کی ہے بو

البتہ خصوصیاتِ تشکیک کی بنا پر اتنا منہ سے ضرور نکل جاتا ہے کہ۔ میر ؎

تم جہان کے ہو وان کے ہم بھی ہین　　وجہ بیگانگی نہین معلوم

اور یہ شاید "کل یوم ھو فی شان" کا اثر ہے یا کوئی اور وجہ ہے کہ ہماری حالت بھی کبھی دنیا مین ایک سی نہین رہتی اور ہمیشہ جذبات کے کرشمے ہم کو اپنا کھلونا بنائے رکھتے ہین، غرض بقول میر صاحب ؎

تحفۂ روزگار ہم بھی ہین،　　ان مین کچھ ہین، ان مین کچھ ہین،

لہذا ان تبدیل ہونے والی "مختلف النوع" خاصیتون کی وجہ سے ہم کو بھی نظامِ فطرت کی ترتیب کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے اور اگر فخر ہو تو یہی ایک بات ہمارے لیے مایۂ ناز ہے ؎

مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا　　ہین مشتِ خاک لیکن جو کچھ ہین میر ہم ہین

اس قلبی اطمینان اور فخر کی بنا پر ہم کبھی کبھی آپے سے باہر بھی ہو جاتے ہین اور بے ساختہ منہ سے یہ نکل جاتا ہے کہ میر ؎

ین ورنہ وہی خلوتیِ رازِ نہان ہون　　لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر

اور دل کے بہلانے کے لیے شیطان کی بدعتون، اور نفس کو ڈرانے یا بھسلانے کے لیے دوزخ وجنت کی مثالین قائم کرنا بھی بے جا نہین، انسان ہر حالت مین اشرف المخلوقات ہے، اس لیے میر صاحب کا یہ خیال بھی حقیقت سے خالی نہین کہ ؎

مری آہ نے برچھیان ماریان　　فرشتہ جہان کام کرتا نہ تھا

لاادریت کے دو پہلو یعنی اعترافِ لاعلمی اور محویتِ جذبات پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین، اب تیسرا رخ یعنی تجربات کے ذریعے سے مستقبل پر رائے زنی کرنے کا بیان باقی ہے گو یہ رائے زنی بالکل مشکوک سمجھنا چاہیے، اگر مشکوک نہ ہوتی تو لاادریت کے تحت مین اس کا ذکر نہ کیا جاتا، غرض دنیا میں

زندگی کی عارضی نمود میں انسان کو بمقتضائے ضروریات یا محویتِ جذبات میں ایسے تجربے حاصل ہو جاتے ہیں، کہ ان سے آئندہ باتوں پر اظہارِ خیالات کا موقع مل سکے، مثلاً جذبات کی اس کیفیت پر اظہار کہ

ہمیں جس جا پہ کل غش آگیا تھا — وہیں شاید کہ اُس کا آستان تھا

انھیں نامعلوم واقعات اور مستقبل باتوں کی بنا پہ دل و دماغ میں پوشیدہ مراسلت بھی ہوتی ہے اور خود بخود ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو شاعر کا نصب العین نہیں ہوتیں نہ انکے اظہار کا وہ ارادہ کرتا ہے، میر ؎

ہستی اپنی ہے بیچ میں پردہ — ہم نہ ہوویں تو پھر حجاب کہاں

ایسے ہی خیالات پر تکیہ کر کے چند مشکوک سوالات کا تذکرہ کر دینا بھی لازمۂ لاادریت ہے کیونکہ جب کسی بات کا شک ہوتا ہے تو طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، اسی لیے میر صاحب کے منھ سے بھی نکل گیا کہ ؎

کوئی بیگانہ گر نہیں موجود — منھ چھپانا یہ کیا ہے پھر ہم سے

اور انھیں خیالات کی بنا پر شاعرانہ تعلّی کو بھی دخل دے دیا جاتا ہے، اور شاعر اپنے زعمِ تصوف میں "تنک ظرفیِ منصورؒ" کو بھول کر کہہ اٹھتا ہے، میر ؎

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں — اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں

جذباتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ انسان لاادریت کے اس عالم میں پہنچکر ذرا اپنی سمجھ پر ناز بھی کرنے لگے، جیسے کہ موجودہ فلسفی اور ائمۂ سائنس اپنے تحقیق و مکاشفات کے زعم میں خدا کی ہستی کے منکر ہو جاتے ہیں، اسی طرح شاعر بھی قوانینِ شریعت پر نوک جھونک کرنے لگتا ہے جو خواہ کتنے ہی صحیح کیوں نہ ہوں شاعر کے ظرف کی کمی کو ظاہر کرتے ہیں، مگر میر صاحب اعتدال سے متجاوز نہیں ہوتے، ؎

مکّے گیا، مدینے گیا، کربلا گیا — جیسا گیا تھا ویسے ہی چل پھر کے آگیا

لہ غالب ؎ قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن — ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں،

اور چونکہ بظاہر اس شعر مین مسئلہ حج کی تحقیر ہے اس لیے اہلِ شریعت ان باتون پر بھی اعتراض کا
حق رکھتے ہین، پس اگر ایسے خیالات کسی قدر اعتدال کے ساتھ ظاہر کیے جائین تو اہل شریعت کو بھی برا
نہ معلوم ہو، مثلاً میر صاحب کا یہ شعر ؎

یارانِ دیر وکعبہ دونون بلا رہے ہین   اب دیکھین میرا پنا جاتا کدھر بنے ہے

اگر یہ انداز اختیار کیا جائے تو خیالات مین بانکپن اور جذباتِ تشکیک مین رعنائی پیدا ہو جائیگی
مثلاً یہ شعر ؎

تسبیحین ٹوٹین، خرقہ مصلے پھٹے جلے   کیا جانے خانقاہ مین کیا میر کہہ گئے

اگر اس سے متجاوز ہون تو خیالات فلسفیانہ اور کیف آمیز نہ رہینگے، بلکہ ان مین ظرافت کی جھلک آ جائیگی
جو محض تفریحِ طبع کا ذریعہ ہو گی، مثلاً میر ؎

بہر فردوس ہو آدم کو الم کاہے کو   وقفِ اولاد ہے وہ باغ تو غم کاہے کو

میر صاحب نے مذہب، قرآن، اور شریعت وغیرہ کے اشارے بھی شاعری مین شاذ و نادر کئے
ہین، عمر خیام اور سودا کے اشعار کی طرح میر صاحب کی شاعری علماے دین کی نظرون مین "خوبصورت
ناگن" نہین کہ زہر اگلے بلکہ میر صاحب کے دلخراش نشتر مجروحانِ الفت کو اور بھی زیادہ مجروح کر کے
وارستہ و بے اختیار کر دیتے ہین،

لیکن فلسفۂ لاادریت کی کسوٹی پر اگر شاعر کے وہ خیالات آزمائے جائین جو آئندہ واقعات
سے نسبت رکھتے ہین تو معلوم ہو گا کہ میر صاحب نے چند اشعار مین براؤننگ[1] ایسے مغربی شعرا کے
تمام فلسفے کو ادا کر دیا، ایسے اشعار پڑھنے کے بعد نظم "ربی بن عذرا"[2] میر کے چند اشعار کی تفسیر معلوم

---

[1] Browning

[2] Rabbi ben Ezra

ہوتی ہے، براؤننگ کا فلسفہ صرف اس ایک خیال مین تمام ہوجاتا ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی

رتقاے انسانیت کے راستے مین صرف ایک منزل یا پڑاؤ کی طرح ہے، یہ دنیا آیندہ زندگی کی تیاری

کرنے کے لیے مثل ایک اسکول کے قائم کی گئی ہے؛ المختصر یہ "مزرعۃ الآخرہ" ہے اور یہ کہ آئندہ زندگی

مین ہماری عقل اسقدر محدود نہ ہوگی کیونکہ اس زندگی کے حدود زیادہ وسیع ہوجائین گے، غرض دنیا

زل سے ابد تک سفر کرنے والے مسافر کی راہ مین ایک منزل یا پڑاؤ سے زیادہ وقعت نہین رکھتی،

ی خیال کو میر صاحب کیا ہی سادے الفاظ مین ظاہر کرتے ہین، یہ شعر تو نظم "ربی بن عذرا" کی پیشانی

پر لکھنے کے قابل ہے ؎

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے　　　　یعنی آگے چلین گے دم لیکر

اور اس خیال کو سمجھا سمجھا کر بیان کیا ہے تاکہ اسکی اہمیت اہل نظر کے خیالات مین استقلال کی

ورت اختیار کر سکے، میر ؎

وقفۂ مرگ اب ضروری ہے　　　　راہ طے کرتے تھک گئے ہین ہم

کون پہنچے ہے بات کی تہ کو　　　　ایک مدت سے بک رہے ہین ہم

یہ اشعار پڑھنے سے اردو شعرا کی نسبت یہ شکایت بھی رفع ہوجاتی ہے کہ وہ کوئی بات سوچ

سمجھ کر نہین کہتے اور اگر حقائق ان کی زبان سے ظاہر ہوجاتے ہین تو محض بیساختگی اور وارستگی مین،

متذکرہ بالا اشعار سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے بخوبی سوچ سمجھکر یہ خیالات ظاہر کرے

ن یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ غریب میر کے زمانے مین لوگ ایسے خیالات کے اہل نہ تھے، لیکن اہل علم

ر بلند خیال لوگ ہمیشہ ستایش و صلے سے مستغنی رہتے ہین، ان کی طبیعت ان کو مجبور کرتی ہے کہ ایسے

یالات کو ظاہر کرین، مبارک ہے وہ قوم جسمین ایسی اعلی خیال ہستیان پیدا ہوئی ہون، لیکن وہ قوم

ر بھی زیادہ مبارک ہے جو اپنے باکمال افراد کی قدر کرے، بقول امیر مینائی مرحوم ؎

Limitations

لطف حسرت کی نگاہون کا تو جب تھا کہ تمیرؔ ان نگاہون کا کوئی چاہنے والا ہوتا

غرض میرؔ نے اپنی کمسن اردو زبان مین جس طرح بن پڑا نہایت نزاکت اور بھولے پن سے فلسفۂ لاادریت کو بغیر یہ خیال کیے ہوئے کہ آئندہ زمانے مین اس قسم کے خیالات بذاتِ خود فلسفے کا ایک اسکول یا مذہب ہو جائینگے ظاہر کر دیا، شاید میرؔ کی اسی قابلیت پر ناسخؔ نے کہا تھا کہ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہین"۔ اور غالبؔ نے اس کی تصدیق[1] کی تھی، میرؔ صاحب اپنے زمانے کی معاشرت سے مجبور تھے، اس لیے ان کے جوہر زیادہ کھلنے نہ پائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ذاتی خیالات بہت مشکل سے چھ دیوانون کے ضخیم دفترون مین منتخب کیے جا سکتے ہین۔ اگرچہ اس قسم کے بلند خیالات پر اشعار بکثرت موجود ہین، لیکن ان کی چھان بین کرنے مین کافی دماغی ورزش کرنے کی ضرورت ہے۔

لاادریت میرؔ کا معیارِ کلام ہے، کیونکہ ان کا ہر شعر جذبات مین ڈوبا ہوتا ہے، اور جذبات سے خواہ مخواہ انسان کے خیالات مافوق الادراک چیزون کی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً، میرؔ ؎

پھرتا ہے زندگی کے لیے آہ خوار کیا اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا

اور عشق و عاشقی کے پیرایہ مین بھی یہی رنگ ظاہر کیا گیا ہے، مثلاً ؎

آوارگانِ عشق کا پوچھا جو مین نشان مشتِ غبار لیکے صبا نے اڑا دیا

کیا کسی زبان کا شاعر ذیل کے اشعار کی طرح دردناک انداز مین حقیقتِ خیالات پر روشنی ڈال کر عبرت کی تفسیر اس آراستگی سے بیان کر سکتا ہے؟ میرؔ ؎

سحر گوشِ گُل مین کہا مین نے جا کر کھلے بند دون مرغِ سحر سے ملا کر

لگا کہنے فرصت ہے یان اک تبسم سو وہ بھی گریبان مین منھ چھپا کر

[1] غالبؔ ۔ غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہین"

صرف ان خیالات اور ایسے جذبات کی بنا پر میر کو اردو شاعری کا بانی مبانی کہنا بیجا نہ ہوگا، وہ شعر نہین کہتے تھے بلکہ اپنا دل نکالکر سامعین کے سامنے رکھدیتے تھے، میر ؎

یاد رو یا رلایا اپنی تو یونہی گذری | کیا ذکر ہم صفیرو یارانِ شاد مان کا

اپنے زمانے کے اردو شعرا سے میر کے خیالات کہین بالاتر تھے، ان کا فلسفہ عہدِ جدید کے لاادری یا تشکیکی (Scepticism) خیالات پر نمایان طور پر مبنی تھا، غالب نے میر سے بہت کچھ حاصل کیا جس کا اعتراف بھی جا بجا کر دیا ہے، غالب اور میر کے فلسفے مین صرف فرق اتنا ہے کہ میر کے کلام مین جذبات کی آمیزش زیادہ ہے، الفاظ سادے اور زبان روان ہے، اندازِ بیان نہایت نازک اور پیارا ہے، غالب نے فلسفے کو استعارون مین لپیٹ کر کسی قدر پیچیدہ کر دیا ہے، خیال آفرینی کے ساتھ ساتھ ان کی ترکیب مشکل اور زبان مین فارسیت زیادہ ہے، اندازِ بیان مین عنا کے ساتھ ساتھ کہین کہین بانکپن[1] کی بھی جھلک پائی جاتی ہے، فلسفے کے اعتبار سے دونون مین لاادریت اور تشکیک کی کوئی انتہا نہین، اگر کلامِ غالب کا انتخاب نہ ہوگیا ہوتا تو میر کی طرح انکی بھی خوبیان بہت کچھ پوشیدہ رہتین، جس کا اعتراف غالب نے خود کیا ہے کہ

"شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے"

المختصر میر نے غالب سے کہین زیادہ اسرار و حقائق ظاہر کیے ہین اور باوجود اس بلند خیالی کے عقلِ انسانی کی کوتاہی کا یقین رکھتے ہوے جگہ جگہ اعترافِ لاعلمی بھی کیا ہے کہ ؎

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے

سو بھی اک عمر مین ہوا معلوم

---

[1] مثلاً غالب کا یہ شعر ؎

ہم سے کھل بیٹھو بوقت مے پرستی ایکدن | ورنہ ہم چھیڑین گے رکھ کر عذر مستی ایکدن

محاکات اور فطری تشبیہین

دقیقی، فرخی، منوچہری، امیر خسرو اور قاآنی

از

مولوی عبدالقوی صاحب فانی ام اے لکھنؤ یونیورسٹی،

شعر شاعری ایک وجدانی اور ذوقی چیز ہے جو احساس سے تعلق رکھتی ہے، یہ احساس اثر کا نتیجہ ہے جس سے جذباتِ انسانی برانگیختہ ہوتے ہین، شعر درحقیقت انھین احساسات اور جذبات کی ایک دلکش اور دل پر اثر پیدا کرنے والی تصویر ہے جو الفاظ مین کھینچی جاتی ہے،

محاکات اس شاعرانہ مصوری کو اصطلاح مین محاکات کہتے ہین یعنی کسی چیز یا حالت کا اس طرح بیان کرنا کہ اسکی تصویر آنکھون مین پھر جائے، اس مین کلام نہین کہ تصویر مین مادی چیزون کے علاوہ حالات یا جذبات بھی مثل خوشی، رنج، فکر، حیرت اور پریشانی وغیرہ کے دکھائے جا سکتے ہین مگر بہت سے طرح طرح کے ایسے حالات، واقعات، واردات، کیفیات اور جذبات ہین جو تصویر مین نہین نمایان کیے جا سکتے اور نہ تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ دے سکتی ہے، چنانچہ خود قاآنی کا اس پر یہ فتویٰ ہے،

زصنع ایزدی محو ند و مات و ہائم و حیران
اگر لوشا[1] اگر ارژنگ[2] اگر مانی[3] اگر آذر،

---

[1] ایک رومی حکیم، اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تنگ تھا، [2] ایک چینی نقاش کا نام ہے [3] یہ ایک ایرانی نژاد شخص ہے جو ایک مذہب کا بانی تھا، اور جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا، شاپور کے پوتے بہرام کے حکم سے وہ بری موت مارا گیا اسکی سات کتابین تھین چھ سریانی زبان مین، ایک پہلوی مین، گبن انگریزی مشہور مورخ کا خیال ہے کہ اس کا مذہب زردشتی اور مسیحی اصولون کے اتحاد و تطبیق کی ایک کوشش تھی جو دونون مذہبون کی بے رحمانہ نفرت پر منتج ہوئی

خیّل | محاکات مین حسن وخوبی تخئیل سے پیدا ہوتی ہے، تخئیل قوتِ اختراع کا نام ہے جو محاکات مین
نگ آمیزی کرتی ہے اور ترتیب وتناسب پیدا کرتی ہے،

صوراور شاعر مین فرق | مصوراور شاعر مین فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کی تصویر
کھینچے وہ ہوبہو اصل کے مطابق ہو اور اس کا ایک ایک خط وخال دکھایا جائے ورنہ
تصویر ناقص رہے گی، بخلاف اس کے شاعر کے لیے یہ ضروری نہین ہے، وہ صرف ان چیزون کو نمایان
رتا ہے جن سے جذبات متاثر ہوتے ہین، وہ مصور کی طرح تصویر کا ہر جزء نہین دکھاتا ہے مگر ایسی تصویر
ھینچتا ہے جو اصل سے بھی زیادہ دلکش اور خوبصورت نظر آتی ہے لیکن وہ قوتِ تخئیل سے کام لیکر دوسرون
کی طبائع پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کو پہلے محض ایک سرسری نظر سے دیکھا تھا،
ور بنا برین اس کا پورا حسن نظر نہ آیا تھا،

محاکات کے لیے تشبیہ کی ضرورت | محاکات کے لیے تشبیہ بہت ضروری ہے، اکثر موقعون پر تشبیہ سے جیسی اصلی تصویر دکھائی
جاسکتی ہے، دوسرے طریقہ سے ممکن نہین،

قبل اس کے کہ ہم اس سلسلہ مین قاآنی کا کلام نمونۃً پیش کرین دیکھنا یہ ہے کہ متقدمین جن کا
قاآنی مقلد ہے محاکات کی کیسی تصویر کھینچتے تھے، اور قاآنی نے اس کو کہان سے کہان پہنچایا،

دقیقی اور پھولون کی تصویر، | نمونۃً ہم دقیقی کو پہلے لیتے ہین جو سامانی دور کا شاعر ہے اور چوتھی صدی ہجری مین
گذرا ہے، ایک قصیدہ مین جو میر ابوسعید کی مدح مین ہے، خوشرنگ اور رنگ برنگ
پھولون کی تصویر یون کھینچتا ہے،

بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) الیعقوبی لکھتا ہو کہ شاپور بن اردشیر کے زمانہ مین مانی ظاہر ہوا، نور وظلمت دوقوّتی کے دو مشہور بنیادی اصول
اس کے مذہب کا سنگِ بنیاد ہین، ایک نیکی کا خدا مانا جاتا ہی اور دوسرا برائی کا، بعض کا خیال ہو کہ اس مذہب کا مواد قدیم بابلی اور
بودھ مذہب سے ماخوذ ہے، کہتے ہین کہ نقاشی اور مصوری کو وہ اپنا معجزہ بتاتا تھا اور اس نے تصویرون کا ایک مرقع تیار کیا تھا،
(تاریخ ادبیات فارسی جلد اول، براؤن) [۲] حضرت ابراہیم کے والد کا نام ہے جو بہت بڑے بت تراش تھے،

سحرگاہان کہ باد برزم جنبید   بجنبانند درخت سرخ واصفر (زرد)

تو پنداری کہ از گردون ستارہ   ھمی بارید ہ بر دیبای اخضر (کمخواب)

نگار اندر نگار و نون در نون   ھزاران دُر شدہ پیکر بہ پیکر

فرخی اور شاہی داغگاہ کی تصویر،

اس کے بعد ہم فرخی کے کلام کا نمونہ دیتے ہین جو سلطان محمود کے دربار کا شاعر ہے، اور اس سے پیشتر امیر ابوالمظفر چغانی کا جو سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا، مداح رہ چکا تھا، اس[1] کا ابتدائی واقعہ یہ ہے کہ فرخی فکر معاش سے بہت تنگ تھا، امیر ابوالمظفر کی قدردانی کا شہرہ سنکر بلخ پہنچا، امیر اسوقت داغگاہ مین تھا، جہان وہ سال مین ایک دفعہ بچھیڑون کا جائزہ لینے جایا کرتا تھا فرخی امیر کے مختار کل عمید اسعد سے جاکر ملا، عمید نے امتحاناً اس کے سامنے داغگاہ کا پورا نقشہ کھینچکر کہا کہ پہلے داغگاہ کی تعریف مین قصیدہ لکھکر لاؤ تو مین تم کو امیر کے دربار مین لیچلون، فرخی نے رات بھر مین قصیدہ تیار کر کے صبح کو عمید کے سامنے جاکر پڑھا، عمید سنکر دنگ رہ گیا اور فوراً امیر کے پاس لیجاکر فرخی کو یون پیش کیا کہ دقیقی کے بعد سے آج تک اس پایہ کا شاعر نہین پیدا ہوا اور کل واقعہ بیان کیا، امیر نے فرخی کو دربار مین ایک اچھی جگہ دی، جب فرخی نے امیر کو داغگاہ کی تعریف مین اپنا قصیدہ سنایا وہ بہت ہی متحیر ہوا اور نہایت خوش ہوا اور اُسے بہت کچھ انعام واکرام دیا، یہین سے فرخی کی ترقی کی ابتدا ہوئی اور اس کی امارت اور شان وشوکت رات دن بڑھنے لگی، اس قصیدہ کے چند اشعار لکھے جاتے ہین،

چون پرند نیلگون بر روی پوشد مرغزار (چادر)   پرنیان ہفت رنگ اندر سرآرد کوہسار

خاک را چون ناف آہو مشک زاید بیقیاس   بید را چون پر طوطی برگ روید بیشمار

دوش وقت صبحدم بوئے بہار آورد بار   حبذا باد شمال و خرما بوئے بہار

[1] چہار مقالہ، مقالہ دوم، صفحہ ۴۹-۴۷ مطبوعہ نولکشور پریس، لکھنو ۱۹۲۲ء،

بادگوئی مشک سودہ دارد اندر آستین   باغ گوئی لعبتانِ جلوہ دارد بر کنار

نسترن لولوئے بیضا دارد اندر مُرسلہ   ارغوان لعلِ بدخشی دارد اندر گوشوار

. . . .

باغ بوقلمون لباس و شاخ بوقلمون نمائے   آب مروارید گون و ابر مروارید بار

. . . .

سبزہ اندر سبزہ بینی چون سپہر اندر سپہر   خیمہ اندر خیمہ بینی چون حصار اندر حصار

ہر کجا خیمہ است خفتہ عاشقے با دوست مست   ہر کجا سبزہ است شادان یارے از دیدار یار

سبزہا با بانگِ چنگِ مطربانِ چرب دست   خیمہا با بانگِ نوشِ ساقیانِ مے گسار

عاشقان بوس و کنار و نیکوان ناز و عتاب   مطربان رود و سرود و خفتگان خواب و خمار

بر درِ پردہ سرائے خسرو پیروز بخت   از پئے داغ آتشے افروختہ خورشید وار

. . . .

داغہا چون شاخہائے بسدِ یاقوت رنگ   ہر یکے چون ناردانہ گشتہ اندر زیر نار

دیدگانِ خواب نادیدہ مصاف اندر مصاف   مرکبانِ داغ ناکردہ قطار اندر قطار

خسرو فرخ سیر (غلام) بر بارۂ (اسپ) دریا گذر   با کمند اندر میانِ دشت چون اسفندیار

ہمچو زلفِ نیکوانِ خورد سالہ تاب خورد   ہمچو عہدِ دوستانِ سال خوردہ استوار

میر عادل بوالمظفر شاہ با پیوستگان   شادمان و شادخوار و کامران و کامگار

ہر کرا اندر کمندِ شصت تاری درفگند   گشت نامش بر سرین و شانہ و رویش نگار

ہر چہ زین سو داغ کرد از سوئے دیگر ہدیہ داد   شاعران را با لگام و زائران را با فسار

ان اشعار میں شاعر نے شاہی داغگاہ کی تصویر اس طرح کھینچدی ہے کہ اس کا پورا نقشہ ہوبہو

آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، کمال یہ ہے کہ بلا دیکھے صرف عمید اسعد کے بیان پر محاکات کی ایسی اعلیٰ تصویر کھینچی گئی ہے کہ خود عمید اسعد اور امیر تک متحیر رہ گئے، یہان شاعر نے یہ دکھلایا ہے کہ کوسون تک سبزہ زار ہے، پہاڑ تک سبزہ پوش ہین، جابجا چشمے بہ رہے ہین، موسم بہار کی ہوائین چل رہی ہین پھولون کی مہکین آرہی ہین، ابر موتی ایسا پانی برسا رہا ہے، باغ دلہن بنا ہوا ہے، جدھر دیکھو خیمون کی قطارین چلی گئی ہین بے تکلف احباب جمع ہین، تانین اڑ رہی ہین، شراب کا دور چل رہا ہے، خیمون مین عیش و عشرت کے جلسے جمے ہوئے ہین، شاہی خیمہ کے قریب گھوڑون کو داغ دینے کے لیے آگ جل رہی ہے، بادشاہ ایک ہاتھ مین کمند لیے ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہے جس گھوڑے کی گردن مین کمند ڈال دیتا ہے وہ داغ دیا جاتا ہے اور شاعرون اور دوسرے لوگون کو انعام مین مل جاتا ہے،

زبان کی صفائی، شستگی، سلاست اور روانی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آج کی زبان معلوم ہوتی ہے، جو قاآنی کے ساتھ مختص سمجھی جاتی ہے، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو خوبیان قاآنی کے کلام کو دوسرون سے ممتاز کرتی ہین، وہی فرخی کے کلام مین جسکو صدیان گذر چکی ہین بدرجۂ اتم موجود ہین، لطیف تشبیہین، چست بندش اور خوش توانی بھی ذرا ملاحظہ ہو،

منوچہری پرندون کی حالت اور بہار کا سمان

متقدمین مین منوچہری بھی مناظرِ قدرت اس خوبی سے دکھاتا ہے کہ پورا نقشہ آنکھون کے سامنے کھنچ جاتا ہے، جہان کہین بہار کا سمان دکھایا ہے گویا فطرت کی ایک تصویر ہے جو سامنے ہے، اس وصف مین بجز قاآنی کے کوئی اس کو نہین پہنچتا، بہار کی تصویر کھینچتے ہوئے وہ جانورون اور پرندون تک کی حالت دکھاتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین ایک مسمط کے چند بند ملاحظہ ہون،

کبکانِ بے آزار کہ بر کوہ بلندند (چکور) ۔۔۔ بے قہقہہ یکبار ندیدم کہ بخندند

جز خاربنان (خارزار) جایگہِ خود نہ پسندند ۔۔۔ بر پہلو از ین نیمہ؟ ازان نیمہ بہ ندند (بھند. کہتے ہین)

ہر ساعتگی سینہ بمنقار بر ندند

چون جزع[1] بر سینہ و چون بُسد منقار

یاقوت

شنگیر زگل فاختگان بانگ بر آرند گوئی کہ سحرگاہ ہمی خواب گذارند

صبح

ماہِ سہ شبہ از بر گردن بنگارند از غالیہ بے آنکہ ہمی غالیہ دارند

ہلال

صد[2] بار بروزے دو پرہا بشمارند

چون نیم دبیرے کہ غلط کردہ باشمار

شمار

ہر ساعتگی بط سخنے چند بگوید در آب چہد جامہ دگر بار بشوید

در آب کند گردن و در آب بروید گوئی کہ مگر چیزے در آب بجوید

چون سینہ بجنباند و یک لخت بپوید

از ہر سر پرش بجہد صد دُر شہوار

دراج کند گردگیا راہِ تگا پوے از غالیہ عجمی ببر د بر سر ہر موے

ہر مان بکند بانگ نمازی بلب جوے تا سرخ کند گردن و تا سبز کند روے

در سجدہ رود خیرے بالائے خود روئے

سرخی نہ بشنگرفش و سبزی نہ بزنگار

منوچہری نے ایک دوسری جگہ بہار کی ایک نئے انداز سے تصویر کھینچی ہے، چند شعر لکھے جاتے ہین، سادہ تشبیہین، جدتِ ادا اور مناسبات لفظی و معنوی ملاحظہ ہون،

نوبہار آمد و آورد گل و یاسمنا باغ ہمچون تبت و راغ بسانِ عَدَنا

---

[1] سفید و سیاہ مہرہ [2] قمریان دن بھر مین بار بار اپنے پرون کو اس طرح گنتی ہین یعنی کھولتی ہین جیسے کوئی نو سکھیا محاسب جو بار بار حساب بھول جاتا ہو اور ہر کاغذ الٹتا پلٹتا ہو،

بوستان گوئی ہمچون بتِ فرخار شداست	مرغکان چون شمن[1] و گلبنکان چون وثنا[2]
. . . .	. . . .
کبک ناقوس زن و شارک[3] سنتور[4] زنست	فاختہ نای زن و بط شدہ طنبور زنا
پردۂ راست زند نار[5] و بر شاخ چنار	پردۂ بادہ زند قمری بر نارونا
کبک پوشیدہ یکے پیرہنِ خزِ کبود	کردہ با قیرِ (چپ) مسلسل دو برِ پیرہنا
. . . .	. . . .
فاختہ راست بکردار یکے لعب گراست	درفگندہ بگلو حلقۂ مشکین رسنا
از فروغِ گل اگر اہرمن آید برِ تو	از پری باز ندانی دو رخِ اہرمنا
نرگسِ تازہ چو چاہِ ذقنی شد بمثل	گر بود چاہ ز دینار و ز نقرہ ذقنا
چونکہ زرین قدحے بر کفِ سیمین صنمے	یا درفشندہ چراغے بمیانِ پرنا[6]
آن گلِ نار بکردارِ کفے شیترمِ[7] سرخ	بستہ اندر بر او لختے مشکِ ختنا
. . . .	. . . .
ارغوان بر طرفِ شاخ، تو پنداری راست	مرغکانند عقیقین زدہ بر بابِ زنا
. . . .	. . . .
لالہ چون مریخ اندر شدہ لختے بکسوف	گلِ دو روے چو بر ماہ سہیلِ یمنا

قاآنی، ہوا کا چلنا

اب دیکھیے قاآنی نے کن شیرین الفاظ مین ایک موقع پر بہار کا سمان کھینچے ہو
ہوا کا اٹھلا اٹھلا کر چلنا دکھایا ہے،

---

[1] بت پرست، [2] بت [3] مینا [4] ستار یا سارنگی کی طرح کا ایک باجا، [5] ایک خوش آہنگ چڑیا، [6]
ایک منقش ریشمی کپڑا [7] ایک قسم کا پودھا،

نرم نرمک نسیم زیرِ گلان می خزد　　غبغبِ این می ملکد عارضِ آن می مزد

گیسوئے این می کشد گریو نِ آن می گزد　　گہ بہ چمن می چمد گہ بہ سمن می وزد

گاہ بشاخِ درخت گہ بہ لبِ جوئبار

شاعر کہتا ہے ہلکی ہلکی ہوا آئی، پھولون مین جا گھسی، کسی پھول کا گال چوما کسی کی ٹھوڑی چو
کسی کی گردن دانت سے کاٹی، کبھی کیاریون مین کھیلی، کبھی چنبیلی کے پاس پہنچی اور یون ہی درختو
کی ٹہنیون سے اٹھکھیلیان کرتی ہوئی نہر کے کنارہ پہنچ گئی ،

کیسا نقشہ کھینچا ہے گویا متحرک تصادیر کا تماشا دکھایا ہے، یہ وہ سمان ہے جو مصور کی تصو
کے بس کا نہین ،

بہار کا عالم، بنفشہ اور لالہ کی تشبیہ

ایک دوسرے مخمس کے ایک بند مین جدتِ تشبیہ ملاحظہ ہو؛ بہار کا عالم، قوتِ
کا ابھار، خون کا جوش، ولولون کا بڑھنا تصویر کا ایک دوسرا رخ ہے جو بار
ہو چکنے کے بعد دکھایا گیا ہے ،

بنفشہ رُستہ از زمین بطرفِ جوئبارہا　　ویا گسستہ حورِ عین ز زلفِ خویش تارہا

ز سنگ اگر ندیدۂ چسان جہد شرارہا　　ببرگہائے لالہ بین میانِ لالہ زارہا

کہ چون شرارہ می جہد ز سنگ کوہسارہا

اس مخمس مین شاعر نے عالمِ بہار کا نقشہ کھینچتے ہوے جو لطیف رنگ آمیزی کی ہے وہ
اس درجہ مؤثر اور ولولہ انگیز ہے کہ کوئی کتنا ہی مردہ دل کیون نہ ہو؛ ایک دفعہ تو اس مین تروتازگی
کی نئی روح ضرور ہی دوڑ جائیگی اور اس کے قلب مین وہی کیفیت پیدا ہو جائے گی جس نے شاع
سے ایسا روح افزا مخمس کہلوایا ہے ،

کہتا ہے ندیون کے کنارے کنارے کوسون تک بنفشہ اگا ہوا چلا گیا ہے، وہ اس طرح

یا حورانِ جنت نے اپنی زلفین بکھیر دی ہین، اگر تو نے یہ منظر نہین دیکھا ہے کہ پتھر سے شرارے
ں تو آ اور لالہ زار کو دیکھ! بنفشہ کو حورون کی زلفون سے اور برگ لالہ کو شرارہ سے تشبیہ
ِ طرازی کی ہے،

اسی لالہ کے متعلق حضرت امیر خسرو ایک دوسری نوعیت سے اظہارِ خیال کر چکے ہین،
صرف تشبیہ کا فرق ہے، قاآنی نے لالہ کو شرارہ سے تشبیہ دی ہے اور امیر خسرو نے
خون سے، چنانچہ بہار کا سمان دکھلاتے ہوے کہتے ہین، جدتِ مضمون کے علاوہ
رات کے ساتھ جو مصوری کیگئی ہے ملاحظہ ہو،

ان بشگفت وروی لالہ خندان گشت باز | بر رُخِ گُل طُرّہ سنبل پریشان گشت باز
نطِّ چند بہرِ خواندنِ بلبل نوشت | بلبل آنگہ از خطِ خوبان غزل خوان گشت باز
لالہ گوئیا خواہد چکید از تیغِ کوہ | یا چکید آن خون کہ کوہ آلودہ دامان گشت باز

اسی متذکرۂ بالا مسمط کے ایک دوسرے بند مین قاآنی نے ایک نئی تصویر کھینچی
ہے، لفظی صنعتین، تشبیہ کی عمدگی، لطافت اور جدت ملاحظہ ہو،

چہ سکنم چو شد ز بر بہارِ من | کنارہ کردم از جہان چو او شد از کنارِ من
خرم آن دمے کہ یار بود یارِ من | دو زلف مشکبارِ او بچشمِ اشکبارِ من
دو چشمۂ کہ اندرو شنا کنند مارہا

ہے ایسی بہار کو کیا کرون جبکہ میری بہار یعنی میرا معشوق میرے پاس سے چلا گیا ہین
چھوڑ دیا جب وہ میرے پہلو سے اُٹھ گیا، کیا ہی اچھا زمانہ تھا جب میرا معشوق میرا
اس زمانہ کی یاد مین آٹھ آٹھ آنسو روتا ہون اور میری اشک آلود آنکھون مین محبوب
عکس ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چشمہ مین سانپ تیر رہے ہین،

ارش اور ژالہ باری کے بعد پھولون اور باغ کی تصویر	ایک جگہ کہتا ہے اور دیکھیے بارش اور اولون کے گرنے کے بعد پھولون کی اور باغ کی جو حالت ہوتی ہے اس کی کیسی سچی تصویر کھینچتا ہے،

عذارِ گل خراشیدہ خطِ ریحان تراشیدہ   زبس الماس پاشیدہ بباغ از ژالۂ بیضا

پھولون کے رخسارے موسلا دھار مینھ اور اولون سے چھل گئے ہین اور ان کے خطون کی گویا جامت ہوگئی ہے جس سے ان کا جوبن اور بھی نکھر گیا ہے، اور باغ مین سفید سفید براق اولون کی کثرت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی نے ہیرے کی کنیان مٹھیان بھر بھر کر بکھیر دی ہین، یہان "عذارِ گل خراشیدہ" اور "خطِ ریحان تراشیدہ" کے استعارے نہایت لطیف اور خوبصورت ہین اور ژالہ کی تشبیہہ نے تو جو الماس سے دیگئی ہے شعر مین جان ڈالدی ہے، ریحان کی معنوی رعایت بھی ملاحظہ ہو جس سے مضمون مین بہت لطافت آگئی ہے، علاوہ ناز بو کے پھول کے سبز پتیون اور ایک قسم کے خط کو بھی ریحان کہتے ہین،

لالہ اور قطرۂ شبنم کی اچھوتی تشبیہین	ایک قصیدہ کے دو شعر ملاحظہ ہون،

زخاک رُستہ لالہا چو بُسّدین پیالہا   ببرگ لالہ ژالہا چو در شفق ستارہا

بہار کے زمانہ مین جو سرخ پھول زمین پر کھلے ہوے ہین بالکل مونگے کے پیالون کا دھوکا دیتے ہین اور ان پھولون کی پتیون پر جو اس کے قطرے پڑے ہوئے ہین ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ستارے شفق مین چمک رہے ہین، رنگ کی شوخی کے لحاظ سے لالہ کے پھول کو مونگے کے پیالہ سے تشبیہ دینا اور لالہ کی سرخ پتیون پر اس کے قطرون کی چمک کو شفق مین ستارون کی چمک سے تشبیہ دینا کیسی اچھوتی اور موزون تشبیہین ہین،

آبشارون ن پانی کا بہنا اور نئی تشبیہ	زریزش سحابہا برآبہا حبابہا چو جوے نقرہ آبہا روان در آبشارہا بادلون کی بارش سے پانی پر جو بلبلے اٹھتے ہین وہ ٹوٹ ٹوٹ کر چاندی کی نہر کے مانند

موجین مارتے ہوتے ہوئے آبشارون مین بہ رہے ہین، جوئے نقرہ کی نئی تشبیہ ملاحظہ ہو،

ان دونون شعرون مین علی الترتیب لالہ کی اور لالہ کی پتیون پر اوس کی اور آبشارون مین پانی بہنے کی سادہ اور لطیف تشبیہون کے ذریعہ سے کیسی دلکش تصویر پیش نظر کر دی ہے،

بہار کی آمد اور فصل سرما کا اختتام جدید تشبیہین اور ایک لطیف تلمیح

اب محاکات کا ایک اور نمونہ دیکھیے اور جدت تشبیہ کی داد دیجئے،

ہلہ! نزدیک شد اے دل کہ زمستان گذرد
عہد بُستان شود و دورِ شبستان گذرد

ابر بر طرفِ چمن گریان گریان پوید،
لالہ بر صحنِ دِمن خندان خندان گذرد

ہر سحر کبک چو از راغ خرامد سوئے باغ
طفل گوئی بہ شبستان ز دبستان گذرد

مشک بپراگندہ اندر ہمہ آفاق نسیم
بسکہ بر یاسمن و سنبل و رَیحان گذرد

ساق بالا زند اندر شمرِ آب کُلنگ
(تالاب)
ہمچو بلقیس کہ بر صرحِ سلیمان گذرد

کہتا ہے اے دل آگاہ ہو قریب ہے کہ فصل سرما ختم ہو، گلگشت چمن کا وقت آرہا ہے اور خانہ نشینی کا زمانہ ختم ہو رہا ہے، ابر برستا ہوا تیزی سے باغ کی طرف جا رہا ہے اور گھورون پر بھی لالہ کے پھول کھل رہے ہین، ہر صبح جب تیتر وادیون سے باغ مین آتے ہین ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بچے مکتب سے گھر آتے ہین، نسیم نے دنیا بھر مین مشک پھیلا دی ہے کیونکہ وہ چنبیلی، سنبل اور ریحان کے پھولون پر سے گذرتی ہے، کلنگ تالاب مین اس طرح پائینچے چڑھاتا ہے جیسے بلقیس حضرت سلیمانؑ

کے شیشے والے مکان مین،

اس آخری شعر مین تلمیح یہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر ملی کہ بلقیس ملکۂ صبا کی پنڈلیون پر بڑے بڑے بال ہین تو اس کی تحقیق کے لیے دربار کے سامنے ایک ایسا بلوری فرش لگایا گیا جس سے سطحِ آب کا دھوکا ہوتا تھا، جب بلقیس انکو طلب کیا گیا تو انھون نے پانی کے خیال سے گھبرا کے دامن چڑھا لئے جس سے پنڈلیون کا کپڑا ہٹ گیا، اور اصلیت ظاہر ہو گئی، کہ غلط عیب لگایا گیا تھا، قاآنی اس واقعہ سے کام لیکر کلنگون کی تصویر یون کھینچتا ہے، کہتا ہے، کلنگ تالاب مین اس طرح پائنچے چڑھاتا ہے، جیسے بلقیس، سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ مین بلوری فرش پر پانی کے دھوکے مین پائنچے چڑھا کر احتیاط سے پانی مین اتر رہی ہین،

بہار کی تصویر، پرندون کے زمزمے اور نئی تشبیہین

قاآنی نے ایک جگہ بہار کا سمان کھینچا ہے، دیکھئے کس رنگ مین اور کیسے دل ربا انداز مین بہار کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے، جس سے مصور کا تصور عاجز ہے، چند اشعار ملاحظہ ہون،

نسیمِ خلد می وزد مگر ز جوئبارہا — کہ بوے مشک می دہد ہوائے مرغزارہا

فرازِ خاک و خشتہا دمیدہ سبز کشتہا — چہ کشتہا بہشتہا نہ دہ نہ صد ہزارہا

بچنگ بستہ چنگہا بنائے ہشتہ زنگہا — چکاوہا، کلنگہا، تدروہا ھزارہا

زنائے خویش فاختہ دو صد اصول ساختہ — ترانہا نواختہ چو زیر و بمِ تارہا

. . . .

فگندہ اند ہمہمہ، کشیدہ اند زمزمہ — بشاخِ سروبن ہمہ چہ کبکہا چہ سارہا

نسیمِ روضۂ ارم جہد بمغز دمبدم — ز بس دمیدہ بیش، ہم بطرفِ جوئبارہا

بہارہا، بنفشہا، شقیقہا، شگوفہا — شماہما، خجستہ ہا، اراکہا، عرارہا

. . . .

زریزش سحابہا بر آبہا حبابہا — چو جوئے نقرہ آبہا روان در آبشارہا

فراز سرو بوستان نشستہ اند قمریان — چو مقریانِ نغز خوان بزمردین منارہا

فگندہ اند غلغلہ دو صد ہزار یکدلہ — بشاخِ گل پئے گلہ ز رنجِ انتظارہا

. . . .

درین بہارِ دلنشین کہ گشتہ خاک عنبرین — زمن ربودہ عقل و دین نگارے از نگارہا

الفاظ کیا ہین چمنستان کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے جو خود اپنے منھ سے بول رہی ہے، لطفِ بیان زبان کی صفائی، روانی، ہشستگی، برجستگی اور خوش نوائی کی سحر آفرینیان خود اپنی آپ داد طلب ہین،

نظیر اکبرآبادی کے متعلق لوگ کہتے ہین کہ وہ ڈنڈا بجانے والے فقیرون پر احسان کر گیے ہین مگر ہمین شک ہے کہ شاید ہی اس قدر ترنم خیز اور نغمہ زا الفاظ ان کی کسی نظم مین ہون جو قاآنی نے استعمال کئے ہین، ذرا روانی سے پڑھیے آپ خود تال دینے لگین گے،

باغ و بہار کی دلچسپیون اور حریفانِ بادہ خوار کی مستانہ کیفیتون کی تصویر اور مرغانِ چمن کی کیفیت

اب ایک دوسرے رنگ کی بہار دیکھیے جس مین قاآنی نے باغ و بہار کی دلچسپیون اور حریفانِ بادہ خوار کی مستانہ کیفیتونکی جو تصویر کھینچی ہے وہ محاکات کا بہترین نمونہ ہے، ایک ایک جزئی حالت اس طرح ادا کی ہے کہ پورا نقشہ آنکھون کے سامنے کھنچ جاتا ہے،

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید — بہر ساعت خروشِ مرغِ زار از مرغزار آید

تو گوئی ارغنون بستند بر ہر شاخ و ہر برگے — زبس بانگِ تدرو و صُلصُل و دراج و سار[1] آید

بجوشند مغزِ جان چون بوے گل از بوستان خیزد — بپرد مرغِ دل چون بانگِ مرغ از شاخسار آید

خروشِ عندلیب و صوتِ سار و نالۂ قمری — گہے از گل گہے از سرو بن گاہ از چنار آید

[1] ایک سیاہ رنگ کی خوش آواز چڑیا،

. . . .

یکے برکف نہد لالہ کہ ترکیبِ قدح دارد — یکے بر گُل کند تحسین کزو بوئے نگار آید
یکے با دلبرِ سادہ بصحنِ بوستان گردد — یکے با ساغرِ بادہ بطرفِ جوئبار آید
یکے بیند چمن را بے تأمل مرحبا گوید — یکے بوید سمن را مات صنع کردگار آید
یکے بر لالہ پا کوبد کہ ہی ہی رنگ مے دارد — یکے از گل بوجد آید کہ بخ بخ بوئے یار آید
یکے بر سبزہ می غلطد یکے در لالہ می رقصد — یکے گاہے رود از ہش یکے گہ ہوشیار آید
ز ہر سو نوائے ارغنون و چنگ و نے خیزد — ز ہر کوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید
یکے اینجا نواز د نے یکے آنجا گسار د مے — صدا ہائے ہو و ہی ز ہر سو ہزار آید

. . . .

الا یا ساقیا مے دہ بجانِ من پیاپے دہ — دمادم ہی خورہی دہ کہ می ترسم خمار آید

شاعر کہتا ہے، بہار آگئی کیونکہ باغون سے بلبلون کی آوازین آرہی ہین اور سبزہ زارون سے ہر وقت چڑیون کے چہچہے سنائی دے رہے ہین، چکور، فاختہ، تیتر اور سار کی آوازون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹہنی اور پتے پر ارگن باجہ بندھا ہوا ہے، جب پھولون کی مہک باغ سے آتی ہے روح وجد کرتی ہے اور جب مرغانِ چمن درختون پر چہکتے ہین مرغِ دل اڑنے لگتا ہے، بلبلون کے نغمے، سار کی آوازین اور قمری کے نالے کبھی پھول، کبھی سرو اور کبھی چنار سے سنائی دیتے ہین، کوئی لالہ کے پھول کو ہاتھ مین لیتا ہے، کیونکہ اس کی صورت جامِ شراب کے مانند ہے، کوئی پھول پر عشق کر رہا ہے کیونکہ اس سے معشوق کی خوشبو آرہی ہے، کوئی اپنے محبوب کیساتھ گلگشتِ چمن مین مصروف ہے اور کوئی جام بکف نہر کے کنارے جا رہا ہے، ایک باغ کو دیکھکر بے اختیار داد دے رہا ہے، دوسرا پھول کی خوشبو سونگھ کر خدا کی صنعت مین محو ہو رہا ہے، کوئی لالہ پر پانون دے دے مارتا ہے کہ اہا ہا وہ شراب کے ہم رنگ ہے اور کوئی پھول کو دیکھکر بے حال ہوا جاتا ہے

کہ واہ وا اس سے محبوب کی خوشبو آتی ہے، کوئی لالہ پر لوٹ لگا رہا ہے اور کوئی سبزہ پر ناچ رہا ہے، کوئی بے ہوش ہوا جاتا ہے اور کوئی ہوش مین آرہا ہے، ہر طرف ارگن، چنگ اور بانسری کی آوازین آرہی ہین، ہر گلی مین بربط، طنبور اور ستار بج رہے ہین، کوئی یہان جام پر جام چڑھا رہا ہے، کوئی وہان بانسری بجا رہا ہے، ہر طرف سے ہو ہا کی آوازین آرہی ہین، ہان! اے ساقی شراب دے اور میری جان کی قسم برابر دیے جا، خود پی اور لگاتار پلائے جا کیونکہ مجھ کو ڈر ہے کہ خمار نہ آجائے،

تلخیص و تبصرہ

توارج ملثمین

عورت

اس تلخیص کا پہلا حصہ نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا تھا، اب مقتطف میں اس کا دوسرا ٹکڑا بھی آیا ہے
پہلے سے زیادہ دلچسپ ہے، اسلئے اسکی تلخیص بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہے، مضمون نگار پہلے اس قوم کی عورتوں کے متعلق لکھتا ہے

"اس قوم کی عورتیں ذہانت میں مردوں سے ممتاز ہوتی ہیں، لیکن نسوانی حسن وجمال سے بالکل بےبہرہ
ین، بلکہ اس کے برعکس حسن وجمال کا حصہ مردوں کو ملا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس قوم میں شاعرہ زیادہ تر
ورتیں ہوتی ہیں، مرد بہت کم شاعر ہوتے ہیں، کیونکہ مردوں کے حسن کی کشش عورتوں کے شاعرانہ جذبات
بھڑکاتی ہیں، اور عورتوں کی بداندامی مردوں کے شاعرانہ جذبات کو سرد کر دیتی ہے، اور غالباً اسی وجہ سے
رد ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہیں کرتے، اور پہلی عورت کو طلاق دیکر دوسری عورت کو عقد نکاح
ن نہیں لاتے، لیکن طلاق و تعدد ازدواج کی رسم کے جاری نہ ہونے کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس قوم میں عورتوں
غیر معمولی اقتدار حاصل ہے، اس لیے نکاح و طلاق کا معاملہ تمام تر ان کے ہاتھ میں ہے، لیکن باوجود اس اقتدار
ے بجز مجبورانہ صورتوں کے عورت اپنا نکاح بذات خود نہیں کر سکتی، بلکہ اس معاملے میں اپنے اوپر کسی قدر مرد
ے اثر و اقتدار کو بھی تسلیم کرتی ہے، بلکہ جو عورت عمر بھر نکاح نہیں کرتی وہ اس قوم میں بہت زیادہ قابلِ
ستائش خیال کیجاتی ہے،

اس قوم میں لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، چنانچہ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے، تو باہم

ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہین اور دعوتین کرتے ہین، اور جب وہ بالغ ہوتی ہے تب بھی جلسے کرتے ہین اور دعوتین دیتے ہین، اور اس موقع پر وہ ایک مجمع عام مین شریک ہوتی ہے، اور نوجوان لوگ بالکل نقاب پوش ہوکر اور عمدہ لباس زیب تن کرکے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرتے ہین، اور ان مین ہر نوجوان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس کا انتخاب کرے، لیکن ادب کے مارے کوئی شخص زبان سے اس خواہش کا اظہار نہین کرسکتا، بلکہ وہ خود بالکل بے پردہ مسکراتی ہوئی ان کے سامنے سے گذرتی ہے، اور جب ان مین سے کسی کا انتخاب کرلیتی ہے، تو بقیہ لوگ نہایت مایوسی کے ساتھ واپس آتے ہین، اور کامیاب شخص نہایت مسرت کے ساتھ فخر وغرور کے نشہ مین جھومتا ہوا لوٹتا ہے، اس کے بعد نکاح سے پہلے کچھ دنون تک دوستانہ زندگی بسر کرتے ہین، ایک کی دوسرے کے یہان آمد و رفت رہتی ہے اور باہم تنہائی مین ملتے جلتے رہتے ہین، پھر مجمع عام مین آکر عورت اعلان کرتی ہے کہ وہ اس کا شوہر ہے، اور اس مین تمام شریفانہ اخلاق پائے جاتے ہین، یہ شریفانہ اخلاق چند معمولی رسمی چیزین ہین، مثلاً اگر کوئی مرد اپنی بی بی کے علاوہ کسی دوسری عورت کے سامنے کھاپی لے، یا بے نقاب ہوجائے تو یہ بی بی کی سخت ناقابل معافی توہین خیال کیجاتی ہے، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ مرد عورت کے سامنے اس قسم کا کوئی کام ہی نہ کرے، اس قوم مین یہ بات اور تمام قومون کے خلاف پائی جاتی ہے، کیونکہ عرب بربر اور دوسری قومون مین اس کے برعکس یہ دستور رہے کہ عورتین ہی مردون کے سامنے کھاپی نہین سکتین، ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس قوم مین مرد جب عورت سے ملتا ہے تو نہایت عمدہ لباس اور عمدہ ہیئت مین ہوتا ہے، لیکن عورت اس سے نہایت معمولی لباس مین ملاقات کرتی ہے، اور جب باہم ملتے ہین تو صرف عشق و محبت کی باتین کرتے ہین، لیکن باوجود اس عشق و محبت کے مرد عورت کا بوسہ نہین لے سکتا کیونکہ یہ ان کے یہان نہایت ننگ و عار کا سبب ہے، بلکہ بوسے کے بجائے وہ اس کو پھول کی طرح سونگھتا ہے،

جب کوئی نوجوان لڑکی شوہر کا انتخاب کرلیتی ہے تو اس کا باپ اس کے ساتھ اس کا نکاح کردیتا ہے،

اور اس موقع پر جبوراً عورت کو زیب و زینت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس آرائش کی صورت یہ ہے، کہ وہ اپنے بالون کو کوئلہ اور زیتون کے تیل سے رنگ لیتی ہے، اور جب صبح کو سو کر اٹھتی ہے، تو یہ سیاہی اس کے چہرہ، گردن اور سینے پر پھیل کر نہایت بدنما منظر پیش کرتی ہے،

اس قوم کے بدو قبائل مین شادی و برات کا طریقہ یہ ہے کہ عورتین گاتی بجاتی ہوئی ایک میدان مین نکل جاتی ہین، اور تقریباً دس مرد اونٹون پر سوار ہو کر ناچتے ہین، آخر مین جس عورت کی شادی ہونے والی ہوتی ہے، وہ اپنے دوپٹے کو ایک چھڑی مین لٹکا کر ہلاتی ہے اور وہ شتر سوار اس کے لینے کو دوڑتے ہین، اور جو شخص اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لے لیتا ہے، اس کو بڑا فخر حاصل ہو جاتا ہے، شہری قبائل مین تنہا مرد ناچتے ہین، اور اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک مرد اپنا نیزہ ہاتھ مین لے لیتا ہے، اور ایک پانون پر کھڑے ہو کر ناچتا ہے، لیکن اس کے برعکس جزائر کے بربر اور بعض قبائل عرب بلکہ اسپین اور یورپ مین یہ دستور ہے کہ شادی و برات مین صرف عورتین ناچتی ہین، اور مرد گاتے ہین، اور اگر اسکی یہ وجہ ہے کہ عورت کی غلامی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ مرد نے اسکو ایک کھیل تماشے کی چیز سمجھ لیا تھا، اس کے ناچنے کے لیے اسکو مخصوص کر لیا تھا تو یہ ماننا پڑیگا کہ توارج کے یہان عورت کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس نے مرد ہی کو ایک کھیل تماشے کی چیز بنا لیا ہے،

عام متمدن ملکون مین نکاح کے بعد عورت گمنام ہو جاتی ہے، اور اس کو صرف مرد کے نام سے موسوم کرتے ہین مثلاً زوجۂ فلان یا مس فلان، لیکن توارج کے یہان اس کے برعکس مرد ہی گمنام ہو جاتا ہے، اور اس کو صرف اس طرح موسوم کرتے ہین، فلان عورت کا شوہر، فلان عورت کا بیٹا، فلان عورت کا باپ اور اس سے بھی عورت کے غیر معمولی اقتدار کا اندازہ ہوتا ہے،

توارج کی اجتماعی زندگی عام مسلمانون سے جن وجوہ کی بنا پر مختلف ہے، ان مین ایک یہ ہے کہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر عورتین اپنے مکان سے قریب کسی کھلی ہوئی جگہ مین نکل جاتی ہین اور ایک یا متعدد

ٹولیون مین منقسم ہوکر بیٹھ جاتی ہین، اوران مین سے ایک مغنیہ گانا بجانا شروع کرتی ہے، ان کے یہان ایک مرد بغیر نکاح کے بھی عورتون سے دوستانہ تعلقات قائم رکھ سکتا ہے اوراس کو عیب نہین خیال کیاجاتا، چنانچہ مرد بھی نقاب پوش ہوکر اورعمدہ لباس زیب تن کرکے آتے ہین، اوراپنی حبیبہ کے پہلو مین اپنا نیزہ ہلاتے ہین، اجازت ملنے پراس کے پہلو مین نہایت ادب سے بیٹھ جاتے ہین، اورادھر ادھر مطلق نہین دیکھ سکتے، جو لوگ ان مجمعون سے دور رہتے ہین وہ خاص ان کے لیے اونٹ رکھتے ہین، اورجب مجمع کے پاس پہنچتے ہین توسلام کرتے ہین، اوراونٹ بٹھاتے ہین، لیکن جب تک صدر مجلس جو ہمیشہ ایک عورت ہوتی ہے، اجازت نہ دے، اونٹ سے اترنہین سکتے، ان مجمعون مین مرد عورت کی آواز سے نہ اپنی آواز بلند کرسکتا نہ گا بجاسکتا، البتہ اگر وہ خوش گلو ہو، اورعورتین خواہش کرین، اوراس کی محبوبہ اجازت دے تو وہ گاسکتا ہے، جب رات زیادہ گذرچکتی ہے توصدر مجلس مجمع کے منتشر ہونے کاحکم دیتی ہے، اوراس وقت عاشق ومعشوق لوگون کی نگاہ سے دور کسی تنہا مقام پرملتے ہین، اوریہ خلوت صبح تک رہتی ہے، لیکن اس مین منکرات اور فواحش کی آمیزش نہین ہوتی صرف پاک محبت کا اظہار ہوتا ہے،

لباس

سخت سردی کے موسم مین اہریر کے لوگ عبابہ اورچمڑے کی ٹوپیان استعمال کرتے ہین اوران کے علاوہ اورلوگ اونی اورکوٹ پہنتے ہین، عورت اورمرد دونون کا لباس یکسان ہوتا ہے، اوروہ سوتی اورموٹے کپڑے سے تیارکیا جاتا ہے جو انگلینڈ سے آتے ہین، اوریہ لوگ ان کو نیلگون رنگ مین رنگ لیتے ہین، بلکہ جو عبابہ جس قدر زیادہ نیلی اورچمکدار ہو اسی قدر عمدہ خیال کیجاتی ہے یہ لوگ کپڑون کو بالکل نہین دھوتے، اورجب تک وہ بدن سے پھٹ کرخود اترنہ جائین اُن کو بدن سے نہین اتارتے، یہ لوگ منھ اورہاتھ پاؤن نہین دھوتے، اورنماز کے لیے صرف تیمم کرتے ہین، حالانکہ وہ مریض نہین

ـتے اور پانی موجود ہوتا ہے، یہ لوگ نہایت سادے جوتے پہنتے ہین، جو زرافہ یا نیل گاۓ
لے چمڑے کے ہوتے ہین، اوران پر ایک نرم اور منقش چمڑہ بھی لگالاتے ہین، اوراس کو شوق ونمائش
چیز سمجھتے ہین، مرد کا جوتا چوڑا اوراس کے پانون سے بڑا ہوتا ہے، لیکن عورت کا جوتا اس کے
ون ہی کے برابر ہوتا ہے، یہی حالت اور لباسون کی بھی ہے،

مردون کی نقاب بھی معمولی پہننے کے کپڑون کی ہوتی ہے، اور چمکدار اور نیلا رنگ اس کے لیے
ن لازمی ہے، مرد صرف گھر مین جب تنہا ہوتے ہین، تو نقاب کو چہرے سے اتار سکتے ہین، عورتون
لخصوص اپنی بیویون کے سامنے بے نقاب ہونا سخت عیب خیال کیا جاتا ہے، اس نقاب پوشی کی
ب وجہ تو سردی، گرمی اور غبار سے محفوظ رہنا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے لوٹ مار کے
قع پر صورت مہیب ہو جاتی ہے،

عقائد مذہبی

یہ لوگ مسلمان ہین اور صرف اپنے آپ کو سچا مسلمان سمجھتے ہین، "جانت" ان کا مقدس شہر ہے
ان کا خیال ہے کہ مکۂ معظمہ پہلے یہین ایک پہاڑ کے قریب تھا لیکن ایک روز ایک سیاہ کتّا آیا
ر اس مکہ اور آفتاب کے درمیان کھڑا ہوگیا جس سے اس پر روشنی نہ پڑ سکی، اس لیے وہ حجاز کی
ف منتقل ہوگیا، یہ لوگ اب تک اس پہاڑ کو "مکت" کہتے ہین، ان کے یہان لڑائی کے بہت سے
قعات مشہور ہین جنھین وہ اپنے بہادرون کو اوصاف الٰہی کے ساتھ متصف کرتے ہین، یہ لوگ
نوسی ہین اور شیخ سنوسی کی بڑی تعظیم کرتے ہین، البتہ عام مسلمانون کی طرح اولیاء کو خدائی درجہ
ین دیتے، اور انھون نے کفار سے یہ طریقہ سیکھا ہے کہ جب کوئی غیر مسلم مسافر آکر مساجد کی زیارت
رنا چاہتا ہے تو یہ لوگ ہر ممکن طریقہ سے اس کی جانچ پڑتال کرتے ہین، اگر وہ مرد ہوتا ہے تو
س کو وضو کرا کے مسجد مین جانے کی اجازت دیتے ہین، اور اگر تحقیقات سے عورت ثابت ہوتا ہے

تو مسجد مین جانے نہین دیتے، یہ تحقیقات اس لیے ضروری خیال کیگئی کہ بعض عورتین مردانہ لباس مین آئین، اور یہ لوگ سمجھے کہ یہ مرد ہے، جس نے ڈارھی مونچھ منڈالی ہے، اس لیے اس کو مسجد مین جانے کی اجازت دیدی، بہرحال اسی وجہ سے یورپین لوگون نے یہ غلط خیال قائم کرلیا ہے کہ مسلمان عورتون کو مسجد مین جانے کی اجازت نہین دیتے،

مذہبی حیثیت سے یہ لوگ ہر قدیم چیز کو مانتے ہین، اور جدید چیز کے منکر ہین، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ تصوف کو بدعت خیال کرتے ہین، کیونکہ اب تک اس پر اتنا زمانہ نہین گذرا ہے کہ اس کو قدامت کا شرف حاصل ہو،

ان کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع عشرہ محرم مین ہوتا ہے، جس مین وہ مختلف ٹولیان بنا کر ناچتے ہین، اور اس مین تمام قبائل باہم مقابلہ کرتے ہین، جس ٹولی کا ناچ پسند کیا جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کو دین و دنیا کی سعادت حاصل ہوگئی، بقیہ مذہبی اجتماع وہی عام مسلمانون کی عیدون کی صورت مین ہوتا ہے، البتہ وہ خطبہ کے بعد امام کو کنکری مارتے ہین، اور اس کو چومتے ہین، "ع"

اخبارِ علمیہ

شہر اریحا کا اکتشاف

توراۃ مین شہر اریحا کے نذرِ آتش کئے جانے کا تذکرہ آیا ہے جن اتفاق سے ماہرینِ تنقیب اس کے سراغ لگانے مین کامیاب ہو گئے ہین، اور نہایت سرگرمی سے کھدائی شروع ہو گئی ہے جس سے ایسے بہت سے قدیم آثار نکلتے ہین، جن سے توراۃ کی تفصیلات کی تائید و توثیق ہوتی ہے، اس کے آثار مین شمالی حصہ کے شہر پناہ کی دیوار کے کھنڈر خاص طور پر قابل ذکر ہین،

ایک نئے قسم کی عینک کی ایجاد،

جرمن ماہر چشم ڈاکٹر لیو بولڈ عائن نے ایک نئے قسم کی عینک ایجاد کی ہے، یہ آنکھون پر لگانے کے بجائے آنکھون مین پپوٹون کے اندر رکھی جائیگی، گویا اسکی حیثیت ایسی ہی ہوگی، جیسے مصنوعی دانت لگائے جاتے ہین، یہ عینک نہایت صاف شفاف اور ہلکی تیار ہوئی ہے، اس سے نہ آنکھون مین کسی قسم کی کھٹک ہوگی، اور نہ پلکون پر کوئی بار پڑیگا، البتہ ابتدا مین لگاتے وقت کسی قدر زحمت ضرور پیش آئیگی، لیکن نگاہون کے عادی ہونے کے بعد یہ بات بھی جاتی رہیگی،

یہ عینک آجکل کی مروجہ عینکون سے چند حیثیت سے قابلِ ترجیح ہے، اوّلاً اس کے زمین پر گرنے کا خطرہ نہین ہے اور نہ اس پر گرد و غبار جمنے پائیگی، آنکھون کی رطوبت سے ہر وقت دھلتی رہیگی، اس لیے خیال ہے کہ یہ زیادہ رواج پائیگی،

سینما کی تعلیم یونیورسٹی مین

مغرب مین ابتک سینما کی تعلیم و ترقی ملک کے مختلف ادارون مین ہوتی رہی ہے، مگر اب اس کو

یونیورسٹیون مین بھی داخل کیا جانے لگا ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین جنوبی کلوفورنیا کی یونیورسٹی نے سب سے پیشقدمی کی، اور اس مین اس کا ایک مستقل شعبہ کھولا گیا ہے، اس فن کے ممتاز ماہرین، بطور پروفیسر مقرر ہوے ہین، جو طلبہ کے سامنے اس موضوع پر لکچر اور محاضرات دیتے ہین،

شاہی انجمن جغرافیہ لندن کی صدسالہ جوبلی

انجمن جغرافیہ لندن کی صدسالہ جوبلی اس سال ماہ اکتوبر مین منعقد ہونے والی ہے، جوبلی کے افتتاح کے مراسم غالبًا خود شاہ انگلستان کے ہاتھون انجام پائین، ۲۱ اکتوبر کو ان کی افتتاحی تقریر ہوگی، اس کے بعد مختلف ماہرین فن کے مختلف موضوع پر خطبے ہونگے جنمین انجمن جغرافیہ کی سرگذشت، اور صدسالہ دور مین علم جغرافیہ کی عام ترقیون خصوصًا قطب جنوبی وشمالی کی مہمون اور فضائی راستونکی تخطیط وغیرہ پر تبصرہ کیے جائینگے،

گائے اور بکری کا خون

مذبوحہ جانورون کا خون بالعموم ضائع ہوجاتا ہے، لیکن اہل امریکہ نے اسکو بھی کارآمد بنا لیا ہے، چنانچہ ولایات متحدہ مین ہر سال پندرہ ملین گائین اور بکریان ذبح ہوتی ہین اور ان سے جس قدر خون نکلتا ہے اس کو مختلف مصرف مین لاتے ہین، بالعموم اس کو پیپون مین بھر کر اسکی کھاد بنائی جاتی ہے، اسی طرح اسکو ایک سرخ سیال مادہ کی صورت مین بدل کر خشک کر لیا جاتا ہے، پھر تحلیل کر کے ایک قسم کا پوڈر بنا لیا جاتا ہے جو چمڑون کے رنگنے کے کام آتا ہے، اور علاوہ ازین بعض طبی ضرورتون مین بھی اس سے کام لیا جاتا ہے،

کانون مین مصنوعی روشنی

کانکن بالخصوص کوئلے کی کانون مین کام کرنے والے مزدور سورج کی قدرتی روشنی سے بالکل محروم رہتے ہین، اور صرف برقی روشنی مین ہفتون کام کرتے ہین، یہی وجہ ہے کہ عمومًا ان کی صحت بہتر حالت مین نہین رہتی، اس بنا پر ایک امریکن عالم نے ایک خاص قسم کا چراغ ایجاد کیا ہے، جو سورج کی قدرتی روشنی کا قائم مقام ہے، اور طبی رپورٹون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی روشنی کا اثر مزدورون کی صحت پر اچھا پڑ رہا ہے، اور توقع ہے

کہ اس کا استعمال اور دوسری کانون مین بھی ہونے لگے گا،

مکھن، دودھ اور بچہ

برطانی طبی مجلس کے ڈاکٹرین نے اس کی تحقیق کیلئے کہ بچہ پہ دودھ کا کیا اثر پڑتا ہے، اس نے پانچ سو بچون کو لیا، اوران کو دو حصون مین منقسم کر دیا، ایک کو وہ ایسی غذائین کھلاتا رہا جنمین دودھ اور مکھن رہتا تھا، اور دوسرے کو ایسی غذائین دیتا رہا، جنمین یہ چیزین تھین چار برس کے بعد جو امتحان کیا گیا، نتیجہ نکلا کہ دودھ اور مکھن والی غذائین کھانے والے بچون کا وزن دوسرے کے مقابلہ مین ۴ پونڈ سے پونڈ تک زیادہ تھا، اور قد و قامت مین بھی پہلے بچے دوسرے بچون سے دو انچ سے ڈھائی انچ تک بڑے تھے،

مصر سے بصرہ تک

مصر سے بصرہ تک جہاز کے ذریعہ سے بحری سفر مین ایک مہینہ کے قریب وقت صرف ہوتا تھا مسافر مصر سے سویس، سویس سے باب المندب، وہان سے بمبئی، اور بمبئی سے بصرہ، اب شاہی ہوائی جہازون کی کمپنی نے جو ہوائی راستہ نکالا ہے اس کے ذریعہ سے یہ سفر چند گھنٹون مین طے ہوگا، لوگ مصر کے پروازگاہ مدینۃ الشمس (ہیلیو پولس) سے صبح ۵ بجے روانہ ہونگے اور شام کی چاے کے وقت غزہ، آبار رطبہ، اور بغداد ہوکر بصرہ پہنچ جائینگے،

خیالات کی قیمت

امریکہ مین اگر کوئی شخص کوئی نیا خیال یا نیا علمی نظریہ قائم کرتا ہے تو اس کی نہایت گران قیمت ملتی ہے، اور اس کے متعلق اخبارات مین بہت سے لوگ اشتہارات شائع کرتے ہین کہ وہ ان خیالات کو معقول قیمت پر خریدنا چاہتے ہین، چنانچہ ۱۹۲۸ء مین اس طرح پر جو افکار و خیالات فروخت ہوئے تھے ان کی قیمت ڈھائی ملین ڈالر تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تجارت کو روز بروز ترقی ہو رہی

ہے، کیونکہ اس سے پہلے جو خیالات فروخت ہوئے تھے ان کی قیمت اس سے ایک ملین ڈالر کم تھی،

ایک نئی روسی توپ

آج کل بالشویک کی سرخ فوج مین ایک نو ایجاد توپ کا اضافہ ہوا ہے، اس کا موجد ایک روسی دجتاریف نامی ہے، جو کسی روسی کارخانہ مین کام کرتا ہے، یہ توپ اپنے فیر کے لحاظ سے لوئس کی مشہور توپ سے بھی بازی لیگئی، لوئس کی توپ ایک منٹ مین ۱۲۵ فیر کرتی ہے، اور یہ نو ایجاد روسی توپ ایک منٹ مین ۱۵۰ فیر کرتی ہے، لوئس کی توپ کا وزن ۳۱ پونڈ تھا، اور اس کا صرف ۱۰ پونڈ ہے، اس کا طول وعرض ۶۰۰ سے ۸۰۰ میٹر تک ہے

آہنین تمدّن

آجکل دور حاضر کی مدنیت کو "تمدن آہنین" سے موسوم کیا جارہا ہے، کیونکہ لوہے کا خرچ سال بسال زیادہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۸ء مین صرف ولایات متحدہ مین کانون سے جو خام لوہا نکالا گیا، اسکی تعداد ۶۲ ملین ٹن سے زیادہ تھی، جسکی قیمت ۳۱ ملین پونڈ ہوتی ہے،

فلک بوس عمارتین

اس وقت امریکہ اس قسم کی عمارتون سے بھرا ہوا ہے جنکی بلندی کی کوئی حد نہین، سب سے عجیب بات یہ ہے کہ انکی بلندی صرف فضا ہی تک محدود نہین ہوتی، بلکہ زمین کے نیچے بھی ان کے متعدد درجے ہوتے ہین، اس قسم کی عمارتون مین اس وقت سب سے بلند عمارت کوسلر کمپنی کی ہے جسکی بلندی سطح زمین سے ۸۰۰ انچ ہے اور زمین کے نیچے کے درجون کے سوا اسکے ۶۸ درجے اوپر کے ہین، اسکے بعد ولورٹ کی عمارت کا درجہ ہے جسکی بلندی ۷۹۵ انچ ہے اور زمین کے اوپر اسکے ساٹھ درجے ہین، پھر بیمہ کمپنی کی ایک عمارت ہے جسکی بلندی ۷۰۰ انچ ہے، اور زمین کے اوپر اس کے ۵۰ درجے ہین،

علمی تجربون سے ثابت ہوتا ہے کہ ہوا بالخصوص آندھیون کے چلنے سے ان عمارتون مین حرکت پیدا ہوجاتی ہے لیکن ان مین رہنے والون کو یہ حرکت محسوس نہین ہوتی، تاہم زلزلون کا اثر ان پر وہی پڑتا ہے جو عام عمارتون پر پڑتا ہے،

"د"

ادبیات

پارہائے دل

از

جناب مرزا عزیز صاحب داراپوری لاہور

بندۂ سرمایہ داران نیستم — مدح خوانِ شہریاران نیستم

کار با صوفی ندارم زانکہ من — از گروہِ گوسفندان نیستم

کشتہ می خواہم شدن در راہِ دین — مرثیہ خوانِ امامان نیستم

آنکہ زہرِ فرقہ بازی خورد و مرد — شکر للہ آن مسلمان نیستم

قوتِ من از قوتِ بازوے خویش — بر متاعِ غیر نازان نیستم

مومن استم، ساکنِ دنیاستم — ترکی و مصری و افغان نیستم

ذرّہ ایمانم بہ از کون و مکان — مثلِ زاہد جنسِ ارزان نیستم

کاہ گیرد کاہ سازد کوہ را — بے خبر از زورِ ایمان نیستم

ہرچہ بینم پیش، دانم کردنی است — از گروہِ موشگافان نیستم

در بغل قرآن و من خوار و زبون — خاتمے دارم سلیمان نیستم

روحِ بیجان جسمِ بے تاب و توان — نیستم پیدا و پنہان نیستم

درد دارم بے تپش اے وائے من! بہرِ دردِ قوم درمان نیستم
قالبم خالی ز قلبِ زندہ یک تنم مشتِ گِلَم، جان نیستم

قیمتِ دِل کس نمی یابد ز حُسن بندِ دامِ حُسنِ خوبان نیستم
جان براہِ جانِ جان دادن بقاست درتلاشِ آبِ حیوان نیستم
درگلستانِ جہان چون نرگسم این نگردانم کہ حیران نیستم
جان بنالد" در غلامی سوختم" دل بگوید، "زیرِ فرمان نیستم"
باغِ من پُر لالہ و بے سبزہ است اشکِ خونم، ابرِ نیسان نیستم
رازِ عشقم، عقدۂ لاینحلم در جہان یک کارِ آسان نیستم
ماسوا را وا بسوزد سوزِ دل عاشقم، بے برگ و سامان نیستم
دل بدامانم کہ گیرم دامنت اے گُلِ من گل بدامان نیستم
زندہ از شورِ جنونم شہرہا ذرّۂ دشت و بیابان نیستم
از سکون بیزار و بیہم بیقرار موجم و کمتر ز طوفان نیستم
نغمہ ام پُر درد و پُر سوز است و تلخ بلبلے ہستم خوش الحان نیستم

پارہ ہائے دِل بقرطاس آورم
اے عزیزِ من غزل خوان نیستم

شعاعِ شمسؔ

از نواب زادہ سید شمس الحسن صاحب شمسؔ بی اے خلف شمس العلما، نواب سید محمد علی حسن خان لکھنؤ،

مدت ہوئی ہے دید کا ارمان کئے ہوئے دل کو حریفِ لذتِ حرمان کئے ہوئے

برسون ہوئے ہین درد کا درمان کئے ہوے
رگ رگ مین نیشِ عشق کو پنہان کئے ہوے

پھر کر رہا ہے آتشِ دل کوئی مشتعل
ہر داغِ دل کو شمعِ شبستان کئے ہوئے

پھر جی مین ہی کہ کیجئے عرضِ متاعِ شوق
خونِ جگر کو زینتِ دامان کیے ہوئے

پھر لے رہا ہون درسِ محبت جنون سے مین
شیرازۂ حواس پریشان کیے ہوئے

اے دل تجھے نوید کہ قاتل چلا ہے آج
تیغِ شعاعِ حسن کو عریان کیے ہوئے

پھر کر رہا ہے خونِ تمنا ستم شعار
دل کو سپردِ دشنۂ مژگان کیے ہوے

پھر آرہا ہے آج وہ رشکِ صد آفتاب
ہر ذرہ ہاے راہ کو رخشان کیے ہوئے

اے دل ابھی گئین نہ تری کفر خیزیان
مدت ہوئی اگرچہ مسلمان کیے ہوے

بَابُ التَّقْرِيْظِ وَالْاِنْتِقَادِ

اسلامی کارنامے

مؤلفہ

جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی

از سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین،

حجم ۱۳۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت مجلد عہ پتہ: مسلم بکڈپو پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی چند سال سے اسلامی علوم و تاریخ کی خدمت مین مصروف ہین اور ان کے مختلف چھوٹے چھوٹے رسالے "اسلامی مساوات" "اسلام اور غیر مسلم" اور "اسلام اور غلامی" وغیرہ شائع ہو چکے ہین، اور اس سلسلہ مین ان کا آخری کارنامہ زیر تبصرہ رسالہ "اسلامی کارنامے" ہے، جس مین اسلام کی تمدنی ترقیون کو نہایت خوبی سے پیش کیا گیا ہے، رسالہ حسب ذیل ابواب، "فتوحات اسلامی" "مسلمانون کے علمی کارنامے" "اسلامی صنعت و حرفت" اور "اسلامی عمارتین" مین منقسم ہے، جن کے مباحث کا اندازہ اپنے اپنے عنوان سے ہو جاتا ہے، رسالہ مین بغداد، دمشق، اور الحمرا، وغیرہ کی تصویرین جا بجا اپنے اپنے موقع سے منسلک ہین، اور رسالہ کے آغاز مین مولانا مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم اے ڈائرکٹر محکمہ تعلیمات ریاست بھوپال کا ایک مختصر مقدمہ اور آخر مین رسالہ کے سال طباعت کے قطعات تاریخ منسلک ہین،

جناب مؤلف ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ اپنے اس مختصر سے مجموعہ کو ایسا گلدستہ بنا کر پیش کیا،
ں مین اسلام کی تمدنی ترقیون کے رنگ برنگ کے پھول اپنے اپنے موقع پر چنے ہوئے ہین، اور جس کی
بل اہم خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف کو اس کی آراستگی مین صرف اردو علم تاریخ وادب کے گلشن سے خوشہ چینی
رنی پڑی، لیکن کمال دیانتداری سے اردو کتابون کے حوالے بھی دیدیئے گئے ہین، جسکو اب تک
ارے "مصنفین" اپنے شایانِ شان نہین سمجھتے ہین، لیکن اگر ان حوالون کے ساتھ ساتھ مؤلف "اسلامی
رنامے" اپنے ماخذون کے حوالے مین کوئی خاص فرق و امتیاز نہ رکھتے تو زیادہ مناسب تھا، کیونکہ بظاہر
نظر آتا ہے کہ اردو کی صرف انھی کتابون کے حوالے درج کیے گئے ہین جو کسی غیر زبان سے منتقل ہو کر آئی ہین،
انچہ تمدنِ عرب موسیو لیبان، اخبار الاندلس مسٹر اسکاٹ اور علوم عرب جرجی زیدان وغیرہ کے حوالے
بے تکلفی سے درج کئے گئے ہین، لیکن انھی کے پہلو بہ پہلو اردو کے بعض ممتاز اہل قلم کی بعض کتابون اور
ضامین سے معلومات لیے گئے ہین، لیکن وہ بغیر کسی استناد کے درج کر دیے گئے ہین، جسکی وجہ سے رسالہ
کے اہم مباحث خصوصاً پہلا باب "فتوحات اسلامی" اور پھر "اسلامی مدارس" "اسلامی شفا خانے" اور
سلامی کتب خانے" وغیرہ اپنے ماخذ کے لیے تشنہ رہ گئے ہین، یہی صورتِ واقعہ "اسلامی صنعت و حرفت"
ور آخری باب "اسلامی عمارتین" مین ہے، حالانکہ اس کے ایک ایک بیان کو حوالہ سے ہونا چاہیے تھا،
صوصاً "دوربین" اور "ہوائی جہاز" وغیرہ کی ایجاد کو عہد اسلامی مین بغیر کسی حوالہ کے بتانا موزون نہ تھا،
س موقع پر جناب مؤلف سے ان تمام معلومات مین جزوی حوالہ کا صرف اس لیے مطالبہ ہوا کہ رسالہ
ی یکسانیت قائم رکھی جاتی، اس لیے اگر حوالے تھے تو سب کے ہوتے ورنہ درحقیقت ایسے مختصر رسالون
ین کسی حوالہ کی چندان کوئی ضرورت بھی نہین تھی، محض "عرض حال" مین حوالونکا جو اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے وہ کافی تھا،
اس کے بعد ایک خاص امر جو جناب مؤلف کی خدمت مین پیش کرنا ہے وہ یہ کہ ترتیب کتاب
کے وقت مؤلف کا یہ ایک نہایت نازک فریضہ ہوتا ہے کہ ماخذون کے مطالب نہایت حزم و احتیاط

سے اس طرح سمجھنے کی کوشش کیجائے کہ کتاب کا اصل منشا پورے طور پر آئینہ ہوجائے، کیونکہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف اہل قلم مختلف زاویۂ نگاہ سے قلم اٹھاتے ہین، کوئی کسی ایک پہلو کو نمایان کرتا ہے تو کوئی دوسرے پہلو کو پیش کرتا ہے، اور بسا اوقات محض طرز ادا کے اختلاف سے ایک کا بیان دوسرے سے بہ ظاہر متضاد نظر آتا ہے، جو درحقیقت ایک مسئلہ کے مختلف پہلو ہوتے ہین، اس لیے ضرورت ہوتی ہے، کہ ان تمام بیانات پر ہر ایک کے زاویۂ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے مجموعی طور پر نظر ڈالی جائے، اور اگر واقعۃً کوئی ایک بیان دوسرے کے متضاد ہو تو اون مین اپنے دلائل سے ترجیح دیجائے، ورنہ سب کے بیانات سامنے رکھتے ہوئے، واقعہ کی ایک مرتب شکل تیار کرلیجائے، افسوس ہے کہ مؤلف "اسلامی کارنامے" نے یہ اصول پیش نظر نہین رکھا، اور اپنے ماخذ پر ایسی سرسری نظر ڈالی کہ دو مختلف کتابون کے بیانات جو دراصل ایک امر واقعہ کے دو مختلف پہلو ہین، ان کو ایک دوسرے کے متضاد قرار دیدیا، اور پھر بغیر کسی معقول استدلال کے ایک دوسرے پر ترجیح دیدیگئی ہے، مثلاً مسٹر اسکاٹ اور مولانا شبلی کے بیانات مین، اندلس کی علمی و تعلیمی ترقیون کا بیان آیا ہے، مسٹر اسکاٹ وہان کی ذہنی، علمی اور تعلیمی ترقیون کا عام خاکہ کھینچتے ہین اور مولانا شبلی اپنے مضمون "اسلامی مدارس اور دارالعلوم" مین علامہ مقریزی صاحب نفح الطیب کی روایت پیش کرتے ہوئے ظاہر کرتے ہین کہ اسلامی عہد حکومت مین وہان جو نظام تعلیم جاری تھا، اس مین درس و تدریس کے لیے کوئی مستقل عمارت نہین ہوتی تھی، بلکہ قدیم اسلامی نظام تعلیم کے طریقے پر تمام چھوٹے اور بڑے مدرسے مسجدون مین قائم تھے،

مؤلف "اسلامی کارنامے" کے پیش نظر ایک طرف مولانا کا یہ بیان تھا جس کا دارومدار اندلس کے ممتاز ترین مستند مورخ مقریزی کی تصریح پر ہے، اور دوسری طرف مسٹر اسکاٹ کی کتاب اخبار الاندلس تھی جسمین نہایت شان و شکوہ سے وہان کے نظام تعلیم کا تذکرہ ملتا ہے، جس مین "یونیورسٹی" "کالج" "اسکول" "پروفیسر" "رجسٹر" اور "حاضری" وغیرہ جیسے مرعوب کن الفاظ استعمال کیے گئے

ہیں، اور سرسری مطالعہ سے بھی پریشان وشوکت الفاظ ہمارے دوست کے لیے بھی فریب وہ ثابت ہوئے

ہیں، اور وہ مقریزی اور اسکاٹ کے بیانات کو ایک دوسرے کے مخالف سمجھ کر چھ سات صفحون مین

تفصیلی اظہار رائے کر ڈالتے ہین، حالانکہ اگر ان دونوں بیانون کو دقت نظر سے دیکھا جاتا تو دونون

اپنی جگہ صحیح تھے،

مسٹر اسکاٹ وہان کی عام علمی وتعلیمی ترقیون کو بیان کر رہے ہین، اور مولانا شبلی کا موضوع بحث

صرف "اصطلاحی مدارس" ہے،

اصطلاحی مدارس سے مولانا شبلی کی مراد یہ ہے کہ "اساتذہ وطلبہ کی ایک ہیئت اجتماعی کسی ایسی

عمارت مین قائم کیگئی ہو جو محض درس وتدریس کے مقصد سے "مدرسہ" کے نام سے تعبیر ہوئی ہو"

کو پیش نظر رکھ کر مولانا فرماتے ہین :-

"اس تمام وسعت مین کسی کالج یا اسکول کا ہمکو نشان نہین ملتا"

مولانا شبلی کا یہ بیان علامہ مقریزی کے اس بیان پر مبنی ہے کہ

"تمام اسپین مین ایک بھی مدرسہ نہین ملتا، صرف مسجدون کے صحن تھے، جنہین تمام علوم وفنون

پڑھائے جاتے تھے"

لیکن اس کا ہرگز یہ مقصود نہین کہ اندلس کی علمی تعلیمی ترقیون سے انکار کیا گیا ہو کہ وہ مسٹر اسکاٹ

کی روایت کے مخالف قرار پائے، جس طرح مسٹر اسکاٹ وہان کی تعلیمی ترقیون کے مداح ہین اسیطرح

مولانا شبلی بھی معترف ہین، صرف فرق یہ ہے کہ مولانا شبلی تصریح سے زیادہ کام لیتے ہین، اور وہان کے

نظام تعلیم کے متعلق متعین طور پر اظہار فرما دیتے ہین کہ اسلامی عہد حکومت مین روز اول سے تعلیم کا جو نظام

قائم ہوا، اندلس برابر اسی پر گامزن رہا، چوتھی صدی سے قبل تمام عالم اسلامی مین بڑے سے بڑے مدرسے

مسجدون مین ہوتے تھے، پانچوین صدی کے آغاز کے ساتھ ہی خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار علاقون

مین ایک جدید نظام قائم ہوا، اور مدارس کے لیے مستقل عمارتین تعمیر ہونے لگین لیکن اندلس اپنی قدیم روش پر قائم رہا، اور وہان مدرسون کے لیے مستقل عمارتون کا رواج نہین ہونے پایا، بلکہ انھی مدارس سے جو مسجدون مین قائم تھے، وہان کی تمام علمی و تعلیمی ترقیان ہوئین، اور تنظیم اساتذہ کے فرق مراتب، اور طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے انھی مدرسون کو مجازاً اسکول، کالج اور یونیورسٹی کہہ سکتے ہین، جو درحقیقت واقعہ نفس الامر کے لحاظ سے اپنی علمی و تعلیمی خدمات مین آجکل کی موجودہ تعلیمگاہون سے کسی طرح فروتر نہین تھے اور اسی لیے اگر مسٹر اسکاٹ ان کو مجازاً یونیورسٹی، کالج اور اسکول کے نام سے یاد کرتے ہین تو وہ بھی مورد الزام نہین ہین، لیکن اگر اصطلاحی طور پر بحث کیجائے گی تو جس طرح بغداد مین مدرسہ نظامیہ قائم ہوا اندلس مین اس کی کوئی مثال نہین ملتی، اگرچہ وہی مدرسے جو وہان کی مسجدون مین قائم تھے، اپنی تعلیمی خدمات مدرسہ نظامیہ سے بھی بیش از بیش انجام دیئے ، اسلیے مولانا شبلی نے نہایت تصریح سے فرمایا کہ

"بے شبہہ قرطبہ کی علمی شہرت بغداد سے کم درجہ پر نہین، بے شبہہ یورپ کی استادی کا فخر اسپین ہی کا خاص حصہ ہے، لیکن اس وقت اصطلاحی مدارس سے بحث ہے، جس کے معنی اتنے ہی حد تک محدود ہین کہ خاص درس و تدریس کی غرض سے کوئی عمارت تیار کیگئی ہو"

لیکن مولانا شبلی کی ان تصریحات کے باوجود مولف "اسلامی کارنامے" مسٹر اسکاٹ کے مجازی الفاظ سے اس درجہ فریب خوردہ رہے کہ انھین اس پر اعتبار نہ آیا، اور مولنا کے جواب مین مسٹر اسکاٹ کی کتاب اخبار الاندلس کے طویل اقتباسات درج کر دیئے، مثلاً جنمین مسٹر اسکاٹ یون لکھتے ہین:-

"اندلس کی اسلامی یونیورسٹیون کے تمام طالب علم بلا کسی استثنا کے سائنٹفک مضامین پر مخاطبات مین شامل ہوتے تھے...... اندلس و صقلیہ کے مدارس مین یورپ کے تمام ملکون سے شوقین طالب علم تحصیل علم اور شہرت کے لیے کھنچے چلے آتے تھے"

چنانچہ اسی قسم کے اقتباسات درج کرنے کے بعد وہ آخر مین نتیجۂ بحث کے طور پر یہ الفاظ سپرد قلم کرتے ہین

"جس دار العلوم مین گیارہ ہزار طلبار کی روزانہ حاضری ہو یہ کبھی گمان کیا جا سکتا ہے کہ طلبار کو مسجدون کے صحن مین تعلیم دیجاتی ہوگی، صرف قرطبہ مین ۰۰۸ مدرسے تھے، کیونکہ اسپین کی ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ کا ہونا بھی ضرور تھا" (ص ۸۵)

اسلامی عہد حکومت کے قدیم نظام تعلیم کا صحیح مرتبہ بتا دینے کے بعد اصل یہ ہے کہ چوتھی صدی سے اسلامی نظام تعلیم مین جو تغیرات ہوئے اور پانچوین اور چھٹی صدی مین عام طور پر جدید نظام تعلیم کے ماتحت جو جو اسلامی مدرسے قائم ہوئے وہ صرف عالم اسلام کے مشرقی حصون مین قائم ہوئے دوسرے لفظون مین یون کہا جائے کہ جدید نظام تعلیم صرف خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار و زیر اثر علاقے مین رائج ہوا، اسکو مغربی ممالک اندلس اور صقلیہ وغیرہ مین قبولیت حاصل نہین ہوئی ان ممالک مین جو قدیم طرز قائم تھا وہی باقی رہا، اور اسی قسم کے مدرسون مین یورپ کے مختلف ملکون کے شوقین طلبہ آکر تحصیل علم کرتے رہے، صقلیہ کی پوری اسلامی تاریخ چھان مارئیے لیکن کسی ایک ایسی عمارت کا پتہ نہ چلیگا جو مدرسہ یا دار العلوم کے نام سے موسوم ہو، لیکن وہان کے انھی مدرسون کی علمی خدمات جو مسجدون مین قائم تھے، اس قدر وسیع ہین کہ مسٹر اسکاٹ کا یہ بیان یقیناً مبالغہ آمیزی سے پاک ہی کہ

"اندلس اور صقلیہ کے مدارس مین یورپ کے شوقین طلبہ تحصیل علم اور شہرت کے لیے کھنچے چلے آتے تھے"

یا یہ کہ

"ہیرو، ابراٹاس، تھی نیس، اقلیدس، اور بطلیموس کی کتابین ان طالبعلمون مین متداول تھین، جو بلرم (پلرمو) اور سینا (صقلیہ) کی یونیورسٹیون مین زیر تعلیم تھے"

اور باوجودیکہ مدرسے مسجدون مین قائم تھے، لیکن ان کا تعلیمی نظام اس قدر ترقی یافتہ تھا کہ صقلیہ کے صرف ایک شہر بلرم مین اساتذہ کی تعداد ۳۰۰ تھی، یاقوت لکھتا ہے،

والغالب علی اهل المدینة المعلمون فکان — اہل شہر مین زیادہ تر معلمین رہتے ہین، اور صرف

بلرم ثلثمائة معلم (معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۶) بلرم مین تین سو معلم تھے،

بغداد وغیرہ مین مدرسون کی مستقل عمارتون کا رواج چوتھی صدی مین ہو چکا تھا، اور ابن جبیر چھٹی صدی مین صقلیہ پہنچا ہے، اور دو سو برس گذر جانے کے باوجود اسکو یہان ایک بھی ایسا مدرسہ نہین ملا جو کسی مستقل عمارت مین "مدرسہ" کے نام سے قائم ہو، بلکہ جس قدر مدرسے تھے وہ سب کے سب مسجدون مین قائم تھے

بلرم کی ایک اہم خصوصیت وکثرت مساجد بھی بتائی جاتی ہے، لیکن یہ سنکر حیرت ہوگی، وہ مسجدین صرف نمازیون کے لیے نہین تھین، بلکہ طلبہ و اساتذہ کے درس و تدریس سے معمور تھین، چنانچہ وہ لکھتا ہے

اما المساجد فکثیرة لا تحصی و اکثرها محاضر لمعلمی القرآن (رحلۃ ابن جبیر ص)

لیکن مسجدین تو وہ بے شمار ہین جو زیادہ تر قرآن کی تعلیم گاہین ہین،

بلکہ ان مغربی ممالک مین مسجد کو "تعلیمگاہ" ہونے سے اس درجہ مناسبت تھی کہ اگر کسی تعلیمگاہ کی تعمیر کی ضرورت بھی پڑی تو بغداد و دمشق کے دار العلوم کے طرز پر نہین بلکہ "مسجد" کی شکل مین عمارت تعمیر کیگئی اور اس کا نام "مدرسہ" یا "دار العلوم" نہین بلکہ "مسجد" ہی قرار پایا، ابن حوقل کی روایت سے زیادہ مستند اور کون روایت ہو سکتی ہے، وہ لکھتا ہے،

وفی هذه العشرة المساجد التی ذکرتها مسجد یصلی ابو محمد الصقلی و الی جانبه بنحو عشرین خطوة مسجد لولد ابتناه لیتفقه فیه

ان دسون مسجدون مین جنکا ذکر مین نے کیا ایک مسجد ہے جس مین ابو محمد الصقلی نماز پڑھتے ہین اور اُسی کے پہلو مین ۲۰ قدم پر ایک مسجد ان کے لڑکے کے لیے بنائی گئی کہ وہ اس مین علم حاصل کرے،

اس سے یہ خود بخود آشکارا ہوتا ہے کہ ان ممالک مین تعلیمگاہ کے لیے اس طرز پر عمارت تعمیر نہین ہوتی تھی، جو مشرقی ممالک مین رواج پذیر تھی، بلکہ مسجدون مین درس و تدریس کا سلسلہ قائم تھا، اور چھوٹے بڑے تمام مدرسے مسجدون مین قائم تھے۔ اور اگر مدرسہ کے لیے کسی مستقل تعلیم گاہ کی ضرورت

ں تو "دارالعلوم" کی تعمیر کے بجائے "مسجد" تعمیر کیجاتی تھی،

آخر میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ان جزوی خردہ گیریوں کے باوجود کتاب اپنے معلومات کی یکجائی
ترتیب و تبویب کے لحاظ سے مطالعہ کے لائق ہے، زبان بھی صاف اور سلیس ہے، اگرچہ ایک دو جگہ
دلی فروگذاشتیں بھی ہوگئی ہیں، مثلاً "گھڑی کا ایجاد" لیکن اس قسم کا سہو قلم لائق التفات نہیں ہے
جناب مؤلف کو اس مفید تالیف پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

ادبی خطوط غالبؔ

مرتبہ

مرزا محمد عسکری بی، اے، لکھنوی،

مرزا غالب نے صرف اردو شاعری ہی میں ایک نئی طرز کو ایجاد کرکے انقلاب عظیم نہیں پیدا کیا،
انھوں نے قدیم نثر کا اسلوب بھی بالکل بدل دیا، اور آج موجودہ زمانہ میں اردو انشاپردازی کا جو
رہ نمونہ قائم ہوگیا ہے اس کے موجد اول درحقیقت مرزا غالب ہی ہیں، لیکن اس زمانہ میں ان کا مختصر
دیوان اس قدر مقبول عام ہوا کہ لوگ مرزا کی نثر کو بالکل بھول گئے، اور دیوان غالب کے مختلف اڈیشنوں
ہماری الماریوں کے خانوں کو اس قدر گھیر لیا کہ اردوئے معلی اور عود ہندی کے رکھنے کی ان میں جگہ
ن رہی، لیکن اب مرزا غالب کی نثر کی طرف بھی توجہ مبذول ہوئی ہے، اور سردست مرزا محمد عسکری
ے لکھنوی نے ان کے خطوط سے جو اردوئے معلی اور عود ہندی میں مندرج ہیں، صرف ادبی خطوط
نخاب کرکے ایک مجموعہ "ادبی خطوط غالب" کے نام سے شائع کیا ہے، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے
اس مجموعہ کے ابتدا میں مرزا صاحب نے ۵۳ صفحہ کا ایک مقدمہ لکھا ہے، جس میں سب سے پہلے
کے خطوط کے جمع و ترتیب کی تاریخ لکھی ہے، اور اسی سلسلے میں عود ہندی وغیرہ کی طبع و اشاعت کا
لکھا ہے، اس کے بعد مرزا کی طرز تحریر کی خصوصیات گنائی ہیں، اور مرزا سے پہلے

اور مرزا کے زمانے مین جو طرز تحریر جاری تھا اسکی متعدد مثالین مختلف لوگون کے خطوط سے جمع کی ہین، جن کے پڑھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مرزا نے اپنے خطوط کے ذریعہ سے اردو نثر کے طرز مین کیسا عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے، انھون نے اس سلسلے مین جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آج تک لوگون نے مرزا غالب کے خطوط کو جو محض اس غرض سے جمع کرکے چھپوایا ہے کہ ان کو پڑھکر لوگ ہنسین، خوش ہون، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ مرزا کی جدت طرازیون کے داد دین، مرزا کے خطوط کی شان اس سے بالاتر ہے، وہ صرف ایک مجموعۂ شوخی و ظرافت نہین ہین بلکہ ایک تاریخی اور علمی چیز ہین جن سے بہت سی مفید معلومات حاصل ہوسکتی ہین اور اگر ان حیثیتون کو پیش نظر رکھکر ان خطوط کو جمع کیا جاتا تو آج اردوے معلی اور عود ہندی اپنی موجودہ شکل سے مختلف قالب مین نظر آتین لیکن مرزا احمد عسکری صاحب نے اس مجموعے کے ذریعہ سے یہی کمی پوری کی ہے، اور صرف ان کے علمی خطوط کا انتخاب کرکے ان کی سب سے بڑی خصوصیت کو نمایان کیا ہے، چنانچہ ان خطوط کی تعداد ۹۶ ہے جو ۷۶ صفحون مین آئے ہین، اور چونکہ ایک ایک خط مین مختلف علمی باتین آگئی ہین اسلیے نمبر شمار کے بعد مختصر الفاظ مین ان کا خلاصہ لکھدیا ہے، اور اس کے بعد مختلف عنوانات قائم کرکے ان مختلف معلومات کو الگ الگ کرکے نمایان کردیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ مجموعہ خشک علمی مسائل کا مجموعہ نہین معلوم ہوتا بلکہ مرزا کی طرز تحریر کی جو خصوصیتین ہین، مثلاً شوخی و ظرافت بذلہ سنجی و بے تکلفی سب کا لطف یکسان طور پر ملتا ہے، لیکن یہ ادبی نکات جیسا کہ ایک شاعر اور محقق زبان سے توقع ہوسکتی ہے، الفاظ کی تحقیق، اور مطالب شعر کی توضیح وغیرہ سے زیادہ تعلق رکھتے ہین، اس کے ساتھ مرزا چونکہ فارسی کے شاعر ہین اور ان کے احباب و تلامذہ بھی فارسی زبان کا ذوق رکھتے ہین، اسلیے فارسی زبان اور فارسی اشعار کے متعلق اردو زبان سے زیادہ معلومات ملتی ہین،

ان خطوط کے بعد مرزا احمد عسکری صاحب نے نہایت محنت و عرق ریزی سے تقریباً سو صفحات سے زائد کا ایک ضمیمہ لکھا ہے جس مین بعض ان لوگون کے حالات جمع کئے ہین جنکے نام مرزا نے خطوط لکھے ہین،

اور درحقیقت یہ ایک نہایت عجیب چیز ہے، کیونکہ ان کے حالات کے پڑھنے سے ایک طرف تو ان خطوط کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں دوسری طرف بہت سے ایسے لوگوں کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں جو کسی اور طریقہ سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے، بہرحال اگر اس مجموعہ کے مقدمہ و ضمیمہ کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کتاب کو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت دیجا سکتی ہے، خود رقعات کا انتخاب جس دقت نظری کیساتھ کیا گیا ہے، اور ان کی توضیح و تشریح جس طریقہ پر کیگئی ہے اس کے لحاظ سے بھی یہ ایک مستقل تصنیف ہے، محض دوسرے شخص کے چند خطوط کا مجموعہ نہیں ہے، کتاب نہایت عمدہ کاغذ پر چھپی ہے، ضخامت مع مقدمہ تقریباً ۳۵۰ صفحات قیمت ۶ر مصنف سے حسب ذیل پتہ پر مل سکتی ہے،

حکیم عبدالعزیز روڈ لکھنؤ،

سیّد البشر، مؤلفہ جناب غلام محمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول سیالکوٹ حجم ۷۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت ۵ر پتہ :- مولوی نواب الدین اینڈ سنز تاجران کتب سیالکوٹ،

جناب غلام محمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول سیالکوٹ نے سیرۃ النبیؐ پر یہ کتاب سید البشر مرتب کرکے اسکول کے طلبہ کے سامنے بطور اسوۂ حسنہ پیش کی ہے، کتاب تین ابواب مین منقسم ہے، پہلا باب آپ کے سوانح حیات مین ہے، جو پوری جامعیت سے ۵۳ صفحون مین ختم ہوگیا ہے، اس کے بعد "ذاتی اخلاق" کے عنوان سے آپ کے اخلاق و عادات مختلف عنوانون کے ماتحت سبق آموز طرز ادا مین پیش کئے گئے ہین، جو بچون کے لیے مفید ہونگے، اس کے بعد "آپ کا کام" کے عنوان سے سہل، آسان اور عام فہم زبان مین آپ کی تعلیمات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے،

جناب مؤلف کتاب کے حسن ترتیب اور اسکی دوسری خوبیون کے لیے ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ بچون کے لیے یہ ایک مفید ترین خدمت انجام دی ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان خوبیون کے ساتھ اس کتاب مین زبان کی صحت کی طرف سے عام بے توجہی برتی گئی ہے، حالانکہ یہ ایسے کمسن اور ناسمجھ بچون کے ہاتھ مین جانے والی ہے جو ہر مطبوعہ تحریر کو صحیح و درست سمجھ کر اس کے اتباع کی کوشش کرتے ہین، اس لیے ایسی کتابون مین زبان کی غلطیان سخت گرفت کے قابل ہین، مثلاً محض شروع کے چند صفحون مین سے ذیل کے چند جملے بطور نمونہ پیش ہین،

ص ۵ مین ہے "اور بعض قبیلون نے عیسائی مذہب بھی اختیار کرلیا ہوا تھا"، ص ۱۳ "چونکہ اللہ تعالی نے منصب رسالت آپ کو عطا کرنا تھا" ص ۱۵ "اس زمانہ مین لوگون نے آپ کو امین کا خطاب

دیا ہوا تھا، اسی طرح اسی ص ۵ا مین پھر ہے "آپ کے ہمعصر آپ کی خوبیون کے عام طور پر قائل ہوگئے ہوے تھے"ایک طرف زبان کی یہ غلطیان ہین اور دوسری طرف اردو سیر کی ممتاز کتابون سے پیراگراف کے پیراگراف حوض یا توسین مین نہین، بلکہ اصل کتاب مین شامل کر لیے گئے ہین جس کی وجہ سے ساری کتاب کی عبارت مین باہمی تسلسل اور سلاست قائم نہین رہا ہے، مثلاً حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کا واقعہ لفظاً لفظاً الفاروق سے منقول ہے، لیکن ان خوردہ گیریون سے قطع نظر کرکے کتاب اپنے معانی و مقاصد مین نہایت کامیاب ہے، اور ہم مدارس کے عام طلبہ سے سفارش کرتے ہین کہ وہ اسکا ضرور مطالعہ کرین،

الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان، مترجمہ جناب مولوی غلام ربانی صاحب سابق نائب مدیر روزنامہ زمیندار لاہور، حجم ۱۹۴ صفحے، معارف سائز، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ، پتہ:۔ محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

یہ علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور روان ہے، علامۂ موصوف نے اس رسالہ مین علم تصوف پر بحث کرتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر سے تصوفِ اسلام کی حقیقی روح پیش کرنا چاہی ہے، اور اس سلسلہ مین "اولیاء رحمن" یعنی صوفیائے کرام اور "اولیاء شیطان" یعنی متصوفین کے متضاد مسلک پر روشنی ڈالتے ہوے علم تصوف کے مختلف نظریے زیر بحث آئے ہین، جنپر کتاب و سنت اور مختلف صوفیائے کرام مثلاً حضرت سلیمان دارانیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ اور ابو عثمان نیشاپوریؒ وغیرہ کے عقائد، اعمال اور اقوال سے سند لاتے ہوئے مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطۂ نظر سے ایک صحیح معنون مین حاملِ شریعت و طریقت اور صاحب کشف و کرامات صوفی کے اوصاف بیان کئے ہین، رسالہ اپنے موضوع اور تنوعِ مباحث کے لحاظ سے نہایت دلچسپ اور مطالعہ کے لائق ہے، اور ہم جناب محمد شریف و عبد الغنی صاحبان کے شکرگذار ہین کہ انھون نے ترجمہ کیساتھ آخر مین اصل عربی رسالہ بھی منسلک کر دیا ہے، جو ۷۹ صفحون مین آیا ہے، اور عہ دونون کی مجموعی قیمت ہے،

نغمۂ ایمانی، از جناب مولوی مرتضیٰ حسین صاحب مطہر ردولوی "فاضل شرقیات" حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی،

یہ جناب مطہر ردولوی کے دو نعتیہ ہین، جنمین موصوف نے اپنے جذبات عقیدت نظم کی صورت مین آستانِ نبوی پر صاف اور سادہ زبان مین پیش کیے ہین، ان نظمون کی یہ قابلِ ذکر خصوصیت ہے کہ یہ ان غیر معتدل عقائد اور شاعرانہ مبالغہ آمیزیون سے پاک ہین، جو کبھی کبھی نبوت والوہیت کی تفریق بھی مٹا دیتے ہین، اس مین خالص اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہوئے سیرت نبوی کی صحیح مصوری کیگئی ہے، شائقین صرف دو پیسے کے ٹکٹ بھیجکر بلاقیمت مصنف موصوف سے محلہ صوفیانہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے پتہ سے طلب کر سکتے ہین،

سلک مروارید، از مولوی حافظ حکیم محمد حسین خانصاحب سابق طبیب خاص ریاست بڑودہ حجم ۴۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط، پتہ:- آفتاب منزل بابو پور ضلع سیتاپور،

جناب مولوی حافظ حکیم محمد حسین خانصاحب، مولانا عبدالحی رحمۃ فرنگی محلی، اور حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنوی جیسے باکمال بزرگون کے فیضِ صحبت کے تربیت یافتہ اور اس وقت مغتنم زمانہ ہین، زیر تبصرہ رسالہ موصوف کے کلام کا مختصر مجموعہ ہے، جس مین مختلف عنوان "حمد" "نعت" "اعمال حسنہ و اخلاق عظیمہ" "راستی" "ایفاے عہد" "حرص و طمع" اور "قناعت" "ہمدردی" وغیرہ کے ماتحت مختلف نظمین درج ہین، طرز ادا صاف، سادہ اور سلیس ہے،

انقلاب افغانستان، از جناب ابرار حسین صاحب قادری ایم اے، ال ٹی لکچرار انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈہ حجم ۴۴ صفحے تقطیع بڑی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، پتہ:- مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علیگڈہ،

جناب ابرار حسین صاحب قادری ایم اے نے افغانستان کے موجودہ حالات کو ڈرامے کے طرز مین ترتیب دیکر "انقلاب افغانستان" کے نام سے شائع کیا ہے، اسمین شاہ امان اللہ خان کی تخت نشینی، افغانستان اور حکومت ہند کی جنگ، شاہ موصوف کا سفر یورپ، اصلاحات کے خلاف ملک مین بغاوت انگیزی، شاہ موصوف کی حکومت سے دستبرداری اور امیر عنایت اللہ خان کے برسر حکومت ہونے تک کے حالات قلمبند کیے گئے ہین، زبان صاف اور سلیس ہے، اور ڈرامے مین جو جو سین کھینچے گئے ہین، وہ بھی غیر موزون نہین ہین،

جلد بست وششم ۲۶ | ماہ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۰ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

سیرۃ نبویؐ کی چوتھی جلد بحمد اللہ کہ اب اس قابل ہوئی کہ وہ مطبع کے حوالہ کیجا سکے، یہ جلد غالباً چھ سو صفحون مین پوری ہوگی، اور ۱۹۳۱ء کے آخر آخر تک بھی چھپکر پوری ہو جائے تو غنیمت ہے، اس سے پہلے تو پوری ہی نہین ہوسکتی، آج کے مقالات مین اس کے مقدمہ کے چند صفحے صرف اس کے موضوع بحث کی تشریح کے لیے درج کیے جاتے ہین، کہ اکثر احباب اس کے متعلق دریافت فرماتے رہے ہین،

سیرۃ کی گذشتہ تیسری جلد جسمین **معجزات** پر بحث ہے، اس مین ایک باب معجزات اور فلسفۂ جدیدہ پر ہے، یہ باب جیسا کہ کتاب مذکور کے دیباچہ مین تصریح ہے، ہمارے سابق رفیق دار المصنفین مولنا عبد الباری صاحب ندوی معلم فلسفۂ جدیدہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا لکھا ہوا ہے، موصوف نے اس باب کو اس خوبی اور تحقیق سے لکھا تھا کہ اسکو تمام اہل نظر نے بالاتفاق پسند کیا، بلکہ صحیح یہ ہو کہ اس سے عقل پرست گروہ کے معتدبہ افراد کو ہدایت اور رہنمائی ملی، مگر ہمارے فاضل دوست کے مذہبی خیالات مین بعض بزرگون کے فیض سے روز بروز اصلاح و ترقی ہوتی جاتی ہے، اس لیے وہ اب اپنی ہر اس تحریر کو جو کتاب و سنت رسولؐ اور سلف صالحؒ کے مسلک سے سرمو بھی متجاوز ہو، گناہ عظیم سمجھتے ہین، اور اس کے لیے ہر کفارہ ادا کرنے کے لیے تیار ہین، بنابرین وہ اپنے اس مضمون کے متعلق یہ اعلان مناسب سمجھتے ہین کہ اس مین جو چیز ایسی ہو جو اس صحیح مسلک کے خلاف ہو وہ اس سے رجوع کرتے ہین، اور کتاب و سنت کے ٹھیٹ اور صحیح مفہوم پر قائم ہین، اور باب مذکور کے ناظرین سے بھی وہ یہی توقع کرتے ہین،

سیر الصحابہؓ کے نام سے جو سلسلہ دار المصنفین مین قائم ہے، اس کی ایک نئی جلد چھپکر تیار رہے، اسمین

مہاجرین صحابہؓ کے حالات ہین جو فتح مکہ کے قریب اسلام لائے ہین، یہ پونے چارسو صفحون مین تمام ہوئی ہے
کے مؤلف مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین ہین،

ہندوستان کا موجودہ دور مسلمانون کے لیے سخت قلق افزا ہے، رہنما مختلف الراے اور عوام غافل
بے پروا ہین، جب ان کو صحیح یا غلط نام سے جوش مین لایا جاتا ہے، تو کچھ دور دوڑتے ہین، اور پھر تھک کر بیٹھ
تے ہین، پھر ان کے جوش و غیرت کے لیے رہنما کوئی نیا تماشا کھڑا کرتے ہین، اور پھر وہ ہاتھ پاؤن جھاڑ کر کھڑے
تے ہین، سنہ سے لیکر آج تک یہی سلسلہ قائم ہے، کیا یہ زندگی کی علامت ہے؟

ہندوستان مین مسلمانون کا انتشار اور پراگندگی بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ خدا جانے آپ اسکا کیا
ب دین، ہمارے نزدیک تو بڑھ رہی ہے پچیس تیس برس مسلمان صرف ایک ایجوکیشنل کانفرنس یا ندوۃ العلما
جانتے تھے، اس کے بعد سیاسی حیثیت سے سنہ سے لیکر مسلم لیگ کو جانا اور سنہ تک یہی عالم رہا، اس کے بعد
نی انجمنون سے سیر ہوکر مجلس خلافت قائم کی اسی کیساتھ جمعیتہ العلما ربنائی گئی، چند برس انکی بہار رہی، پھر تنظیم اور تبلیغ
شور وغوغا ہوا، اور آل انڈیا تنظیم کانفرنس اور تبلیغ کانفرنس کا زور ہوا، پھر ایک مسلم لیگ کی دو مسلم لیگین ہوئین پھر ایک
فت کی دو خلافتین ہوئین، ایک جمعیتہ العلما رسے دو "جمعیتہ العلمائین" ہوئین، اب آجکل آل انڈیا مسلم کانفرنس
دور ہے، دیکھین اس ایک مسلم کانفرنس کی دو مسلم کانفرنسین کب بنتی ہین، اور ہمارے قومی کھلونون مین ایک نئے
لونے کا کب اضافہ ہوتا ہے،

مقالات

منصبِ نبوّت

سیرۃ کی چوتھی جلد کا مقدمہ

اس پیش نظر جلد کا موضوع بحث سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا چاہیئے، کہ سیرت کی کتابون مین آنحضرت صلعم کے واقعات زندگی کے اندر جو چیز سب سے زیادہ ممتاز ہو کر نظر آتی ہے، وہ غزوات اور لڑائیان ہین، لیکن یہ غزوات اور لڑائیان مقصود بالذات نہ تھین، وہ سلسلۂ دعوت مین اتفاقاً پیش آگئین، آنحضرت صلعم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، انھون نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور نہ صرف انکار کیا، بلکہ اس کے مٹانے کی کوشش کی، اس کے قبول کرنے والون کو ستایا، اور ان کو اپنے گھرون سے نکالدیا، وہ اپنی جان بچاکر دوسرے شہر کو چلے گئے، وہان ان کی دعوت نے فروغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے اسکی سچائی کو قبول کیا، یہ دیکھکر مخالفون نے ہر طرف سے یورش کی اور چاہا کہ اس جماعت کو بزور مٹا دین، اس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیرین کین، اور ان کی پرزور سازشون اور کوششون کے سیلاب کو پہاڑ بنکر روکا، اور ان کے حملون کی مدافعت کی، اس کشمکش نے لڑائی کی صورت اختیار کی، اور مدت تک قائم رہی، اور آخرکار اسلام کی کامیابی پر اس کا خاتمہ ہوا،

یہ جو کچھ ہوا اور پیش آیا وہ گو خود نہایت عجیب اور حیرت انگیز اور کرشمۂ ربانی کا پورا مظہر ہے، لیکن وہ درحقیقت آنحضرت صلعم کے اصلی اور مقصود بالذات کارنامے نہین، وہ اتفاقی حوادث ہین جو اسلام کی دعوت و اشاعت مین دشمنون کی مخالفت سے پیش آگیے، آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہین، جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے، اور وہی آپ کی سیرت مبارکہ کے اصلی واقعات اور سوانح ہین یعنی

عرب مین سرتاپا روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا، تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور اخیر شریعت کو پیش کرنا، ترانۂ توحید اور سرودِ محبت سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو معمور کرنا، تاریک خانۂ عالم کو سراج منیر بنکر بقعۂ نور بنا دینا، گمراہون کو راستہ بتانا، بھولون کو یاد دلانا، بندون کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاق فاضلہ کا سکھانا، گناہون کے دفتر کو دھونا، انسانون کو شیطانون کے دام فریب سے نکالکر فرشتون کی صف مین کھڑا کرنا، دنیا کو رفق و محبت لطف و شفقت، اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دلانا، حکمت و دانائی، پند و موعظت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر، اور قلوب و ارواح کے ویران گھرون کی ازسرِ نو آبادی، پیش نظر جلد آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ کے انھین واقعات اور کارنامون پر مشتمل ہے،

بظاہر نظر آتا ہے کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگون سے بھی انجام پاتے ہین جو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز نہین ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہین، اور سعی و محنت اور متواتر جد و جہد سے ان مین کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہین اور ان کو قعر مذلت سے نکالکر ترقی کی سطح مرتفع تک پہنچا دیتے ہین، ایسے لوگون کو **مصلح** اور ریفارمر کہتے ہین، اور ایسے بھی ہوتے ہین، جن کے منھ سے اخلاق و حکمت اور پند و موعظت کے موتی جھڑتے ہین، جنکو **حکیم** کہتے ہین، اس حالت مین ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم مین کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے کم بین ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم مین کوئی امتیاز نہین کرتے، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھین اس فرق و امتیاز کو نمایان کر دینا ضروری سمجھتے ہین،

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے، وہ بلا کسی ارادہ اور قصد کے خود بخود اپنے وجود کے اس غرض و غایت کو پورا کر رہا ہے، وہ سرِ مو اس حکم سے انحراف نہین کرتا جو اس کے خالق نے اس کے روز پیدایش سے اس کو دیا ہے، آسمان سے لیکر زمین تک ہر شے ارادہ اپنے اپنے کام مین لگا ہوا ہے، آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے وہ ہر آن اور ہر لمحہ اس مین مصروف ہے

زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے اور وہ اس کو انجام دے رہی ہے، ابر کو سیرابی اور گوہر باری کا حکم ہے وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہیں، وہ اس کام میں لگے ہیں، حیوانات کے جو کام ہیں وہ کر رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کا بھی کوئی کام ہے؟

آؤ انسان کو بھی غور سے دیکھیں! وہ بھی کھاتا، پیتا، چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا، زندگی گذارتا ہے، اور پھر مر جاتا ہے کیا اس کی زندگی کا بس اسی قدر مقصد ہے، اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا فرق؟ اور ذی ارادہ اور غیر ذی ارادہ میں کیا امتیاز؟

انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے تو بھی آفتاب اسی طرح چمکتا رہیگا، سمندر اسی طرح ابلتے رہیں گے، ہوائیں اسی طرح چلتی رہینگی، پانی اسی طرح برستا رہیگا، سبزے اسی طرح اگتے رہیں گے اور درخت اسی طرح پھلتے رہیں گے، لیکن اگر درخت نہ اگیں تو انسان کی ہستی معرض خطر میں پڑ جائے، سبزیاں نہ اگیں تو انسان بھوکا مر جائے اگر پانی نہ برسے تو انسان پیاسا تڑپ جائے، اگر ہوا نہ ہو تو انسان گھٹ کر مر جائے، اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے، اگر آفتاب نہ چمکے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے، سمندر نہ ہو تو نہ پانی برسے نہ سبزیاں اگیں، نہ انسانی غذا میسر آئے، نہ پانی برسکر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو، الغرض دنیا کی کوئی اہم ہستی اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج نہیں، لیکن انسان اپنے وجود کے لیے کارخانۂ ہستی کے ایک ایک پرزہ کا محتاج ہے، تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہیں کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض و غایت انسان کا وجود اور اسکی بقا ہے، لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے،

قرآن پاک دوسرے موجودات و مخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے،

ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (بقرہ)	اسی نے تمہارے لیے (اے انسانو!) وہ سب پیدا کیا جو زمین میں ہے،

پھر یہ بھی بتایا،

الم تران اللہ سخر لکم مافی الارض جمیعًا (حج) (اے انسان!) کیا تو غور نہین کرتا کہ زمین مین جو کچھ ہے وہ سب تمھارے کام مین اس نے لگا رکھا ہے،

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اس نے اعلان کیا،

وسخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ، اور اے انسانو!) اس نے رات اور دن کو، سورج اور چاند کو تمھارے کام مین لگایا ہے اور ستارے بھی اسکے حکم کے کام مین لگے ہین

حقیقت مین یہی ان کا کام جس کو تم ان کے فطری اور طبعی خواص اعمال اور آثار کہتے ہو اور جن کے اسباب و علل اور اغراض سے تمھارا حکیم سے حکیم اور فلاسفر سے فلاسفر بھی اسی طرح جاہل ہے جس طرح افریقہ کا ایک وحشی سے وحشی انسان، ان کا اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اطاعت اور تعمیل ہے، اور یہی ان کی زبان حال کی نماز اور تسبیح ہے،

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموات و الارض والطیر صٰفّٰت کل قد علم صلاتہ و تسبیحہ واللہ علیم بما یفعلون ہ (نور-۶) کیا تونے نہین دیکھا کہ آسمان اور زمین مین جو کوئی ہے اور اُڑتے جانور پر کھولے اسکی یاد کرتے ہین، ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی نماز اور اس کی پاکی کی یاد، اور خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے ہین،

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہین پیدا کیا گیا ہے، بلکہ وہ احساس و ارادہ جو جمادات مین معدوم، نباتات مین زیر بحث اور حیوانات مین متحرک ہے وہ انسان مین پوری طرح بیدار اور کار فرما ہے، اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار جو جمادات مین ناپید، نباتات مین مفقود حیوانات مین محدود ہے وہ انسان مین ایک حد تک وسیع ہے، اسی لیے اس کو "تکلیف" دی گئی، اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار اور مجبورانہ اطاعت الٰہی کے لیے نہین، بلکہ بالارادہ اطاعت کے لیے اس کی تخلیق ہوئی، فرمایا

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون — اور مین نے جن وانس کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری اطاعت کرین

کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہین جبتک اس کے احکام اور اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے وہ اوامر اور احکام صرف انسانی جبلت و فطرت سے دریافت نہین ہوسکتے، اور نہ جس طرح نوعی خصوصیتین جیسے ہنسنا، رونا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا وغیرہ، وحشی و متمدن تمام انسانون مین یکسان پائی جاتی ہین، اسیطرح ربانی احکام واوامر بھی افریقی ہو یا یورپی، عربی ہو کہ عجمی، متمدن ہو کہ غیر متمدن سب مین یکسان پائے جاتے، اور تعلیم کی محتاج نہ ہوتے، انبیا اور رسول وہی ہین جو اللہ تعالیٰ کے ان احکام اور اوامر کو لیکر آتے ہین اور ذوی ارادہ بندون کو ان سے آگاہ و باخبر کرتے ہین،

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کائنات کے صحیفہ کا تدریجی مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان مین جس صنف مخلوقات مین احساس، ارادہ اور اختیار کی جتنی کمی ہے اسی قدر فطرت اس کی دایہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے، اور جس حد تک احساس، ارادہ اور اختیار کا دائرہ اصناف ہستی مین بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر معلم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے، اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنے نشوونما کے لیے بیرونی غذا کے محتاج نہین، نباتات جنمین ان اوصاف کی ہستی صرف اپنی آنکھین کھولتی ہے، اس کی غذا خود اس کے پاؤن کے نیچے ہوتی ہے، اور وہ خود اڑکر اور چل کر ان تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات جنمین یہ اوصاف جاگ کر کروٹین بدلتے ہین، ان کی غذا بے جوتے بوئے، بے چنے نکھارے، بن پکے پکائے ہر قدم پر ہر وقت تیار ملتی ہے، لیکن انسان جس مین یہ تینون اوصاف بیٹھکر حکمران اور کارفرما ہوتے ہین، اس کے منھ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہین پہنچ سکتا جب تک اس کی جدوجہد، محنت، اور جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چلکر اس کے پاؤن تک نہین پہنچتا،

جہان احساس، ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اسی قدر طبیعت، فطرت اور جبلت کی اضطراری

حکومت ہے، لیکن جیسے جیسے ان تینون اوصاف کی ترقی وتکمیل ہوتی جاتی ہے طبیعت، فطرت اور جبلت کی حکومت
دائرہ کم ہوکر احساس ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے، اور حرکات و اعمال کی باگ فطرت
کے مضبوط اور ناممکن التغیر ہاتھون سے نکل کر اختیار وارادہ کے کمزور اور ہر آن بدل جانے والے ہاتھون
آجاتی ہے، جمادات ہمیشہ وہی کرینگے جو ان کو کرنا چاہیے، نباتات عموماً وہی بنینگے جو ان کو بننا چاہیے، حیوا
وہی کام انجام دینگے، جو ان کو کہدیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار، اور ارادہ پاکر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جا
اور حدود اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے، اور اپنے اس اختیار اور ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول
ہے، انبیاءؑ اور رسولؑ وہی ہین، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان ذی ارادہ اور با اختیار مخلوقات کو انکی اس ذمہ دا
کے فرائض سمجھانے کے لیے آتے ہین،

اس اختیار اور ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان مین دِل ہے، جو انسان کے سر سے لیکر پاؤن تک
کی رگ رگ، اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک ارادی جنبش وحرکت پر حکمران ہے، اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندر
عالم مین سب کچھ ہوتا اور سرانجام پاتا ہے، انبیاءؑ اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لیے آتے ہین،

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل مین قدم قدم پر ہزارون چیزون کی احتیاج ہوتی
ان چیزون کے مہیا اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان مین استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے، اور یہ استعداد و قوت فیاض
قدرت کی طرف سے پیدایش بلکہ پیدایش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم مین اسمین ودیعت رکھی جاتی ہے، یہی سبب
کہ ہر انسان مین جس قسم کا میلان ہوتا ہے اسی کی استعداد اسمین پائی جاتی ہے، کاشتکاری کے اصول ازالۂ مرض
کی تدبیرین، کھانے پکانے کے طریقے سواری کے ضروریات، رہنے سہنے کے سامان، پہننے کے کپڑے، لڑنے کے آلا
ان مین سے ہر شے کی ضرورت ہے لیکن ان کے ماسوا، انسان کے اجتماع، تمدن اور معاشرت کے ضروری اصول
ہین، جنکے بغیر آدم کے بیٹون کی جنت، دوزخ ہو جاسکتی ہے، اور جن کے بغیر اشرف المخلوقات کی یہ جماعت
جانورون کا گلہ اور درندون کا جھنڈ بنجاسکتا ہے،

انسانون کے وہ تمام کارکن طبقے ایک کاشتکار اور لوہار سے لیکر فلکیات کے ایک عالم، اور کیمسٹری کے ایک ماہر تک نوع انسانی کی خدمت اور ترقی و تکمیل کے لیے سب ضروری ہین، لیکن ان کارکنون کے کامون کی حیثیت، اہمیت اور قدر و قیمت کے مطابق ان کی ضرورت اور بزرگی کا درجہ تم متعین کرتے ہو؛ ایک کاشتکار، ایک لوہار، ایک سونار، ایک جولاہے، ایک سپاہی، ایک حاکم، ایک قاضی ایک بادشاہ، ایک طبیب ایک ماہر فن اور ایک عالم کے درمیان یقیناً تم درجہ اور رتبہ قائم کرتے ہو؛ اور اس کے قائم کرنے مین حق بجانب ہو،

کاشتکار تمھارے لیے غلہ پیدا کرتا ہے، لوہار تمھارے اوزار بناتا ہے، سونار تمھارے لیے زیور گھڑتا ہے، جولاہا تمھارے کپڑے بنتا ہے، سپاہی تمھاری حفاظت کرتا ہے، حاکم تمھاری نگہبانی کرتا ہے، قاضی تمھارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، بادشاہ تمھارے ملک کے اندر امن و امان کا ضامن ہے طبیب تمھاری جسمانی بیماریون کا معالج ہے، ایک ماہر فن اپنی صناعیون سے تمھاری ضرورتون کے لیے نت نئے تماشے بناتا ہے، اور ایک عالم تمھارے لیے کائنات کے چہرہ سے اسرار کا پردہ ہٹا کر تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے، لیکن غور کرو —— کہ وہ مرکز جو تمھارے تمام اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جد و جہد کا مرکز ہے، اور جس کا نام تمھاری زبان مین دِل ہے، کیا کوئی طبقہ اس کی نشو و نما، حفاظت، ترقی، تکمیل اور اصلاح کیلئے بھی کام کر رہا ہے، اور اگر نہین کرتا تو کیا خالقِ فطرت کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ اس کا سامان بھی کرتا، اور ایسا سمجھنا کہ اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت، نوع انسانی کے کسی کارکن طبقہ سے متعلق نہین کی ہے، کیا اسکی شانِ ربوبیت کے ساتھ سوء ظن نہین ہے

پھر وہ کون ہین جو تمھاری روٹی، تمھارے کپڑے، تمھارے جھونپڑے، تمھارے سامان اور اوزار کے خدمات نہین بجالاتے، مگر وہ ان سب کو جو تمھارے لیے روٹی تیار کرتے ہین، کپڑے بنتے ہین، جھونپڑے بناتے ہین، اور سامان اور اوزار درست کرتے ہین، اور دیگر تمام طبقات انسانی کو باہم جوڑتے اور ملاتے، اور ان کے دلون کے عالم مین اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہین، ان کے دلون سے بغض و کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہین، ان کے احساس، ارادہ اور اختیار کی باگ اون کے دل کو قابو حاصل کرنے کی

تدبیر بتاتے ہین اور ان کو حد اعتدال سے باہر پاؤن نہین نکالنے دیتے، کیا یہ کام تمھارے کاشتکار کرتے ہین؟ لوہار کرتے ہین، سونار کرتے ہین، طبیب کرتے ہین، قاضی کرتے ہین، بادشاہ کرتے ہین، فلکی کرتے ہین، کیمیادان کرتے ہین، نہین ان مین سے کوئی یہ کام نہین کرتا، اور نہ کر سکتا ہے،

یہ کام جس انسانی طبقہ سے متعلق ہے ہم اس کو نبی، رسول، اور پیغمبر کہتے ہین، ان کو براہِ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہین، ان کو صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے، مگر اس دل اور قلب و روح کی درستی کے لیے جسم و جسمانیات کی کسی قدر درستی بھی اس حد تک ان کے فرائض مین ہے، جہان تک ان کو دل اور قلب و روح کے کامون کی درستی اور اصلاح کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے،

اس مقام پر ایک شبہہ ہے اور اس کا جواب بھی ہے، شبہہ یہ ہوتا ہے کہ افراد انسان کے درمیان امن و امان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہین، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکیم بھی کرتا ہے، مگر ان کے کامون کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے، اس کو سمجھ لینا ہی اس شبہہ کا ازالہ ہے، علمی اصطلاح مین یون سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر ایک ہی موضوع پر مختلف حیثیتون سے نظر ڈالتے ہین، اور اسی اختلاف نظر سے ان کا فن بھی علحدہ علحدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزاے ترکیبی سے اگر بحث کیجاے تو کیمسٹری ہے، اگر اس کی زندگی اور اسباب زندگی سے غور کیا جائے تو بیالوجی (علم حیات) ہے، اگر اس کے دماغی قویٰ اور ان کے آثار کی تحقیق کیجاے تو سائیکالوجی (علم النفس) ہے، گر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی افعال و اعمال کے حدود کے اسباب و علل اور رض و غایت پر فکر کرو، تو یہ اتھکس (فلسفۂ اخلاق) ہے گر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کیجاے ، یہ سوشیالوجی (علم اجتماع (معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب کی جستجو کیجائے تو یہ طب ہے، یکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتون سے بحثین کی گئی ہین، اور ان سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ین، تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانی ہی سے تمامتر متعلق اور وابستہ ہین اور یہان ہین سے ہر ایک علم

وفن علیحدہ، اور ہر ایک علم وفن کے جاننے والے علیحدہ ہین،

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہون، فلاسفرون اور حکیمون کی طرح انسانون ہی کی اصلاح ہے، مگر ان مین سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہین ہے، بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زور و قوت سے بازارون، گلیون، آبادیون اور میدانون مین امن وامان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفر انسانون کے تمام اعمال وخیالات کے اسباب وعلل کی تفتیش اور ان مین نظم وتسلسل اور علت ومعلول کا ربط پیدا کرنے کا کفیل ہے، فلسفۂ اخلاق کے معلم تمھارے اخلاق وعادات کے اسباب وعلل تم کو بتاتے اور ناقابل فہم جذبات کی تشریح کرتے ہین، اس سے آگے ان کا کوئی کام نہین، حکیم اور واعظ تمھارے اعمال واخلاق کی درستی کے لیے نہایت میٹھے، پیارے اور عمدہ لفظون مین ڈھلے ہوے فقرے سناتے ہین، مگر ان مین سے کوئی نہین، جو تمھارے دلون کے امراض کا معالج ہو، تمھارے احساس، ارادہ اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمھارے اخلاق وعادات اور جذبات کے اسباب وعلل بتائے بلکہ تمھارے اخلاق وعادات اور جذبات مین خیر وشر کی تمیز کرے، اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے، بلکہ اس کے ہاتھ اور زبان مین یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم وتلقین وفیض صحبت سے تمھارے اخلاق وعادات وجذبات بلکہ احساس، ارادہ، اور اختیار کی غرض وغایت، بلکہ پورے دل کی قوتون مین انقلاب پیدا کرے، اور شر کے تخم کو دلون کی سرزمین سے نکالکر خیر کا برگ وبار پیدا کردے، نبی یہ تمام کام سرانجام دیتا ہے اور صرف ایک نقطۂ نظر سے سرانجام دیتا ہے یعنی خدا کیلئے اور خدا کی اطاعت کے لیے، وہ انسان کو اس کے احساس، ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری یاد دلاتا ہے، اور ان قوی کے مرکز یعنی دل کے پنڈولم کو خدا کے حکم سے درست کردیتا ہے،

وہ بادشاہون کی طرح صرف بازارون مجمعون اور آبادیون کا امن واطمینان نہین چاہتا بلکہ وہ لوگون کے دلون کے اندر کا امن واطمینان چاہتا ہے، وہ معلمین اخلاق کی طرح اسباب وعلل کی تلاش وتشریح کی پروا نہین کرتا بلکہ اخلاق سیئہ خواہ کسی سبب سے ہون وہ ان کی بیخکنی کرتا ہے، اور اخلاق حسنہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہون وہ انکو

انسانون کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ انسان کے بند واوہام کو توڑتا ہے، اور غلط رسوم ورواج کی بندشون کو کھولتا ہے، اور انسانون کو انسانون کی غلامی سے آزاد کرکے صرف خدا کی غلامی مین دیتا ہے،

یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم	وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اوراچھائیون
الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم	کو انکے لئے حلال اور خبیث چیزونکو حرام ٹھہراتا ہے، اوران کے اس بندھن
اصرھم والاغلال التی کانت علیھم ط (اعراف-۱۹)	اور زنجیرون کو جو ان پر ہوتی ہین، ان سے اتارتا ہے،
رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس	ایسے رسول بھیجے جو نیکون کو خوشخبری دیتے اور بدکارون کو ہشیار کرتے ہین
علی اللہ حجۃ بعد الرسل ط (نساء-۲۳)	تاکہ رسولون کے اس وعظ وتذکیر کے بعد پھر انسانون کو خدا پر الزام دینے کا
... ...	موقع نہ ملے (کہ ہم بھولے تھے تو خدا نے ہم کو کیون یاد نہ دلایا)
لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتاب	ہم نے اپنے رسولون کو کھلی ہدایتین دیکر بھیجا، اوران کیساتھ کتاب اتاری
والمیزان لیقوم الناس بالقسط (حدید-۳)	اور (عدل کی) ترازو، تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہین (اور دنیا
	امن واطمینان کی زندگی بسر کرے)

نوع انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہین ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہین بڑھتا، مگر انبیاؑ اور رسول نوع انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس لحاظ سے سامنے رکھکر کرتے ہین، کہ ان کا اثر اس کی دوبارہ کی دائمی وپائدار زندگی پر کیا پڑیگا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لیے نہین، بلکہ جسم کی خدمت روح کے لیے کرتے ہین، اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشا کے مطابق بجالاتے ہین، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسری مخلوق ہی سے نہین، بلکہ مخلوق کو خالق سے، اور خالق ہی کے لئے ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے جوڑتے ہین،

وہ صرف اچھی اچھی اور میٹھی میٹھی باتین لوگون کو نہین سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہین اور دوسرون کو عامل بناتے ہین، وہ خیال آرا شاعرون اور جھوٹے حکیمون کی طرح نہین ہوتے، جو کہتے ہین، اور کرتے نہین، دماغ

ہوتے ہین مگر دل نہین زبان ہوتے ہین مگر ہاتھ نہین،

والشعراء یتبعھم الغاوون، الم تر انھم فی کل وادٍ یھیمون — اور شاعرون کے پیرو کار گم کردہ راہ ہوتے ہین، دیکھتا نہین کہ ؤہ ہر میدان مین سرمارے

وانھم یقولون مالا یفعلون (شعراء-۱۱) — پھرتے ہین، اور یہ کہ وہ کہتے ہین جو کرتے نہین،

وہ اس دعوی کیساتھ انسانون مین آتے ہین، کہ اُنکے خالق نے جسنے اُنکے ذرہ ذرہ کا سامانِ راحت فراہم کیا ہے، اسنے ان کے قلب و روح کا سامان راحت بھی بہم پہنچایا ہے، اور مجھے اسلئے بھیجا ہو کہ مین انکے قلب و روح کیلئے یہ سامان فراہم کردن، اور اُنکے رب کا پیغام انکو سناؤن اور بتاؤن کہ وہ کیا چاہتا ہو کہ اسکے بندے اپنے احساس اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو کس طرح اس عالم مین صرف کرین کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون و اطمینان، اور امن و سعادت کی روشنی مین داخل ہون،

ھو الذی ینزل علی عبدہٖ اٰیٰت بینٰتٍ لیخرجکم من الظلمٰت الی النور ط وان اللہ بکم لرءوف رحیم (حدید-۱) — وہی خدا ہے جو اپنے (رسول) بندے پر کھلی آتین اتارتا ہو تاکہ تمکو (اے انسانو!) وہ تاریکی سے نکال کر روشنی مین لائے (اور اللہ نے ایسا اسلیے کیا) کہ وہ تمپر شفقت کرنے والا مہربان ہے

وہ بھی ایک بادشاہ کی طرح جماعتون کا انتظام کرتے ہین مگر ملک کے خراج، اور زمین آبادی کے لیے نہین بلکہ خدا کے لیے، وہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لیے مقنن کی طرح قانون بناتے ہین اور قاضی کی طرح سزا و جزا کا حکم سناتے ہین مگر انعام شاہی اور تنخواہ ماہانہ پاکر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لیے نہین بلکہ جسم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل مین، وہ بھی فلاسفر کی طرح رموز و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہین مگر تجربہ، استقراء اور قیاس سے نہین بلکہ عالم الاسرار کے مبدء علم سے فیض پاکر، وہ بھی حکیم و واعظ کی طرح پر تاثیر کلام بولتے ہین، مگر انکے مانند اپنے دل سے جوڑ کر نہین، بلکہ خدا سے سنکر، اور وہ صرف کہتے نہین بلکہ جو کہتے ہین وہ کرتے ہین اور جو کرتے ہین وہ دوسرون سے کراتے ہین، الغرض وہ خدا سے ہین، خدا سے پاتے ہین اور اسی سے سنتے ہین، اور جو اس سے سنتے ہین وہی اورون کو سناتے ہین، غرض اوپر آسمان سے ان کو جو کچھ ملتا ہے، وہی وہ نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہین،

…النجم اذا هوی، ماضل صاحبکم وماغوی،	قسم ہے اس ستارہ کی جب وہ نیچے گرے، کہ تمھارا ساتھی (پیغمبر) نہ بھولا
…ما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی،	نہ بھٹکا، اور نہ وہ نفس کی خواہش ہی سے بات کرتا ہے، وہ تو وہ ہے
…ہ شدید القوی، ذومرۃ فاستوی،	جو اسکو وحی کے ذریعہ کہا جاتا ہے، اسکو بڑی قوتوں والے نے سکھایا، طاقت والے
…ھو بالافق الاعلی،	تو وہ سیدھا ہوا، درانحالیکہ وہ آسمان کے سب سے اوپر کناروں میں تھا،
فاوحی الی عبدہ ما اوحی، ما کذب	تو اس نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی، نہ اس کے دل نے جو اس نے
…فؤاد ما رای، افتمرونہ علی	دیکھا اس کو جھوٹ کہا، کیا وہ جو دیکھتا ہے تم اس پر اس سے جھگڑتے ہو،
…یری،	. . . .
…زاغ البصر وما طغی، لقد رای	بینائی نے کجی کی اور نہ سرکشی کی، اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی
…ایت ربہ الکبری، (والنجم)	نشانیوں میں سے دیکھیں،
قل انما اتبع ما یوحی الی من ربی،	کہدے (اے پیغمبر) کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھپر میرے
…ن البصائر من ربکم وھدی و	رب کی طرف سے وحی کیجاتی ہے، یہ (اے انسانو!) تمھارے رب کی طرف سے تین بصیر
…مۃ لقوم یومنون، (اعراف، ۲۴)	ہیں اور اُنکے لیے جو ایمان رکھتے ہیں، ہدایت اور رحمت ہیں،
انہ لتنزیل رب العلمین، نزل بہ	یہ تو عالم کے پرورش کرنے والی کی طرف سے اُتارا گیا ہے، اسکو امانت
…روح الامین، علی قلبک لتکون	والی روح نے تیرے دل پر اتارا تاکہ فصیح عربی زبان میں تو
…المنذرین، بلسان عربی مبین،	ہشیار کرنے والوں میں سے ایک ہو،
(شعراء، ۱۱)	

(ناتمام)

فرمانروایانِ عرب

(۶)

بحرین

شیخ حمدون

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

بحرین بحرین خلیج فارس کا مستطیل جزیرہ ہے، اور مشرق و مغرب مین محرق اور بدیع دو چھوٹے چھوٹے جزیرے اس کے متعلق ہین، اس کا رقبہ ساڑھے چار سو مربع میل ہے، اور آبادی دو لاکھ، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی مسلمان، ہندو، یہود اور عیسائی پر مشتمل ہے، اسلامی آبادی مین شیعہ اور سنیون کے تمام فرقے ہین، شیوخ آل خلیفہ یہان کے حکمران ہین، گو یہ جزیرہ رقبہ کے لحاظ سے چھوٹا ہے مگر اپنی تاریخی اہمیت اور موتیون کے مخزن ہونے کی وجہ سے اسکو بڑی اہمیت حاصل ہے،

خلیج عجم کی عظمت خلیج عجم کو زمانہ قبل تاریخ بہت اہمیت حاصل ہے، بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہی سرزمین تہذیب و تمدن کا سب سے پہلا گہوارہ تھی، اور خلیج عجم ہی کے باشندون نے سب سے پہلے دنیا مین جہاز رانی کی بنیاد ڈالی تھی، بعضون کا یہانتک دعوی ہے، کہ فینقی بھی عرب ہی کے باشندے تھے، رولنسن نہایت مستند حوالون سے لکھتا ہے، کہ سب سے قدیم ایشیائی سلطنت خلیج عجم ہی کے دہانہ پر قائم ہوئی تھی، اور بہت سے علمائے اثریئین کا خیال ہے، کہ دجلہ اور فرات وہ مقام ہے جہان سے آدم اور حوا کی اولاد پھیلی، بعض نظریون سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، کہ فینقی مشرقی سامی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، اور سب سے پہلے بحر پیمائی تھے اور خلیج فارس یا اس کا قرب و جوار ان کا مولد و منشا تھا، ان کے ابتدائی سفر ہندوستان شام اور مصر تک محدود تھے، اس کے بعد یہ لوگ سواحل شام اور بحر روم کے راستہ سے قادش اور بلاد گال

پہنچے، اس طریقہ سے انھون نے مشرق اور مغرب اقصیٰ کے درمیان تجارتی سلسلہ قائم کیا،

بحرین کے آثار قدیمہ

بحرین کے آثار قدیمہ بھی اسکی تاریخی عظمت کے شاہد ہین اس سے کچھ فاصلہ پر ایک عظیم الشان شہر خموشان آباد ہے اور جنگل کی جھاڑیان ہزارون قبرون کو اپنے دامن مین چھپائے ہوئے ہین، یہ قبرین اتنی قدیم ہین کہ تاریخ ان پر روشنی نہین ڈال سکتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر خموشان کے سونے والے ایسے زمانہ مین دنیا مین آئے اور گئے کہ انسان نے نوشت و خواند کے لیے قلم و دوات بھی ایجاد نہ کی تھی، اس قبرستان مین متعدد قدیم مقبرے ہین ان کے علاوہ ایک عام گور غریبان ہے جس مین تقریباً ۶ ہزار قبرین ہین یہ مشرق کا سب سے بڑا قبرستان ہے اور عجب نہین کہ سب سے قدیم بھی ہو،

سخت حیرت ہے کہ اس قبرستان کی تاریخی اہمیت کے باوجود ابتک علمائے اثریات نے اسکی طرف توجہ نہین کی اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان سیاحون کے عام اور مالوف راستہ سے بالکل الگ ہے اس لیے عام طور پر لوگ اس سے ناواقف ہین ۱۸۷۹ء مین ایک انگریز سیاح ڈوروان یہان آیا تھا، اس نے ایک مدفن کا انکشاف کیا تھا، اس مین اس نے انسانی ہڈیون کے علاوہ گھوڑون کی ہڈیان کچھ برتنون کے ٹکڑے ہاتھی دانت کے ظروف اور بعض پھٹے پرانے پردے پائے تھے لیکن سیاح مذکور یہ نہین لکھتا کہ اس نے کوئی کتبہ یا کھدی ہوئی تصویرین بھی پائی تھین یا نہین اس کے بعد ۱۸۸۹ء مین دوسرا سیاح تھیوڈر بنٹ آیا اس نے مزید تلاش و جستجو سے بعض صنعتی آثار پائے جس مین سے اس نے کچھ برٹش میوزیم کی نذر کیے، ان کے متعلق آثار قدیمہ کی انجمن نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ فینقی ہین اس فیصلہ سے رولنسن کے نظریہ کی تائید ہوئی ہے اور ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرین بہت قدیم ہین کیونکہ فینقیون نے اس جزیرہ سے پانچ ہزار سال قبل ہجرت کی تھی، اس کی قدامت کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اس کی اہمیت کے باوجود یہان کوئی کتبہ یا رمزیہ نشانات کی تصاویر نہین ملتین،

ایک نظریہ

بحرین کے فینقیون کے موطن ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ایک مقدونی فوجی

افسر جسے سکندر نے ہندوستان کا راستہ تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا لکھتا ہے کہ "اسنے خلیج کے مغربی ساحل پر ایک فینقی شہر اور ایک جزیرہ دیکھا تھا جس کا نام "نیرین" تھا، غالباً نیرین عرب کا بگڑا ہوا "دارین" ہے" یہ تمام باتین اس بات کی تاریخی اور اثری دلیلین ہین، کہ فینقیون نے خلیج عجم بلکہ مشرق عرب سے بحر متوسط کی جانب نقل مکان کیا تھا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ فینقی عربون کی طرح عربی النسل تھے اور سامی تھے یا عرب خود انکی نسل سے ہین:

بہرحال اگر رولنسن کا خیال صحیح ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ فینقی عربی النسل ہین، اور اگر اسکندر کے فوجی افسر کی روایت کو تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑیگا کہ عرب فینقی الاصل ہین، غرض دونون صورتون مین یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فینقیون کا مولد و منشا خلیج عجم کے جزائر اور سواحل عرب تھے:۔

پرتگالیونکا قبضہ ابتدائے تاریخ اسلام سے لیکر تاتاریون کے ہنگامہ تک بحرین مختلف اسلامی سلطنتون اور امرائے عرب کے ماتحت رہا، آخر مین تیمور لنگ کا قبضہ ہوا، پھر جب یورپ کے جہازیون کا زمانہ آیا تو اس عہد کے مشہور پرتگالی جہازی واسکوڈی گاما نے خلیج عجم کا پتہ چلایا اور اس کے دوسرے ہم قوم الفانسو البوکرک نے مسقط مین اپنی حکومت قائم کرکے تنگنائے ہرمز پر قبضہ کرلیا اور ہندوستان پہنچنے کے لئے خلیج عجم کے سواحل اور بندرگاہون کی تلاش شروع کی اسطرح بحرین پر پرتگالی قابض ہوگئے، خلیج عجم شروع سے آج تک مشرق اور مغرب کی کنجی رہا ہے، ہندوستان مین کوئی اجنبی طاقت اسوقت تک اطمینان سے حکومت نہین کرسکتی، جبتک یہ کنجی اس کے قبضہ مین نہ ہو، ہندوستان کی تجارت کا سہل ترین راستہ یہی ہے کیونکہ بحر ہند کی بہ نسبت اس مین خطرات بہت کم ہین، اس مین اس کے جیسے ہوا کے تیز و تند طوفان نہین آتے، پھر خلیج عجم ایک محفوظ قلعہ ہے اور تنگنائے ہرمز اسکی کنجی ہے:۔

ایرانیون کا تسلط لیکن پرتگالیون کی حکومت یہان چالیس سال سے زیادہ قائم نہ رہ سکی، اس کا سبب یہ ہوا کہ انھون نے ہندوستان کے مسلمانون پر ناروا زیادتیان شروع کردین، اور بحرین کے شیعہ امراسے بھی کچھ اختلافات پیدا ہوگئے، چنانچہ گجرات کے بادشاہ نے عثمانیون سے انکے ظلم و زیادتی کی شکایت کرکے

مد طلب کی سلطان سلیمان قانونی نے ایک جنگی جہاز بھیجا اس نے ان کو ہندوستان سے نکالا، ہندوستان سے پرتگالیون کے اخراج مین ایسٹ انڈیا کمپنی کے مصالح کے لئے انگریزون کی مدد بھی شامل تھی، ترکی بیڑا پرتگالیون کو ہندوستان سے نکالنے کے بعد مسقط اور بحرین گیا، ابھی اوپر گذر چکا ہے، کہ بحرین کے شیعہ امراء اور پرتگالیون مین اختلافات پیدا ہوگئے تھے، یہ ایران کے بادشاہ شاہ عباس صفوی اول کا زمانہ تھا، شیعہ امرائنے ہم مذہبی کی بنا پر پرتگالیون کے خلاف ان سے مدد مانگی، چنانچہ شاہ عباس نے انھین پرتگالیون کے قبضہ سے چھڑایا، لیکن چھڑانے کے بعد اپنی شاہانہ حمایت کا جال بچھا دیا، اور بحرین کی حیثیت دولت ایران کے ماتحت حکومت کی ہوگئی، اس وقت سے برابر ایرانی حکومت بحرین کے عرب امراء کا تقرر کرتی رہی، تا آنکہ ۱۷۸۲ء مین شیخ احمد فاتح آل خلیفہ نے ایران کے آخری عامل شیخ نصر کو نکال کے آزاد حکومت قائم کی:-

آل خلیفہ کا قبضہ بحرین کے بالمقابل ساحل پر زبارہ مین عربون کی ایک بڑی آبادی تھی، یہان بنی عتبہ آباد تھے، اس قبیلہ کی سب سے بڑی شاخ آل خلیفہ تھے، یہ لوگ نجد مین رہتے تھے، ان کے مورث اعلی شیخ خلیفہ گیارہوین صدی ہجری کے اواخر مین کویت چلے آئے، شیخ خلیفہ کی وفات کے بعد ان کے لڑکے شیخ محمد اپنے وطن زبارہ واپس گئے، یہ نہایت متقی پاکباز اور صاحب فہم تھے، اس لئے زبارہ والون نے ان کو اپنا امیر بنا لیا، ان کے بعد ان کے لڑکے شیخ خلیفہ ثانی ان کے قائم مقام ہوئے مگر ان مین باپ کے جیسے اوصاف نہ تھے، یہ ۱۱۹۷ھ مین حج کے لئے مکہ گئے اور وہین وفات پاگئے، ان کے بعد ان کے بھائی شیخ احمد نے ان کی جگہ لی، آل خلیفہ موتیون کی تجارت کے سلسلہ مین اکثر بحرین آیا جایا کرتے تھے، اور بحرین کا غالب عنصر شیعہ ہے، یہ سب سنیون سے عناد رکھتے ہین، اتفاق سے ایک مرتبہ دونون مین کچھ اختلاف پیدا ہوا اور آل خلیفہ کے ایک خادم کو شیعون نے مار ڈالا، اسکے انتقام مین زبارہ والون نے بحرین پر حملہ کر دیا بحرین کے عامل شیخ نصر نے مدافعت کی لیکن زبارہ والون نے نہایت فاش شکست دی اور شیخ نصر کو

ور بحرین کی فوجین بھی لیتا گیا اب بحرین کا میدان بالکل صاف تھا چنانچہ سنہ ۱۱۸۳ھ مین شیخ احمد نے اس پر
خلیفہ کی آزاد حکومت قائم کردی:-

تسلط | بحرین پر قبضہ کرنے کے بعد شیخ احمد یہان اپنا حاکم مقرر کرکے اپنے مستقر قطر واپس گئے،
ن کے لڑکے سلیمان ان کے جانشین ہوئے، یہ نہایت کمزور آدمی تھے اسی زمانہ مین امیر عبد العزیز
ور ہوا، انکی فتوحات کا دائرہ احسا تک وسیع ہو چکا تھا ان کا سیلاب دیکھکر زبارہ کے عربون کو زبارہ
ی کا خطرہ پیدا ہوا تو انھون نے سلیمان کو بحرین جانے پر آمادہ کرنا شروع کیا لیکن اس درمیان
بی بڑا خطرہ پیش آگیا، سید سلطان حاکم مسقط کو بحرین کے نظام مین کچھ خرابی نظر آئی وہ اسکی اصلاح
راستہ سے جنگی بیڑا لیکر چلے، لیکن سلیمان نے اپنی کمزوری کی وجہ سے مدافعت کے بجاے اپنا ایک
ن دیکر اُن سے صلح کرلی، اور سلطان اپنی جانب سے اپنے لڑکے سعید کو بحرین کا نگران مقرر کرکے
گئے:-

ن نجدی | بنی عتبہ نے اس وقت یہ فیصلہ چارنا چار قبول کرلیا لیکن کچھ دنون کے بعد جب شیخ سلیمان
سقط مین انتقال ہوگیا تو انھون نے سلطان نجد کے ایک فوجی افسر ابراہیم بن عصیفان کی مدد سے
رین سے نکال دیا لیکن سید سعید کے اخراج کے بعد ابراہیم نے بحرین بنی عتبہ کو واپس دینے کے
پر خود قبضہ کرلیا اور بنی عتبہ کو زبارہ واپس کردیا سنہ ۱۲۲۴ھ مین عمائد بنی عتبہ کا ایک وفد سلطان نجد
زیادتی کی شکایت لیکر گیا انھون نے اس کے جواب مین ان لوگون کو احترام کے ساتھ قید کردیا
آل خلیفہ نے اپنے ننہال رشتہ دار عبد الرحمن بن راشد آل فضل کے ذریعہ سے ایرانیون کی امداد
بیٹون نے ملکر ابن عصفیان کو بحرین سے باہر کیا اور نجدی یہان سے بھاگ کر قطر پہنچے:-

بی | امیر ابن سعود کو ابن عصفیان کے بحرین سے اخراج اور آل فضل کے قبضہ کی خبر ملی تو
ان کے ان رشتہ دارون کے ذریعہ سے جو ابن سعود کی قید مین تھے، بحرین پر دوبارہ قبضہ کرنا

چاہا اور آل فضل کو دھمکی دی کہ تمھارے اعزہ ہمارے قبضہ مین ہین اور تم بحرین پر قبضہ کرنے کی جرات کرتے ہو، لیکن شیخ سلیمان کے لڑکے شیخ خلیفہ نے جواب دیا کہ بحرین ہم نے اپنے لئے لیا ہے ہمین اعزہ کی ضرورت نہین، ہم ان سے پہلے ہی ہاتھ دھو چکے، نجدی اس جواب سے بہت برہم ہوئے، اور کہلا بھیجا کہ ہم بحرین کو گھوڑون کی ٹاپون سے مسل ڈالین گے، آل خلیفہ نے بھی ایسا ہی سخت جواب دیا کہ ہم لوگ درعیہ کو زیروزبر کر دینگے، لیکن ابھی نجدی بحرین کا تختہ الٹنے نہ پائے تھے، کہ ان کے خلاف ابراہیم پاشا مصری کا طوفان اٹھا اور ان کو بحرین وغیرہ چھوڑ کر اپنا ملک بچانے کی فکر پڑ گئی اور آل خلیفہ کے قیدی بھی چھوڑ دیے اور یہ لوگ بحرین واپس آ گئے،

ارحمہ کا حملہ بحرین کے قریب قطر مین ارحمہ بن جابر نہایت آزاد اور سرکش آدمی تھا اور اس کے قبیلہ پر اس کا بڑا اثر تھا، یہ کبھی آل خلیفہ کے حلقۂ اطاعت مین نہ آیا بلکہ ہمیشہ ان کی امارت پر قبضہ جمانیکی فکر مین رہتا تھا، ابراہیم بن عصیفان بحرین سے شکست کھانے کے بعد اس کے پاس قطر پہنچا اور اس کو آل خلیفہ کے خلاف ابھار کر مشتعل کر دیا، آل خلیفہ کو اسکی خبر ملی تو ان کے جہازون نے بحر پر ہجوم کر دیا، ارحمہ اور ابن عصیفان نے بھی جنگی جہاز بڑھائے اور سطح آب پر ایک خونریز جنگ کے بعد ارحمہ کا جہاز ڈوب گیا اور ارحمہ اور ابن عصیفان تختہ کے سہارے بچ نکلے،

سلطان مسقط کا دوسرا حملہ لیکن اس شکست کے بعد بھی ارحمہ دل شکستہ نہین ہوا اور پھر ہمت کر کے سلطان مسقط سے امداد طلب کی، انھون نے وعدہ کیا اور بحرین کے بعض تاجرون کو جنہین ان کے سب سے بڑے دشمن آل فضل بھی تھے گرفتار کرا کے قید کر دیا اور بحرین والون سے خراج اور اطاعت کا مطالبہ کیا، شیخ سلیمان کے حاکم نے اس کے جواب مین کہلایا کہ ہمین قیدیون کی پرواہ نہین ہے ہم نے ان کے نام پر اپنے لڑکون کے نام رکھ لیے ہین، اس جواب پر سلطان مسقط نے جنگی بیڑے کو کوچ کا حکم دیدیا، اور یہ بڑا بحرین کے سامنے آکر لنگر انداز ہوا، لیکن تین دن تک بحرین والون کا پتہ نہ چلا تو سلطان مسقط نے

ارحمہ سے حقارۃً کہا کہ تمھارے عتوب (بنی عتبہ) مرگئے، اس موقعہ پر عربی عصبیت دیکھنے کے لائق ہے، گو ارحمہ ہی سلطان مسقط کو بنی عتبہ کے خلاف لایا تھا لیکن چونکہ خود بھی بنی عتبہ سے تعلق رکھتا تھا اسلیے اسکو اس طنز سے بہت تکلیف ہوئی اور چوتھے دن صبح کو جب بنی عتبہ کا نشان لہراتا ہوا نظر آیا تو اس نے خوشی سے چیخ کر نعرہ لگایا کہ ہمارے عتوب آگئے، اس کے بعد دونون معرکہ آرا ہوے اور سلطان مسقط شکست کھا کے واپس گیا، اور شکست کی خجالت اور غصہ مین بحرین کے قیدیون کو قتل کرنا چاہا، لیکن اس کی بہن موزہ نے شرم دلائی کہ جو شخص تمھارے ہاتھون مین قید اور تمھاری پناہ مین ہو اس کا قتل کرنا مردانگی سے بعید ہے، اگر تم کو بدلہ لینا ہے تو مقابلہ کرو، اسکی اس نصیحت پر وہ اپنے ارادہ سے باز آگیا اور دوبارہ مقابلہ کے لیے نکلا، اور اس مرتبہ بحرین والون نے صلح کر لی اور خراج دیکر اپنے قیدیون کو چھڑا لیا،

ارحمہ کا حملہ اور موت انھین ایام مین شیخ سلیمان کا انتقال ہو گیا، اور ان کے بھائی شیخ عبد اللہ ان کے جانشین ہوئے، ارحمہ ابتک زندہ تھا مگر آنکھون کی بینائی جواب دے چکی تھی، لیکن دل سے انتقام کے جذبات نہ گئے تھے، چنانچہ یہ اس حالت مین بلا کسی معاون اور حلیف کے صرف اپنے چند اہل قبیلہ کو لے کر اپنے مشہور جہاز غطروشہ پر مقابلہ کو نکلا، شیخ عبد اللہ بھی اپنا جرار لشکر لے کر بڑھے، اور قطیف کے بندرگاہ پر اس نابینا بہادر کو گھیر لیا، ارحمہ ایک مقام پر بیٹھا ہوا حملہ آور جہاز کے متعلق سوالات پوچھ پوچھ کر جنگ کے متعلق ہدایات دیتا تھا، اور گولیان ہر طرف برس رہی تھین، ایک گولی ارحمہ کے لگی اور کام تمام کر گئی، اس کے لڑکے نے مردہ باپ کو گود مین لیا اور بارود کے خزانہ مین آگ دیدی، آگ دیتے ہی شعلے بھڑکے اور جہاز جل کر تہ نشین ہو گیا، پھر اس کے ایک دوسرے لڑکے نے انتقام لینا چاہا مگر شیخ عبد اللہ نے شکست دی،

خانہ جنگی شیخ عبد اللہ کی ان کامیابیون نے اس کے حوصلہ بہت بڑھا دیے، چنانچہ یہ نجدی حدود حکومت کی طرف بڑھا اور دارین تاروت لیتا ہوا سیہات تک پہنچ گیا تھا، کہ خود اس کے گھر مین خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھی، اس کا یہ سبب ہوا، کہ شیخ عبد اللہ کے دس اولادین تھین، ان مین سے ۳ کی مان آل بنی علی سے

تھی، ان تینون نے اپنے نانہال والون کی مدد سے اپنے باپ کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہا، شیخ عبداللہ نے شیخ محمد کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا، اس نے حویلہ مین انکو شکست دی، شکست کے بعد تینون لڑکون نے ندامت ظاہر کی اور شیخ عبداللہ نے انھین معاف کر دیا، یہ شورش تو فرو ہو گئی، لیکن شیخ محمد نے ان کو شکست دینے کے بعد شیخ عبداللہ کے خلاف صف آرائی کر دی اور محرق مین اس کو گھیر لیا، آخر مین شیخ عبداللہ کے دو بھتیجون نے اسکو شکست دیکر اس کا زور توڑا،

متفقہ حملہ اور شیخ عبداللہ کی موت

شیخ محمد نے شکست کھانے کے بعد اپنے بھائی شیخ علی کو مامور کیا کہ وہ لوگون کو در پردہ شیخ عبداللہ کے خلاف برانگیختہ کرے، چنانچہ یہ پہلے نجد آیا، یہان اس کو ناکامی ہوئی تو آل ابراہیم بن عصیفان کے پاس پہنچا، یہ لوگ اپنے باپ ابراہیم کی وجہ سے پہلے ہی سے شیخ عبداللہ کے مخالف تھے، اور جزیرہ قیس کے باشندون کو بحرین والون کے خلاف جنگ پر آمادہ کر رہے تھے، اس لیے شیخ علی کی درخواست نہایت خندہ پیشانی سے قبول کر لی، شیخ عبداللہ کا دوسرا دشمن بشر بن ارحمہ جو ایک مرتبہ ان سے شکست کھا چکا تھا، فائدہ اٹھایا اور شیخ محمد آل خلیفہ، آل ابراہیم اور بشر بن ارحمہ تینون مل کر شیخ عبداللہ پر متفقہ حملہ کر کے رفاع اور منامہ پر قبضہ کر لیا، شیخ عبداللہ اس وقت محرق مین تھا، یہ یہان سے منامہ کی طرف بڑھا، مگر فاش شکست کھائی اور یہان سے فارس بھاگ گیا، پھر فارس سے کویت آیا، لیکن شیوخِ کویت نے بھی مدد نہ دی تو نجد ہوتا ہوا مسقط پہنچا اور یہین پیوندِ خاک ہوا، اس افسوس ناک طریقہ پر اسکی ۴۲ سالہ پر شور عہدِ حکومت کا خاتمہ ہوا،

شیخ محمد کا قبضہ

شیخ عبداللہ کے بعد شیخ محمد بحرین کا بادشاہ ہوا، شیخ محمد کے پہلے آل خلیفہ کے حریف دوسرے قبائل تھے لیکن شیخ محمد نے جو بیج بویا تھا اس سے خود آل خلیفہ مین دو فریق ہو گئے، آل عبداللہ اور آل سلیمان، اور یہی تفریق بحرین مین انگریزون کے داخلہ کا سبب بنی، اس وقت بحرین پر ۳ حکومتون کی نظرین تھین، عثمانی، ایرانی اور انگریزی، شیخ محمد کو ان تینون سے نپٹنا تھا، شیخ محمد ۱۸۴۲ء مین تخت نشین ہوا

اور وہ سال تک اطمینان کے ساتھ حکومت کرتا رہا، شیخ عبداللہ کی شکست اور اسکی حکومت کے خاتمہ کے بعد اس کے لڑکے دمام چلے آئے تھے اور شیخ محمد سے اپنے باپ کا بدلہ لینے کی فکر مین تھے، اور عیسیٰ بن طریف قطیف مین بحرین کی حکومت کا خواب دیکھ رہا تھا، یہ اپنے حصولِ مقصد کے لیے آل عبداللہ سے مل گیا اور یہ سب قطر پہنچے مگر شیخ محمد کے بھائی شیخ علی نے ان سب کو منتشر کر دیا اور عیسیٰ مارا گیا، اس کے بعد آل عبداللہ نے نجدی امیر فیصل بن ترکی کی مدد سے پھر بحرین پر حملہ کیا، اس مرتبہ بھی آل عبداللہ ناکام ہوئے اور شیخ مبارک بن عبداللہ اور بشر بن ارحمہ مارا گیا، تیسری بار پھر انھون نے حملہ کیا، اس مرتبہ شیخ علی نے گیارہ مہینہ تک ان کا محاصرہ کرکے انکی قوت بالکل توڑ دی، اور امیر نجد نے درمیان مین پڑکر صلح کر دی، اور شیخ محمد نے ان کی گذشتہ خطاؤن کو معاف کرکے بحرین مین رہنے کی اجازت دی اور یہان ان کا اعزاز و وقار قائم رکھا،

شیخ قاسم کا حملہ اور ناکامی

آل خلیفہ کے مطیع ہونے کے بعد شیخ محمد کو اطمینان نصیب ہوا، ابھی یہ لوگ مطیع ہوئے تھے کہ قطر مین بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور اہل قطر نے شیخ قاسم شیخ قطر کی قیادت مین بغاوت کر دی، شیخ محمد نے شیخ علی کو ان کی تادیب پر مامور کیا، انھون نے قطر کے پایۂ تخت دوحہ پر قبضہ کرکے باغیون کی خوب سرکوبی کی، شیخ قاسم عفو کا طالب ہوا، شیخ علی نے اس کو قید کر دیا، اس سے قطر کے تمام قبائل مین آگ لگ گئی، اور یہ جہازون کے ذریعہ سے بحرین پر حملہ آور ہوگئے، لیکن جہان فوج موجود تھی اور داسرمین ایک خونریز جنگ کے بعد اہل قطر کو شکست ہوئی یہ واقعہ ۱۸۶۷ء مین ہوا، اسی وقت سے انگریزون کو بحرین کے معاملات مین دست اندازی کا موقعہ ملا،

انگریزون کی مداخلت اور شیخ محمد سے معاہدہ

انگریز ہمیشہ ان مقامات پر جو ان کی تجارت کا گذرگاہ ہو ہمیشہ امن وامان کے خواہان رہتے ہین خلیج عجم ان کی ہندوستانی تجارت اور سیاست کا نہایت اہم راستہ ہے، اس کی بدامنی سے ان کی تجارت پر اثر پڑتا ہے اس لیے انکی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے، کہ یہان کسی قسم کا شر و فساد نہ ہونے پائے، اسی خطرہ کو دور کرنے کے لیے انھون نے یہان سے پرتگالیون کو ہٹانے مین مدد کی، اور خلیج عجم کے بعض

ساحلی مقامات پر اپنی سیادت کا جال بچھایا، لیکن اوپر کے واقعات سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ ان مقامات پر امن
وامان کے بجاے ہمیشہ جدال و قتال کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے، اور ان کا غیر مختتم سلسلہ انگریزی تجارت اور
ہندوستانی پالیٹکس کے بالکل خلاف تھا، دوسری طرف شیخ محمد امیر بحرین بھی ان مسلسل خانہ جنگیون سے
تنگ آگئے تھے، انگریز اس قسم کے زرین مواقع کے منتظر ہی رہا کرتے ہین، انھون نے فوراً ابو شہر سے اپنے
پولیٹکل ایجنٹ کو امیر بحرین کے پاس بھیجا، اس نے ان کو برطانیہ عظمی کیجانب سے دوستی کا پیام دیا اور ایک
معاہدہ پیش کیا کہ شیخ محمد برطانیہ عظمی کی مدد کرین اور برطانیہ ان کے ملک مین قیام امن کی ذمہ دار ہوگی شیخ محمد
خود خانہ جنگی سے گھبرا چکے تھے، انھون نے بھی اس موقعہ کو غنیمت جانا اور برطانیہ کی دوستی قبول کرلی، اس
معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ چونکہ برطانیہ بحرین کے بحری حملون کی مدافعت کی ذمہ دار ہے، اس لیے شیخ
محمد کو بحری فوج اور جنگی بیڑا رکھنیکی ضرورت نہین، یہ معاہدہ قطر کے حملہ کے پہلے ہوا تھا[1]،

شیخ محمد کا عزل اور شیخ علی کا تقرر

اس معاہدہ کے کچھ دنون بعد قطر مین ہنگامہ ہوا اور شیخ محمد کو خطرہ پیدا ہوا کہ قطر والے
بحرین پر قابض ہو جائین گے ابھی ان مین اور پولیٹکل ایجنٹ مین گفتگو کا سلسلہ جاری

---

[1] بحرین کی حکومت کے پاس ایک بہت بڑا جنگی جہاز تھا جو توپون اور دوسرے اسلحہ سے مسلح تھا، اس کے ذریعہ سے جب امیر بحرین نے قطر اور قطیف کی ریاستون کا خاتمہ کرکے انکو بحرین مین شامل کرلیا تو انگریزی سیاست نے اسکو اپنے مقاصد کے خلاف سمجھا کیونکہ یہ لوگ خلیج مین ایک متحدہ مضبوط طاقت کے بجاے چھوٹے چھوٹے امرا چاہتے تھے، چنانچہ انھون نے بحرین کے امرا سے کہا کہ سمندر مین جنگ ممنوع ہے اور یہ برطانیہ عظمی کا ایسا حق ہے جسکو بڑی بڑی سلطنتین تسلیم کرتی ہین، اس لیے آیندہ سے تمھارا جنگی جہاز سطح سمندر پر نہ آنا چاہیے اور اگر آیا تو انگریزی جنگی بیڑا اس کا مناسب جواب دیگا، بحرین کے امرا نے اس کے خلاف احتجاج کیا کہ ہمارا ملک کھلے ہوے جزائر مین جنہین جہازون کے سوا کوئی روک نہین اسلیے اگر ہم جہاز کے ذریعہ سے مدافعت نہ کرینگے تو ہمارا ملک قبضہ سے نکل جائیگا، انگریزون نے اس کا جواب دیا کہ انگریز عہد کرتے ہین کہ اگر تم لوگ بحری ہجوم نہ کرو تو وہ تمھارے دشمنون کے مقابلہ مین تمھاری مدافعت کرین گے، اس طریقہ سے بحرین کے بیڑے کا خاتمہ ہوگیا،

تھا اور یہ انگریزی امداد کے منتظر تھے کہ جنگ چھڑ گئی، جنگ کا چھڑنا تھا کہ پولیٹکل ایجنٹ جنگی جہاز لیکر بحرین پہنچ گیا اور شیخ محمد پر الزام لگایا کہ انھون نے معاہدہ توڑ دیا لیکن شیخ محمد پولیٹکل ایجنٹ کے بحرین پہنچنے کے پہلے شیخ علی کو اپنا وکیل بنا کر یہان سے جا چکے تھے، پولیٹکل ایجنٹ نے ان کی غیر حاضری کو شکست معاہدہ کا اعتراف سمجھا اور شاہی قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیدیا، چشم زدن مین قلعہ مسمار ہو گیا اور شیخ محمد کو معزول کر کے شیخ علی کو بحرین کا حاکم بنایا، اب تک دونون بھائیون مین کامل اتحاد تھا، شیخ علی کے دل مین شیخ محمد کے مقابلہ مین حکومت کا خیال بھی نہ آیا تھا، بلکہ انھین کے زور بل پر شیخ محمد حکومت کرتے تھے لیکن انگریزون کی مداخلت کے بعد دونون مین اختلاف پیدا ہو گیا اور شیخ محمد بحرین چھوڑ کے کویت چلے گیے، شیوخ کویت نے درمیان مین پڑ کر دونون بھائیون مین صلح کرانا چاہا اور شیخ علی کو شیخ محمد کی دوبارہ امارت پر راضی کر لیا، چنانچہ شیخ عبداللہ حاکم کویت خود ان کو لیکر بحرین روانہ ہوے، راستہ مین ان کو معلوم ہوا کہ شیخ علی نے راے بدل دی، یہ خبر سنکر شیخ محمد راستہ سے کویت لوٹ گئے، اور یہان انھون نے فوجین جمع کر کے شیخ علی سے اعلان جنگ کر دیا، اس جنگ مین شیخ علی مارے گیے، گو شیخ محمد اس جنگ مین کامیاب ہوے لیکن آل عبداللہ نے انھین پکڑ کے قید کر دیا، پھر بحرین سے بمبئی اور بمبئی سے عدن بھیجے گئے، یہان کئی برس تک قید رہے، آخر مین سلطان عبدالحمید کی سفارش سے ان کو مکہ جانے کی اجازت دیدی، جہان انھون نے ۱۳۰۷ھ مین وفات پائی،

شیخ عیسیٰ کا تقرر

شیخ علی کے قتل کے بعد ان کے اہل وعیال قطر چلے گیے اور ۳ مہینہ تک بحرین مین بدنظمی رہی، تین مہینہ کے بعد بحرین کے "اجارہ دار" انگریزون نے یہان کا معاملہ اپنے ہاتھ مین لے لیا اور انگریزی پولیٹکل ایجنٹ نے بحرین کے باشندون سے یہان کے آیندہ حکمران کے بارہ مین مشورہ طلب کیا، ان لوگون نے مقتول شیخ علی کے لڑکے شیخ عیسیٰ کو پسند کیا، چنانچہ یہ قطر سے بلا کر آئے اور شعبان ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۷۰ء مین انھون نے بحرین کی زمام حکومت اپنے ہات مین لی، یہ نہایت فیاض اور عالی حوصلہ آدمی تھے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی قبائل پر انعام واکرام کی بارش شروع کر دی، ملک کی آمدنی کا بڑا

حصہ قبائل، وفود عرب اور ملکی اصلاح پر صرف کرتے تھے، عدل وانصاف ان کا نمایان وصف تھا، ان کا عہد حکومت مسلسل پچیس برس تک رہا، اس طویل مدت مین انھون نے عمداً کسی ایک فرد پر بھی ناروا زیادتی نہین کی اور نہ اپنے علم مین کسی عہدہ دار سے ہونے دی، شروع شروع مین بہت قدامت پرست تھے لیکن رفتہ رفتہ ضروریات زمانہ نے تجدید واصلاح پر مائل کر دیا، چنانچہ انھون نے متعدد مدارس قائم کئے، ایک اخبار جاری کیا اور بھی بہت سے رفاہ عام کے کام انجام دئے،

انگریزون سے وفاداری "چونکہ انگریزون نے ان کو تخت پر بٹھایا تھا۔ اس لئے یہ ان کے سچے یار وفادار تھے شیخ موصوف صرف ان کے تجارتی پہلو کو دیکھتے تھے اور سیاسی پہلو پر نظر نہ جاتی تھی، ان کا یہ حُسن ظن ۲۵ سال تک قائم رہا، ان کی وفاداری اس حد تک تھی کہ انگریزون کے مقابلہ مین اسلامی حکومتون کی دوستی کو بھی ٹھکرا دیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ مدحت پاشا بغداد کے گورنر نے عثمانی حکومت کی جانب سے انکو دوستی کا پیام دیا، انھون نے ان کا خط انگریزون کے پاس بھیج دیا اور مدحت پاشا کو لکھا کہ "میرے لئے برطانیہ عظمٰی کی دوستی بہت کافی ہے" جرمنی نے بھی اپنے بحرین کے تجارتی معتمد کے ذریعہ سے نامہ وپیام شروع کیا تھا لیکن اسکو بھی ایسا ہی خشک جواب ملا، اس قسم کے پیامات اور بہت سی حکومتون کی جانب سے آئے لیکن یہ ہمیشہ یہی جواب دیتے رہتے کہ "برطانیہ عظمٰی کی دوستی ہمارے لئے بہت کافی ہے وہ معاہدہ کی بڑی پابند ہے، اس نے ہماری آزاد حکومت تسلیم کر لی، اس سے زیادہ ہمین کچھ نہ چاہئے

انگریزون کی بدعہدی لیکن ان کا یہ حسن ظن کس حد تک صحیح تھا؟ انگریزون نے ان کی آزاد حکومت کا کہان تک احترام کیا؟ اور معاہدون کی پابندی کس حد تک کی؟ ان سوالات کا جواب ذیل کے واقعات دینگے، سنہ ۱۳۱۱ھ مین جلاہمہ آل علی اور بنو ہاجر نے زبارہ مین بغاوت برپا کی، اور اس کے شعلے دفعۃً زبارہ اور اس کے قرب وجوار مین بھڑک اٹھے، اور یہ سب باغی بحرین کی طرف چلے، اس وقت حکومت بحرین کے پاس اس بغاوت کے فرو کرنے کی اس کے سوا فوری کوئی صورت نہ تھی کہ وہ جنگی جہاز کو کام مین لائے، شیوخ نے بھی یہی فیصلہ کیا، لیکن امیر بحرین کی معاہدہ شکنی کے خیال سے برطانوی پولیٹکل ایجنٹ سے جنگی جہاز کے استعمال کی اجازت مانگی، اس نے

جواب دیا کہ اس سے معاہدہ ٹوٹ جائیگا، اس جواب پر انھون نے کہا کہ معاہدہ کی رو سے ایسے وقت برطانیہ مدافعت کی ذمہ دار ہے، اس لیے اس وقت اسکو ایفاے عہد کرنا چاہیے، پہلے ایجنٹ صاحب نے اس مین پہلو تہی کی تھی، لیکن پھر چند جدید شرائط پر مدافعت کے لیے رضامندی ظاہر کی، کہ بحرین مین برطانیہ کی سفارت قائم کیجاے، اور ہر برطانوی رعایا مقیم بحرین کے مقدمات مین برطانوی سفیر کو مداخلت کا حق دیا جاے، ایسے نازک وقت مین شیوخ کے لیے ان شرائط کے ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، اس لیے جبراً و قہراً مان لیا یہ تھی برطانیہ کی پابندی جسپر شیخ عیسیٰ کو اتنا اعتماد تھا،

تاج کی رہانت دوسرا واقعہ آزاد حکومت کے احترام کا سنیے، ۱۹۰۳ء مین ایک جرمنی ملازم نے شیخ عیسیٰ کے بھتیجے کی شان مین کچھ گستاخی کی، اس نے اس کو مارا، خادم نے اپنے آقا سے اس کی شکایت کی، آقا نے پولیٹیکل ایجنٹ کے سامنے معاملہ پیش کیا، مقامی حکومت نے اس واقعہ پر افسوس ظاہر کیا اور خادم کو ۳ ہزار بطور حرجانہ یا جرمانہ دیا، لیکن سر پرسی کاکس انگریز پولیٹیکل ایجنٹ متعینہ ابوشہر کو اس سے تشفی نہین ہوئی، اس نے اس کے انتقام کے لیے اپنا جنگی بیڑا بھیجا، یہ بحرین کے ساحل پر آکر لنگر انداز ہوا، اور فوج کا ایک حصہ خشکی پر اتار کر ملازم کے انتقام مین نہایت ذلت آمیز مطالبات پیش کئے، اور ان کی ایک ایک دفعہ منوا کر چھوڑی اور شاہی خاندان کا معزز رکن شیخ عیسیٰ کا بھتیجا پانچ سال کے لیے ہندوستان جلاے وطن کیا گیا، انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کو تمام اجنبیون کے مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا گیا، یہ تھا ایک آزاد حکومت کا احترام کہ شاہی خاندان کا ایک فرد ایک ادنیٰ درجہ کے یورپین کو اس کی گستاخی پر معمولی سزا دیتا ہے اور انگریز اس سے اتنا سخت اور اس قدر ذلیل انتقام لیتے ہین،

شیخ عیسیٰ کا عزل اور شیخ حمدون کا تقرر اس واقعہ کے بعد شیخ عیسیٰ کا براے نام جو وقار باقی رہ گیا تھا وہ بھی ۱۹۰۳ء مین جاتا رہا اور اسی سنہ مین ایک نہایت معمولی بات پر شیخ عیسیٰ معزول ہو کر اپنی وفاداری کا صلہ پا گئے، یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ آخری معاہدہ کی رو سے کہ اجنبیون کے مقدمات

کی سماعت انگریز پولیٹکل ایجنٹ کرتا تھا، ۱۹۰۳ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک نجدی مقیم بحرین کے گھر سے ایک گھڑی غائب ہوگئی اور ایک ایرانی پر چوری کا شبہ ظاہر کیا گیا، نجدیوں اور ایرانیوں میں پرانی عداوت تھی اس واقعہ نے جنگ کی صورت اختیار کرلی اور طرفین کے ہتھیار نکل آئے، خان بہادر محمد شریف بلدیہ بحرین کا صدر ایرانی تھا، اس کو عربوں سے سخت عناد تھا، اس واقعہ میں اس نے ایرانیوں کو عربوں کے قتل پر ابھارنا شروع کیا، چونکہ اس معاملہ میں فریقین اجنبی تھے اس لیے حکومت نے تنہا حفظ امن پر کفایت کی لیکن بحرین کے پولیٹکل ایجنٹ نے فوراً تار کے ذریعہ سے ابوشہر کے پولیٹکل ایجنٹ کو اس واقعہ کی اطلاع دی یہ وہاں سے دو جنگی جہاز لیکر آیا اور آتے ہی شیخ عیسیٰ کو معزول کردینے کا مطالبہ کیا، شیخ عیسیٰ نے انکار کردیا لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی اور لوگوں کو جمع کرکے ان کے سامنے شیخ عیسیٰ کو معزول کرکے ان کی جگہ ان کے لڑکے شیخ حمدون کو بٹھا دیا،

نظام میں تبدیلی شیخ عیسیٰ کے عزل اور شیخ حمدون کی تخت نشینی کے بعد بحرین کا طرز حکومت بالکل بدل گیا، حکومت کے تمام شعبوں میں نئے سرے سے انقلاب ہوا، وطنی عدالت توڑ دی گئی اور چنگی وغیرہ کی آمدنی سے شیخ حمدون اور خاندانِ شاہی کے ارکان کے وظائف مقرر کر دیئے گئے، وطنی حکومت کے بجائے مرکز حکومت کے نام سے ایک مخلوط عدالت قائم ہوئی جس میں شیخ حمدون اور انگریز پولیٹکل دونوں مل کر بحرین کے داخلی معاملات کی سماعت کرتے تھے، اس طریقہ سے بحرین کی نام نہاد آزادی کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔

شیخ عیسیٰ کی فردِ جرم غالباً ناظرین متعجب ہونگے کہ شیخ عیسیٰ جیسے وفادار کو کس جرم میں اتنی سنگین سزا دی گئی، اس میں شک نہیں کہ شیخ عیسیٰ انگریزوں کے یار غار تھے، لیکن اس کے باوجود وہ رعایا کے جائز مطالبات مانے میں بخل نہ کرتے تھے، گو وہ ان میں ایک کو بھی پورا نہ کرسکے، ان کی معزولی کے آخری تین سالوں میں رعایا نے ایک تشریعی جمعیت کے قیام کا مطالبہ کیا، شیخ عیسیٰ نے اس کو منظور کرلیا لیکن پولیٹکل ایجنٹ نے نامنظور کردیا پھر رعایا نے وطنی پولیس کی تنظیم کی درخواست کی، شیخ عیسیٰ اس پر بھی راضی ہوگئے، لیکن ایجنٹ نے اسے

بھی مسترد کردیا، آخر مین اہل بحرین نے ملک کی اصلاح کے لیے ایک لائحہ پیش کیا، جس کی دفعات حسب

ذیل تھین،

(۱) برطانیہ عظمی اوراس کی دوستی کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے ہوے اوراس کو کوئی صدمہ پہنچائے

بغیر حسب سابق شیخ عیسیٰ کو بحرین کے داخلی معاملات مین برطانوی قنصل کی مداخلت سے آزاد ہونا چاہیے،

(۲) تمام احکام کا اجرا شرع اسلامی اوراس قانون کے مطابق ہونا چاہیے جسے اہل بحرین

پسند کرین اور شرع اسلام کے خلاف نہ ہو،

(۳) قنصل کو برطانیہ عظمی اور حکومت بحرین کے معاہدہ سے آگے بڑھکر بحرین کے داخلی معاملات

مین مداخلت نہ کرنی چاہیے،

(۴) غواصی کا ایک خاص محکمہ قائم کرنا چاہیے جس مین ۸ غواصی کے ماہر ارکان ہون جو غواصی کے

متعلق جملہ دعاوی پر غور کرسکین،

(۵) ملکی مصالح پر غور وفکر کے لیے باشندگان ملک کے منتخب کردہ نمایندون کی ایک مجلس شوری قائم کرنی چاہیے،

چھٹی دفعہ مین اس اہم اصلاح کے قیام ونفاذ کے لیے بارہ وطنی اشخاص کے نام پیش

کیے گیے تھے، اہل بحرین نے مذکورہ بالا اصلاحات شیخ عیسیٰ سے مانگی تھین اور وہ ان کے دینے پر

راضی ہوگئے تھے لیکن پولیٹکل ایجنٹ نے ان کے روکنے پر اپنا پورا زور صرف کردیا اور اس کے

بعد جو کچھ ہوا وہ شیخ عیسیٰ کی رضامندی کی سزا تھی، کہ شیخ عیسیٰ ایسے مطالبات دینے پر رضامند

ہوگیے تھے جنکی بعض دفعات سے پولیٹکل ایجنٹ کے غیر محدود اختیارات کی تحدید ہوجاتی تھی،

نظام حکومت شروع مین بحرین کا نظام حکومت خالص وطنی اور مذہبی تھا، اسمین کوئی بیرونی طاقت

دخیل نہ تھی، تمام ملکی اور غیر ملکی باشندون کے مقدمات بحرین کی وطنی عدالت فیصل کرتی تھی،

سنہ ۱۸۹۳ء مین برطانوی رعایا کے مقدمات کی سماعت کا حق اس کو باقی نہ رہا اور ایجنٹ کرنے لگا،

اس وقت سے تین عدالتین قائم ہوگئین، وطنی، اجنبی اور مخلوط، وطنی عدالت شیخ عیسیٰ کے متعلق تھی، اور اجنبی پولیٹکل ایجنٹ کے اور مخلوط خان بہادر محمد شریف صدر بلدیۂ بحرین کے، لیکن ۱۹۲۳ء مین آیاز کے ہنگامہ کے بعد جب شیخ عیسیٰ معزول ہوے تو یہ تینون عدالتین ایک کر دی گئین اور شیخ حمدون اور پولیٹکل ایجنٹ دونون ملکر مشترکہ سماعت کرنے لگے، وطنی عدالت کا جو امتیاز باقی تھا وہ ختم ہوگیا اور بحرین کے اندرونی معاملات مین بھی انگریز پولیٹکل ایجنٹ دخیل ہوگیا گویا عدالت پر تمامتر انگریز قابض ہو گئے کیونکہ شیخ حمدون برائے نام تھے، پولیس تمامتر انگریزی ہے، بحرین والون نے ملکی پولیس کے لیے کوشش کی تھی لیکن ایجنٹ نے انکار کر دیا، عدل و انصاف کے اعتبار سے شیخ عیسیٰ کا عہد بہترین عہد تھا، وہ ہمیشہ قیام عدل مین کوشان رہتے تھے اور یہ دعوی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انھون نے اپنی پچیس سالہ عہد حکومت مین کبھی کسی پر عمداً ظلم نہین کیا اور نہ کسی عہدہ دار کو اس کا موقع دیا،

منامہ — بحرین کی سیاسی تاریخ لکھنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہان کے شہرون اور تجارتی کاروبار پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجائے، بحرین کا سب سے بڑا شہر منامہ ہے، اسکی آبادی ۴۰ ہزار ہے، اسمین ایرانی، ہندوستانی، یورپین، مسیحی، یہودی، اور پارسی سب آباد ہین، ڈاکخانہ، ٹیلیگراف آفس، قونصلخانہ، گودی اور جنگی گھر وغیرہ سب یہین ہے، سلاطین عجم کے آثار مین ایک قلعہ "قلعۃ الدیوان" ہے، ان کے علاوہ یہان اور بہت سی بڑی عمارتین ہین، منامہ سے آدھ گھنٹہ کی مسافت پر جنوب مغرب مین ایک بڑا بازار ہے، اسمین بہت سے قدیم آثار ہین، از انجملہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد کی ایک ٹوٹی ہوئی مسجد ہے، اس کے پاس ہی پٹرول کا چشمہ ہے، اس سے کچھ فاصلہ پر آل خلیفہ کے سابق امرا کا مسکن رفاع ہے، یہان ایک قدیم منہدم قلعہ تھا، اس کی بنیاد پر شیخ سلیمان نے ایک جدید قلعہ بنوایا ہے، رفاع کے اردگرد نہایت عمدہ باغات ہین، ان مین سب سے بڑا اور خوبصورت باغ صخیر ہے جو موجودہ فرمانروا شیخ حمدون کا لگایا ہوا ہے، اس مین بکثرت کنوئین اور چشمے ہین، غرض منامہ کے قرب وجوار مین عربون کے بہت سے

مواضعات اوران کے محلات وقصور ہین،

محرق | منامہ کے مشرق جانب نصف گھنٹہ کی مسافت پر بحرین کا موجودہ پایہ تخت محرق ہے، مرکزیت،
ابادی، عمارتون اور دوسری ترقیون کے لحاظ سے منامہ کو پایہ تخت ہونا چاہیے تھا لیکن رسمی پایہ تخت
یہان شیوخ رہتے ہین محرق ہی ہے تاہم علوم وفنون کے چرچے کی وجہ سے یہ مقام اس سے ممتاز ہے

موتیون کی تجارت | بحرین اپنے موتیون کی وجہ سے تمام دنیا مین مشہور ہے، ساری دنیا کے جوہری اس پر
متفق ہین کہ بحرین موتیون کا سب سے بڑا مخزن ہے اور حسن وخوبصورتی مین کہین کے موتی یہان کے
موتیون کا مقابلہ نہین کرسکتے، تین کرور روپیہ سالانہ کے موتی بحرین کے مخزن سے نکلتے ہین، موتی نکالنے
کا موسم مئی سے ستمبر تک ہے، اس زمانہ مین تمام دنیا کے جوہری یہان جمع ہوجاتے ہین، بحرین مین موتیون
کے جملہ نزاعات کے متعلق ایک خاص محکمہ ہے، لیکن ہم یہ نہین بتا سکتے کہ اس مین بحرین کی حکومت کو کس
حد تک دخل ہے اور اس کو اس کثیر دولت سے کتنا فائدہ پہنچتا ہے، موتی نکالنے والون کی جماعت
پانچ افراد پر مشتمل ہوتی ہے، "ناخدا" "غیص" "سیب" "رظیف" اور "تیات" ناخدا اس جماعت کا افسر
اعلیٰ ہوتا ہے اور غیص غوطہ لگاتا ہے، اور سیب رسی کھینچتا ہے اور رظیف اس کا مددگار رہتا ہے اور
تیات خادم ہوتا ہے، ناخدا اپنی نگرانی مین موتی نکلواتا ہے، اور نکلوا کر بھیجتا ہے اور اسکی قیمت کا پانچوان
حصہ خود لیتا ہے اور بقیہ چار حصون کا نصف غوطہ زن کو دیتا ہے اور دو ثلث رظیف کو اور ایک ثلث
سیب کو،

دوسری تجارتین | موتیون کی تجارت کے علاوہ بحرین مین تمام تجارتی اشیا، کی اتنی گرم بازاری رہتی ہے
کہ اجنبی یہان کی تجارتی چہل پہل کو دیکھکر مبہوت ہوجاتا ہے، تاجرون کے گودام ماکولات، مشروبات
ملبوسات اور دوسرے زیب وزینت اور عیش وتنعم کے سامانون سے بھرے رہتے ہین، بمبئی اور قاہرہ
جیسے بڑے شہرون کے علاوہ اور کسی چھوٹے شہر مین اتنا سامان فراہم نہین ہوسکتا، اگر کوئی شخص کسی

تجارتی کوٹھی مین داخل ہو تو سب سے پہلے اس کی نظر بڑے بڑے ضخیم رجسٹرون پر پڑے گی، دوسری طرف آہنی صندوق، تجوریان اور نقد کی تھیلیان دکھائی دینگی، آنے جانے والے علحدہ قہوہ اور سگریٹ نوشی مین مصروف ہون گے، یہان ہندوستان، ایران، عراق، یورپ اور امریکہ کا مال ہندوستان کے راستہ سے آتا ہے، اور احسار اور نجد کے بازارون مین بکتا ہے،

تعلیم | بحرین مین عرب کے اور حصون کی بہ نسبت تعلیم زیادہ ہے، خصوصاً ادب اور شاعری کا بڑا چرچا ہے، اور جزیرہ مین ادبار اور شعرار کی بڑی تعداد ہے دار المطالعہ اور دار الکتب بھی ہین جنمین اکثر عربی کے اچھے رسائل آتے ہین، ریڈنگ روم مین بہترین جدید اور قدیم کتابین رہتی ہین، متعدد مدارس بھی ہین جس کا نظام اکابر علمار کی مجلس منتظمہ کے ہاتھون مین ہے اس کے سکرٹری شیخ عیسیٰ کے چچازاد بھائی ابراہیم ہین، انھون نے حجاز مین تعلیم پائی ہے اور بحرین کے علمی حلقہ مین ممتاز شخصیت رکھتے ہین، ان مدارس مین مصری، عراقی اور نجدی معلم تعلیم دیتے ہین اور اب نصاب مین بعض ایسی کتابین داخل کی گئی ہین جن کا پڑھنا پہلے کفر و ضلالت سمجھا جاتا تھا، محرق مین خاص طور پر تعلیمی سرگرمی زیادہ ہے گو یہ چھوٹا مقام ہے تاہم یہان متعدد مدرسے اور ادبی مجلسین ہین جنمین نوجوان نہایت انہماک کیساتھ علم و ادب کی تحصیل مین مصروف ہین، غرض مجموعی حیثیت سے ہم اس کو مصر و شام کا چھوٹا نقش کہہ سکتے ہین،

امریکن مشن | بحرین مین تقریباً نصف صدی سے امریکن مشن قائم ہے، ایک گرجا، ایک مدرسہ، ایک شفاخانہ اور ڈسپنسری اس سے متعلق ہین، شفاخانہ اور ڈسپنسری کی نگرانی ایک تجربہ کار ڈاکٹر کے متعلق ہے، اور متعدد عورتین اسکی اعانت مین ہین لیکن چونکہ امریکن مشن اسکول کے نصاب مین انجیل داخل ہے اس لئے مسلمان طلبہ یہان بہت کم پڑھتے ہین گو امریکن مشن عرصہ دراز سے ہے لیکن اس طویل مدت مین چند مسلمانون کو بھی عیسائی بنانے مین کامیاب نہ ہوا،

خیابانِ دانش

(۴)

پانچوان باب

طالبِ فلسفہ کی نوعیتِ طبیعت اور اسکی تعیین و تخصص،

از جناب مولوی ابو القاسم صاحب سرورؔ،

کسی جدید چیز کی جستجو کسی نئی شے کی تلاش مین بیشتر و اکثر انسان اپنے پچھلے خیالات کے محصلۂ نتائج ہی کو رہبر بنانے پر مصر رہتا ہے، وجہ یہ کہ اس کے عام عادات و خصائل اپنے ماحول کی آئینہ داری کے لئے مخصوص ہین تعلیم و تربیت، صحبت و ہمنشینی کے مختلف اثرات یہی چیزین عادت بشری کا خمیر یا عنصر قوی مانی گئی ہین جن کی وجہ سے تحقیق بالا کے وقت یہ تعصب و تیقن کی نگاہون سے ہی دیکھنا پسند کرتا ہے۔ ابتدائے عمر کی عصبیت نہایت قوی اور پائدار تسلیم کی گئی ہے، اس عصبیت کی قوی خواہش پوری پوری نقالی کے میلان و رجحان سے پوری ہوا کرتی ہے، ہم دور و ہم بزم افراد کی چال ڈھال، رفتار و گفتار انداز و عادات وغیرہ مین مماثلت و مشابہت حاصل کرنے پر یہی عصبیت انسان کو مجبور کیا کرتی ہے، مذہبی یا عام ملکی سرگرمی کے لئے لباس کی تراش خراش کی تفریق اور تعیین اور اخلاقی حالت جیسی بھی ہو اسکا نشر و شیوع یہ سب اسی کی کرشمہ سازی ہے، اس کے ماسوا اس خواہش سے دفتر اتحاد کی شیرازہ بندی بھی وابستہ ہے جس پر محافل و مجالس کے قیام و بقا کا مدار ہے،

رواجِ عام کی نوعیت بھی اسی کے مماثل ہے کیونکہ اثر رواج سے بغیر متاثر ہوئے انسان رہ نہین سکتا، اس کے عادات و خیالات ابتدا سے رواج کی حکومت کے آگے سر افگندہ رہے ہین اگلے دانشور رواج کی زبردست اثر انگیزی دیکھتے دیکھتے اس کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اشیائے عالم کو جمیل

وغیر جمیل، صحیح وغیر صحیح، کارآمد وغیر کارآمد، یہ مختلف خطابات رواج ہی کے دیئے ہوئے ہین، اور رواج ہی نے انھین ایسا بنا دیا ہے، ورنہ حقیقۃً ان کی کوئی اصلیت نہین، ہر قوم کا اپنے یہان کے رسم ورواج کو دوسرون کے مقابلہ مین بہترین خیال کرنا مختلف اقطاعِ عالم کا باہمی اختلاف اور رواج ورسوم سے ان کا اس طرح لبریز ہونا کہ ہر ایک اپنی جگہ اپنے یہان کی رواج پذیر رسمون کی افضلیت کا مدعی ہی،

بعض حکما اس تماشہ سے ایسے برداشتہ خاطر ہوے کہ سرے سے عالم کو صداقت سے خالی کہنے لگے، ان کے نزدیک دنیا مین مطلق صداقت بالکل ناممکن اور سراسر محال قرار پائی، رسم ورواج کو عقلا نے مختلف نگاہون سے دیکھا، بعض نے مفید خیال کیا، اور بعض نے مضر، کسی نے اسے منتظم اشیاء کے الفاظ سے تعبیر کیا اور کسی نے ایسی آزاد طاقت مانا کہ جس کی دنیا بھر مین نہ کہین روک ٹوک ہے اور نہ اس کی مزاحمت کی کسی مین طاقت وقوت، یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ تاثیر رواج دور امن وسکون کے لئے ہی مخصوص نہین اس کا مخالف منظر بھی اسی رواج کے زیر اثر ہے، پہلے رواج پست طبقہ مین آہستہ آہستہ پھیلتا اور پھر آگے قدم بڑھاتا ہے، اس طرح کہ اونچے طبقہ کے کچھ فرد اس کی سرپرستی کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہین، پچھلی عادتین اور خیالات برگ خزان رسیدہ کی طرح سرپرستی کی تیز ہوا سے باقی نہین رہتے اور نئے خیالات کی پیداوار ان کی جگہ لے لیتی ہے،

حاصل یہ کہ بغیر تعیین وتخصیص کا سب فلسفہ ہو یا پیرو مذہب ہر ایک کے لئے تعصبات کے گرد وغبار سے ذہن کے آئینہ کو پاک وصاف رکھنا تحصیل علم کا پہلا قدم اور مذہب کی پیروی کی شرط اولین یہی ہے، جس طرح کتب ملہمہ کی سودمندی پیرو مذہب کے لئے مسلم ہے، بعینہ یہی حال فلسفی کے واسطے تعقل کا سمجھنا چاہیئے، فلسفہ اور مذہب دونون صحیح واقعات کے ظہور کا مرکز ہین، انسان جلب منفعت کے لئے جب انھین استعمال کرتا ہے، تو عصبیت کے دست وبازو سے، تعصب سے خالی الذہن نہ ہونے کی حالت مین کتب ملہمہ، اور تعقل ان دونون مین اسی چیز کی آمیزش زیادہ مقدار مین ہو جاتی

ہے، جس کے حاصل کرنے کا عزم و ارادہ اس طرف کھینچ کر لایا تھا،

فلسفہ مین شرکت تعصب اصل واقعات کو نظر انداز کر دیتی ہے، اور الہامی کتابون مین یہی تعصب دور از کار، لغو و مہمل تاویلون پر اتر آتا ہے، جس کا نتیجہ مذہبی اور فلسفی بے شمار گروہون اور جتھون مین ظاہر ہوتا رہتا ہے، تعصب سے کنارہ کش ہونے مین ہمت صرف کرنا اس وجہ سے نہایت ضروری ہے، کہ جس طرح سفید کپڑے پر رنگ بہت جلد قبضہ کر لیتا ہے، اسی طرح طبعِ بشر مین یہ بے اعتدالی پیدا ہو کر فضاے باطن کو ایسا گھیر لیتا ہے، کہ طلبِ حق کی گنجائش نہین رہتی، اس مین یہ عجیب کمال ہے کہ اس کے وجود پر بھی اکثر اس کے وجود کا علم نہین ہوتا، انسان مین تعصب کے جراثیم داخل ہو چکے وہ خود متعصب بن چکا، مگر پھر بھی ذات مین اسے تعصب کے پائے جانے کا ادنیٰ بھی کبھی شبہہ نہین گذرتا، اس بنا پر اس کی بیخ کنی کی جانب کافی توجہ کی ضرورت محسوس کی گئی ہے،

تحصیل فلسفہ کے لئے تعصب سے خالی الذہن ہونا جس طرح ضروری ہے، اسی طرح طبیعت مین شک کا پایا جانا بھی لازمی ہے، یعنی کاسب فلسفہ شکی طبیعت رکھتا ہو، اس لئے کہ اگر ذہن بالکل تعصبات سے مملو ہے، تو تجسسِ حقیقت کے لئے اسمین کوئی جگہ ہی باقی نہین، تلاشِ حقیقت جب ہی ممکن ہو سکے گی کہ سالقہ تعصبات کی قوت مضمحل ہو کر فنا ہو، اور اس کی جگہ شک آکر تحقیق اور جستجو کا بند دروازہ کھولنے کی کوشش کرے، ارسطاطالیس فلسفہ کی اعلیٰ کامیابی کا راز اسی شک مین مضمر بتاتا ہے، لیکن ساتھ ہی شک کا استعمال بھی بجائے خود نہایت نزاکت رکھتا ہے، اسمین سخت احتیاط کی ضرورت ہے، اگر آلہ اور ذریعہ سمجھکر شک زیر استعمال رکھا جائے، تو اس صورت کے موصل الی المطلوب ہونے مین ادنیٰ شک کی گنجائش نہین، کیونکہ یہ طریقہ ذہن مین اکتسابات علمیہ اور استدلال عقلی کی ہمنوائی کی استعداد پیدا کر دیتا ہے، غفلت سے غایت سمجھکر شک کا استعمال منزل مقصود کی قربت سے کوسون دور ہٹا کر افراطِ شک کی تیرہ و تار مہیب گھاٹیون مین گرا دیتا ہے،

ایک فرانسیسی مبصر نے شک کی دو قسمین کی ہین، دشمنی یا غیظ و غضب، تعصب اور وہم سے پیدا شدہ شک کو ریب جہل قرار دے کر قسم اول مین رکھا ہے، اور عبرت، دانشمندی احتیاط سے حاصل کیا ہو شک تنور کا ذریعہ بتا کر قسم ثانی مین شامل کیا ہے، اس تقسیم کے بعد کہتا ہے کہ شک کی مداومت ذہن کے قویٰ کو نقاہت اور غیر معمولی اضمحلال مین گرفتار کر کے ناکارہ بنا دیتی ہے، مسلمات کی جانچ پڑتال کی شرط تنہا احتراز اغلاط ہی نہین بلکہ اس کے ساتھ ایسے شک سے بھی اجتناب لازم ہے، جو حقیقت کی جستجو مین ذریعہ و آلہ نہین قرار پا سکتا، کاسب فلسفہ کے لئے ذیل کی مصرحہ شرطون کی پابندی فرض اولین کا حکم رکھتی ہے،

پہلی شرط تعصب سے بچنا،

دوسری شرط شک کا بطور آلہ استعمال کرنا،

تیسری شرط، سست متکبر مغلوب جوش نہ ہونا،

تیسری شرط کی یہ وجہ ہے کہ سست و کاہل کبھی تحقیقات کی دوڑ دھوپ کی مشقت برداشت کرنا پسند نہین کرتا، اور ہمیشہ اس قسم کے موقعون سے بچتا رہتا ہے، کیونکہ حاصل شدہ سرمایہ علم ہی اس کی نظر مین کافی سے زائد معلوم ہوتا ہے، اس بنا پر ممانعت کی گئی ہے، کہ فلسفہ کی تحصیل کرنے والا پست ہمت اور کاہل نہ ہو، مغرور کی ممانعت اس لئے کہ ارباب نخوت سادہ واقعات کو ذلیل اور بیکار سمجھ کر ان کی جانب اعتنا کرنے کو بھی اپنی توہین سمجھتے ہین، اور اپنے حصہ کو چھوڑ کر اہم اور پیچیدہ واقعات جن کی بنا نظر انداز کئے ہوئے سادہ واقعات پر ہے ان کے تجسس مین انہماک تام سے کام لیتے ہین، ظاہر ہے کہ بنیادی واقعات سے بنظر تحقیر بے اعتنائی اور اس سے آگے کے سلسلہ مین غور و خوض یہ ناقص طریقہ کسی طرح مفید نتیجہ نہین پیدا کر سکتا، کیونکہ صحت نتائج کے لئے سادہ اور پیچیدہ دونون واقعات کو بہ امعان نظر دیکھنا لازمی اور ضروری ہے، معمولی اور سادہ واقعات کو چھوڑ کر صرف دشوار اور

پیچیدہ واقعات کا انتخاب اس وقت تک فائدہ بخش نہین جب تک کہ ترک کیا ہوا پہلا سلسلہ تحقیق کے سامنے مسلسل نہ ہو،

متکبر اس بنا پر نہ ہو کہ اس حالت مین اپنی وقعت اور خود بینی کے سوا اور کسی جانب اس طبیعت کا شخص دیکھتا ہی نہین، حقیقت کی جستجو کی مہم ایسی طبیعت والے سے کسی طرح سر نہین ہو سکتی، اس کا نصب العین مطمح نظر جو بھی ہے، وہ صرف اپنی ہی عظمت و منزلت ہے، اور بس، اس لئے طالب فلسفہ کو اس سے احتراز کی ہدایت کی گئی ہے،

مغلوب جوش ہونا اس لئے مقدوح ہے کہ ہیجانی حالت ذہن کو واقعات کی کنہ رسی سے باز رکھکر اپنی طرف توجہ جذب کرے گی، اور ذہن اس شورش مین پھنسکر تفتیش و سراغ رسی کی اہم خدمت انجام نہ دے سکے گا، انھین تین شرطون کا التزام یعنی تعصب سے احتراز، جائز شک کا استعمال، کاہلی، تکبر اور مغلوب جوش ہونے سے اجتناب طالب فلسفہ کو کجروی اور جمود سے بچا کر ترقی کی شاہراہ پر لے آتا ہے،

اکتساب فلسفہ کی توضیح شرائط کے بعد فوائد فلسفہ کے اعتبار سے اس کے طرق تحقیقات کی جانچ اور ان مین سے کسی ایک طریقہ کی تعیین یہ بھی ایک ضروری بحث ہے، جس کی حقیقت سطور ذیل سے معلوم ہو گی، پہلے ،،طریقۂ فلسفہ،، کی نسبت یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے،

فلسفہ مین اکتساب غایت کے لئے جو قاعدہ استعمال کیا جاتا ہے اسے طریقۂ فلسفہ کہتے ہین، اوراق سابقہ مین غایات فلسفہ کی نسبت تصریح کیجا چکی ہے، کہ وہ دو ہین،

غایت اول تجسس علل،

غایت دوم کثرت کی وحدت مین منتقلی،

طریقۂ فلسفہ کی تعیین بھی بین الحکما مختلف فیہ ہے، بعض صرف تحلیل اور بعض محض ترکیب اور کچھ تحلیل و ترکیب دونون کو طریقۂ فلسفہ سے نامزد کرتے ہین، اور یہ آخری صورت ہی نہایت کارآ

ہونے کے ساتھ سنجیدہ وقت نظر پر مبنی ہے، اب تحلیل و ترکیب دونون کی توضیح کی ضرورت ہے،

ہر شے چند اجزا کا مجموعہ ہوا کرتی ہے، کسی شے کے مجموعہ یا اجزا کو علیحدہ علیحدہ کرکے ذہن کا ہر ہر جزو کی تنقیح کی جانب مائل ہونے کا نام تحلیل ہے، اور بعد تحقیق اس پھیلے ہوئے سرمایہ کو سمیٹ یکجا کرنے کو ترکیب کہتے ہین، مثال مین ان دونون کا مفہوم اس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے، کہ مثلاً گھڑی مجموعہ ہے کمانی، چھوٹے بڑے مختلف پرزون، دونون سوئیون اور ڈائل وغیرہ کا، یا مکان کہ یہ بھی مجموعہ ہے دیوار، سقف، بام و در وغیرہ وغیرہ کا، گھڑی اور مکان علیحدہ علیحدہ جتنے اجزا کے مجموعہ کا نام ہے، ان دونون مثالون مین ہر ایک کے مجموعہ یعنی ان کے تمام اجزا کو ذہناً جدا جدا کرنا تحلیل اور علیحدہ کئے ہوئے اجزا کو فراہم کرکے پھر مجموعہ بنا لینا ترکیب کہلاتا ہے، شاخین، تنہ، برگ و بار وغیرہ کے مجموعہ کا نام درخت ہے توڑ ڈالیان، پتے، تنہ، جڑ وغیرہ یہ سب اس کے اجزا ہوئے، بالفرادہ ان اجزا کا معائنہ تحلیل، اور ان تمام اجزا کو یکجا کرکے پھر مجموعہ بنانا اور اس مجموعہ کو شے واحد کا مصداق قرار دیکر اسے درخت کہنا یہ ترکیب ہے،

دلیل استقرائی مین انھین تحلیل و ترکیب کی وجہ سے وزن پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے کہ چند متحد الحقیقۃ اشیاء کی سراغ رسی اور اس تحلیل استقرا سے اشیا کے باہمی تماثل و تشابہ کی بنا پر ایک ایسے عام حکم کا استنباط کرنا جس کے تحت مین وہ سب دیکھی بھالی چیزین آ سکین، تحلیل و ترکیب کے عمل سے یہ استقرا تکمیل تک پہونچا، مثلاً کشش ثقل کا مسئلہ پیش کیا جا سکتا ہے، استقرا نے تحلیل کے ذریعہ سے تمام افراد کے وسیع سلسلہ مین ایک جسم کو دوسرے کی جانب بار بار کھینچتے ہوئے دیکھ کر عمل ترکیب کے نام سے ایک عام کلیہ یہ بنایا کہ تمام اجسام باہمی کشش و تجاذب سے وابستہ ہین، چند چیزون کی کنہ شناسی کی جستجو اور حقیقت کے تفصیلی معائنہ کا اختتام یہی نتیجہ استقرا ہے، جس سے تمام اشیاء کو اس بہ غور دیکھے ہوئے منظر کے تحت لایا جاتا ہے، تحلیل و ترکیب باہم مختلف و متفاوت نہین، بلکہ یہ ایک

ہی تصویر کے دو مختلف رخ، ایک ہی راہ کی دو مختلف شاخین، اور ایک ہی کل کے دو مختلف جزو ہین جس قاعدہ کو طریقۂ فلسفہ بتا آئے ہین، اس کے لئے یہ دونون لازم و ملزوم کا حکم رکھتے ہین جس طرح صرف تحلیل انجاحِ مرام کے لئے کافی نہین اسی طرح تنہا محض ترکیب بھی غیر مفید و ناکارہ ہے، بلکہ ان دونون کا صحیح استعمال اصل مقصد تک پہونچاتا ہے، مگر اس اعتبار سے کہ تحلیل ہی، ہر مجموعہ کے اجزا کو الگ الگ کرکے ان کے خواص و ماہیت کے علم کا آلہ اور ذریعہ ہے، ترکیب کی صحت و عدم صحت اسی تحلیل ہی پر ہے، اگر تحلیل صحت سے ہمدوش ہے تو ترکیب کا صحیح ہونا بھی لازمی ہے، اور اگر تحلیل مین اسقام شریک ہو گئے ہین تو ترکیب کسی طرح بھی ان سے بچ نہین سکتی، اس سلسلہ مین چونکہ تحلیل نہایت نازک اور اہم فرائض انجام دیتی ہے، اسی بنا پر ناقدین و مبصرین نے تحلیل ہی کو مرجح قرار دیا ہے، کہ اس ترجیح کے یہ معنی نہین کہ ترکیب کو بالکل نظر انداز کردیا جائے،

بیانِ بالا سے معلوم ہوا کہ تحلیل و ترکیب کا اجتماع بس یہی ایک طریقہ تحقیقاتِ فلسفہ کے لئے نہایت سود مند اور منفعت بخش ہے، کس وقت جبکہ فلسفہ کی دونون غایتین اس مین ملحوظ رہین پہلی غایت تفتیشِ علل یعنی معلول کی وساطت سے علت کا کھوج لگانا یہ امر ابھی معلوم ہو چکا، کہ اس قسم کی سراغرسی تحلیل سے متعلق ہے، اور ہر معلول دو یا زیادہ علتون کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے، علت و معلول کی جدا جدا شناخت کے لئے یہی مثال کفایت کرتی ہے، کہ مثلاً زید نے کسی قسم کا شربت تیار کیا، ظاہر ہے کہ شربت ایک چیز کا نام نہین، دو سے زاید چیزون کا مجموعہ ہے، یعنی شکر، پانی، اور ان دونون کو ملانے والا دست انسانی یہ علل ثلاثہ جب ایک جگہ مجتمع و فراہم ہو چکین تو اس اجتماع سے نتیجہ مین ان علتون کا معلول یعنی شربت شکر تیار ہو گیا،

بہر طور طریقہ فلسفہ مین علتون کی تفتیش و سراغ کا تحلیل سے آغاز اور ترکیب پر اختتام نہایت ضروری ہے، کثرت کی وحدت مین منتقلی یہ دوسری غایت فلسفہ بھی کسی طرح طریقہ فلسفہ مین

بھولنے اور چھوٹنے کے لایق نہین، اس مین بھی تحلیل و ترکیب کے توسط اور ذریعہ کے بغیر کار برآ
ممکن نہین، اس لئے کہ اشیائے محسوسات اور ذہنیات کے حالات جن کے حاصل کرنے کی جانب
انسان متوجہ ہوتا ہے، یہ سب کے سب مرکبات ہوا کرتے ہین، اور مرکبات کے قفل کے کھولنے کی
کنجی تحلیل ہی ہے، ان مرکبات کی تحصیل کے لئے ضروری ہے، کہ تحلیل سے تحقیق شروع ہو کر ترکیب کے
توسط سے وحدت مین منتقل ہو، مثال مین ادراک کی روداد قابل ملاحظہ ہے، کہ جب کسی شئے کا ادراک
کیا جاتا ہے، تو سب سے پہلے عمل تحلیل سے اس کے اجزا کا علم، پھر اشیاے مختلفہ کا انتخاب و تقابل، ساتھ
ہی ہر ہر جزو کے خواص پر غور و خوض ہوتا رہتا ہے، اس جستجو مین جتنی چیزین اوصاف مین مشترک
و متحد ملتی ہین، اس اشتراک و اتحاد کی تنقیدی نظر سے جانچ کے بعد اسی سے ایک کلیہ بنا کر تحقیق کو
عمل ترکیب کی بدولت مکمل کر دیا جاتا ہے،

ان اصول و قوانین سے پیشتر فلسفہ محسوسات کا گھروندہ بنا ہوا تھا، کیونکہ پہلے پہل اشیاے محسوسہ
ہی پر فلاسفہ کی تحقیق کا دار مدار تھا، اس مین نقص یہ تھا کہ دنیا کی ہر چیز کا معائنہ اور اس کا بالکلیہ سمجھنا
جو ممکن نہین اسے ممکن خیال کر کے کوشش کیجاتی تھی، جس کے نتائج و استنباط مفروضات کے گورکھ
دھندے کے مثل وقعت رکھتے تھے، مگر اسی قسم کی خیال آرائیان اس زمانہ مین ایسی پسندیدہ
تھین کہ یہی طرز تحقیق دور تک پھیلتا، اور بڑے بڑے جھتون کو اپنا پرستار بناتا ہوا بہت آگے نکل
گیا، انھین متقدمین فلاسفہ کے طبقہ مین سے ایک گروہ کے نزدیک ترکیب اجسام کی علت مادی
صرف پانی قرار پایا، ان کے اعقاب نے اس تحقیق کو نظر انداز کر کے ہوا اور آگ کو اصول وجود کی
سلسلہ جنبانی کے لئے منتخب کیا، فیثاغورث چونکہ ابتدا سے ریاضی مین ید طولیٰ رکھتا تھا، اپنے
انھین خیالات راسخہ کی مناسبت سے اعداد کے خاصون کو مادہ اور ذہن کا ماخذ قرار دیکر فلسفہ کی
بنیاد مفروضات کی سرزمین پر رکھدی، اسی قسم کی چہ میگوئیان سوفسطائی فرقہ کے ظہور کا سبب ہوئین،

یہی دور از کار خیالات عام طور پر پھیلے ہوئے تھے کہ سقراط نے محسوسات کا جنگل چھوڑ کر اشانۂ تحقیق ذہنیات کے کاشانہ مین منتقل کر دیا، اور اسی فیلسوف کی سعی و کوشش نے تحقیق کے فوارہ کا رخ گلکدۂ باطن کی طرف پھیر دیا؛ اس کے بعد افلاطون اسی تحقیق کے میکدہ مین ذہنی قوائے اعلیٰ کے چند پیمانے لئے ہوئے آیا، اس نے ذہن کے اعلیٰ قویٰ کی تلاش اور جستجو ہی مین اپنی تحقیق مقید رکھی، اور اس کے سوا اور کسی جانب ملتفت نہ ہوا، لیکن ارسطاطالیس نے ان عملیات ذہنی کو اپنی تحقیق کا مرکز بنایا، جو حواس خمسہ کی سلک ارتباط مین منسلک ہین، ارسطو اور افلاطون ان دونون کی نوعیت تحقیق باہم اختلاف رکھتی ہے نمونہ کے طور پر ان دونون محققون کے طرزِ تحقیق کا کچھ تھوڑا سا بیان ملاحظہ طلب ہے،

ارسطاطالیس کے یہان جزئیات کے مطالعہ سے بتوسط استقرا کلیات کا اخذ و استنباط کیا جاتا ہے، اس طرزِ تحقیق مین فوقیت یہ ہے کہ جن چیزون پر استقرا کا دارمدار ہے، ان کی تعداد جتنی زیادہ ہوا تنا ہی عمل استقرا زیادہ موثق اور صحیح اور نتائج اصح برآمد ہون گے، اور اس طریقہ مین دشواری یہ ہے کہ واقعات، مشاہدات اور تجربہ کی وساطت سے یکجا کرنے کی غیر معمولی کوشش جدا، پھر سمیٹے ہوئے واقعات کے سرمایہ سے اخذِ نتائج مین بے انتہا غور و فکر کی عرق ریزی علحدہ، لیکن اسمین شک نہین کہ اس کاوش و سعی موفور کے بعد جو نتائج حاصل ہوتے ہین ان کی استواری و پائداری بھی غیر معمولی ہوا کرتی ہے، قدم قدم پر کدو کاوش کی صعوبت برداشت کرنے کے اعتبار سے یہی ایک طریقہ عقل و محنت کا مرکز کیے جانے کا استحقاق رکھتا ہے، اس کے سامنے محض تصورات کی رنگ آمیزیان ادنی وقعت و منزلت نہین رکھتین،

یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلسفۂ استقرا کے خود موجد (ارسطو) کے سرو دستار بعض اوقات اغلاط کی چھینٹون سے نہ بچ سکے، اس سے طریقۂ زیر تذکرہ کا ساقط الاعتبار ہونا ثابت نہین ہوتا، بلکہ اس طریقہ کی منزلت کی اور تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ اتفاقاً جہان ارسطاطالیس سے لغزشین ہوئین اُسکا

اصل سبب یہ ہے کہ کلیہ بنانے مین جو واقعات زیر استعمال رہے، وہ تعداد مین کافی نہ تھے، استقصائے تام نہ ہونے کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہوئی، ارسطاطالیس کے سرمایۂ حکمت مین سے بعض نہایت شاندار کلیے چھانٹ کر ارباب نظر نے اپنے دفتر انتخاب و پسندیدگی کے لئے علحدہ کر لئے ہین،

مثلاً ایک یہ کلیہ کہ ہر ایک شے حد حیات مین آنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتی ہے، اور فطرت کی نمائش مین اشکال اور صور مختلفہ کا نظر آنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب حالات موجودہ کے اقتضا کا نتیجہ ہین، اگر کیفیات و حالات ایسے نہ رہین تو صورتین اور شکلین بھی پھر اس طرح نہین رہ سکتین ان مین بھی تبدل و تغیر لازمی ہے، اس طریقہ پر وجود و ہستی کا نہایت وسیع سلسلہ نباتی و حیوانی منزلین طے کرتا ہوا انسان تک آتا ہے، اور موالید ثلاثہ کے جوق کے جوق تدریجاً باہم ایسے ملتے اور آپس مین جذب ہوتے ہوئے چلے جاتے ہین کہ جہین نہ کوئی درز نظر آتی ہے اور نہ اس انضمام و اتصال کا مطلق احساس ہوتا ہے، بہر صورت فلسفۂ استقرائیہ نہایت کار آمد اور مفید ایجاد ارسطاطالیس کے زور دانش کا نتیجہ ہے، اس ایجاد کی زبردستی کا ثبوت اگر تلاش کرنا ہو تو اس کے واسطے سائنس کی اس وقت تک کی روئداد ترقی کی یادداشتین قابل مطالعہ ہین، ارسطاطالیس استقرا کے قدمون سے جزئیات کی پستی کی خاک چھانتا ہوا کلیات کی بلندی تک پہونچتا ہے،

مگر افلاطون کا طرز تحقیق اس کے عکس و ضد خیال کرنا چاہیئے، وہ ابتدا ہی سے کلیات کی بلندی پر چڑھ کر تحقیق کی دوربین سے دیکھ بھال کرنے کا خوگر ہے، اس کے یہان کلیات سے آغاز تحقیق کیا جاتا ہے، اور پھر جزئیات کا استخراج عمل مین آتا ہے، گویا یہ اوج کلیات سے جزئیات کے نشیب مین اترتا ہے، اس کا طرز تحقیق ایک خیالی تصویر سامنے رکھ لیتا ہے، اس کے بعد آگے تحلیل و تجزیہ سے اس کی تفصیل تک پہونچنے کی کوشش کیجاتی ہے، افلاطونی روش کی بنا تخیل پر ہے اس لئے اس سے نتائج بہت جلد ہاتھ آتے ہین، محض استخراج نتائج کی سرعت اگر قابل تحسین و ستائش

قرار پا سکتی ہے تو اسمین کلام نہین کہ افلاطون کی نوعیت تحقیق ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی مشین کے مماثل ہے، جو بہ تعجیل نتائج کے سکّون کے انبار لگانے مین اپنا مثل و نظیر نہین رکھتی،

افلاطون کا فلسفیانہ طریقہ جو بہت جلد شاندار نتیجہ سامنے پیش کر دیتا ہے، ایسے درخت کے مثل کہا جا سکتا ہے، جس کے برگ و بار دور سے تو طراوت بخش اور باصرہ نواز ہون، لیکن قریب سے دیکھنے پر اُس دور کی نظر فروزی سے کہین زائد ناگوار نظر معلوم ہون، یہ سچ ہے کہ ارسطو کے یہان استخراجِ نتائج مین غیر معمولی صعوبت کے علاوہ تاخیر و درنگ بے حد ہوتی ہے، لیکن محصلہ نتائج استحکام و پائداری سے مملو ہوتے ہین، اسی بنا پر ناقدین نے افلاطون کے طریقہ کو ایک نہایت بلند و پرشکوہ قلعہ سے تعبیر کیا ہے، جس کی بنیاد ہوا پر قائم ہو، اور ارسطاطالیس کے طرز تحقیق کو ایک ایسی مستحکم سنگین عمارت کی مثل تسلیم کیا ہے جو ٹھوس چٹانون پر بنائی گئی ہو،

ارسطو کے تلامذہ سے امید کیجا سکتی تھی کہ اپنے استاد کے ایجاد کردہ طریقہ کو اور وسعت دینے کی کوشش کرین گے لیکن خلاف امید بجائے وسعت کے اسے نہایت محدود و تنگ بنا دیا کیونکہ یہ محسوسات کی طرف جھک پڑے اور وہ حکما جو انتخابی کے نام سے مشہور ہوئے، انھون نے ایک نئی صورت نکالی وہ یہ کہ طبقہ حکمائے ہر ہر فرقے کی تحقیق و تنقید جو اپنی نظر مین کارآمد معلوم ہوئی، اس کا سلسلہ مسلسل کرنے مین مصروف ہو گئے، نوین اور سولھوین صدی کے حکما چونکہ زیادہ تر ارسطو کے تصانیف کے مطالعہ اور ان کی شرح کرنے مین منہمک رہتے تھے، اس بنا پر ان کی یہ دیدہ ریزی رائگان نہ گئی، اور اس دور مین اگرچہ زیادہ نہین مگر کچھ تھوڑی بہت ترقی فلسفہ مین ضرور ہوئی، اگر یہ حکما، ارسطاطالیس کے معین کردہ اصول کی پوری پوری پابندی کرتے تو یقیناً ترقی کی دوڑ مین بہت آگے نکل جاتے، لیکن قباحت یہ سدراہ ہو گئی، کہ ان کی تحقیق ہموار و یکسان نہ تھی، بیشتر تحقیق کے وقت عمل تحلیل کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا تھا، جب ہی اغلاط کی سخت ٹھوکرین لگتی تھین اور

کبھی اصول معینہ کے لحاظ سے تحقیق کی ابتدا تحلیل سے شروع کیجاتی تھی تو اس کا نتیجہ معیار صحت پر ایسا ٹھیک اترتا تھا کہ جس مین بال بھر بھی کمی بیشی ممکن نہ تھی، اس فرقہ کی یہی کبھی کبھی کے صحیح اصول و قواعد کی پوری پوری پابندیان ایسی تھین جو ترقی بیسیر کے نام سے موسوم ہوئین،

فلسفہ مین مدت سے اسی کج دار و مریز کا سلسلہ یون ہی چلا آتا تھا کہ سترہوین صدی ڈی کارٹ اور بیکن کو لئے ہوئے آئی، یہ دونون اصلاح فلسفہ کا بیڑہ اٹھائے اسکے ساتھ ساتھ تھے، ان عقل کے پتلون نے فلسفہ کو حشو و زوائد اور اسقام سے پاک و صاف کرنے مین انتھک کوشش کی، نہایت کد و کاوش کے بعد تحصیل فلسفہ کے لئے اہم ہدایات کا انھون نے ایک نہایت مفید دستور العمل بنایا، مثلاً آغاز تحقیق مین بہ احتیاط عمل تحلیل کا استعمال دائرۂ تحلیل سے باہر کے داخل شدہ اجزا کا ترک اور عدم استعمال ختم تحقیق پر تحلیل کے بعد عمل ترکیب کا استعمال ان ہدایات مفیدہ کے دستور العمل کی ابتدا مین تنبیہ کے عنوان سے اس امر کا بھی اظہار کر دیا کہ اگلے فلاسفہ اپنی تحقیقات کے سلسلہ مین عمل تحلیل و ترکیب دونون کو ایک ساتھ نہ استعمال کرنے کی وجہ سے گرداب اغلاط مین ایسے پھنسے کہ پھر صحت و ترقی کے ساحل تک نہ پہونچ سکے، اور مدت تک اسی طرز تحقیق کی غلطی نے فلسفہ کے منہ پر حقیقی ترقی کا دروازہ بند رکھا، اسی وجہ سے تحقیق کے وقت مذکورہ ہدایتون کی پوری پوری پابندی نہایت ضروری ہے،

ڈی کارٹ نے اس کے لئے خاص طور پر قوانین اربعہ کا ایک نہایت سودمند قانونچہ تیار کیا،

پہلا قانون، جب تک کسی چیز کا علم صحیح نہ ہو اس وقت تک اسے صحیح نہ تسلیم کرنا،

دوسرا قانون، زیر تحقیق اشیا کی تحصیل مین ممکنہ کوشش صرف کرنا،

تیسرا قانون، بسیط خیالات سے مرکب خیالات کی طرف آنا،

چوتھا قانون، کل اجزائے تحلیلی کا نہایت دقت نظر سے بار بار جائزہ لیکر ترکیب مین شامل کرنا،

قرار پا سکتی ہے تو اسمین کلام نہین کہ افلاطون کی نوعیت تحقیق ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی مشین کے مماثل ہے، جو بہ تعجیل نتائج کے سکون کے انبار لگانے مین اپنا مثل و نظیر نہین رکھتی،

افلاطون کا فلسفیانہ طریقہ جو بہت جلد شاندار نتیجہ سامنے پیش کر دیتا ہے، ایسے درخت کے مثل کہا جا سکتا ہے، جس کے برگ و بار دور سے تو طراوت بخش اور باصرہ نواز ہون، لیکن قریب سے دیکھنے پر اُس دور کی نظر فروزی سے کہین زائد ناگوار نظر معلوم ہون، یہ سچ ہے کہ ارسطو کے یہان استخراج نتائج مین غیر معمولی صعوبت کے علاوہ تاخیر و درنگ بے حد ہوتی ہے لیکن محصلہ نتائج استحکام و پائداری سے مملو ہوتے ہین، اسی بنا پر ناقدین نے افلاطون کے طریقہ کو ایک نہایت بلند و پرشکوہ قلعہ سے تعبیر کیا ہے، جس کی بنیاد ہوا پر قائم ہو، اور ارسطا طالیس کے طرز تحقیق کو ایک ایسی مستحکم سنگین عمارت کی مثل تسلیم کیا ہے جو ٹھوس چٹانون پر بنائی گئی ہو،

ارسطو کے تلامذہ سے امید کیجا سکتی تھی کہ اپنے استاد کے ایجاد کردہ طریقہ کو اور وسعت دینے کی کوشش کرین گے لیکن خلاف امید بجائے وسعت کے اسے نہایت محدود و تنگ بنا دیا کیونکہ یہ محسوسات کی طرف جھک پڑے اور وہ حکما جو انتخابی کے نام سے مشہور ہوئے، انھون نے ایک نئی صورت نکالی وہ یہ کہ طبقہ حکماء سے ہر ہر فرقے کی تحقیق و تنقید جو اپنی نظر مین کارآمد معلوم ہوئی، اس کا سلسلہ مسلسل کرنے مین مصروف ہو گئے، نوین اور سولھوین صدی کے حکما چونکہ زیادہ تر ارسطو کے تصانیف کے مطالعہ اور ان کی شرح کرنے مین منہمک رہتے تھے، اس بنا پر ان کی یہ دیدہ ریزی رائگان نہ گئی، اور اس دور مین اگرچہ زیادہ نہین مگر کچھ تھوڑی بہت ترقی فلسفہ مین ضرور ہوئی، اگر یہ حکما، ارسطا طالیس کے معین کردہ اصول کی پوری پوری پابندی کرتے تو یقیناً ترقی کی دوڑ مین بہت آگے نکل جاتے لیکن قباحت یہ سدراہ ہوگئی، کہ ان کی تحقیق ہموار و یکسان نہ تھی، بیشتر تحقیق کے وقت عمل تحلیل کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا تھا، جب ہی اغلاط کی سخت ٹھوکرین لگتی تھین اور جب

کبھی اصول معینہ کے لحاظ سے تحقیق کی ابتدا تحلیل سے شروع کیجاتی تھی تو اس کا نتیجہ معیارِ صحت پر ایسا ٹھیک اترتا تھا کہ جس مین بال بھر بھی کمی بیشی ممکن نہ تھی، اس فرقہ کی یہی کبھی کبھی کے صحیح اصول و قواعد کی پوری پوری پابندیان ایسی تھین جو ترقی بسیر کے نام سے موسوم ہوئین،

فلسفہ مین مدت سے اسی کج دار و مریز کا سلسلہ یون ہی چلا آتا تھا کہ سترھوین صدی ڈی کارٹ اور بیکن کو لئے ہوئے آئی، یہ دونون اصلاحِ فلسفہ کا بیڑہ اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ تھے، ان عقل کے پتلون نے فلسفہ کو حشو و زوائد اور اسقام سے پاک و صاف کرنے مین ان تھک کوشش کی، نہایت کد و کاوش کے بعد تحصیل فلسفہ کے لئے اہم ہدایات کا انھون نے ایک نہایت مفید دستور العمل بنایا، مثلاً آغازِ تحقیق مین بہ احتیاط عملِ تحلیل کا استعمال دائرۂ تحلیل سے باہر کے داخل شدہ اجزا کا ترک اور عدم استعمال ختمِ تحقیق پر تحلیل کے بعد عملِ ترکیب کا استعمال ان ہدایات مفیدہ کے دستور العمل کی ابتدا مین تنبیہ کے عنوان سے اس امر کا بھی اظہار کر دیا کہ اگلے فلاسفہ اپنی تحقیقات کے سلسلہ مین عملِ تحلیل و ترکیب دونون کو ایک ساتھ نہ استعمال کرنے کی وجہ سے گردابِ اغلاط مین ایسے پھنسے کہ پھر صحت و ترقی کے ساحل تک نہ پہونچ سکے، اور مدت تک اسی طرز تحقیق کی غلطی نے فلسفہ کے منہ پر حقیقی ترقی کا دروازہ بند رکھا، اسی وجہ سے تحقیق کے وقت مذکورہ ہدایتون کی پوری پوری پابندی نہایت ضروری ہے،

ڈی کارٹ نے اس کے لئے خاص طور پر قوانین اربعہ کا ایک نہایت سودمند قانونچہ تیار کیا،

پہلا قانون، جب تک کسی چیز کا علم صحیح نہ ہو اس وقت تک اسے صحیح نہ تسلیم کرنا،

دوسرا قانون، زیرِ تحقیق اشیا کی تحصیل مین ممکنہ کوشش صرف کرنا،

تیسرا قانون، بسیط خیالات سے مرکب خیالات کی طرف آنا،

چوتھا قانون، کل اجزائے تحلیلی کا نہایت دقتِ نظر سے بار بار جائزہ لیکر ترکیب مین شامل کرنا،

صحیح مسلم کا ایک قدیم نسخہ ہندوستان میں

از

مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی رام پوری،

رامپور اسٹیٹ لائبریری مین مسلم شریف کا ایک عتیق نسخہ محفوظ ہے،

یہ نسخہ، جمادی الاخری ۷۸۷ھ ہجری مین لکھا گیا ہے، دو فاضلون نے ملکر کتابت کی ہی، پہلی جلد کے کاتب کا نام محمد بن احمد بن محمد، اور دوسری کا ابراہیم بن حاجی سلیمان بن محمد بن یحیی ہے، مقام کتابت "قلعہ دار الامان" ہے، جلد ثانی کے خاتمہ پر یہ عبارت تحریر ہے،

"تم المجلد الثانی من صحیح مسلم من یوم الجمعۃ الخامس من جمادی الاخری سنۃ سبع وثمانین وسبعمائۃ بقلعۃ دار الامان، حماھا اللہ تعالی عن الحدثان، بید العبد الضعیف المحتاج الی رحمۃ اللہ الاحد، محمد بن احمد بن محمد، حامدا ومصلیا ومستغفرا"

کتابت کے ساتھ ساتھ، قرأت بھی جاری رہتی تھی، ہر سبق پر حاشیہ مین تاریخ اور سنہ لکھا ہی، غالبًا دوسری جلد ہی کے خاتمہ پر یہ عبارت درج ہے،

بلغ سماع مولانا وحبنا ومخدومنا، احد العلماء الاعاظم الاکارم، مجمع انواع المدائح والمفاخر والفضائل والمعالی والکمالات العلمیۃ والعملیۃ، شمس الملۃ والدین[1] بن مولانا الاعظم عماد، بناء الافادۃ، اعلی اللہ تعالی شانہما، واوضح براہینہما

---

[1] اس کے بعد چند لفظ اور تحریر ہین، جنھین مین نہ سمجھ سکا، غالبًا شمس الدین لقب ہی، اور وہ نام ہے جو اس طرح لکھا گیا ہی کہ پڑھا نہین جاتا، ممکن ہی، محمود ہو، اسلیے کہ آیندہ حاشیہ پر جگہ جگہ محمود عماد تحریر ہے،

فی الثانی عشر من جمادی الثانیہ، والحمد للہ کلہ،

اس نسخہ کی تصحیح اور مقابلہ چار نسخون سے کیا گیا ہے، جابجا حاشیہ پر، اختلافِ متن کے ساتھ، نسخون کے حوالے بھی دیے ہین، ان مین سے قابلِ ذکر تین نسخے ہین،

(۱) نسخۂ مغربیہ، (۲) حافظ اسمٰعیل[1] اصفہانی کا نسخہ، (۳) حافظ عبد الغنی[2] مقدسی کا نسخہ،

متعدد مقامات پر، حاشیہ مین حلِ لغت، یا تشریح وغیرہ بھی کیگئی ہے، محشی نے اپنا نام محمود عماد لکھا ہے، یہ غالبًا وہی صاحب ہین جنھون نے یہ کتاب پڑھی ہے،

کتاب کا خط صاف نسخ ہے، کل صفحات تقریبًا ۵۴۳ ہین، اور ہر صفحہ مین ۳۰ سطرین ہین،

کتاب مین دو جگہ سلطان محمود گجراتی کی مہر ثبت ہے، مہر کا رسم الخط، طغرا نما نسخ ہے، اس لیے مین پوری عبارت نہین پڑھ سکا، اس قدر صاف پڑھا جاسکتا ہے،

الخاقان بن الخاقان، السلطان محمود خلد اللہ ملکہ وسلطانہ،

مہر کے نیچے شنگرف سے تحریر ہے:-

مہر سلطان محمود گجراتی،

سرورق پر، متعدد دستخط اور مواہیر ثبت ہین، جنہین قابلِ ذکر یہ ہین،

---

[1] طبقات الحفاظ ذہبی مین لکھا ہے:-

ابو القاسم حافظ شیخ الاسلام اسمٰعیل بن محمد بن الفضل بن علی، قرشی اصفہانی، ملقب بہ قوام السنۃ، مصنف الترغیب والترہیب، ۴۵۷ھ مین پیدا ہوے اور ۵۳۵ھ مین وفات پائی، ابن مردویہ وغیرہ سے حدیث پڑھی، ابن عساکر، صاحب تاریخ دمشق ان کے شاگرد ہین، امام احمدؒ کے بعد، بغداد مین، ان سے زیادہ فاضل اور بڑا حافظِ حدیث، نہین داخل ہوا، [2] حافظ عبد الغنی المقدسی الدمشقی، صاحب التصانیف ۵۴۱ھ مین پیدا ہوے اور ۶۰۰ھ مین وفات پائی، دارقطنی کے بعد ان جیسا محدث نہین ہوا، حدیث مین بہت سی کتابین تصنیف کی ہین، (طبقات الحفاظ ذہبی)

(۱) مہر عبدالرحیم خانخانان پسر بیرم خان، مہر کے نیچے یہ عبارت درج ہے:۔

"صحیح مسلم در حدیث کہ در شہور سنہ ۹۹۷ھ در دار الامان احمد آباد، داخل کتابخانۂ خاص شدہ"

(۲) مہر موسوی خان، اس نے اپنے قلم سے یہ عبارت لکھکر مہر لگائی ہے:۔

"الله اکبر: صار ما صار لخادم الفقراء، الاحقر موسوی خان علی اکبر عفی عنہ

وحسبك قول الناس فيما ملكته

لقد كان هذا مرة لفلان"

(۳) مہر حسن الحسینی، حسن نے یہ عبارت تحریر کرکے مہر لگائی ہے:۔

"الله اکبر اشرفنی باعطاء هذا الكتاب النفيس الشريف ..... جعله الله

من الفائزين بالدرجة العليا، کتب العبد حاجی حسن الحسینی امروی عفی عنه وعن والديه"

حسن کی مہر میں سنہ ۹۵۹ھ منقوش ہیں، لیکن منقوط جگہ حاشیہ کے ساتھ، جلد ساز نے تراش دی ہے، اس لیے دینے والے کا نام غائب ہو گیا،

(۴) مہر مولوی امان اللہ، یہ محمد شاہی عہد کے فاضل ہیں، انھوں نے اپنے قلم سے یہ عبارت تحریر کرکے مہر لگائی تھی،

"قد انتقل الي بالشراء الصحيح الشرعي بسلخ صفر للسنة العشرين والالف الهجرية

وصلى الله على محمد وآله واصحابه"

لیکن مہر کسی نے محو کر دی ہے، صرف نشان باقی ہے، مہر کے محاذ میں یہ عبارت تحریر ہے:۔

"مہر مولوی امان اللہ کہ در معرکۂ نادر شاہ شہید شدہ"

مولانا عماد کے متعلق "تذکرۂ علمائے ہند" (صفحہ ۱۵) میں لکھا ہے:۔

"مولانا عماد کہ در عہد محمد تغلق بود، اجداد وے از عرب بغور آمدند، وازانجا بعض از بزرگانش ہمراہ

سلطان شہاب الدین غوری، بہندوستان رسید"

سلطان محمد تغلق ۷۵۲ھ ہجری مین فوت ہوا ہے[1]، فرشتہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ محمد تغلق نے ملک الملوک عماد الدین کو، ۷ لاکھ تنگہ، اور اپنے استاد عضد الدین کو ۴ لاکھ، ایک دن مین عطا کیے تھے[2]، غالباً یہ وہ مولانا عماد ہین، جنکا ذکر تذکرہ علماے ہند مین آیا ہے۔ اور جن کے صاحبزادے کا سماع مسلم شریف کے زیر بحث نسخہ سے ثابت ہوتا ہے،

۷۵۲ھ سے لیکر ۷۹۹ھ تک، فیروز شاہ نے حکومت کی ہے[3]، اس لیے اس نسخہ کا عہد کتابت فیروز شاہ عہد سلطنت کے مطابق ہے[4]،

سلطان محمود گجراتی جس کی مہر ثبت ہے داؤد شاہ کو معزول کرکے ۸۶۳ھ ہجری مین گجرات کے تخت بیٹھا اور ۹۱۷ھ کو فوت ہو گیا، نوین صدی کا آخری حصہ، اس کے لیے آسودگی کا زمانہ تھا، چنانچہ ۸۹۲ھ مین احمد آباد کی چار دیواری تعمیر کرائی، اور دروازہ پر "من دخلہ کان آمنا"، کندہ کرکے نصب کیا[5]، لہذا اس نسخہ کو تقریباً اسی زمانہ مین اس کے شاہی کتابخانہ مین داخل ہونا چاہیئے،

بعد ازین عہد حکومت گجرات مین خانخانان نے، اس کو بہم پہنچایا، اور دار الامان احمد آباد کے کتابخانہ خاص مین داخل کر دیا، جو آہستہ آہستہ دہلی اور دہلی سے رامپور گیا،

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بات بالتصریح معلوم ہوتی ہے کہ صحاح مین سے کم از کم "صحیح مسلم" کے چار معتبر نسخے، آٹھوین صدی کے آخری حصہ مین ہندوستان کے اندر موجود تھے، جنمین حافظ عبد الغنی مقدسی متوفی ۶۰۰ھ صاحب المصباح، نہایۃ المراد، الکمال، اور العمدۃ، اور حافظ شیخ الاسلام اسمعیل الاصفہانی متوفی ۵۳۵ھ صاحب الترغیب والترہیب کے نسخے خاص طور پر قابل ذکر ہین[6]، یہ نسخے آج موجود ہوتے تو ہزار

[1] فرشتہ، مقالہ ۲، ۱۴۳، [2] فرشتہ مقالہ ۲ - ۱۳۳، [3] فرشتہ مقالہ ۲ - ۱۵۰،

[4] معارف: مضمون نگار کے یہ تمام قیاسات خود انکی بعد کی تحقیق ضمیمہ سے باطل ہو گئے ہین جیسا کہ ان کے ضمیمہ سے آیندہ معلوم ہوگا

[5] فرشتہ، روضہ ۳، ۱۹۳ تا ۲۰۵، [6] معارف: - یہ تمام قیاسات غلط ہین،

روپیے کے عوض بھی ارزان تھے، لیکن سرزمین ہند کی بدقسمتی نے ملک و دولت کے ساتھ، علمی جواہر ریزون سے بھی ہمارا دامن خالی کردیا،

معارف فروری ۲۹ء میں، نواب صدر یار جنگ بہادر دامت عظمتہ نے بھی، امام ہمام مسلم النیشاپوری کی جامع صحیح کے ایک قلمی نسخہ سے تعارف کرایا ہے، یہ نسخہ نواب صاحب ممدوح کے کتابخانہ مین موجود ہے، اور عہد عالمگیری کے شاہی عہدہ دار روح الامین خان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،

مضمون کے شروع مین، علامۂ سید سلیمان ندوی دامت عظمتہ، کا ایک نوٹ ہے، جسمین علامۂ موصوف نے ہندوستان مین اشاعتِ حدیث کی تاریخ متعین کی ہے، اس کا ماحصل یہ ہے،

(۱) نوین صدی ہجری تک ہندوستان مین صرف مشارق الانوار کا نسخہ نظر آتا ہے،

(۲) عہد اکبری مین کتبِ حدیث مین سے شمائل کا نسخہ غالباً ہندوستان پہنچ چکا تھا، ملا عبد النبی اور ملا یعقوب، حجاز سے حدیث پڑھکر آئے تھے، وہ اپنے ساتھ لائے ہونگے،

(۳) سب سے پہلے شیخ عبد الحق محدث دہلوی، عرب سے کم از کم مشکوۃ، موطا، امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخے لائے،

(۴) سلاطینِ تیموریہ کے کتابخانہ سے حدیث کا کوئی نسخہ برآمد نہ ہوا، مین نے اس نظر سے خاص طور سے یورپ اور ہندوستان کی مطبوعہ فہرستین دیکھی ہین،

(۵) لیکن بنگالہ مین خواجگی شروانی (۹۰۵، ۲۷ھ) نے صحیح بخاری کا ایک نسخہ علاء الدین شاہ حسین کی نذر گزرانا تھا، جو خود خواجگی نے لکھا تھا،

مگر رامپور کے نسخہ سے ان مقدمات کی تائید نہین ہوتی، اس لیے

(۱) کہ زیر بحث نسخہ محمد تغلق کے عہد مین ہندوستان کے اندر چار نسخون سے لکھا گیا ہے، اور سلطان محمود گجراتی کے شاہی کتاب خانہ مین رہکر، اکبر کے امراء تک پہنچا، گویا آٹھوین صدی کے وسط سے گیارہوین صدی

کے شروع تک امرا کے پاس سے علمار کے دامن مین، اور علمار کے ہاتھ سے بادشاہون کے کتابخانو
منتقل ہوتا رہا ہے، اس لیے نوین صدی ہجری تک، ہندوستان مین صرف مشارق کا وجود صحیح نہین
ازکم صحیح مسلم یقیناً موجود ہے،

(۲) ملا عبدالنبی اور ملا یعقوب ۹۸۶ھ مین حجاز گئے تھے[1]، یہی زمانہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی
سفرِ حجاز کا ہے، اس حساب سے تقریباً ۲۰۰ سال پہلے سے، مسلم شریف موجود ہے، یہ ممکن ہے کہ شمائل
نہ آئی ہو، اور ملا صاحبان کی نظرِ انتخاب نے اسے یہان لانے کے لیے پسند کر لیا ہو،

اکبر کے آخری عہد مین، یا زیادہ سے زیادہ وسط مین، محدث دہلوی حدیث کی کتابین لیکر آ
لیکن انھین ملا عبدالنبی کے گھر اپنے ابتدائی عہد مین اکبر حدیث پڑھنے جاتا تھا، آخر وہ کون سی حدیث کی
ہو سکتی ہین، صرف مشارق کب تک سیراب کر سکتی تھی، یہ لوگ حنفی سہی، لیکن اس وقت تک اہل حد
و اہل فقہ ہین، اس قدر جنگ آزمائی نہوتی تھی، کہ فقہاء احادیث سے بھی بیزار ہو جاتے،

(۴) یہ بجا ہے، کہ سلاطین تیموریہ کے ہان احادیث کا ذخیرہ، کتاب خانہ کے شایانِ شان نہ
لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہین ہو سکتا، کہ صحاح بھی موجود نہ ہون، اس لیے کہ کم از کم صحیح مسلم تو ہمار
پاس موجود ہے، جو خود ان کا جاہ و حشم، اور ذوقِ علم معائنہ کر چکی ہے،

(۵) بنگالہ کے علاوہ، ہندوستان کے اور صوبون گجرات وغیرہ مین بھی احادیث کی کتابین مر
تھین، لیکن کمیاب ضرور ہون گی، یہ خواجگی کی عقیدتمندی تھی کہ اس نے بخاری شریف اپنے ہاتھ
سے لکھی،

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

---

[1] ماثر الامرار، جلد ۳، ص ۵۵۲،

ضمیمہ

حضرۃ العلامۃ دامت شموس فضلہ بازغۃ!

گرامی نامہ ملا، انشاء اللہ آیندہ پورا نام لکھا کرون گا، مولانا محمود عماد کے متعلق مزید تحقیق کی، یہ نوین صدی کے بزرگ معلوم ہوتے ہین، اس لیے کہ حاشیہ مین متن کی اس عبارت پر

حدثنا سعید بن منصور، ثنا مہدی بن میمون عن ابی الوازع عن جابر بن

تحریر کیا ہے، اظن الصواب سقوط عن، لان ابا الوازع ہو جابر بن عمرو، کما یفہم من التہذیب والتقریب،

غالباً اس سے مراد، عسقلانی کی تقریب التہذیب ہے، جو ۸۲۷ھ مین لکھی گئی ہے، اس لیے محمود عماد کو عسقلانی کا ہمعصر یا ان سے بعد ہونا چاہیے،

نسخہ کے متعلق ایک نئی بات اور معلوم ہوئی، یہ ایک اور نسخہ سے بھی صحیح کیا گیا ہے، کاتب یا محشی اس کو صاحب الجلودی کا نسخہ کہتا ہے، محشی کی عبارت یہ ہے،

"کما فی نسخ معتمدۃ، احداہن قرأت علی صاحب الجلودی"،

مضمون مین شاہ محمود گجراتی کی مہر کا ذکر آیا ہے جسکی عبارت اسوقت میری سمجھ مین نہ آئی تھی مزید غور سے یہ شعر پڑھا گیا

تا بلوحِ آسمان باشد ستونِ مہر و ماہ جاودان باد انشانِ خاتمِ محمود شاہ

اشاعتِ حدیث کی تاریخ پر اس سے یقینی روشنی پڑتی ہے، خدا کرے جناب کی مزید تحقیق سے یہ تاریخ ہنگر محمد تغلق ہی پر قرار پکڑے ورنہ ہندوستان کے دامن پر سے یہ دھبہ چھوڑایا نہ جا سکے گا،

تحقیق فرماتے وقت جناب عماد، شمس الدین، اور قلعہ دار الامان سب پر نظر رکھین ممکن ہے یہ قلعہ دار الامان، وہی مقام ہو جسکو برباد کرکے موجودہ احمد آباد (گجرات) آباد کیا گیا ہے، مشکل یہ آپڑتی ہے کہ اسکا سنہ تعمیر ۹۲ھ ہے اور نسخہ [illegible] مین کچھ اور سال قبل لکھا گیا ہے،

"امتیاز"

معارف

جبتک یہ نسخہ پیش نظر نہ ہو، اور اسکی پوری ورق گردانی نہ کرلیجائے، ان مشکلات کا حل مشکل ہے، بہرحال تنقیح طلب دو باتین ہین،

۱۔ نسخہ کی تاریخ کتابت،

۲۔ اور نسخہ کی تاریخ قرأت،

۱۔ آپنے جو کچھ معلومات اپنے مضمون مین فراہم کئے ہین، اُن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی کتابت کی تاریخ ۶۵۸ھ ہے، اور جس مقام پر اس کی کتابت ہوئی، اس کا نام قلعۂ دارالامان ہے، جو بظاہر احمدآباد نہین ہو سکتا کہ اس زمانہ مین تو گجراتی سلطنت قائم بھی نہین ہوئی تھی، لیکن اس نام سے کسی اور مشہور قلعہ کا نام بھی نہین ملتا،

۲۔ نسخہ کی تاریخ قرأت، نوین صدی ہجری کا اخیر ہے، کیونکہ آپ نے خود نقل کیا ہے کہ حواشی پر قاری کے قلم سے تہذیب اور تقریب کے حوالے ہین، اور یہ دونون حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ کی تصنیفات ہین، اس لیے قاری جنکا نام محمود عماد آپنے نقل کیا ہے، نوین صدی کے اخیر یا دسوین صدی کے شروع کے آدمی ہونگے، گجرات کے مشاہیر علما مین مولانا عمادالدین طارمی شیرازی نام ایک بزرگ اسی زمانہ مین ملتے ہین، جو حضرت شاہ عالم المتوفی ۸۸۰ھ کے مرید ملک قطب الدین کے مرید تھے، اور ملا وجیہ الدین گجراتی المتوفی ۹۹۸ھ اور قاضی علاء الدین گجراتی اُن کے مشہور شاگرد تھے، تاریخ علمائے ہند صفحہ ۷۲ مین ہے،

"مولانا عمادالدین محمد طارمی، طارم در حوالی شیراز است، از انجا بگجرات آمدہ بخدمت ملک قطب الدین کہ خلیفۂ خاص حضرت سید محمد المشہور بشاہ عالم بودند مرید گشت، چنانچہ در علوم ظاہر بے نظیر آفاق بود، و در علم باطن ہم طاق گردید، و بارشاد و ہدایت خلق مشغول گشت، میان وجیہ الدین گجراتی از ارشد تلامذۂ وہند"

یہی عبارت و مفہوم مرأت احمدی (تاریخ گجرات) ۱ جلد صفحہ ۶۰ مین ہے، مولانا عماد طارمی کی ولادت

غالبًا سنہ [illegible]ھ جو حضرت شاہ عالم کی وفات کا سال ہے پہلے ہو، کیونکہ انھین کی دعا سے مولانا کی ولادت کی حکایت بیان کیجاتی ہے،

بہرحال اس نسخہ کو اُن مولانا عماد کی طرف منسوب سمجھکر جو عہد تغلق مین تھے اس نسخہ کو ہندوستان مین ساتوین صدی کا آیا ہوا، اور یہان چار مشہور نسخون کی تصحیح و مقابلہ سے تیار ہونا، سرتاپا غلط ہے، جیسا کہ آپ نے خود اپنے بعد کے والانامہ (ضمیمہ) مین تسلیم کیا ہے،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مصر یا شام یا حجاز مین کہین منقول ہوا ہے، اور وہان سے سلطان محمود گجراتی اول کے زمانہ مین گجرات آیا، اور اکبر کے گجرات فتح کر لینے کے بعد یہ اکبری امراء کے ہاتھ آیا، یہ جو کچھ لکھا گیا ہے قیاس آرائیان ہین، ضرورت ہے کہ خود مضمون نگار، یا کوئی دوسرے صاحب علم اس نسخہ کو پوری طرح دیکھکر اپنی راے ظاہر کرین،

قلعہ دار الامان کے نام سے سنہ ۶۸۶ھ مین کسی قلعہ کا پتہ نہین چلتا، کتب جغرافیہ، خطط مصر، خطط شام اور گجرات کی تاریخون مین بہت کچھ تلاش کیا، مگر دار الامان کا سراغ نہ پایا،

تلخیص و تبصرے

مرحوم احمد تیمور پاشا

مصر کے ان جدید تعلیمیافتہ اصحاب میں جنھون نے گذشتہ ربع صدی مین عربی علم ادب اور اسلامی علوم و فنون کی بیش از بیش خدمت انجام دی، ایک ہستی احمد تیمور پاشا کی ہے، افسوس ہے کہ انھون نے گذشتہ ماہ اپریل مین وفات پائی، ان کے مفید تالیفات کے علاوہ وقیع علمی مقالات مصر و شام کے ممتاز رسالون مین شایع ہوتے رہتے تھے، اور معارف نے بھی ان کے مضامین ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے صفحات مین پیش کئے،

احمد تیمور پاشا نومبر ۱۸۷۱ء مین مصر کے ایک متمول کرد خاندان مین پیدا ہوئے، یہ خاندان محمد علی پاشا کے عہد مین موصل سے مصر مین آکر آباد ہوا، اور اس کے مورث اعلیٰ تیمور بن محمد بن اسمعیل کرد محمد علی پاشا کے دور حکومت مین حکومت مصر کے دست راست تھے،

احمد تیمور پاشا ابھی چند ہی دن کے تھے کہ ان کے والد اسمعیل تیمور پاشا کا انتقال ہوگیا، اور ان کی تربیت ان کی شاعرہ و ادیبہ بہن عائشہ نے کی، انھون نے ان کو بچپن ہی مین ایک فرانسیسی مدرسہ "مارسیل" مین داخل کردیا، چند سال کی تعلیم و تربیت کے بعد جب انھین عربی علم ادب سے زیادہ شغف ہوا تو فرانسیسی مدرسہ سے نکل کر گھر ہی پر عربی علوم و آداب کی باقاعدہ تحصیل شروع کی اور اس عہد کے مشہور اساتذۂ مصر کے سامنے زانوے ادب تہ کیا، چنانچہ ان کے اساتذہ کی فہرست ان مصر کے ممتاز افاضل شیخ رضوان بن محمد مخلاتی، شیخ حسن طویل، شیخ محمد محمود ترکزی شنقیطی، شیخ

محمدؒ عبدہ اور علامہ طاہر جزائری وغیرہ ہین، انھین اساتذہ سے علوم عربیہ صرف ونحو، فقہ، منطق، حدیث اور علوم قرآن مین مہارت حاصل کی، اور ان علوم کے ماسوا فرانسیسی زبان مین خاص دستگاہ پہلے حاصل ہو چکی تھی،

تحصیل علوم کے بعد انھین دنیاوی اعزاز واکرام کا نمایان حصہ عطا ہوا، انھین خاندانی وجاہت جو کچھ حاصل تھی، اس کی بناپر "پاشا" کے خطاب سے سرفراز کرکے امور مملکت مین شریک کیا گیا، اور "مجلس الشیوخ" کے رکن منتخب کئے گئے، لیکن انھین ان امور سے فطرۃً دلچسپی نہین تھی، اس لئے مجلس الشیوخ سے مستعفی ہوکر دیگر علمی واصلاحی مشاغل مین مصروف ہوگئے، چونکہ موصوف نے شیخ محمدؒ عبدہٗ کا فیض صحبت اٹھایا تھا، اس لئے اصلاحی کامون سے ان کو زیادہ دلچسپی تھی، چنانچہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہوکر اپنا کافی وقت "جمعیۃ الہدایۃ الاسلامیہ" کی خدمت مین صرف کرنے لگے، پھر "جمعیۃ الشبان المسلمین" کے نام سے ملک کے مختلف اہل علم کی معیت مین ایک انجمن کی بناڈالی، اور اس کے سرگرم کارکن رہے،

اور اپنے علمی مذاق کے لحاظ سے مصر وشام کی اہم علمی انجمنون "دار الآثار العربیہ" "المجمع العلمی المصری" اور "المجمع العلمی العربی دمشق" وغیرہ کے بھی رکن تھے، اور ان ادارون کی طرف سے عربی علم ادب کی جو کتابین شایع ہوتی رہتین ان کی تصحیح ومقابلہ وتحشیہ مین معاونت کرتے، چنانچہ عربی علم ادب کی مشہور کتاب "کتاب الاغانی" کا معتدبہ حصہ انھین کی زیر نگرانی شائع ہوا ہے، اور ان انجمنون کی طرف سے مصر وشام کے جو ممتاز رسائل المقتبس، المنار، الزہراء، اور المجمع العلمی العربی وغیرہ بطور آرگن شائع ہوتے ہین، ان مین ان کے علمی مضامین برابر شایع ہوتے رہتے،

موصوف کا سب سے زیادہ زندہ علمی کارنامہ ان کا مشہور کتب خانہ "کتب خانہ احمد تیمور پاشا" ہے، انھین کتابون کے جمع وترتیب کا خاص ذوق تھا، اپنے عہد شباب ہی سے انھون نے نفیس

اور نادر کتابون کا ذخیرہ جمع کرنا شروع کیا جس کا سلسلہ زندگی کے آخری لمحون تک قایم رہا،

"کتب خانہ احمد تیمور پاشا" مین کتابون کی تعداد اگرچہ ۱۵ ہزار سے زیادہ نہین ہے لیکن جس قدر کتابین ہین ان کا معتدبہ حصہ نادر قلمی کتابون پر مشتمل ہے، جو اولاً مصر، شام، شمالی افریقہ اور دیگر مقامات کے مختلف گوشون سے بے دریغ روپیہ صرف کرکے حاصل کی گئین، علاوہ ازین مشرق و مغرب کے مشہور کتب خانون مین جو نادر قلمی نسخے تھے، ان کی نقل منگائی گئی، اور جن کی نقل نہ کیجا سکی، ان کے فوٹو حاصل کیئے گئے، چنانچہ اس طریقہ سے اس کتبخانہ مین شمالی افریقہ عراق شام، یمن اور حجاز کے کتبخانون کے نادر نسخون کی نقل حاصل کرنے کے علاوہ یورپ کے کتبخانون مین سے قسطنطنیہ، پرس اور روما وغیرہ سے نسخون کی نقلین حاصل کی گئین، یہان تک کہ رفتہ رفتہ اس کتبخانہ مین ایسا ذخیرہ جمع ہوگیا کہ مصر کے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ "کتب خانہ احمد تیمور پاشا" مصر و شام کے دوسرے کتبخانون "دار الکتب مصریہ قاہرہ" اور "مکتبہ ظاہریہ دمشق" وغیرہ سے زیادہ بہتر ہے،

احمد تیمور پاشا نے اپنی زندگی ہی مین اس کتبخانہ کے لئے ایک شاندار عمارت تعمیر کی، اور پورے کتبخانہ کو وقف عام کردیا، اور اس کے اخراجات، اور کتابون مین مزید اضافہ کے لئے جائداد کا ایک معقول حصہ الگ کردیا،

موصوف کو زیادہ تر علم ادب، لغت اور تاریخ عرب و اسلام وغیرہ سے خاص شغف تھا، اس لئے ان کی تالیفات بھی زیادہ تر انھین علوم کے دائرہ مین ہین ہم ذیل مین المنار اور المقتطف وغیرہ سے ان کی تصنیفات و رسائل کا ایک نقشہ پیش کرتے ہین،

۱- کتاب معجم اللغۃ العامیۃ مصر مین یہ خیال پیدا ہورہا تھا کہ مصر کی عامیانہ زبان کو علمی زبان قرار دیا جائے اور فصیح عربی کے بجائے اسی زبان کو قبول کرلیا جائے، مصنف اس جماعت کے ہم خیال نہ تھے، اور انھون نے پوری کاوش سے مصر کی عامیانہ زبان پر عبور حاصل کیا،

اور عامی الفاظ کے عربی وغیر عربی ہونے کی تحقیق کی، اور اس زبان کے غیر علمی ہونے کے ثبوت بہم پہونچائے،
اور اسی سلسلہ مین عامی زبان کا ایک لغت تیار کرلیا، اور پھر اسکا ایک ذیل بھی لکھا،

۲- کتاب معجم الفوائد، یہ مصنف کے اثنائے مطالعہ کے اقتباسات کا مجموعہ ہے، جو مختلف علمی و ادبی مباحث پر مشتمل ہے، ان تمام مباحث کو یکجا کرکے ان پر حواشی و تعلیقات بڑھائے گئے، اور سب کو ایک مرتب شکل مین جمع کیا گیا ہی،

۳- ترجمہ ابی العلاء المعری، اس مین مشہور عرب شاعر ابو العلا معری کے سوانح حیات ہین، اور اس کے مختلف فیہ حالات خصوصًا اس کے عقائد پر جامع تنقید کی گئی ہے، علامہ رشید رضا مصری کا خیال ہے کہ ابو العلا معری پر اس سے بہتر مجموعہ اب تک شایع نہین ہوا،

۴- کتاب وفیات القرنین الثالث عشر و الرابع عشر للھجرۃ، یہ قدیم عرب مورخین کے طرز پر تیرہوین اور چودہوین صدی کے اہل علم کے حالات مین ہے،

۵- مفتاح الخزانہ یہ بغدادی کی خزانۃ الادب کی جامع فہرست مضامین ہی،

۶- نظرۃ تاریخیۃ فی حدوث المذاھب الاربعۃ یہ فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ کی ابتدا اور عہد بعہد کی تدریجی ترقی اور مختلف ممالک مین ان کے نشر و اشاعت کی ایک مختصر جامع تاریخ ہے، اس رسالہ کا اردو ترجمہ معارف کی کسی گذشتہ جلد مین کئی نمبرون مین شایع ہوچکا ہی،

۷- رسالۃ تاریخ الیزیدیہ، یہ فرقہ یزیدیہ کے حالات مین ہی،

۸- رسالۃ العلم العثمانی، یہ عثمانی پرچم کے اصل، اس کے ماخذ، اور اس کی گذشتہ تاریخ اور پھر اس سے مصری پرچم تیار کرنے کے حالات مین ہی،

۹- رسالہ قبر سیوطی علامہ سیوطی کی قبر کی تحقیق و حالات مین ہی،

۱۰- رسالہ تنقیح لسان العرب عربی کی مشہور لغت لسان العرب کی تصحیح و تنقیح،

۱۱- رسالہ تنقیح القاموس المحیط - اس مین عربی کے دوسرے مشہور لغت قاموس کی تنقید و تصحیح کی گئی ہی

۱۲- ذیل طبقات الاطبا - یہ طبقات الاطبار ابن ابی اصیبعہ کا ذیل ہے، جسمین اطبار اور حکما کے حالات ہین،

۱۳- التصویر عند العرب - اس مین عربون کے فن مصوری پر بحث کی گئی ہی،

۱۴- الآثار النبویہ ، اس مین آنحضرت صلعم کے موے مبارک اور دیگر متبرک آثار کا تذکرہ ہے، جو مختلف مقامات مین محفوظ ہین،

لیکن افسوس ہے کہ بجز چند مضامین اور رسائل کے ان کی تالیفات کا معتد بہ حصہ ابھی تک قلمی ہے، اگرچہ ان مین سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ مرتب ہو چکی ہی، مگر مصنف کا مشغلہ اصلاح، ترمیم و اضافہ کا ایک مستقل سلسلہ جاری تھا جس کی وجہ سے مصنف کو ایسی تسلی نہ ہو سکی کہ وہ کتابین پریس کے حوالہ کیجاتین، اب توقع ہے، کہ ان کے صاحبزادے اسمٰعیل بک وغیرہ جو ان کے صحیح جانشین ہین انکی تالیفات کو جلد تر شایع کرین گے،

"ل"

اسلام مین قوانین بین الدول

ڈاکٹر ارمنازی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور اس کی تصنیف پر پیرس سے انکو انون کی ڈاکٹری کی ڈگری ملی ہی، یہ کتاب فرنچ مین ہے، لیکن ڈاکٹر ارمنازی نے عربی مین بھی اس کا ترجمہ کیا ہے، جو عنقریب چھپے گا، المقتطف نے اس کا ایک ٹکڑا شایع کیا ہے، جس کی تلخیص یہ ہے،

اس زمانہ مین قوانین سلطنت سے وہ تمام قواعد مراد ہین، جن سے سلطنتون کے باہمی حقوق و فرائض کی تعیین ہوتی ہے، لیکن اس موقع پر ان قواعد سے ہماری مراد وہ قواعد ہین جن کی پابندی

مسلمانون پر غیر مسلمون کے معاملے مین خواہ وہ اُن سے برسرپیکار ہون یا انھون نے اُن سے مصالحت کرلی ہو، وہ اشخاص ہون یا غیر مسلم سلطنت ہو، دارالاسلام مین ہون یا دارالاسلام سے باہر ہون، ضروری ہے، انھین قواعد مین مرتد، باغی اور راہزن بھی داخل ہین، فقہ کی کتابون مین ان قواعد کو سیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، جو سیرت کی جمع ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ غیر مسلمون کے ساتھ مسلمانون کا برتاؤ کیا ہونا چاہئے، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ ائمہ نے ابتدا ہی سے قوانین سلطنت کی بنیاد ڈالدی تھی، گو یہ بنیاد زیادہ تر قوانین جنگ سے تعلق رکھتی ہو،

اسلام کو ابتدا ہی سے دشمنون کے ساتھ سابقہ پڑا جنمین سے بعض کے ساتھ اس نے جنگ کی اور بعض کی طرف مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھایا، اس بنا پر اس نے جنگ وصلح کے قواعد ابتدا ہی سے بنائے، اور اسلام کی ترقی اور فتوحات کی وسعت کے ساتھ وہ روز بروز ترقی کرتے گئے

بہت سے یوروپین مورخین نے یہ ثابت کیا ہو کہ فقہ اسلامی مین جنگ کے تمام اصولی قوانین موجود ہین، اور وہ صرف فتح وغنیمت تک محدود نہین ہین، بلکہ ٹکس کی تعیین اور اشیاے ممنوع التجارت وغیرہ کو بھی شامل ہین، اور آج ان کے متعلق جو قواعد موجود ہین، ان مین اور ان مین صرف نام کا فرق ہے،

فقہ اسلامی کی تمام شاخون کی کتابون مین باب الجہاد والسیر مین ان تمام قواعد کی تفصیل ہے جنمین بہترین کتاب امام محمدؒ کی کتاب السیر الکبیر ہے، جس کی بسیط شرح شمس الائمہ سرخسی نے کی ہو، یہ ایک نہایت پراز معلومات کتاب ہو جس مین اس فن کے اصولی اور نادر مسائل مذکور ہین اور وہ صرف مذہب حنفی تک محدود نہین ہے، بلکہ اس مین دوسرے ائمہ کے مذاہب کی تنقید بھی کیگئی ہو،

امام ابویوسف نے ہارون رشید کے لئے کتاب الخراج لکھی ہے، جس کو قانون مال کی کتاب کہنا زیادہ موزون ہے، اس مین انھون نے صلح وجنگ کے بہت سے مسائل سے بھی بحث کی ہے کیونکہ

جنگ بیت المال کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہے، قدامہ ابن جعفر اور یحیی بن آدم نے بھی اس موضوع پر کتابین لکھی ہین،

اس موضوع پر قاضی ابو الحسن ماوردی کی کتاب احکام السلطانیہ بھی عمدہ کتاب ہے جو زیادہ تر مذہب شافعی کے مطابق لکھی گئی ہے، اور اس مین سلطنتون کے عام قوانین کا بیان ہے جسمین قانون جنگ بھی داخل ہے، اور جہاد، خراج، جزیہ اور غنیمت کے سلسلے مین انھون نے اس کا ذکر کیا ہے، اسی موضوع پر اسی نام کی ایک کتاب قاضی ابو یعلی نے حنبلی مذہب کے مطابق لکھی جس کا ایک بدخط نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ مین ہے،

یہ قوانین جنکو ہم فقہ اسلامی کا ایک جزو قرار دیتے ہین، قانون خاص، قانون عام، قانون داخلی، قانون دولی سب کو شامل ہین، عرف و عادت کوئی چیز ان سے مستثنی نہین ہے سلطنتون کے ساتھ افراد سے بھی اُن کا تعلق ہے،

ان قوانین کا اصلی ماخذ تو وحی الٰہی ہے، اور اس لحاظ سے ان مین تغیر و تبدیلی کی گنجائش نہین لیکن فقہ ایک نہایت وسیع چیز ہے، جسمین عبادات معاملات، تعزیرات، سیاسیات، اجتماعیات سب داخل ہین، اس لئے وحی ان تمام قواعد کا ماخذ نہین ہوسکتی ابتدا مین تو بے شبہہ مسلمان صرف حدیث و قرآن پر قانع رہے، لیکن جب فتوحات کو وسعت ہوئی، نئی نئی ضرورتین پیدا ہوئین، اور مسلمانون کو ترقی یافتہ قومون سے سابقہ پڑا تو انھون نے فقہ کے قواعد مین اجماع اور قیاس سے کام لیا اور عام ضروریات کے لئے عرف و عادت کے مطابق قوانین بنائے، اسلام کا سب سے بڑا قاعدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اور امر بالمعروف کے معنی ہی یہ ہین کہ جو چیز لوگون مین متعارف ہو اس کی پابندی کی جائے، اور نہی عن المنکر کے معنی یہ ہین کہ لوگ جس چیز کو ناپسند کرتے ہین اس سے احتراز کیا جائے، اسلام کے جو قواعد رومیون، عبرانیون اور تمام قدیم قومون سے مشابہ ہین، اس کی وجہ

یہی ہے کہ جن ملکون مین اسلام نے نشو ونما پائی ان مین ان قواعد پر عمل کیا جاتا تھا، لیکن اسلام نے ان کو مٹانا نہین چاہا، کیونکہ وہ سوسائٹی کے لئے مفید تھے، اس بنا پر ہم نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہین کہ اسلام نے اور قومون کے تمدن کی ترقی مین رکاوٹ نہین پیدا کی بلکہ اُن کی قدیم چیزون کو قایم رکھکر قدیم وجدید قوانین کے درمیان ایک سنہری کڑی بنگیا، آج یہ قواعد بہت سی مختلف قومون کے قوانین کا ماخذ اسی لئے بنے ہوئے ہین، کہ اسلام کا اخلاقی نظام اُن کے اوصاف وخصائص کو فنا نہین کرتا تھا،

"ع"

اخبارِ علمیہ

زمین کی قوتِ جاذبہ پر اقتدار

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر زمین مین قوت جاذبہ نہ ہوتی تو اس کی گردش محوری کی وجہ سے اُوپر کی ساری مخلوق فضا مین اڑتی ہوتی، اس کی یہی قوت جاذبہ ہے جو فضا مین ہمارے پرواز کرنے کی سب سے بڑی مانع ہے، اس لئے بعض اہلِ فکر زمین کی قوت جاذبہ پر برقی قوتون کے ذریعہ اس قدر اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہین، کہ انسان ہوائی جہاز وغیرہ سے بے نیاز ہو کر برقی طاقت کی امداد سے بلا تکلف فضا مین اڑتا پھرے،

یہ خیال مدت سے اہلِ نظر کے سامنے ہے، لیکن ابھی تک اس مین کوئی ادنیٰ کامیابی بھی نصیب نہین ہوئی ہے، لیکن ماہرینِ فن کی کوششین جاری ہین، اور اس نظریہ کے حصول مین ایک جرمن فلسفی لوسفتر کو سب سے زیادہ انہماک ہے، یہ خیال آج اگرچہ بہ ظاہر مضحکہ خیز نظر آتا ہے، لیکن اگر زمانہ آیندہ مین اس کو کامیابی حاصل ہوئی تو دورِ حاضر کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ مدنیت ماند ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت انسان کے حیطۂ اختیار مین ہوگا، کہ وہ سیارون کو آباد کر سکے، کیونکہ اس وقت ہوائی جہازون کے وہان تک نارسائی کا سب سے بڑا سبب زمین کی یہ قوتِ جاذبہ بھی ہے، اس لیے اسکی قوتِ جاذبہ پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس قسم کے بہت سے موانع خود بخود دور ہو جائین گے، اور نظامِ معاشرت مین جو آسانیان پیدا ہو جائینگی وہ بھی اس وقت تصور سے بالاتر ہین، مثلاً آپ ششش منزلہ مکان کی چھت پر سیڑھیون اور لفٹ کے بغیر ایک ادنیٰ پرواز مین پہونچ جائین گے،

کے بعد سے ۵ اون کے اندر سب کے سب ان کے پاس پہونچ گئے تھے، چنانچہ وہ اپنے تجربون سے
اس نتیجہ تک پہونچے کہ بچون کی ذکاوت یا ان کی عقلی جد وجہد آنکھین کھلتے ہی شروع ہو جاتی ہے
اور وہ ابتدا ًان چیزون اور ان آدمیون کی نقل وحرکت کے ساتھ ساتھ جو ان کے سامنے آتے
جاتے رہتے ہین، اپنی نظرین گھماتے رہتے ہین، پھر جو لوگ ان کے پاس زیادہ آنے جانے والے
ہوتے ہین، یا جو چیزین زیادہ تر ان کے سامنے رہتی ہین، ان کی طرف ہاتھ پھیلا کر اور ہاتھ سکیڑ کر
اپنی انسیت کا اظہار کرتے ہین، اور ان کی یہ سب حرکتین ان کی فراست و ذہانت پر دال ہوتی
ہین، جس بچہ مین جس قدر فراست و ذکاوت ہوگی اسی مناسبت سے اس کی ان حرکتون مین
کمی اور بیشی ہوگی، اگر کوئی نوزائیدہ بچہ اپنی آنکھین نہین گھماتا، یا ویسے حرکات اس سے سرزد نہین
ہوتے تو آئندہ چل کر اس کی ذکاوت و فراست مین خامی ہوگی، اور یہ عادتین جس رفتار سے
ہون گی اسی رفتار سے بچون کی عقلی نشو و نما ہوگی،

ڈاکٹر موصوف نے اپنے خطبہ مین ان اسباب وعلل پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، جن کی بنا
پر ان کے یہ نتائج مستنبط ہوئے ہین،

سب سے قدیم حیوان کے آثار

اب تک بے شمار مقامات سے جانورون کے ایسے بہت سے ڈھانچے دستیاب
ہوئے، جو زمانۂ قبل تاریخ سے متعلق تھے، اور ان کی دستیابی سے ایک طرف نسل حیوانی کے
ارتقاء کے مختلف نظریون کی تائید ہوئی، اور اس کے ساتھ سلسلۂ تاریخ کی مختلف کڑیان ملگئین
لیکن ابھی تک ان آثار سے نسل حیوانی کی سب سے آخری کڑی کا پتہ نہ چل سکا تھا، مگر اہل امریکہ نے
یہ کڑی بھی تلاش کرلی، چنانچہ ان کو جانورون کے چند ایسے کھرملے ہین، جن کے متعلق ماہرین
طبقات الارض کا اتفاق ہے، کہ یہ سب سے قدیم ترین جانور کے آثار ہین،

عشقِ مجبور

از

نواب زادہ سید شمس الحسن صاحب بی اے، ایل ایل، بی لکھنؤ

داغِ غم چاہوں چھپانا تو چھپا بھی نہ سکوں
نقش وہ دل پہ جما ہے کہ مٹا بھی نہ سکوں

سینہ گلزار ہے اگر کبھی دیکھو تو سہی
داغِ دل درد نہیں ہے کہ دکھا بھی نہ سکوں

مین وہ ناکامِ محبت ہوں کہ حالت اپنی
گر سنانا انھیں چاہوں تو سنا بھی نہ سکوں

کاش وہ جرعۂ مے مجھکو پلا دے ساقی
ہوں جو بیہوش تو بھی ہوش مین آ بھی نہ سکوں

کیسی فریاد! وہاں حکمِ زبان بندی ہے،
یعنی آئے جو گلہ لب پہ تو لا بھی نہ سکوں

کیون تکلف ہے تمھین دل کی تمنا پوچھو
تم کوئی غیر نہین ہو کہ بتا بھی نہ سکوں

اللہ اللہ ری مجبوریٔ آدابِ وفا
سامنے سے وہ نکل جائین بلا بھی نہ سکوں

تم خفا، بخت خفا، چرخِ ستمگار خفا
کام بگڑا ہے کچھ ایسا کہ بنا بھی نہ سکوں

درد نشتر کی طرح شمسؔ ہے رگ رگ مین نہان
گر وہ پوچھین کہ کہان ہے تو بتا بھی نہ سکوں

باب التقریظ و الانتقاد

المبین

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

تقریبًا چالیس برس کا زمانہ گذرتا ہے علامہ شبلی مرحوم کی تحریک سے مین نے جرجی زیدان کا رسالہ الہلال خریدنا اور پڑھنا شروع کیا تھا، ایسا خیال ہوتا ہے کہ ایک آدھ مرتبہ مراسلت بھی ہوئی، اُس زمانہ مین اعتدال اور وسعتِ مشرب کے لحاظ سے الہلال کے مضامین قابل پسند ہوتے تھے، علامہ مرحوم نے بھی اسکی تعریف ایک بار سے زیادہ فرمائی تھی، رفتہ رفتہ طبیعت کا اصلی رنگ نمایان ہو گیا اور یہ صاف نظر آنے لگا کہ مدیر الہلال کو عربون سے نفرت نہین تو کاوش ضرور ہے، اسی لیے بنی امیہ کی خلافت کی تنقیص اور خلافت عباسیہ کی توصیف اُس کا شعار تھا، علی ہذا القیاس اسی عرصے مین ایک سے زیادہ ناول اس کے شائع ہوئے، ان مین بھی "ممدحین" پیرائے مین عرب اور اسلام کی منقصت پیش نظر رکھی تھی، لیکن یہ تدلیس اسقدر دلفریب ہوتی تھی کہ خود مسلمان اس کے احساس سے عاری رہتے تھے، چنانچہ ان مین سے ایک سے زیادہ ناولون کا ترجمہ خود مسلمانون نے کیا اور ہاتھون ہاتھ بکا، بالآخر علامہ مرحوم نے اسکو ضروری سمجھا کہ مسلمانون کو خصوصًا اور اہل علم کو عمومًا جرجی زیدان کی تدلیس سے بچائین، عربی زبان مین ایک رسالہ لکھا اور محققانہ انداز مین جرجی زیدان کی غلط بیانیون اور تدلیسات کو واضح کیا، یہ رسالہ مصر مین طبع ہو کر شائع ہوا تو شیخ رشید رضا مدیر المنار نے بہت گرم جوشی سے اسکا خیر مقدم کیا اور لکھا کہ ہم خود اس ضرورت کو محسوس کر رہے تھے لیکن جرجی زیدان کی تدلیسات اور فریب کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ ...

قابو مین لاکر تردید کرنا ممکن نہ ہوسکا، مولانا شبلی کی قوت دماغی قابل داد ہے کہ انھون نے قابو پاکر یہ علمی خدمت ادا کی اور اہل علم کو دھوکہ کھانے سے بچا لیا" یہ تو پارینہ داستان تھی، المبین کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ جہان الہلال کے ذریعہ سے عربی تمدن تاریخ اور دین کی بیخ کنی کیجاتی تھی وہان فلسفۃ اللغۃ العربیہ "عربی زبان کی عظمت کو مٹانے کی کوشش ہے بہر حال عربون سے وحشت کا یہ بھی ایک انداز ہے، مباحث کا جو خلاصہ المبین مین ہے اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج تمدن کے مقبول و محبوب انداز و طرز استدلال سے فلسفۃ اللغۃ العربیہ کے مولف نے بھی فیض پایا ہے اور وہ یہ ہے، ضرورت کے وقت جزئی کو کلی کردینا خاص کو عام بنادینا اپنے قیاس کو واقعہ کا جز یا واقعات کی کڑی قرار دیکر حقایق کو ان کی اصلیت سے پھیرنا ان سے اپنے موافق نتیجہ نکال لینا محولہ بالا جو خدمت علمی پہلے مولٹنا شبلی مرحوم نے ادا فرمائی تھی اس کی تکمیل گویا المبین کے مولف مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کے قلم سے ہوئی ہے اور ممدوح نے خصوصًا اہل لغت پر احسان فرمایا ہے کہ ان کو ایک سخت مہلک مغالطے سے بچا لیا ہے، المبین مین صرف یہی نہین ہے کہ جرجی زیدان کی لغزشون اور غلط کاریون کی تصحیح اور تسدید فرمائی گئی ہے بلکہ عربی زبان کی خصوصیات اس کاوش اور تحقیق سے قلمبند فرمائی ہین کہ بے مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک ایسا نیا فن مدون فرمادیا ہے جس کے دھندلے سے متفرق آثار اگلون کی تصانیف مین نظر آجاتے تھے،

المبین کے سات باب ہین، ان مین حروف کی بحث سے لیکر کمال گویائی تک تمام مدارج اور منازل مین عربی زبان کی فضیلت و عظمت اس خوبی سے بیان فرمائی ہے کہ پڑھنے والا محو حیرت رہ جاتا ہے، یہ نہ خیال فرمایا جاے کہ فضائل کا قصیدہ پڑھا گیا ہے یا خطبہ دیا گیا ہے نہین علم اصول لغت، فلسفہ اور منطق تعمق نظر اور قوت بحث سے حقایق کو واضح اور منکشف فرمایا ہے، درس نظامی کی استعداد آفرینی علمی حلقون مین مسلم ہے مگر المبین کو پڑھکر واضح ہوا کہ درس مذکور نہ صرف استعداد آفرین تھا بلکہ مجتہدانہ قوت بھی پیدا کرسکتا تھا، المبین مین مولف محقق کے قلم نے اون دشوار گذار میدانون کو فاتحانہ طے کیا ہے، جنکا نشان بھی اگلی کتابون مین نہین اور اگر ہے تو جیسا مین نے اوپر عرض کیا مجمل اور مبہم سا، لفظ قطن کی بابت (جہان جرجی زیدان نے قلم رکھدیا تھا) تو ایسا دقیق نکتہ زیب قلم ہوا ہے کہ جس کو پڑھکر قلب پر وہی

کیفیت طاری رہی جو برجستہ شعر کے سننے سے طاری ہوتی ہے، عربی زبان سے شکر ہے تھوڑا بہت تعلق نصف صدی سے ہے، مگر جو مضامین المبین مین پڑھے، کبھی اس کا واہمہ بھی نہ ہوا تھا کہ زبان عربی ان حقائق و معارف سے مالامال ہے، بیان اتنا مدلل اور صاف ہے کہ ذہن بے تکلف اس کو قبول کرتا ہے، ہان عناد اور ضد کا علاج نہین دقیق علمی مضامین کو اس قدر واضح بیان کر دینا مولف المبین کا حصہ تھا،

مصنف علام نے المبین کو سات بابون پر تقسیم کیا ہے، بے مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک زبان کی حقیقت واضح کرنے کے واسطے جتنے پہلوؤن سے بحث کیجا سکتی ہے وہ تمام پہلو ان ابواب مین زیر بحث آگئے ہین، صرف سے لیکر معانی کے فلسفہ تک کلام کے تمام مراتب پر بحث کیگئی ہے، بحث مین ایک حکیم کی دقتِ نظر، ایک ادیب کے ذوق، ایک نحوی کی ہمہ گیری سے کام لیا گیا ہے، اور جو دعوی کیا گیا ہے اس کے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ کتاب پڑھنے والون کے واسطے بلند مرتبہ حکیمانہ مطالب کا ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے، جن کو کشادہ دلی سے پڑھ کر انسان زبان عربی کے کمالات کا اعتراف کئے بغیر نہین رہ سکتا اور اس کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عربون کا دوسرے ملک کے باشندون کو عجمی کہنا بے جا نہ تھا، اور یہی مصنف کا مقصد ہے، اب ہم ساتون باب کے مباحث کی مختصر کیفیت پیش کرتے ہین تاکہ اہل نظر نمونے سے اندازہ فرما سکین کہ خروار مین کیا ہے،

باب اوّل، مین عربی زبان کے مخصوص فضائل ہین، اس مین سب سے اول وضعِ لغت کے معرکۃ الآرا مسائل سے بحث کی ہے، اور اس بارے مین جو مختلف اقوال ہین اُن کو مفصل بیان کیا ہے، ان کا خلاصہ چار قول ہین، اوّل الہامی یعنی انسان اپنی گوناگون قابلیتون کے ساتھ گویائی کی قابلیت بھی اپنے اندر لیکر اس عالم مین آیا، دوسرا قول خارجی آوازون سے متاثر ہو کر اُن سے الفاظ بنا لیے، خارجی آوازین کائنات کے اور جانورون کی تھین، یہان پھر دلچسپ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ کس تاریخ سے ثابت ہے کہ اس خاکدان مین اوّل چرند و پرند آئے اس کے بعد انسان، اس سے بھی زیادہ دقیق سوال یہ ہو سکتا ہے کہ انسان الفاظ کے وضع کرنے مین فضاے عالم اور جانورون کی آوازون سے سبق حاصل کرنے کا محتاج تھا اُن سے یہ سبق پڑھا لیکن دوسرے گوناگون کمالات عالیہ کا خزانہ

انسان کے دل ودماغ مین بھرا ہوا ہے، مثالاً فکر اور فکر کے بعد ترتیبِ مقدمات اور ترتیبِ مقدمات کے بعد اخذ نتائج اخذِ نتائج کے بعد ان پر عمل یہ تمام سبق انسان نے کس سے حاصل کیے ظاہر ہے کہ اس کے سکھانے سے تو تمام ماحول عاجز وساکت ہے، اس صورت مین ضرور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جہان تمام کمالات کے خزانے فطرت انسانی مین ودیعت تھے وہان کلام کا کمال بھی تھا،

اسی ضمن مین ایک قول یہ بھی ہو کہ خود اپنی فطری آوازون سے وضعِ الفاظ کا سبق سیکھا مثلاً شدت کرب مین چیخ، درد مین ہائے وائے، خوشی مین واہ،

تیسرا قول، عالم مین جو آواز بھی کہین پیدا ہو وہ مختلف چیزون کے باہم ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے، انسان کے ادراک کرنے والی قوتون نے جن مختلف خیالات سے ٹکرین کھائین تو اون ٹکرون سے باطنی آوازین دماغ مین پیدا ہوئین، آوازین زبانون تک آکر لفظ بن گئین،

عربی زبان کی خصوصیات کی تحت مین اول مخارج سے بحث کی ہے جو کلام کی سب سے پہلی منزل یا سیڑھی ہے، بدیہی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ قدرت نے جس قدر مخرج انسان کے اندر حروف کے رکھے تھے اُن سے پورا پورا کام صرف عربون نے لیا، غیر عرب ان مین سے اکثر کو غیر مستعمل چھوڑ کر ہاتھ سے کھو چکے، ایک واقعہ یاد آگیا، ایک یورپین عالم کو (جو عربی زبان کے امتحانون مین کامیاب تھے) دعویٰ تھا کہ وہ عین اس کے مخرج سے ادا کر سکتے ہین مین نے دیکھا کہ وہ ایک ہاتھ کے انگوٹھے سے حلق کی جڑ کو دباتے تھے اُس کے بعد زور کر کے اس مقام سے آواز نکالنے کی سخت کوشش کرتے تھے، چہرہ سرخ ہو جاتا تھا آنکھین نکل آتی تھین، مگر عین کی پوری آواز نہ نکلتی تھی، کچھ ضرور ادا ہو جاتی تھی، مخارج کے بیان کے بعد حروف کی صفات بیان کئے ہین، اس خصوصیت مین بھی عربی زبان صاف ممتاز ہو جاتی ہے، یہ سمجھنا کہ مصنف نے یہ خصوصیات خود تراش لی ہین، جیسے ان کے مقابل حریفون کا عمل ہے بلکہ ان قوانین پر بحث کی بنیاد رکھی ہے جو صدیون کی تحقیق کے بعد ثابت اور مدون ہو چکے ہین، اس بحث کے مختلف پہلو

پڑھنے اور پڑھکر لطف اٹھانے کے قابل ہین،

دوسرے باب مین مخارج وصفات کی بحث کو اور زیادہ وسیع کیا ہے جس سے گویا وہ جدید بحث بنگئی ہے اسی کے ساتھ اعراب سے بھی بحث کی ہے، اس باب مین دکھایا ہے کہ الفاظ مین حروف کی کمی وبیشی یا حرکات کی خفت وشدت سے کس طرح ان کے معانی مین مختلف مراتب خفت اور شدت کے پیدا ہوتے چلے جاتے ہین، اور اس سے ثابت کیا ہے کہ عربی مین الفاظ کے اعراب اور حرکات کی وضع بھی ضابطہ وقانون سے خارج نہین بلکہ واضع نے ان کو معانی کے تغیر وتبدل کا اسی طرح آلہ بنایا جس طرح ان کی صورت کے تغیر وتبدل کا جس طرح یہ باب بلحاظ اپنے مطالب کے پہلے باب سے زیادہ بلند اور دقیق ہے اسی طرح اسکی بحث اور اس کا استدلال بھی زیادہ بلند پایہ ہے اور یہ مؤلف علامہ کی تحریر کی خصوصیت ہے کہ جس قدر آیندہ ابواب مین دعوے بلند ہوتے گئے ہین اسی قدر ان کی دلیل بلند ومضبوط ہوتی گئی ہے، اور مطالب کی دقت، بیان کی صفائی کی بدولت فہم کے لیے مشکل نہین بنجاتی، بلکہ آسان اور سریع الفہم رہتی ہے،

اول اور دوسرے باب مین مفردات حروف کی بحث سے فارغ ہوکر تیسرے باب مین ترکیب حروف سے بحث کی ہے، اور یہان بھی محض قیاسات سے نہین دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مختلف حروف کس طرح باہم ملکر اپنی مخصوص ترکیب سے اپنے معانی کا نشان دیتے ہین، اور جس طرح ایک علم کیمیا کا ماہر ثابت کرتا ہے کہ کن صفات کی دو مختلف چیزین باہم ملکر ایک خاص تیسری چیز پیدا کرینگی، اسی طرح اس فن کا ماہر بتا دیگا، کہ عربی مین جب فلان صفات کے حروف سے لفظ بنیگا اس مین فلان معنی ہون گے اگرچہ اس نے لغت مین اس لفظ کے معنی نہ دیکھے ہون، اس بحث مین اوّل حروف کے صفات بتائے ہین جو علم تجوید مین ثابت ہین، اس کے بعد دکھایا ہے کہ کس طرح ان کے اجتماع سے ان صفات کے مناسب معنی پیدا ہوتے ہین، مثلاً حرف جیم اور میم اپنے اپنے صفات مقررہ کے لحاظ سے جب لفظ مین مل جائین گے اس مین فراہمی اور اجتماع کے معنی پائے جائین گے جیسے جم، جمعیت، جمار، گردہ، جمہرہ تودۂ ریگ، اس طرح

بہت سے حروف کی صفات مقررہ بناکر ان کی کثیر مثالون سے ثابت کیا ہے کہ حروف کی صفات کا اثر معانی پر بطور قاعدہ کلیہ پڑتا ہے جنکو تھوڑی سی بھی مناسبت زبان عربی سے ہو ان کو ان مباحث مین وہی لطف آئیگا جو اقلیدس کی شکلین حل کرنے مین حاصل ہوتا ہے ،

چوتھا باب جرجی زیدان کے اس مغالطے کا مدلل جواب دیتا ہے کہ زبان عربی کے الفاظ کا مادہ صرف دو حرف ہین یعنی عربی کے تمام الفاظ ثنائی ہین، تین یا چار حرف سے نہین بنتے یعنی ثلاثی یا رباعی کوئی لفظ عربی مین نہین، اگرچہ یہ دعویٰ بلا دلیل تھا مگر مصنف المبین نے اسکی تردید بھی حکیمانہ پیرایہ مین کی ہے اور فلسفیانہ بحث سے ثابت کیا ہے کہ کیون عربی لفظ کے مادے کی تکمیل محض دو حرفون سے نہین ہوتی بلکہ ایک تیسرے اصلی حرف کے ملانے کی ضرورت ہے اور تیسرے حروف کے ملنے کا معنی پر کیا اثر ہوتا ہے، اس سلسلۂ بیان مین جرجی زیدان کی ہمہ دانی جس طرح بے نقاب ہو جاتی ہے ارباب فہم کے لیے عبرت افزا ہے، جرجی زیدان کا لفظ قط کو ثنائی بتانا اس کے علامۂ لغت ہونے کی ایسی روشن دلیل ہے جس کے خلاف دم مارنے کی مجال نہین ہو سکتی، اس بحث مین قطن کے لفظ کی جس کے سامنے جرجی زیدان نے ہتیار ڈالدیے تحقیق ایسی لطیف و نادر ہے کہ بہت سے برجستہ اشعار اس پر قربان کیے جا سکتے ہین، نون کا اپنی صفت (غنہ) کے ساتھ قاف اور طا سے ملکر قطن کی صورت پیدا کرنا اور اس مجموعے کا اثر معنی مین یہ ظاہر کرنا کہ روئی نشو و نما کے بعد اندر سے اپنے گولڑ کو پھاڑ کر باہر آتی ہے ایسی دقیق بحث ہے جس کی داد کا دینا بہت مشکل ہے ،

پانچوان باب اسمین ارتقاے لسان سے بحث فرمائی گئی ہے، اول مستشرقین کے مقرر کردہ اصول ارتقا تفصیل سے بیان کئے ہین، اُس کے بعد ارتقار کو انسانی ارتقاے عمرانیات کی مثال دیکر واضح کیا ہے، پھر یہ بیان کیا ہے کہ مستشرقین مذکور کے یہ اصول جدید نہین بلکہ وہی ہین جو صدہا برس پہلے ابو ہاشم معتزلی نے بیان کئے تھے، اس کے بعد بہت شرح و بسط کے ساتھ محققانہ مسلک بالا پر بحث فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مستشرقین کی یہ رائین ایسے قیاسات ہین جنکا ساتھ واقعات اور حقائق نہین دیتے، ان مباحث

کے پڑھنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مولف کے دماغ کی بلند پروازی تحقیق اس فضا تک جا پہنچی ہے، جہان مستشرقین کے قیاسات پست ہو کر رہ جاتے ہین، اور یہ امر قابل فخر ہے کہ جو مباحث و دلائل جدید تعلیم یافتہ طبع کو ساکت و مبہوت بنا دیتے ہین ایک قدیم درسگاہ کا فیض یافتہ عالم نہ صرف یہ کہ اون سے مرعوب نہین ہوتا بلکہ قوت استدلال سے ان کی کمزوریان ظاہر فرما کر طالبان علم کو صحیح راستہ تحقیق کا دکھا دیتا ہے،

چھٹا باب فلسفۂ اشتقاق پر ہے اور گویا جان سخن ہے اسمین اشتقاق صغیر و کبیر کی تعریف کے بعد صغیر و کبیر کا فرق دکھایا ہے، اُس کے بعد اشتقاق کبیر سے مفصل بحث کی ہے، اشتقاق کبیر زبان عربی کی ایسی خصوصیات عالیہ مین سے ہے جس کے سامنے تمام زبانین سپر ڈالدیتی ہین، حیرت ہوتی ہے کہ یہ صفت ایک زبان مین کس طرح پیدا ہوئی، مؤلف علام کا یہ کمال ہے کہ اس مسألہ مین جو تفصیل آج تک نہ ہوئی تھی وہ الصبین کے ذریعہ سے ہماری آنکھون کے سامنے آگئی، اور پہلے لغت کے امام جس قاعدہ کو وضع کر کے اسکی چند ہی مثالین لکھ گئے تھے مولانا نے اُس کی صدہا مثالین لکھدی ہین، درس نظامی کی یہ بھی حیرت انگیز استعداد آفرینی ہے کہ اس کے فیض یافتہ ہر نئی مشکل پر غالب آجاتے ہین، صدہا مثالون کے ذریعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا دیا ہے، کہ یہ عربی الفاظ کی خصوصی شان ہے کہ اُن کی ترکیب کو چاہے جس طرح الٹو پلٹو نہ صرف یہ کہ وہ مہمل نہ ہونگے بلکہ یہ کہ اپنے مخصوص معنی کو برابر قائم رکھین گے، مثلاً ق م ر کی ترکیب سے جو لفظ بنیگا با معنی ہوگا اور اس مین بلحاظ ان حروف کی شخصی و ترکیبی صفات کے اس کے معنی مین "بتدریج ظاہر ہونا" پایا جائے گا مختلف ترکیبین ملاحظہ ہون قمر = چاند (آہستہ آہستہ گھٹتا بڑھتا ہے) رقم لکھنا، ایک حرف کے بعد دوسرا اور ایک نقطہ کے بعد دوسرا درجہ بدرجہ لکھا جاتا ہے،

مرق (شوربہ) آہستہ آہستہ تیار ہوتا ہے، قرم (سردار قوم) مرتبہ سرداری تک انسان بتدریج پہنچتا ہے، رمق (تھوڑی سی جان جو باقی ہو) ایسی حالت مین سانس اور نبض دونون آہستہ آہستہ چلنے لگتے ہین، مقر (زہر قاتل) زہر کا اثر بتدریج ہوتا ہے)

اس سے بھی بڑھکر لطافت عسل (شہد) اس کا الٹا لسع (ڈنک) شہد کی مکھی مین ایک طرف شہد ہے تو دوسری طرف ڈنک،

اسی سلسلہ مین بعض الفاظ عربی جو عجمی الاصل خیال کرلیے گئے تھے مثلاً سراج (چراغ) اور لجام (لگام) اُن کا عربی الاصل ہونا اس قوتِ استدلال سے ثابت کیا ہے کہ بے اختیار زبان سے تحسین نکلتی ہے۔ اسی سلسلہ مین یورپ کے مستشرقین کی رائیون کی کمزوریان متعدد پیرایون مین ظاہر فرمائی ہین،

ساتوان باب آخری باب ہے اور اس مین "عربی زبان کا حیرت انگیز کمال گویائی" دکھایا ہے، اس باب مین یہ بحث ہے کہ عربی زبان کے الفاظ کا صرف یہی ایک کمال نہین کہ وہ "اپنے معنی کے ساتھ ایک نظم و تناسب رکھتا ہے" نہین بلکہ اس کے معنی کو جب دقت و تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو اس شے کی ایسی حقیقت سامنے آجاتی ہے جس کے اظہار کے لیے عجمیون کو صدیان درکار ہوئین اور پھر بھی اُس کا بیان ایک لفظ سے نہ کرسکے،

اور اس تعجب خیز دعوی کو متعدد مثالون سے ثابت فرمایا ہے، ایک دوسرا پہلو وضع الفاظ کا کمال یہ دکھایا ہے کہ عرب اگر کسی مہمل آواز کی بھی نقل کرتے تھے تو وہ بامعنی ہوجاتا تھا اور ایسا بامعنی جو اپنی اصل کیساتھ پوری پوری مناسبت رکھتا تھا، مثلاً کوے کے بولنے گھوڑے کے ٹاپ اور ہانڈی کے جوش کھانے کی آواز کی جب عربون نے محاکات کی تو اُس نقل کے لیے جو الفاظ وضع کیے اُن کے معنی اصل کے ساتھ مناسبت تام ملحوظ رکھی مثلاً کوے کی آواز کی نقل عربی زبان مین "غاق غاق" ہے، چونکہ یہ نقل ایک سیاہ جانور کی تھی اسلیے اس مادہ سے جو الفاظ لیجیے اُن کے معنی مین سیاہی کا مفہوم موجود ہے، دیکھو تغیق بصرہ (اسکی بینائی تاریک ہوگئی) غیق فی رائہ "اسکو تیرہ رائے کردیا، علی ہذا القیاس،

خاتمۃ الباب [illegible] مطالعہ صحیفۂ کائنات" کی بحث ہے، عربون نے دفتر کائنات کا مطالعہ [illegible]

[illegible] الفاظ کے [illegible]

مثلاً عرب لکھنے پڑھنے سے عام طور پر بے بہرہ تھے تاہم لکھنے پڑھنے کے سامان کی مختلف حیثیتوں کے لیے ان قدر الفاظ عربی زبان میں ہیں شاید ہی کسی اور زبان میں ہوں، دیکھو جس نَے سے قلم بنایا جاتا ہے جب تک اصلی حالت میں ہے "انبوبہ" ہے، اب قلم تراشنا شروع ہوا، جو ریزے کٹ کٹکر گرتے گئے اُن کا نام "براۃ" یا "برایہ" قلم کے شگاف کو جس سے وسیع کرتے ہیں اُس کے لیے لفظ "لیط"، نوک کاٹنے کو "قط" جسپر قط لگایا جاوے وہ "مقط"، جب بنکر درست ہوگیا تو اسکا نام قلم ہوا، طرف قط کو "رشّ" کہتے ہیں، قلم کی تعریف ہے "قلم رشاش" المحرّف قلم، جب قلم چلا تو اسکی آواز کا نام "صریر" ہے،

اسی طرح دوات اور روشنائی اور کتاب کے واسطے الفاظ ہیں، اس دقتِ نظر اور باریک بینی کو مولٰنا نے بہت سی مثالیں دیکر واضح اور مدلل فرما دیا ہے، یہ بحث جس قدر نازک ہے اسی قدر پر لطف اور خرد افروز ہے، اسی پر کتاب کا خاتمہ ہو جاتا ہے،

بیانِ بالا سے آپ کو واضح ہوا ہوگا کہ المبین نے عربی الفاظ کی پیدائش (مخارج) سے لیکر کمال عمر، (کمال وضع الفاظ) تک کی ہر منزل سے بحث فرمائی ہے، اور میرا یقین ہے کہ مدلل بحث فرمائی ہے، یہ کتاب اس قابل ہے کہ علم دوست اصحاب اُس کے مطالعہ سے لطف و بصیرت حاصل فرمائیں، طلبا کو اس کے مطالعے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ بھی تحقیق اور آزادانہ تحقیقات کے انداز سیکھیں، اس کے خوگر ہوں، علما اس کو مطالعہ فرماکر تحقیقات کا قدم اور آگے بڑھائیں، کاش اس رسالہ کا ترجمہ عربی اور کسی یورپین زبان میں ہوتا تاکہ دوسرے ممالک کے اہل کمال بھی مولف علام کی محنت و تحقیق کی داد دیسکتے،

القضاء فی الاسلام، مولفۂ مولانا عبد السلام صاحب ندوی حجم ۹۲ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸ لکھائی چھپائی اچھی کاغذ متوسط قیمت ۱۲؍ پتہ دار المصنفین اعظم گڈھ،

مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے اس رسالہ مین اسلام کے اصول طریقۂ شہادت فصلِ مقدمات اور اسلامی قوانین متعلقہ عدالت و قضاء کو پیش کیا ہے، رسالہ کی ابتدا "اسلامی نظامِ حکومت مین منصبِ قضا کی اہمیت" سے ہوتی ہے، پھر "قاضی کے تقرر کے شرائط" "قاضی القضاۃ" "ثالث" "قاضی کے فرائض و اختیارات" "انفصالِ مقدمہ" "سماعتِ مقدمہ" "مقدماتِ فوجداری" اور "پیروی مقدمات" وغیرہ پر بحث کرنے کے بعد "اسلام کے طریقۂ شہادت" پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے، پھر "جرح" وغیرہ کے طریقون کو پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد سب سے آخر مین "اسلامی قانون" کے عنوان سے عہد نبوی اور دورِ صحابہ مین قانونِ اسلام کی حیثیت، پھر تمدن کی تدریجی ترقی اور نئے قوانین کی ضرورت کو دکھا کر فقہ کی تدوین کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اسی ذیل مین فقہ اسلامی مین تغیر و تبدل کے اصول کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہین،

یہ رسالہ غالبًا اپنے موضوع پر اردو مین سب سے پہلا رسالہ ہے، اور اجمالی طور پر اس موضوع کے تمام پہلوؤن پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے، اور رسالہ شروع سے آخر تک نہایت دلچسپ اور اپنے اس جدید موضوع پر نہایت پر از معلومات اور مصنف کے نام نامی کے شایانِ شان ہے،

مولود نبوی اور مسئلۂ تعلیم، مرتبہ جناب حاجی محمد موسیٰ خانصاحب رئیس دتاولی ضلع علی گڈھ حجم ۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ متوسط قیمت ۸؍ پتہ بمقام دتاولی ضلع علی گڈھ،

جناب حاجی محمد موسی خان صاحب رئیس دتاولی سیرت نبوی کے مختلف مباحث مستقل عنوان سے پیش کرتے رہے ہیں، اسی سلسلہ میں ان کا ایک رسالہ "مولود نبوی اور مسئلہ تعلیم" ہے، یہ رسالہ گویا آنحضرت صلعم کی تعلیمی زندگی کے پہلو کو پیش کرنے کے لئے لکھا گیا ہے، اور اسی لئے اس کا ایک ایک نسخہ وائس چانسلر صاحب مسلم یونیورسٹی کے ذریعہ سے مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کی خدمت مین بھیجا گیا ہے، مصنف موصوف ایک کہنہ مشق اہل قلم ہین، ان کے قلم سے جو کچھ نکلے وہ مطالعہ کے لائق ہے، لیکن اسی بناپر ہمین اس کا بھی حق ہے کہ موصوف کی تحریرون مین اسی مناسبت سے زیادہ سے زیادہ جامعیت تلاش کرین، اس لئے اگر یہ رسالہ اپنے موضوع کے لحاظ سے غیر متعلق مباحث سے خالی ہوتا اور واقعات اور ان کے نتائج مین زیادہ ربط و تسلسل پایا جاتا تو زیادہ موزون تھا،

محشرِ خیال، از مرزا محمد عسکری علی خان صاحب مجازی لکھنوی حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۲ر، پتہ منیجر صاحب رسالہ ادب لکھنؤ،

یہ جناب مجازی لکھنوی کے چند صفحون کے کلام کا مختصر مجموعہ ہے، جس مین مختلف عنوانات پر ایک دو رباعیان یا قطعے ہین، جناب مجازی کے کلام کی یہ ظاہر یہ خصوصیت نظر آتی ہے، کہ وہ اپنے ہر شعر مین زندگی کے کسی راز کو فاش کرین، مگر یہ کام جتنا اہم ہے اسی مناسبت سے شاعر کا پروازِ خیال بھی بلند ہونا چاہیئے،

مؤید المسلمین، مولوی ابوظفر موید الدین حسن صاحب مددگار ناظم کورٹ آف وارڈز سرکار عالی حیدرآباد، حجم ۵۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط، پتہ:- مددگار ناظم کورٹ چیتا پور گلبرگہ دکن،

مولوی صاحب موصوف وقتاً فوقتاً اصلاحی اور تعلیمی رسالے شایع کرتے رہتے ہین، یہ رسالہ موید المسلمین خاص نومسلمون کی ابتدائی مذہبی تعلیم کے لئے لکھا گیا ہے، جس مین اسلام کے اعتقادات و عبادات کے ضروری مسائل کو مختلف سبقون مین تقسیم کرکے نومسلمون کو سکھانے کی ہدایتین درج ہین، اس رسالہ کو

سامنے رکھ کر ناخواندہ نومسلمون کو اسلام کے ضروری مسائل آسانی سے سکھائے جا سکتے ہین،

جونیر سلف ٹیچنگ ٹرنسلیشن، پروفیسر سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے (گولڈ مڈلسٹ) معلم عربی و فارسی اسلامیہ کالج کلکتہ نے اردو سے انگریزی ترجمہ و املا کرنے کے لئے یہ رسالہ مرتب کیا ہے، رسالہ کی ترتیب جدید طریق تعلیم مین سے "طریق راست" کے اصول پر کی گئی ہے، رسالہ (۱۴) ابواب مین منقسم ہے، ہر باب مین انگریزی زبان کی گرامر کے قواعد اختصار اور جامعیت سے بتا کر ان کو سہل اور آسان جملون مین مشق کرایا گیا ہے، پھر اسی طریقہ سے تدریجی ترقی کرتے ہوئے اردو کی سلیس عبارتین ترجمہ کے لئے پیش کی گئی ہین، اور ترجمہ کی عام کتابون کی طرح مشکل الفاظ اور محاورون کا انگریزی ترجمہ قوسین مین درج کر دیا گیا ہے،

توقع ہے کہ یہ کتاب اسکول کے چوتھے درجے سے آٹھوین نوین درجہ تک کے طلبہ کے لئے نہایت مفید ہوگی، کیونکہ انگریزی ترجمہ کی کتابین جو بالعموم خصوصاً مشرقی صوبون مین شایع ہوتی رہتی ہین، وہ ایسے اہل قلم کے قلم سے نکلتی ہین، جنھین انگریزی زبان پر تو کافی عبور ہوتا ہے، لیکن اردو زبان اور اس کے صحیح محاورون اور مفہوم کے صحیح طریقۂ ادا سے واقف نہین ہوتے، لیکن زیر تبصرہ رسالہ ایک ایسے مصنف کا ہے، جسے دونون زبانون پر یکسان عبور حاصل ہے، اس لئے اس کو اپنے موضوع پر ایک کامیاب رسالہ کہا جا سکتا ہے، رسالہ کا حجم ۸۰ صفحے ہے، جو خوش نما ٹائپ مین اچھے کاغذ پر چھپا ہے، قیمت مجلد ۹ر ہے، مصنف موصوف سے اسلامیہ کالج کلکتہ یا جناب سید ظہیر الدین صاحب ندوی بی اے کوٹھی ڈاکٹر ولی احمد صاحب چوہٹہ، بانکی پور پٹنہ کے پتہ سے مل سکتا ہے،

"ل"

جلد بست و ششم ۲۶	ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۰ء	عدد ۳

مضامین

شذرات

رائے اور تخیل کے لحاظ سے مسلمانون کا جو عام حال ہے، وہی ان کے قومی کارخانون کی صورت ہے، انکی یونیورسٹی سے لیکر ان کے کالج، اسکول، مدرسہ اور مکتب تک، اور اسمبلی سے لیکر کونسل، ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی تک ہر جگہ اختلاف آراء، نفاق انگیزی اور ہنگامہ آرائی کی ایک ہی صورت ہے، آخر آپ نے کبھی غور کیا ہے، کہ اس کی اصل وجہ اور علت کیا ہے؟
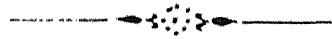
اصل یہ ہے کہ قومون کے منتشر افراد مین جامعیت، یکجائی، اور اتحاد، پیدا ہوتا ہے ان کی وحدتِ اعتقاد وحدتِ خیال اور وحدتِ مقصد سے اگر اعتقاد، خیال اور مقصد مین خواہ وہ سیاسی ہو، یا قومی، معاشرتی ہو یا مذہبی کسی قسم کی وحدت اور جامعیت نہ ہو، تو اس اعتقاد، خیال اور مقصد کے اعمال اور مظاہر مین اتحاد و وحدت کا جلوہ کیونکر نظر آئیگا، یہی سبب ہے کہ مذہبون مین بھی **ایمان کو اعمالِ صالحہ** کی بیخ و بنیاد مان کر ایمان کو اصل اور اعمالِ صالحہ کو فرع قرار دیا گیا ہے، کہ اگر اعتقاد نہین تو اس کے مطابق عمل بھی نہین ہو سکتا، جڑ کھوکھلی ہو تو برگ و بار اور شاخون کی تروتازگی کا کیا سوال ہے،

ہر قوم کی ترقی اور تنزل کا صرف ایک ہی سبب ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کے تمام یا بیشتر افراد مین کسی ایک اعتقاد، خیال اور مقصد کے لئے ایسی وحدت پیدا ہو جاتی ہے، جو شیرازہ بنکر منتشر افراد کو جکڑ کر اور ایک دوسرے سے ملا کر اس طرح ایک کر دے کہ ان کا جینا اور مرنا اسی کے لئے ہو، تو وہ قوم اپنے مین ناقابلِ تسخیر قوت پاتی ہے، اور وہ ہر بڑی سے بڑی مشکل کے خس و خاشاک کو سیلاب بن کر بہا لیجاتی ہے۔

ذاتی اغراض، مالی حرص وطمع، نفسانی اور خاندانی عزت وآبرو کی خواہش ہر چیز اس وحدتِ مقصد کی تیز آگ مین جل کر بھسم ہو جاتی ہے،

آج زبانون پرتنظیم تنظیم کا نام ہے، مگر تنظیم ہے کیا؟ معارف کو فخر ہے کہ سب سے پہلے آج سے چودہ برس قبل (۱۹۱۷ء مین) اسی نے لفظ تنظیم اور اس کا مفہوم سب کے سامنے پیش کیا، لفظ کو تو سب نے قبول کیا، مگر معنی کی طرف کسی نے توجہ نہ کی، تنظیم نام حکومت یا کانگریس کسی ایک کی معیت، سول نافرمانی کی شرکت یا عدم شرکت، گول میز کانفرنس مین جانا یا نہین جانا، جمعیۃ العلماء یا توسیع نظام علماء مین شامل ہونا خاص مسلمان جولاہون کے یا عام ہندوستانی پارچہ بافون کے ہاتھون کے بنے ہوئے کپڑون کے خریدنے کا نہین ہے، یہ سب تو نتائج اور مظاہر اور فروع ہین اور یہان بحث اصل اور جڑ کی ہے،

تنظیم اور جامعیت کی حقیقت تمام قوم کے مقصد، غرض وغایت، خیال اور نصب العین کی وحدت اور اتحاد سے ہے، کہ تمام افراد کی باہم کوشش، جدوجہد، دوڑدھوپ خواہ کسی قدر متعدد، مختلف، اور متفاوت ہون، لیکن سب ہون ایک ہی غرض، ایک ہی جہت، اور ایک ہی انتہائی مقصد کے لئے، جب تک یہ نہ ہو لفظ تنظیم بے معنی، کوششین بے سود، جدوجہد بے نتیجہ، اور سعی ومحنت بے کار ہے،

ایک سلطنت کے کتنے مختلف اجزا، متعدد ارکان، اور متفاوت عہدے ہین، اور سپاہی اور چپراسی سے لیکر سپہ سالار اور وزیر اعظم تک کتنے ہزارون اور لاکھون کارکن افراد ہوتے ہین، لیکن یہ سب مل کر جب تک ایک ہین، اور ایک دیوتا کی پرستش کر رہے ہین، وہ سلطنت قایم ہے، جہان ان مین اغراض اور مقاصد کا اختلاف ہوا، اخلاصِ خدمت کافور ہوا، حکومت کی فلاح پر ذاتی فلاح کو ترجیح ہوئی، طوائف الملوکیان پیدا ہوئین، اور ایک

سلطنت مٹ کر بیسیون ٹکڑون مین بٹ گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی ٹکڑ ہین جو پہاڑ تھا وہ خاک کا تودہ اور ذرون کا انبار بن گیا، جس کی تباہی کے لئے آندھی کا ایک ہی جھونکا کافی ہے،

مسلمانون کی بڑی سی بڑی درس گاہ اور انجمن سے لیکر چھوٹے سے مکتب اور جماعت تک یہی صورت ہے، درس گاہین، انجمنین، اور جماعتین مختلف افراد اور ارکان سے مرکب ہوتی ہین، مگر ان پورے افراد اور ارکان مین کوئی وحدتِ مقصد، کوئی اتحادِ غرض، کوئی جامعیتِ خیال نہین ہوتی جو ان کو اخلاص، ایثار، انہماک، خدمت اور قربانی پر آمادہ کر سکے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہر مشورہ کی مجلس پہلوانون کا اکھاڑا، اور ہر مجلس انتظامیہ شخصی اور ذاتی اغراض کا معرکہ کارزار ہوتی ہے، کیا یہ ضروری نکتہ ہم سب لوگون کے سوچنے کے لایق نہین،

ہم نے نہایت افسوس کے ساتھ سنا کہ کرنکو صاحب جو مسلم یونیورسٹی مین السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر ہو کر آئے تھے وہ چند ہی مہینون مین گھبرا کر ہندوستان سے رخصت ہو رہے ہین، موصوف مشرقی زبان کے مشہور و ممتاز عالم ہین، ان کا ہماری یونیورسٹی سے یون چلے جانا ہماری انتہائی بدقسمتی اور محرومی ہے معلوم نہین ان کو ہندوستان ہی کی آب و ہوا موافق نہین آئی، یا صرف علی گڈھ کی!

یاد بخیر، ہماری مسلم یونیورسٹی کے عربی پروفیسر اے، ایس ٹرٹین صاحب نے انگریزی مین عربی ماخذون سے "خلافت اور اس کی غیر مسلم رعایا" کے نام سے ۲۴۰ صفحون مین ایک کتاب لکھی ہے، جو اس عہدِ حاضر مین، درحقیقت اُس کتاب کا ٹھیک جواب ہے، جو اُس عہدِ اول مین اسی درس گاہ مین بیٹھکر حقوق الذمیین، کے نام سے لکھی گئی تھی،

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا،

اس پر مستقل ریویو تو کبھی لکھا جائے گا لیکن اس وقت صرف اس قدر عرض ہے، کہ اگر رومی مسیحی شہنشاہی عہد مین غیر مسیحی فرقون کے حقوق کی تاریخ لکھی جائے تو کیا وہ اس سے زیادہ لطف آمیز ہو گی، اور اب جب زمانہ کا نقطۂ نظر بدل گیا ہے، اور مذہبی تعصب کی جگہ قومی اور وطنی عصبیت نے لے لی ہے، اگر انگلستان یا فرانس کے تحت غیر انگریز اور غیر فرنچ رعایا کے حقوق اور برتاؤ کی تاریخ مرتب کی جائے تو اس سے زیادہ ہیبتناک نہ ہوگی اور مسیحی یورپ کی شہنشاہی مین مسلم رعایا کے حقوق کی تاریخ کیسی افسوسناک ہو گی،،

اخبارات مین ڈاکٹر شفاعت احمد خان صاحب کی ایک انگریزی نصابی کتاب "تاریخ ہند" پر مخالف و موافق مضامین شایع ہو رہے ہین، اعتراض یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب مین پیغمبر اسلام علیہ السلام اور شریعۃ اسلام اور شاہان اسلام کی تحقیر کی ہے، ہم نے اب تک اصل کتاب نہین دیکھی ہے لیکن اس کے متنازع فیہ انگریزی فقرے پڑھے ہین لیکن ہمین ان پر کوئی تعجب نہین ہوا، کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب مسلمان بنکر نہین لکھی ہے، بلکہ ان انگریز مصنفین کے طرز و اسلوب کی پیروی مین لکھی ہے، جن کی کتابین آج تک اسکولون اور کالجون مین پڑھائی جاتی رہی ہین، اور ہم نے اپنے بچون اور لڑکون کو صبر و سکون کے ساتھ ان کو پڑھتے سنا ہے،

ڈاکٹر صاحب سے اصل شکایت اگر ہے تو یہ کہ انھون نے تاریخ ہند کے انگریز مورخون کے بجائے ہندو مورخون کی پیروی کیون نہین کی، جو اپنے دھندھلے تاریخی خاکہ کو اپنی کتاب کے ہر نئے اڈیشن مین زیادہ رنگین بنا کر اور اُبھار کر دکھا رہے ہین، اور اپنی قومی تاریخ کو باوقار اور پر فخر بتاتے نہین شرماتے، پھر ہم کیون اپنی "کمزوری" سے آپ شرماتے ہین، لیکن اگر ڈاکٹر صاحب میرے اس اعتراض کا یہ جواب دین، کہ اگر مین ایسا کرتا، تو کیا سرکاری یونیورسٹیون کی منصفانہ نگاہ رکھنے والی مجالس ممتحنہ میری کتاب کو قبول کر سکتین ؟ تو ہماری طرف سے اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے ؟

بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر جسٹس مرزا نے یونیورسٹی مذکور کے جلسہ تقسیم اسناد (کنووکیشن) مین تقریر کرتے ہوئے، دو فقرے ایسے کہے جن پر سب کے کان کھڑے ہوئے، ایک تو یہ کہ انگریز ہندوستان مین فاتح اور کشورکشا کی حیثیت سے نہین، بلکہ تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے داخل ہوئے، اس فقرہ پر بڑی صداے تحسین بلند ہوئی، اور اسی کے ساتھ دوسرا فقرہ یہ کہا کہ ہندوستان مین اردو کے ذریعہ سے تعلیم دینے کا وقت آگیا، معلوم نہین اس فقرہ کو حاضرین نے کن جذبات کے ساتھ سنا، حالانکہ پہلا فقرہ اب ماضی کے ایک فراموش شدہ واقعہ کے سوا کچھ نہین رہا، مستقبل کے لئے اگر ملک کی بھلائی کا تعلق ہے، تو اسی دوسرے فقرے سے، جامعہ عثمانیہ کے وجود نے اب اس تخیل کو محال باقی نہین رکھا ہے، بلکہ ممکن العمل بنا دیا ہے، اب اس کے قبول مین جو کچھ دیر ہے وہ علمی اور تعلیمی حیثیت سے نہین بلکہ سیاسی حیثیت سے، لیکن ملکی اور سیاسی مصلحتون مین تغیر اور انقلاب خدا جانے کب پیدا ہو، تاہم اس قسم کی تجویزون کا جو کبھی محال سمجھی جاتی تھین، اب ذمہ دار اشخاص کی زبانون پر آجانا بھی، نیک فال ہے،

ہندوستان کے مشہور علم دوست مسلمان فاضل عبد اللہ بن یوسف علی صاحب بالقابہ سے کون واقف نہین، ہم کو اس کے ظاہر کرنے مین نہایت خوشی ہے، کہ موصوف کو دار المصنفین کے کامون سے بڑی ہمدردی اور دلچسپی ہے، جب وہ ہندوستان مین تھے تو شبلی کی اس علمی "خانقاہ" دیکھنے کو آنا چاہتے تھے، مگر کسی وجہ سے نہ آسکے، وہ لندن سے اپنے ایک مکتوب مین ہندوستا کی واپسی پر یہان آنے کی خواہش ظاہر کرتے ہین، اور دار المصنفین کے مقاصد، قواعد، کارنامون اور اس کے بناء تاسیس کی تاریخ کسی ضرورت سے طلب کر رہے ہین،

دار المصنفین کی مسجد جو نواب سر مزمل اللہ خان بالقابہ کے عطیہ سے بن رہی ہے، اپنی تعمیر کا دور نصف سے زیادہ طے کر چکی ہے، اوپر کے منارے وغیرہ بن چکے ہین، اب پلاسٹر اور لکڑی اور شیشون کا کام باقی ہے، امید ہے کہ ۔۔ سنہ ۱۹۳۰ء تک پوری ہو جائے، یہ مسجد نہایت سبک، لطیف اور خوبصورت بن رہی ہے، اور ساتھ ہی مضبوط اور مستحکم بھی،

مقالات

تاریخ عمری یا عمرنامہ

بجواب

شاہنامہ

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

مولانا شبلی مرحوم اپنی کتاب شعر العجم مین شاہنامہ کے تبصرہ مین فرماتے ہین :-

"شاہنامہ کے مقبول عام ہونے کے مخالف بہت سے ایسے اسباب جمع تھے، سب سے مقدم یہ کہ وہ سرتاپا غیر قومون کا کارنامہ تھا، اور مسلمانون کا جہان جہان ذکر آگیا ہے، نہایت حقارت سے انکو یاد کیا تھا،...... قادسیہ کے معرکہ مین مسلمانون نے بے نظیر شجاعت کے جوہر دکھلائے تھے، فردوسی نے اس کو بھی مدہم کرکے دکھایا تھا، اس بات پر مذہبی گروہ مین عام ناراضی پھیلی، چنانچہ اسی زمانہ مین عمر نامہ ایک کتاب لکھی گئی، جس کے دیباچہ مین سبب تالیف یہ بیان کیا گیا ہے، کہ چونکہ فردوسی نے ایرانیون کے جھوٹے سچ قصے لکھ کر ملک مین مشہور کر دیئے، اس لئے یہ کتاب حضرت عمر فاروق رضی کے حالات مین لکھی گئی کہ لوگون کی توجہ ادھر سے ہٹ جائے،"

پھر ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہین،

"سلطان محمود کے زمانہ میں ایک فاضل نے شاہنامہ کے جواب میں عمر نامہ ایک کتاب نثر میں لکھی تھی، وہ میری نظر سے گذری ہے" (شعر العجم ج ۱ ص ۱۶۲ و ۱۴۲)

عمر نامہ، کا کوئی نسخہ مولانا شبلی مرحوم کے ذاتی کتبخانہ یا ندوہ کے کتبخانہ میں موجود نہیں، البتہ چند دن گذرے کہ قصبہ محمد آباد ضلع اعظم گڈھ کے ایک ذی علم خاندان کی تمام کتابیں دار المصنفین کے کتبخانہ میں منتقل ہو کر آئیں تو ان میں اس کا بھی ایک قلمی نسخہ تاریخ عمری کے نام سے آکر داخل ہوا،

ہندوستان کے جن کتبخانوں کی فہرستیں طبع ہو چکی ہیں، ان میں اس کا کوئی نسخہ ہمیں دستیاب نہیں ہوا، اور نہ یورپ کے کسی کتب خانہ میں اس کا کوئی مکمل نسخہ موجود ملتا ہے، البتہ برٹش میوزیم میں نمبر کتاب ۱۹۹۲ میں ۱۴ ورقوں کا ایک مجموعہ ہے، جس میں چند کتابوں تاریخ گزیدہ، تاریخ ابن کثیر، اور ترجمہ تاریخ طبری کے چند اوراق کے ساتھ اس کے بھی چند ورق یکجا منقول ہیں، لیکن اس مجموعہ میں بھی سب سے کم نصیبی تاریخ عمری کی ثابت ہوئی ہے، یعنی ۱۴ اوراق کے مجموعہ میں سے صرف ۴ ورق اس کے حصہ میں آئے ہیں، اگرچہ اولیت کا شرف اسی کو حاصل ہوا ہے، اس مجموعہ کا خط نستعلیق ہے، فہرست نگار کے قیاس کے بموجب اس کی کتابت کا سال تقریباً ۱۸۵۰ھ ہے[1]،

معلوم نہیں مولانا مرحوم کی نظر سے کونسا نسخہ گذرا، اور کہاں گذرا، یہ سوال اس لئے اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے، کہ مولانا اس کا نام عمر نامہ لکھتے ہیں، اور ہمارے پیش نظر نسخہ میں یہ تاریخ عمری کے نام سے موسوم ہے، اور برٹش میوزیم کے اس نامکمل نسخہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، عجب کیا کہ مولانا نے شعر العجم میں شاہنامہ کی مناسبت سے اس کو از خود عمر نامہ کے نام سے یاد کیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے نسخہ کے سر ورق پر کسی نے اس کو عمر نامہ ہی لکھا ہو، اور وہی نسخہ مولانا کی نظر سے گذرا ہو، پیش نظر نسخہ کے کاغذ اور شانِ کتابت سے ظاہر ہے کہ یہ بالکل جدید منقول نسخہ ہے، اس سے ہندوستان میں اس کے کسی دوسرے نسخہ کے وجود کا پتہ چلتا ہے، جس سے یہ نقل ہوا ہو،

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۳ ص ۱۰۴۱،

بہر حال یہ نسخہ فل اسکیپ سائز کے ۲۳۰ صفحون پر مشتمل ہے، ہر صفحہ مین ۱۹ سطرین ہین، خط نستعلیق اور بڑی حد تک جلی ہے، کتابت کا زمانہ بیسوین صدی کا اوائل یا انیسوین کا اواخر معلوم ہوتا ہے، اگرچہ کاغذ معمولی ہونے کی وجہ سے کسی قدر بوسیدہ ہو گیا ہے، اور جابجا کرم خوردگی کے نشان بھی ہین، تاہم یہ کوئی پرانا نسخہ نہین ایک جگہ اردو زبان مین کاتب کے قلم کے یہ الفاظ ملتے ہین "صفحہ ہذا کر بصفحہ ۱۰۴ مرتبہ اجزا مین لکھنا چاہیے" اسکے نیچے کاتب کے دستخط ہین

کتاب مین کاتب کا نام کہین نہین، صرف اسی اردو عبارت کے ذیل مین اس کے دستخط ملتے ہین، اگر اس دستخط کے صحیح پڑھنے پر ہم اعتماد کرین تو وہ بظاہر "سید محمد علی" معلوم ہوتا ہے،

کتابت کی بکثرت غلطیان ہین جس سے کاتب کی محض معمولی نوشت و خواند کا پتہ چلتا ہے، غلطیون کی چند مثالین یہ ہین:-

غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح
مستی	ثنیٰ	ہیصم	ہیثم	خیتمہ	حنتمہ	ترجعہ	ترجمہ

کتاب ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے،

"سپاس و ستایش مر خدایر کہ عدل و احسان را سبب سلاطین اسلام گردانید"[1]

کتاب کے شروع کے نو صفحے دیباچہ پر مشتمل ہین، دیباچہ مین صاحب کتاب کا نام "محمد حسین عرف محمد عبد السلام" ہے، لیکن برٹش میوزیم کے نسخہ مین "عرف" کے بجائے "ابن" یعنی "محمد حسین بن عبد السلام" ہے،

صاحب کتاب کا تذکرہ ہمین متداول کتابون مین سے کسی مین دستیاب نہین ہوا، البتہ اسی دیباچہ مین چند ایسے قرائن موجود ہین جن سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب کتاب محمود غزنوی کے عہد مین موجود تھا، مثلاً ایک جگہ ایک سلسلہ مین اپنے چند ہمعصر مشایخ کا تذکرہ کرتا ہے کہ:-

"و مشایخ طبقات الی یومنا بعصرنا شیخ ابو القاسم قشیری، ابو الحسن خرقانی و ابی سعید

---

[1] برٹش میوزیم کے اوراق بھی اسی سے شروع ہوتے ہین، "خدایر" کے بجائے اس مین "خدایرا" ہے،

ابی الخیر بہمنی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین مغازی مصطفیٰؐ و آثار صحابہ خواندہ اند،، (ص ۸)

یہ تمام بزرگ محمود غزنوی کے عہد مین موجود تھے، اور ان سب کا وصال محمود کی وفات کے بعد ہوا ہے، ان مین سے شیخ ابو الحسن خرقانی کا سالِ وفات ۴۲۵ھ ہے، یعنی محمود کی وفات کے ۴ برس بعد، اسی طرح شیخ ابو سعید ابو الخیر، اور شیخ ابو القاسم قشیری نے بہ ترتیب ۴۴۰ھ اور ۴۶۵ھ مین وفات پائی ہے، اور اگرچہ ان دونون بزرگون کے زمانۂ وفات اور محمود کے سالِ وفات مین بہ ترتیب ۱۹ اور ۴۴ برس کا فرق ہوتا ہے، تاہم ان بزرگون کا جو سالِ پیدائش ہے، اس لحاظ سے قیاس ہوتا ہے کہ محمود کے زمانہ مین یہ مرتبۂ مشیخت پر فائز ہون گے، چنانچہ شیخ ابو سعید ابو الخیر ۳۵۷ھ مین اور شیخ ابو القاسم قشیری ۳۷۶ھ مین پیدا ہوئے ہین، اس لئے محمود کے سالِ وفات کے وقت آپ دونون علی الترتیب ۶۴ اور ۴۵ سال کی عمر مین تھے، اس لئے مصنف کا انکو ہمعصر بنانا قرین قیاس ہے[1]،

اسی طرح ایک موقعہ پر دیباچہ مین محمود کے اوصاف و محامد بیان کئے ہین، اور اسی ضمن مین اسکے عہد حکومت کا ذکر آیا ہے، جو چشم دید حالات پر مبنی ہین، دیباچہ کا یہ حصہ نہایت قیمتی ہے، جس سے محمود کے زمانہ کے عام حالات خصوصاً ملکی امن و امان اور عام تمدنی ترقیون پر روشنی پڑتی ہے، ہم ذیل مین اس کا پورا بیان نقل کرتے ہین، محمود کے متعلق لکھتا ہے،،

"۔۔ کہ رونق دین محمدی از وجود مبارک او از سر طراوت گرفتہ است، و طراوت ملت احمدی از عدل و احسان شامل او ظاہر و باہر گشتہ، پادشاہی کہ از ہیبت تیغ سیاست او معاندان ربع مسکون سر در ماندہ اند، و امکان بار تکاب ظلم و عدوان ندارند، شہنشاہی کہ از حسن اعتقاد

[1] اس موقع پر مصنف کے دعائیہ فقرہ ،، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ،، سے کسی کو کوئی شبہہ نہ ہو، کیونکہ ان مشایخ کے تذکرہ سے پیشتر تابعین طبع تابعین زمانہ ماضی کے ائمہ کرام، محدثین عظام اور دیگر مشایخ کا تذکرہ آیا ہے، اور اسی زمرے مین اپنے ان ہمعصر مشایخ کے نام لئے ہین، اور آخر مین ان سب کے لئے یہ دعائیہ فقرہ استعمال کیا ہے،

ودین و دیانت او مبتدعان روی زمین بی آب و مایوس گشته اند نمی توانند که علوم مزخرف صحیح باطل (؟) خود را پیدا کنند و بازار بے رواج خود را بیان گردانند، واز پاس شمشیر آبدارش متمردان ملک (؟) دم زدن نمانده است، واز سیرت پاکیزہ و اخلاق پسندیدہ و اوصاف عالی وہمم متعالی، و ثبات عزم و وفور سنت وجماعت سرافرازان ونازان و بدمذہبان مقہور وگدازان و مشایخ در زہد و طریقت راآبر (؟) دعا در نشر علوم وعلم ہر روز بر طرفی (؟) وکمال علو معتقاد (؟) تصنیف علوم دینی و متعلمان در تعلیم علوم یقینی و مشاعر اسلام منور و مساجد و مدارس معمور و منابر بخطبای متدین و واعظان متقی مزین، و مجاہدان در جہاد و غازیان در غزا لشکرہا آراستہ، وعدتہا پیراستہ و بیت المال مالامال وآباد، ایہا بکمال وزنہار (؟) ایمن و قطاع الطریق نیست ونابود گشتہ و کار و آنہا در آمد و شد وتجار در ضمان سلامتی در بیع و شرا و بازارہا داد در شہر مسلمانان رواج و صناع فارغ البال در صناعت مشغول و رعایا ایمن و آسودہ قسمات (؟) وعوارضات یم (؟) برافتادہ، وسعادت واعوا (؟) از جہان رفتہ وظلم وعدوان مندرس گشتہ (؟) وطاعات وحسنات وخیرات و مبرات در عالم منتشر شدہ وفتنہ وحوادث در خواب، وعدل و سیاست بیدار، و اوقاف از دست ظالمان مصون ومحروس و املاک از جور جابران محفوظ و مفرور (؟) وثغور امصار مسلمانان وحصینہاے بوطن مومنان سر باسمان کشیدہ وجسور و رباطات ومنازل و مراحل مرتب و مہیا (؟) عالمیان در امن و ایمنی دشادکامے ونیکنامی بکار و بار خود مشغول دان، وکر ازان صلاح در اطراف عالم روی باردیا دنہادہ است و فساد روز نقصان می شود و سر در جہان گرفتہ است حق تعالیٰ ذات مالک صفات این پادشاہ دین پناہ را وارث اعمار پادشاہان سلف گرداناد"

(ص ۳ و ۴)

تاریخ عمری کی تالیف کا سبب جیسا کہ شعر العجم کے حوالہ سے گذر چکا ہے، صرف فردوسی کے شاہنامہ کا

جواب پیش کرتا ہے، کیونکہ مصنف کے خیال مین شاہنامہ کی تصنیف سے نہ صرف عجمیون کی تاریخ اور افسانے از سرِ نو تازہ ہو گئے، بلکہ شریعت غرا کے متبعین انھین مزخرفات کے رفتہ رفتہ ایسے شیدائی بنگئے، کہ عرب و اسلام کے کارنامے ماند پڑ گئے، چنانچہ دیباچہ مین لکھتا ہے:-

امیر انام فردوسی طوسی کتاب شاہنامہ را پرداخت و بخدمت سلطان دین پرور یمین الدین سلطان محمود سبکتگین خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ آورد و بعطایاے وافر و انعامات متوافر مخصوص گشت و الحق تاریخی شگرف را از نثر لباس نظم پوشانید و نظمے در غایت علو ترکیب و متانت معانی بپرداخت و تواریخ ملوک عجم را از سر تازہ گردانیدہ، مآثر و مناقب ایشان را بہ حیے نیکوتر درین کتاب درج کرد، و مردگان و زندگان را بآب حیوۃ نظم رائق خویش زندگی ابد بخشید، اہل اسلام و طوائف مومنان را از بہر طلیقہ در نوشتن و خواندن رغبتے صادق پیدا آمد و قلب مردمان را در سرگذشت و قصص ایشان اعتقاد راسخ شد“

شاہنامہ کی اس مقبولیت کے تذکرہ کے بعد اس خطرہ کا یون ذکر کرتا ہے،

”درامی سلمان را در خاطر افتاد کہ زہے غبن فاحش و ظلم صریح کہ در ملت مقدس نبوی و نعمت متبرک مصطفوی سرگذشت مغ و مجوس رواج یابد و اہل و اسلام در خواندن اکاذیب عجم و مزخرفات آتش پرستان را معتقد شوند و قصہاے بی سند و روایتہائے بے استوار دارند و قدر پیش ملوک نامدار خوانند و در محافل پیش بزرگان تحسین و ذکر کنند و گوشہا را بہ ... آن خوش گردانند الخ“

آخر انھین وجوہ سے دو سال کے پس و پیش کے بعد مصنف کو شاہنامہ کے جواب مین ثمر نامہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا، اور یہ انتخاب غالباً اس لئے عمل مین آیا کہ عربون کے فتوحات ایران کی تفصیل سے ایک طرف کیانی و ساسانی داستان سطوت پر ضرب لگے گی اور دوسری طرف فردوسی کی اس تعلی کا صحیح جواب ہو گا،

زشیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو، تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اس لئے تاریخ عمری ہی ایک ایسا مرقع ہو سکتا تھا، جس مین تخت کیانی کے حصول کی آرزو پوری ہوتی دکھائی جائے اور کیانی سطوت کے یادگار فرش بہار کی دھجیان مدینہ کی گلیون مین اڑائی جائین،

لیکن یہ عجب پر لطف اتفاق ہے کہ باوجودیکہ تاریخ عمری کی تالیف کی اصلی وجہ صرف یہ تھی کہ شاہنامہ کذب و افترا کا ایک دفتر ہے، اس لئے مسلمانون کو اس کے مطالعہ سے باز رکھا جائے، اور اس کے بجائے تاریخ عمری جیسے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے، لیکن جب اس کا مصنف خود اس کوچہ مین قدم رکھتا ہے، اور تاریخ عمری تالیف کرنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے، تو خود اس کا دامن بھی غلط بیانی سے نہین بچتا، اور ایک لغو و بے سود غلط بیانی اس سے سرزد ہو جاتی ہے، جس کو خود اسی کے الفاظ مین پیش کیا جاتا ہے، لکھتا ہی،

"آخر بتفکر و تانی بسیار با خویش قرار دادیم تاریخ عمری را جہۃ امیر المومنین مامون بن ہارون الرشید رضی اللہ عنہم اجمعین جمع کردہ اند و باستحسان و استرضاے آن خلیفہ مقرون گشتہ و بکثرت عطاہا؟ حضرت مصحح شدہ از عربی بہ فارسی ترجمہ (؟) کنم و بکتاب خانۂ سلطان اسلام یمین الدولہ امین الملۃ محور ممالک الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا، محمود سبکتگین مولی امیر المومنین رسانم"، ص،

حقیقت یہ ہی کہ شاہنامہ کی علاوہ دیگر خصوصیات کے ایک نمایان خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ (بروایت) سلطان محمود کیلئے تالیف ہوئی محمود کے دربار مین پیش ہوئی، اور محمود کی طرف سے اس کے صلہ مین انعام و اکرام عطا ہوئے، اس لئے مولف عمر نامہ کو بھی اپنی کتاب کو ہمرتبہ قرار دینے کے لئے اس مین وہی خصوصیات پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا، تاکہ خود محمود کی توجہ بھی اس طرف منعطف ہو سکے، اور اس وسیلہ سے امرا، اہل دربار اور عوام مین مقبول ہو، اس لئے اس نے اس کتاب کو بھی ایک فرمانروائے وقت خلیفہ مامون

کے دربار سے منسوب کیا کہ وہ بھی شاہنامہ کی طرح مامون کے حکم سے تالیف ہوئی، اس نے اس پر نظر استحسان ڈالی اور مصنف کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا،

مصنف نے دیباچہ مین یہ غلط بیانی غالباً اصل کتاب کے لکھنے کے بعد کی ہے، کیونکہ اولاً مامون کے عہد مین حضرت عمرؓ کے سوانح حیات مین کوئی کتاب تالیف نہین ہوئی، علاوہ ازین خود اس کتاب مین ایسے دلائل و شواہد ہین جو اس غلطی کو آپ سے آپ واضح کرتے ہین،

مامون کا سالِ وفات ۲۱۸ھ ہے، لیکن اس کتاب مین ایسے لوگون کے حوالے آئے ہین، جو مامون کے کہین بعد پیدا ہوئے، مثلاً ابو جعفر محمدؒ بن جریر طبری کا حوالہ بار بار آیا ہے، حالانکہ طبری مامون کے سنہ وفات کے سات سال بعد ۲۲۵ھ مین پیدا ہوا ہے، اور ۳۱۰ھ مین وفات پائی ہے، (معجم الادباء ج ۶ ص ۴۲۳)

لیکن اس کے باوجود تاریخ عمری کے ماخذ مین ابن جریر کا نام ایک سے زیادہ جگہ موجود ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتا ہے،

"امام محمد جریر طبری میگوید این الوان را چون بنا کردند بنیاد آن را بقدر یک نیزہ بالا در زمین حضر کردند" ص ۱۲۶،

مصنف کو اس غلط بیانی کی ضرورت غالباً اس لئے بھی پڑی کہ وہ دیباچہ مین اس تالیف اور شاہنامہ کے موازنہ اور اس کی خوبیون کو آزادی سے پیش کرسکے، ورنہ خود اپنی تالیف کی طویل و بسیط پریشان و شوکت الفاظ مین مدح سرائی کرنا اسے زیب نہ دیتا، چنانچہ اس کو تالیف کے بجائے ترجمہ قرار دینے کے بعد اولاً سلطان محمود کے اوصاف و محامد بیان کئے ہین، پھر اس کو مخاطب کرکے اس کتاب کو ان الفاظ مین اس کی خدمت مین پیش کرتا ہے،

"چون درین ترجمہ (؟) نظر فرماید و بشرف مطالعہ مشرف کردند بحمد اللہ داند و دریابد کہ این مجموعہ کہ اوصاف دین داری و ملک داری، در فہرست ابواب جہانگیری و جہان کشائی است با ترہات و مزخرفات و حشوات مموۂ عجیبان کہ ہمہ اکاذیب باطلہ و مفتریات صریح نامعقول

نقل کردہ اند،، ص ۵،

اس کے بعد آگے چل کر پھر کتاب کی خوبیون کو گنتا ہے، اور پہلے اسلام کے اصول روایت مین حزم واحتیاط، اور روافض وخوارج کی روایتون مین کذب وافترا کا تذکرہ کرتے ہوئے وضع احادیث اور محدثین کے جرح وتعدیل کا حوالہ دیتا ہے، اور اس طریقہ سے تاریخ عمری کی روایتون کی صحت کی طرف اشارہ کرکے نفس کتاب کی خوبیون کا یون ذکر کرتا ہے،

"مقصود این ضعیف آنست کہ انچہ اولوالالباب اولین وآخرین طلب نمایند درین مجموعہ (؟) موجود است چہ اگر دین داری وملک داری باتقوی وکمال دیانت طلبند یابند واگر شجاعت وشہامت وہیبت وسیاست جویند یابند۔۔۔۔۔،، ص ۶

غرض اسی طرز بیان سے اس کی بہ کثرت خوبیان پیش کی ہین، اس کے بعد نہایت وضاحت سے اپنی کتاب کی روایتون کی صحت وصداقت، اور ان کے مقابلہ مین شاہنامہ فردوسی کے بے سروپا کذب وافترا کا ذکر کرتا ہے، لیکن اس موقع پر اس کے ترجمہ کی حیثیت اس کے ذہن سے فراموش ہو جاتی ہے اور بالکل ایک مصنف کے قلم کا طرز تحریر اس کے قلم سے ٹپک پڑتا ہے، لکھتا ہے،

"ونیز این ہمہ اخبار مستند است ثقاۃ تابعین در رواۃ باعدالت تبع تابعین باسانید خود در کتب معتبرہ آوردہ بنا بر داعی از خوف تطویل باخبار مجرد کفایت کردہ است،، ص ۷

اس بیان مین "داعی،، سے مراد "مترجم،، ہے، اگر دیباچہ نگار اپنے بیان کے مطابق صرف "مترجم،، ہوتا تو اس کو یہ واضح کرنے کا کیا حق حاصل تھا کہ "یہ روایتین معتبر کتابون مین سند کے ساتھ ہین، مین نے طوالت کے خوف سے ان کو حذف کر دیا،، کیونکہ اس موقع پر "معتبر کتابون،، کا حوالہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ اس فارسی نسخہ تاریخ عمری مین مختلف کتابون سے کام لینا پڑا ہے، اور وہی سب معتبر کتابین اس کے ماخذ ہین، اور اگر یہ عبارت اصل مین مصنف کی ہوتی تو مترجم یہ کہہ سکتا تھا، کہ "مصنف نے معتبر

کتابون سے یہ سند روایتین نقل کی تھین، وہ طوالت کے خوف سے حذف کر دی گئین"

ممکن تھا کہ لفظ "داعی" سے دیباچہ نگار کی مراد "مصنف" ہو، لیکن یہ اس کے طرز انشا کے خلاف ہی؛

دیباچہ مین جہان جہان لفظ "داعی" آیا ہے، اس سے خود اپنی ذات مراد لیتا ہے، ایک حوالہ اس سے پیشتر

گذر چکا ہے کہ:-

"کہ این حلوت (؟) مدت دو سال کم وبیش داعی روزگار بگذشت" ص ۳

اسی طرح دیباچہ کے آخر مین ہے،

"داعی مسلمانان را امید آنست کہ چون ۔۔۔۔۔ ص ۹"

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ دیباچہ نگار زور قلم مین لکھتے لکھتے اپنی پیش کردہ حیثیت فراموش کر جاتا ہے، اور سہواً اور اس کے ساتھ فطرۃً اس کے قلم سے ایسے جملے نکل جاتے ہین جو مترجم کے بجائے مصنف کے قلم سے ادا ہونے چاہئین، اس لئے اصل حقیقت یہی ہے کہ مصنف نے محض انھین خصوصیات کو پیدا کرنے اور کتاب کی اہمیت بڑھانے کے لئے یہ سوانگ رچا، اور اگرچہ اس موقع پر یہ شبہہ ہوتا ہے، کہ اس سے خود اس کی حقیقی محنت وشہرت کو نقصان پہونچا، لیکن یہ فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اس کا مطمح نظر ذاتی وجاہت اور جاہ طلبی نہین تھا، بلکہ صرف فردوسی کا جواب لکھکر ایک مذہبی فریضہ کو ادا کرنا تھا، جو باحسن وجوہ اسی طریقہ سے پورا ہو سکتا تھا،

اس کے بعد دیباچہ مین اپنی کتاب کی روایتون کی توثیق اور شاہنامہ کی روایتون کو ناقابل اعتماد بتانے کے بعد فردوسی کی قومی عصبیت، مجم پرستی، اور عرب پر عجمی تفوق پیدا کرنے الزامات کی طرف اشارہ کرکے اوس پر تعریض کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اما انچہ از ملقائے نفس امارہ خود کہ بصد ہزار خبث وخبائث مملو بود ولعداوت وعصبیت قومی در قلم آرند وخدائے ورسول او را در میان نبینند، واز سر غلبۂ محبت طائفہ یا باعثۂ عداوت

گروہی کتابہا بنظم ونثر پرداز ند وتقوی ودیانت وخدا ترسی وامانت درپرداخت .....، ص ۲

فردوسی کے معائب پر اسی طریقہ سے طعن وطنز کرنے کے بعد آگے چل کر، بخلاف مغازی ائمہ تاریخ" لکھے فن مغازی کی صحت وصداقت، اور قرناً بعد قرن ائمہ کبار کی توثیق وتائید وغیرہ کا تذکرہ کسی قدر زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے، اور پھر سب سے آخر میں سلطان محمود کو مخاطب کرکے تاریخ عمری کے مطالعہ کا شوق دلایا ہے

"پس مقرر ضمیر منیر پادشاہ دین پناہ باد کہ درمجموعہ کہ ہمہ بزرگان امت مصطفی علیہ افضل الصلوۃ واکمل التحیات کہ قول وقلم ایشان در دنیا وآخرت مقبول ومعتبر بود متفق باشند ودر صحت آں ایشان را ہیچ شبہہ وخدشہ نبود لاجرم در مطالعہ آں ثواب ودر اعتقاد آں نجات ودر تقلید وتتبع آں در حاصل بود"، ص ۸، ۹،

پھر اس کے بعد چند کلمات دعائیہ پر دیباچہ ختم ہو جاتا ہے،

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، ابتدائی دو صفحوں میں "فہرست تاریخ عمری" ہے، کتاب کے مباحث تین حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں، پہلا حصہ نام ونسب سے خلافت تک، دوسرا فتوحات کی تفصیل میں، اور تیسرا حصہ آپ کے اخلاق وعادات فضائل ومناقب اور اولاد وازواج کے بیان میں ہے کتاب کی پوری فہرست حسب ذیل ہے:-

فہرست تاریخ عمری، ذکر نام ونشان ولقب وخویشان امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ، ذکر اسلام عمر رضی اللہ عنہ، ذکر شمشی وقوت از صلابت امیر المومنین عمرؓ، ذکر ہجرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ، ذکر انچہ اول خلیفہ کہ اورا امیر المومنین گفتند عمرؓ بود رضی اللہ عنہ، ذکر باقی حال امر دیار شام وفتح دمشق، ذکر فتح فحل ومیسان، ذکر وقایعی کہ مثنی حارثہ را در بلاد عراق اتفاق افتاد، ذکر حرب لشکر اسلام بر جابان وفتحے کہ در زمین تارق مسلمانان را برآمد، ذکر فتح سقاطیہ از ولایت کشکر از سواد عراق ذکر واقعہ خیر کہ مسلمانان را افتاد، ذکر واقعہ نوبت، ذکر رفتن مثنی بروز بازار، ذکر ہلاک سیدن یزدجرد شہریار

ذکر امارت سعد وقاص، ذکر فرستادن بجنگ رستم بجانب عراق، ذکر فتح جنگ سعد با رستم و غنائم فتح قادسیه

ذکر باقی مقتل رستم و حصول فتح قادسیه، ذکر بنای شهر کوفه، ذکر بنای شهر بصره، ذکر فتوحات بلاد شام که در

ایام خلافت امیر المومنین میسر شده است، ذکر فتح شهر حمص، ذکر فتح شهر قیسرین، ذکر فتح شهر ساریه

ذکر فتح شهر اجنادین، ذکر فتح ایلیا که آن را بیت المقدس گویند، ذکر فتح مصر و شهر رماده، ذکر فتح مدائن

و قسمت غنائم هر کس را عطائی معین بود، ذکر آنچه امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بدیوان داری افتتاح

گردد، ذکر فتح و صفت ایوان کسری و بعضی از تجمل پادشاہانہ او، ذکر واقعہ جلولا، ذکر فتح شهر حلوان

ذکر فتح حصار تکریت و موصل، ذکر مراجعت لشکر اسلام از مدائن در ضمان فتح و نصرت و پرداختن باقی عمارت

کوفه، ذکر انہزام ملک روم از حمص کرت دوم، ذکر فتح شهر جزیره، ذکر بازآمدن خالد ولید بمدینه، ذکر نهضت

فرمودن امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بجانب شام، ذکر عزل مغیرہ شعبہ از ایالت بصره و دادن با موسی اشعری

ذکر فتوح شهرهای اهواز، ذکر بیرون آمدن علاء حضرمی با لشکر اسلام از بحرین کاتب فارس، ذکر

فتح باقی شهرهای اهواز، ذکر فتح شهر نهاوند بر دست لشکر اسلام، ذکر فتح شهر اصفاهان بر دست لشکر

امیر المومنین عمرؓ، ذکر فتح همدان، ذکر فتح رے و دماوند و قومس، ذکر فتح جرجان و طبرستان، ذکر فتح

آذربیجان، ذکر فتح یزدجرد بخراسان و فتوح آن ولایت، ذکر فتوح شهرهای ولایت فارس، ذکر فتوح

شهرهای کرمان، ذکر فتوح سجستان و آن نواحی، ذکر فتوح شهرهای مکران، ذکر فتح پردو که متصل

حدود بصره و سنداست، ذکر فرستادن سلمه قیس بجانب کردان و برآمدن فتح آن، ذکر مقتل امیر المومنین

عمر رضی اللہ عنہ، ذکر بعضی از مواعظ و نصایح که بر لفظ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ رفته است، ذکر بعضی

از سیرت و صفت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ، ذکر بعضی از مناقب فضائل عمر رضی اللہ عنہ که بر لفظ

پیغمبر السلام رفته است، ذکر بعضی از آیات و کلام اللہ که در شان امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نازل شد

ذکر فرزندان و ذراری و ازواج امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ، ذکر بعضی از موالی امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ

کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اس عہد کے ممتاز اہل علم مین تھا اور اس زمانہ تک جن کتابون مین حضرت عمرؓ کے سوانح حیات مدون ہوئے تھے، وہ بالعموم اس کے پیش نظر تھین، فتوحات کا زیادہ حصہ طبری متوفی سنہ ۳۱۰ھ اور ابو حنیفہ متوفی سنہ ۲۸۲ھ وغیرہ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے، اور سیر کا حصہ تاریخ الخلفاء سے اخذ کیا گیا ہے اس وقت تک اخبار الخلفاء، دولابی متوفی سنہ ۳۱۰ھ تاریخ الخلفاء ابو جعفر محمد بن حبیب متوفی سنہ ۲۴۵ھ اور تاریخ الخلفاء ابو ہلال حسن بن عبد اللہ عسکری متوفی سنہ ۳۹۵ھ وغیرہ تالیف ہو چکی تھین، کتاب کی اصل خصوصیت اسکی ترتیب تو ہے ہے انداز بیان مین کوئی نمایان ندرت نہین البتہ چونکہ قلم شاہنامہ کے جواب مین اٹھایا گیا ہے اسلئے عجم پر عربی تفوق کے نمایان کرنیکی خاص طور پر کوشش کیگئی ہے، اور حریف عجم کے مقابلہ مین عربون کی شجاعت و بسالت کا تذکرہ زیادہ شان و شکوہ سے کیا گیا ہے اور اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو فی الجملہ ان تمام امور کی کچھ نہ کچھ جھلک اس مین بھی آگئی ہے، جن کی بناپر فردوسی مورد الزام قرار دیا جاتا ہے، خصوصاً حضرت عمرؓ کے حالات مبالغہ آمیزی سے پاک نہین ہین مثلاً طبری کے حوالہ سے، حضرت عمرؓ کے لقب فاروق کے متعلق لکھا ہے:۔

"امام محمد جریر طبری چنین آوردہ است کہ کعب احبار گفت لقب امیر المومنین عمر در توراۃ فاروق است"

لیکن ابن جریر نے اس سلسلہ مین جو کچھ نقل کیا ہے وہ صرف یہ ہے:۔

وقال بعضھم اول من سماہ بھذا الاسم اہل الکتاب — اور بعض لوگون کا بیان ہے کہ آپکو سب سے پہلے اہل کتاب نے اس نام سے موسوم کیا

ایک دوسری روایت مین ہے:۔

قال ابن شہاب بلغنا ان اہل الکتاب کانوا اول من قال لعمر الفاروق وکان المسلمون یاثرون ذلک من قولھم ص ۲۷۹ — ابن شہاب کہتے ہین کہ حضرت عمرؓ کو اہل کتاب نے سب سے پہلی مرتبہ فاروق کہا اور مسلمانون نے انھین سے اس لقب کو اختیار کیا،

اسکی ایک دوسری خصوصیت یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایران کی لڑائیون کے سلسلہ مین ایرانیون اور خصوصاً یزدجرد کے ایسے حالات بھی کہین کہین قلمبند کر دئے گئے ہین جو عام عربی تاریخون مین موجود نہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمین ایسی روایتین بھی درج ہین جو یزدجرد وغیرہ کے متعلق ایران مین عام طور پر مشہور تھین اور ان روایتون کی وجہ سے ایرانیون کے مزید داخلی حالات آشکارا ہوتے ہین

حافظ العصر شہاب الدین ابن حجرؒ

از

مولوی سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن،

"آج کل مولوی سید ہاشم صاحب ندوی حافظ ابن حجر کی مشہور تصنیف درر کامنہ کی تصحیح میں مصروف ہیں، جس کی پہلی جلد اب دائرۃ المعارف کی طرف سے شایع ہوئی ہے، اسی تقریب سے ممدوح نے یہ مضمون لکھا ہے، جو شکریہ کے ساتھ شایع ہوتا ہے" "معارف"

نسب نامہ اور خاندانی حالت، احمد بن علی بن محمدؒ بن علی بن محمود بن احمد، کینت ابو الفضل تھی، شہاب الدین لقب تھا، ابن حجر کے لقب سے زیادہ مشہور اور معروف ہوئے، کنانی، عسقلانی نسبت تھی، ابن حجر جد امجد کا بھی لقب تھا، جن کا دوسرا لقب ابن البزاز تھا، یہ آل حجر[1] کی طرف منسوب ہیں، آل حجر ایک قوم تھی جس کا اصلی وطن ارض قابس میں تھا، لیکن وہاں سے منتقل ہو کر بلاد جرید کے جنوبی حصہ میں سکونت پذیر ہوئی اس خاندان میں علماء، محدثین اور فقہاء پیدا ہوئے، ان کے والد ماجد نور الدین علی نے ابن سید الناس سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور حاوی صغیر (فقہ کی مشہور کتاب ہے) کے حافظ ہوئے، اس طرح جد امجد قطب الدین ابو القاسم محمدؒ بن محمدؒ بن علی کو ابو الفضل بن عساکر اور ابن القواس نے حدیث کی اجازت دی، اور ان کے چچا فخر الدین عثمان بن علی سے ابن الکویک اور سراج الدمنہوری نے فقہ پڑھی،

ولادت اور تعلیم، ۲۲ شعبان ۷۷۳ھ کو مصر میں بمقام عتیقہ[2] پیدا ہوئے، ایام طفولیت ہی میں والد کا انتقال ہو گیا، انتقال کے وقت ان کے والد نے زکی خرنوبی کو اپنا وصی بنایا، چنانچہ انھیں کی

---

[1] تاج العروس، [2] النور السافر،

کفالت مین ابن حجر پرورش پاتے رہے، ابتداءً صدر اسفطی شارح التبریزی کی خدمت مین باریاب ہوئے ان سے قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور نو سال کی عمر مین حافظ قرآن ہوگئے، اس کے بعد عمدہ، حاوی صغیر، مختصر ابن الحاجب، الفیۃ العراقی پڑھی، زکی خرنوبی کے ساتھ مکہ پہونچے، وہان علماء و فضلاء کے درس مین شریک ہوئے، یہین سے حدیث کا شوق دامنگیر ہوا، ۷۹۶ھ مین مصر اور قاہرہ کے علماء سے حدیث پڑھی، سراج بلقینی، حافظ العراقی اور ابن ملقن سے حدیث اور فقہ، برہان الدین الابناسی اور نور الدین الہیثمی وغیرہ سے صرف فقہ کا درس حاصل کیا، مشہور ائمہ عصر کی صحبتون نے ولولہ، شوق، اور طلب صادق پیدا کر دیا، تحصیل علم کے لیے بلاد اسلامیہ کا سفر اختیار کیا، بڑے بڑے شیوخ کی خدمت مین حاضر ہو کر مختلف علوم و فنون مین مہارت تامہ حاصل کی، سرمایہ قوص مین صدر الدین الاشیطی، غزہ مین احمد بن محمد الخلیلی، رملہ مین احمد بن محمد الایکی، خلیل مین صالح بن خلیل بن سالم، بیت المقدس مین شمس الدین القلقشندی، بدر الدین مکی، محمد المنبجی اور محمد بن عمر ابو موسیٰ، دمشق مین بدر الدین بن قوام البالسی، فاطمہ بنت المنجا التنوخیہ، فاطمہ بنت الہادی اور عائشہ بنت الہادی، اور یمن مین زین الدین ابی بکر بن الحسین وغیرہ سے تدریس افتاء اور تحدیث کی اجازت حاصل کی، قرآن اور حدیث کے درس مین شرکت کی، ان علوم کے علاوہ تنوخی سے قرأت سبعہ، مجد الدین فیروز آبادی سے لغت، عماری سے ادب، اور بدر بشتکی سے علم عروض حاصل کیا،

تبحر علمی، اس صدی کے مشہور اور یگانۂ روزگار علماء اور فضلاء کی علمی صحبتون نے ابن حجر کو حافظ الاسلام قدوۃ الامۃ، علامۃ العلماء، حجۃ الاسلام، محی السنۃ کا لقب بخشا، ان کے استاد اور شیخ حافظ عراقی نے اس امر کی شہادت دی کہ اپنے اقران مین یہ حدیث کے سب سے بڑے عالم ہین، تقی فاسی اور برہان الدین حلبی نے یہ فرمایا کہ ہم نے علم و فضل مین ان کی نظیر نہین دیکھی، عارفین نے ولایت کی بشارت دی،

لے شذرات الذہب، ۲۷۰ ایضاً،

بڑے بڑے مصنفین نے اپنے تصانیف مین انکی کتابون سے حوالہ درج کیا ہے، مشہور مورخین نے اپنی تاریخ مین ان کا تذکرہ لکھا ہے، ذیل التقیید مین فاسی نے، طبقات الشعرا مین بشتکی نے العقود الفرید مین علامہ مقریزی نے علاء الدین الخطیب الناصریہ نے اپنی تاریخ حلب مین، قاضی ابن شہبہ نے اپنی تاریخ مین اور ابن فہد نے ذیل طبقات الحفاظ مین، ان کے حالات لکھے ہین، غرضکہ اس عصر کے تمام محدثین اور مورخین نے حافظ ابن حجر کو ایک مستند امام رجال تسلیم کیا ہے،

شغل تدریس، امام موصوف بیس سال تک خانقاہ بیبرسیہ مین تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کا درس دیتے رہے، کتابون کا املا اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا، جامع عمرو اور جامع ازہر مین خطبہ دیتے رہے، پھر جب سند قضا سے علیحدگی اختیار کی تو دار الحدیث الکاملیۃ مین مستقل طور پر تالیف و تصنیف مین مشغول ہو گئے، رفتہ رفتہ علمی شہرت کا چرچہ تمام بلاد اسلامیہ مین پھیلا، اور پھر طلبہ جوق جوق مختلف مقامات سے سفر کر کے درس مین شریک ہونے لگے، تلامذہ مین بہت سے فاضل محدثین مورخین اور فقہا پیدا ہوئے، امام سخاوی کو چونکہ بہت زیادہ استفادہ کا موقعہ ملا اس لئے تلامذہ کی جماعت مین ان کے علم و فضل کا پایہ بہت بڑھا رہا، وہ خود لکھتے ہین،[1]

"کہ اول اول مین ۸۳۸ھ مین امام سے واقف ہوا، اس کے بعد سے مین برابر خدمت مین حاضر رہا، بہت کم ایسا موقعہ ہوا کہ مین شریک درس نہ ہوا ہون، چونکہ مین قریب ہی رہتا تھا، اس لئے ہر درس مین موجود رہا، الاصطلاح اور الفیہ وغیرہ پڑھنے کے بعد علوم الحدیث لابن الصلاح، تقریب، تعجیل المنفعہ کا بڑا حصہ، لسان المیزان کامل مشتبہ النسبہ، تخریج الرافعی، تلخیص مسند الفردوس، مناقب امام شافعی امالی اور فتح الباری کے اکثر اجزا، رکوان سے سنا، نخبہ، شرح النخبۃ، خصال المکفرۃ، القول المسدد، بلوغ المرام کا مطالعہ کیا النکت الظراف، اطراف مسند، زہر الفردوس، تخریج الکشاف، درر کامنہ، قضاۃ مصر کا

---

[1] فتح الباری جلد اول، [2] ایضاً

املا کیا، اور بہت سے تصانیف کی تبیض کی، اور بعض کو خود نقل کیا، حافظ ابن حجر کی عالمانہ شفقت، اور سخاوی کی طالب علمانہ سعادت نے سخاوی کو امام بنایا، اسی خاص تعلق ارشاد کی بنا پر امام سخاوی نے ایک مستقل تصنیف میں ابن حجر کے حالات لکھے ہیں،

منصب قضا: ۲۱ سال اور چند ماہ مصر میں قاضی القضاۃ رہے[1]، محرم ۸۲۷ھ پھر رجب ۸۳۳ھ پھر جمادی الاولیٰ ۸۴۳ھ پھر ۸۴۸ھ اور ربیع الآخر ۸۵۲ھ میں خدمت ان کو سپرد کی گئی، آخر میں تنگ آکر علیحدگی اختیار کرلی،

شعر و شاعری: حدیث کی تحصیل سے قبل اس کا ذوق بہت زیادہ تھا، مستقل ایک دیوان بھی ہے، امام سخاوی نے چند اشعار جو شیخ سے سنے تھے نقل کیا ہے، جن میں عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے،

لقد بشر الہادی فی الصحب زمرۃ　　　بجنات عدن کلہم فضلہ اشتہر

(ہادی (رسول اللہ صلعم) نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کو جنت خلد کی بشارت دی ہے، جن کا فضل مشہور ہے)

سعید زبیر، سعد طلحۃ عامر　　　ابی بکر عثمان ابن عوف علی عمر

وہ جماعت سعیدؓ، زبیرؓ، سعدؓ طلحہؓ　　　عامرؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ، ابن عوفؓ علیؓ اور عمرؓ کی ہے

دو شعر اور ہیں جو حکیمانہ ہیں،

ثلاث من الدنیا اذا ہی حصلت　　　لشخص فلن یخشی من الضر والضیر

تین چیزیں دنیا میں ایسی ہیں کہ اگر یہ کسی کو حاصل ہو جائیں تو اسکو کسی نقصان یا تکلیف کا خوف نہیں کرنا چاہئے،

غنی عن بنیہا والسلامۃ منہم　　　وصحۃ جسم وخاتمۃ الخیر

ایک اہل دنیا سے بے نیازی اور ان سے مامون رہنا دوسرے تندرستی اور تیسرے خاتمہ بالخیر،

---

[1] حسن المحاضرہ،

امام سخاوی نے اپنے شیخ کے ذوقِ شاعری کی بھی تعریف کی ہے، لیکن جہان تک پتہ چلتا ہے شعر و شاعری کا ذوق محض تفریح طبع کے لئے تھا،

اوقات زندگی، روزانہ کے معمولات متعین تھے۔ تدریس کا ایک خاص وقت تھا، جس مین طلبہ کی جماعتین باری باری آتی تھین، اسی طرح تالیف و تصنیف کے لئے علیحدہ وقت مقرر تھا، مطالعہ، افتاء اور دیگر مشاغل کے لئے خاص وقت تھا،

عادات اور خصائل، متواضع حلیم، اور بردبار تھے، عبادت گذار متقی، اور پرہیزگار تھے، صوم وصلوٰہ کے پابند تھے، ان تمام اوصاف کے ساتھ ظریف الطبع تھے، شاعرانہ ذوق، ادیبانہ خیال رکھتے تھے، علماء وفضلاء کی قدر ومنزلت کرتے تھے، اصاغر کے ساتھ شفقت اور اکابر کی عظمت کرتے تھے،

حلیہ، چہرہ صاف اور روشن تھا، ڈاڑھی سفید تھی، تھوڑا پست قد، اور نحیف الجثہ تھے، آواز بلند تھی، طبیعت مین غایت درجہ کی ذکاوت اور ذہانت تھی،

وفات، تقریباً اناسی سال کی عمر مین ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ کو یوم دوشنبہ بعد نماز عشا، مدرسہ منکوتمریہ کے قریب باب القنطرہ مین انتقال ہوا، دوسرے دن تربت نرکی خیروبی کے وسط مین مدفون ہوئے جنازہ کی نماز مین ایک عظیم الشان اجتماع تھا، امام سخاوی کہتے ہین کہ مین نے اس سے بڑا مجمع کسی کے جنازہ مین نہین دیکھا،

تصانیف، امام موصوف کی تحصیل، ان کی تعلیم اور تدریس کا زیادہ دار ومدار علوم قرآن، حدیث، رجال تاریخ اور فقہ پر رہا، اس لئے انھین علوم پر امام نے تالیف اور تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا، اناسی سال کی عمر مین تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہونچی،

یہ تصانیف اپنی اہمیت اور مرتبت کے لحاظ سے مختلف درجہ کی ہین،

ا۔ ایک تو وہ ہین جن کی ترتیب تہذیب موضوع اور طرز بیان مین حافظ ابن حجر منفرد

حیثیت رکھتے ہین، مثلاً مقدمہ فتح الباری، تعلیق التعلیق، اطراف العشرہ وغیرہ،

۲۔ بعض وہ ہین جو اگرچہ دوسری کتابون کی تلخیص ہین، لیکن زیادات، استدراک، استنباط وغیرہ کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہین، مثلاً، الاصابہ، تہذیب التہذیب، لسان المیزان وغیرہ،

۳۔ بعض وہ ہین، جو دوسری کتابون کی شرح اور تخریج کی حیثیت رکھتی ہین، لیکن دیگر شروح مین احتوا، مضامین تشریح و توضیح مشکلات کے لحاظ سے فائق ہین مثلاً فتح الباری، تخریج الرافعی تخریج احیاء العلوم وغیرہ،

۴۔ بعض وہ ہین جو رسائل کی حیثیت رکھتی ہین، مثلاً نخبۃ الفکر، بلوغ المرام وغیرہ

حافظ ابن حجر کی تصانیف کا جس قدر پتہ چلا ہے، وہ تین حصون مین منقسم کرکے درج ذیل ہین،

۱۔ وہ تصانیف جنکے نسخے موجود ہین، (۲) وہ جن کا ذکر کشف الظنون، شذرات اور دوسری کتابون مین ہے، (۳) وہ جو مطبوعہ ہین،

۱مصنفات ابن حجر جنکے نسخے کتبخانون مین محفوظ ہین،

۱۔ تغلیق التعلیق، یہ سب سے پہلی تصنیف ہے، اس مین مرفوع، موقوف اور متابعات کی تعلیق سے بحث ہے،

۱۔ اسانید موصولہ کا ذکر ہے، کشف الظنون مین لکھا ہے، کہ یہ نہایت مفید اور جامع کتاب ہے، اس سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کوئی کتاب نہین لکھی، صاحب شذرات نے لکھا ہے کہ یہ بہت نفیس کتاب ہے، اولہ الحمد للہ الذی من تعلق طاعنہ فقد استد ا م ر ۸ ا ے العظیم، ۸۰۴ھ کی یہ تصنیف ہے،

ایک تعلیق صحیح البخاری کا قلمی نسخہ کتبخانہ مین ہے، فہرست مین نوین صدی کے ایک مشہور عالم کی تصنیف بتائی ہے، اور سنہ تصنیف ۸۰۴ھ لکھا ہے، ممکن ہے کہ یہ حافظ ابن حجر ہی کی تعلیق

کا نسخہ ہو،

۲- اتحاف المہرۃ باطراف العشرۃ،

صحاح ستہ اور مسانید اربعہ کی تمام روایتون کو اطراف کے عنوان سے جمع کیا ہے، آٹھ جلدون مین یہ کتاب ہے، اس مین سے اطراف مسند ابن حنبل کو علحدہ لکھا ہے، جو اطراف المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی کے نام سے مشہور ہے، اس کی دو جلدین علحدہ ہین،

اتحاف المہرہ کا قلمی نسخہ علامہ یوسف بن شاہین سبط المولف کے قلم کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد مین موجود ہے، سنہ کتابت ۸۶۲ھ یعنی مصنف سے بیس برس بعد لکھا گیا ہے، یہ کتاب عزیز الوجود ہے،

۳- الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف،

احادیث کشاف کی تخریج سب سے پہلے امام زیلعی المتوفی ۷۶۲ھ نے کی ہے، حافظ ابن حجر نے اسکی تلخیص ایک جلد مین کی ہے، اور اس پر استدراک بھی لکھا ہے، مقدمہ مین لکھتے ہین،

کہ امام زیلعی نے احادیث مرفوعہ کو با استیعاب لکھا، اور پھر طرق روایت اور مخرج کو اسی نہج سے لکھا ہے، جس نہج سے ہدایہ کی تخریج کی ہے، لیکن بہت سی مرفوع حدیثین جن کو زمخشری نے اشارۃً لکھا ہے نظر سے رہ گئی ہین، یہ تصنیف ۸۲۱ھ کی ہے، اس کا ایک نسخہ کتبخانہ خدیویہ مین ۸۹۰ھ کا لکھا ہوا ہے، حجم ۹۴ اوراق ہے، ایک نسخہ برلن مین بھی ہے،

۴- تحفۃ النظراف باوہام الاطراف،

الاطراف للمزی کا جب حافظ ابن حجر مطالعہ کر رہے تھے تو دوران مطالعہ مین اس پر حواشی لکھتے گئے، یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ یہ مستقل کتاب بن گئی، ۸۳۰ھ مین اس کا تھوڑا حصہ لکھا تھا، پھر ۸۳۳ھ کے ذیقعدہ مین اس کی تکمیل کرکے نقل کیا،

اس کا ایک نسخہ پٹنہ لائبریری مین ہے جو مصنف کے نسخہ سے منقول ہے، ایک دوسرا نسخہ مع شرح برلن مین ہے،

۵۔ بذل الماعون فی فضل الطاعون، اولہ الحمد للہ علی کل حال ونعوذ باللہ ..... ونسألہ عن الدنیا والاخرۃ،

طاعون کے متعلق جس قدر احادیث مروی ہین ان کو جمع کیا ہے، اور پانچ ابواب پر منقسم کیا ہے، غریب الفاظ اور لغات کی تشریح کی ہے، جمادی الاولیٰ ۸۳۳ھ کی یہ تصنیف ہے، اس کا ایک نادر نسخہ تلمیذ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا پٹنہ لائبریری مین ہے،

۶۔ الاربعین المتباینہ، حافظ ابن حجر نے مدرسہ شیخونیہ مین ۸۳۶ھ مین اس کا املا کرایا، اس کا ایک قدیم نسخہ پٹنہ لائبریری مین ہے، جس مین مصنف کی سند کا ذکر ہے، جو ۸۳۶ھ مین تلامذہ کو لکھ کر دیدی ہے،

۷۔ انتقاض الاعتراض،

امام عینی نے اپنی شرح صحیح البخاری مین فتح الباری پر جو کچھ اعتراضات کئے تھے، حافظ ابن حجر نے ان اعتراضات کا محدثانہ جواب دیا ہے، ابواب بخاری کی ترتیب پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، صاحب کشف الظنون لکھتے ہین کہ تمام اعتراضات کا بالاستیعاب جواب نہین دیا، روزانہ اعتراضات اور جوابات کا املا کراتے تھے، اسی اثنا مین انتقال ہوگیا،

اس کا ایک نادر نسخہ ۸۳۶ھ کا مکتوبہ رام پور کے کتبخانہ مین ہے مصنف کے نسخہ سے غالبًا تیسری نقل ہے، یہ نہایت دلچسپ کتاب ہے، اس کے مقدمہ مین فتح الباری کی تصنیف کا مفصل تذکرہ ہے، اور انتقاض کی تصنیف کی ضرورت سے بحث کی ہے،

۸۔ تسدید القوس فی مختصر مسند الفردوس، ابو نصر الدیلمی کی مسند فردوس کا خلاصہ ہے، تیسری

محرم ۸۱۲ھ کو اُس کی تالیف سے فارغ ہوئے، اس کا ایک قدیم الخط نسخہ پٹنہ لائبریری مین ہے،

۹- زوائد مسند بزار، اولہ الحمد للہ حمداً کثیرا،

مسند ابن حنبل اور صحاح ستہ سے جو احادیث اس مین زیادہ تھے ان کو جمع کیا ہے، یہ امام ابو الحسن الہیثمی کی کتاب کا خلاصہ ہے، ۲۰ شعبان ۸۰۸ھ مین اس سے فارغ ہوئے، اس کا ایک جدید الخط نسخہ کتبخانہ آصفیہ مین ہے،

۱۰- امالی ابن حجر،

یہ امالی اکثر فن حدیث پر ہین، چار سو سے زیادہ امالی کا پتہ چلتا ہے، اس کا ایک مختصر جزء کتبخانہ رام پور مین ہے، یہ حصہ تخریج احادیث اذکار سے متعلق ہے، محمد بن احمد بن یعقوب الازہر الشافعی نے ۸۳۶ھ مین مصنف کے سامنے لکھا اور مصنف نے اس کا املا کیا، آخر مین یہ عبارت ہے،

آخر المجلس الثلاثون من تخریج احادیث للاذکار وهو العاشر بعد الاربعمائة من الامالی المصریة بالقاهرة،

۱۱- تبصرة المنتبہ فی تحریر المشتبہ،

علامہ ذہبی کی کتاب المشتبہ پر یہ استدراک اور تلخیص ہے، جہان اطناب ہے، وہان اختصار کیا ہے اور جو چیزین چھوٹ گئی ہین، ان کا اضافہ کیا ہے، ۸۱۶ھ کی یہ تصنیف ہے،

اس کا ایک نادر نسخہ شیخ برہان احمد بن الجید کے ہاتھ کا لکھا ہوا، برٹش میوزیم مین موجود ہے، جو مصنف کے نسخہ سے منقول ہے، دوسرا نسخہ کتبخانہ رام پور مین ہے، یہ احمد بن ابی بکر بن اسمٰعیل بن سلمہ البوصیری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، یہ بعہد مصنف نقل کیا گیا ہے، تیسرا نسخہ کتب خانہ آصفیہ مین ہے، جو قدیم الخط ہے،

۱۲- انباء الغمر بابناء العمر، یہ تاریخ ابن حجر کے نام سے زیادہ مشہور ہے، خود مصنف نے اس کتاب کا حوالہ اپنی دوسری کتابون مین بکثرت دیا ہے، اولہ الحمد للہ الباقی وکل مخلوق یفنی،

برٹش میوزیم مین اس کا ایک نسخہ موجود ہے، ایک نسخہ برلن مین ہے،

۱۳۔ رفع الاصر عن قضاۃ مصر،

قضاۃ مصر کی مفصل تاریخ ہے، ابتداء فتح مصر سے آٹھوین صدی تک کے قضاۃ کے حالات لکھے ہین، اور ان کو طبقات پر منقسم کیا ہے، اور ان طبقات کو سنین پر قایم کیا ہے، آخر مین اپنا تذکرہ بھی لکھا ہے، اس کا ایک نسخہ ۱۱۰۸ھ کا مکتوبہ کتب خانہ خدیویہ مین ہے، اور ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ مین ہے،

۱۴۔ مناسک الحج، مناسک حج مین ایک رسالہ ہے، اس کا ایک نسخہ مدرسہ یحیات موصل مین ہے[1]،

۱۵۔ المعجم المفہرس، مقدمہ مین لکھا ہے کہ میرے احباب نے بار بار مجھ سے اصرار کیا کہ مشہور کتب احادیث کے اساتذہ کو جمع کرکے اور ان کو ایک معجم کی صورت مین ترتیب دون، چنانچہ ان کے امر کی تعمیل مین حروف تہجی پر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے،

۸۵۲ھ کا مکتوبہ نسخہ کتب خانہ خدیویہ مین ہے، یہ اصل مصنف کی ہو یا اس کی نقل ہو،

۱۶۔ تحفۃ اہل الحدیث عن شیوخ الحدیث،

اس کتاب کی تین جلدین ہین، اس کا ایک نسخہ مدرسہ الملا زکرا اور ایک یحیی پاشا کے مدرسہ مین ہے، یہ دونون مدارس ملحقات موصل[2] مین ہین،

۱۷۔ دیوان ابن حجر، اولہ الماجد احمد اللہ علی احسانہ

یہ دیوان سات عنوانون پر مرتب ہے، اول، نبویات، دوم ملوکیات، سوم اخوانیات، چہارم غزلیات، پنجم اغراض المختلفہ، ششم موشحات، ہفتم مقطعات،

[1] مخطوطات موصل، [2] ایضاً،

اس کا ایک نادر نسخہ کتبخانہ خدیویہ مین ہے، اور ایک نسخہ جامع الباشا موصل مین ہو،

۱۸۔ الاستدراک علی تخریج احادیث الاحیاء،

احیاء العلوم للغزالی کے احادیث کی تخریج حافظ عراقی نے کی ہے، حافظ ابن حجر نے اس پر استدراک کیا ہو،

کتبخانہ رام پور مین اس کا ایک ناقص نسخہ ہے،

۱۹۔ نزہۃ الالباب فی الالقاب، اولہ الحمد للہ الذی لہ الاسماء الحسنی الصفات العلیا

مصنف ابوبکر الشیرازی کا یہ خلاصہ ہے، امام سخاوی ۸۶۲ھ مین مصنف کے نسخہ کے مسودہ سے تبییض کی، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین ۹۳۰ھ کا لکھا ہوا ہے،

۲۰۔ الاحادیث لابن حجر، اس کا ایک نسخہ برلن کے کتبخانہ مین ہے،

۲۱۔ الاحکام لبیان ما فی القرآن، قرآن کے مبہم الفاظ و مطالب کی توضیح کی ہے،

برلن مین اس کا ایک نسخہ ہے،

۲۲۔ ارجوزہ لابن حجر، یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ ارجوزہ حافظ ابن حجر العسقلانی کا ہے یا ابن حجر الہیثمی کا ہے،

اس کا ایک نسخہ برلن مین ہے،

۲۳۔ تخمیس لابن حجر، کتبخانہ برلن مین موجود ہے،

۲۴۔ الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، آٹھوین صدی کے علماء، فضلاء، صلحاء، سلاطین امراء، عہدہ داران ملک اور خدمات سلطنت کی ضخیم تاریخ ہے، جسمین (۵۰۰۰) تراجم ہین، ۸۳۷ھ مین اس کی تصنیف سے حافظ ابن حجر فارغ ہوئے، اور ۸۵۲ھ تک وقتاً فوقتاً اس مین اضافہ کرتے رہے، لیکن آخر تک یہ کتاب پایہ تکمیل تک نہ پہونچ سکی، بہت سے تراجم کی کمی تھی، بہت سے اصحاب کا مختصر تذکرہ تھا، بعض کا صرف نسب نامہ لکھ کر چھوڑ دیا تھا، اور بعض جگہ بیاض چھوڑ دی تھی، امام سخاوی نے

بہت سے تراجم کا اپنی تحقیق سے اضافہ کیا، اور بعض مفید چیزین استدراکاً لکھین، یہ صرف آٹھوین صدی کے رجال ہی کی تاریخ نہ رہی، بلکہ اس صدی مین مصر و قاہرہ، حلب، دمشق، حجاز، یمن اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تمام غزوات کا ضمنی طور پر تذکرہ ہے، جس سے مختلف ملکون، حکومتون اور سلطنتون کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے،

اس کتاب کے مندرجہ ذیل نسخے موجود ہین،

۱۔ نسخہ شامیہ، یہ بخط عرب نوین صدی کے آخر یا دسوین کے اوائل کا لکھا ہوا ہے، بخط سخاوی اس نسخہ مین بہت سے تراجم کا اضافہ اور استدراک ہے، کہین کہین تصحیح بھی کی ہے، اور بہت سے الفاظ پر شک کی علامت ظاہر کی ہے، یہ نسخہ دائرۃ المعارف مین موجود ہے، جو شام سے خریدا گیا،

۲۔ نسخہ برٹش میوزیم، یہ بھی قدیم الخط ہے، مصنف کے کسی شاگرد کا مکتوبہ ہے،

۳۔ نسخہ کتبخانہ خدیویہ، قدیم الخط اور نادر ہے،

۴۔ نسخہ کتبخانہ رام پور، یہ اگرچہ جدید الخط ہے اور کتابت کی بکثرت غلطیان ہین، لیکن مدینہ طیبہ کے نسخہ سے منقول ہونے کی وجہ سے کارآمد ہے، بہت سے صحیح الفاظ اور زیادات ملجاتے ہین،

۵۔ نسخہ کتبخانہ آصفیہ، یہ تینون نسخے تقریباً ایک ہی نسخہ سے منقول ہین اور سب
۶۔ نسخہ کتبخانہ بانکی پور، جدید الخط ہین،
۷۔ نسخہ کتبخانہ راجہ صاحب سلیم پور،

۸۔ نسخہ ناصریہ، (جناب مولانا ناصر حسین صاحب لکھنوی، قدیم الخط اور صحیح ہے، غالباً مدینہ طیبہ کے نسخہ سے یہ منقول ہے، اور گیارہوین صدی کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے،

یہ کتاب تاریخی حیثیت سے اہم ہونے کی بنا پر دائرۃ المعارف مین زیر طبع ہے، اس کی پہلی جلد بحمد اللہ شایع ہو گئی، جس مین ۴۷۰۴ تراجم ہین، بقیہ جلدین زیر تصحیح اور مقابلہ ہین،

مصنفاتِ ابن حجر جن کا ذکر کشف الظنون اور شذرات الذہب میں ہی،

۲۵- الاعجاب ببیان الاسباب، ۲۶- الاتقان فی فضائل القرآن،

۲۷- تجرید التفسیر، صحیح بخاری سے سور کی ترتیب پر تفسیر جمع کی ہے،

۲۸- اطراف الصحیحین، ۲۹- اطراف المختارہ،

۳۰ التشویق الی وصل التعلیق، ۳۱- المقتضب من فتح الباری،

۳۲ الزہر المطلول فی الحدیث المعلول، ۳۳- شفاء الغلل فی بیان العلل،

۳۴ تقریب المنہج بتدریب المدرج، ۳۵- المقترب فی بیان المضطرب،

۳۶ التقریح علی التدریج، ۳۷ مزید النقع بما رجح فیہ الوقف علی الرفع،

۳۸- بیان الفصل بما رجح فیہ الارسال علی الوصل، ۳۹ تقویم الاسناد بمدرج الاسناد،

۴۰- الاجوبۃ المشرقۃ عن الاسئلۃ المفرقۃ، ۴۱ تصحیح الروضہ[1]،

۴۲ شرح الاربعین ۴۳ الانتفاع بترتیب الدارقطنی علی الانواع،

۴۴ تلخیص الترہیب والترغیب ۴۵ کتاب تقریب الغریب،

۴۶ تحریر المیزان، ۴۷ مختصر البدایہ والنہایہ[2]،

۴۸ طبقات الحفاظ، ۴۹ شرح مناسک المنہاج،

۵۰ ترجمۃ النووی، ۵۱ المنحۃ فیما علق بہ الشافعی علی الصحۃ،

۵۲ البناء الاجنبۃ فی بناء الکعبۃ ۵۳ تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب،

[1] الروضہ للنووی کی تصحیح کی ہی، اس سے امام عینی نے شرح بخاری میں استفادہ کیا ہی، حافظ ابن حجر نے اس نسخے کی غلطیاں لکھی ہیں، اور ان کی تصحیح کی ہی، [2] ابن کثیر کی مشہور تاریخ کا خلاصہ، اصل کتاب دس جلدون میں لکھی گئی،

۵۴ المطالب العلیہ من روایۃ المسانید الثمانیہ، ۵۵ التعریف الاوعد با وہام من جمع رجال المسند،

۵۶ کتاب الاعلام بمن ولی بمصر فی الاسلام، ۵۷ تعریف الفئۃ فیمن عاش مائۃ من ہذہ الامۃ،

۵۸ القصد الاحمد فیمن کنیتہ ابو الفضل و اسمہ احمد، ۵۹ اقامۃ الدلائل علی معرفۃ الاوائل،

۶۰ الخصال المکفرۃ للذنوب المقدمہ والموخرۃ، ۶۱ الشمس المنیرۃ فی معرفۃ الکبیرہ،

۶۲ الانوار بخصائص المختار، ۶۳ الآیات النیرات للخوارق و المعجزات،

۶۴ الافنان[1] فی روایۃ القران، ۶۵ عجیب الدہر فی فتاوی شہر،

۶۶ کتاب فوائد الاحتفال فی بیان احوال الرجال[2]

مصنفات ابن حجر جو مطبوعہ ہین،

۶۷ شرح البخاری المشہور بفتح الباری، تقریباً تیس جلدون مین یہ شرح لکھی گئی، اس پر ایک بسیط مقدمہ لکھا ہے، جو نہایت مقبول ہوا، مصنف نے ۸۱۳ھ مین مقدمہ سے فراغت حاصل کی، اور ۸۴۲ھ تک اس شرح کی تکمیل مین مشغول رہے، مصر اور ہندوستان مین طبع ہوئی،

۶۸ مختصر تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہے، بلکہ تہذیب الکمال للمزی اور اکمال پر استدراک بھی کیا ہے، رواۃِ حدیث کو ۱۲ طبقون مین تقسیم کیا ہے، مصر اور ہندوستان مین طبع ہو گئی ہے،

۶۹ کتاب تعجیل المنفعۃ، مسانید ائمہ اربعہ کے رجال سے علامہ محمد بن علی بن حمزہ الحسینی نے التذکرہ مین ایک مفصل بحث کی ہے، حافظ ابن حجر نے اسی کتاب کو پیشِ نظر رکھکر اس کا خلاصہ کیا، اور ائمہ اربعہ کے دوسرے تصانیف سے رواۃ کا اضافہ کیا، دائرۃ المعارف حیدر آباد مین طبع ہوئی،

۷۰ تہذیب التہذیب، فن رجال کی مشہور کتاب ہے، تہذیب الکمال کی تلخیص اور اس پر استدراک ہے، ۱۲ جلدون مین دائرۃ المعارف سے شایع ہوئی،

[1] اس کتاب کا نام شذرات مین صاف نہین لکھا ہے، [2] رجال بخاری کو جمع کیا ہے،

۷۱ الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، معرفۃ الصحابہ مین ہے استیعاب، ذیل استیعاب لابن عبد البر اور اسد الغابہ کا خلاصہ اور اس پر اضافہ کیا ہے، کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی سے شایع ہوئی ہے، اب مصر مین بھی طبع ہو گئی،

۷۲ لسان المیزان، فن رجال مین ہے، اس مین کذاب، وضاع متہم بالوضع ضعفاء اور مبتدعین کو حروف تہجی پر جمع کیا ہے، کتاب الضعفاء للدارقطنی، کتاب الضعفاء للحاکم، الکامل لابن عدی اور کتاب الضعفاء لابن جوزی، وغیرہ سے اقوال نقل کئے ہین، چھ جلدون مین دائرۃ المعارف سے شائع ہوئی،

۷۳ توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس، امام شافعیؒ کے مناقب مین ہے، مصر مین طبع ہوئی،

۷۴ الرحمۃ الغیثیۃ بالترجمۃ اللیثیۃ، امام لیث بن سعد کے حالات مین ہے، مصر مین طبع ہوئی،

۷۵ تعریف اولی التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس، طبقات المدلسین مین ہے، ۸۱۵ھ کی یہ تصنیف ہے، مصر مین طبع ہو گئی،

۷۶ القول المسدد فی الذب عن مسند احمد، مسند ابن حنبل پر جو اعتراضات تھے انکو دفع کیا ہے، دائرۃ المعارف مین طبع ہوئی،

۷۷ نخبۃ الفکر، مطبوعہ ہند، ۷۸ بلوغ المرام مطبوعہ ہند،

۷۹ نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ مصر و ہند ۸۰ تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، مطبوعہ ہند،

۸۱ الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۸۲ دیوان خطب، مطبوعہ بولاق مصر

۸۳ التمییز فی تخریج احادیث الوجیز، مطبوعہ ہند،

۸۴ مراتب المدلسین، مطبوعہ مصر،

مادیّت

(ترجمہ مع اضافہ)

از

جناب محمد حبیب اللہ صاحب رشدی ایم اے (عثمانیہ)

لانگ اپنی کتاب "تاریخ مادیت" کی ابتدا مین لکھتا ہے:-

"مادیت اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود فلسفہ، لیکن اس سے زیادہ قدیم نہین"

اس طرح وہ غلط خیال کی (جو بہت عام ہے) تردید کرتا ہے، کہ مادیت سادہ فہمی کا نظریہ ہے، مادیت ایک الٰہیاتی حدسیہ (مفروضہ) ہے، یعنی یہ ایک مشہور ترین نظریہ ہے جو ایک مربوط اور معقول طریقہ پر تکوینِ عالم کی توجیہ کرنے کی کوشش کرتا ہے،

حقیقتِ کائنات کی تعبیر کے لئے یونانی فلسفیون کی ابتدائی کوششون کا رجحان یقیناً مادیت کی طرف رہا، انھین اس اصلی جوہر کی تلاش تھی، جس سے تمام چیزین پیدا ہوئین، اس طرح بعضون نے پانی کو بعضون نے آگ کو، اور بعضون نے ہوا کو اصل ماخذ قرار دیا، ان نظریون سے حیات نفسی کی کوئی تشریح نہین ہوئی، کیونکہ اس وقت تک نفس، فلسفیانہ غور و فکر کا موضوع نہین بنا تھا، امپیڈکلس (جس نے چار عناصر کا اصول قایم کیا) اور انکساگورس (ہر دو تقریباً ۵۰۰ ق م) نے سب سے پہلے توجیہِ کائنات کے لئے اصولِ نفس سے کام لئے، امپیڈکلس نے محبت اور نفرت کو اور انکساگورس نے نفس منتظم کو اصول عامل قرار دیا، اس زمانہ سے روح اور مادہ مین تصرفِ کائنات کے لئے ایک پیکار چلی آتی ہے، قرونِ ماضیہ مین فلسفہ کبھی نفس کے تصرف کا قائل رہا، اور کبھی مادہ کے تصرف کا اور بعض

اوقات دونون کا،

لوسیپس اور دیمقراطیس کا نظریۂ سالمیت اور رواقیین کی علمیات دونون یقیناً مادی ہین، قرون وسطیٰ اور عہد جدید کی ابتدا مین فلسفہ، دینیات کے غلبہ کی وجہ ثنوی یعنی روح اور مادہ دونون کا ماننے والا رہا، ڈیکارٹ نے ثنویت کو نہایت عمدہ فلسفیانہ انداز مین سمجھایا ہے،

اٹھارہوین صدی مین ایک فرانسیسی طبیب لامتری (۱۷۰۹ء، ۱۷۵۱ء) نے اپنی کتاب "انسان من حیث الالہ" مین ایک مطلق مادیت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ سمجھایا ہے کہ تمام افکار طبیعی اسباب کا نتیجہ ہوتے ہین، اس کے بعد بارُن ہال باخ (متوفی ۱۷۸۹ء) نے اپنی کتاب "نظام فطرت" مین مادیت کی تفصیلی تحقیق درج کی ہے، اس سے اس کا مقصد اس زمانہ کی مذہبی بدگمانیون کو دور کرنا تھا،

کانٹ، فشتے، شیلنگ اور ہیگل کے تصوریہ نظامات کے اثر سے ایک مدت تک مادیت بالکل نظرون سے گرگئی، لیکن ہیگل کے فلسفہ کے زوال کے بعد ہی پھر اس کا احیا ہوا، وُگٹ، مولشاٹ اور بیشنر نے مادی نظریہ عالم کی زور شور سے حمایت کی بیشنر کی کتاب "قوت اور مادہ" کئی بار چھپی جس سے مادیت کے نظریہ کی بے حد اشاعت ہوئی، حواسِ ظاہری کی متعلق جسمانی تحقیقات کی ترقی، اور دماغ کے متعلق ہماری معلومات نے مادیت کی طرف اور بھی زیادہ متوجہ کردیا، پچیس تیس سال ہی سے علمی حلقون سے مادیت کا اثر جاتا رہا ہے، اگر پھر بھی عوام کے تعلیم یافتہ طبقے اب تک اس پر یقین رکھتے ہین، ہمین اب مادیت کے اہم ترین مفروضون کو جانچنا اور ان دلیلون کا مطالعہ کرنا چاہئے، جو اسکی تائید مین پیش کئے جاتے ہین،

مادیت کے لئے سب سے اہم مسئلہ عملِ نفسی کا حل کرنا ہے، یعنی جب یہ مان لیا گیا کہ تمام کائنات مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذرون (سالمات) سے مرکب ہین، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ ایسا مادہ

انسان کی صورت مین تشکیل پاکر کیونکر سوچنے اور غور و فکر کرنے لگا، وہی مادہ جب تک زندہ انسان کی شکل مین رہتاہے، اس مین خیال، جذبہ اور ارادہ پیدا ہوتا رہتا ہے لیکن جب وہ زندہ انسان کی شکل مین نہین رہتا تو ان سب چیزون سے عاری رہتاہے، اس لئے مادیت سب سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ ہر وہ چیز جس کو ہم عمل نفسی کہتے ہین، یعنی اپنے شعور مین ہم جس جس چیز کا تجربہ کرتے ہین، وہ ہمارے اعضا ہی کا خصوصاً دماغ کا وظیفہ (فعل) ہے، جس طرح دوسرے اعضا اپنا فریضہ انجام دیتے ہین، مثلاً جگر کا کام صفرا پیدا کرنا ہے، بالکل اسی طرح دماغ کا کام خیال پیدا کرتاہے، پس عملِ نفسی مثلاً کوئی خیال کوئی جذبہ یا عملِ ارادہ کی ماہیت کا علم اس عمل نفسی سے مطابقہ عمل دماغی کے جانچنے کے بعد ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دانست مین نفس جو عمل کرتاہے، اگر ہم اس کو کسی ذریعہ سے جانچین تو معلوم ہوگا کہ دماغ مین بھی اسی کے مطابق عمل ہوگا، اس سے ظاہر ہے، کہ عملِ نفسی عملِ دماغی کا دوسرا نام ہے اس طرح مادیت کے لحاظ سے نفسیات دماغ کی عضویات ہے، مادیت کی بڑی کوشش یہ ہے کہ جسم سے علیحدہ کسی جوہرِ نفسی کے ماننے کو علمی لحاظ سے غلط اور اس کے وجود کو تجربہ کے خلاف ہونا ثابت کرے، اس دعویٰ کی تائید مین جو سب سے اہم دلائل پیش کئے جاتے ہین وہ یہ ہین :-

۱- اسلوبی استدلال،

ایسے غیر مادی جوہرِ نفسی کا مفروضہ (جو مستقل بذات ہے، اور جسم سے بالکل علیحدہ ہے) یا تو دورِ جاہلیت کا عقیدہ ہے، یا بے علمی کا نتیجہ، اور جس شخص کا اس پر یقین ہے، وہ ان ہی طبعی انسانون کے برابر ہے جو ہر ایک کام کو کسی نہ کسی غیر مرئی عفریت کا فعل سمجھتے ہین، تجربہ سے جسم اور اس کے اعضا کے سوا کسی دوسری چیز کا پتہ نہین چلتا، یہ نظام عضوی جو کچھ کرتاہے، یا جو کچھ اس مین واقع ہوتاہے، اس کو اسی کے اعضا کا وظیفہ (فعل) سمجھنا چاہئے، جوہر نفسی کا مفروضہ ایک الہیاتی ادعا ہے، جو فضول بھی ہے اور غیر معقول بھی، اس کو علم صحیح سے بالکل خارج کردینا چاہئے،

۲۔ حِیَلی استدلال[1]،

علم طبیعی کے نظریۂ تکوینیاتِ عالم مین یہ قانون فرض کر لیا گیا ہے، جس کا ثبوت بھی ملتا رہتا ہے کہ کائنات کی امکانی قوت یعنی موجودہ قوت فاعلہ مین نہ اضافہ ہو سکتا ہے نہ تخفیف وہ بحالہٖ اتنی کی اتنی ہی رہتی ہے، کائنات مین کوئی ایجاد یا ابداع ہو تو اس مین اسی قوت کا استحالہ ہوتا ہے، مثلاً حرکت گرمی مین تبدیل ہو جاتی ہے، اور گرمی حرکت مین، برقی رو جب پانی مین گذرتی ہے، تو کیمیائی نتائج پیدا کرتی ہے، یہ مفروضہ کہ قوت مین نیا اضافہ نہین ہوتا کائنات کے نظامِ حیل کو سادہ اور آسان بنا دیتا ہے، لیکن اگر ہم ایک ایسے جوہر نفسی (یعنی روح) کو فرض کر لین جو جسم سے بالکل علیحدہ ہے، اور اعصاب کو اپنے ہی مبدء سے (غیر حیلی طور پر) منقبض اور متحرک کر دیتا ہے، تو یہ ماننا پڑیگا کہ اس صورت سے جوہر نفسی قوت فاعلہ مین اضافہ کرتا ہے، اس کے یہ معنی ہوئے کہ نئی قوت پیدا کرتا ہے، پس یہ مفروضہ متذکرہ بالا اصول تحفظ قوت کے (جس کی عملی طور پر متعدد دفعہ تصدیق ہو چکی ہے) متناقض ہے، اس لئے غیر علمی ہونے کی وجہ سے قابلِ رد ہے،

۳۔ کونیاتی استدلال،

ایک زمانہ ایسا بھی تھا، جس مین ہماری دنیا ایک دہکتے ہوئے غازی سحابیہ[2] کی حالت مین تھی، اس زمانہ مین یقین ہے کہ اس پر کوئی عضوی حیات کا وجود نہ ہوگا، نہ کوئی انسانی ہستی اس وقت موجود ہو گی، اس لئے کوئی نفسی جدوجہد بھی نہ ہو گی، بعد مین جب زمین کافی طور پر سرد ہو چکی ہو گی اور عضوی حیات کے موافق حالات پیدا ہو گئے ہون گے تب کہین نباتی اور حیوانی حیات وجود مین

---

[1] حیلی استدلال Mechanical argument اس کو میکانکی استدلال بھی کہہ سکتے ہین لیکن مین اس کے بجائے "حیلی استدلال" پسند کرتا ہون جو قدیم لفظ "علم الحیل" سے مشتق ہے (رشدی)

[2] Gaseous Nebula

آئی ہوگی، جس سے بعد کے دور میں انسان نے ارتقا پایا، اس سے معلوم ہوا کہ حیاتِ نفسی، حیاتِ عضوی سے پیدا ہوئی اور یہ (یعنی حیاتِ نفسی) حیاتِ عضوی کے عضویاتی حالات تک ہی محدود ہے، پس اس کے کچھ معنی نہیں کہ نفس کو نظامِ عضوی سے علیحدہ کوئی شے فرض کیا جائے، اس لئے کہ اس کی اصل نظامِ عضوی سے متعلق ہے، اور یہ دونوں ساتھ ساتھ فنا ہوں گے،

ان سب استدلالات پر اگر ایک ساتھ نظر ڈالی جائے، تو وہ بہت زبردست نظر آتے ہیں، یا کم از کم یہ اپنے دعوی کی طرف مائل ضرور کرلیتے ہیں، اس لئے یہ بات قابلِ تعجب نہیں، کہ عوام کے وسیع حلقہ میں نظریۂ مادیت ہی اکیلا ممکنہ نظریۂ عالم مانا جاتا ہے،

سب سے پہلے، اسلوبی استدلالات کے متعلق، جو ہرِ نفسی کے مفروضہ کے خلاف نفسیاتِ جدیدہ کو تمام سے متفق ہونا چاہئے، (لیکن بالکل دوسرے اعتبارات میں) کسی صورت میں بھی تجربہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جوہرِ نفسی اعمالِ نفسی سے علیحدہ مستقل بالذات ہے، جس کو ہمارے سوچنے، محسوس کرنے اور ارادہ کرنے کی اساس سمجھا جائے، اعمالِ نفسی کی یہ خصوصیت ہے، کہ وہ ہمیشہ واقعات کی صورت میں ہم پر ظاہر ہوتے ہیں، اور ایسی کوئی مادی اساس نہیں جس کے یہ نتائج ہوں، اگر ہم باوجود اس واقعہ کے روح یا نفس کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے اس قول کی بنیاد وہی ہے، جس کو ہم نے پہلے اساسی خود شعوری سے تعبیر کیا ہے، حکم[1] کے فعل کی اگر تحلیل کی جائے تو موضوع اور محمول کی صورت میں ایک آلۂ خیال ثابت ہوگا، جس طرح ایک ماہرِ طبعیات مقناطیسی اور برقی حادثات کی علت یقین کے ساتھ مقناطیسیت اور برقیت کو بتاتا ہے، اگر نفسیات اسی طرح روح کے تصور کو ظاہر کرے اور روح مستقل بالذات شے تصور نہ کیجائے، بلکہ اس کو محض اعمالِ نفسی کا فاعل مانا جائے، تو یہ طریقۂ بیان کسی صورت میں بھی غیر علمی نہیں کہا جاسکتا لیکن، اگر ہم ایسے جوہرِ نفسی کو فرض کرلیں جو جسم سے علیحدہ ہے، اور اپنا مستقل وجود رکھتا ہے،

---

[1] حکم: = judgement

بلکہ موت کے بعد بھی قایم رہتا ہے، تو البتہ ہم نفسی تجربہ کی شہادت کے دائرہ سے باہر ہو جائین گے،

ہر مادی شے خواہ اس سے کتنا ہی مادی جزو نکال دیئے جائین پھر بھی وہ ہمارے ذہن مین مادی شکل ہی مین ظاہر ہون گی، جو چیز موجود بالذات ہو گی، ہماری فکر کے طریقہ کے مطابق، ضرور کسی نہ کسی مکان (فضا) کی محتاج ہو گی، اور اس طرح مادی ہو گی، چونکہ لفظ "شے"، ہی مین مادیت کا مفہوم موجود ہے اس لئے روحی شے کا فرض کرنا (جس کا مادیت اتنی شدت سے اور حقیقت مین بجا انکار کرتی ہے) آخر کار مادیت ہی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، واقعات کے ساتھ یکسانیت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہم اپنے تصدیقات کو نفسی واقعات تک ہی محدود رکھین اور کبھی کسی نفسی وجود کو نہ مانین، ایسا حادثہ جسکی کوئی اساس نہ ہو، حقیقت مین اصلی غیر مادی ہے،

اسلوبی استدلال کے سلسلہ مین خالص علمی طریقہ سے (جو صرف واقعات کے بیان کرنے تک محدود ہے) معلوم ہوتا ہے، کہ نہ صرف ہمارے گہرے جذبات ہی مین بلکہ ہمارے معمولی تجربون مین بھی کوئی ایسی چیز موجود ہے، جو مدرکاتِ حواسِ ظاہری سے، اور ہر قسم کی مادی چیزون سے اصلیت مین مختلف ہے، اور ان مین سے کسی سے کوئی مماثلت نہین رکھتی، اس کے علاوہ طریقہ بھی جس کی طرف مادیت رجوع کرتی ہے اسی کے نظریۂ عالم کے خلاف فیصلہ کرتا ہے،

حیلی استدلال کو عام تعلیم یافتہ لوگ اور علمائے طبعیات بہت قائل کن سمجھتے ہین، اس استدلال کی نامعقولیت کو ثابت کرنا کوئی آسان بات نہین، اس کی تردید مین یہ جواب دیا جاتا ہے، کہ نفس اور جسم کے تعامل سے کوئی قوت پیدا نہین ہوتی، بلکہ موجودہ قوتِ فاعلہ ہی کا انتشار ہوتا ہے، طبعیات مین اس کی بہت سی مثالین ملتی ہین کہ اک ذراسی قوت سے دوسری قسم کی بہت بڑی قوت مشتعل ہو کر ظہور کرتی ہے، جیسے ایک جلتی ہوئی دیاسلائی سے ایک بارود کا پیپہ بھک سے اڑ جاتا ہے، پس تمام مہیجات کو جو جسم پر اثر ڈال کر احساسات پیدا کرتے ہین، اسی قسم کے اعمالِ مشتعلہ سمجھنا چاہیئے، کیونکہ

ذہنی سبب سے ہمیشہ بہت بڑا عضویاتی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس طرح کے بڑے بڑے نتائج کے لیے اگرچہ
کمترین قوت کی ضرورت پڑتی ہے تاہم یہ کمترین قوت بالکل لاشئے نہین قرار دیجا سکتی، کسی صورت مین اس کو محض
صفر نہین سمجھا جا سکتا، اگر نفسی مداخلت کو اس قسم کی طبعی قوت کا استعمال سمجھا جائے تب واقعی مادیت
صحیح ثابت ہوتی ہے، اور عملِ نفسی کے معادل قوت کی کمی زیادتی کا سوال ہر طرح غیر اہم ہے، پس تعامل
نفسی کو مستقل شئے قرار دینے والا طریقہ بجائے حیلی استدلال کے ابطال کے اس کو اور مضبوط کر دیتا ہے،
باوجود اس کے کہ حیلی استدلال کی مذکورہ تردید غلط ثابت ہوتی ہے، پھر بھی یہ استدلال نا مستحکم ہے، اسکی
وجہ یہ ہے کہ تحفظِ قوت کا اصول صرف "طبعی کیمیائی" اعمال تک ہی محدود ہے، اور حقیقت مین ایسے مشہور
طبعیین بھی ہین جو کیمیا اور طبعیات کے دائرہ مین بھی اس اصول کے مطلق جواز کے منکر ہین، حیاتی اعمال
کی تشریح کے لئے تو یہ قانون بالکل ہی ناقص ہے، تمام عضوی وجودات کا مرکزی نظام، اور تمام اجزا
کا غرض مشترک کے لئے عجیب وغریب اتحاد، یہ ایسی چیزین ہین جن کی تشریح "طبعی کیمیائی" اصطلاحون مین
ناممکن ہے، یہان تک کہ خالص حیاتیاتی نظام اعضا بھی مستقل ایجادی جدوجہد کا اظہار کرتے ہین، اور جب ہم
عملِ دماغی کے ارتقائے حاضر پر غور کرتے ہین تو نفسی قوت کے اضافہ کے فرض کرنے مین وونٹ کے ہمزبان ہونے
پر مجبور ہین، چہ جائیکہ تحفظِ قوت کے اصول کو دماغی ترقی پر منطبق کرنے سے خود تجربہ کے چند بالکل ظاہر واقعات کی
کوئی تشریح نہین ہوتی،

مادیین کا پیش کیا ہوا حیلی استدلال واقعہ مین کوئی استدلال نہین ہے، بلکہ وہ محض ایک پیش فرضی ہے یعنی
اگر ابتدا ہی سے یہ فرض کر لیا جائے کہ ہر عمل خواہ حیاتی ہو یا نفسی "طبعی کیمیائی" قوانین کے مطابق سمجھا یا اور
بیان کیا جا سکتا ہے، تب کہین مادیین کا اصولِ تحفظِ قوت کے ٹوٹنے کا اعتراض قابل وقعت سمجھا جا سکتا ہے لیکن
اگر ہم بجائے نظریہ کے واقعات پر نظر رکھین، تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اصولِ استمرارِ قوت اس بات کے آسان
کرنے اور سمجھانے مین کچھ بھی مدد نہین دیتا کہ عضوی اور نفسی دنیا مین درحقیقت کیا واقع ہوتا ہے، اس مقام

جو واقعات پیشِ نظر ہین، ان کے لحاظ سے اور دماغی ارتقار کی موجودہ حالت کے مد نظر، ایک بالکل جداگانہ
اصول تشریح کی ضرورت ہے، یہ واقعہ ہے کہ اس بات کو مشہور علمائنے بھی تسلیم کر لیا ہے، وونٹ
کے قول کے مطابق ایک ایسی ایجادی ترکیب کام کر رہی رہے، جس کی ماہیت اور اصول عامل کی تحقیقات
کے لئے بے حد احتیاط کی ضرورت ہے، تمثیلی استدلال کی ساری قوت اسی وقت ٹوٹ جاتی ہے، جب
ہم اس مادی پیش فرضی کو چھوڑ دین اور محض اپنے تجربہ کے ناقابل تردید واقعات کو
پیشِ نظر رکھین،

کونیاتی استدلال مین ایسے قیاسات ہین، جن کی تصدیق کرنی بے حد مشکل ہے،
حیاتِ نفسی کی تخلیق اور تقدیر کبھی تجربہ مین نہین آئی، لیکن اگر یہ ثابت کیا جائے کہ ہمارے
تجربہ مین حیات نفسی کے لئے چند مخصوص طبعی حالات کی ضرورت ہے تو اس سے ہرگز یہ
نتیجہ نہین نکلتا، کہ صرف انھین مخصوص حالات مین حیاتِ نفسی ممکن ہے، البتہ یہ
ایک بات یقینی ہے، کہ عام زندگی کی طرح حیات نفسی کے لئے بھی مخصوص قوانین ہین،
جو کسی طرح غیر عضوی مادہ کے قوانین سے اخذ نہین کئے جا سکتے، یہ ایک ایسی خصوصیت
ہے، جو اس کائنات کے (جس کو ہم موجودہ زمانہ مین جانتے ہین،) موجود رہنے تک
باقی رہے گی، یہ امر کہ کسی زمانہ مین کائنات بغیر نفسی وجود کے باقی رہے گی، یا کسی
ایسی کائنات کا ہونا ممکن بھی ہے، ہمارے علم کی طاقت سے باہر ہے،

ان تمام استدلالات کا اس امر واقعہ پر کوئی اثر نہین پڑتا اعمالِ نفسی
جن کا ہم تجربہ کرتے ہین، ہر قسم کے مادہ سے بالکل مختلف ہین، ہنری برگسان
نے اس مسئلہ کی پوری تحلیل کی ہے، جس سے ہر دو قسم کے حادثات کا اصلی امتیاز
اور اُس کی تمام پیچیدگیون کو عمدگی سے سمجھنے اور اس کی پوری قدر

جاننے مین بہت مدد ملتی ہے، جس شخص نے نفسی قوت کی اصلی آزادی اور رعمدگی کا واقعی تجربہ کیا ہے، اسے کبھی مادیت سے تشفی نہین ہو سکتی،

مادیت نے ترقی عقل اور تشکل رجحانات کی بڑی خدمت انجام دی ہے، اس نے ہمین دماغ اور روح کے گہرے تعلق کی اچھی تفہیم کی ہے، اور اس سے متعلقہ مخصوص واقعات مین بھی اہم تحقیقات کی طرف رہنمائی کی ہے، ایک ترتیبی اور اکتشافی اصول ہونے کی حیثیت سے مادیت ابھی تک بہت اہمیت رکھتی ہے، لیکن ایک نظریۂ عالم کی حیثیت سے وہ تجربہ کے ایک بڑے حصہ کو نہین سمجھا سکتی، جس طرح ایک تصوری اوروں کے شعور کے آگے عاجز نظر آتا ہے، اسی طرح مادّی خود اپنے سامنے آپ ناچار ہے، تاہم یہ دونون کسی طرح ان حادثات کو نظر انداز نہین کر سکتے، جن کو وہ نہین سمجھا سکتے،

الفاروق

یعنی حضرت فاروقؓ اعظم کی لائف اور طرز حکومت صحابہؓ کے فتوحات طریقہ حکومت، عراق و شام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات حضرت عمرؓ کی سیاست اخلاق زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اسکے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام و سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

اختیاراتِ بدیعی اور اس کا تکملہ

از

مولینا تمنا عمادی مجیبی

مارچ ۱۹۴۸ء کے معارف میں "اختیارات بدیعی" سے متعلق ایک طویل شذرہ، اور پھر ایک پر از معلومات تحریر شایع ہوئی تھی، اتفاق سے وہ پرچہ ایک دوست کے ہان پرسون میری نظر سے گذرا، خیال آگیا کہ میرے موروثی کتبخانے مین بھی "اختیارات" کا نسخہ موجود ہے، اور اس کا تکملہ بھی ہے، گھر پہونچ کر دونون کتابین نکالین، اختیارات بدیعی کا نسخہ تو مطبوعہ ہے، علاج الامراض مولفہٗ حکیم محمد شریف خان مرحوم کے ساتھ حاشیے پر مطبع اردو اخبار دہلی مین منشی امداد حسین کے زیر اہتمام ۱۸۵۲ء مین چھپا تھا، معارف کی محولہ تحریر مین اس نسخے کا ذکر نہین ہے، البتہ کان پور مین جو نسخہ اس کے بعد ۱۸۷۰ء مین چھپا تھا، اس کا ذکر ہے، بہرحال اتنا معلوم ہو گیا کہ یہ کتاب آج سے پہلے کم سے کم دوبار تو یقیناً چھپ چکی ہے، مگر میرے پاس جو یہ مطبوعہ نسخہ ہے، غلط بہت چھپا ہے، ممکن ہے کہ کانپور والا نسخہ باعتبار اس کے صحیح چھپا ہو،

محسنِ قوم خدا بخش خان بہادر سی، آئی، ای، (پٹنہ) کی اورنٹیل پبلک لائبریری مین بھی اختیارات بدیعی کے دو قلمی نسخے ہین، ایک ۹۷۶ھ کا لکھا ہوا مطلا مذہب نسخہ ہے، جس پر سلیمان جاہ اور امجد علی شاہ و واجد علی شاہ فرمان روایانِ اودھ رحمہم اللہ کی مہرین بھی ہین، مگر اس نسخے کے دیباچے مین ملکہ بدیع الجمال کا مطلقاً ذکر نہین ہے، بلکہ دیباچے مین "و نیز مدتے مدید است" سے لیکر "ارباب بصیرت و حکمت مبارک باشد" تک تقریباً ایک صفحہ عبارت جو اور نسخون مین ہے، موجود نہین ہے، اس نسخے کا نمبر ۹۵ ہے، اور اس کے کاتب کا نام فقط "برہان" ہے،

دوسرا نسخہ نمبر ۱۵۰۹ ۱۲ ذیحجہ ۶ سنہ عالمگیری کا لکھا ہوا ہے، مومن خان کے ہاتھ کی کتابت دوسرے مقالے سے ہے، پہلا مقالہ کسی اور کا لکھا ہوا ہے،

اس میں ملکہ بدیع الجمال کا ذکر موجود ہے، اور دیباچہ کی وہ پوری عبارت موجود ہے، جو اوپر مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخون مین ہے،

مقالہ دویم پہلے نسخے مین اس طرح شروع ہوا ہے،

"بدانکہ این مقالہ دویم است از اختیارات بدیعی، کہ ذکر توانیم کرد

"مرکبات مستعمل واللہ الموفق والمعین والیہ المصیر والتکلان، الباب الاول"

اور دوسرے نسخہ مین اس طرح شروع ہوا ہے،

"بدانکہ این مقالہ دویم است از رسالہ مفاتیح الخزائن، کہ ذکر کردہ شد در مرکبات مستعمل باب اول الخ"

یہان تک تو خاص اختیارات بدیعی کے متعلق معلومات بہم پہونچ سکے، اب اس کے تکملہ کے متعلق عرض کرتا ہون،

تکملہ اختیارات بدیعی کا ذکر "معارف" کے محولہ پرچہ مین بالکل نہین کیا گیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ تحریر کے وقت تک اس کا علم میرے محترم بھائی علامہ سید سلیمان صاحب کو غالباً نہ تھا، اور پٹنہ کی مذکورہ بالا لائبریری مین اس کا نسخہ نہین ہے، اور غالباً اور مشہور کتبخانے بھی اس نسخے سے خالی ہین، اس لئے یقیناً یہ ایک نادر کتاب ہے، اگر اس کا تعارف ناظرین معارف سے کرا دیا جائے، تو غالباً نامناسب نہ ہوگا،

یہ تکملہ حاجی جلال بن امین الطبیب المرشدی الگاذرونی سے ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہے،

"ثنائیکہ شایان جناب مستطاب حضرت الہی تعالیٰ است الخ"

دیباچے مین حمد و نعت کے بعد یون لکھتے ہین،

"بدانکہ مؤلف کتاب اختیارات بدیعی رحمۃ اللہ علیہ در مرکبات آن فرو گذاشتے چند کردہ و مرکبات مستعملہ را بتمامہا نیاوردہ است بلکہ بعضے را آوردہ و بعضے را فرو گذاشت کردہ دنیاوردہ و باختصار کوشیدہ است، و این فقیر حقیر الحاجی جلال بن امین الطبیب المرشدی الگاذرونی تتمیم آن نمودہ و انچہ او نیاوردہ است از قرابادینیات مطول انچہ مستعمل و متداول است، التقاط نمودہ و انچہ از استادان تحقیق کردہ و دانستہ و تحریر نمودہ اضافہ بران کردہ، و اجزائے آن و صفت آن را بتمامہ یاد کردہ است تا قرابادینے کامل باشد، و قصورے نداشتہ باشد درین باب و للہ المستعان"

اس تکملہ مین حاجی جلال گاذرونی نے اصل کتاب اختیارات کے مقالہ دوم یعنی حصۂ مرکبات کو لیکر اس پر پہلے ایک مقدمے کا اضافہ کیا ہے، جس مین کیفیت ترکیب ادویہ اور اس کے متعلقات کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے، اس کے بعد اصل کتاب کے ابواب جو سولہ تھے ان کو بڑھا کر تینتیس ۳۳ ابواب تک پہونچا دیا ہے، جن کی تفصیل آگے بیان ہوتی ہے، ہر باب کے آخر مین ایک فصل ذخیرۂ خوارزم شاہی یا کتاب کو توالی سے التقاط کر کے الحاق کی ہے، اور اس فصل کو "فصل ملحق" سے تعبیر کیا ہے، آخر مین کتاب عین الحیوۃ مصنفہ حکمائے ہند سے التقاط کر کے ایک خاتمہ درج کیا ہے،

ان تینتیس ۳۳ ابواب کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

باب ۱ فی المفرحات، باب ۲ فی المعاجین، باب ۳ فی الجوارشات، باب ۴ فی الاطریفلات، باب ۵ فی المربیات، باب ۶ فی الاشربہ، باب ۷ فی اللعوقات، باب ۸ فی السفوفات، باب ۹ فی الحبوبات، باب ۱۰ فی الاقراص، باب ۱۱ فی الایارجات، باب ۱۲ فی التریاقات، باب ۱۳ فی النقوعات والمطبوخات، باب ۱۴ فی ماء الاصول، باب ۱۵ فی الحقن، باب ۱۶ فی الشیافات والفرازجہ، باب ۱۷ فی ادویۃ العین، وفیہ فصول نمبرا فی الاکحال،

نمبر۲ فی البردوات، نمبر۳ فی الذرورات نمبر۴ فی الشیافات، نمبر۵ فصل ملحق، باب۱۸ فی ادویۃ الاسنان، باب۱۹ فی الاطلیۃ والاضمدہ، باب۲۰ فی النطولات والآبزنات والکمادات والانکبابات، باب۲۱ فی الغراغر والمضامض باب۲۲ فی الادہان والخضابات، باب۲۳ فی المراہم والذرورات للجراحات، باب۲۴ فی ادویۃ الضم، باب۲۵ فی السعوطات، باب۲۶ فی اللخلخۃ والشموم والبخور، والقطور من ادویۃ الاُذُن، (اس باب مین ناک اور کان دونون کی دوائین ہین، تمت) باب۲۷ فی المسمنات والمہزلات، باب۲۸ فی الربوبات، باب۲۹ فی المقیات وحابساتہا، باب۳۰ فی المتفرقات وفیہ فصول نمبر۱ مدرات البول، نمبر۲ وحابساتہ، نمبر۳ مدرات الحیض، نمبر۴ حابساتہ، نمبر۵ مدرات العرق، نمبر۶ حابساتہ نمبر۷ ملذذات البعال نمبر۸ معظمات القضیب، نمبر۹ مضیقات الفروج، نمبر۱۰ المعینات علی الحمل نمبر۱۱ المانعات علی الحمل، نمبر۱۲ میسرات الولادۃ، نمبر۱۳ فی المسکرات والمغشیات، نمبر۱۴ قاطعات الرغبۃ الی الطین، باب۳۱ فی الموازین والمکاییل، باب۳۲ فی امتحان الادویہ المفردۃ والمرکبۃ، باب۳۳ فی حفظ الادویہ خاتمہ در بعضے اُمور منقول از کتاب عین الحیواۃ مصنفہ حکمائے ہند،

اس خاتمے مین مختلف امراض کی دوائین ٹوٹکے، تعویزات، طلسمات، نیرنجات، اور مار گزیدہ و سگ گزیدہ کی ترکیبین، آسیب زدہ کے اعمال، خضاب کے نسخے وغیرہ غیر مرتب طور سے ۲۷ صفحون مین لکھے گئے ہین، پورا تکملہ ساڑھے پینتیس ۳۵ جزؤن کا ہے، کتاب کی تقطیع اگرچہ بڑی ہے، مگر کتابت کے اعتبار سے صفحات طولاً و عرضاً بالکل ,, معارف ،، ہی کے سائز کے ہین اور کتابت بھی گھٹی ہوئی گنجان ہے، مگر کاتب کا نام اور کتابت کا سنہ مذکور نہین، البتہ کتاب کے سرورق پر ایک مٹائی ہوئی مہر ہے، جس مین ,, محمد حسین ابن ،، ایک صاف نمایان ہے، بقیہ حروف مٹا دیئے گئے ہین، سرمہر پر بھی ,, مالکہ محمد حسین ،، لکھا ہوا ہے، مہر کے نیچے ,, غرۂ رجب سنہ ۱۲۰۹ھ تحریر ہے،

پھر کسی نے اس کو ۲۹ رمضان ۱۲۴۲ھ کو خریدا ہے، مگر اس کا نام اور تعداد قیمت سب کو کسی نے مٹا دیا ہے، اس کے بعد یہ کتاب مولوی سید محی الدین غلام نقشبند پھلواروی رحمہ اللہ کے ملک مین آئی، جن کی مہر اس پر ثبت ہے، مہر مین ۱۲۳۹ھ کھدا ہوا ہے، مگر یہ کتاب یقیناً ۱۲۴۲ھ کے بعد ان کے ملک مین آئی ہوگی، مولوی محی الدین علیہ الرحمہ سے یہ کتاب میرے والد ماجد مولانا محمد نذیر الحق فائز عمادی مجیبی پھلواری علیہ الرحمہ کو ملی، اور اب میری ملک مین ہے، فالحمد للہ علی ذالک،

علاج بالخیال

از

جناب ڈاکٹر حامد رضا صاحب تیموری، بھوپال،

فن "ایہام نفس"[1] کچھ زمانہ موجودہ کی ایجاد نہین ہے، بلکہ اس کی عمر انسان کی عمر کے برابر ہے، یہ صرف اس لحاظ سے نیا فن کہا جاسکتا ہے، کہ اس وقت وہ ایک باقاعدہ علمی صورت مین مدون ہو گیا ہے:-

"ایہام نفس" درحقیقت ایک طاقت ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان مین ودیعت فرمائی ہے اور اس کا صحیح و غلط استعمال اس کے ماحول پر منحصر ہے جسکی وجہ سے اچھے یا برے نتائج مرتب ہو سکتے ہین،

اس زبردست طاقت کا علم و ادراک اطبا، قانون پیشہ، ماہرانِ تعلیم، اور دوسرے اصحاب کے لئے خاص طور سے مفید ہے، جن کی زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف ہے،

یہ ممکن ہے کہ ہم ایہام نفس کو شاعرہ طریقہ سے اس طرح کام مین لائین، کہ دوسرون پر اس کے مضر نتائج مرتب نہ ہوسکین، بلکہ وہ ان کی اخلاقی و روحانی اور طبعی اصلاح کرے اور جن کی فطرت بدی کی طرف مائل ہے، ان کی صحیح راستہ کی طرف راہ نمائی کرے،

---

[1] انگریزی مین دو لفظ ہین (SUGGESTION) اور (AUTO SUGGESTION) (سجیشن اور آٹو سجیشن) پہلے لفظ کے لغوی معنی "کسی کے دل مین خیال پیدا کرنا"، اور دوسرے لفظ کے معنی "خود اپنے دل مین خیال پیدا کرنے کے ہین"، اور نفسیات وغیرہ کی اصطلاح مین ان لفظون کا مفہوم کسی قدر وسیع ہو گیا ہے، یعنی پہلے لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ "کسی معمول کے ذہن یا نفس پر خاص اعمال کے ذریعے اثر ڈالنا یا کوئی خیال پیدا کرنا"، اور دوسرے لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ "خاص اپنے ذہن یا نفس پر اثر ڈالنا یا کوئی خیال پیدا کرنا"، مثلاً کسی بیمار کے دل مین یہ خیال پیدا کرنا کہ وہ رو بہ صحت ہے، (SUGGESTION) کہلاتا ہے اور جو اپنے ہی دل مین اس قسم کا کوئی خیال پیدا کر لیا جائے تو اسے (AUTO SUGGESTION) کہتے ہین، ان لفظون کے لئے ہم نے اردو مین ایہام اور ایہام نفس کی اصطلاحین وضع کی ہین، جہان اس مین یہ اصطلاحین آئین ان کا یہی مفہوم پیشِ نظر رکھنا چاہئے،

نفس شاعرہ و غیر شاعرہ

ایہام نفس کے تمام مظاہر کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ہمارے اندر ایک دوسرے سے ممتاز دو نفس ہین، اور دونون مین عقل و فہم یا ذکاوت ہے لیکن ایک شعور رکھتا ہے، دوسرا نہین رکھتا یہی وجہ ہے کہ ہم کو دوسرے نفس کا احساس نہین ہوتا لیکن اگر ہم تھوڑی تکلیف گوارا کرین تو بعض تجربات سے اس نفس کا وجود ثابت کیا جا سکتا ہے،

آپ نے **مرض النوم** کا نام سنا ہوگا جو شخص اس مرض مین مبتلا ہوتا ہے، وہ رات کو اپنے بستر سے بلا بیدار ہوئے اٹھتا ہے اور اپنی خوابگاہ سے لباس پہنے، یا بغیر لباس پہنے باہر چلا جاتا ہے، برآمدہ مین ٹہلتا ہے، پھر کچھ کام کرنے لگتا ہے، یا ایسا کام انجام دیتا ہے جو اس نے سونے سے پہلے ناتمام چھوڑا ہو، بعد ازان وہ پھر بستر پر جا کر لیٹ جاتا ہے، اور صبح کو جب وہ خواب سے بیدار ہوتا ہے تو وہ ان کامون کو ختم دیکھ کر حیرت زدہ رہجاتا ہے، جو اس نے ناتمام اور ادھورے چھوڑے تھے، سب کام اسی نے انجام دیئے، لیکن اس کو خبر نہ ہوئی کیا وہ کوئی غیر محسوس قوت تھی، جس نے اس سے کام لیا؟ نہین! درحقیقت وہ اس کا غیر شاعرہ نفس تھا،

دوسری مثال ایک شرابی کی ہے جو نشہ مین مدہوش ہو جاتا ہے، یہ شخص ایک دیوانہ کی طرح چاقو چھری، یا جو ہتھیار یا اوزار اس کے پاس پڑا ہو اٹھا کر جو شخص اس کے قریب ہو، اس پر حملہ کرتا ہے، اور جب اس کا نشہ اترتا ہے تو اپنی اس وحشیانہ حرکت سے بے حد متاثر ہوتا ہے، اور ایک عالم تحیر مین پڑجاتا ہے، اور نہایت نفرت و حقارت سے ان واقعات پر نظر ڈالتا ہے جو خود اس سے ظہور پذیر ہوئے ہین، اور جن کی اس کو خبر نہین ہوئی، اب خود بتلایئے کہ جس شے نے اس شرابی سے یہ افسوسناک حرکتین سرزد کرائین وہ بجز نفس غیر شاعرہ کے اور کیا چیز ہو سکتی ہے، اگر ہم شاعرہ و غیر شاعرہ نفوس کا مقابلہ کرین تو یہ معلوم ہوگا کہ شاعرہ نفس مین قوت حافظہ

بہت کم ہے، اور غیر شاعرہ مین قوتِ مقابلہ یا قوتِ فیصلہ بہت تیز ہے، اس کو وہ تمام معمولی سے معمولی واقعات بھی یاد رہتے جو ہماری زندگی مین کوئی نمایان حیثیت نہین رکھتے اور نفس غیر شاعرہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ واقعات کو بغیر تنقید کے قبول کر لیتا ہے،

غیر شاعرہ نفس ہمارے تمام جسمانی افعال و اعمال پر و نیز تمام حرکات پر حاوی ہے، جو ہم سے سرزد ہون یہی وہ چیز ہے جس کا نام تخئیل یا قوت متخیلہ ہے اور یہی وہ طاقت ہے جو ہمارے تمام کامون کی علت ہے، اور یہ ایسی زبردست طاقت ہے، جو اکثر ہم کو ہمارے ارادہ کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرتی ہے، اور اکثر یہی طاقت ہماری قوت ارادی پر غالب آجاتی ہے،

ارادہ اور تخئیل

ارادہ کی تعریف یہ ہے کہ، وہ طاقت جو کسی کام کرنے پر اختیار کامل رکھتی ہو، اس تعریف سے واضح طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ارادہ ہی ایک ایسی طاقت ہے، جسمین کامل طور پر کسی کام کرنے یا نہ کرنے کی قوت موجود ہے، لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یہ طاقت ارادہ مین نہین متخیلہ مین ہے، اور ہمیشہ قوت متخیلہ قوت ارادی پر غالب آتی ہے، آپ شاید اس بات کے تسلیم کرنے مین آمادہ نہ ہون، قوت متخیلہ قوت ارادی پر امتیازی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر آپ حسب ذیل مثال پر غور کرین گے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا، کہ ہمارا دعویٰ کہان تک قابلِ قبول ہے، فرض کیجئے کہ ۳۰ فٹ لانبا اور ایک فٹ چوڑا ایک تختہ زمین پر رکھا ہوا ہے، اگر کسی شخص سے کہا جائے کہ وہ اس پر چلے تو وہ بغیر تختہ کی کور پر پیر رکھے ہوئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے تکلف چلا جائے گا، لیکن اگر وہی تختہ ایک بلند منارے پر رکھدیا جائے تو بتلایئے کہ پھر کون شخص اس تنگ راستہ پر چلنے کے لئے تیار ہوگا؟ کیا آپ خود چل سکین گے؟ ہر گز نہین! قبل اس کے کہ آپ مشکل سے دو قدم بھی چل سکین آپ کا بدن کانپنے لگے گا، اور آپ باوجود اپنی تمام ارادی قوتون

کے چلنے مین کامیاب نہ ہون گے، بلکہ آپ زمین پر گر پڑین گے، اس کی وجہ کیا ہے، کہ اس تختہ پر جبکہ وہ زمین پر رکھا ہوا ہے، آپ نہین گرتے، اور جب وہ بلندی پر رکھدیا جاتا ہے تو آپ گر پڑتے ہین، ؟ اس کی وجہ سوائے اس کے دوسری نہین ہے کہ پہلی صورت مین آپ کا خیال تھا کہ تختہ کے ایک سرے سے دوسرے تک جانے مین کوئی دشواری نہین ہے لیکن دوسری حالت مین آپ نے خیال کر لیا تھا کہ ہم نہین چل سکتے،

اب یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، کہ یہ صرف آپ کی قوت متخیلہ ہے، جو آپ سے کامیابی سے کام کرالیتی ہے، اسی طرح سے آپ نے موجودہ مثال مین اندازہ کیا ہوگا کہ جب آپ کی قوت ارادی آپ کو تختہ پر بڑھنے کے لئے مجبور کرتی تھی، آپ نہین بڑھتے تھے، کیونکہ آپ نے خیال کر لیا تھا کہ آپ سے ممکن نہین تھا، اگر معمار، نجار، اور مزدور، وغیرہ یہ کام کر لیتے ہین تو اس کی وجہ قوت متخیلہ ہو سکتی ہے نہ کہ قوت ارادی، دوران سر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم اپنے ذہن مین ایک تصویر بناتے ہین، اور یہ تصور کر لیتے ہین کہ ہم گر پڑین گے، اور بالآخر یہ تصویر صورت وقوعی اختیار کر لیتی ہے، اور باوجود ہماری انتہائی ارادی قوت کے گر پڑتے ہین، اور یہ بات بھی تعجب سے خالی نہین ہے، کہ جس قدر زیادہ ہماری قوت ارادی اس معاملہ مین ہماری مدد کرتی ہے، اسی قدر اس کے خلاف واقعات رونما ہوتے ہین مثلاً اس شخص کی حالت پیش نظر رکھئے جو بے خوابی کے مرض مین مبتلا ہے، اگر وہ سونے کی کوئی خاص کوشش نہین کرتا تو سکون سے بستر پر پڑا رہتا ہے، لیکن اگر وہ اپنے آپ کو سونے پر مجبور کرتا ہے، اور وہ اپنی قوت ارادی سے کام لیتا ہے، تو وہ اور زیادہ بے چین ہو جاتا ہے، آپ اس مثال پر ہی غور کیجئے کہ جس قدر زیادہ آپ کسی نام کے یاد کرنیکی کوشش کرتے ہین، اسی قدر زیادہ، آپ وہ نام بھولتے ہین، اور جب آپ چند منٹ کے بعد اپنی قوت ارادی، اور قوت حافظہ سے کام نہین لیتے تو وہ نام خود بخود خیال مین آجاتا ہے، آپ نے اکثر یہ بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ نوآموز بائیسکل کی مشق کرنے والے کس مضبوطی سے بائیسکل

کے ہتھوڑے پکڑتے ہین، اور ہر وقت گرنے سے ڈرتے ہین، اور چھوٹی سی رکاوٹ جو اُن کی راہ مین حائل
ہوتی ہے اس سے بچنے کی حد سے زیادہ کوشش کرتے ہین، اسی قدر شدت کے ساتھ وہ کسی چیز سے متصادم
نہ ہونے کی کوشش کرتے ہین، اسی قدر زیادہ وہ ناکام رہتے ہین، آپ کو یہ تجربہ بھی ہوا ہوگا کہ بعض وقت بڑی
شدت سے ہنسی آتی ہے، اور ہم روکنا چاہتے ہین، اور جس قدر ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہین اسی قدر ناکام
رہتے ہین، آپ چند واقعات کے اوپر غور کیجئے کہ انسانی ذہن کی نفسیاتی کیفیت کیا ہوتی ہے جب بعض
واقعات پیش آتے ہین، تو کون سی نفسیاتی طاقت ان کامون کی محرک ہوتی ہے مثلاً بعض وقت آپ نے
سنا ہوگا، کہ آپ کے کسی دوست نے آپ سے کہا ہو کہ اس وقت مین مکان سے آرہا تھا اور راستہ مین
مین ایک جگہ بہت سنبھلا مگر گر پڑا یا رات کو مین سونا چاہتا تھا مگر نہ سو سکا یا مین فلان فلان صاحب کا
نام یاد کرتا تھا، لیکن نہ یاد کر سکا، یا مین ہنسی روکنا چاہتا تھا لیکن نہ روک سکا، اگر آپ غور فرمائین تو آپ کو
معلوم ہوگا کہ یہ قوت تخیلہ ہی ہے جس کو ہمیشہ قوت ارادی کے مقابلہ مین کامیابی ہوتی ہے،

انھین واقعات کے تحت مین اس افسر فوج کی بھی مثال دیجا سکتی ہے، جو اپنی فوج کو اپنی قیادت مین
اپنے ہمراہ لیجاتا ہے، اور اس جملہ سے ان کو کام کرنے کا جوش دلاتا ہے، کہ ہر شخص کو خود اپنا فرض منصبی
ادا کرنا چاہئے، افسر کے جملہ سے ہر سپاہی کے دل مین یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ مین جماعت کا الگ ایک فرد
ہون، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس فوج کو شکست ہو جاتی ہے،

سینر رتو کے متعلق ایک نہایت دلچسپ واقعہ مشہور ہے، کہ اس کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ خیالات کی
تعدی کہان تک انسان وحیوان پر اثر کرتی ہے چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب وہ جہاز مین بیٹھا
ہوا جا رہا تھا، اور اپنے ایک دشمن سے بدلہ لینا چاہتا تھا تو اس نے اپنے دشمن سے سب سے بڑی بھیڑ خریدی
اس کو دریا مین پھینک دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دشمن کی جتنی بھیڑین تھین وہ سب دریا مین گر پڑین
پس اسی طریقہ سے یہ خیال کر لینا چاہئے، کہ انسان بھی کسی حد تک ان بھیڑون سے مشابہت رکھتا ہے

اور بسا اوقات از خود وہ دوسرون کی مثال کی تقلید کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، اسی سلسلہ مین ایک اور مثال قابل بیان ہے جس سے یہ ثابت ہوگا کہ قوت متخیلہ کا قوت ارادی پر کس قدر زبردست اثر ہے، وہ یہ کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے شرابی ایسے ہین جو ام الخبائث سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہین، لیکن وہ اپنی کوششون مین کامیاب نہین ہوتے، وہ کہتے ہین کہ ہم ترک شراب نوشی کا مصمم ارادہ کرتے ہین، لیکن از خود رفتہ ہوکر اپنے ارادہ کے خلاف پھر پینے لگتے ہین اور شراب نوشی ان سے ترک نہین ہوتی، باوجودیکہ وہ اس کے نقائص سے بخوبی واقف ہوتے ہین، اسی طرح اکثر مجرم جرم کرتے ہین، اور باوجود اس کے کہ وہ خود اپنے آپ کو اپنے کردار پر سرزنش کرتے ہین لیکن جب ان بدکارون سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ تم یہ جرم کیون کرتے ہو تو نہایت مجبوری سے جواب دیتے ہین کہ ہم ارادہ کرتے ہین کہ یہ نہ کرین لیکن ہم کامیاب نہین ہوتے ہمارے اندر کوئی ایسی طاقت ہے، کہ جس کے قابو مین ہماری قوت ارادی ہے، اور ہم کو اس جرم کے کرنے پر مجبور کرتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم کو اس شرابی اور اس جرائم پیشہ کی مثال سے ایک اہم نفسیاتی مسئلہ کا حل معلوم ہوجاتا ہے، جو فن ایہام نفس مین امتیازی حیثیت رکھتا ہے، وہ یہ کہ ہم اپنی قوت ارادی کے پابند نہین، بلکہ اپنی قوت متخیلہ کے پابند ہوتے ہین، اصل مین تو قوت متخیلہ ہی ایک ایسی چیز ہے، جس پر ہمارے تمام کاروبار کا ہونا یا نہ ہونا منحصر ہے، آپ غور کیجئے کہ صبح سے شام تک ہمارے تمام کاروبار کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہین کہ ہم اپنے خیالات کی حکمبرداری کرین، اس وجہ سے ہمکو یہ ماننا پڑیگا کہ یہ بہت ممکن ہے کہ اگر ہم اپنے خیالات کا پورا پورا اندازہ کرنا، ان کو قابو مین رکھنا اور ان کا صحیح استعمال کرنا سیکھ لین تو ہم یقیناً دنیا مین ایک مستقل اور مستحکم طریقہ سے ترقی حاصل کرسکتے ہین،

خیالات انسانی ایک موج کی طرح ہوتے ہین، ان مین کوئی ترتیب نہین ہوتی اور ایک دریا کی طرح بے قابو اور بے جان ہوتے ہین، اور وہ اس وقت تک انسانی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال نہین

کئے جاسکتے، جب تک وہ علمی طور پر منظم اور مرتب نہ کر لئے جائین، آپ نے دنیا کے اکثر بڑے لوگون کے کارنامے پڑھے ہونگے، جھنون نے دنیا کے متعدد شعبون مین نہایت نمایان اور ممتاز کارنامے کئے ہین، آپ کو معلوم ہوگا کہ ان مین سے اکثر و بیشتر کسی بڑی یونیورسٹی کے چیدہ اساتذہ مین سے نہ تھے، اور نہ انھون نے علمی دنیا مین کوئی امتیازی حصہ لیا تھا، لیکن باوجود اس کے بھی وہ دنیا مین بہت کامیاب ہوئے، "نپولین" کے متعلق مشہور رہے کہ وہ دنیا مین زبردست تخیل کا انسان گذرا ہے، اور اسی طرح سے چند اور مثالین بھی پیش کیجا سکتی ہین، جن سے یہ معلوم ہوگا کہ اکثر بڑے آدمی بڑی قوت متخیلہ رکھتے تھے، شاید آپ کو یہ خیال ہوگا کہ تمام خیالات پر حاوی نہ ہونا اور ان کو ایک خاص اُصول کے تحت مین لانا ناممکن ہو کیونکہ یہ محض چند خیالون کا سوال نہین ہے، بلکہ ہر انسان کو قدرت نے ایک عظیم الشان خیالات کا سمندر دیا ہے، اور ان کے اندر سمندر کی طرح رات دن تلاطم برپا ہوتا رہتا ہے، لیکن عرض یہ ہے کہ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ "تنکے کی اوٹ پہاڑ ہے"، اگر آپ ایک دفعہ اپنے خیالات پر قابو حاصل کرنے کے ذرایع سے واقف ہوجائین تو ان کو مرتب و منظّم کرنا مشکل نہ ہوگا،

(باقی)

معارف:- یہ فن قدیم ہندؤن مین پایا جاتا تھا، عرب مصنفین نے اس کا ذکر کیا ہے، مسعودی اور ابن ندیم بغدادی نے اس فن کی ان ہندی کتابون کے نام بتائے ہین، جن کے عربی مین ترجمہ ہوئے تھے، اس مفہوم کی تعبیر عربون نے "توہم" اور "ایہام" سے کی تھی، ہمارے مضمون نگار نے اس کے لئے "خطور" (دل مین کھٹکنا) سے "اخطار" کی اصطلاح قائم کی تھی، مگر ہمارے مشورہ سے انھون نے اس کے لئے توہم اور ایہام کی پرانی اصطلاح قبول کر لی ہے،

صحیح بخاری کا ایک عتیق نسخہ

کتابخانۂ حبیب گنج مین

از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی

شہر ربیع الاول سنہ حال کے معارف مین کتابخانہ ریاست رامپور کے صحیح مسلم کے نسخہ عتیق کا ذکر ہے الشی بالشی یذکر، میرے کتابخانہ مین ایک نسخہ "صحیح بخاری" کا عتیق ہے "جلد اول" یہ نسخہ بخط عرب سمرقندی کاغذ پر لکھا ہوا ہے، سطر فی صفحہ ۳۱، لوح پر شمسہ طلائی و لاجوردی ہے، اس مین یہ عبارت بخط نسخ شجرفی جلی خوشخط درج ہے، "جلد اول صحیح بخاری بخط نسخ عرب در آخر کتاب خط حضرت شیخ المحدثین عفیف الدین کازرونی است جلد سیاہ و ترنج سرخ وجدول طلا نوبستہ یابتہ فتح شہر محمد آباد المعروف بہ بیدر جمع کتابخانہ معمورۂ عالم پناہ ابراہیم عادل شاہ خلد ملکہ شدہ ۹ شعبان سنہ ۱۰۲۰ھ"، آخر کتاب مین لکھا ہے، "بلغ مقابلہ فی رجب سنہ ۷۸۰ھ ثمانین وسبعمائة" شیخ عفیف الدین کازرونی شارحین صحیح بخاری مین ہین، صاحب کشف الظنون نے شروح صحیح کے ضمن مین شیخ ممدوح کا ذکر کیا ہے، عبارت یہ ہے، "وشرح الامام عفیف الدین سعید بن مسعود الکازرونی الذی فرغ منہ فی شہر ربیع الاول سنہ ۷۶۴ھ" شیخ کی عبارت مذکورۂ بالا ۷۸۰ھ ربیع الاول کی لکھی ہوئی ہے، اسکے نیچے انکے پوتے عبد الکریم بن عبد اللطیف کے ہاتھ کی عبارت اجازت ہے مورخہ ربیع الآخر ۷۸۵ھ ہے، خود کتاب کا سنہ کتابت نہین، بہرحال ۷۸۰ھ سے پہلے کی لکھی ہوئی ہے، یہ نسخہ محشی اور محفوظ ہے، ۲۴۰ ورق ہین،

ان نسخون کا شاہی کتابخانون مین ہونا مسلم، سوال یہ ہے کہ مثل مشارق الانوار وہ کہین نظر افروز بھی ہوتے تھے، علما مین متداول تھے، داخل درس تھے؟ ان سوالون کا جواب بظاہر نفی مین ہے، اگر نفی مین ہے تو نسخہاے عتیقہ کی برکت شاہی کتابخانون تک محدود و منتہی ہوگی،

تلخیص و تبصرہ

اغانی کا تاریخی پایہ

ابو الفرج اصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ عربی علم ادب خصوصاً لغت کا امام سمجھا جاتا ہے، اس کی سب سے اہم تصنیف کتاب الاغانی ۲۱ جلدون مین ہے، اس کو اس نے پچاس برس مین تالیف کیا تھا، اور سیف الدولہ بن حمدان کی خدمت مین پیش کیا تھا،

اغانی کو اس کے عہد تصنیف سے لیکر آج تک جو شہرت حاصل رہی ہے، وہ محتاج تعارف نہین یہ ۱۲۸۵ھ مین ۲۰ جلدون مین مصر سے شایع ہوئی، اور ۲۱ وین جلد ۱۳۰۵ھ مین ڈاکٹر برونو کے اہتمام سے لیڈن سے شایع ہوئی، مستشرقین یورپ کو اس کے ساتھ خاص اعتناء رہا ہے، اور انھین کے اہتمام سے اس کی ایک ضخیم فہرست بطور انڈکس کے شایع ہوئی ہے، جس کی وجہ سے اغانی سے استفادہ کرنا بہت زیادہ آسان ہوگیا ہے،

لیکن اس کتاب کے ساتھ مستشرقین یورپ کا یہی اعتناء بہت سے مقاصد کا باعث بھی بن گیا ہے، اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ اس کتاب کی روایات کے تاریخی استناد پر محققانہ تنقید کیجائے، حقیقت یہ ہے کہ اغانی شعر و ادب کی ایک تصنیف ہے، لیکن وہ ایک ایسے دور مین قلم سے نکلی ہے، جس وقت علمائے اسلام فن حدیث رجال اور تاریخ کی تدوین مین مصروف تھے، اور تصنیف و تالیف کا ایک خاص طرز قایم ہوگیا تھا، چنانچہ اغانی بھی اپنے ماحول کے لحاظ سے اسی طرز تحریر مین تالیف ہوئی، جسمین اس عہد کی حدیث، رجال، اور تاریخ کی کتابین لکھی جاتی تھین لیکن آج وہ فرق ہمارے مستشرقین کی

نگاہوں سے اوجھل ہے، اور وہ اس کی روایتوں کو محض اس لئے کہ وہ بھی بہ ظاہر معنعن سلسلہ کے ساتھ
مروی ہیں، وہی مرتبہ دے رہے ہیں جو کسی مستند حدیث اور تاریخ کی کتاب کا ہے، چنانچہ اس وقت اس
مرض میں یورپ کے عام مستشرقین مبتلا ہیں، اور ابھی چند ماہ گذرے جرمن مستشرق ڈاکٹر جوزف ہیل
کی کتاب "عربوں کا تمدن" اردو میں ترجمہ ہوئی ہے، اس میں بھی اغانی کی روایتوں کی بنیاد پر تاریخ عرب سے
متعلق مستقل نظریئے، اور واقعات نگاہ سے گذرے تھے، اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے، ان تاریخی نظریوں کی
حقیقت کھولی گئی تھی، ہماری اردو زبان کے انشاپردازوں میں جس نے سب سے زیادہ اغانی سے فائدہ
اٹھایا ہے، وہ مولانا عبد الحلیم شرر مرحوم ہیں، ان کے اکثر دلچسپ تاریخی مضامین اسی اغانی کا التقاط ہیں
اور حقیقت میں ان کا درجہ تاریخ کا نہیں، بلکہ محاضرات کا ہے،

آج کل مصر کی جدید تعلیم یافتہ جماعت میں اغانی کے متعلق مستشرقین یورپ کا یہ رویہ خاص طور
پر زیر بحث ہے، چنانچہ مصر کے مشہور صاحب علم ڈاکٹر زکی مبارک پی ایچ ڈی، نے اس موضوع پر سلسلۂ
مضامین شروع کیا ہے، اور اس کی پہلی قسط المقتطف ماہ جولائی ۱۹۳۱ء میں شایع ہوئی ہے، ہم ذیل میں
اس مقالہ کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، وہ اپنے مقالہ کو شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اصفہانی کی شہرت تعارف سے بالاتر ہے، میں یہاں اس کے دو پہلوؤں پر خصوصیت سے
نظر ڈالنا چاہتا ہوں، اور اس کے یہی دونوں پہلو ایسے ہیں، جن پر اہل مباحث نے بہت کم توجہ کی ہے
حالانکہ یہی دونوں امور ایسے ہیں، جو ہمارے ایسے مصنف کے لئے خاص طور پر قابل توجہ ہیں، جو ادب
و تاریخ میں استناد کرنے کے لئے اغانی کو ماخذ بنانا چاہتے ہیں،

ان میں سے ایک پہلو خاص طور پر اصفہانی سے متعلق ہے، وہ اس کی شخصی سیرت و کردار ہے،
اصفہانی ایک نہایت زندہ دل، رنگین مزاج، نرنجان مرنج طبیعت کا آدمی تھا، اس کی ساری زندگی پر کیف
مشاغل میں بسر ہوتی، اور شبانہ روز گرم صحبتوں میں شریک رہتا۔ اس کے ان مشاغل زندگی نے

اس کی طبیعت پر ایک خاص اثر ڈالا تھا، اور یہ ناممکن تھا کہ جو کتاب اسی موضوع پر اس کے قلم سے
نکلتی، وہ انھین مناظر کی سراپا تصویر نہ ہوتی، چنانچہ اس کی اس تالیف مین اس کے اون تمام اخلاقی
خصوصیات کے جو اس کی طبیعت ثانیہ بن چکے تھے، نمایان آثار موجود ہین، اور اغانی تمام عریان سے عریان
اور فحش سے فحش واقعات کا عربی علم ادب مین سب سے بڑا مجموعہ ہے، کیونکہ اصفہانی نے اس مین شعراء
اور دیگر مشاہیر کے صرف ایسے ہی حالات منتخب کئے ہین، جو ان کی اخلاقی پستی کو روشن کرتے ہین، حالانکہ
انھین کے سوانحِ حیات مین ایسے واقعات بھی موجود ہین جن سے ان کی اخلاقی خوبیان نمایان ہوتی
ہین، لیکن اُس نے ان کو ہاتھ نہین لگایا ہے، اور یہی اس کا کافی ثبوت ہے کہ خود اس کے لئے
سنجیدہ، متین، اور معتدل زندگی خوش آیند نہین تھی، اور اسی لئے اس نے ایسے تمام پہلوؤن کو نظر انداز
کر دیا جن مین متانت، رزانت اور اعتدال کا شائبہ زیادہ موجود تھا، لیکن مستشرقین اور دورِ حاضر کے
دوسرے مختلف اہلِ قلم نے یہ سخت ظلم کیا ہے کہ اغانی کو اپنا ماخذ بناتے ہوئے اس کے مصنف کی زندگی
کے اس پہلو اور اس کے ان نتائج کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے، اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جورجی زیدان
اور ڈاکٹر طہٰ حسین وغیرہ جیسے اہلِ قلم صرف اغانی کی روایتون کی بنیاد پر اس نتیجہ تک پہونچ گئے ہین
کہ دولت عباسیہ کا پورا دور فسق و فجور کا ایک آئینہ تھا، اور اس زمانہ کے تمام باشندے عصیان و گمراہی
مین مبتلا تھے،، اگرچہ اس موقع پر یہ ہرگز مقصود نہین کہ اصفہانی نے کذب و افتراء کا ایک دفتر تیار کر دیا
ہے، اور عہد عباسیہ کے عام باشندے نہایت پاکباز زندگی گذارتے تھے، اور صلحاء و متقین کی جماعت در
جماعت خانقاہون اور حجرون مین بیٹھی رہتی تھی، تاہم یہ ضرور ہے کہ حیات انسانی اضداد کا ایک مجموعہ ہے
اس مین شک یقین، علم و جہل، ہدایت، ضلالت سب کچھ موجود ہین، انسان نہ خیرِ محض ہے، اور نہ شرِ
محض، اس لئے دولت عباسیہ مین بھی صفات کے یہ دونون پہلو موجود تھے، لیکن اصفہانی نے شعراء و کتاب
کے ایسے رذیل و سخیف واقعات جو سرتاپا بد اخلاقیون سے مملو تھے، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے تلاش کئے،

اور انھین سے اپنی کتاب کے سادے صفحے بھر دیئے، جس سے پوری کتاب ضلالت و گمراہی کے بیسے واقعات کا ایک مرقع بن گئی،

اصفہانی پر بحث کا دوسرا پہلو خاص اس کی کتاب الاغانی ہے، اگر اغانی کے مقدمہ پر گہری نظر ڈالی جائے تو اس تالیف کے اہم خصوصیات خود واضح ہو جائین، کیونکہ مقدمہ مین ایسی صریح عبارتین موجود ہین، جو اصفہانی کے مطمحِ نظر کو خود واضح کرتی ہین، وہ مقدمہ مین ایک جگہ لکھتا ہے کہ کتاب کی ہر فصل مین کچھ نہ کچھ ایسا مواد مہیا کیا گیا ہے، جو اہلِ ذوق کی تفریح کا سامان بن سکے، تفریحِ طبع کے اس سامان مین سنجیدہ واقعات بھی ہین، اور مزخرفات بھی، اسی طرح ایام عرب کے قصص بھی ہین، اور مستند تاریخی حالات بھی، شاہانِ عرب وخلفاے اسلام کے مشہور افسانے بھی ہین، اور شعراء وکتاب کے ظریفانہ قصے بھی، خصوصاً موسیقی کے لحن جس قدر جمع کئے گئے ہین، ان سے متعلق کوئی نہ کوئی ایسا افسانہ ضرور ہے، جو لوگون کے ہنسنے ہنسانے کا کام دے،

پھر لحن کے انتخاب کے متعلق لکھتا ہے کہ "لیکن ہر لحن کے متعلق ضروری نہین کہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور موجود ہو، اور اگر کوئی واقعہ ہو بھی تو وہ ہمارے لئے نتیجہ خیز ہو، اور اگر نتیجہ خیز ہو تو ضروری نہین کہ وہ نتیجہ سامعین کے لئے دلچسپ ثابت ہو، کہ اہلِ ذوق اس سے محظوظ ومسرور ہو سکین"،

اصفہانی کے یہ الفاظ خود اس امر کا بین ثبوت ہین کہ واقعات کے انتخاب مین یہ خصوصیت ملحوظ رکھا گیا ہے، کہ وہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے دلچسپ ہون، اور گرمیٔ محفل کا سامان بن سکین، اس لئے ان ظرافت آمیز واقعات کو تاریخی واقعات کی طرح مستند سمجھنا خود بعید از عقل ہے، کہ اس قسم کے اکثر افسانے زبانِ زدِ خلایق ہوتے ہین اور اغانی انھین زبان زدِ خلایق افسانون کا ایک دلکش مجموعہ ہے،

مثلاً عمر بن ابی ربیعہ کے حالات مین کہ آج کل کے اہلِ قلم مستشرقین صرف انھین واقعات پر اپنی تاریخی قیاس آرائیون سے پہلی صدی ہجری کے حجاز کو قیاس کرتے ہین، چنانچہ موسیو ماسیون ایک مرتبہ کہنے لگے "ابن ابی ربیعہ کے واقعات اور اس کے اشعار کو اس حیثیت سے نہایت عظیم الشان اہمیت حاصل ہے" حالانکہ عرب مین ابن ابی ربیعہ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو فرانسیسیون مین گوئٹے کو اور جرمنون مین ہیسنے اور انگریزون مین بائرن کو، کیونکہ ابن ابی ربیعہ کے حالات واقعات و اشعار بھی محض ادبی لطایف وظرائف کی حیثیت رکھتے ہین، نہ کہ مستند تاریخی واقعات کی،

اغانی کے متعلق سب سے پرلطف یہ ہے کہ اس کے یہ سب واقعات مسلسل سند روایت سے مروی ہین، اور یہی سلسلہ سند اس موقع پر سب سے زیادہ فریب دہ ثابت ہوا ہے، چنانچہ رافعی نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے ہمین مخاطب کر کے لکھا ہے "کیا آپ بھول گئے کہ علم روایت ایک نہایت دقیق علم ہے، اور اس کے آداب و شرائط مقرر ہین" لیکن رافعی کو خبر نہین کہ وہ اغانی کی سند روایت ہی سے مسحور ہوئے ہین، مثال کے طور پر اس کی کسی ایک سند کو لے لیجیے، مثلاً لکھتا ہے "زرقان سے مروی ہے، ان سے ان کے باپ نے کہا کہ مین عمر بن ابی ربیعہ کے ایک مولی سے ملا، اور اس سے فرمائش کی کہ عمر بن ابی ربیعہ کا کوئی عجیب و غریب قصہ سناؤ، اور اسی سوال کے جواب مین اس نے یہ قصہ سنایا، یہ قصہ تو اپنی جگہ ایک واقعہ تاریخی بن گیا کہ مسلسل بالروایۃ ہے، لیکن اہلِ نظر نے یہ نہ دیکھا کہ خود اس سلسلہ سند (عن زرقان عن ابیہ قال ادرکت مولی لعمر بن ابی ربیعۃ شیخا کبیرا فقلت لہ) کی سند کے اعتبار سے کیا وقعت ہے، اور خود سائل یہ کیا کہہ رہا ہے کہ "حدثنی عن عمر بحدیث غریب" عمر کا کوئی عجیب و غریب قصہ سناؤ، اور سائل کے لفظ "عجیب غریب" سے واقعہ کے تاریخی استناد کا کیا پایہ رہجاتا ہے،

علاوہ ازین اگر ابن ابی ربیعہ کے واقعات پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو اغانی مین اس کی طرف ایسے بہ کثرت واقعات منسوب ہین، جو دوسرون نے دوسرے شعراء کے متعلق بھی نقل

ہین توخود اصفہانی نے دو شخصون کے حالات مین ایک ہی طرح کا واقعہ قلمبند کردیا ہی

ے حج کے متعلق جو مشہور واقعہ اغانی مین مذکور ہے، اُسی طرح ابن درید نے ابونواس کے

ی طرح اس کے بہت سے قصے مجنون لیلیٰ کے افسانون مین بھی جا بجا مذکور ہین،

خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان افسانون سے مقصود محض عشاق کی فطری تصویر کھینچنا ہے

ن کہ وہ واقعہ ابن ابی ربیعہ کی طرف منسوب ہے، یا ابونواس کی طرف، یا مجنون لیلیٰ

اتا ہے، کہ مقصود اشخاص کے سوانح نہین بلکہ محض لطائف وظرایف کا افسانہ ہے،

ین غریب اصفہانی توخود جا بجا اس التباس کو دور کرنے کے لئے مختلف الفاظ اور جملون

ب "حدیث حلو" یا "یہ واقعہ جیسا مجھ تک پہونچا ہے" سے واقعات کے پایۂ استناد

ا ہے، کیونکہ اُس کا مقصود لطایف وظرایف کا بیان کرنا تھا نہ کہ تاریخی حقایق کا

ضمون نگار لکھتا ہے،

کے متعلق یہ صرف چند اشارات ہین، کسی آیندہ موقع پر اس کے قصص و افسانے پیش کرکے

کھائین گے کہ اغانی علم ادب کا ایک مجموعہ ہے، یا کوئی مستند تاریخی صحیفہ،

ن چند اشارے جو بطور تلخیص کے پیش کئے گئے ہین، وہ اس کے تاریخی پایہ استناد کو

واضح کر دیتے ہین، اور پھر سمجھا جا سکتا ہے، کہ جن اہل قلم نے حجاز، عرب، اور اسلام

ین لکھتے وقت اغانی کو پیش نظر رکھا، اور اس کو اپنا ماخذ بنایا ہے، ان کی خود و

ن کس پایہ کی رہجاتی ہین،

"ز"

جدید مدارس مین قدیم تعلیم و تہذیب

موجودہ زمانہ مین صنعت و حرفت کو جو ترقی دیجا رہی ہے، اس کا اثر تعلیم گاہون مین بھی نمایان طور پر نظر آرہا ہے، روزبروز یہ خیال پھیلتا جاتا ہے کہ بچون کو صرف انھین چیزون کی تعلیم دیجائے جو ان کے کسبِ معاش کے لئے معین ہو، قدیم زبانون کی تعلیم جو اب تک مدارس مین جاری تھی ان کی طرف سے بے تعلقی پیدا ہو رہی ہے، اور صنعتی تعلیم کی طرف لوگ شوق سے بڑھ رہے ہین، ملک مین ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے، جو قدیم تہذیب و تمدن اور قدیم زبانون دونون کو بیکار خیال کرتا ہے، اس کے نزدیک تعلیم کا مقصد محض پیٹ پالنا اور روپیہ پیدا کرنا ہے، اس خیال کے لوگ صرف ہندوستان ہی مین نہین پائے جاتے، بلکہ یہ ہوا تمام دنیا مین یکسان چل رہی ہے، انگلستان مین خصوصاً یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے، اور اس کا اثر ہندوستان پر بھی نمایان ہے، حالانکہ خود انگلستان کے اہلِ فکر اپنے اس تعلیمی مطمحِ نظر کی پستی پر ماتم کر رہے ہین، چنانچہ ۱۲ر جولائی سنہ ۳۰ء کے ٹائمس کے تعلیمی ضمیمہ مین ایک نامہ نگار نے ایک مستقل مضمون اسکے متعلق لکھا ہے، جس کا اقتباس ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

"ملک مین مرکزی اور جدید مدارس کی تیز رفتاری، ہر قسم کے مدارس مین کارآمد تعلیم کا پیہم مطالبہ، خالص تعلیمی نصاب کے خلاف مستقل احتجاج اور صنعتی تعلیم کی ترقی کی طرف روز افزون توجہ، یہ سب ایک مفید تعلیمی تحریک کی حوصلہ افزا علامتین ہین، لیکن اس تحریک مین ایک اہم خطرہ بھی پوشیدہ ہے، جس سے اگر ہم وقت پر باخبر نہ ہوئے تو ممکن ہے، بچ نہ سکین، اور وہ یہ ہے، کہ شاید ہم اس بات کو بھول جائین کہ انگریزی ملکی تعلیم کا مسئلہ دراصل اقتصادی اور روحانی ہے نہ کہ ذہنی، اور معاشیاتی

عملی نصاب اور صنعتی تعلیم مین آسانیان پیدا کرنا اپنی جگہ پر نہایت درست، لیکن اگر اسے حد سے زیادہ وسعت دیدیجائے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکول اور کالج کی تعلیم کاروباری اصول پر ہونے لگے گی.

یہ واضح ہے کہ ہمارے اسکولون اور صنعتی کالجون مین اکثریت اُن طلبہ کی ہے، جن کا تعلق طبقہ عوام سے ہے، ان مین بے حد ذہین سے لیکر نہایت غبی تک ہر حیثیت کے دماغ والے ملین گے، ملکی نظام تعلیم آبادی کی تقسیم و باغی فرقِ مراتب کے لحاظ سے کرنے کی کوشش کر رہا ہے، خطرہ یہ ہے کہ تقسیم کا یہ اصول حد سے نہ بڑھ جائے، اگر اس تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ صرف چند بچون کو دنیا مین رہنے کے طریقے سکھائے جائین، اور باقی جو ہین ان کو محض کسبِ معاش کے وسائل بتا دیئے جائین، تو لفظ تعلیم کے معنی غلط ہو جائین گے، ہر بچہ جو ایک ملکی اسکول مین تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتا ہے، اس کی اصل ضرورت یہ ہے کہ اسے زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھائے جائین،

نصابِ تعلیم مین عملی رنگ کو اور زیادہ نمایان کر دینا ضرور مفید ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی حالت مین تہذیب و تمدن (CULTURE) اپنے اہم مقام سے علٰحدہ نہ ہونے پائین، ایسے اسکول کے لئے جو کاروباری (PRACTICAL) اور محض کاروباری ہے، انگریزی نظام تعلیم مین کوئی جگہ نہین،

اکثر لوگ لاطینی اور یونانی زبانون کی تعلیم کو جدید مدارس کے نصاب سے باہر خیال کرتے ہین، دلیل یہ ہے کہ یہ مضامین آج کل کی ضروریات کے اعتبار سے بیکار ہین، موجودہ زمانہ سے بالکل بے تعلق ہین، اور کسبِ معاش کو ترقی دینے سے قاصر ہین، لاطینی اور یونانی کا نام تو صرف مثال کے طور پر لیا گیا، اگر اسی دلیل کو رکھئے، اور صرف ان مضامین کو موجودہ نصاب مین داخل کیجئے جو فوری ضروریات کے کفیل ہو سکتے ہین، تو معلوم نہین اس دلیل کا دائرۂ اثر کہان تک پہونچے، ایسے محدود نصاب مین تاریخ کی جگہ کیا ہوگی، کیا فلسفہ، اخلاقیات اور مذہب کو بڑی بڑی تعلیم گاہون سے محض

اس بنا پر خارج کر دیا جائے کہ ان تعلیم گاہون کو صنعتی کالج کے نام سے پکارتے ہین،

تجربہ اور ماحول کی پابندیون کی وجہ سے یہ اور زیادہ ضروری ہے کہ ایک بچہ جو اسکول مین تعلیم پاتا ہے، اور وہان سے ترقی کر کے کسی صنعتی کالج مین جاتا ہے، اسے دنیا کو پورے طور سے دیکھنے کا موقع دیا جائے اس کی اقتصادی حیثیت کے باعث اس کے گرد و پیش بے شمار دقتین اور رکاوٹین ہوتی ہین، یہان میرا مطلب صرف مادّی دشواریان تھین، اس لئے یہ درست نہین کہ اس کی مشکلات مین ایک کامل زندگی سے بے خبری کا اضافہ بھی کر دیا جائے، عملی نصاب کا مطلب ایسا کاروباری نصاب نہ ہونا چاہیئے جس سے تمام لطافتین دور کر دی گئی ہون، اور جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ دستکاری اور تجارت کے لئے بہتر مبتدی پیدا کئے جائین، ہمین اپنے جدید مدارس مین قدیم تعلیم و تہذیب (CULTURE) کی اب بھی ضرورت ہے اور یہ ضرورت ان بچون کے لحاظ سے جن کے لئے یہ اسکول قایم ہین آج اور بھی زیادہ ہے، "م ع"

دنیا کے چھ بڑے شہر

یورپ و امریکہ کے بعض شہرون کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ ہمارے ملک کے بعض صوبے بھی اُن سے کم ہون گے، ذیل کے اعداد شہرون کی انسانی آبادی کو ظاہر کرتے ہین، انھین سے ان کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

	نام شہر	تعداد آبادی
۱	لندن	۷۷۴۳۲۱۲
۲	نیویارک	۶۶۰۲۹۲
۳	برلن	۴۰۱۳۵۸۸
۴	چیکاگو	۳۳۷۳۷۵۳
۵	پیرس	۲۸۳۸۴۱۶
۶	اوساکہ	۲۳۳۳۸۰۰

شکسپیر کا ایک قدردان

حال ہی مین امریکہ مین شکسپیر کے سب سے بڑے قدردان کی موت واقع ہوئی ہے، اس کا نام ہنری سی فالجر تھا، اس نے اس مشہور تمثال نویس کے متعلق ۲۵ ہزار کتابین جمع کی تھین، شکسپیر کے ڈرامون کی اولین اشاعتون کے حصول پر اس نے بے دریغ روپیہ صرف کیا تھا، چنانچہ ڈینیل کے شایع کردہ نسخہ کیلئے اس نے ۳۸۰۰۰ ڈالر دیئے اور شکسپیر کے اولین نسخہ کے لئے ۱۹۱۹ء مین ایک لاکھ ڈالر کی رقم دی اس کے

پاس ابتدائی اشاعتون کے تقریباً ۳۵ نسخے تھے، یہ مجموعہ عنقریب ایک کتبخانہ کی شکل مین وقفِ عام ہوگا،

سائنس اور خدا کا اقرار

سائنس کی ابتدا ہمیشہ تذبذب و تشکیک یا انکار سے شروع ہوتی ہے لیکن اگر صحیح طور سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہی مادی محیر العقول تجربے بالآخر تسکین و اطمینان اور اقرار کی طرف رہنمائی کرتے مین، چنانچہ ایک طرف تو لینزگ کے دو پروفیسرون نے صاف صاف اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ دنیا مین صرف یہی ہیولیٰ مادہ اور تحریک ہی نہین ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی ایک غیر مرئی قوت ہے، جو ان چیزون کو متاثر کرتی رہتی ہے، اُن کا خیال ہے کہ اسی قوت کے ہاتھ مین سب کچھ اختیار ہے، اور وہ کسی خاص غرض اور مقرر مقصد کے لئے اس دنیا کی ہدایت کر رہی ہے، اب اسی قوت کا نام مسبب الاسباب رکھو یا خدا، ان پروفیسرون مین ایک آرتھر کمپٹن ہے، جسے نوبل کا انعام بھی مل چکا ہے،

دوسری طرف جامعہ چیکاگو کے استاذ دینیات کا بیان ہے، کہ ہم نے مذہب کی ہر چیز کو اعداد و شمار، واقعات و تجربات سے جانچا اور پرکھا ہے، اور ہم مطمئن ہین کہ سائنس کا تجربہ بھی اس کی تردید کی جگہ تائید پر مجبور ہے، چنانچہ اُنھون نے دعویٰ کیا ہے، جو شخص خلوص نیت سے کسی مفید بات کیلئے دعا کریگا، وہ ضرور قبول ہوگی، اور اس کے تجربہ کے لئے وہ ایک تجربہ گاہ کھولنے والے ہین، تاکہ سائنس پرست دنیا کو تجربۃً بھی بتادین کہ کوئی مستجاب الدعوات ان دنیاوی ذرائع کے علاوہ بھی ہے، اور اس طریقہ سے بھی انسان اپنے مقصد مین کامیاب ہوسکتا ہے،

امریکہ کی صحافت نوازی

متمدن ممالک مین صحافت کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا تذکرہ تحصیل حاصل ہے، حال ہی مین اس قدر و منزلت کی جو صحائف نگار لوگون کی ان ممالک مین ہے، ایک مثال ہمارے سامنے آئی ہے، چیکاگو کا شہر اندنون قتل عام کی واردات کا مرکز بنا ہوا ہے، اور اسی سلسلہ مین وہان کے اخبار

ٹریبیون کے نامہ نگار کو بھی کسی نے گولی کا نشانہ بنا دیا، اس پر تمام ملک مین ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ہے، اور صرف اُس شہر کے اخبارات نے ۶۵ ہزار ڈالر کا انعام اُس شخص کے لئے مقرر کیا ہے جو مجرم کا پتہ چلائے، اسی سلسلہ مین پولس نے وہان کے چھ سو مشکوک آدمیون کو بھی گرفتار کیا ہے، ہمارے ملک مین بھی اخبارات ہین، انکے بھی نمایندے ہین، لیکن دونون مین جو فرق ہے وہ بین ہے،

طویل القامت آدمیون کی طاقت

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو طویل القامت اور دیوہیکل ہوتے ہین، وہ قوت و طاقت مین بھی عام قد کے آدمیون سے بڑھے ہوتے ہین لیکن اب اس نظریہ کی تکذیب ہو چکی ہے، اور موجودہ اطباء کا خیال ہے کہ یہ غیر معمولی طوالت خوبی کی جگہ ایک بیماری ہے، اور ایسا آدمی زیادہ طاقت نہین رکھتا، دوسرے اس کے ہاتھ پیر لمبے ہوتے ہین، لیکن اس کا چہرہ اور اس کے دوسرے اعضاء اسی تناسب سے بڑے نہین ہوتے،

مکھیون سے بچنے کی ترکیب،

حال ہی مین بعض تجربہ گاہون مین اس بات کا تجربہ کیا گیا ہے، کہ مکھیون کو پیلے رنگ سے ایک گو نہ نفرت ہے، اس لئے اُن سے محفوظ رہنے کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ دروازون مین سفید شیشون کی جگہ پیلے شیشے لگائے جائین، اور جب دروازے بند ہون گے اور شیشون کا عکس کمرہ کے در و دیوار پر پڑیگا تو مکھیان فوراً وہان سے دور ہو جائین گی،

موٹرون سے حادثے

موٹر دیکھنے مین بظاہر بہت اچھی سواری ہے، آرام کے ساتھ ہی ساتھ وقت کی بچت اس کی سب سے نمایان خصوصیت ہے، لیکن ایسے کتنے لوگ ہین جو اس کی ہلاکت زائی سے اچھی طرح واقف ہین، اور جانتے ہین کہ اس کے مجروحین و مقتولین کی تعداد کسی بُری سی بڑی بیماری سے ہرگز کم نہین، امریکہ کے

ایک اخبار نے گذشتہ چند سال کے اعداد شایع کئے ہین، سنہ ۱۹۲۸ء مین مقتولین کی تعداد ۳۰۵۴۴ تھی لیکن سنہ ۱۹۲۹ء مین وہ ۳۳۰۶۰ ہو گئی اور گذشتہ سال مجروحین کی تعداد دس لاکھ تھی، اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہوگا کہ اس وقت امریکہ مین ۲ کروڑ سے زیادہ موٹرین مستعمل ہین، اور امریکہ اس صنعت کا سب سے بڑا مرکز ہے،

انجیل کی سالانہ فروخت

ہم یورپ و امریکہ کو مذہب سے بیگانہ بتاتے ہین، لیکن پھر بھی عملی حیثیت سے وہ مذہب پرست مشرق سے اس مین بھی بہت آگے ہین، چنانچہ گذشتہ سال انجیل مقدس کے جو نسخے فروخت ہوئے ان کی تعداد ۳ کرور ۶۵ لاکھ ہے، ان مین سے صرف امریکہ مین ایک کرور ۴ لاکھ نسخے خریدے گئے، مختلف زبانون کے تراجم کی تعداد اس سے الگ ہے، اسی طرح امریکہ مین گذشتہ سال ۱۰۱۰۷ نئی کتابین شایع کی گئین، ان مین ۸۰۰ مذہب کے متعلق تھین اور افسانہ اور بچون کی کتابون کے بعد اسی کا درجہ تھا،

فرانس کے جدید مکانات

مکانات کو آتشزدگی سے محفوظ رکھنے کے لئے اس وقت تک بہت سی ایجادین ہو چکی ہین لیکن اب جرمنی کے ایک موجد نے ایک ایسا مسالہ ایجاد کیا ہے، جس کو لکڑی پر لگانے سے آگ اس پر بالکل اثر نہین کرتی، فرانس نے اس ایجاد سے فائدہ اٹھانا شروع کیا ہے، اور تاوان جنگ کی رقم کے سلسلہ مین جرمنی سے ایسے مکانات تیار کروا رہا ہے، جس مین اس قسم کی لکڑی استعمال کی گئی ہو، ہر مہینہ پانچ کمرے والے سو مکان بنتے ہین، اور ہر مکان پر تقریباً ۵ ہزار روپیہ صرف ہوتا ہے،

ادبیات

عینیت وغیریت

از

لسان الحکمۃ شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب شاطر مدراسی

نائم اور خواب، اژدہا اور عصا، قرآن و کلام نفسی، اور شمس وضیا

جبریلؑ و شکل دحیہؓ و اعرابی جسم و جان، وزن و شعر، لفظ و معنیٰ

کلی و جزئی، اور عرض اور جوہر شخص و عکس، اور حباب و موج و دریا

نقاش و نقش، واحد اور کل اعداد اخلاق و دل، علوم اور ذہن ترا

آب و برف و بخار، رشتہ و گرہ، تخم و شجر، الفاظ و نفس، ساز و صدا

یہ نسبت عبد و ربؐ کی ہین تمثیلین ناقص تر، ناقص، اور کچھ ان سے اعلیٰ

شاطر ترک وجود کر کب تک قال

ہوجائیگا آشکار، وہ، کیا دین، کیا،

کربلا،

مریخ مین مشہود تھی جنت کی فضا ادراک مِرا موالید تھا اعجاز نما

کی سیر بہت مگر مرا جی نہ لگا، یعنی کہین کربلا کا پایا نہ پتا،

بولا مریخ، شکر کی جا شکوا،　　من یفسدُ و یسفکُ کا یہان فخل ہی کیا

مین نے کہا ظالم اُلٹی گنگا نہ بہا　　قسمت مین امانت نہین، گو تو ہے بڑا

در برتِ ہما لہ شعلۂ طور کجا

توحید

جسم و قوت، حیات و ذہن اور خدا　　حیوان انسان بنا توان کو جانا

اس مین ہے بحث کیا ہے اصلِ اشیاء؟　　ہے، مادّہ، یا ذہن ہے؟ یا وجہِ خدا؟

مبدا نہین گر حیِ ودودِ دانا،　　نغمہ نہ ہوتا، ارتقا سے پیدا

توحید مین دہری کی ہے پستیِٔ عنا　　توحید مین صوفی کی ہے مستیِٔ غنا،

قطرب زدہ عقل کی دوا ہے، یہ دوا　　اخلاق کا مرکز ہے، عمل کا ماوا

خاکی کو کہان سے ہے کہان پہونچاتا　　پیتا ہے جو خضرِ عشق یہ آبِ بقا

جب سیر ہوئی ختم تو یہ بات کھلی

فانی فانی ہے، اور باقی باقی

حقائق مجازی

از

مرزا محمد عسکری مجازؔی لکھنوی،

” دورِ ہستی “

خوشی عبث ہے، عبث، دورِ آسمان کیلئے　　نہین ہے فکر کی حاجت غمِ جہان کیلئے

حصولِ ذوقِ نظر مین گذار راہِ حیات
کہ موت امن کی منزل ہے کاروان کیلئے

"مشیت و معرفت"

بے نیازی پہ ترے ناز اٹھائے کیا کیا!
جو نہ چاہا وہ ہوا، اور جو چاہا نہ ہوا

مبدءِ فیض سے اتنا ہی گلہ ہے مجھ کو
جو نہ مانگا وہ ملا، اور جو مانگا نہ ملا،

فلسفۂ حسن

ہان، پہلے میرے دل کے وہ نقش و نگار تھے
کہلا رہے ہین اب ترا حسن و جمال جو

گو جانتا ہون، اپنے ہی دل کا قصور ہے
آنکھین یہ چاہتی ہین کہ دم بھر جدا نہو!

باب التقریظ والانتقاد

نصاب مرغوب موسوم بہ جدید الاسلوب

مولفہ مولوی قمر علی صاحب ایم اے ال ال بی علیگ ایڈوکیٹ بریلی،

مولوی قمر علی صاحب ایم اے ایڈوکیٹ بریلی کو جو عربی کے بھی عالم ہین، عربی نصاب تعلیم کی اصلاح سے گہری دلچسپی ہے، چنانچہ انھون نے عربی علم صرف و نحو اور ادب کی جلد سے جلد تحصیل کے لئے مختصر درس منظ کے علاوہ ایک ضخیم کتاب نصاب مرغوب موسوم بہ جدید الاسلوب تیار کی ہے، جس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ کتاب عربی کے قدیم نصاب تعلیم مین سے شرح جامی تک کے لئے کافی ہے، کتاب دو حصون مین منقسم ہے، ا دونون کی کلید بھی دو حصون مین "المعلم" کے نام سے شایع کی گئی ہے،

کتاب کے پہلے حصہ مین ابتداءً ایک طویل و بسیط ۸۰ صفحون کا مقدمہ ہے، جو مختلف قسم کے مباحث مشتمل ہے، سب سے پہلے "ارتقاے تمدن اور اشاعت علوم مغربی" کی بنا پر، ہر شعبہ مین عام فہم اور سہل الحصول طریقہ تعلیم کے اختیار کئے جانے کی ضرورت" دکھانے کے بعد "عربی زبان کی عظمت" "عربی زبان سیکھنے والون کی مختلف جماعتین" اور "صرف و نحو کی ضرورت" وغیرہ دکھائی گئی ہے، پھر ندوۃ العلماء کی روداد ون سے علامہ رشید رضا مصری، علامہ شبلی نعمانی، اور مولانا حکیم عبد الحئی مرحوم کی تقریرون اور مضامین کے اقتباس قدیم مدارس کے طریقہ تعلیم کے نقائص اور ہندوستان کے نصاب درس مین وقتاً فوقتاً انقلاب پیدا ہونے کا تذکرہ کر کے عربی مدرسون کے منتظمین اور مدرسین کے نام ایک کھلا عریضہ ہے، جس مین انھین ان الفاظ مین تنبیہ کی گئی ہے،

"اگر عربی مدارس مین اس نصاب (نصاب مرغوب) سے سرد مہری برتی گئی، تو ایک دن وہ آئیگا

کہ دنیادار تعلیم یافتہ مسلمان زیادہ ادیب نظر آئین گے، اور مدارس عربیہ کے پڑھنے والے جن کی عمرین مدرسہ، حجرہ، اور خانقاہ مین گذرتی ہین اُن کے مقابلہ مین سر اٹھانے کے قابل نہ ہون گے، ...... اور محروم رہکر دنیادارون سے کم قابلیت دکھاسکین گے، تو ان کے اقتدار اور وقار کو سخت صدمہ پہونچے گا"

اس کے بعد "اغراض و مقاصد تالیف و اشاعت نصاب مرغوب" پر بحث ہے، جس مین مذکورۂ بالا اصحاب کی تقریرون سے عربی زبان کی ضرورت دکھانے کے بعد اس سوال کے جواب مین کہ "کیا عربی زبان مشکل ہے؟" ارشاد ہوتا ہے،

"اب بھی اگر تمام قوم متفق ہوجائے اور کافی سرگرمی کے ساتھ نصاب مرغوب اور درس منظوم فوراً درس مین دیدیجائین تو دو سال کے عرصہ مین قومی تعلیم کی کایا پلٹ ہوسکتی ہے"

اس کے بعد "عربی زبان کی خصوصیات اور اردو زبان سے اس کے تعلقات" پر بحث کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، کہ عربی کے بہ کثرت الفاظ اردو مین اس طرح رائج ہین کہ "اگر کوئی بزرگ خاندان اپنے گھر مین ایک دن کے واسطے یہ حکم نافذ کردے کہ آج کوئی عربی کا لفظ استعمال نہ کیا جائے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس روز کوئی بات کرنا محال ہوجائے گی"، اور اسی ضمن مین عربی کے ایسے الفاظ جو اردو مین عام طور پر رائج ہین، یا جن کے معنی بھی عربی الفاظ ہی سے ادا کئے جاتے ہین، نیز مسلمانون کے عربی نام، اور عام طور پر اردو مین رائج شدہ عربی فقرون اور ضرب المثلون وغیرہ کی ایک طویل فہرست مرتب کی گئی ہے، اور اسی بحث کے نتیجہ کے طور پر عربی زبان کی تحصیل ضروری اور عربی زبان کی تحصیل کے لئے نصاب مرغوب کی تعلیم ضروری قرار دینے کے بعد چند اور ضمنی امور پیش کرکے مقدمہ ختم کیا گیا ہے،

مقدمہ کے بعد ہر دو حصہ کے مضامین کی فہرست ہے، جو ۲۰ صفحون مین آتی ہے، پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جس کا پہلا حصہ ۲۰۰ صفحون مین ہے، اور دوسرا ۲۷۶ صفحون مین، پہلے حصہ مین نحو کے قواعد اور صرف کے تمام ابواب پوری تصریح سے درج ہین، اور دوسرے حصہ مین افعال کی مشق ماضی و مضارع کے امتیاز

کے ساتھ، اور صرف ونحو کے قاعدون کی مشق عربی جملون مین کرائی گئی ہے، جس سے مصنف کا مقصد قواعد کی مشق کے ساتھ علم ادب کی تعلیم بھی دینا ہے، اور یہی اس جدید نصاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، کہ قواعد کے ساتھ مشق بھی پہلو بہ پہلو رکھی گئی ہے،

اب تک ہم نے اس کتاب کے تذکرہ مین اس کے کاغذ اور کتابت اور طبع کے حسن و قبح کا کوئی تذکرہ نہین کیا، کیونکہ یہ چیزین مختلف صفحون کے بعد مختلف حیثیت مین ہمارے سامنے آتی ہین، مثلاً کتاب کے حصۂ اول مین مقدمۂ مصنف اور فہرست کتاب کا کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ کی ہے، لیکن جہان سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے، وہان سے کاغذ کی بوسیدگی اس حد تک پہونچتی ہے کہ کہین کہین کی کرم خوردگی سے اس کے کسی قدیم قلمی کتاب ہونے کا شبہہ ہونے لگتا ہے، اور پھر آخر مین جو مسائل بطور ضمیمہ منسلک کئے گئے ہین ان کا کاغذ اور کتابت و طباعت مقدمہ کے مثل ہے، اور پھر سرورق نہایت مطلّا و مذہب آرٹ پیپر کا ہے،

کتاب کے ان مختلف حصون مین مصنف کا طرز بیان بھی اس قدر مختلف ہے کہ "قدیم" کو "جدید" اسلوب بیان مین اتارنے کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے،

ہمین افسوس ہے کہ مصنف نے "نصاب مرغوب" کو اپنے مقدمہ مین جس ہما ہمی سے پیش کیا ہے، اسے ہم انھین ستایشون کے ساتھ قبول نہین کر سکتے، بیشک "نصاب مرغوب" جب "نصاب جدید" تھا، (یہ نام مقدمہ کے بعد اصل کتاب کا سرنامہ ہے، جہان سے کاغذ کی بوسیدگی شروع ہوتی ہے) اس وقت عربی صرف و نحو کو غیر اردو مین حاصل کرنے کے بجائے اس کی طرف التفات کیا جا سکتا تھا، ورنہ ابھی چند سال مین اس موضوع پر بمبئی، دہلی اور پنجاب وغیرہ سے دورِ حاضر کے جدید طریقۂ تعلیم کو پیشِ نظر رکھ کر ایسی کتابین شایع ہو چکی ہین، اور ہوتی رہتی ہین کہ ۴۴۸ صفحے کی اس قدر طول طویل کتاب کو ان مختلف کتابون پر جو جدید اصولِ تعلیم پر مرتب ہوتی ہین، ترجیح نہین دے سکتے، درآنحالیکہ یہی مختصر کتابین سہل و آسان طریقہ سے کم سے کم وقت مین ہمین عربی علم صرف و نحو اور ادب کی تعلیم دے سکتی ہین، البتہ اردو کی ان کتابون کی تعلیم کے بعد یا اُن کا

کچھ حصہ نکل جانے کے بعد اس نصاب مرغوب کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کتاب کی ترتیب بھی بڑی حد تک ایسی ہی ہے کہ ہم اس کو ابتدائی نصاب تعلیم کہنے کے بجائے ثانوی درجہ کی کتابون کی حیثیت دے سکتے ہین، مثلاً :۔

کتاب کا پہلا سبق "جملۂ اسمیہ کی مثالین" ہے جسمین مبتدا و خبر کا اعراب بتایا گیا ہے، آغاز سبق یون ہے :۔

"جملۂ اسمیہ وہ ہے کہ دو اسم سے مل کر پوری بات ہو، اور سننے والون کو پورا مطلب سمجھ مین آجائے"

یہ کتاب کی پہلی سطر ہے، اس کے بعد مبتدا، و خبر، اور مضمون جملۂ اسمیہ، اور مبتدا و خبر کا مرفوع ہونا بتا کر ۱۱ جملون مین جملہ اسمیہ کی مثالین دی گئی ہین، ایسی صورت مین سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ایک مبتدی جو عربی صرف و نحو سے حرف آشنا بھی نہ ہو، اس سبق کو شروع کریگا تو اس کے لئے یہ پورا سبق اس وقت تک کے لئے دشوار ہے، جب تک کہ اس کے سامنے جملہ اسمیہ سے پہلے نفس اسم، فعل، اور حرف کو روشناس نہ کر دیا جائے،

اسی طرح "مضاف الیہ کا اعراب" بتاتے ہوئے جو مثالین دی گئی ہین، ان مین معطوف و معطوف علیہ کی ہم اعرابی کا تذکرہ کئے بغیر ایسے جملے بھی درج کر دیئے گئے ہین جو معطوف و معطوف علیہ پر مشتمل ہین مثلاً الطہارۃ مفتاح الصلوٰۃ کے ساتھ اللہ نور السمٰوات والارض کا سمجھنا مبتدی کے لئے دشوار ہے کہ "سمٰوات" کا مجرور ہونا تو مضاف الیہ ہونے کے باعث ہے، آخر "والارض" کیون مجرور ہوا،

اسی طرح مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتدا ہونے کی مثال کے ماتحت بغیر اس اظہار کے کہ الف لام سے خبر کی تنوین گر جاتی ہے، خبر نکرہ کے ساتھ معرف بالالف واللام خبر دن کا لانا احتیاط کے خلاف ہے، مثالون مین یکسانی قایم رہنی چاہیے، جہان تدریجی فرق کرنا ہوتا، وہان اصول و قواعد کی طرف اشارہ کرکے تدریجی طور پر فرق دکھائے جاتے،

ممکن تھا کہ مبتدی کے لئے کتاب مین اس قسم کی جو دشواریان تھین، اساتذہ کو ان کی ہدایت کر کے

"المعلم" مین حل کر دیا جاتا، لیکن اس کے صفحے بھی اس سے خالی ہین، اسمین بجز ان عربی جملون اور لفظون کے اردو ترجمہ کے جو نصاب مرغوب مین بطور مثال پیش کئے گئے ہین، اور کوئی خاص تشریح درج نہین ہے تاہم اگر کسی ایک جدید طرز کے ابتدائی رسالہ کے بعد اس کا پڑھنا پڑھانا بہرحال مفید ہوگا، اس کتاب کی مجموعی قیمت جو ۴۸۰ صفحون پر مشتمل ہے للعہ ہے، ورنہ ہر حصہ کی الگ الگ ۶؍ ہوگی، منشی محمد حیات صاحب مینجر فیضی پریس محلہ شاہ آباد بریلی سے مل سکتی ہے،

" ر "

شائقین شعر و ادب کو مژدہ

دیوان گرامی کی ترتیب و اشاعت

عرصہ سے ملک الشعراء مولانا غلام قادر صاحب گرامی مرحوم منصبدار حضور نظام دکن کے دیوان کی اشاعت کا انتظار و اصرار جاری تھا، اب شائقین شعر و ادب کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دیوان کی ترتیب مکمل ہوچکی ہے اور کتابت عنقریب شروع ہونیوالی ہے امید ہے کہ کتابت و طباعت کے تمام مراحل انشاء اللہ تین چار ماہ مین طے ہوجائین گے، اور ماہ نومبر مین کتاب شائقین تک پہونچ جائے گی،

دیوان قریباً اڑھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہوگا جس مین غزلیات، مثنویات، رباعیات اور قصائد وغیرہ سب شامل ہین، دیوان کی کتابت و طباعت علامہ سر محمد اقبال مدظلہ کے مشورہ سے ہوگی، کتابت ہندوستان کے بہترین خوشنویس منشی عبدالمجید صاحب پروین رقم کرین گے کاغذ اور طباعت بھی اعلی ہوگی، اور ہر طرح سے کوشش کیجائیگی کہ کتاب باطنی خوبیون کے علاوہ ظاہری لحاظ سے بھی لاجواب ہو، اس اطلاع کیساتھ مین لدادگان طرز گرامی کو انکے فرض کیطرف توجہ دلانا چاہتی ہون،

خاکسار، اقبال بیگم اہلیہ مولانا گرامی مرحوم، گرامی منزل ہوشیارپور

مطبوعات جدیدہ

خصائلِ نبویؐ، ازجناب مولانا محمدؐ زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور ضخامت ۲۲۶، تقطیع بڑی، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت بلاجلد عہ مجلد ۶؎. پتہ کتبخانہ یحیوی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور،

کتب احادیث مین آنحضرت صلعم کے حلیہ مبارکہ کے متعلق شمائل ترمذی سب سے مستند اور سب سے جامع سمجھی جاتی ہے، گو زمانہ ہوا کہ مولانا کرامت علی صاحب جون پوری نے ۱۲۵۲ھ مین اس کو اردو مین ترجمہ کیا تھا، اور اسی زمانہ مین کلکتہ مین ٹائپ مین چھپا تھا، مولانا محمدؐ زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم مبارکباد کے مستحق ہین، کہ اس کا اردو ترجمہ "خصائل نبوی"، کے نام سے آج کل دوبارہ شایع کیا ہے، ترجمہ کے علاوہ شروح، حواشی اور تعلیقات مستزاد ہین، اور جن کی بنا پر ہم خصائل نبوی کو ترجمہ و تالیف دونون سے موسوم کر سکتے ہین، ترجمہ صاف، سلیس اور رروان ہے، ترجمہ کے ساتھ اصل متن بھی شامل ہے، پہلے ہر صفحہ کے شروع مین شمائل کی حدیثین نمبر دیکر درج کی گئی ہین، اور ان کے نیچے نمبر کی ترتیب کے ساتھ ترجمہ درج ہے، اور جس حدیث کی تشریح یا کسی تطبیق وغیرہ کی ضرورت پڑی ہے، تو قوسین یا "ن" کی علامت سے اُس کو اصل ترجمہ کی عبارت سے جدا کر کے لکھا ہے، اور جو چیزین عربی خوان طلبہ کے درس و تدریس سے مخصوص طور پر متعلق تھین ان کی تشریح عربی مین کی ہے، ہم مترجم کو اس مبارک خدمت پر دل سے مبارکباد دیتے ہین،

الجزء الاول من دروس الادب، مولفہ مولوی سید منظفر الدین صاحب ندوی ایم اے، پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ حجم ۸۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی خوشنما ٹائپ مین، قیمت ۸؍ پتہ مولوی خوندکار فیض الدین احمد ایم اے، یونیورسل لائبریری نمبر ۴۸ ویلسلی اسٹریٹ کلکتہ،

مولوی سید منظفر الدین صاحب ندوی پروفیسر اسلامیہ کالج کی انگریزی ترجمۂ املا کی کتاب کا تذکرہ کسی گذشتہ

معارف میں آچکا ہے، موصوف نے زیر تبصرہ رسالہ انگریزی مدارس میں عربی زبان کے درس کے لئے لکھا ہے، رسالہ کی ترتیب جدید طریقۂ تعلیم پر مبنی ہے، رسالہ کئی اسباق پر مشتمل ہے، ہر ایک سبق میں عربی کے چند الفاظ اور ان کے انگریزی معانی بتانے کے بعد تدریجی طور پر صرف و نحو کے قواعد نہایت صاف سلیس اور بچوں کے لائق عام فہم انگریزی میں بتائے گئے ہیں، پھر ان کی مشق عربی جملوں اور ان جملوں کے انگریزی معنی سے کرائی ہے، اسی کے ساتھ عربی کے چھوٹے چھوٹے جملے انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے دیئے ہیں، اور عربی کے مشکل الفاظ کو قوسین میں حل کیا ہے، یہ رسالہ بنگال ٹکسٹ بک کمیٹی میں منظور ہو چکا ہے، ضرورت ہے کہ دوسرے صوبوں کے مدرسوں میں بھی اس کو رائج کیا جائے، کیونکہ عربی صرف و نحو کی اصطلاحوں کو انگریزی گرامر کی اصطلاحوں کے ذریعہ سے سمجھنے میں انگریزی خوان طلبہ کو کافی آسانی ہوگی،

نقش و نگار، از جناب جلیل احمد صاحب قدوائی، بی اے علیگ، حجم ۷۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ، مصنف سے ذیل کے پتہ پر مل سکتی ہے، "مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، یا "کاشانہ،" اناؤ،

جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ، نثر کی دنیا میں "سیر گل"، کا سماں دکھا چکے ہیں، اب انھوں نے نظم کی دنیا میں بھی قدم رکھا ہے، اور اپنے قلم کی گلکاریوں سے ایک نیا "نقش و نگار"، بنا کر پیش کیا ہے، یہ موصوف کی نظموں اور غزلوں کا ایک مختصر مجموعہ ہے، ابتدا میں موصوف کے کالج کے استاذ جناب احسن مارہروی کا "تعارف"، اور جناب عبد الشکور صاحب کا "مقدمہ"، درج ہے،

جلیل کی شاعری کی عمر گو ابھی مختصر ہے لیکن اسی عمر میں ان کے کلام پر چند دور گذر گئے، ابتداءً انھوں نے اپنے ہموطن شاعر حسرت موہانی کا رنگ تغزل اختیار کیا، پھر اصغر و جگر کی پیروی کی، اور ہم مبارکباد دیتے ہیں کہ کسی پرتو کے اوتار میں وہ ناکام نہیں کہے جاسکتے

عقائدِ اسلام، از مولانا عبد الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی مرحوم، حجم ۱۳۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط، قیمت ۸؍ پتہ، مولوی سید کلیم احمد صاحب ندوی، منیجر شبلی بک ڈپو، لکھنو،

مولانا عبد الرحمن صاحب ندوی نگرامی مرحوم نے نوعمر بچون کو اسلام کی حقیقت سمجھانے کے لئے سہل، سادہ اور چھوٹے چھوٹے جملون اور دل نشین انداز بیان مین یہ رسالہ لکھا تھا، اب ان کی وفات کے بعد شایع کیا گیا ہے، یہ رسالہ بچون اور بچیون کو سبقاً سبقاً پڑھانے کے لایق ہے،

عرب کی شاعری، مرتبہ جناب محمد سردار علی صاحب اڈیٹر تجلی، حجم ۷۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت صرف ۴؍ جو رسالہ کی حیثیت سے بہت کم ہے، پتہ:۔ مولوی غلام محمد صاحب معتمد کتب خانہ مسجد چوک، حیدر آباد دکن،

مولانا وحید الدین صاحب سلیم مرحوم نے "عرب کی شاعری" کے عنوان سے عربی شاعری پر ایک دلچسپ اور مفید تبصرہ کیا تھا، اور عرب شعراء کے کلام کے مختلف نمونے اردو مین پیش کئے تھے، یہ مضمون رسالہ اردو مین شایع ہوا تھا، اب مولانا کی وفات کے بعد جناب محمد سردار علی صاحب اڈیٹر تجلی نے اس کو رسالہ کی شکل مین شایع کیا ہے، رسالہ اپنے موضوع پر دلچسپ و پر معلومات ہے،

تصوف، از مولانا عبد الغنی صاحب وارثی حجم ۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ متوسط قیمت ۲؍ پتہ:۔ جناب وحید احمد صاحب شیخوپور ضلع بدایون،

مولانا عبد الغنی صاحب وارثی بہاری مرحوم نے الطبقات الکبریٰ امام شعرانی کو "نعمت عظمیٰ" کے نام سے اردو مین منتقل کیا تھا، اس کتاب کی اشاعت کو ایک زمانہ گذر گیا، اور اب شاید کتب فروشون کے یہان دستیاب بھی نہین ہوتی ہے، مولوی وحید احمد صاحب بدایونی شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے اپنے ذوق سے اس کتاب کے مقدمہ کو رسالہ کی صورت مین "تصوف" کے نام سے شایع کیا ہے، اس مین امام شعرانی نے علم تصوف کی حقیقت اور صوفیاے کرام کی عظمت و مرتبت کی توضیح کی ہے، رسالہ پڑھنے کے لائق ہے،

جلد ۲۶ (بست و ششم) | ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

خوشی کی بات ہے کہ دارالمصنفین یا شبلی اکاڈیمی کے قیام کے بعد سے ملک مین اردو کی کئی اکاڈیمیان یا علمی وادبی مجلسین مختلف نامون سے قائم ہو رہی ہین، اردو اکاڈیمی دہلی، مسلم اکاڈیمی لکھنؤ، ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور، پنجابی اردو اکاڈیمی لاہور وغیرہ متعدد علمی مجلسین ظہور پذیر ہوئی ہین، اور ہو رہی ہین، ابھی حال مین بعض علم دوست اصحاب نے "ایوانِ اشاعت" کے نام سے ہمارے ہمسایہ شہر گورکھپور مین تالیف و اشاعت کا ایک مرکز قائم کیا ہے،

ایوان مذکور کے مدیرون نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ ادبیات، حکمیات (فلسفہ اور سائنس) اور تاریخیات کے متعلق $\frac{20 \times 30}{16}$ کی ایک ہی تقطیع کی کتابین شائع کرین گے، ایک سہ ماہی رسالہ نکالین گے، اور ایک مکتبہ (بک ڈپو) قائم کرین گے، دس روپیہ سالانہ اس کی عام رکنیت کا چندہ مقرر کیا ہے، امید ہے کہ اہلِ علم حضرات اس نوخیز مجلس کی ہمت افزائی کرین گے، پتہ ایوانِ اشاعت گورکھپور،
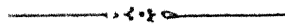
آج تمام ہندوستان مین نادر عربی کتابون کی طبع و اشاعت کا ایک اور صرف ایک مرکز ہے یعنی دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ سنسکرت کتابون کی اشاعت کے کتنے مستقل مرکز ہین، ٹراونکور، میسور، بڑودہ اور کشمیر کے ریاستی سلسلون کے علاوہ پونہ، کلکتہ اور بنارس کے مجلسی سلسلے قایم ہین، اور ہر سال سنسکرت کے مطبوعہ ذخیرہ مین اضافہ کرتے رہتے ہین،
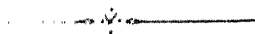
کتابون کی طبع و اشاعت کا سلسلہ تو الگ رہا، کوئی ایسا تجارتی کتبخانہ بھی نہین جہان عربی اور فارسی کی تمام مطبوعات مل سکین، جو جرمنی، فرانس، انگلستان، ہولینڈ، اٹلی، قسطنطنیہ، مصر، شام عراق، اور ایران کی چھپی ہوئی کتابون کو فراہم کرکے شائقین کے ہاتھون تک پہونچائے، ایشیاٹک سوسائٹی ہندوستان مین قائم ہے، مگر اُس کی مطبوعات کو لندن سے منگوانا کلکتہ سے منگوانے سے زیادہ آسان ہے،

بمبئی کے کتب فروش مصری مطبوعات سے آگے نہین بڑھتے، اور وہ بھی مذہبی اور زیادہ تر فقہی کتابون کے ذخیرے جمع کرتے ہین، اگر کاش وہ اپنے کاروبار کو ممالک اسلامیہ ہی تک وسعت دیسکتے تو بھی سہولت ممکن تھی، انھین وجوہ سے کئی سال سے بار بار خیال آتا ہے کہ مشرقی کتابون کا کوئی ایسا تجارتی کتبخانہ کھل جائے جو تمام دنیا سے عربی و فارسی مطبوعات کو یکجا کرکے پیش کرے، مگر یہ چیز اہلِ قلم سے زیادہ اہلِ سرمایہ کے کرنے کی ہے،

ابھی حال مین پونہ مین "اورنٹیل بک ایجنسی" کے نام سے سنسکرت، پالی اور پراکرت کتابون کا بہت بڑا تجارتی کتبخانہ قائم ہوا ہے، جو تمام دنیا سے ان زبانون کی چھپی ہوئی کتابون کو یکجا کرکے شائقین کے ہاتھون تک پہونچائے گا، اس کی مئی ۱۹۲۸ء کی فہرست اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس کے سرلوح پر اس ایجنسی کے کارپرداز یہ اعلان کرتے ہین:۔

"یہ ایجنسی یہ ذمہ لیتی ہے کہ دنیا کے کسی حصہ مین جو کتاب قدیم ہندوستان کے متعلق ہوگی وہ اسکو ہم پہونچائیگی"،

یہ فہرست تین سو صفحون مین پھیلی ہوئی ہے،

عربی اور فارسی کو جانے دیجئے، اردو ہی کو لیجئے، تمام ہندوستان مین کوئی ایک ایسا دارالاشاعت

ہے، جہان اردو کی تمام بہترین کتابون کو یکجا فراہم کرنے کا اہتمام ہو، اردو کی جو کم مایہ ایجنسیان قائم ہین، ہوتی ہین وہ کاروبار اور معاملہ کے بجائے مصنفین اور مطبعون سے اخلاقی تعلقات کے دباؤ سے کچھ سرمایہ اکٹھا کر کے فروخت کرتی ہین، اور برس چھ مہینون کے کاروبار کے بعد آمدنی کا کچھ حصہ اہل قلم اور مصنفین اور شایع کرنے والون کو بھی دیدیتی ہین، نام لیکر کسی کو رسوا کرنا نہین چاہتے، تاہم ایک دو کو چھوڑ کر باقی تمام ایجنسیان باقاعدہ کاروبار سے محروم ہین، اور ان کی حالت سخت افسوسناک ہے،

اس تحریر سے مقصود کوئی اخلاقی موعظت نہین ہے، بلکہ یہ کہنا ہے کہ جب تک اردو بک ایجنسیان باقاعدگی اور ایمانداری کے ساتھ پورے تجارتی اصول اور کاروبار کے مطابق اس کام کو نہین کرنگی نہ وہ خود کوئی بڑا مالی فائدہ اٹھا سکین گی اور نہ ملک کی علمی و ادبی خدمت انجام دے سکین گی،

اس افلاس اور تنگ حالی کے باوجود اردو کی کتابین ملک مین کافی چھپتی ہین، مگر چونکہ کہین یکجا نہین ہوتین، اس لئے وہ بہت تھوڑی اور ناکافی معلوم ہوتی ہین، اور اکثر کتابون کا تو پتہ بھی نہین چلتا، اچھی سے اچھی کتابین چھپتی ہین، اور کسی گوشۂ گمنامی مین پڑ کر ختم ہو جاتی ہین،

اصل یہ ہے کہ اس کام کو اب تک زیادہ تر اہل قلم اصحاب نے کیا ہے، جو مالی سرمایہ سے محروم ہین، اور یا بعض جاہل تاجرون نے کیا ہے، جو کتابون کی قدر و قیمت سے ناواقف ہین، وہ صرف اسکولون اور کالجون کے کورس کی کتابون کا ذخیرہ فراہم کرتے ہین، یہ کام ان دونون جماعتون کے مل کر کرنے کا ہے، اہل سرمایہ اپنا سرمایہ لگائین، اور اہل علم اپنی محنت اور قوت انتخاب سے انکی مدد کرین، اس طرح دونون کو پوری کامیابی حاصل ہو سکتی ہے،

آج کا زمانہ پچھلے زمانہ سے تمامتر مختلف ہے، گذشتہ زمانہ مین اہل شوق ڈھونڈ ڈھونڈ کر خود مصنفین تک پہونچتے تھے، اور اُن کے غور و فکر کے نتائج کو اپنے ہاتھون سے نقل کر کر کے اہلِ وطن کے لئے تحفہ لیجاتے تھے، سلاطین اور امراء ان تصنیفات پر اُن کو گران بہا انعامات دیتے تھے، اور اپنے کتبخانون مین اُن کے نسخے خریدتے تھے، آج ترقی یافتہ ملکون مین اس جمہوری عہد مین یہ کام علمی مجلسون اور دارالاشاعتون نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، وہ مصنفین کے دماغی سرمایہ کو خریدتے ہین، اور شائقین تک پہونچا کر نفع اٹھاتے ہین، ہمارے ہان دونون طبقے اب تک ملے نہین ہین، نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص کو مصنف بھی بننا پڑتا ہے، سرمایہ دار پبلشر بھی ہونا پڑتا ہے، خود ہی چھپوانا پڑتا ہے، خود ہی کاپیون اور پروفون کی تصحیح کرنی پڑتی ہے، اور خود ہی چھپے ہوئے پلندون کو بغل مین دبا کر بازارون مین یہ صدا بھی لگانی پڑتی ہے،

من قماش فروشِ دلِ صد پارہ خویشم

کس درجہ افسوسناک منظر ہے،

ابھی جرمنی کے ایک مشرقی دارالاشاعت کی فہرست مین "میر کے نشتر" ایک اردو مجموعہ کا اعلان پڑھا تو حیرت مین غرق ہوگیا، ایک ہم ہین کہ لاہور کو لکھنؤ کی خبر نہین، اور لکھنؤ کو حیدرآباد سے واسطہ نہین، اور ایک یہ قوم ہے جس نے دنیا کی طنابین کھینچ کر کرۂ زمین کے ہر گوشہ سے اپنے کو قریب کر لیا ہے، اور جہان جو چیز مل سکتی ہے، اُس کو اپنے دامن مین سمیٹ لیتی ہے،

کیا لاہور، دلی، لکھنؤ کسی کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے انتہائی جنوبی گوشہ مین میسور گورنمنٹ نے اردو معلمین اور مدرسین کے لئے اصول تعلیم و تدریس پر اس سال اردو کی ایک نہایت ہی عمدہ کتاب چھپوائی ہے، جس کے متعلق یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ اردو مین اس موضوع پر اس قدر عمیق اور

فلسفیانہ کتاب آج تک شائع نہین ہوئی ہے، جناب سلطان محی الدین صاحب ایم اے، ایم اے ڈی،
نائب ناظم تعلیمات میسور اس کے انگریزی مصنف، اور سید ابو یونس صاحب بی، ایس سی، بی، ٹی سپرنٹنڈنٹ
ٹریننگ کالج میسور اس کے اردو مترجم ہین، اور میسور گورنمنٹ پریس اس کا شائع کنندہ ہے، ریاست میسور
کی اس بے بہا کوشش کی جس قدر داد دیجائے کم ہے، حیدرآباد کے علاوہ دوسری اسلامی ریاستون کے
لئے، اس کی یہ خدمت حد درجہ قابلِ رشک ہے،

اردو معلّمین و مدرسین کے لئے اصول تعلیم پر میسور گورنمنٹ کا ایک ایسی اہم کتاب کو شائع کرنا خود
ظاہر کررہا ہے، کہ ریاست مذکور نے اپنی مسلمان رعایا کی خاطر اردو مدرسون اور مکتبون کی بنیاد ڈالی
ہے، اور ان کے لئے وہ باقاعدہ معلّم و مدرس بھی تیار کرتی ہے، یہ تو اُس دور افتادہ خطہ کا حال ہے،
جہان ایک ہندو ریاست حکمران ہو، جہان ہندوؤن کی کثیر آبادی ہے، جہان کے مسلمانون کی بھی اُردو
مادری زبان نہین، لیکن ایک پاس ہی کے صوبہ بہار پر نظر ڈالئے، جہان اردو نہ صرف مسلمانون
کی بلکہ ہندؤون کی بھی مادری زبان ہے، جہان انگریزی حکومت قائم ہے، جو پچھلے دور مین اردو کا ایک
مرکز رہا ہے، جس کے دار السلطنت کو اردو کے ایک علمی و ادبی زبان بنانے مین دخل کامل رہا ہے، اور عجیب تر
یہ ہے کہ یہ کوشش خود یہان کے ہندو فرمانرواؤن کے ذریعہ انجام پائی، آج وہان کی عدالتون مین اردو
کو بار نہین اور اردو خط وہان سرکاری دفاتر سے خارج ہے،

پچھلے سال صوبہ بھر کے مسلمانون نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ سرانٹی مگڈانلڈ کی اس "لعنت" کو
ملک سے دور کیا جائے، کونسل مین تحریک پیش ہوئی، نامنظور ہوئی، اور آخر ہندو ممبرون کی ایک
واک آوٹ کی پالیسی کا نقصان ان پر ثابت کرنے کے لئے اُنکی غیر حاضری مین دھوکے سے یہ تجویز پیش

کرا کے منظور کرا لی گئی، مگر گورنمنٹ کو تو اس سے صرف ہندو ممبرون کو سبق دینا تھا، اس لئے جب عمل کا وقت آیا تو مسلمانون کو جواب ملا کہ "ہم اقلیت کو خوش کرنے کے لئے اکثریت کو ناراض نہین کر سکتے"،
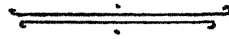
موجودہ سیاسی تحریک کے موقع پر مسلمان سوراجیون نے گورنمنٹ کی اس پالیسی کو سامنے رکھکر مسلمانون کو ترغیب دی کہ "جب گورنمنٹ اقلیت کو خوش رکھنے کے لئے اکثریت کو ناراض نہین کر سکتی تو اقلیت کو خود اپنے خوش رہنے کے لئے چاہئے کہ اکثریت کو اپنے سے راضی کرے"، اس دلیل نے سیکڑون کونسلون کی متفقہ تجویزون سے زیادہ مؤثر ہونے کا ثبوت دیا، اور "اکثریت کی ناراضی" کا خیال کئے بغیر "اقلیت کو خوش" کرنے کی یہ تدبیر کی گئی کہ پٹنہ کمشنری مین اردو خط کی امتحاناً اجازت دیدی گئی، مگر ساتھ ہی اردو کے ساتھ رومن خط کو بھی اس اجازت مین شریک کرکے اردو کے دائرہ کو کم کرنا ضروری سمجھا گیا، نہین معلوم رومن خط کی اجازت صوبہ کی اقلیت کو خوش کرنے کے لئے ہے، یا اکثریت کے، یا کسی "اقل قلیل جماعت" کے،
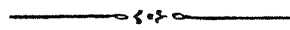
بہرحال اب اس کمشنری کے اُردو دان اور اردو پسند اصحاب کا یہ فرض ہے کہ اس حق کو عنایۃً عارضی اور امتحانی طور پر قبول کرنے کے بجائے، اپنی کوششون سے مستقل طور سے حاصل کرین اور یہ بغیر اس کے ممکن نہین کہ اردو اخبارات، رسائل اور کتابین شایع کی جائین، پریس اور مطابع قائم کئے جائین، سرکاری دفاتر اور ڈاکخانون سے اردو فارم بکثرت مانگے اور استعمال کئے جائین، اردو انجمنین اور مجلسین بنائی جائین، صوبہ کے اردو مصنفین اور اہل قلم کی حوصلہ افزائی کیجائے، دیہاتون مین اردو مکتبون کے قیام پر زور دیا جائے، اور ان کے لئے خود صوبہ کے اندر ابتدائی کتابین تیار کیجائین،

ہندوستان کی دوسری صوبہ وار زبانون مین ملیالم (ملیباری) زبان کو اس لحاظ سے خاص اہمیت ہے کہ وہ اس ملک مین مسلمانون کی پہلی نوآبادی کی یادگار ہے، مگر افسوس ہے کہ علمی و تعلیمی لحاظ سے یہان کے مسلمان بہت پیچھے ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنکی مادری زبان فقہ و دینیات کی چند کتابون کے علاوہ بالکل تاریخ وادبیات سے بالکل خالی ہے، خوشی کی بات ہے کہ اب یہان کے نوجوان مسلمانون نے ادھر کوشش شروع کی ہے، دارالاسلام کے نام سے ایک ضخیم رسالہ نکالا ہے، اردو کی بعض بہترین کتابون کا ترجمہ ملیالم مین کر رہے ہین، اسی سلسلہ مین علامہ شبلی مرحوم کی **الفاروق** کا ملیباری زبان مین ترجمہ شایع کیا ہے، اس سلسلہ کو وہ مزید وسعت دینا چاہتے ہین،

میواڑ (راجپوتانہ) سے ایک دوست مطلع کرتے ہین کہ ان کے ہان کی متعلقہ یونیورسٹی مین مسٹر اسمتھ کی تاریخِ ہند پڑھائی جاتی ہے، جس مین حسب دستور اسلام کے ہندوستان مین شانِ نزول کی تمہید مین لکھا ہے کہ "مسلمانون نے آکر یہان تلوار کی نوک سے اپنا مذہب پھیلایا، اور کسی کو ایک بھاری رقم (جزیہ) ادا کئے بغیر اپنے مذہب پر قایم رہنے کی اجازت نہین دی"، اولاً تو یہ جان لینا چاہئے کہ یہ بھاری رقم (جزیہ) کیا ہے، دولتمندون سے دس روپیے، اور غریبون سے ڈھائی روپیے، عورتین، بچے، بوڑھے معذور، مذہبی اہلِ منصب مستثنیٰ، ثانیاً کیا مورخ مذکور کو اس نوکِ شمشیر سے مسلمان کرنے کا کوئی واقعہ معلوم ہے؟ اگر ہے تو کیا، رومی عیسائی شہنشاہون کی مملکت مین بت پرستون کو اور سواحلِ ہند پر قبضہ کرکے ہندوون اور مسلمانون کو زبردستی عیسائی بنانے کے واقعات سے وہ زیادہ ہین؟

بہرحال یہ موقع مصنف سے سوال وجواب اور ردّ واعتراض کا نہین ہے، بلکہ یونیورسٹی کے کارپردازون سے سوال ہے کہ جب مسلمان عیسائیون کے اس گھڑے ہوئے [illegible] کو اپنے مذہب کی توہین

سمجھتے ہین تو ایسی کتابون کو مشترک قومون کے نصاب تعلیم مین داخل رکھنا کہان تک موزون ہے؟ اب وقت آگیا ہے کہ عیسائی مصنفین اپنے عہدِ جاہلیت کے افسانون کو علم وتحقیق کی روشنی کے عہد مین بھلا دین، ہم کو اُمید ہے کہ نصاب تعلیم سے ایسی لغو کتاب علٰحدہ یا اس مین مناسب اصلاح کر دیجائے گی،

مسٹر مارمڈیوک پکتھال جو ایک راسخ العقیدہ انگریز مسلمان ہین، اور مدت تک مصر وٹرکی، اور ہندوستان مین رہ چکے ہین، اور بالفعل حیدرآباد دکن کے ایک اسکول مین ہڈ ماسٹر ہین، عربی کے ایک متوسط درجہ کے فاضل ہین، لیکن مصر کے قیام کے سبب سے عربی سے بہت کچھ آشنا ہین، ان کا مدت سے ارادہ تھا کہ وہ انگریزی مین قرآن پاک کا "روح پرور ترجمہ" کرین، میری انکی ملاقات انگلستان سے ہے، مگر غالباً ۱۹۲۷ء مین وہ جب انگلستان سے کولمبو ہو کر ہندوستان واپس آرہے تھے، تو مدراس مین ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی، اس وقت انھون نے اس ترجمہ کا ذکر کیا، اور سورۂ روم کا جو ترجمہ انھون نے کیا تھا، وہ دکھایا، اور یہ بھی کہا کہ کسی امریکن دارالاشاعت نے اس کے چھاپنے کا ذمہ لیا ہے، اسی دوران مین انھون نے احمدی ترجمہ کو "بے روح ترجمہ" کا خطاب دیا تھا، اور خود وہ جس ترجمہ کو چاہتے تھے، اس کے لئے شعلہ زن، یا آتشین (FIERY) صفت ظاہر کی تھی،

مسٹر موصوف کا یہ شوق دیکھ کر سرکار نظام خلد اللہ ملکہٗ نے ان کو معاوضۂ کثیر کے ساتھ دو برس کی لمبی رخصت عنایت کی، اور وہ مصر اور انگلستان مین رہے، آخری اطلاع کے موجب یہ سنکر مسرت بےاندازہ ہوئی کہ موصوف نے اپنا "آتشین" ترجمہ تیار کرلیا، اور مصر کے بعض مشہور علماء نے اس کی صحت پر مہر توثیق ثبت کی، خدا کرے کہ ان کا یہ کام ایسا ہی انجام پایا ہو، اور مذہب کی طرف سے مغرب کے افسردہ دلون کی گرمی اور حرارت کا باعث ہو،

مقالات

معجم البلدان

اور

یاقوت حموی

از

مولینا عبدالسلام ندوی

اسلام نے غلامون کو ترقی کے جو مواقع عطا کئے، اس کی بہترین مثال یاقوت حموی ہے، جو دراصل رومی نژاد تھا، اور روم ہی مین ۵۷۵ھ مین پیدا ہوا، لیکن تربیت اسلام کے آغوش مین پائی، کیونکہ وہ بچپن ہی مین گرفتار کرکے غلام بنالیا گیا تھا، اس کو بغداد مین ایک تاجر نے جس کا نام عسکر بن ابی نصر ابراہیم حموی تھا خرید لیا، عسکر لکھ پڑھ نہین سکتا تھا، اس لئے اس نے یاقوت کو مکتب مین بٹھادیا، تاکہ جب وہ لکھ پڑھکر ہوشیار ہوجائے، تو اس کو تجارتی حساب کتاب کے کام مین لگائے، یاقوت نے اس طرح لکھنا پڑھنا سیکھ لیا، اور جب بڑا ہوا تو کسی قدر نحو اور لغت مین بھی استعداد بہم پہونچائی، اب اس کے آقا نے اس کو تجارتی کاروبار مین لگادیا، اور اس غرض سے وہ کیش، عمان، اور شام تک کا سفر کرتا رہا، لیکن سوء اتفاق سے آقا و غلام مین ناچاقی ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ۵۹۶ھ مین یاقوت کو آزاد کرکے بالکل الگ کردیا، اب یاقوت کی علمی زندگی کا آغاز ہوا، اور اس نے اجرت پر کتابت کرنا شروع کی، اور اسی سلسلہ مین مطالعہ کی بدولت

بہت سے علمی فوائد حاصل کئے، اس کے بعد اس کے آقا نے پھر اس کو اپنے یہان بلا لیا، اور کیش کی طرف اسکو تجارتی سفر کے لئے بھیجا، لیکن جب یاقوت اس سفر سے واپس آیا تو اس کا آقا مر چکا تھا، اس لئے اس کے پاس جو مال و اسباب تھا، اس کا کچھ حصہ اپنے آقا کی اولاد اور بی بی کو دیدیا، اور بقیہ کو خاص اپنا سرمایہ بنا کر کتابون کی تجارت شروع کر دی، یہ ایک بے ضرر علمی تجارت تھی لیکن بدقسمتی سے یاقوت خوارج کی بہت سی کتابون کا مطالعہ کر چکا تھا، اور اس کے دل و دماغ ان کے اثر سے متاثر ہو چکے تھے، اس لئے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مخالف ہو گیا تھا چنانچہ جب اس نے ۶۱۱ھ مین دمشق کا سفر کیا تو دمشق کے بازار مین بعض حامیان علیؓ سے مناظرہ کیا اور اس مناظرہ مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بعض نا ملائم الفاظ استعمال کئے اسلئے وہان کے لوگون مین سخت اشتعال پیدا ہوا، اور وہ یاقوت کی جان کے خواہان ہو گئے، شہر کے حاکم کو بھی اس کی خبر ہو گئی، اور اس نے یاقوت کو طلب کیا، لیکن یاقوت دمشق سے بچ کر نکل بھاگا، اور اسی خوف و خطر کی حالت مین حلب پہونچا، اور حلب سے موصل، موصل سے اربل، اربل سے خراسان پہونچکر دم لیا، خراسان پہونچ کر اس نے تجارتی کاروبار شروع کر دیا، اور اس سلسلہ مین ایک مدت تک مرو مین قیام کیا، مرو سے نکل کر نسا پہونچا، اور وہان سے خوارزم گیا، لیکن خوارزم پہونچ کر اس کی شوریدہ بختی پھر رنگ لائی، اور ۶۱۶ھ مین تاتاری غارت گری شروع ہوئی، اور وہ سخت پریشانی و سراسیمگی کی حالت مین وہان سے بھاگ کر موصل پہونچا، اور وہان کچھ دنون قیام کیا، پھر سنجار ہوتا ہوا حلب پہونچا اور وہین رمضان ۶۲۶ھ مین وفات پائی، لیکن یاقوت نے محض تجارتی اغراض سے کتب فروشی نہین کی بلکہ ان پریشانیون کے ساتھ اس نے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھا، اور نہایت ضخیم کتابین تصنیف کین جن کے نام حسب ذیل ہین،

(۱) ارشاد الالبیار الی معرفۃ الادباء علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ کتاب چار جلدون مین ہے اور اس نے اس مین نحویون، لغویون، مورخون

اور انشا پردازون وغیرہ کے حالات لکھے ہین، لیکن اس کتاب

کی سات جلدین شایع ہو چکی ہین، اور اس کا نام ارشاد الاریب

الی معرفۃ الادیب ہے، اور وہ معجم الادبار کے نام سے زیادہ

تر مشہور ہے، لیکن علامہ ابن خلکان نے معجم الادبار کا نام

اس سے الگ مستقل کتاب کی حیثیت سے لیا ہے،

(۲) معجم الشعرار — شعرار کے حالات مین ہے،

(۳) کتاب المشترک وضعاً المختلف صقعاً،

(۴) کتاب المبدر و المال، — تاریخ مین ہے،

(۵) کتاب الدول،

(۶) مجموع کلام ابی علی الفارسی،

(۷) عنوان کتاب الاغانی،

(۸) المقتضب فی النسب، — اہل عرب کے انساب مین ہے،

(۹) کتاب اخبار المتنبی

لیکن اس کی سب سے زیادہ مشہور کتاب معجم البلدان ہے جس پر ہم ریویو لکھنا چاہتے ہین،

سبب تالیف | اس عظیم الشان کتاب کی تصنیف کا خیال اس کے دل مین ایک نہایت معمولی واقعہ نے پیدا کیا، ۶۱۵ھ مین مرو شاہجہان مین ایک محدث کی درسگاہ مین اس سے حباشہ کے متعلق سوال کیا گیا، حباشہ زمانہ جاہلیت مین عرب کے ایک بازار کا نام تھا، اور یہ نام حدیث مین آگیا تھا، اس بنا پر اس لفظ کی تصحیح و تحقیق جغرافیانہ حیثیت سے ہو سکتی تھی، لیکن یاقوت نے لغوی حیثیت سے اس کا یہ جواب دیا، کہ اس کا صحیح تلفظ بضم حا ہے، لیکن ایک محدث نے اس پر اصرار کیا کہ یہ لفظ بفتح حا ہے، یاقوت نے نقل

حیثیت سے اس بحث کا فیصلہ کرنا چاہا، اور اس غرض سے غرائب حدیث اور لغت کی بہ کثرت کتابین دیکھین لیکن ناکامیابی ہوئی، بالآخر ایک مدت کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اس نے اس لفظ کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہی صحیح تھا، اب اس کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ اس فن مین ایک جامع کتاب کی ضرورت ہے جسمین تمام مقامات کے تلفظ کی تصحیح کیجائے، تاکہ ان کے متعلق کسی قسم کی غلطی واقع نہ ہو،

ماخذ کتاب، یاقوت سے پہلے اس فن مین جو کتابین لکھی جاچکی تھین ان کی دو قسمین تھین،

(۱) ایک قسم مین صرف مشہور اور آباد شہرون کا ذکر کیا گیا تھا،

(۲) اور دوسری قسم مین صرف ان میدانی مقامات کا تذکرہ تھا جن مین اہل عرب آباد تھے، اور جنکا ذکر ان کے اشعار مین آتا تھا،

پہلی قسم کے متعلق حکماے یونان مثلاً افلاطون، فیثاغورث اور بطلیموس وغیرہ نے جو کتابین لکھی تھین، ان مین اگرچہ متعدد کتابین یاقوت کے ہاتھ آئین، لیکن ان مین جن مقامات کا ذکر تھا، ان مین اکثر امتداد زمانہ سے مٹ چکے تھے، اور ان کا کوئی عین و اثر باقی نہ تھا، اس لئے انکا اکثر حصہ اس کے لیے بیکار تھا، البتہ مسلمانون مین ابن خرداذبہ، احمد بن واضح جیہانی، ابن الفقیہ، ابوزید بلخی، ابواسحاق اصطخری، ابن حوقل، ابوعبداللہ البشاری، حسن بن محمد مہلبی، ابن ابی عون بغدادی اور ابوعبید البکری نے اسی طرز پر اس فن مین جو کتابین لکھی تھین، وہ باقی تھین، اور وہ یاقوت کے کام آسکتی تھین،

دوسری قسم کی کتابین زیادہ تر ادبا، مثلاً ابوسعید الاصمعی، ابوعبید السکونی، حسن بن احمد ہمدانی، ابواشعث کندی، ابوسعید سیرافی، ابومحمد الاسود الغندجانی، ابوزیاد الکلابی، محمد بن ادریس بن ابی حفصہ ہشام بن محمد الکلبی، ابوالقاسم زمخشری، ابوالحسن عمرانی ابوعبید البکری الاندلسی، ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی وغیرہ نے لکھی تھین، اور ان سب سے یاقوت نے پورا فائدہ اٹھایا، لیکن اس نے صرف انھین کتابون پر اکتفا نہین کیا، بلکہ عرب کے دواوین، محدثین کی تصنیفات، اہل ادب اور محدثین کی تاریخ، زبانی روایتون

اور مختلف کتابون کے ضمنی مقامات سے بھی مدد لی اور اپنے سیر و سیاحت مین جو کچھ دیکھا تھا، اُن سب کو اس کتاب مین درج کیا،

کتاب کی خصوصیات خود یاقوت کے الفاظ مین اس کتاب کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

"پہلے طبقہ (حکماے یونان) کی کتابون مین مقامات کے نامون مین تصحیف و تغیر ہوگیا تھا اور وہ مٹ چکے تھے اور جن لوگون نے ان کو لکھا تھا، انھون نے اس کو مسخ کر دیا تھا، دوسرے طبقہ کی کتابون مین اگرچہ یہ عیوب نہین تھے لیکن وہ غیر مرتب اور غیر تسکین بخش تھین، کیونکہ ان مین نہایت اختصار کے ساتھ کام لیا گیا تھا، اور ان کا مقصد صرف الفاظ کی تصحیح تھا اس کے علاوہ انھون نے اور تمام چیزون کو نظر انداز کر دیا تھا، لیکن ان کی کتابون مین جو کچھ متفرق طور پر پایا جاتا تھا، مین نے ان سب کو جمع کر دیا، اور اُنھون نے جو چیزین چھوڑ دی تھین ان سب کا اضافہ کیا، مین نے اس کتاب کو حروف تہجی کی ترتیب کے موافق لکھا، اور ہر نام کے حروف کے متعلق یہ ظاہر کر دیا کہ وہ ساکن ہے، یا مفتوح ہے یا مضموم ہے یا مکسور ہے، پھر اگر وہ نام عربی تھے تو ان کا اشتقاق بتایا ہے، اور اگر وہ عجمی تھے تو جہان تک مجھے معلوم ہوا، ان کے معنی بتائے اور نیز یہ کہ وہ کس اقلیم مین ہین، ان کا طالع کیا ہے؟ اور کون سا ستارہ ان پر غالب ہے؟ کس نے ان کو بنایا ہے؟ کونسا مشہور شہر ان کے قریب ہے؟ اور ان کے قرب و جوار مین جو مقامات ہین ان سے انکا فاصلہ کتنا ہے؟ اور ان کی خصوصیات کیا ہین؟ ان مین کیا کیا عجائبات ہین؟ ان مین جو اعیان، صلحاء اور صحابہ و تابعین مدفون ہین انکا ذکر بھی کیا ہے، اور کچھ ایسے اشعار بھی نقل کیے ہین، جو ان مقامات کے شوق مین کہے گئے ہین، نیز یہ بتایا ہے کہ مسلمانون نے ان کو کس زمانہ مین فتح کیا؟ اور کس نے فتح کیا؟ ان کا امیر کون تھا؟ وہ صلحاً فتح کیے گئے یا قہراً تا کہ فی اور جزیہ کے متعلق ان کے احکام معلوم ہون اور یہ کہ ہمارے زمانہ مین ان کا بادشاہ کون ہے؟ لیکن ان شرائط کی پابندی تمام مقامات کے متعلق ہمارے امکان مین نہ تھی۔ صرف مشہور شہرون کے

متعلق ان کا لحاظ رکھا ہے، اور بہت سے مواقع پر صرف بعض شرطون کا لحاظ رکھا ہے، بہر حال مین نے چھوٹے بڑے بہت سے فوائد جمع کر دیئے ہین، یہان تک کہ بہت سی ایسی باتین جمع کر دی ہین جن کو عقل تسلیم نہین کرتی۔[1]

یاقوت نے معجم البلدان مین جو چھوٹے چھوٹے بہت سے فوائد جمع کئے ہین، وہی اس کتاب کی اصلی خصوصیت ہین، اور انھین نے اس کو بہت زیادہ مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے، اس لئے ہم اس مضمون مین انھین فوائد کو نمایان کرنا چاہتے ہین،

کتبخانہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، یاقوت کو ابتدا ہی سے علمی زندگی بسر کرنے کا موقع ملا، اول اول تو وہ اجرت پر کتابت کرتا تھا، اور اس سلسلہ مین اس کی نگاہ سے بہ کثرت کتابین گذرتی تھین، اس کے بعد اس نے مستقل طور پر کتابون کی تجارت شروع کی، اور اخیر عمر تک اس مشغلہ کو جاری رکھا، اس لئے وہ کتبخانون کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کرتا ہے، اور ان سے نہایت دلآویزی ظاہر کرتا ہے، چنانچہ مرو شاہجہان کے حال مین لکھتا ہے،

> مین نے وہان تین سال تک قیام کیا، اور اگر ان ممالک مین تاتاریون کی غارتگری کا سلسلہ نہ شروع ہوجاتا تو مین تا دم مرگ اس کو نہ چھوڑتا، کیونکہ اس شہر کے باشندون مین فیاضی، نرمی، اور حسن معاشرت پائی جاتی ہے، اور وہان کثرت سے امہات کتب موجود ہین، مین نے جب اس شہر کو چھوڑا ہے، تو اس مین دس کتبخانے وقف عام تھے، اور مین نے کتابون کی کثرت اور خوبی کے لحاظ سے دنیا مین ویسے کتبخانے نہین دیکھے، ان مین دو کتب خانے جامع مسجد مین تھے، ایک کا نام عزیزیہ تھا جس کو ایک شخص نے جس کا نام عزیز الدین ابوبکر عتیق الریحانی یا عتیق بن ابی بکر تھا، وقف کیا تھا اس مین بارہ ہزار یا قریب قریب اتنی ہی کتابین تھین، دوسرے کتب خانے کا نام کمالیہ تھا، اور مجھے

[1] دیباچہ معجم البلدان جلد اول،

یہ معلوم نہین کہ وہ کس کی طرف منسوب ہے، ایک کتبخانہ شرف الملک متوفی ابوسعد محمد ابن منصور کا جنھون نے ۴۹۴ھ مین وفات پائی انھین کے مدرسہ مین تھا، اور نظام الملک حسن بن اسحاق کا کتبخانہ بھی انھین کے مدرسہ مین تھا، دو کتبخانے سمعانین کے تھے، ایک اور کتبخانہ مدرسہ عمیدیہ مین تھا، ایک کتبخانہ مجد الملک کا تھا، جو متاخرین وزراء مین سے تھا، کتب خانہ خاتونیہ اسی کے مدرسہ مین تھا اور کتبخانہ ضمیریہ وہان کی ایک خانقاہ مین تھا جس سے نہایت آسانی کے ساتھ کتابین لیجا سکتی تھین، خود میرے مکان مین اسکی دوسو کتابین رہتی تھین، جنمین اکثر بغیر رہن کی تھین، حالانکہ ان کی قیمت دوسو دینار تھی، مین ان کتابون کی سیر کرتا تھا، اور ان سے فوائد حاصل کرتا تھا، اس شہر کی محبت نے مجھ سے تمام شہر بھلوا دیئے اور مجھ کو اہل وعیال سے غافل کر دیا، اس کتاب اور دوسری کتابون مین جو فوائد ہین مین نے ان کو انھین کتبخانون سے جمع کیا ہے[1]،،

بین السورین کے متعلق لکھتا ہے،

،،یہ کرخ بغداد کے ایک بڑے محلہ کا نام ہے جو اس کا بہترین محلہ اور نہایت آباد تھا، اس مین ایک کتبخانہ تھا جس کو بہاء الدولہ بن عضد الدولہ کے وزیر ابونصر سابور ابن ازدشیر نے وقف عام کیا تھا، دنیا کے کسی کتب خانے مین اس سے بہتر کتابین نہ تھین، کیونکہ یہ سب کی سب ائمہ معتبرہ کے ہاتھون کی اور ان کے اصلی سودات سے لکھی گئی تھین، لیکن جب سلجوقیون کا پہلا فرمانروا طغرل بک بغداد مین ۴۴۷ھ مین آیا تو اس وقت کرخ کے جو محلے جلے، انھین مین یہ کتبخانہ بھی جل گیا[2]،،

ساوہ کے متعلق لکھتا ہے،

،، وہان ایک کتبخانہ تھا جس سے بڑا کتبخانہ دنیا مین نہ تھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تاتاریون نے اس کو جلا دیا[3]،،

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۵،۳۶، [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۲۴۲، [3] معجم جلد ۵ صفحہ ۲۱،

دور ازکار روایتون کی تنقید، یاقوت نے اگرچہ عقلی علوم کی تعلیم نہین پائی تھی، اور اس کی صحبت بھی عقلی علوم کے علماء سے نہین رہی، بلکہ زیادہ تر اس کے تعلقات محدثین و ادبا رکے ساتھ رہے، جن کا تمامتر دارومدار نقل و روایت پر تھا، لیکن بایں ہمہ یہ ایک نہایت تعجب انگیز بات ہر کہ وہ دور ازکار روایتون پر ہمیشہ عقلی حیثیت سے تنقید کرتا ہے، اور مذہب اسلام کو اس قسم کے خرافات سے بالاتر سمجھتا ہے، چنانچہ بغداد کے حال مین لکھتا ہے، ۱؎۔

"منصور نے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اپنے شہر کو گول بنایا تھا اور اپنا محل اور شہر کی جامع مسجد کو اس کے وسط مین تعمیر کیا تھا، اور ایوان کے اوپر قبۂ خضرا، بنایا تھا، جس کی بلندی اسی گز تھی، اور قبہ کے سرے پر سوار کی شکل کا ایک بت بنایا تھا جس کے ہاتھ مین ایک نیزہ تھا، اور بادشاہ جب اس بت کو دیکھتا تھا کہ اس نے اپنا رخ کسی طرف کرکے نیزہ تانا ہے، تو اس کو معلوم ہوجاتا تھا، کہ اس سمت سے کوئی خارجی نمایان ہونے والا ہے، چنانچہ تھوڑی ہی دیر مین اس کے پاس یہ خبرین پہنچ جاتی تھین، کہ کسی خارجی نے اُس جانب سے حملہ کیا ہے، مین کہتا ہون کہ خطیب نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے، لیکن یہ محال ہے، اور کھلا ہوا جھوٹ ہے، اس قسم کی باتین مصر کے جادوگرون اور بلیناس کے طلسمات کے متعلق بیان کیجاتی ہین، جن کی صحت کا وہم احمقون کے دل مین زمانہ کے امتداد اور اس تخیل نے پیدا کردیا ہے، کہ قدما، انسان نہ تھے، لیکن مذہب اسلام ان خرافات سے بالاتر ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ خود وہ حیوان ناطق جس نے اس تصویر کو بنایا ہے، ان چیزون کو بالکل نہین جان سکتا، جو اس جماد کی طرف منسوب کیجاتی ہین، گو وہ نبی مرسل ہی کیون نہ ہو، نیز اگر یہ بات صحیح ہو کہ یہ تصویر جب جب کسی طرف اپنا رخ کرگئی تو اس طرف سے ایک خارجی نمایان ہوگا تو لازمی طور پر ہر وقت کوئی نہ کوئی خارجی نمایان ہوتا رہے گا، کیونکہ کسی نہ کسی طرف اس تصویر کا رخ ہمیشہ رہتا ہوگا"،

۱؎ معجم البلدان جلد ۲ ص ۲۳۵،

بحیرہ طبریہ کے متعلق ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ:-

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بیت المقدس مین اس غرض سے آئین گے کہ وہان دجال سے جنگ کرین تو یاجوج ماجوج نمایان ہون گے، یہ ۲۴ قومین ہونگی اور زندہ و مردہ جس انسان کے پاس سے گذرین گی، اس کو کھا جائین گی، اور جتنا پانی پائین گی اسکو پی ڈالین گی، چنانچہ ان کی پہلی قوم بحیرہ طبریہ سے گذریگی اور اس کا سب پانی پی جائے گی، پھر اس سے ان کی سب سے اخیر جماعت گذرے گی تو وہ اس کو خشک ملے گا، پھر یہ سب بیت المقدس مین جمع ہون گی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی مسلمان گھبرا جائین گے، اور وہ صخرہ پر چڑھ کر خطبہ دین گے جسمین حمد و ثنا کے بعد کہین گے کہ خداوندا اپنی فرمان بردار جماعت کی جو تھوڑی سی ہے، اس نافرمان جماعت کے مقابلہ مین جو بہت سی ہے مدد کر"

اور اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ روایت عقلی حیثیت سے محال ہے، لیکن کتابون مین اس کی بکثرت نظیرین موجود ہین[1]،

خبیص کے متعلق لکھتا ہے، کہ:-

"ابن فقیہ نے بیان کیا ہے کہ اس شہر کے اندرونی حصے مین بارش نہین ہوتی، صرف اس کے اطراف وجوانب مین ہوتی ہے یہان تک کہ بعض اوقات آدمی اس کی چار دیواری سے باہر ہاتھ نکالتا ہے تو اس پر پانی پڑجاتا ہے، اور اس کا بقیہ بدن محفوظ رہتا ہے لیکن یہ عجیب اور خلاف عادت بات معلوم ہوتی ہے، اور اس روایت کی ذمہ داری اسی پر ہے[2]"

بہت سے واقعات ایسے ہین جنمین کوئی عقلی استحالہ نہین ہے، اس لئے یاقوت ان کا انکار تو نہین کرتا، بااین ہمہ انکی تعلیل و توجیہ کرتا ہے، اور جہان تک ممکن ہوتا ہے انکے استبعاد کو دور کرتا ہے، مثلاً

---

[1] معجم البلدان جلد ۲ ص ۸۰۔ [2] ایضاً جلد ثالث ص ۴۴۰،

ابن کلبی نے بحیرہ ارجیش کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے، کہ اس مین دس مہینے تک مینڈک اور مچھلی معلوم نہین ہوتے، البتہ سال کے دو مہینون مین ان کی اس قدر بہتات ہوتی ہے کہ ہاتھون سے پکڑے جاتے ہین، جس کی یہ وجہ ہے کہ قباد اکبر نے جب بلیناس کو اپنے شہرون مین طلسمات قایم کرنے کے لئے روانہ کیا، تو اس نے اس بحیرہ مین بھی طلسمات بنایا، جس کی وجہ سے دس مہینے تک اسمین مچھلیون کا پتہ نہین چلتا، یاقوت اس واقعہ کا تو انکار نہین کرتا، لیکن اس وجہ کو صحیح تسلیم نہین کرتا چنانچہ لکھتا ہے:-

قلت وھذا من ھذیان العجم — مین کہتا ہون کہ یہ عجمیون کی بکواس ہے، اس کا کوئی

وانما ھناک سر خفی[1] — مخفی سبب ہوگا،

تدمر ایک نہایت قدیم شہر ہے، جس کی نسبت اہل تدمر کا بیان ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پیشتر آباد کیا گیا ہے، لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس شہر کو جنون نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تعمیر کیا تھا، یاقوت اس کے متعلق لکھتا ہے کہ لوگ جب کوئی عجیب عمارت دیکھتے ہین، اور اس کے بانی کا نام ان کو معلوم نہین ہوتا، تو اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام اور جن کی طرف منسوب کر دیتے ہین[2]،

خسرو نے ایک میدان مین ایک عظیم الشان باورچیخانہ تعمیر کیا تھا، جس کے متعلق بعض جغرافیہ نویسون نے لکھا ہے کہ خسرو پرویز قصر لصوص مین اور اسکا بیٹا شاہ مردان اسد آباد مین قیام کرتے تھے اور باورچی خانہ سے قصر لصوص تک کی مسافت چار کوس اور اسد آباد تک تین کوس کی تھی، لیکن جب بادشاہ کھانا کھانا چاہتا، تو قصر لصوص سے باورچی خانہ تک اور اسی طرح اسد آباد سے باورچیخانہ تک دورویہ غلامون کی صف کھڑی ہو جاتی تھی، اور دست بدست وہان تک تازہ کھانا پہونچا رہتا تھا، لیکن یاقوت اس روایت کے متعلق لکھتا ہے کہ اگر اس مسافت مین اڑ کر بھی کھانا پہونچائین تو وہ ٹھنڈا ہو جائیگا،

---

[1] معجم البلدان جلد ۲، ص ۵۰۷، [2] ایضاً ص ۳۹۶،

اور وقت مطلوب سے دیر مین پہونچے گا، البتہ یہ ہو سکتا ہے، کہ کھانا ٹھنڈا ہو اور مقصد یہ ہو کہ کھانے کے اقسام دیر مین پہونچین تاکہ جب ایک قسم کا کھانا کھا لیا جائے تو دوسرے قسم کا کھانا حاضر کر دیا جائے[1]،

سکندر کے متعلق عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ اس نے کل ۳۲ برس کی عمر پائی، لیکن اسی عمر مین بہت سے بادشاہون کو مغلوب کیا، بہ کثرت ممالک فتح کئے، یہان تک کہ اقصائے چین تک پہونچ گیا، سد سکندری تعمیر کیا، اور بہت سے اولوالعزمانہ کام کئے لیکن یاقوت کو یہ ایک عجیب اور خلاف عادت بات معلوم ہوتی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ مورخین نے اس کی عمر جو ۳۲ سال بتائی ہے وہ اس کی حکومت و جاہ و جلال کا زمانہ ہے، اس کے علاوہ انھون نے اس کی عمر کے سالون کا شمار نہین کیا چنانچہ وہ حسب ذیل وجوہ سے اس خیال کی تائید کرتا ہے،

(۱) سکندر کا سفر ایک فوجی سفر تھا، اور فوجی سفر کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے، کیونکہ فوج کو ہر منزل مین رسد اور چارے کا انتظام کرنا پڑتا ہے، پھر اس کے ساتھ ان لوگون سے مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے جو قلعہ بند ہو جاتے ہین، اور اس مقابلے مین سفر کے علاوہ مزید وقت صرف ہوتا ہے،

(۲) یہ محال ہے کہ بیس سال سے کم کی عمر مین اس کو بڑے بڑے بادشاہون سے مقابلہ کی جرات ہو، ملکی نظام قایم ہو جائے، فوجین جمع ہو جائین، دلون پر اس کا رعب بیٹھ جائے، اس کو ریاست تجربہ اور حکمت حاصل ہو جائے، ان چیزون کے لئے ایک زمانہ درکار ہے، پھر کس زمانہ مین اس نے دنیا کا سفر کیا، ملکون کی تسخیر کی، دنیا کے ہر گوشہ مین شہر تعمیر کئے، اور وہان اپنے جانشین مقرر کئے،

لیکن پھر اس استبعاد کو اس طرح دور کرتا ہے کہ

"ہمارے زمانہ یعنی سنہ ۶۱۶ھ اور ۶۱۷ھ مین تاتاریون کی غارتگری کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ اگر قایم رہتا تو چند ہی سالون مین، وہ تمام دنیا کے مالک ہو جاتے، کیونکہ وہ سرزمین چین کے ابتدائی حصہ سے

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۸۶،

نکلے اور تقریباً نصف بلاد اسلامیہ کو تباہ و برباد کر دیا، کیونکہ وہ ماوراء النہر، خراسان، خوارزم، بلاد سجستان، اطراف غزنہ، سندھ کے بعض حصے قومس، ارض جبل، اصفہان، طبرستان، آذربیجان، اران اور ارمینیہ کے بعض حصون پر قابض ہوگئے، اور یہ سب کچھ دو سال سے کم مین ہوا، اور اس سے سکندر کے واقعہ کی تائید ہوتی ہو"،

لیکن اسی کے ساتھ وہ تاتاری غارت گری اور سکندر کی فتوحات مین یہ فرق بتاتا ہے، کہ سکندر نے جب کسی ملک کو فتح کرتا تھا تو اس کو آباد کرتا تھا، اور وہان اپنا جانشین مقرر کرتا تھا اور اس کے لئے اس زمانے کے علاوہ جو اس کی تباہی و بربادی مین صرف ہوا تھا مزید وقت کی ضرورت ہوتی تھی[1]،

عام خیال ہے کہ مسلمان مورخین مین روایات پر تنقید کا یہ طریقہ علامہ ابن خلدون نے قایم کیا، لیکن یاقوت ابن خلدون سے بہت پہلے گذرا ہے، اس لئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ابن خلدون نے یہ چالین یاقوت ہی سے سیکھی ہین،

علمی نکتے اس کتاب کی ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جابجا علماء و فضلاء کے مختصر تذکرے لکھتا ہے، جنمین زیادہ تر محدثین ہوتے ہین، اور اس سلسلے مین علم حدیث کے متعلق ایسی مفید باتین لکھ جاتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ تک علم حدیث نے کس قدر ترقی کی تھی، اور محدثین کی نگاہین اس فن شریف کے ایک ایک جزئیات پر کس حیثیت سے پڑتی تھین، مثلاً یزدجرد کے تذکرے مین لکھتا ہو کہ

"محمد بن ہبۃ اللہ بن العلاء بن عبد الغفار یزدجردی اسی شہر کی طرف منسوب ہین، ... ابو سعد کہتے ہین کہ سب سے پہلے ان سے میری ملاقات اس طرح ہوئی کہ مین یزدجرد کی جامع مسجد مین کچھ حدیثین لکھ رہا تھا کہ ایک بزرگ جو نہایت پھٹے حال مین تھے آئے اور بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد انھون نے پوچھا کیا لکھ رہے ہو؟ مین نے ان کا جواب دینا پسند نہین کیا، اور دل مین کہا کہ ان کو اس سوال

---

[1] معجم البلدان جلد اول صفحہ ۲۳۵،

سے کیا مطلب ؟ پھر مین نے رکھائی سے جواب دیا کہ "حدیث" انھون نے کہا شاید تم علم حدیث کے
طالب العلم ہو ؟ مین نے کہا ہان، بولے تمھارا مکان کہان ہے، مین نے کہا مرو، بولے اہل مرو مین بخاری
کس سے کس سے روایت کرتے ہین، مین نے کہا عبدان، صدقہ، علی بن حجر اور اس طبقہ کی ایک جماعت سے
انھون نے کہا عبدان کا نام کیا ہے ؟ مین نے کہا عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ، بولے ان کو عبدان کیون
کہتے ہین ؟ اب مین رکا تو وہ مسکرائے پھر مین نے ان کو دیکھا اور کہا کہ آپ ہی بیان فرمایئے بولے،
ابو عبد الرحمان انکی کنیت ہے اور عبد اللہ ان کا نام ہے تو چونکہ ان کی کنیت اور نام دونون مین
عبد کا لفظ جمع ہو گیا ہے، اس لئے ان کو عبدان کہتے ہین، مین اس فائدہ سے بہت خوش ہوا [1]"
اسی سلسلہ مین وہ بعض مقامات پر محدثین کی تصنیفات کی فہرست نقل کرتا ہے جس کو پڑھ کر
حیرت ہوتی ہے، کہ محدثین نے اس فن کے متعلق کیسا وسیع اور عظیم الشان سلسلہ قایم کر دیا تھا، مثلاً ابو حاتم
محمد بن حبان بستی کی تصنیفات مین چند کتابون کے نام حسب ذیل ہین،
کتاب الصحابہ پانچ جلدون مین، کتاب التابعین بارہ جلدون مین، کتاب اتباع التابعین ۱۵
جلدون مین، کتاب تبع الاتباع ۱۷ جلدون مین، کتاب تباع التباع ۲۰ جلدون مین، کتاب علل اوہام
اصحاب التواریخ ۱۰ جلدون مین خاص اہل مدینہ کی حدیثون مین ۱۰ جلدون مین خاص اہل مکہ کی حدیثون مین
۱۰ جلدون مین،
ان کی سب سے اہم کتاب الھدایہ الی علم السنن ہے جسمین انھون نے علم حدیث اور علم فقہ دونون کو
ایک ساتھ جمع کر دیا ہے، پہلے حدیث اور اس کا ترجمہ بیان کرتے ہین پھر یہ لکھتے ہین کہ اس حدیث کو خاص
طور پر کس نے بیان کیا، اور وہ کس شہر کی مخصوص حدیث ہے، پھر اس کی سند مین صحابہ سے لیکر ان کے
شیخ تک جس قدر نام آئے ہین مع انکی ولادت، وفات، کنیت، قبیلہ، علم وفضل وغیرہ کے ذکر کرتے ہین

[1] معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۱۵۶،

پھر اس حدیث مین جو کچھ فقہ و حکمت ہوتی ہے، اس کو نمایان کرتے ہین، پھر اگر کوئی دوسری حدیث
اس کی معارض ہوتی ہے، تو ان دونون مین تطبیق دیتے ہین، ابوحاتم بن حبان نے ان تمام کتابون کو وقف
کردیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ وہ سب ضایع گیئن، اور خود اس ملک کے لوگ علم کے اس قدر قدردان
نہ تھے، کہ وہ ان کی متعدد نقلین کرتے، اور آج ان مفید کتابون سے ہمارے کتب خانے مالامال ہوتے،[1]

وہ علمی نکات کے بیان کرنے کا اس قدر شایق ہے، کہ معمولی سے معمولی مقامات کے تذکرے سے بھی اگر کسی علمی
بات کو تعلق ہوتا ہے، تو وہ اسکو لازمی طور پر بیان کرتا ہے، مثلاً رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ جب تک پانی
کی بو اور ذائقہ مین تبدیلی نہ ہو وہ پاک ہے، اس بنا پر امام شافعیؒ کے نزدیک محض نجاست کے پڑجانے سے پانی
نجس نہین ہوتا، لیکن امام ابوحنیفہ اس کے مخالف ہین، ایک جغرافیہ کی کتاب مین اس فقہی مسئلہ کے ذکر کا کوئی موقع
نہ تھا، لیکن مدینہ مین، ایک مقام بضاعہ تھا، جہان ایک کنوان تھا، جس کو بیر بضاعہ کہتے تھے، رسول اللہ صلعم نے
اسی کنوین کے پانی کی نسبت یہ ارشاد فرمایا تھا، چنانچہ اس تعلق سے بضاعہ کے تذکرے مین اس نے اس مسئلہ کو
مع مالہ و ماعلیہ کے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم بیر بضاعہ کے پانی سے وضو کرتے تھے جسمین
نجاستین پھینکی جاتی تھین، آپسے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کہا کہ پانی کو کوئی چیز نجس نہین کرتی، اس لئے
آپنے صرف نجاست کی آمیزش کو پانی کی طہارت کے لئے مضر نہین قرار دیا، جس سے امام ابوحنیفہ کی رائے کی تردید ہوتی
ہے، لیکن اس حدیث پر دو اعتراض ہوتے ہین، ایک تو یہ کہ بیر بضاعہ ایک بہنے والا پانی تھا اور بہتے ہوئے پانی مین نجاست
کا اثر نہین ہوتا، دوسرے یہ کہ جس کنوین کے پانی سے رسول اللہ صلعم وضو کرتے تھے صحابہ اسمین نجاست پھینکنے کی جرات
نہین کرسکتے تھے، لیکن انکا جواب یہ ہے کہ بیر بضاعہ کا پانی جاری نہ تھا بلکہ ساکن تھا، بہنے والا نہ تھا، اور صحابہ خود اس مین نجاست
نہین پھینکتے تھے، بلکہ وہ ان مقامات کے قریب تھا جہان نجاست پھینکی جاتی تھی، اس لئے ہوا کے ذریعہ سے
اڑکر اس کنوین مین بھی پہونچ جاتی تھی، بہرحال اس کتاب مین اس قسم کی باتین بکثرت ہین، اور جغرافیہ
کے علاوہ اس سے بہت سے علوم مین مدد لیجا سکتی ہے،

[1] معجم البلدان جلد دوم صفحہ ۴۷ و ۱۷۵،

عمرخیام کا ایک نادر نسخہ

از

مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی رامپوری

ہر عمل کا ردعمل ہونا ایک طبعی مسئلہ ہے، جو طبعیات کی طرح علمیات اور ادبیات مین بھی جاری ہے رباعیاتِ عمر و خیام کو یورپ کی مقبولیت کے سبب سے جو شہرت حاصل ہوئی اس کا ردِعمل اس قدر زبردست ہوا کہ بعض دماغون کو خود خیام کے وجود مین شک پیدا ہوگیا۔ گو یہ ایک دماغ کی فکری لغزش تھی، جو خیام اور اس کے فلسفہ پر براہ راست کوئی اثر نہین ڈالتی۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے، کہ موجودہ مفکرین خیام سے اکتا چکے ہین، اس لئے اب ان کے سامنے اس کے متعلق کچھ کہنا لاحاصل ہے،

رباعیاتِ خیام کی اصلی تعداد بھی معرضِ بحث مین ہے، اور تا حال یہ مسئلہ حل نہ ہوسکا، کہ خود اس کا اپنا کلام کتنا ہے، اور غلط انتساب نے اس کے سر کس قدر منڈھ دیا ہے، حال ہی مین ایک جرمن اسکالر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ صرف ۱۳-۱۴ رباعیان خیام کی کہی جاسکتی ہین باقی یا تو مشکوک ہین اور یا دوسرے شعراء کے دواوین مین پائی جاتی ہین،

خیام نے خود کوئی مجموعہ مرتب نہ کیا، یا کیا تو ناپید ہوگیا؛ اس لئے اس معمے کے حل کی ظن و قیاس کے سوا کوئی صورت نہین، اور ظن و تخمین کی کم مائگی ظاہر ہے (ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً)

سب سے قدیم نسخہ آٹھوین صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے، جس مین تقریباً ڈھائی سو رباعیان پائی جاتی ہین جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اب ایک ہزار سے بھی زائد طبع ہوچکی ہین،

لیکن یہ فرض کر لینے کے بعد بھی کہ موجودہ منسوب رباعیان خیام ہی کی ہین، ایک دشواری باقی

رہجاتی ہے، وہ یہ کہ موجودہ رباعیون کا متن اس قدر سقیم ہے، جس کے ہوتے بمشکل یقین کیا جاسکتا ہے، کہ یہ خیام کی زائیدۂ تخیل ہین، ہان یہ ہو سکتا ہے، کہ اس کو فلسفی ہونے کے باوجود حسنِ صنعت وتخیل سے بے بہرہ فرض کرلیا جائے، جس کے تصور سے کم ازکم مجھے سخت دماغی اذیت ہوتی ہے،

لیکن بحمد اللہ اب یہ مسئلہ ایک حد تک حل ہوتا نظر آتا ہے، مجھے اتفاقاً خیام کی رباعیون کا ایک مجموعہ ملا، جس مین ۵۰۳ رباعیان درج ہین[1]، ان مین سے ۵۰ تو مطبوعہ نسخون مین سرے سے موجود نہین، باقی ۳۰۰ بھی حیرت انگیز حد تک مختلف المتن ہین،

یہ نسخہ آخر سے ناقص ہے، اس لئے زمان ومکانِ کتابت کے متعلق کچھ نہین کہا جاسکتا، لیکن ظاہری حالت سے اندازہ یہ ہوتا ہے، کہ دسوین صدی ہجری کا ہے، کاغذ اور تحریر ایرانی ہے، ترتیب مین ردیف کا لحاظ بالکل نہین کیا گیا ہے، تحریر کتاب نما نہین ہے، بیاض نما ہے، ہر صفحہ مین چار کالم قرار دیئے ہین، جس مین باریک قلم سے تقریباً ۴۰۲-۵۰۲ رباعیان درج ہین، ہر رباعی کے شروع مین اوپر (رباعی) تحریر ہے، شروع کے ۳ صفحے دو اوین کی عام رسم تحریر کے مطابق ہین، مجموعہ کی ابتدا مین یہ عبارت درج ہے:-

"در تاریخ قدما مسطور است کہ وفاتِ امام الحکما مولانا عمر خیام نیشاپوری در سنہ سبع عشر وخمس مائتہ بود، او در حکمت یگانہ عالم زمانہ بود، وخواجہ عروضی سمرقندی، کہ از شاگردانِ اوست حکایت میکند کہ در بغداد[2] با امام الحکما مولانا عمر اتفاقِ ملاقات افتاد، در اثنائے سخن می گفت کہ قبر من در موضعے می باشد، کہ بہار از بادِ شمال مبرد[3] گل افشان شود، مرا ازان سخن تعجب آمد، کہ گذاف نمی گوید، تا بعد ازان چندگاہے بہ نیشاپور بر سر قبر او رفتم، وآن قبر در کنار باغ افتادہ بود، درختان میوہ دار سر از دیوار باغ برآوردہ، چندان شگوفہ بر سر قبر او ریختہ بود، کہ قبر در آن میان نمی نمود،

او را رباعی بسیار ست الحکمت آمیختہ"

---

[1] یہ مجموعہ کوئی شائق علم چاہے تو صاحب مضمون سے خط وکتابت کرکے خرید سکتا ہے، (معارف)

[2] معارف:- یہ غلط ہے، عروضی سمرقندی کی یہ ملاقات بغداد مین نہین، بلکہ بلخ مین ہوئی تھی، دیکھو چہار مقالہ مطبوعہ یورپ صفحہ ۶۲

اس مقالہ مین مین نے یہ کوشش کی ہے کہ مطبوعہ رباعیون سے مقابلہ کرکے صرف متن کا اختلاف دکھا دیا جائے، ساتھ ساتھ جس نسخہ کو ترجیح ہے، اس کو بھی بوجوہ ظاہر کیا ہے، اگر اہلِ علم نے اس اختلاف کو اہمیت دی تو آیندہ غیر مطبوعہ رباعیات پر تفصیلی بحث کرون گا،

مین اس خیال کا ہرگز حامی نہین، کہ جو کچھ رطب و یابس خیام کے نام سے مل جائے، ہم اس کو گرانمایہ گوہر سمجھ کر قبول کرلین، لیکن یہ بھی گوارا نہین کرسکتا، کہ یورپ کی کورانہ تقلید مین، اس کے وجود، یا اس کے کلام کے وجود سے انکار کردیا جائے، اس لئے کہ حق ہمیشہ افراط و تفریط کے درمیان ہوتا ہے،

میرے خیال کے مطابق، اثریات کے ماہرین کا رویہ نہایت اچھا ہے، شک یقیناً اچھے نتائج پیدا کرتا ہے، لیکن شرط یہ ہے، کہ لاادریت نہ پیدا ہو، ورنہ تعمیر تخریب سے بدل جاتی ہے، اور نتیجہ "کاہ برآوردن" بھی نہین نکلتا،

اس مضمون مین مطبوعہ نسخون سے مراد الہ آبادی اور لاہوری نسخے ہین، پہلا مولنا جلال الدین صاحب جعفری نے مرتب کرکے مع ترجمہ شایع کیا ہے، اور دوسرا مولانا نصیر الدین کی تصحیح سے شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور نے چھاپا ہے،

جعفری صاحب کے پیشِ نظر جہان اور نسخے ہین، وہان ایک نسخہ دہلی اور ایک امرت سر کا خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، مختلف مقامات پر مولانا نے ان کا حوالہ دیکر اختلافِ متن تحریر کیا ہے، لاہوری نسخہ کی تصحیح نہ معلوم کن نسخون سے کی گئی ہے، لیکن وہ تصحیح کے بعد بھی اس قدر غلط ہے، کہ خدا کی پناہ، یہان رامپور اسٹیٹ لائبریری مین اتفاق سے خیام کا کوئی قابلِ اعتنا قلمی نسخہ موجود نہین، نہ یورپ کے مطبوعہ نسخون مین سے کوئی نسخہ ہے، اس لئے تمام مطبوعہ اصلون سے مقابلہ نہ ہوسکا، ممکن ہے، بعض اور اصول سے میرے نسخہ کی تائید ہوتی، آیندہ اگر میری تصحیح سے خیام کے نسخہ کی اشاعت کی نوبت آئی، تو مکمل مقابلہ کرون گا،

مجھے اربابِ علم سے قوی امید ہے، کہ وہ خیام کے اس نسخہ کی قدر کرین گے، کیونکہ اس سے اس کی

رباعیات کی حسین شکل نظر آتی ہے، علاوہ ازین غیر مطبوعہ ۵۰ رباعیون پر تحقیق وتنقید کا موقع بھی میسر آیا

اس مجموعہ مین سب سے پہلی رباعی یہ ہے :-

۱- اے سوختۂ سوختۂ سوختنی — وے آتشِ دوزخ از تو افروختنی
تا کے گوئی، کہ "بر عمر ورحمت کن" — حق را توکئی بہ رحمت آموختنی ؟

عام نسخون مین، چوتھا مصرع یون ہے، ؎

حق را تو کجا برحمت آموختنی،

۲- از بادۂ لعل، لعل شد گوہرِ ما — آمد بفغان ز دستِ ما، ساغرِ ما
از بسکہ ہمی خوریم می در سرِ مے — ما در سرِ مے شدیم وے در سرِ ما

عام نسخون مین پہلا مصرع اس طرح لکھا ہے، ؎

از بادۂ ناب لعل شد گوہرِ ما،

لعل درحقیقت ایک بیش قیمت پتھر ہے، چونکہ اس کا رنگ خوش نما سرخ ہوتا ہے، اس لئے شراب کو لعل کہدیتے ہین، عام نسخون کے مطابق مصرع کا مفہوم یہ ہے، کہ "ہماری گھٹی مین شراب پڑی ہے، اس لئے خود پیالہ بھی خدمت کرتے کرتے بہ تنگ آگیا ہے"، اس صورت مین ناب اور لعل بادہ کی دو صفتین ہین،

قلمی نسخہ کا مقصد اس سے جدا ہے، یعنی "بادۂ لعل نے میری سرشت بدل دی"، گوہر، جواہرات کو بھی کہتے ہین، اور اصل وسرشت کو بھی خیام نے کنایۃً اپنی ذات کو گوہر کہا، گوہر بیشتر سپید رنگ کا ہوتا ہے، شراب عموماً گہری سرخ ہوتی ہے، اس لئے تغیر سرشت، کو باین الفاظ تعبیر کرتا ہے، کہ "شراب نے میرے موتی کو اپنی تاثیر سے سپید سے سرخ بنا دیا"،

مصرع کی دونون حالتین پر زور ہین، لیکن قلمی نسخہ مرجح ہے،

۳۔ با بط می گفت ماہئی، در تب تاب "باشد کہ یکجوئی رفتہ باز آید آب"،
بط گفت "چو من قدید گشتم تو کباب عالم پس مرگِ ما، چہ دریا چہ سراب"

عام نسخوں میں تیسرا مصرع یوں تحریر ہے، ؎

بط گفت کہ چون من و تو گشتیم کباب،

اور چوتھے مصرع کا آغاز عالم کی جگہ بود سے ہے، بجائے خود شعر درست ہے، بود سے مراد ہستی یا بالفاظ دیگر عالم ہے، لیکن قلمی نسخہ بہتر ہے،

قدید گوشت کے پارچے جنھیں دھوپ میں خشک کرکے رکھ لیتے ہیں، اور ضرورت کے وقت تل کر کھاتے ہیں، عام نسخوں کے لحاظ سے شعر کی بندش سست ہے، اور کہ بیانیہ اور "و" حشو ہے، علاوہ ازیں معنی بھی کمزور رہے، انشا کی طاقت یہ ہے کہ مختلف اشیاء کے حالات مختلف الفاظ میں ظاہر کئے جائیں، قلمی نسخہ میں قدید اور کباب دو جدا لفظ استعمال کئے گئے ہیں، بود کے مقابلہ میں عالم بھی صاف اور خوش آیند معلوم دیتا ہے،

۴۔ در چشمِ محققان، چہ زیبا و چہ زشت! منزلگہِ عاشقان، چہ دوزخ، چہ بہشت!
بیداران را، چہ جامۂ اطلس، چہ پلاس! زیرِ سرِ عاشقان، چہ بالین و چہ خشت!

مطبوعہ نسخوں میں تیسرا مصرع یوں لکھا ہے، ؎

پوشیدن بیدلان، چہ اطلس چہ پلاس،

لیکن قلمی نسخہ قابل ترجیح ہے، کیونکہ درحقیقت دوسرا شعر پہلے شعر کی مزید توضیح ہے، توضیح اور تشریح میں مترادف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، محقق اور بیدار، دونوں ایک ہی مفہوم کو حامل ہیں، میرے خیال میں چوتھا مصرع بھی درست نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہوا ہو، بہتر تو یوں ہوتا ؎ زیرِ سرِ بیدلان، چہ بالین و چہ خشت،

اس لئے کہ بیدل اور عاشق، باہم تشریح کرسکتے ہیں،

۵- اے مردِ خرد حدیثِ فردا ہوس است — ور دہر زدن لافِ سخنہا ہوس است

امروز چنان ہر کہ خردمند کس است — داند کہ ہمہ جہان ہمین یک نفس است

الہ آبادی نسخہ میں امروز چنان کے بجائے امروز چنین اور ہمین یک نفس کی جگہ چنین یک نفس تحریر ہے

چنان اور چنین سے تو زائد فرق نہیں پیدا ہوتا، لیکن ہمین اور چنین کے تبادلہ سے معنی بہت کمزور ہو جاتے ہیں،

قلمی نسخہ معنوی حیثیت سے بلند ہے،

۶- تا باز شناختم من این پائے ز دست — این چرخِ فرومایہ مرا دست بہ بست

افسوس کہ در حساب خواہند نہاد — این عمر کہ در صبحِ حسابم بگذشت

مطبوعہ نسخوں میں چوتھا مصرع یوں ہے، ۔

عمرے کہ مرا بے مئے و معشوقہ گذشت،

خیام کے فلسفۂ حیات کے مطابق مصرع اسی طرح ہونا چاہئے، قلمی مصرع کا مقصد کچھ اور معلوم ہوتا ہے،

حساب سے مراد یوم الحساب، یوم الدین، یا بالفاظ دیگر قیامت ہے، دن کے دو حصے کئے گئے ہیں، ابتدائی ٹکڑا صبح اور آخری شام کہلاتا ہے، موجودہ عالم یوم آخرت، یا روزِ قیامت کا پہلا حصہ ہے، کیوں اس لئے کہ انسان دن کے ابتدائی وقت میں کھاتا ہے، اور شام کو حساب کتاب کرتا ہے، یہاں بھی انسان عمل کی کھیتی کر رہا ہے، وہاں کاٹے گا اور وہیں اناج سمیٹا جائے گا، "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ"، خیام فرصتِ عیش کو طویل دیکھنا پسند کرتا ہے، چند سال کی زندگی، اس کی آرزوؤں کے لئے بہت کم ہے، اس لئے وہ افسوس کرتا ہے، کہ یہ عمر، جو صرف دریا میں سے چند قطرے تھے، ہمارے کام نہ آئی، آپ سوال کریں گے، کیوں کام نہ آئی، اس لئے کہ غریب، حساب کتاب درست کرنے میں مشغول رہا، کھٹکا یہ لگا تھا کہ کہیں ساری کوشش

رائگان نہ ہوجائے، اس لئے سارا وقت جانچ پڑتال مین ختم ہوگیا، چاہئے تھا کہ یہان رہنے کے واسطے اور مہلت ملتی، مگر ایسا بھی نہ ہوا، اس لئے تاسف ہے،

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مقصد یہ ہو، کہ دنیوی عمر، کوئی فرصتِ عیش و نشاط نہین ہے، کراماً کاتبین کے دفتر کے چند گھنٹے ہین، جسمین وہ ہمارے اعمال لکھتے ہین، قیامت مین انھین پیش کردین گے، حساب ہمیشہ بعد کو کیا جاتا ہے، اس لئے خیام کو وہ عمر مطلوب ہے، جو دنیا مین بلا حساب گذاری جائے، بعد مین جانچ پڑتال اور لکھت پڑھت ہوتی رہے گی، وجہ یہ ہے کہ منشیون کے سر پر مسلط رہنے سے انسان مین عیش و عشرت کی جرأت اور حوصلہ نہین رہتا، ہر وقت توکھٹکا لگا ہے، داد نشاط کس طرح دے، اس لئے وہ آرزو کرتا ہے کہ اس وقت کو شمار ہی نہ کیا جائے کہ یہ دنیوی عمر ہے بلکہ انسان کو چند سال ایسے عطا کئے جائین، جنمین قطعاً آزاد ہو کہ درحقیقت وہی زندگی ہے،

۷۔ عمرِ تو، چہ دہ چہ صد، چہ سی صد چہ ہزار — زین کہنہ سرا برون برندت ناچار،
گر بادشہی و گر گدائے بازار، — این ہر دو بیک نرخ بود آخرکار

مطبوعہ نسخون مین پہلا مصرع اس طرح تحریر ہے، ؎

عمرِ تو چہ دو صد و چہ سی صد چہ ہزار،

چونکہ قلمی نسخہ سے عمر کی کمی و زیادتی دونون مقابلہ مین آجاتی ہین، اس لئے یہ محاورہ کہا جاسکتا ہے، اردو مین بھی یہ مفہوم اسی طرح ادا کیا جاتا ہے، جب کبھی کسی شے کی تحقیر یا لغویت ظاہر کرنا ہوتی ہے تو کہتے ہین، کہ تھوڑی ہو یا بہت بے کار ہے، ایسے موقع پر عام قاعدہ یہ ہے کہ کم از کم درجہ سے شروع کرکے، زائد سے زائد کی طرف ترقی کی جاتی ہے، دس سال کی عمر بہت کم ہے، اور ہزار برس کی کافی بڑی، اس لئے قلمی نسخہ مرجح ہے،

۸۔ سنت بکن و فریضۂ حق مگذار — وان لقمہ کہ داری ز کسان باز مدار

غیبت مکن و مجو کسے را آزار　　　　در عہدۂ آن جہان منم، بادہ بیار

قلمی نسخہ مین، پہلے مصرع کے دونون فعل بصیغہ نہی لکھے ہین، ،،فریضۂ حق مگذار،، کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کی مقرر کردہ عبادتین ترک نہ کرنا چاہئین، اس صورت مین ،،مگذار،، گذاشتن (ترک کرنا) کی نہی ہے، مطبوعہ رباعی مین، بجاے مگذار نہی کے بگذار امر ہے، اس صورت مین اس کا مصدر گذاشتن کی جگہ ،گذاردن ہونا چاہیئے جس کے معنی ادا کرنا یا بجالانا ہین، بہرتقدیر اس فقرہ کا مفہوم درست ہے، لیکن پہلا فقرہ ،سنت مکن، بصیغہ نہی رباعی کے مفہوم سے جدا ہوجاتا ہے، اس رباعی مین تمام نیک کامون کی ترغیب ہے، لیکن سنت سے روکا جارہا ہے، این چہ اس لئے خیال یہ ہے، کہ بجائے بکن کے مکن میم نہی سے لکھدیا ہے، جو بہت زیادہ ممکن الوقوع ہے،

خیر یہ رباعی مطبوعہ نسخون مین بہت تغیر و تبدل سے تحریر ہے، یعنی،

سستی مکن و فریضۂ حق بگذار　　　　در عہدۂ آن جہان منم، بادہ بیار

درخونِ کسے و مالِ کس قصد مکن　　　　وان لقمہ کہ داری ز کسان باز مدار

رباعی کی یہ شکل چند وجوہ سے مرجوح ہے، اولاً تو یہ کہ ،، در عہدۂ آن جہان منم،، الخ رباعی کا نتیجہ ہے، اسے آخر مین آنا چاہیے، یہان نہایت بے ربطی سے دوسرے مصرع کی جگہ ٹھونس دیا ہے، دوسرے یہ کہ پہلا مصرع آدھا رہ گیا ہے، سنت بکن کی جگہ زبردستی سستی مکن کو دیدی، اور عبادات کے ایک عظیم الشان حصہ کو خارج کردیا، تیسرے یہ کہ تیسرا مصرع زبردستی بنایا ہے، پورے مصرع کو ،، مجو کسے را آزار،، کے سامنے رکھو، تل برابر بھی اضافہ نہین، البتہ ،، غیبت مکن،، سے جو زیادتی ممکن تھی وہ مندارد ہوگئی، قلمی رباعی مین یہ نقائص نہین، اس لئے وہ مرجح ہے،

۹- دی کوزہ گرے بدیدم اندر بازار　　　　بر تازہ گلے لگد ہمی زد بسیار الخ

مطبوعہ نسخون مین تازہ کی جگہ پارہ اور لگد ہمی زد کی عوض ہمی لگد زد بہ تغیر مقام تحریر ہے،

۱۰۔ ہر روز زتو گردشِ این چرخِ کہن نخلِ طربم برکند از بیخ و زین،
وین طرفہ کہ نا اہل نوازد آنگہ، کس نیست کہ گویدش "نہ نیکیست مکن"!

قلمی مجموعہ مین یہ رباعی اس طرح تحریر ہے، لیکن میرے خیال مین پہلا مصرع اسطرح ہوتا، ے

ہر روز زتو گردشے اے چرخ کہن،

سہوِ کاتب سے گردش کی یای وحدت یا تنکیری حذف ہوگئی، اور اے مین نون زائد کردی تیسرے مصرع مین بجائے نا اہل کے با اہل لکھا ہے، یہ بھی کاتب کی غلطی ہے،

مطبوعہ مجموعون مین رباعی کی صورت یہ ہے:۔

۱۲۔ ہر روز زگردشِ تو اے چرخِ کہن نخلِ طربم برکند از بیخ و زین
وین طرفہ کہ نا اہل نواز دانگہ ات کس نیست کہ گویدش بتنگ است مکن

لیکن یہ سقیم ہے، کند متعدی فعل کا فاعل ندارد ہوگیا ہے، دوسرا دینا "دخر نوازی،، اور اہل ناشناسی کا رونا روتی ہے، لیکن یہان برعکس، "خر نا نوازی،، کی شکایت ہے، چونکہ رباعی کے چارون مصرع ایک زنجیر کی متعدد کڑیان ہوتے ہین، اس لئے پہلے شعر کو دوسرے سے ربط دینے کے بعد مفہوم یہ نکلتا ہے کہ عمر و خیام نا اہل ہے، اس لئے کہ اب فلک کی عادت یہ ہوگئی ہے، کہ نالائقون کو ستاتا ہے "خیام کا نخلِ طرب،، اس نے ہزار ہا بار اکھیڑ پھینکا ہے، تو نتیجہ یہی نکلا، کہ وہ نالائق ہے، واعجباہ!

قلمی رباعی ان نقائص سے پاک ہے، اس کا مفہوم یہ ہے، کہ "میرا اور فلک کا معاملہ معاندانہ ہے، جہان ذرا چین سے بیٹھا دیکھا، کوئی فتنہ کھڑا کر دیا، حالانکہ یہی فلک ہے، کہ ہزارون گدھون کو شاہانہ شکوہ بخش چکا ہے، کاش کوئی اس سے کہے، کہ ظالم ایسا نہ کیا کر،،

شیخے بزنے فاحشہ گفتا مستی! ہر لحظہ بدستِ دیگرے بدمستی!

گفتا "شیخا ہر آنچہ گفتی ہستم اما تو چنانچہ می نمائی ہستی ؟"

الہ آبادی نسخہ میں شیخے کی جگہ شخصے، اور دوسرے مصرع میں بدست الخ کے عوض "بدام دیگرے پیوستی" تحریر ہے،

۱۴- آن مایہ ز دنیا طلبی مایوسی، معذور اگر در طلبش می کوشی
باقی ہمہ رائگان بہ نزد ہشدار تا عمر گران مایہ بدان نہ فروشی

مطبوعہ مجموعہ میں پہلا مصرع یون لکھا ہے، ؎

آن مایہ ز دنیا کہ خوری یا نوشی،

یہی درست معلوم ہوتا ہے "معذور" کے بجائے "معذوری" بیائے خطاب، اور رائگان الخ کی جگہ "رائگان تراز و ہشدار" ہے،

۱۵- اے چرخ ہمیشہ در بزدی با من، درمان دگر کسی و دردی با من
از صلح چہ ماند کان بکردم با تو، در جنگ چہ بود کان نکردی با من

مطبوعہ رُباعی میں "از صلح" کی جگہ "در صلح" اور "بکردم با تو" کے عوض "نکردم با تو" بصیغۂ نفی ہے، میرے نزدیک قلمی مصرع بہتر ہے، دونون مصرعے لفظاً اور معنیً باہم متضاد ہین، یہ تضاد تام جبھی ہو سکتا ہے کہ از، در، ماند، بود، صلح، جنگ بکردم با تو اور نکردی با من سے دونون مصرعے مرکب ہون، رہے معنی، تو وہ دونون حالتون میں جون کے تون رہتے ہین،

۱۶- اے چرخ چہ کردہ ام ترا راست بگوئی پیوستہ فگندۂ مرا در تگ و پوئی
نانم ندہی تا تبری کو ہی بکوئی آبم ندہی تا نہ بری آب ز روئی

الہ آبادی نسخہ میں پہلا مصرع اس طرح تحریر ہے ؎

اے چرخ چہ کردۂ بمن راست بگوئی،

شارح ترجمہ مین کردہ کے بجاے کردہ ام قرار دیتے ہین، اور لکھتے ہین "آسمان سچ بتا مین نے تیرا کیا قصور کیا ہے"، غالباً ترجمہ کرتے وقت خود ان کی تصحیح کردہ رباعی پیش نظر نہ تھی، ورنہ صحیح ترجمہ نہ کرتے، یہ ہے مترجمانہ بدحواسی! خیر قلمی مصرع صحیح ہی۔

۱۷۔ مائیم بہ لطفِ تو، تولا کردہ ٭ وز طاعت و معصیت تبرا کردہ
آنجا کہ عنایتِ تو باشد، باشد ٭ ناکردہ چو کردہ، کردہ چون ناکردہ

مطبوعہ رباعی مین "بہ لطفِ حق" لکھا ہے، "بہ لطفِ تو" مرجح ہے، ورنہ تیسرے مصرع کا خطاب اپنا حسن کھو بیٹھے گا،

۱۸۔ با درد قناعت کن و بادادبزی، ٭ دربندِ فضولی مشو، آزاد بزی،
منگر بہ فزونے زخود و غصہ مخور ٭ درکم زخودے نگہ کن و شادبزی

مطبوعہ مجموعون مین "بادادبزی" کی جگہ "دلشاد بزی"، اور "بند فضولی" کے عوض "بند فزونی" لکھا ہے، "دلشاد بزی" سے "بادادبزی" بہتر ہے، "قناعت کن" کا مقصد ہی یہ ہے کہ جو کچھ میسر آجائے، اسے بخوشی صرف مین لاؤ، "دلشاد بزی" سے کچھ معنوی اضافہ نہین ہوتا، داد عدل و انصاف کو بھی کہتے ہین، عطا و بخشش کا بھی نام ہے، درد بفتح نہین ہے، بضم بمعنی تلچھٹ ہے، مقصد یہ ہے، کہ جو کچھ بھی میسر آجائے، اسے شکر کا سبب شمار کرو، اور تنہا خوری سے بچو، کیونکہ :۔

نیم نانے گر خورد مردِ خدا!
بذلِ درویشان کند نیمِ دگر!

رہے فضولی اور فزونی، تو یہ دونون مترادف ہین، لیکن آئندہ مصرع مین فزونے آرہا ہے، اس لئے فضولی بہتر ہے،

۱۹۔ با من تو ہرانچہ گوئی، از کین گوئی ٭ پیوستہ مرا ملحد و بیدین گوئی،

من خود مقرم بر انچه هستم لیکن　　انصاف بده، ترا رسد کین گوئی؟

مطبوعہ رباعی مین تیسرا مصرع یون لکھا ہے، ؎

من خود مقرم هر انچه گوئی هستم،

قلمی مصرع زیادہ صاف ہے،

۲۰- تا در تنِ تست استخوان و رگ و پے　　از خانۂ تقدیر منہ بیرون پے،

گردن منہ از خصم بود رستم زال　　"منت مبر" ار دوست بود حاتم طے'

مطبوعہ رباعی مین "منت مکش" ہے، "منت کشیدن" اور "منت بردن" دونون طرح محاورہ ہے،

۲۱- از دفترِ عشق می کشادم فالے　　ناگاہ ز سوزِ سینہ صاحب حالے

می گفت "خوشا کسے، کہ در خانۂ او　　یار یست چو ماہے و شبے چون سالے"!!

الہ آبادی نسخہ مین "دفترِ عشق" کی جگہ "دفترِ عمر" اور "یارے ست" کی جگہ "روزیست" لکھا ہے، شارح نے ترجمہ مین اسی کو اصل قرار دیا ہے، مگر قوسین مین "یار یست" کا ترجمہ بھی لکھا ہے، تعجب ہوتا ہے، کس درجہ غلط راستہ اختیار کیا، صرف قلمی رباعی درست ہے "دفترِ عمر" سے یہان کیا تعلق؟

۲۲- در راہِ خرد بجز خرد را مپسند　　چون مست، رفیقِ نیک و بد را مپسند

خواہی کہ ہمہ جہان ترا بپسندند　　می باش پسندیدہ و خود را مپسند

مطبوعہ مجموعہ مین "چون ہست" اور "می باش بخوشدلی" لکھا ہے، قلمی رباعی لائقِ ترجیح ہے، گو دوسرا مصرع دونون کا برابر وزن رکھتا ہے، لیکن چوتھا مصرع مطبوعہ اچھا نہین، مقصود یہ ہے کہ "کام ایسے ہی کرو کہ دنیا پسند کرے، مگر خود بینی اور خود ستائی سے کوسون دور بھاگو" "خوشدل رہنا" سے یہان کیا سروکار،

۲۳- چون حاصلِ آدمی درین خانِ دو در　　جز درد و بدل، دادنِ جان نیست دگر

خرم دلِ آن کہ یک نفس زندہ نبود　　　وآسودہ کسے کہ او نزاد از مادر

مطبوعہ نسخون مین خان دو در کی جگہ، جائے دو در، اور راہ جز درد دل وا انخ ہے، چوتھے مصرع مین او نزاد کے عوض، خود نزاد تحریر ہے، خان بمعنی سرائے،

۲۴- دردہر توکام خویش افراشتہ گیر　　　وز عمرِ عزیز بہرہ برداشتہ گیر!

تا در نگری انچہ مرادِ دلِ تست　　　برداشتہ گیر و باز بگذاشتہ گیر!

مطبوعہ رباعی مین چارون مصرعے بہ تغیر تحریر ہین،

از چرخ بکام سر برافراشتہ گیر،　　　وز عمر تمام بہرہ برداشتہ گیر،

از گنج و گہر ہرچہ مرادِ دلِ تست　　　برداشتہ گیر و باز بگذاشتہ گیر،

قلمی نسخہ مین بہر لکھا ہے، غالباً ہ کتابت سے رہگئی ہے، توازن مین کسی کو ترجیح نہین،

۲۵- تا کے ز وفا عمر بہ غم در شکنم　　　این خندۂ می، در دلِ ساغر شکنم

برخیز و پیالہ رازمے پر گردان　　　باشد کہ غم جہان ہم در شکنم،

مطبوعہ مجموعہ مین پہلا مصرع اس طرح لکھا ہے، ؎

من گر ورقِ عمر بغم در شکنم،

سمجھ مین نہین آتا، یہان شرط کا کون محل ہے؟ کیا صرف غم غلط کرنے ہی کے لئے شراب کی ضرورت ہے؟ ادنیٰ سے تغیر سے خیام کا سارا مدعا خبط ہوگیا؛ وہ وفا کرتے کرتے تنگ آکر کہتا ہے، کہ "آخر کب تک وفا مین غم کے ہاتھون عمر کو ضایع کردن، ساقیا اٹھ، اور شراب دے، ممکن ہے اسی طرح غم غلط ہو جائے"، لیکن رُباعی من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ سراید کی مصداق نظر آتی ہے،

عیشِ مایوسی

اور

مرزا اسداللہ خان غالبؔ

از سید مقبول حسین صاحب بی اے، احمد پوری

نہ لائی شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی   کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے، (غالب

ہمارے جذبات جن کی تحلیل عموماً امید و بیم سے ہوتی ہے، کسی نہ کسی نتیجہ کی طرف گامزن ہین خواہ و
نتیجہ خوش گوار ہو یا ناگوار، اگر خوش گوار ہوا تو سمجھئے کہ "حصولِ مقصد" یا کامیابی تک رسائی ہوگئی، اگر انجا
برعکس ہوا تو ناکامی و مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، ان دونون متضاد نتائج یعنی کامیابی و ناکامی کے در
صرف اُمید ہی ہماری رہنما ہے، گو راہِ عمل مین امید و بیم بھی روز و شب کی طرح

دینا کی کروٹین ہین تاریک اور روشن

لیکن چونکہ خوشی و غم کا وجود انسان سے باہر نہین[1] اور ہمارے جذبات مین ہر دو عناصر کا کچھ نہ کچھ حصہ
فطرت کی طرف سے بھی ودیعت ہوا ہے، اس لئے "ناامیدی" مین بھی کوئی نہ کوئی امید ضرور پنہان ہوتی ہے
جو انتہائے بیم کی تاریکی مین اپنی ٹمٹماتی ہوئی روشنی برقرار رکھتی ہے،

جب ہم سمجھنے لگتے ہین کہ ہم سے زمانہ برگشتہ ہوگیا، جب ہمت قایم نہین رہتی، اور جب ہمارے ہاتھ
پاؤن راہِ عمل مین تھک کر شل ہو جاتے ہین، اس وقت، اسی عالمِ حرمان و مایوسی مین امید کا فرشتۂ رحمت
تبسم کنان آتا ہے، اور آرزؤن کے پھولون سے ہمارا دامن بھر دیتا ہے، جن کی فرح بخش خوشبو سے قلب و دماغ
کو فرحت اور دست و پا کو قوت حاصل ہوتی ہے، ہم پھر ہمت کرکے آگے بڑھتے ہین تاکہ حصولِ آرزو ممکن ہو سکے

---

[1] برکلے کا فلسفہ اس خیال کا شاہد ہے،

یعنی انتہائے رنج وغم اور انتہائے مصیبت مین خوشی کا پہلو کسی نہ کسی طرح نمایان ہو ہی جاتا ہے، بقول[1] تمنا

"درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا"

رنج والم کی بعض کیفیتین انسان مین ایسی بھی ہوتی ہین جن سے اس کو ایک قسم کا اطمینان وسکون ہی نہین بلکہ لطف بھی حاصل ہوتا ہے، وہ اُن الم ناک کیفیتون سے لذت یاب ہو کر "راحت وخوشی" کا ذریعہ ہونے والے اُن نتائج کو بھول جاتا ہے، جن کو حاصل کرنے کے لئے وہ پہلے کوشش کر رہا تھا، یا یون کہئے کہ ایک قسم کی مایوسی سے دوسرے قسم کی آرزو پیدا ہو جاتی ہے، اور امیدون کی نوعیت بالکل تبدیل ہو جاتی ہے، اس لئے ہر ناامیدی کسی نہ کسی امید کا منبع ہے، اور:-

"کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے"

یہی تجدیدِ رنج وراحت مین ایک رشتۂ اتحاد ہے، انسان راحت وآرام کا جویان ہے یہی اس کا مقصد ہے، اور یہی راہِ عمل کی منزل لیکن اگر بجائے راحت کے تکلیف انجام ہو تو وہ ہاتھ پیر کو توڑ کر بیٹھ نہ رہے گا، بلکہ جب تک دم مین دم باقی ہے حصولِ مسرت کے دوسرے ذرایع پر عمل پیرا ہوگا، ایک ماہر[1] علم النفس کا مقولہ[2] ہے:-

"خوشی کامیابی سے اسی طرح متحد ہے، جس طرح تکلیف ناکامی ومایوسی سے (صرف فرق اتنا ہے کہ)
خوشی حصولِ مسرت کے ذرایع کو قایم رکھتی ہے، اور اُن ذرایع کی ترقی واستقلال کا ذریعہ ہے،
(برخلاف اس کے) رنج یا تکلیف مسرت کے ان ذرایع کو جن کے حصول کے لئے ہم راہِ عمل مین گامزن
ہین، تہ وبالا کر کے:....... ہمکو دوسرے ذرائع کی طرف رجوع کر دیتی ہے"

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ "مشکلین اتنی پڑین مجھ پر کہ آسان ہو گئین" یعنی ہم نے حل مشکلات کا دوسرا

---

[1] William Mc Dougall

[2] کتاب "An Outline of Psychology"

طریقہ اختیار کیا، یہ معلوم کر لینا ہی ایک قسم کا ذریعۂ ''آسانی'' ہے، کہ پہلے جس راستے سے چلے تھے وہ غلط تھا
کہ ہماری ہمت بلند ہے، تو مایوسی کا یہ زینہ ہی ہم کو دوسری طرف رجوع کر رہا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ
انسان راہِ عمل مین ''رنج کا خوگر'' ہو اور ہمت نہ ہارے، کیونکہ مایوسی بجائے تکلیف کے آسانی اور خوشی کے
ذرایع بھی دکھا سکتی ہے، یعنی اگر ہمت کے ساتھ استقلالِ عمل بھی ہے، تو کوئی کام دشوار نہین، ورنہ ہر کام دشوار
ہے، اور عمل ہی سے انسان انسان ہے، ورنہ غیر انسان، سچ ہے، ؎

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا　　　آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا

وہ طالب علم، علم کا طالب نہین جو ایک ہی مرتبہ کی ناکامی مین ہمت ہار دے، وہ شکست خوردہ سردار،
سردار نہین جو دوسرے مقابلہ کی کوشش نہ کرے، وہ قوم، قوم کہلانے کی مستحق نہین جس کا دل دائمی امید کا
آشیانہ نہ ہو، یعنی جو کوشش و عمل پر کاربند نہ ہو، انسان کو تو راہِ عمل مین ایسا منہمک ہونا چاہئے کہ وہ عمل ہی
کو نتیجۂ عمل بھی سمجھنے لگے، یعنی راہِ عمل مین اسے :- ''شعورِ غم نہ ہو فکرِ مآلِ کار نہ ہو''

امید کیا ہے؟ وادیِ ایمن مین چمکنے والی روشنی، اگر پرخار صحرا اور برہنہ پائی کا خوف ہے تو پیغمبری
جیسی ''آگ'' بھی نہ ملے گی، امید تو خاردار جنگلون اور طوفانی سمندرون کے اس پار ایک ''لالہ زار'' ہے
جہان کوئی پھول ایسا نہ ہوگا، جو باوجود اپنی شگفتگی کے خون گشتہ آرزؤن کا داغ بھی نہ رکھتا ہو، اس لئے
ناکامی و کامیابی، فتح و شکست، نامرادی و فیروزمندی غرض ہر قسم کی تکلیف و آرام کا سامنا ہوگا، اگر پہلے پہل
آرام ہی مل گیا تو گویا ہم رنج کے خوگر نہ ہوئے اور اگر ہم رنج کے خوگر نہین ہوئے تو راہِ عمل مین آگے بڑھنا
ذرا مشکل ہے، کیونکہ صبر و ضبط کی قوت ہم مین نہ ہوگی، کہ ناکامی و نامرادی کا بھی مقابلہ کر سکین،

اس مین شک نہین کہ کامیابی سے ہماری ہمت بڑھ جاتی ہے، مگر وہ انسان کامیاب نہین جس نے ناکامی
کے تجربے بھی حاصل نہ کر لئے ہون، جیسے کہ گلِ بے خار موجود نہین، حسرت و یاس تو انسان کے خمیر مین روزِ
ازل سے شامل ہین، اور تکالیف کا عنصر تو آرام سے کہین زیادہ ہے، اس لئے اس زندگی مین ''ناکامیان''

ماحصلِ حیات ہین اور یہ کہ :-

"جو عمر رائگان ہے وہی رائگان نہین"

یہی وہ فلسفہ ہے جس کو "افادیات" کی تحت مین "عیشِ مایوسی" کہنا زیادہ مناسب ہوگا، علم النفس مین "Hedonism" بھی اسی کا ایک پہلو ہے، موخر الذکر[1] نظریہ کے روسے ہر کام خوشی یا خوشی کی آرزو اور رنج سے برگشتگی پر مبنی ہے، اگر امید کا انجام مایوسی ہوا تو اس مایوسی سے برگشتگی کے اسباب بھی پیدا ہوجائین گے، جن کا رجحان خوشی کی طرف ہوگا، اسی بنا پر یورپ کا ایک[2] ماہر علم النفس اپنی ایک کتاب کے شروع مین لکھتا ہے :-

"قدرت نے انسان کو دو زبردست قوتون کے ماتحت پیدا کیا ہے، تکلیف و راحت، یہ دونون قوتین ہمارے قول و فعل کی رہنما ہین، .... راستی و ناراستی کا دستور ان سے ایک طرف وابستہ ہے، اور سبب و اسباب کا دوسری طرف، انسان ان کی حکومت سے برگشتہ ہونا چاہتا ہے، مگر فطرةً مجبور ہے، فلسفۂ افادیات کے اصُول اس مجبوری کو تسلیم کئے ہوئے ہین، اور عقل و قانون کو ان کا ماتحت سمجھتے ہوئے، ان قوتون کو ہر آسانی کا ذریعہ بھی سمجھتے ہین"

شاید اسی فلسفہ کو مدِ نظر رکھکر غالب نے یہ شعر کہا تھا کہ ؎

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق　　　نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اس مین شک نہین کہ آج کل غالب پر قلم اٹھانا سورج کو چراغ دکھانا ہی نہین، بلکہ "اتہامِ ادبی" ہے، تاہم اگر کسی حقیقت پنہان کا اظہار ہو سکے تو اس کو ظاہر کرنا نامناسب نہین، اگر فلسفۂ اخلاق و علم النفس کی عینک سے دیکھا جائے، تو مرزا صاحب صداقت و ہمت کے مواعظ اشعار مین بیان کرتے ہوئے معلوم

---

[1] یعنی "Psychological Hedonism"

[2] "Jeremy Bentham" کتاب ۵۳ "Principles of Morals and Legislation"

ہون گے، جو عوام کی نظروں مین مرزا کے تضاد اندازِ بیان[1] کی وجہ سے مبالغہ معلوم ہوتے ہین،

الغرض، "عیشِ یا یوسی"، کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ مایوسی تجدیدِ آرزو اور تجدیدِ عمل کا ذریعہ ہے، درد کا حد سے گذر کر دوا ہو جانا، اس کے منت کشِ دوا نہ ہونے سے مطمئن رہنا، بجائے زخمِ تیر کے زخمِ تیغ کا متمنی ہونا، اور زخم کے بھرنے تک ناخن کے بڑھ آنے سے خوش ہو جانا وغیرہ، تضادِ اندازِ بیان پر دلالت کرتے ہوئے "HED-ONISM"، اور فلسفۂ افادیات[2] کی تفسیر ہین، غالب کا کوئی ایسا شعر نہین جس مین اس مفہوم کی جھلک نہ ہو، اور بعض اشعار تو صرف اس مفہوم کا اظہار ہین، مثلاً ؎

عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا　　　لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکدان ہونا

امید و بیم کی وجہ سے ہماری خواہشین ہم کو عمل کرنے پر مجبور کرتی ہین، اسی بنا پر زندگی کے مقابلہ مین موت کا ہونا ضروری و لازمی ہے، کیونکہ محض موت کا خیال دنیا مین ہمارے کامون کا محرک ہے، ورنہ چادر دیکھ کر پاؤن پھیلاتے، اور جس قدر فرصت ہوتی اتنا ہی تساہل برتتے، "نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا"

سچ ہے اگر تاریکی نہ ہو تو روشنی کا لطف نہین، اگر رات نہ ہو تو دن مین خوبی نہین، اگر گناہ نہ ہون تو بندگی کا دم بھرنا ایک بے معنی گفتگو کرنا ہے، ظلمت و نور، خزان و بہار، رنج و آرام سب ایک دوسرے کی خوبی و خوش اسلوبی کا ذریعہ ہین، اسی وجہ سے ہر کمال کو زوال ہے، اور

"شادی و غم ہین توام دنیا کی انجمن مین"

المختصر مرزا صاحب ناکامی مین کامیابی کے جویان ہین، شکست مین ان کو فتح نظر آتی ہے، رنج و غم سے ان کو خوشی حاصل ہوتی ہے، اور منتہائے مایوسی ان کے نزدیک عیش و عشرت کی منزل ہے، ان کا فلسفہ بالکل استوار ہے، جس مین شک و شبہہ کی گنجایش نہین، ان کے کسی شعر سے تشکیک یا (SCEPTICISM) کا اظہار ہوتا ہوا معلوم نہین ہوتا، اخلاق

---

[1] ملاحظہ ہو "اجتماع ضدین اور غالب"، [2] VTILITERIANISM

و موعظت سے متعلق جو اشعار[1] ہین وہ گویا کسی ضابطہ یا قانون کی دفعات ہین، جنمین نہ کسی قسم کی آرائشگی ہے نہ تصنع، نہ "نیچریت" ہے نہ مبالغہ پردازی،

مرزا صاحب کا قول تھا کہ اگرچہ ہماری عمر یعنی حیات دنیوی "برق خرام[2]" ہے، لیکن اس خیال سے اہل دل کے "ذوقِ اُمید" اور ہمت والون کی "مشکل پسندی" مین کمی نہین ہو سکتی، یعنی صاحبِ ہمت دنیاوی تکالیف کو خیال مین نہین لاتا، اس زندگی سے بڑھکر بھی سخت و صعب کوئی زندگی ملے تو بھی کچھ غم نہین، جس طرح اس زندگی مین صحرا نوردی کی ہے، دوسری زندگی مین بھی ممکن ہے، اور اس زندگی مین ہر قسم کی تکالیف کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے، ؎

نہ ہوگا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا

اس طرح مرزا صاحب میر صاحب سے ہمت مین سبقت لیجاتے ہین، میر صاحب نے تو صرف یہ کہا تھا کہ "دم لیکر آگے چلینگے[3]"، لیکن مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ "یک بیابان ماندگی" سے نہ تو مین تھک سکتا ہون، نہ میرا شوق کم ہو سکتا ہے، مجھ کو تو حیاتِ دنیوی کی سی سیکڑون "بیابان ماندگیان" بھی ہراسان نہین کر سکتین،

غرض انسان ازل ہی سے تکلیف پسند پیدا کیا گیا ہے، اگرچہ اس کا ہر فعل حصولِ راحت پر مبنی ہے راہ عمل مین گو وہ خوشی اور عیش و عشرت کا جویان کیون نہ ہو، بغیر تکلیف اٹھائے اس کو آرام کا لطف کبھی حاصل نہین ہوتا، اس کی ایک نمایان مثال قرآن پاک مین بنی اسرائیل سے متعلق وہ حکایت ہے

---

[1] مثلاً ؎ نہ سنو گر برا کہے کوئی ۔۔۔ نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی ۔۔۔ بخش دو گر خطا کرے کوئی

[2] ؎ عمر ہر چند کہ ہے "برق خرام" ۔۔۔ دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی (غالب)

[3] ؎ مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے ۔۔۔ یعنی آگے چلینگے دم لے کر (میر)

جبکہ انھون نے "من وسلویٰ" پر قانع نہ رہ کر "بقلہا وقثائہا وفومہا وعدسہا وبصلہا" کی خواہش کی تھی، اسی لئے ؎

کیون نہ ٹھہرین ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
آپ اٹھالاتے ہین گر تیر خطا ہوتا ہے،

اور "عیشِ مایوسی" کی اس سے بڑھکر کوئی دلیل بھی نہین ہوسکتی، جذبات واحساسات کا بندہ انسان تو سمجھتا ہے کہ مایوسی اور محرومی ہی کسی نہ کسی طرح قسمتون کا فیصلہ کردیتی ہین، مگر دراصل ہر محرومی سے اور ہر مایوسی وناکامی سے کامیابی وامید کی یہ صدائے سامعہ نواز نہایت دھیمے لہجے مین سنائی دے گی کہ:-

اصغرؔ "قرب کی راہون مین، میری راہ اک دوری بھی ہے"

سچ ہے مایوسی وناکامی مین جو "حسن" پنہان ہے، اس کا اندازہ وفورِ جذبات کی وجہ سے بہت کم ہوتا ہے، اس لئے یہ کہنا بھی درست ہے کہ ؎

اصغرؔ — نہین معلوم کتنے جلوہ ہائے حسن پنہان ہون
کوئی پہونچا نہین گہرائیون مین اشکِ پیہم کی

عربون کے آلاتِ جہازرانی

مترجمہ

مولوی محمد فاروق صاحب ایم، ایس، سی،

عربون کے فنِ جہازرانی پر حال مین (۱۹۲۸ء) اسد البحر ابن ماجد وغیرہ کے عربی رسائل کا جو ضخیم مجموعہ دو جلدون مین پیرس سے شایع ہوا ہے، اُس کی تیسری جلد مین فرانسیسی زبان مین اُن رسائل پر اور عربون کے فن جہازرانی پر محققانہ تبصرہ ہے، ہمارے ہان فرنچ جاننے والے اہل علم کی جو کمی ہے، وہ ظاہر ہے، مگر خوش قسمتی سے اس مین ایک مضمون انگریزی مین بھی ہے، اُس کے ترجمہ کے لئے متعدد اصحاب کو آمادہ کیا، مگر ریاضی اور ہیئت کی اصطلاحات کی دقت کی وجہ سے اس کا ترجمہ مشکل تھا، اس اثنا مین ہمارے دوست مولوی محمد فاروق صاحب دیوانہ ایم ایس سی سابق معلم ریاضیات مسلم یونیورسٹی دارالمصنفین آئے، انھون نے میری فرمایش سے اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا، مگر ہنوز اس کا ترجمہ پورا نہ کرنے پائے تھے، کہ اُن کے یہان قیام کے دن پورے ہوگئے، اُن کا وعدہ ہے کہ پھر کبھی اگر وہ اس کی تکمیل کرین گے، مگر دیوانہ کی بات کا اعتبار کیا؟ بہرحال اس مضمون مین خصوصیت کے ساتھ اُن آلات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جو زمانۂ سابق مین عرب جہازرانون مین رائج تھے، یہ مضمون ایک انگریز مسمی جیمز پرنسپ کا لکھا ہوا ہے، جو ۱۸۳۶ء مین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ مین شایع ہوا تھا، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ آج سے سو سال پہلے تک [illegible] اور کلکتہ کے درمیان جو تجارت ہوتی تھی وہ عرب جہازرانون کے ہاتھ مین تھی، جس قسم کے آلات یہ جہازران استعمال کرتے تھے اُن مین سے ایک آلہ کا نام کمال تھا، جس کی مدد سے وہ لوگ عرض بلد دریافت کرتے تھے، یہ ایک نہایت سادہ قسم کا آلہ تھا، اور مضمون نگار نے ذیل مین اس کی نسبت

اور از روئے حساب اس سے استخراج عرض البلد کے طریقہ سے بحث کی ہے، "معارف"

جب سے عربون کے جہاز جو ہر سال کلکتہ کی بندرگاہ مین آتے ہین، (یہان) آئے ہین مین نے ان آلات کے متعلق جو عرض البلد کی پیمایش مین کام آتے ہین اُن سے متواتر دریافت کیا، اور مجھے توقع تھی کہ بیرن فان ہیمر نے جو ترجمہ "محیط" کا کیا ہے، اس طریقہ پر اسکی کچھ زیادہ وضاحت ہو جائے گی، مین اب تک کامیاب نہین ہو سکا، اس لئے کہ قدیم اور بھدے آلات کی جگہ اب انگریزی آلات ربع اور سدس نے لے لی ہے، البتہ ایک مرتبہ ایک معلم کو جب مین نے اس آلہ کا پتہ دیا تو بظاہر وہ میرا مطلب سمجھ گیا، لیکن وہ اس کی ترکیب ساخت کو نہ سمجھا سکا، اور مجھ سے وعدہ کیا کہ دوسرے سفر مین میرے لئے وہ اس قسم کا آلہ لیتا آئے گا، مین نے جب اس سے "اصبع" کی تقسیم کے متعلق سوال کیا تو اس نے اپنے دونون بازو پھیلا دیئے، اور اپنی انگلیون کو ایک ساتھ افق کے محاذ مین رکھکر ان کے ذریعہ سے قطب کی بلندی کا شمار کرنے لگا، جس سے مین نے قیاس کیا کہ عرب جہاز رانون کا قدیم اور بھدا طریقہ یہی رہا ہوگا،

آخر کار جزائر مالدیپ کے ایک جہاز مین میری ملاقات ایک ہوشیار جہاز ران سے ہو گئی جو میرے لئے وہ تمام قدیم آلات جنکی مدد سے وہ کلکتہ تک کا سفر کیا کرتا تھا، لے آیا، میری دانست مین چونکہ وہ عام طور پر لوگون کو معلوم نہین ہین، اور یہ بھی ایک امر یقینی ہے کہ وہ (تمام آلات) عربی الاصل ہین، اس لئے مین ذیل مین ان کی توضیح کر دینا ضروری سمجھتا ہون،

شکل نمبر۱ "کمال" کی ہے، یہ ایک آلہ ہے جس سے قطب اور قطب کے گرد کے (ابدی الظہور) ستارون کا ارتفاع دریافت کیا جاتا ہے، اس کی شکل بالکل سادہ ہے، اس آلہ مین ایک سینگ کا متوازی الاضلاع (مستطیل) ٹکڑا ہے، جس کی لمبائی دو انچ اور چوڑائی ایک انچ ہے، اس کے مرکز مین ایک اور کبھی دو ڈوری پہنائے ہوتے ہین، ڈوری مین نو گرہین لگی ہوتی ہین اس آلہ کو قطب تارے کی بلندی ناپنے کے لئے اس طرح استعمال کرتے ہین کہ ڈوری تو دانتون مین لے لیتے ہین اور سینگ

کے ٹکڑے کو آنکھون سے اتنے فاصلے

افق

شکل نمبر ۱ کمال
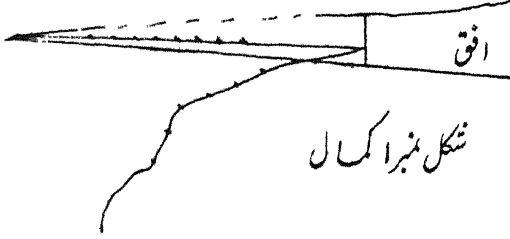
پر رکھتے ہین، کہ اُس کا نیچے کا حصہ اُفق بحری کو ماس کرتا ہوتا ہے، اور بالائی حصہ ستارے کے اوپر آجاتا ہے، اس کے گرہون کو شمار کرتے ہین: اور اسے عرض البلد کی مقدار قرار دیتے ہین، ان گرہون کے لگانے کا طریقہ عجیب وغریب ہے، پہلے سینگ کے ٹکڑے کی لمبائی کے پنجگونہ کو اکائی قرار دیتے ہین، اور اسے بارہ حصون مین تقسیم کر دیتے ہین، پھر ان مین سے بقدر چھ حصے کے ڈوری کی لمبائی سینگ سے ناپ کر پہلی گرہ لگاتے ہین، جسے ۱۲ کہتے ہین، دوبارہ اسی اکائی کو گیارہ حصون مین تقسیم کر کے مثل سابق کے سینگ سے بقدر چھ حصہ کے ڈوری کی لمبائی ناپ کر گرہ لگاتے ہین اور اسے ۱۱ کہتے ہین، اسی طرح اکائی کو متواتر دس، نو، آٹھ، سات اور چھ حصون مین تقسیم کرتے جاتے ہین (اور اس مین سے بقدر چھ حصے کے ناپ کر گرہ لگاتے جاتے ہین) یہان تک کہ آخر گرہ سینگ کی لمبائی کے پنجگونہ فاصلہ پر لگتی ہے، اس نقطہ کو ۲ شمار کرتے ہین، اس کے بعد بقدر سینگ کی ایک قطر کے ناپ کر دو یا پانچ کی گرہ لگاتے ہین، اور اس سے آگے بہ قدر ڈیڑھ قطر کے فاصلہ پر چار کی گرہ لگا کر پیمانے کو ختم کر دیتے ہین،

سینگ یعنی قطر ب د کے مرکز سے ان اجزا کی مقدار کی پیمایش ایک آسان بات ہے، یہ اجزا زاویہ ج ب ا کے اظلال معکوس کی نسبت نصف قطر ج ب کے ساتھ یعنی تمام زاویہ ج ب ا کے اظلال مستوی کو ظاہر کرتے ہین لیکن زاویہ ہ ب ا زاویہ ب ا ج کے برابر ہے جو زاویہ ذ ا ب کا نصف ہوتا ہے، یہ اجزا نصف زاویہ [illegible] کے اظلال مستوی کی

ب
ج
د
ا

شکل نمبر ۲
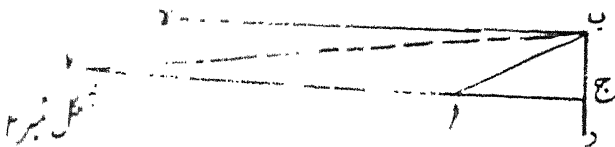
ظاہر کرتے ہین، ان کی واقعی مقدار کو بہ صورت ارتفاع معلوم کرنے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے، کہ ان کے تناسب عددی کو جو نصف قطر کے ساتھ ہے جدول اظلال کی مدد سے درجون اور دقیقون مین منتقل کرین، اور ہر صورت مین ان کی دگنی مقدار کو عرض البلد قرار دین، سینگ چونکہ نصف قطر ب ج کی دگنی ہے، ہمکو حسب ذیل نتیجہ حاصل ہوتا ہے :۔

شمار (گرہ)	عرض البلد	فرق
۱۲ = ۲×۵ ÷ ۱۲×۶ = ۵۰۰	۲۲ درجہ ۳۸ دقیقہ	X
۱۱ = ۱۰ ÷ ۱۱×۶ = ۵۴۵	۲۰ ″ ۴۶ ″	یک درجہ ۵۲ دقیقہ
۱۰ = ۱۰ ÷ ۱۰×۶ = ۶۰۰	۱۸ ″ ۵۴ ″	۱ ″ ۵۲ ″
۹ = ۱۰ ÷ ۹×۶ = ۶۶۶	۱۷ ″ ۴ ″	۱ ″ ۵۰ ″
۸ = ۱۰ ÷ ۸×۶ = ۷۵۰	۱۵ ″ ۱۲ ″	۱ ″ ۵۳ ″
۷ = ۱۰ ÷ ۷×۶ = ۸۵۷	۱۳ ″ ۱۸ ″	۱ ″ ۵۳ ″
۶ = ۱۰ ÷ ۶×۶ = ۱۰۰۰	۱۱ ″ ۲۴ ″	۱ ″ ۵۴ ″
۵ +۳ = ۱۲۰۰	۹ ″ ۳۲ ″	۱ ″ ۵۲ ″
۴ +۵ = ۱۵۰۰ = (اظلال معکوس نصف زاویہ)	۷ ″ ۳۶ ″	۱ ″ ۵۶ ″

(جدول کے) آخر کالم کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اس سادہ طریقہ سے جو سلسلہ موسیقیہ اجزا کا حاصل ہوتا ہے، وہ زاویہ ارتفاع کے قریب قریب مساوی اضافون کے ساتھ منطبق ہوجاتا ہے، اور یہ اضافہ ہر جزو کے مقابلہ مین دو درجہ (زاویہ) سے کچھ کم ہوتا ہے، علاوہ ازین سب سے بڑا عدد یعنی ۱۲ قریب قریب کلکتہ کے عرض البلد یعنی ۲۲ درجہ ۳۸ دقیقہ سے منطبق ہے جو سب سے زیادہ شمال عرض البلد ہے، جہان تک مالدیپ کے جہازرانون کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے، سب سے چھوٹا عدد یعنی ۴ جزیرۂ لنکا کے انتہائی جنوبی حصہ کے یا جزائر مالدیپ کے اوسط

رض البلد سے منطبق ہوتا ہے،

یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اگر اکائی بجائے قطر کے پنجگونہ کے چہ گونہ تسلیم کیجاتی تو اجزا کا ایک ایسا سلسلہ حاصل ہوتا جو ایک درجہ ۳۶ دقیقہ کے اصبع کے برابر ہوجاتا جسے محیط کی سند کے مطابق پندرھوین صدی کے جہازران استعمال کرتے تھے اس سلسلہ کو بغیر بہت زیادہ انحراف کے دونون جانب بڑھایا جاسکتا ہے مثلاً حسب ذیل ابتدا کی جاسکتی ہے:-

۱۱×۶÷۱۶ = ۵۰۴ ظل مستوی زاویہ	عرض البلد ۲۵ درجہ ۴ دقیقہ	تفاوت ۱ درجہ ۳۲ دقیقہ
۱۵ = ۴۸۰	۲۳ 〃 ۳۲ 〃	۱ 〃 ۳۱ 〃
۱۴ = ۵۱۴	۲۲ 〃 ۱ 〃	۱ 〃 ۳۳ 〃
۱۳ = ۵۵۴	۲۰ 〃 ۲۸ 〃	۱ 〃 ۳۲ 〃
۱۲ = ۶۰۰	۱۸ 〃 ۵۶ 〃	〃 ۳۴ 〃
۱۱ = ۶۵۴	۱۷ 〃 ۲۴ 〃	۱ 〃 ۳۴ 〃
۱۰ = ۷۲۰	۱۵ 〃 ۴۸ 〃	۱ 〃 ۳۴ 〃
۹ = ۸۰۰	۱۴ 〃 ۱۴ 〃	۱ 〃 ۳۴ 〃
۸ = ۹۰۰	۱۲ 〃 ۴۰ 〃	〃 ۳۴ 〃
۷ = ۱۰۲۹	۱۱ 〃 ۶ 〃	〃 ۳۴ 〃
۶ = ۱۲۰۰	۹ 〃 ۳۲ 〃	〃 ۳۶ 〃
۵ = ۱۴۴۰	۷ 〃 ۵۶ 〃	〃 ۳۴ 〃
۴ = ۱۸۰۰	۶ 〃 ۲۲ 〃	〃 ۳۶ 〃
۳ = ۲۴۰۰	۴ 〃 ۴۶ 〃	〃 ۳۶
۲ = ۳۶۰۰	۳ 〃 ۱۰ 〃	〃 ۳۴ 〃
۱ = ۷۲۰۰	۱ 〃 ۳۶ 〃	〃 ۳۰ 〃
صفر ، لامتناہی	صفر	

حیدرآباد دکن مین ایک قابلِ یادگار علمی ہفتہ

از

محمدؐ فاروق صاحب بی اے معتمد بزم تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد دکن مین ۲۶ر اگست سے ۳ر ستمبر تک کا ہفتہ ان اصحاب کو جو علوم وفنون کی ترقی مین دلچسپی لیتے ہین، ہمیشہ یاد رہے گا، یون تو جامعہ عثمانیہ کے قیام کی وجہ سے سلطنت ابد مدت مین ویسے ہی علمی چہل پہل نظر آتی ہے، لیکن اسمین عوام الناس کے مذاق علمی مین اضافہ کرنے کی سہولتین نسبتہً کم ہین، اور علمی چرچے اکثر وبیشتر علمی دائرون تک محدود رہتے ہین، کلیہ جامعہ عثمانیہ مین ۱۰ سال سے ایک بزم تاریخ قائم ہے، جو نہایت خاموشی کے ساتھ، طلباے کلیہ مین تاریخی ذوق پیدا کرنے اور اسے مستحکم کرنے مین ممد رہی ہے، یہ بزم اس قدر خاموشی کے ساتھ دس سال تک کام کرتی رہی، کہ بہت سے اصحاب کو اس کے وجود کا علم بھی نہین ہوا تھا، چنانچہ اس کے دورانِ قیام مین جو مضامین پڑھے گئے، ان مین سے چیدہ چیدہ مضامین جب ایک رسالہ کی شکل مین سنہ ۱۳۴۳ف اور دوسرے رسالے کی شکل مین سنہ ۱۳۴۹ف مین شایع ہوئے تو علم دوست اصحاب نے تعجب اور مسرت کے ساتھ بزم تاریخ اور ان "خزینہ ہاے تاریخ" کا خیر مقدم کیا، امسال جب بزم کی زندگی کے پہلے دس سال بحسن وخوبی ختم ہوئے، تو قدردانون کی اس مہربانی سے متاثر ہوکر کابینۂ بزم نے جس مین کلیہ جامعہ عثمانیہ کے جملہ معلمین تاریخ اور طلباے تاریخ مین سے دس منتخب اراکین شامل ہین، یہ طے کرلیا کہ بزم کی دسوین سالگرہ اس نوع سے منائی جائے کہ اس سے نہ صرف ارکان کلیہ استفادہ کرین بلکہ ایک طرف تو اس کے ذریعہ سے جامعہ عثمانیہ کی آواز دور دور تک پہونچ جائے، اور دوسری طرف ان علمی کارنامون سے عوام بھی بہرہ اندوز ہوسکین،

عرض البلد سے منطبق ہوتا ہے،

یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اگر اکائی بجائے قطر کے بحگونہ کے چھ گونہ تسلیم کیجاتی تو اجزا کا ایک ایسا سلسلہ حاصل ہوتا جو ایک درجہ ۳۶ دقیقہ کے اصبع کے برابر ہوجاتا جسے محیط کی سند کے مطابق پندرھوین صدی کے جہازران استعمال کرتے تھے اس سلسلہ کو بغیر بہت زیادہ انحراف کے دونوں جانب بڑھایا جاسکتا ہے، مثلاً حسب ذیل ابتدا کی جاسکتی ہے:-

ظل مستوی زاویہ ۴۵۰ = ۱۶ ÷ ۱۲×۶	عرض البلد ۲۵ درجہ ۴ دقیقہ	تفاوت ۱ درجہ ۳۲ دقیقہ
۱۵ = ۴۸۰	۲۳ ″ ۳۲ ″	۱ ″ ۳۱ ″
۱۴ = ۵۱۴	۲۲ ″ ۱ ″	۱ ″ ۳۳ ″
۱۳ = ۵۵۴	۲۰ ″ ۲۸ ″	۱ ″ ۳۲ ″
۱۲ = ۶۰۰	۱۸ ″ ۵۶ ″	″ ۳۴ ″
۱۱ = ۶۵۴	۱۷ ″ ۲۴ ″	۱ ″ ۳۴ ″
۱۰ = ۷۲۰	۱۵ ″ ۴۸ ″	۱ ″ ۳۳ ″
۹ = ۸۰۰	۱۴ ″ ۱۴ ″	۱ ″ ۳۴ ″
۸ = ۹۰۰	۱۲ ″ ۴۰ ″	″ ۳۴ ″
۷ = ۱۰۲۹	۱۱ ″ ۶ ″	″ ۳۴ ″
۶ = ۱۲۰۰	۹ ″ ۳۲ ″	″ ۳۶ ″
۵ = ۱۴۴۰	۷ ″ ۵۶ ″	″ ۳۴ ″
۴ = ۱۸۰۰	۶ ″ ۲۲ ″	″ ۳۶ ″
۳ = ۲۴۰۰	۴ ″ ۴۶ ″	۳۶ ″
۲ = ۳۶۰۰	۳ ″ ۱۰ ″	″ ۳۴ ″
۱ = ۷۲۰۰	۱ ″ ۳۶	″ ۳۶ ″
صفر لامتناہی	صفر	

حیدر آباد دکن مین ایک قابلِ یادگار علمی ہفتہ

از

محمدؐ فاروق صاحب بی اے معتمد بزم تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ

حیدر آباد دکن مین ۲۶؍ اگست سے ۲؍ ستمبر تک کا ہفتہ ان اصحاب کو جو علوم و فنون کی ترقی مین دلچسپی لیتے ہین، ہمیشہ یاد رہے گا، یون تو جامعہ عثمانیہ کے قیام کی وجہ سے سلطنت ابد مدت مین ویسے ہی علمی چہل پہل نظر آتی ہے، لیکن اسمین عوام الناس کے مذاق علمی مین اضافہ کرنے کی سہولتین نسبتہً کم ہین، اور علمی چرچے اکثر و بیشتر علمی دائرون تک محدود رہتے ہین، کلیہ جامعہ عثمانیہ مین ۱۰ سال سے ایک بزم تاریخ قائم ہے، جو نہایت خاموشی کے ساتھ، طلباے کلیہ مین تاریخی ذوق پیدا کرنے اور اسے مستحکم کرنے مین ممد رہی ہے، یہ بزم اس قدر خاموشی کے ساتھ دس سال تک کام کرتی رہی، کہ بہت سے اصحاب کو اس کے وجود کا علم بھی نہین ہوا تھا، چنانچہ اس کے دوران قیام مین جو مضامین پڑھے گئے، ان مین سے چیدہ چیدہ مضامین جب ایک رسالہ کی شکل مین ۱۳۴۷ھ اور دوسرے رسالے کی شکل مین ۱۳۴۹ھ مین شایع ہوئے تو علم دوست اصحاب نے تعجب اور مسرت کے ساتھ بزم تاریخ اور ان "خزینہ ہاے تاریخ" کا خیر مقدم کیا، امسال جب بزم کی زندگی کے پہلے دس سال بحسن و خوبی ختم ہوئے، تو قدردانون کی اس مہربانی سے متاثر ہو کر کابینۂ بزم نے جس مین کلیہ جامعہ عثمانیہ کے جملہ معلمین تاریخ اور طلباے تاریخ مین سے دس منتخب ارکین شامل ہین، یہ طے کر لیا کہ بزم کی دسوین سالگرہ اس نوع سے منائی جائے کہ اس سے نہ صرف ارکان کلیہ استفادہ کرین بلکہ ایک طرف تو اس کے ذریعہ سے جامعہ عثمانیہ کی آواز دور دور تک پہونچ جائے، اور دوسری طرف ان علمی کارنامون سے عوام بھی بہرہ اندوز ہو سکین،

انھین امور سے متاثر ہو کر اس سالگرہ کو نسبتہً بڑے پیمانہ پر منانے کا تصفیہ کیا گیا اور اس کے لئے جلد سے جلد کام شروع کر دیا گیا، اور جو کامیابی اراکین بزم کو حاصل ہوئی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک مین علمی فضا کو قبول کرنے کی کس درجہ استعداد و صلاحیت موجود ہے، مشکل سے ہندوستان کا کوئی ایسا صوبہ ہوگا جہان کے وقیع ترین علماء تاریخ نے اسے خوش آمدید نہ کہا ہو، اور اس کی خدمت قبول کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کی ہو، چنانچہ جو مضامین بزم کو حاصل ہوئے (جنکی تفصیل آگے درج ہے) وہ تقریباً ہر ایک صوبہ کے معلمین تاریخ کی طرف سے تھے، نہ صرف یہ بلکہ بزم تاریخ کے صدر ناظم جناب پروفیسر ہارون خان صاحب شروانی کی خواہش پر انگلستان کی جامعہ برسٹل کے صدر معلم تاریخ پروفیسر موڈ نے بھی (جو آج کل جامعہ مچی گن ممالک متحدہ امریکہ مین چند ماہ کے لئے لکچر دینے پر مامور ہین) اپنا ایک مضمون بزم تاریخ مین پڑھنے کے لئے روانہ کیا، مختلف اطراف ملک سے و نیز انگلستان سے جن علماء نے سالگرہ کو خوش آمدید کہا، ان کے الفاظ کا اعادہ اس تذکرہ کو طویل کر دے گا، لیکن محض ان کے نامون کے شمار ہی سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ بزم کی اور اس کے ذریعہ سے جامعہ عثمانیہ کی آواز کہان کہان تک پہنچی ہے، منجملہ دیگر اصحاب کے جنھون نے مہربانی آمیز الفاظ سے کارکنان بزم کو مستفید کیا ہے حسب ذیل ہین:

(۱) پروفیسر آر لین پول صاحب ماڈلین کالج آکسفورڈ

(برادر مسٹر اسٹانلی لین پول)

(۲) راؤ بہادر ڈاکٹر کرشنا سوامی اینگار صاحب مدراس.

(۳) ڈاکٹر بینی پرشاد صاحب الہ آباد

(۴) ڈاکٹر تاراچند صاحب الہ آباد

(۵) پروفیسر محمد حلیم صاحب علی گڑھ

(۶) جناب مولوی غلام یزدانی صاحب حیدرآباد

اس علمی ہفتہ کا آغاز اشیاے تاریخی کی اس نمایش کے افتتاح سے ہوا، جو بزم نے منعقد کی تھی اس موقع پر جناب پروفیسر ہارون خان شروانی صدر ناظم بزم کی دہ سالہ روداد کارگزاری کو سنکر صدر جلسہ نواب ڈاکٹر سر حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فنانس و میر شعبہ فنون جامعہ عثمانیہ نے ایک بسیط اور پرمغز تقریر کی جس مین انھون نے کارکنانِ بزم کو ان کے خاموش اور ٹھوس کام پر مبارکباد دی اور ازراہِ عنایت اشارۃً دو طریقے بتائے جن کے ذریعہ سے بزم آیندہ اپنے مفید کام کو جاری رکھ سکتی ہے،

نمایش اشیاے تاریخی حیدرآباد دکن مین تقریبًا لاثانی تھی، اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے ان بیش بہا تاریخی خزانون مین سے جو حیدرآباد مین بکھرے ہوئے ہین بعض چیدہ چیدہ اشیاء یکجا کردی گئی تھین، جن لوگون نے اس نمایش کو دیکھا، ان مین سے شاید ہی کوئی ہو جو ان اشیاء کی قدر و قیمت، ان کی حسن ترتیب اور یکجائی کا معترف نہ ہوا ہو، ان مین تاریخی کتابون کے قلمی نسخے شہنشاہانِ دہلی، سرکار آصفیہ خاندان والاجاہی، نواب فتح علی خان عرف ٹیپو سلطان، گورنر جنرلان ہند مین سے بعض کے فرامین بعض کے خطوط، و دیگر تحریرین، قدیم ہتھیار، نایاب بیدری سامان، ایران و بخارا، مغلون، راجپوتون اور مرہٹون کے زمانہ کی تصاویر، دہلی سلطنت بہمنیہ و جیا نگر، بنی امیہ و بنی عباس کے سکے، غرض مشکل سے کوئی ایسا تاریخی ماخذ ہوگا جس کی قائم مقام اشیاء اس نمایش مین دکھائی نہ گئی ہون، حقیقت یہ ہے کہ اس نمایش کے انعقاد اور کامیابی کا باعث ایک طرف اراکینِ بزم کی تگ و دو اور دوسرے ان علم دوست اصحاب کی مہربانی ہے، جنھون نے ازراہِ کرم اپنے بیش بہا ذخیرون مین سے چند چیزین بزم کے حوالہ کردین، ساتھ سرکار عالی کے اربابِ محکمہ آثار قدیمہ نے نہایت کھلے دل سے نمایش کے ساتھ تعاون کیا علاوہ ازین نواب ڈاکٹر سر حیدر نواز جنگ بہادر، مولوی سید محمد مہدی صاحب معتمد باب حکومت، ناظم صاحب دفتر دیوانی، پروفیسر ہمنت راؤ، پروفیسر آغا محمد علی صاحب، پروفیسر آغا حیدر حسین صاحب

ڈاکٹر محمد قاسم صاحب معالج سیمات، مولوی محمد غوث صاحب ایم اے، ال، ال، بی، (عثمانیہ) مولوی حمید اللہ صاحب ایم اے، ال، ال، بی، (عثمانیہ) کے نام قابل ذکر ہین جنھون نے نمایش کے لئے مختلف ذخیرے عطا فرما کر کارکنون کی ہمت افزائی کی، یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ یہ نمایش ایک دن تین گھنٹہ کے لئے، خواتین کے معاینہ کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی، چنانچہ اس روز حیدرآباد کی کم و بیش چار سو خواتین نے نمایش کی سیر کی، اور اس سے مستفید ہوئین،

نمایش کے علاوہ مسلسل کئی روز علمی جلسہ ہوتے رہے، جن کی صدارت یکے بعد دیگرے، مولوی عبد الرحمن خانصاحب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ، نواب ڈاکٹر سر امین جنگ بہادر، ام اے، پی ایچ ڈی، صدر المہام پیشی مبارک، نواب حیون یار جنگ بہادر، ام اے، (کنٹب) رکن عدالت العالیہ اور نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد تعلیمات و امور عامہ نے کی،

ان جلسون مین مفصلہ ذیل مضامین پڑھے گئے،

(۱) پروفیسر محمد حبیب صاحب (علی گڈھ) "ابو ریحان البیرونی"،

(۲) پروفیسر موو ٹ صاحب (برسٹل ڈنیورسٹی) "عہد نامہ برلن کے بعد یورپ کی سیاسی کیفیت"،

(۳) راؤ بہادر ڈاکٹر کرشنا سوامی، "اینگار" "آخری تاجدار گولکنڈہ کے برہمن وزرا"،

(۴) پروفیسر ہمنت راؤ (نظام کالج) "تاریخ دکن کے مختلف پہلو"،

(۵) مولوی عبد اللہ صاحب چغتائی (اسلامیہ کالج لاہور) "روضہ ممتاز محل کے تعمیر کار"،

(۶) پروفیسر ہارون خانصاحب شیروانی "خواجہ نظام الملک طوسی کے اصول حکومت"،

ایک خصوصیت ان علمی جلسون کی یہ تھی کہ ہر جلسہ کے محترم صدر نے عنوانات کی مناسبت سے مقالے پڑھے یا تقریرین کین، مولوی محمد عبد الرحمن خان صاحب نے البیرونی کی ذات پر تبصرہ کرتے ہوئے تاریخ کو غیر جانبدارانہ اصول پر تحریر کرنے اور اس بارہ مین یورپی مورخین کے اصول تاریخ نویسی پر بہت مدلل بحث کی، نواب سر امین جنگ بہادر نے اکنا و مادنا وزرائے گولکنڈہ کی بابت ایک دلچسپ تقریر پڑھی

جسمین بارہ محل گوڑہ کی نسبت جو پرانی روایات بیان کی گئین، جن سے ان وزرائے گولکنڈہ کی بابت بہت سی معلومات حاصل ہوسکتی ہین، نواب جیون یار جنگ نے بھی "روضہ تاج محل کے تعمیر کار" کی جو بحث ہوتی رہتی ہے، اس کی نسبت ایک تحریر بزم کے حوالہ کی، نواب اکبر یار جنگ بہادر نے نظام الملک طوسی کے اُصولِ حکومت کے سلسلہ مین بادشاہ کے فرامین اور اصول عدل کی بابت دلچسپ تبصرہ کیا،

ان علمی مباحث کے بعد ۳۰ ر اگست کو نواب عزیز یار جنگ بہادر کی صدارت مین ایک مشاعرہ منعقد ہوا جسمین تاریخی مضامین پر دلچسپ نظمین پڑھی گئین جنمین سے بعض کے موضوع حسب ذیل تھے،:- "علم تاریخ کی اہمیت" "حکیم سقراط"، "سیاحی"، "جنگ پانی پت"، "سرزمین بیدر"، "چاند بی بی"، "گولکنڈہ"،

اس قابل یادگار تاریخی ہفتہ کا جس کا دکن کے علمی حلقون مین مدت دراز تک چرچا رہے گا، اختتام اس عصرانہ پر ہوا، جو اسکے ہمہ تن مستعد صدر ناظم پروفیسر ہارون خان شروانی صدر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ نے بتاریخ ۳ ستمبر ان جملہ علم دوست اصحاب کو اور کارکنان بزم کو دیا تھا کہ جنھون نے کسی نہ کسی طرح سے اس سالگرہ کو کامیاب بنانے مین مدد دی تھی یہ عصرانہ انجمن جامعہ عثمانیہ کی عمارت مین ترتیب دیا گیا تھا، اور اسمین منجملہ دیگر اصحاب کے نواب ڈاکٹر سر حیدر نواز جنگ بہادر، نواب ڈاکٹر سر امین جنگ بہادر، نواب جیون یار جنگ بہادر، نواب اکبر یار جنگ بہادر نواب ناظر یار جنگ بہادر، خان بہادر مولوی مسعود الزمان صاحب، علامہ اسد الخیری صاحب، مولوی عبدالرحمن خان صاحب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ، مس آمنہ پوپ صاحبہ صدر کلیہ نسوان، مولوی حمید احمد انصاری صاحب مسجل جامعہ، میجر امیر سلطان صاحب نائب کوتوال، مولوی حمید احمد صاحب صدر بزم[1] اور دوسرے علم دوست حضرات نے شرکت کرکے اپنی علم دوستی کا ثبوت دیا،

نواب ڈاکٹر امین جنگ بہادر نے یہ عنایت مزید کی کہ کارکنان بزم کو اپنے ہان بارہ محل گوڑہ مین عصرانہ پر مدعو کیا، تاکہ وہان کے تاریخی باقیات کا معائنہ کرین،

فہرست اشیائے نمایش مرتب کرلیگئی ہے، اور مضامین کیساتھ عنقریب علمی دنیا مین بذریعہ خزینہ تاریخ پیش کیجائیگی[1]

---

[1] خزینہ کے شمارے شایع ہوچکے ہین جو مبلغ عہ فی شمارے کے عوض دفتر بزم سے حاصل ہوسکتے ہین، تیسرا شمارہ سالگرہ نمبر نکلے گا،

ملّا سعد پٹنوی

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

ملا صاحب کی تین تصنیفین ترتیبِ فہرست کتابخانہ کے ضمن مین نظر سے گذرین، تینون مثنوی مولانا

رُوم کے متعلق ہین،

(۱) باغ گلبن، تاریخی نام، ۱۲۳۸ھ کی تصنیف، مثنوی شریف کا انتخاب "مشتمل بر داستان چند"

یہ نسخہ ۱۲۵۶ھ کا لکھا ہوا ہے، شاہی کتابخانۂ اودھ مین رہ چکا ہے، نصیر الدین حیدر، سلیمان جاہ اور امجد علی

شاہ کے مہرین ثبت ہین،

(۲) شرح۲ شش دفتر مثنوی کے خطبات کا فارسی ترجمہ ۱۲۱۱ھ کا لکھا ہوا،

(۳) شرح۳ مختصر و فرہنگ لغات مثنوی، ۱۳۶ ورق مورخہ ۱۲۱۱ھ کاتب و مالک میر عبد اللہ

ابن میر محمد مراد ابن سید نور محمد الحسینی الرضوی الکردیزی الوری،

فرزندانِ بہار مین سے کوئی صاحب ملا صاحب کے حالات پر روشنی ڈالین تو

چشمِ ما روشن دلِ ما شاد،

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت ۸؍

"مینجر"

تلخیص تبصرہ

حضرت ابراہیم کا شہر اُور

علمار کا خیال ہے کہ آٹھ ہزار برس مین خلیجِ فارس کا پانی اس قدر خشک ہو گیا کہ اُس کے آس پاس کے باشندے ان سر سبز و شاداب شہرون مین داخل ہونے اور زراعت کے ذریعہ سے اس کی سر سبزی سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو گئے، چنانچہ کتاب پیدایش کی پہلی فصل کی نوین آیت مین ہے، "خدا نے کہا کہ پانی آسمان کے نیچے ایک مقام پر جمع ہو جائے، اور خشکی ظاہر ہو" اور خدا نے کہا کہ "زمین سبزہ اور بیج والی ترکاری اور ایسے درخت اگائے جو پھلدار ہون، اور وہ اپنے ہی جیسے پھل پیدا کرین"، عراقین کے جنوب سے پانی کے ہٹ جانے سے خشکی کے پیدا ہونے اور پھر اُس کے سر سبز کھیت بن جانے سے جو صورت پیدا ہوتی ہے، اس کی کتاب پیدایش کے واضع کی یہ قایم کردہ شکل بالکل منطبق ہو جاتی ہے،

خرافاتِ قدیمہ سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ متمدن شہر اور اسی نئی زمین پر آباد ہوا، بلکہ اہلِ بابل نے تخلیقِ عالم کا جو نظام قایم کیا ہے، اس کے رو سے یہ شہر آفرینشِ عالم کے تھوڑی ہی دنون بعد پیدا ہوا کیونکہ ان کے نزدیک آفرینشِ عالم سے بلادِ بابل کی تخلیق مراد ہے، اس کے ساتھ شہر اور پہلا شہر ہے، جسمین طوفان کے بعد سلطنت قایم ہوئی، جس پر یہ شہر فخر کر سکتا ہے،

جدید اثری مباحث بھی ان قدیم تاریخی شہادتون کی تائید کرتے ہین، کیونکہ ان مباحث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ شہر اور ایک جزیرہ کے دلدل مین آباد کیا گیا تھا،

ان جدید اور سر سبز مقامات مین جو قوم آکر آباد ہوئی وہ نہایت ذہین تھی، اور اسی کی ذہانت سے

شہر اور آباد ہوا، اور ایک چھوٹے سے گاؤن سے ترقی کرکے ایک ایسا دولت مند شہر ہو گیا کہ دنیائے قدیم کے پایۂ تختون مین سے کوئی شہر اس کے مقابلے مین تقدم کا دعویٰ نہین کر سکتا،

اس قوم کا نام شمری یا سومری تھا جو اگرچہ سب سے پہلے اس مقام پر آباد نہین ہوئی تھی، تاہم اور قومون سے پہلے اسی نے فن کتابت اور صنعت معدنی کا اکتشاف کیا، اور سب سے پہلے اپنی ذہانت سے زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھایا، اسی نے ان مقامات مین سب سے پہلے شہر آباد کئے، ان مقامات مین تنظیم پیدا کی، اور اپنے ہمسایون کو فن تحریر، فن حرب اور فن معدنیات کی تعلیم دی اور فرات کے پانی سے آبپاشی کے لئے نہرین نکالین غرض اس سرزمین مین رفتہ رفتہ جو تغیرات ہوئے انکا سلسلہ اسطرح قایم ہوا، کہ پہلے سمندر کا پانی خشک ہوا تو دلدل کی صورت مین خشکی نمودار ہوئی، پھر یہ دلدل نرم اور خشک زمین ہو کر کھیت بن گیا، جس کو شمری قوم کی ذہانت نے ہر قسم کی پیداوار کے قابل بنا لیا، اور وہان ایک عظیم الشان شہنشاہی قایم ہو گئی،

سات سال پیشتر اس شمری قوم سے صرف علما کا ایک چھوٹا سا گروہ واقف تھا جس نے ان کے خط کے حل کرنے پر اپنی زندگی وقف کر دی تھی، لیکن آج ہر تعلیم یافتہ شخص اس کے نام سے واقف ہے، باینہمہ اُن کی تمدنی تحقیقات ابھی تک اپنے پہلے مرحلے سے آگے نہین بڑھی ہے، انگریزی اور امریکن قوم نے مسٹر لیونرڈ وولی کی سرکردگی مین صرف کثیر سے اس قدیم شہر کے کھنڈرون کی تحقیقات کے لئے اہل علم کی ایک جماعت ۱۹۲۲ء مین روانہ کی اور اس نے نہایت عجیب و غریب آثار کا سراغ لگایا جو حسن و جمال اور تاریخی حیثیت سے تمدن قدیم کے آثار مین نہایت اعلیٰ درجہ رکھتے ہین،

۱۸۵۴ء مین مسٹر ٹیلر نے جو بصرہ مین انگلستان کے قنصل تھے، شہر اُور کے جغرافیانہ موقع کی تعیین کی، کیونکہ ان کو چکنی مٹی کی چند تختیان ملین جن پر بعض اُن واقعات کے حالات منقوش تھے جو شہر اُور مین ۵۵۰ق م مین پیش آئے تھے، جبکہ اس کا ایک قدیم بادشاہ اپنے تخت کی طرف بدترین صورت مین واپس آیا تھا جو لوگ اصل حقیقت سے باخبر تھے، انھون نے اس اکتشاف کی بڑی قدر کی لیکن تورات کے پڑھنے

والون کو جب معلوم ہوا کہ اس شہر کا جو موقع مسٹر ٹیلر نے متعین کیا ہے، وہ بعینہٖ کلدانیون کے اور یعنی ابراھیم خلیل اللہ کے شہر کا موقع ہے، تو وہ حیرت مین پڑ گئے، اور اس طریقہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ بطریؔ کی یہودی کبیر کا شہر صرف خیالی شہر نہ تھا، بلکہ تمدن قدیم کے سب سے بڑے پایۂ تخت کے مقابلے مین ایک شہر تھا۔

یہودیون اور عیسائیون کے نزدیک شہر اُور کی تین خصوصیتین ہین، یعنی آفرنیشِ عالم، طوفان، ابراہیم خلیل اللہ اور جدید مباحث سے بھی ان قدیم مسائل پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے، لیکن یہ بحث اُور کی ابتدائی بنیاد سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے ہم پہلے اس کی ترقی پھر اس کے زوال و فنا پر نگاہ ڈالتے ہین،

اس سلسلہ مین سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ایک ایسا شہر جو دنیاے قدیم مین یہ حیثیت رکھتا تھا، اور اس کے متعلق قومون کے یہ خیالات تھے، دو ہزار برس تک کیونکر گمنام رہا؟ سب سے اخیر مین اور کا ذکر، قرن ثانی ق،م کے انشا پردازون مین ایک غیر مشہور انشا پرداز نے جس کا نام یو پولیمس تھا کیا ہے، اور بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ کے بعد شہر کا موقع بے نام و نشان ہو گیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ سمندر کے پانی کے خشک ہو جانے کے بعد نہر فرات کا جو کیچڑ میدان کی صورت مین پھیل گیا تھا، اسی مین یہ شہر آباد ہوا تھا، لیکن بڑی بڑی نہرون کا یہ حال ہے، کہ ان کا مدوجزر آج جس چیز کو آباد کرتا ہے، کل اسی کو برباد بھی کر دیتا ہے، اور عراقین کی گذشتہ پانچ ہزار سال کی تاریخ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے، کہ وہان جو سلطنتین قایم ہوئین ان کی بنیاد تمامتر وہان کے نظام آبپاشی پر قایم ہوئی اور اس سلسلے مین جو مشکلات قدیم سلطنتون کو پیش آتی رہین، وہی آج برطانیہ عظمیٰ کو بھی پیش آرہی ہین، شہر اُور بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھا، چنانچہ گذشتہ زمانہ مین اس کا موقع فرات کے مشرقی کنارے سے پانچ میل دور تھا، لیکن وہ اب اس کے مغربی کنارے سے پانچ میل دور ہے، اس لئے پانچ ہزار برس مین نہر کے بہنے کی جگہ جس پر زراعت و تجارت کا دارو مدار تھا، مغرب سے مشرق کی طرف دس میل ہٹ آئی ہے، نہایت قدیم زمانے سے اس شہر کا نظام آبپاشی نہایت دقیق و پیچیدہ تھا، جس کے تحفظ کے لئے

نہایت سخت نگرانی اور انتظام کی ضرورت تھی، لیکن جب شہر کا نظام خراب ہوا تو آبپاشی کا نظام بھی خراب ہوگیا، اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پانچوین صدی قبل مسیح کے آغاز مین یہان مطلق العنانی پیدا ہوگئی تھی، اور حکام اس نہر کی حفاظت سے بے پروا ہوگئے تھے، اس لئے اور مین صرف چند لوگ رہ گئے جو نہایت تنگدستی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، اور آخیر مین یہ لوگ بھی مرگئے، یا تلاش معاش مین بھاگ نکلے اور اُور ایک بنجر ملک ہوکر رہ گیا جس مین کوئی ذی روح شخص قیام نہین کرسکتا، کیونکہ گرمیون کے زمانے مین وہان ریگستانی آندھیان ہر ہفتے مین پانچ دن چلتی ہین، اور نرم بالو کے ذرون کو نہایت شدت کے ساتھ اڑاتی ہین، یہان تک کہ بعض اوقات تو یہ ذرے کان اور منہ کو بھی زخمی کردیتے ہین، آدمی کو سانس لینا دشوار ہوجاتا ہے، اور تمام چیزین تاریکی کے پردے مین چھپ جاتی ہین، یہان تک کہ آدمی کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہین آتا،

عربی زبان کے بعض قدیم خرافات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ریگستانی آندھی نے قوم عاد کے شہر کو برباد کردیا، لیکن اُور کی ریگستانی آندھی سے ثابت ہوتا ہے، کہ اس مین بہت کچھ حقیقت کی آمیزش بھی ہے، کیونکہ یہان خریف کے زمانہ مین ان مقفل گھرون کی صفائی مین جن مین ریگ کے ذرے چھوٹے چھوٹے سوراخون کے اندر سے داخل ہوجاتے ہین، تین دن صرف ہوتے ہین، اور بسا اوقات بعض اطراف مین یہ ذرے گھر کے خارجی حصے یہان تک کہ اس کی چھت کو بھی ڈھانک لیتے ہین، یہی وجہ ہے کہ اُور کے کھنڈر اب تک باقی رہ گئے، اور مصر و شام بلکہ خود عراق کے شہرون کے قدیم کھنڈرون کی طرح برباد نہین ہوئے،

اس شہر کے تاریخ کی تعیین ۳۰۰۰؁ اور ۲۰۰۰؁ قبل مسیح کے درمیان کی جاسکتی ہے، اور یہی آثار اور کھنڈر اس کی دلیل ہین، اور قدیم تحریرون وغیرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے،

ع۔

پروٹسٹنٹ مذہب اور سرمایہ داری

گذشتہ تیس سال سے جرمنی مین "سرمایہ داری" کی اصل اور اس کے معنی کے متعلق بحث چلی آرہی ہے،
اس بحث نے یورپ کے اور ممالک کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کرلی ہے، اور حال مین امریکہ بھی اسمین
شریک ہوگیا ہے، جرمنی کے ایک مصنف میکس ویبر (MAX WEBER) نے ایک کتاب اس
اس موضوع پر لکھی ہے، جو اول اول ۱۹۰۵ء مین شایع ہوئی اور پھر کچھ اضافہ کے ساتھ ۱۹۲۰ء مین طبع
ہوئی، اسی سال ویبر کا انتقال بھی ہوا، اس کتاب کا ترجمہ امریکہ کے ایک فاضل مسٹر ٹالکوٹ پارسنس
(TALCOTTPARSONS) نے شایع کیا ہے،

"سرمایہ داری" کے اصل مفہوم کے متعلق جرمن مصنفین کے جو متعدد اور مختلف خیالات ۱۹۰۶ء کے
بعد ظاہر ہوئے ہین، انھین دیکھتے ہوئے ویبر نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اس لفظ کے معنی واضح
کر دیئے جائین، اسی لئے وہ اپنی کتاب کے دیباچہ مین کسی قدر طوالت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ "سرمایہ
داری" (CAPITALISM) اور "سرمایہ دارانہ" (CAPITALISTIC)
سے اس کی کیا مراد ہے، نفع یا روپیہ کی خواہش کو خواہ یہ غیر محدود ہی کیون نہ ہو، وہ سرمایہ داری کے مفہوم
سے خارج سمجھتا ہے، اس کا خیال ہے کہ اس خواہش کو "فی نفسہ سرمایہ داری سے کوئی تعلق نہین"، یہ خواہش
تو تمام نوع انسان کی ایک مشترک صفت ہے، جو چیز مغرب اور ہمارے زمانہ کے لئے مخصوص ہے، وہ مزدور پیشہ
جماعت کی سرمایہ دارانہ تنظیم ہے، ویبر نے اسی مسئلہ کی تحقیق کرنی چاہی ہے، اس کا حل اسے سولھوین
صدی کی مذہبی تحریک اصلاح مین ملتا ہے، اس مسئلہ پر پورے طور سے بحث کرتا ہے اور شروع یون کرتا ہے،
کہ بڑے بڑے تجار اور سرمایہ دار، ہوشیار کاریگر اور دستکار، تقریباً سب کے سب مذہباً پروٹسٹنٹ

(PROTESTANT) ہین، وہ بنجامن فرنیکلن (BENJAMIN FRANKLIN
(امریکہ کا مشہور فاضل) کا حوالہ دیتا ہے، جس نے انسان کے لئے یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ سرمایہ کو بجائے خود ایک مقصد سمجھ کر ترقی دینے کی کوشش کرے، یہ خیال مغربی دنیا مین کیونکر پیدا ہوا اور کیسے پھیلا؟ اس خیال کو اُن قدیم خیالات سے مقابلہ کرنا پڑا، جن کی روسے دولت کو دولت کی غرض سے حاصل کرنا سخت ناجائز تھا،

ویبر اس جدید خیال کا تعلق سولھوین صدی کی مذہبی تحریک خصوصًا کالون (CALVIN) کی تعلیمات سے قایم کرتا ہی، اس تحریک کا اولین اور اہم ترین اُصول یہ تھا کہ وقت کو ضایع کرنا ایک زبردست گناہ ہی، ہر شخص کو اپنے پیشہ مین جانفشانی کرنی چاہئے، کیونکہ محنت کی وجہ سے جسمانی ہو خواہ دماغی، انسان گناہون سے محفوظ رہ سکتا ہی، یہی نہین بلکہ جائز منافع کے جو مواقع خدا کی طرف سے پیش آتے رہتے ہین ان سے فائدہ بھی ضرور اٹھانا چاہئے، ایسا نہ کرنا اور کمتر منافع کو اختیار کرنا کفران نعمت ہی، ظاہر ہے کہ یہ نظریہ سرمایہ داری کی تحریک مین کس قدر معین ہوگا، اور اس لئے یورپ کی سرمایہ داری کا اصلی وحقیقی سبب پروٹسٹنٹ تحریک ہی۔ (رم ح)

اسپین کی ایک خاتون کا قومی کارنامہ

اب سے پندرہ سال قبل اسپین مین عورتون کو یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے مین وہ آسانیان نہین تھین جو یورپ کے دیگر ممالک مین پائی جاتی ہین، اسپین کی یونیورسٹی مین طلبہ کے رہنے کے لئے کمرے نہین ہین، سن لڑکون کو خاصی دقت ہوتی ہے، نہ کہ لڑکیون کو جن مین سے بعض صوبہ جات سے آتی ہین،

اس دقت کو محسوس کرکے ایک نوجوان خاتون ڈونا میریا نے عورتون کی علمی تعلیم کے لئے ایک دارالاقامہ کا افتتاح کیا، لیکن شروع ہی سے یہ چیز محض دارالاقامہ سے بہت کچھ زیادہ تھی، اس مین درس کے کمرے، کتبخانہ اور علمی تجربات کے لئے ایک معمل تھا، اس مین وہ لڑکیان بھی داخل ہو سکتی تھین

جو کسی خاص مضمون مین تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھین، اور وہ بھی جو میڈرڈ (اسپین کا دار السلطنت) کی یونیورسٹی مین پڑھتی تھین، رفتہ رفتہ اس مین وہ غیر ملکی عورتین بھی داخل کی جانے لگین، جو اسپینی زبان سیکھنے کی خواہشمند تھین،

اس معمولی ابتدا سے ترقی کرکے خاتون موصوفہ کی کوشش سے اب ایسے ایسے دس دار الاقامہ اس سلسلہ مین قایم ہو گئے ہین، جنہین دو سو پندرہ ۲۱۵ لڑکیان مستقل طور پر رہتی ہین، ان کے علاوہ ایسی لڑکیان بھی ہین، جو صرف درس کے لئے آتی ہین، اور روز اپنے گھرون کو چلی جاتی ہین، یہ تعلیم گاہ اسپین مین عورتون کی سب سے بڑی اور مرکزی تعلیم گاہ ہے، اور اس کارنمایان کا سہرا انہا ڈونا میریا کے سر ہے،

انتخابِ مضمون کی نسبت لڑکیون کو پوری آزادی حاصل ہے، سائنس کی مختلف شاخون کے لئے علٰحدہ علٰحدہ پروفیسر ہین، جو معملون مین درس دیتے ہین، غیر ملکی زبانون کی تعلیم بحیثیت جزو نصاب کے دیجاتی ہے، لڑکیون کو اختیار ہے کہ امتحان کے لئے پڑھین، خواہ یون ہی تعلیم حاصل کرین،

عام طور پر یہ یونیورسٹی اکتوبر کی پہلی تاریخ سے مئی کی پہلی تاریخ تک کھلی رہتی ہے، اسپین مین گرمی نہایت شدید پڑتی ہے، اس لئے گرمی کے مہینون مین تعطیل رہتی ہے، لیکن جو تعطیل کے زمانہ مین بھی پڑھنا چاہین، ان کے لئے انتظام ہو جاتا ہے،

"دم، ع"

خلفاء راشدین رض

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی

سیر الصحابہ کا حصہ اول، یہ چارون خلفاء کے ذاتی حالات، فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۵۰۲ صفحے، قیمت سے

اخبار علمیہ

سر آرتھر کونن ڈائل کی وفات

دو ماہ کی علالت کے بعد سر آرتھر کونن ڈائل نے ۷ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء کو قلب کی بیماری مین انتقال کیا، شرلاک ہومس کے افسانون کی وجہ سے ان کو جو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہین، آخر عمر مین انھین روحون کے ساتھ غایت درجہ کا اعتقاد ہو گیا تھا، وہ اسے ایک قسم کا مذہب خیال کرتے تھے جس کی اہمیت ان کے نزدیک لٹریچر، فنون لطیفہ، سیاسیات بلکہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ تھی، اور انھین اس بات سے تکلیف ہوتی تھی کہ لوگ ان کو شرلاک ہومس کے مصنف کے نام سے یاد کرتے ہین، سر آرتھر کو بچپن ہی سے تصنیف کا شوق تھا، پہلی کتاب انھون نے چھ سال کی عمر مین لکھی اور مدرسہ کے ابتدائی ساتھیون مین بحیثیت افسانہ گو کے شہرت حاصل کی، بعد مین انھون نے طب پڑھی، اور کئی سال تک مطب کرتے رہے، مصنفون کے زمرہ مین ان کا شمار اس وقت ہوا جب ۱۸۸۷ء مین انھون نے "مائکا کلارک" لکھی، گذشتہ جنگ عظیم مین ان کا بڑا لڑکا مارا گیا، اور اسی حادثہ نے آخر عمر مین انھین عالم ارواح کا دلدادہ بنا دیا،

بین الاقوامی بینک

جنگ عظیم کے بعد جنگی نقصانات اور تاوانون کی تلافی کے مسئلہ کو پیش نظر رکھکر ایک بین الاقوامی بینک قایم کیا گیا تھا۔ فاتح اقوام کی اغراض متعلقہ کے سبب سے اس کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی، ابھی ان تاوانون کی پوری ادائگی، اور نقصانات کی کامل تلافی کا زمانہ باقی ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ خود متحدہ اقوام کے باہمی رنجش و حسد مین اس کی زندگی کچھ زیادہ پائدار نہ ہوگی، چنانچہ امریکہ کا مشہور صحیفہ امریکن سائنٹفک اس کی نسبت لکھتا ہے کہ، "ان لوگون کے لئے جو تاریخ یورپ سے واقف ہین یہ امر بھی تقریباً یقینی ہے کہ آگے چل کر

اس پر قابو حاصل کرنا ہی ایک جدید بنا ے مخاصمت ہو جائیگا، اگر اس نئے بینک سے انگلستان، جرمنی اور
فرانس کے مرکزی بینکون کو صدمہ پہونچتا ہے تو سمجھنا چاہئے، کہ یہ بہت تھوڑے دنون کا مہمان ہے، اسے
توڑ دینے کے حیلے جلد پیدا ہو جائین گے، زمانہ جنگ یا ممالک یورپ کی باہمی کشیدگی کے اوقات مین اس کی
راہ نہایت دشوار گذار ہوگی، اس کے مستقبل کا اندازہ کرتے وقت اس کے قایم کرنے والون مین سے
بیشتر یورپ کی آیندہ جنگون کے امکان کو نظر انداز کر رہے ہین، لیکن جنگ بغیر اجازت بھی شروع
ہو جاتی ہے،،

جدید رُوس کی مسلمان عورتین

روس مین آزادی کا جو طوفان برپا ہے اس سے وہان کا کوئی فرقہ محفوظ نہ رہ سکا، مسز اسٹرانگ
کی کتاب "سمرقند مین سرخ ستارہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ مملکت روس مین ہر جگہ مسلمان عورتین مذہب
کی پابندیون سے آزاد ہوتی جاتی ہین، اسی سلسلہ مین مشرق کی بعض رسمین بھی مسترد کیجا رہی ہین، بچون
کی شادی جو ایک زمانہ مین ترکستان کی بدولت بدترین رسم تھی روز بروز دشوار ہوتی جاتی ہے، اگرچہ اب
بھی کسی قدر اس کا رواج باقی ہے، تاشقند مین عورتین پردہ اٹھاتی جاتی ہین، لیکن با این ہمہ بعض
مفید اصلاحین بھی ہو رہی ہین، ریگستانی سفر جو اونٹ یا گھوڑے پر کئی دنون مین پورا ہوتا تھا اب
ہوائی جہاز پر چند گھنٹون مین ہو جاتا ہے، آبپاشی کے لئے نہرین نکالی گئی ہین، جن سے کھیتون کی حالت
بہتر ہوتی جاتی ہے، کاشتکارون کو صرف ایک ہی قسم کے بیج تقسیم کئے جاتے ہین، تاکہ فصل جیسی بھی
ہو ایک ہی حیثیت کی ہو،

امریکہ اور خانگی زندگی

امریکہ مین خانگی زندگی مفقود ہو رہی ہے، اب سے پچاس سال قبل وہان ہر شخص خانگی زندگی کا جویان
تھا، لیکن آج صورت حال برعکس ہے، اس تغیر کے چند اسباب ہین، بعض لوگون کا خیال ہے کہ خانگی

زندگی کے فقدان کی اصل وجہ گذشتہ جنگ عظیم ہے، اس مین شبہہ نہین کہ جنگ نے عورتون کی آزادی کو بہت قبل از وقت مکمل کردیا، جنگ ہی کے زمانہ مین عورتین گھرون سے باہر نکل پڑین اور ہر طرح کے کامون مین مردون کے دوش بدوش حصہ لینے لگین، اسی دوران مین بے چینی بڑھتی گئی، ذمہ داریون سے بچنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور اخلاقی پابندیان ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگین، جہان اور چیزون پر اثر پڑا، وہان خانگی زندگی بھی پس پشت ڈالدی گئی، لیکن جنگ کے علاوہ جس چیز کا اثر بہت نمایان طور پر پڑا ہے، وہ امریکہ کی آرام پرستی ہے، اکثر لوگ گھرون کو چھوڑکر ہوٹلون مین زندگی بسر کرنے لگے، باورچیون کی دوکانون اور قہوہ خانون مین غیر معمولی اضافہ ہوگیا، سلے ہوئے کپڑون کی دوکانین نہایت تیزی سے بڑھ گئین، غرض کہ تقریبًا وہ تمام چیزین جو پہلے گھرون مین تیار ہوتی تھین اب باہر مل جاتی ہین اور لوگ گھرون سے روز بروز بے نیاز ہوتے جاتے ہین،

موٹر کے حادثون مین نمایان کمی

گذشتہ سال اوہایو (امریکہ) مین موٹر لاریون کے ہر ۱۲۵۰۰۰ مسافرون مین سے ایک مسافر اتفاقی حادثات سے مرتا تھا، امسال ایسے حادثات مین نمایان کمی ہوئی ہے، اور ۳۲۳۷۵۵۳۱ مسافرون مین صرف ۲۶ جانین تلف ہوئین،

انجمن ترقی علوم برطانیہ انگلستان کی صدسالہ جوبلی

انجمن ترقی علوم برطانیہ، انگلستان کی صدسالہ جوبلی ۲۳ ستمبر سے ۳۰ ستمبر ۱۹۳۱ء تک منعقد ہوئی، جسمین مختلف اہل علم نے مختلف موضوع پر اپنے خطبے پیش کئے، جلسہ افتتاحیہ مین صدر انجمن پروفیسر... نے نباتات کے متعلق ایک مضمون پر تقریر فرمائی، ۵ ستمبر کے جلسہ مین پروفیسر ایلیٹن نے لاسلکی کی آواز بازگشت" پر تقریر کی، اسی تاریخ کو انجمن کے تعلیمی حصہ مین مدارس کے نصاب پر خصوصیت کے ساتھ بحث کی گئی، فلسفہ نفسیات پر بھی متعدد دلچسپ تقریرین پڑھی گئین،

ماہرینِ نباتات کا اجتماع

حال مین ماہرینِ نباتات جو بین الاقوامی نباتاتی کانگرس مین شریک تھے برٹش میوزیم مین مدعو کئے گئے تھے، ان کے لیئے ایک خاص نمایش کی گئی جسمین نباتات کا ایسا نادر الوجود سرمایہ دکھایا گیا جسکا کسی دوسری جگہ یکجا ملنا ناممکن ہے اس نمایش کی خاص چیز سلون کی ایک کتاب تھی جسمین اس کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی تصویرین ہین،

انگلستان مین افسانون کی حیات

انگلستان مین جس کثرت سے ہر سال نئے ناول شایع ہوتے ہین اور جس تیزی سے وہ فنا ہوجاتے ہین اس کا اندازہ مسٹر ہیو والپول کی رائے سے ہوگا جو انھون نے حال مین رسالہ ویک انڈر ویو مین ظاہر کی ہے، ان کا بیان ہے کہ پڑھنے والون کو پڑھنے کی فرصت نہین، تنقید کرنے والون کو تنقید کرنے کی مہلت نہین، شایع کرنے والون کو سوچنے کا وقت نہین، کتب فروشون کو کتابین رکھنے کی چھٹی نہین، ہر سال انگلستان مین ۴۴ ناول شایع ہوتے ہین، اس زبردست تعداد مین سے تقریباً ۲۰ کو دو ماہ سے زیادہ کا قیام نصیب ہوتا ہے،

مثلاً مس گریسی اسمتھ اپنی شاندار زندگی کا ایک سال صرف کرکے "سیب اور سنترے،، لکھتی ہین، کتاب دلچسپ ہے، اور ایک ناشر اسے قبول کر لیتا ہے، اس پر متعدد تنقیدین بھی ہوتی ہین، اہلِ قلم تعریفین لکھتے ہین مس اسمتھ کی خوشی کا کیا پوچھنا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص انھین کا ذکر کر رہا ہے، دو ہفتون کے بعد انکی کتاب فنا ہو جاتی ہے اسلئے کہ اس درمیان مین نصف درجن دوسرے ناول جو اسی قدر دلچسپ ہین شایع ہو جاتے ہین، تنقید کرنیوالون نے انکی بھی زوردار الفاظ مین تعریفین کی ہین، دو ماہ کے بعد مس اسمتھ اپنی کتاب کی فروخت کے متعلق دریافت فرماتی ہین، جواب ملتا ہے کہ چند جلدین کتبخانون مین گئین اور دو ایک کتب فروشون کے ہان بس، یہ تجربہ مس صاحبہ کو تین چار بار پیش آتا ہے آخر وہ شادی کر لیتی ہین، اور بجائے ناولون کے بچہ پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہین،

ادبیات

دعوتِ عمل

از

جناب محمد اسد خان، بی اے، ملتان

وقت است کہ مے بر سرِ بازار بنوشیم ۔۔۔ مستانہ برقصیم و دلیرانہ خروشیم

اذنِ طرب و عیش دہد قلقلِ مینا ۔۔۔ بیہودہ چرا گوش بر آوازِ سروشیم

آہ زمزمۂ عشرتِ امروز سرائیم ۔۔۔ تا چند اسیرِ غمِ دوشیم و خموشیم

برخیز کہ بیخود بہ خرابات شتابیم ۔۔۔ جامے بکف آریم و جہان را بفروشیم

گر پیرِ مغان جان طلبد جان بسپاریم ۔۔۔ ناصح اگر اندرز بگوید نہ نیوشیم

گر مردِ خردمند دہد پند، بگوئیم ۔۔۔ خاموش کہ ما دل شدگانِ دشمنِ ہوشیم

امروز کہ یاران شدہ رسوا سرِ بازار ۔۔۔ صد حیف اگر جامۂ ناموس بپوشیم

برخاستہ در شہر زمستان ہمہ غوغا ۔۔۔ بنشستہ بیک گوشہ پرِ اینبہ بگوشیم

ماہے سرِ بام است و دمِ جلوۂ عام است ۔۔۔ او را نگریم و ز جہان دیدہ بپوشیم

تا آنکہ در آغوش خود آن یار نیاید ۔۔۔ مردانہ بکوشیم و بکوشیم و بکوشیم

گویند کہ گفتار اسد بادۂ تند است،
یک جرعۂ آن ہم بلبِ گوش بنوشیم۔

عرضِ تمنّا

از

مولانا تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی

اللہ! میری خاک کا جامِ شراب ہے! | ذرّے کا یہ عروج ؟ کہ آج آفتاب ہے،

یہ زیست زیست ہے، کہ کوئی اس کا حساب ہے | بیداریِ خفیف میانِ دو خواب ہے،

یارائے ضبط، اور نہ تڑپنے کی تاب ہے | بسمل کو تیرے ایک خموش اضطراب ہے،

تقصیرِ چشمِ شوق، نہ جرمِ حجاب ہے، | اغماضِ جلوہ ہے جو برنگِ نقاب ہے،

سیماب و برق و صاعقہ دیکھے ہیں سب مگر | سب سے الگ مری روشِ اضطراب ہے،

مٹی ہوئی نہ مجھ کو ترے ہاتھ کی نصیب | غربت میں مرنے والے کی مٹی خراب ہے،

دیر اتنی کیوں ہے آمدِ روزِ حساب میں | پروردگار! تو تو سریع الحساب ہے،

غوطے میں کیا لگاؤنگا بحرِ وجود میں | دھویا تھا صرف ہاتھ، کہ دریا سراب ہے،

پیدا کریں نکلنے کی اب راہ حسرتیں | جو زخم تیر دل پہ لگے فتحِ باب ہے،

ہے وقتِ احتضار، نہ چھیڑے کوئی مجھے | یہ لمحۂ تصادمِ موج و حباب ہے،

ہے سعیِ راہِ جلوہ میں آرام اک فریب | نظّارہ کھا گیا کہیں دھوکا، تو خواب ہے،

دونوں جہان میں پائی تمنّا نے آبرو

چہرے پر اس کے خاکِ درِ بوتراب ہے

"کرمِ ناتوان"

از

مولوی سید محمد ابراہیم صاحب نجم ندوی

"مولوی سید ابراہیم صاحب نجم ندوی جنھون نے عربی زبان کی تکمیل کے بعد ایف اے تک انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی ہے، حب ذیل نظم مین انگریزی شاعر ورڈسوتھ کی ایک نظم "دی درم" کا ترجمہ کیا ہے، ترجمہ کی سلاست اور روانی داد طلب ہے، وہ چاہتے ہین کہ اسی طرح انگریزی کی بہترین نظمون کا ترجمہ اردو مین کرین تاکہ مغربی شاعری کے طرز و انداز سے اردو دان اصحاب بھی لطف اٹھا سکین"

اے سرخوشِ خرام! زمین پر سنبھل کے چل　　اس کرمِ ناتوان کو خبردار مت کچل
یہ خاکسارِ دہر پڑا ہے جو راہ مین،　　کچھ کم نہین کسی سے خدا کی نگاہ مین
یہ بے نوا، جو تیری نظر مین حقیر ہے،　　خلّاق اس کا بھی وہی ربِّ قدیر ہے،

وہ واجب الوجود، وہ صنّاعِ کائنات　　جس نے عطا کیا ہے، تجھے نعمت حیات
وہ جس کا فضل سارے جہان پر ہے بے حساب　　یہ کرمِ ناتوان بھی اس سے ہے فیض یاب

اس نے بنائے چرخ پہ مہر و مہ و نجوم　　خلقت کو تاکہ فائدے حاصل ہون بالعموم
سبزے کا فرش، سطحِ زمین پر بچھا دیا　　[illegible] کا حق تجھے بھی [illegible] سے ہیں عطائیں
لینے دے لطف، ہستیٔ ناپائیدار کے　　خوش ہو [illegible]
اے نجم دیکھ جان کسی کی کبھی نہ لے　　[illegible]

باب التقریظ والانتقاد

تقریظ بر المبین

از

استاذ العلماء مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب پروفیسر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

المبین پر مخالف و موافق متعدد مضامین معارف مین شایع ہو چکے ہین، اب اس بحث کو زیادہ طول دینا بے کار ہے، اس لئے ان بزرگون کی تحریرون پر اس بحث کا خاتمہ کیا جاتا ہے، - (اڈیٹر)

اس بارے مین پہلے سے اختلاف ہے کہ عربی مین آیا دوسری زبانون کے الفاظ ہین یا نہین، ایک فریق کی رائے مین اس کا اثبات ہے، دلیل مین بعض الفاظون کی دو زبانون مین وحدت اشتراک، اور تناسب کو پیش کیا گیا ہے، علامہ طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ مین دلیل مذکور کی کمزوری کو ظاہر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ جو چیزین معرض استدلال مین پیش کی گئی ہین، وہ ہرگز اس لایق نہین کہ ان سے احتجاج کیا جا سکے، بلکہ اس قسم کے الفاظ مین دونون زبانون کا اگر ترادف تسلیم کیا جائے تو حقیقت سے قریب تر ہوگا،

قدماء کا ایک گروہ صرف یہی خیال رکھتا تھا، کہ عربی اگرچہ ایک مستقل زبان ہے، لیکن اس مین اگر عجمی الفاظ دخیل ہوئے ہون تو یہ ممکن ہے، مگر تحقیقات جدیدہ کی یہ طرفہ تر ستم ظریفی ہے، کہ اس نے فریب آمیز طرز پر یہ دعویٰ کیا کہ عربی کو یہ حق ہی نہین ہے کہ مستقل السنہ کے صف مین اس کو جگہ دیجائے، بلکہ وہ تو خود مسکین دوسری السنہ کی خوشہ چین ہے، اور اس کا ذاتی سرمایہ وہی ہے، جو بھیک کے ٹکڑون سے جمع ہوا، یا للعجب من جرأۃ الجهل والضلالۃ،

اس تحقیق مبالغہ آمیز سے در پردہ یورپ کو اسلام کے بعض مسلمہ مسائل پر حملہ مقصود تھا، جس کی تشریح کا یہ موقع نہین،

فاضل مؤلف سلمہ اللہ کی دقیق رس اور حقیقت شناس نظر نے جب اس دسیسہ کاری کا احساس کیا تو رگِ ہاشمی اور غیرتِ علمی نے حرکت کی اور حمایتِ دینِ متین نے اصل حقیقت کے اظہار پر انھین مجبور کیا، اور ماشاءاللہ ترکی بہ ترکی جواب دیا، یعنی جس طرح سے تحقیقات جدیدہ نے دو قدم آگے بڑھ کر حملہ کیا تھا، بعینہ مولانا نے بھی اسی طرح ٹھیک رگِ فاسد پر نشتر دیا، تناسب، وحدت اور اشتراک کو دلیل تسلیم کر کے اس امر کو ثابت کیا کہ سرے سے یہی غلط اور محض غلط ہے، کہ عربی الفاظ کے واضعین نے عند الوضع الفاظ اور معنی مین جن خصوصیات اور تناسب اور صفات کا لحاظ کیا ہے، دوسری السنہ مین اس کا رائحہ بھی ہو، اور اس امر کے ثابت کرنے مین فاضل مولف کا استقرا، استقراے نازک اور لطیف نتائج کا استخراج اور نتائج سے قواعد اور ضوابط کے جانب رہبری اس مین شک نہین کہ یہ نہایت کٹھن اور دشوار راستہ ہے جسے فاتحانہ طے کرنے کے لئے فطرت کی طرف سے شاید یہی مقرر ہوئے تھے، فاضل مولف کو مین اس امر پر مبارک باد دیتا ہون کہ وہ اپنے اس دعوے کے ثابت کرنے مین نہایت کامیاب ہوئے، اور خود ان کی یہ کتاب ان کی کامیابی کی صداقت پر کافی روشنی ڈالتی ہے،

ظاہر مین گو یہ کتاب تحقیقات جدیدہ کے اغلوطات اور سفسطیات کا ازالہ ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک فن جدید کی بنیاد کا مستقل کتاب کی صورت مین نقشِ اول ہے،

اس زمانہ مین جب کہ یورپ مین اغلوطات اور سفسطیات کی گرم بازاری ہے، اور ہمارے نو تعلیم یافتہ یورپ کی ہر صدا پر لبیک کہنے کو حاضر ہین، تو اس امر کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے، کہ نصابِ تعلیم مین اس قسم کی کتابین داخل کی جائین، البتہ عربی پر عجمی لباس کی زیبایش کا فیصلہ فاضل محترم کی توجہ کا محتاج ہے،

تقریظ

از

استاذ العلماء مولانا سید شبیر علی صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

مین نے المبین کو دیکھا مین نہین کہہ سکتا، کہ ان اہم اور لطیف مضامین اور اس دل فریب اور سحر آفرین انداز بیان سے کس قدر متاثر ہوا ہون،

اس جلیل القدر فاضل کی بلند پروازی استقامت رائے سلامت روی طباعی اور قوت ممیزہ کو اس رسالہ نے منصۂ ظہور پر لاکر بٹھا دیا، خصوصاً ساتوان باب بالخصوص (بے مثل مطالعہ صحیفۂ کائنات) کہ اس سے مین تو چکا چوند مین آگیا نہین جانتا کہ اس کو سحر کہون یا کرامات، مین آج تک کسی مضمون کے دیکھنے سے ایسا متاثر نہین ہوا،

مین بکمال وثوق یہ کہتا ہون کہ المبین کے مطالعہ سے بہت ہی بیش بہا معلومات کا اضافہ اور بہت سی غلط فہمیون کا ازالہ ہوگا، اس کتاب کے سات باب ہین ہر باب مین مضمون کی بلندی اور بلندیٔ مضمون کے ساتھ دلیل کی مضبوطی پھر بیان کی آسانی یہ ایسی خوبیان ہین جن کا لطف بغیر مطالعۂ کتاب حاصل ہو نہین سکتا، اس لئے مین اس وقت علم دوست حضرات سے اس سے زیادہ عرض کرنا مناسب نہین سمجھتا کہ المبین کا مطالعہ فرمائین، ہان دو باتون کا اس ذیل مین بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہون،

اولاً یہ کہ مصنف نے برہان و دلیل اور تائید و تقویت مین جو لطیف فرق ہے، اس کا لحاظ ہر موقع استدلال پر کمال لطف و خوبی کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے، جن قضایا سے کسی بات کا ایقان مقصود ہوتا ہے انھین برہان و دلیل کہا جاتا ہے، اور جن قضایا سے ظن مدنظر ہوتا ہے، ان کو تائید تقویت امارہ اور

خطابہ کہتے ہین،

مخالف پہلو کا احتمال اور امکان عقلی ایقان کے منافی ہوتا ہے ظن کے منافی نہین ہوتا لیکن مخالف پہلو پر بھی کوئی تائید مساوی یا اس سے زیادہ قوی پیش نہ کی جائے،

فن منطق مین دستگاہ رکھنے والا المبین کے برہان و تقویت کے فرق کو ہر موقع استدلال پر نمایان دیکھکر خاص لطف حاصل کرسکتا ہے،

دوسری خوبی قابل بیان یہ ہے کہ المبین نے جن خیالات اور مذاہب کا ذکر کیا ہے وہ موافق ہون یا مخالف اس خوبی اور وضاحت سے بیان کیا ہے کہ گویا یہ خیال المبین ہی کا خیال ہے، خصوصاً جرجی زیدان کا مغالطہ اور اس کا رد، ایسا ہی حکایت صوتی کے اصل کا بیان اور اس کا جواب ان مباحث کا مطالعہ فی الحقیقت بصیرت افروز انصاف کا نمونہ ہے، عموماً دیکھا گیا ہے کہ مخالف مذہب کو جواب کے وقت مجیب حضرات توڑ مروڑ کر بدنما صورت مین پیش کرتے ہین، برخلاف اس کے المبین نے حتی الامکان آراستہ کرکے دکھایا ہے، جو نہایت راستبازی اور امانت داری کا نتیجہ ہے،

مین وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ جو شخص فی الجملہ السنہ اور ان کے متعلقہ اصول کی اہمیت اور وقعت سے واقف ہوگا اور اس کی المبین تک رسائی ہوگی وہ مشرقی ہو یا مغربی، مستشرق ہو یا اس کے اتباع مین سے ہو وہ بالاضطرار عربی کے افضل الالسنہ ہونے اور المبین کے بے مثل ہونے کا اعتراف کرے گا، اگر اس کے معلومات مین بقیہ مباحث اور اصول اور ان کا فلسفہ جن کو افادہ مافی الضمیر اور دلالت سے گہرا تعلق ہے، اور جو کتب صرف و نحو معانی و بیان اور اصول فقہ مین بیان کئے گئے ہین اضافہ کیا جائے تو پھر اس علمی سیر کا کیا کہنا ہے، اس وقت اسی قدر لکھنا کافی سمجھتا ہون، البشرط صحت و فرصت المبین پر تفصیلی تبصرہ کسی آیندہ وقت مین لکھون گا،

معارف:- کتاب ملنے کا پتہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، قیمت عہ

گنجینۂ تحقیق

مولفۂ

پروفیسر سید محمد احمد صاحب بیخود موہانی ایم اے پروفیسر شیعہ کالج لکھنؤ

یہ چند تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جن مین بعض مضامین تو محض لفظی تنقید سے تعلق رکھتے ہین، اور ان مین تمامتر لکھنؤ کی شان تنقید پیدا ہو گئی ہے، اور طرز تحریر طعن و تشنیع سے خالی نہین ہے، اس مین اُن لفظی اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہین، جو بخیال جناب بیخود، جناب طبا طبائی نے ان پر کئے ہین، مثلاً

زہراب اہلِ زبان پیشاب کو کہتے ہین، اس لفظ سے بچنا چاہیئے تھا،

قدیم محاورات مین کوئی تغیر جائز نہین،

کوس لمن الملکی صحیح نہین،

اس قسم کے بہ کثرت اعتراضات ہین، اور ان کے جوابات نہایت تحقیق و کاوش سے دیئے گئے ہین اور ہر اعتراض کے جواب مین اساتذہ کے بہ کثرت اشعار اور انشاپردازون اور مصنفون کے بہ کثرت فقرے پیش کئے گئے ہین، جس سے مضمون نگار کی وسعتِ نظر کا حال معلوم ہوتا ہے، لیکن اکثر مضامین مین معنوی تنقیدین کی گئی ہین، چنانچہ پہلے مضمون مین جس کی سرخی آئینۂ تحقیق ہے، دیوانِ غالب کی تمام شرحون پر رائے زنی کی گئی ہے، اور ایک غزل کے متعلق قابلِ ذکر شرحون کے بیان کردہ مطالب کو نقل کرکے اپنی تنقیدی رائے ظاہر کی ہے، اور آخر مین خود اس کی شرح کی ہے، مثلاً غالب کا ایک شعر ہے، ؎

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ   اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے،

اور اُس کی جو شرحین شوکت میرٹھی، حسرت موہانی، اور طبا طبائی نے کی ہین، ان پر تنقید کرکے

خود پروفیسر مجنوں نے اس کی شرح ان الفاظ مین کی ہے،

قمری بھی نالہ کش ہے، اور بلبل بھی، قمری سوزِ عشق سے جل کر کفِ خاکستر اور بلبل خاک سیاہ اور اس طرح دونون اپنے سوزِ عشق کا مرقع بنی ہوئی ہین، ان کا دعویٰ عشق مسلم ہے لے نالہ مین اپنے سوزِ دل کے ثبوت مین دنیا کو کیا دکھاؤن، خالی نالہ دعوائے بے دلیل ہے، اور موجب رسوائی کمال عشق یہ ہے کہ عاشق ہمہ تن سراپا شعلہ بنکر رہ جائے، مراد یہ ہے، کہ مین شیدائیون کی صف مین آتے ہوئے شرماتا ہون، اس لئے کہ میرا سوز سوز ناتمام ہے،

اسی طرح اس پوری غزل کے مطالب کو اور قابل الذکر شرحون سے نقل کرکے تنقیدی راے ظاہر کی ہے، اور اخیر مین خود مطلب کو حل کیا ہے، جو اور شرحون سے زیادہ برجستہ اور صاف ہے،

ایک مضمون جس کی سرخی "سرمایۂ تحقیق" ہے، نگار کے اُس مضمون کے جواب مین لکھا ہے جسمین آرگس نے غالب پر سرقہ کا الزام لگایا ہے، اس مین اولاً اڈیٹر نگار کی ایک عبارت نقل کرکے اس پر بہت سے لفظی اعتراضات کئے ہین، اس کے بعد آرگس کی وہ عبارت نقل کی ہے، جس مین انھون نے غالب پر توارد کا الزام لگایا ہے، پھر سرقات شعریہ پر بحث کی ہے، اور اس کے اقسام بتائے ہین، اور اخیر مین آرگس کا یہ فقرہ

"درا صل سرقہ وہی ہے، کہ کسی کا خیال لے لیا جائے، اور بغیر کسی ترقی کے اپنے یہان باندھ لیا جائے،

نقل کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس معیار کی بنا پر مرزا کے ۱۰ شعر مین ایک بھی سرقہ مین داخل نہین، اس کے بعد وہ اشعار نقل کئے ہین، جن پر آرگس نے سرقہ کا الزام لگایا ہے، اور جواب مین دونون اشعار کے مفہوم کا فرق دکھایا ہے، مثلاً،

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا   زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا، غالب

لذت زخم بسکہ دلِ زار من گرفت ناخن زدم پسینہ اگر بر شدن گرفت (ناطق مکرانی)

ان دونون اشعار مین یہ فرق دکھلایا ہے، کہ عاشق ایک مجنون ہے، اس کے احباب اُس کے ناخن اس لئے ترشواتے ہین کہ کہین زخمون کو بڑھانئے مگر شوریدہ سر عاشق اپنے دوستون کو دشمن جانتا ہے اور یہ سمجھ کر خوش ہے کہ زخم بھرنے سے پہلے ناخن بڑھ آئین گے، اور مین پھر زخمون کا گلزار کھلا دونگا، مگر ناطق صرف لذتِ زخم عشق کو بیان کرتا ہے، کہ جہان زخم اچھا ہونے لگا مین نے ناخن مارا، اور پھر وہی مزے آنے لگے، لیکن ہمارے نزدیک غالب کے شعر مین کسی لفظ سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ عاشق شوریدہ سر ہے، اور وہ اپنے دوستون کو دشمن جانتا ہے، البتہ دونون اشعار کے مفہوم مین ضرور فرق ہے،

آج وان تیغ وکفن باندھے ہوئے جاتا ہون مین عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا، (غالبؔ)

منم آن سیر زجان گشتہ کہ با تیغ وکفن تا درِ خانہ جلاد غزلخوان رفتم، (عرفی)

ان دونون اشعار کو نقل کرکے اولاً تو اس فرق کو دکھایا ہے، جس کو ہم نے دکھایا تھا یعنی یہ کہ ،،عرفی صرف جان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور غالب یہ کہتے ہین کہ وہ میرے قتل کے لئے روز کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتے ہین، کبھی کہتے ہین کہ تلوار نہین، کبھی کہتے ہین کہ کفن کا کیا انتظام ہے، بس آج تمام اسباب جمع کرکے جاتا ہون، تاکہ انھین کوئی عذر نہ رہے،،، اس فرق کو مضمون نگار نے بھی دیوان غالب کی شرحون کے بیان کردہ مطالب کے مطابق صحیح تسلیم کیا ہے، لیکن وہ خود یہ فرماتے ہین، کہ اس شعر کی بنا عرب کے اس دستور پر قایم ہے کہ جب وہان کوئی جان پر کھیل جانے کے لئے تل جاتا تھا تو سر سے کفن باندھ کر اور تلوار لیکر نکلتا تھا، پھر کوئی اسے جان دینے کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش نہین کرتا تھا،

عاشق غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ مین نے ابتک جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے والون کی صورت ہی نہین بنائی اور یہی سبب ہے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ٹال دیا کرتا ہے، آج اس ساز وسامان

سے جاتا ہون اب تو کوئی عذر ہو ہی نہین سکتا، اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کے ہاتھ سے قتل ہونے
ہی کو مآلِ زندگی سمجھتا ہے، عرفی کے شعر مین جب تک "سیر زجان گشتہ" کا ٹکڑا موجود ہے اُس وقت تک
غزل خوان رفتم کے ہوتے ہوئے بھی غالب کے شعر کی گرد کو نہین پہونچ سکتا، اس لئے کہ جان سے بیزار ہونے پر مرنے
کی خوشی اور چیز ہے اور معشوق کے ہاتھون قتل ہوجانے کی تدبیر سمجھ مین آنے پر پھولون نہ سمانا اور چیز ہے،
لیکن ادب عربی کی کتابون مین ہماری نظر سے کہین یہ نہین گذرا کہ عرب مین اس قسم کا دستور تھا، اور غالب
کے شعر سے یہ بالکل سمجھ مین نہین آتا کہ وہ معشوق کے ہاتھ سے قتل ہونے کو مآلِ زندگی سمجھتا ہے، البتہ دونون
اشعار مین فرق ضرور ہے، غالب شوقِ قتل کا اظہار کرتا ہے، اور عرفی زندگی سے بیزاری کا، ایک مضمون مین
جس کی سرخی "رمایۂ تحقیق" ہے، شرح قصائد خاقانی، مولفۂ سید محمد نقی صاحب شادمان لکھنوی پر تنقیدی
نظر ڈالی ہے، یہ صرف ایک قصیدے کی شرح ہے، اور اس کے چار شارح ہین: جناب محشی مولانا محمد علی
صاحب نامی پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی، مولانا سید اولاد حسین صاحب شادان بلگرامی، مولانا سید محمد نقی صاحب
شادمان لکھنوی، اور اس مضمون مین انھین شراح کی شرحون پر تنقید کی ہے،

آخری مضمون مین جس کی سرخی آیۂ تحقیق ہے، رسالہ مبصر لکھنؤ کے ایک سلسلۂ مضامین پر جس کو رسالہ
کے اڈیٹر ابو العلا حکیم سعید احمد صاحب ناطق لکھنوی نے لکھا ہے تنقید کی ہے، اس مضمون کا شانِ نزول یہ ہے
کہ منشی عبد العلی صاحب شوق سندیلوی نے اپنی پندرہ سولہ غزلون پر تمام مشاہیر اساتذہ ہندسے اصلاحیں
لیکر ان کا ایک مجموعہ اصلاحِ سخن کے نام سے شایع کیا، جس نے شعراے اردو مین ایک ہلچل ڈالدی،
ناطق لکھنوی نے اس کی ایک غزل کی تمام اصلاحون پر تنقیدی نظر ڈالی ہے، اور حضرت [illegible] نے
اسی تنقید کی تنقید کی ہے، لیکن جب تک ایک ایک شعر پر تمام شعرا کی اصلاحین نہ نقل کی جائین اور اس کے
ساتھ ناطق، اور [illegible] کی تنقیدین نہ دکھائی جائین ان کا عیب و ہنر معلوم نہین ہو سکتا، اس لئے طوالت
کے خیال سے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہین،

کتاب کی ضخامت ۴۲۵ صفحات کی ہے، اور ہر مضمون بہت طویل ہے، الفاظ و معانی، شعر و ادب اور نقد شعر کے متعلق بہت سے نکات ان صفحات مین ملتے ہین، ادبیات کے شایقین کو اس کا مطالعہ مفید ہوگا، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ہے،

قیمت قسم اول ہے، قسم دوم ۶؍ علاوہ محصول ڈاک، اور خود جناب مجتہد سے ذیل کے پتہ سے مل سکتی ہے، مکان قدیم جناب سید باقر صاحب مرحوم، مجتہد کٹرہ ابوتراب خان لکھنؤ،

مطبوعاتِ جدیدہ

مصطفائی کمال، ازجناب حاجی محمدؐ موسیٰ خان صاحب رئیس دتاولی ضلع علی گڈھ حجم ۱۵۲ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی کاغذ متوسط، قیمت عہ، پتہ:- دتاولی ضلع علی گڈھ،

موصوف نے تحریکِ خلافت کے پرآشوب زمانہ مین "اسلامی خلافت کا کارنامہ" کے عنوان سے ایک سلسلہ تصنیف جاری کیا تھا، موصوف اس سلسلہ کو ابھی تک نباہ رہے ہین، اب تک دو جلدین شایع ہوچکی تھین، تیسری جلد "مصطفائی کمال" کے نام سے اب شایع ہوئی ہے، اس مین ہجرت نبویؐ سے سنہ ۸ھ تک کے مسلسل حالات پیش کئے ہین، خصوصاً آنحضرت صلعم کی زندگی کے "مذہبی اخلاقی اور انتظامی اصلاح" کے پہلوون کو نمایان کرکے دکھایا ہے، اس کی تالیف کے وقت مؤلف کے پیشِ نظر مولانا شبلی کی سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدین رہی ہین، لیکن حوالون کی مزید زحمت بھی گوارا کی گئی ہے، اور سیرۃ النبیؐ کے پیش کردہ حوالون کی طرف بھی رجوع کرلیا گیا ہے، اور پھر اصل کتابون کے حوالے ثبت کردیئے گئے ہین، مگر ضرورت تھی کہ اس تالیف کی تسوید کے وقت سیرۃ النبیؐ کے اوراق سامنے سے ہٹادیئے جاتے، تاکہ واقعات کی ترتیب اور مفہوم کے طرزِ ادا مین فرق ہوجاتا، اور ہمین اس کے پڑھنے سے کوئی نیا لطف حاصل ہوتا،

معاشیات، ازجناب حبیب الرحمٰن صاحب ایم اے، ال، ال، بی، مددگار معلم معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، حجم ۳۰۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت مجلد ہے، پتہ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن،

مصنف نے علم المعیشت کے اصُول و قوانین سہل و آسان اور عام فہم زبان مین قلمبند کئے ہین، کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب مین علم المعیشت کو سمجھایا گیا ہے، پھر مختلف ابواب مین معیشت

کے اہم اُصول ''پیدائش دولت''، ''تقسیم دولت'' اور ''صرفِ دولت'' کی تشریح کی گئی ہے، اس کے بعد ''مبادلۂ دولت'' کے انتظامات اور سب سے آخر مین ''سرکاری مالیات'' پر بحث ہے، یون تو اس موضوع پر ایک دو کتابین اردو مین شایع ہو چکی ہین، لیکن وہ نہایت سنجیدہ دقیق مباحث سے مملو ہین، اور محض فن کے اعتبار سے لکھی گئی ہین، زیرِ تبصرہ کتاب کی اصلی خوبی یہ ہے کہ یہ مبتدیون اور معمولی تعلیم یافتہ اشخاص کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اس لئے نہایت عام فہم و سلیس طرز ادا مین روزانہ کی زندگی سے مثالین دیکر اس فن کے مسائل سمجھائے گئے ہین، اصطلاحین گو کثرت سے ہین، لیکن وہ اس وقت سامنے آتی ہین، جب اس سے پیشتر ان کا مفہوم ذہن مین آجاتا ہے، اور اسی خصوصیت کو سامنے رکھکر علم المعیشت کے تمام مسائل استقصاد کے ساتھ اسمین مرتب کر دیئے گئے ہین، اس لئے یہ اپنے موضوع پر ایک کامیاب کتاب کہی جا سکتی ہے، اور ہم مصنف کو اسی مشکل خدمت کو آسانی سے انجام دینے پر دل سے مبارکباد دیتے ہین،

انشاے مفیدِ عام، مصنفہ منشی حمید احمد صاحب قدوائی سب رجسٹرار، ساکن قصبہ آسیون ضلع اناؤ، حجم ۹۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط قیمت ۴ر پتہ:- منشی بشیر احمد صاحب قدوائی محلہ حاکم ٹولہ شہر اناؤ،

یہ رسالہ بچون کو اردو خط نویسی سکھانے کے لئے مرتب کیا گیا ہے، اس مین مختلف بزرگون، عزیزون اور احباب کے نام عورتون اور بچون کی طرف سے خطوط لکھ لکھ کے جمع کئے گئے ہین، خطوط مین مختلف اصلاحی اور معاشرتی مسائل درج ہین،

تجلیاتِ سخن، مرتبہ جناب ہبہ احمد صاحب فرشوری حجم ۱۳۶ صفحے، تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، سرِورق خوش نما، جلد سبک حسین، قیمت ؟ پتہ:- جناب محمد احید الدین صاحب، ایف، آر، اے، ایس، نظامی پریس بدایون،

زیرِ نظر تالیف بظاہر تو جناب نظام الدین حسن نظامی اڈیٹر ذوالقرنین بدایون کے کلام کا مجموعہ ہے

مگر درحقیقت وہ بدایون کے مختلف اہلِ علم کی یادگارون کا ایک گلدستہ ہے، نظامی صاحب کے مجموعۂ کلام سے پہلے، اس مین متعدد مقدمے، دیباچے، تمہیدین اور ضمیمے ہین، پہلے شعراے بدایون کا مختصر تذکرہ ہے، اور پھر اسی ضمن مین مشہور بدایونی مورخ ملا عبد القادر کا ایک رخصتی سلام تحشیہ و تعلیق کے ساتھ منسلک ہے، ابتدا مین مرِ مجموعہ جناب ہبہ احمد صاحب فرشوری، کی ایک تمہید ہے، جس مین اس کی ترتیب کے تفصیلات درج ہین، اس کے بعد جناب قمر الدین احمد صاحب بدایونی بی اے کا دیباچہ ہے، اس مین جناب نظامی بدایونی کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے، پھر مولوی محمد قمر الحسن صاحب ارشدی کا ایک دقیع مقدمہ ہے، جس کی ابتدا مین شعرائے بدایون کا اجمالی ذکر ہے، اور ایسے شعرار کی جدول تیار کی گئی ہے، جن کے تذکرے ابھی تک علم سینہ تھے، اور جن کی شاعری کا نمونہ مل سکا ہے، ان کا ایک ایک شعر درج کیا گیا ہے، پھر اصل مجموعہ کی مناسبت سے جناب نظامی کے کلام پر تبصرہ ہے، اور آخر مین اسی مقدمہ کا ایک ضمیمہ ہے، جو تاریخی حیثیت سے نہایت قابلِ قدر ہے، اس ضمیمہ مین ملا عبد القادر کے سرسری حالات ہین، اور پھر ملا بدایونی کا وہ رخصتی سلام درج ہے، جو اس وقت کہا گیا تھا جب ملا بدایونی اکبر کے دار و گیر سے خائف ہو کر وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوے تھے،

اس کے بعد نظامی کے کلام کا مجموعہ ہے، جناب نظامی حاشیہ نشینانِ بزمِ حالی مین ہین، اس لئے جو کچھ بھی ان کے قلم سے نکلا ہے، وہ مطالعہ کے لائق ہے، مگر تعجب ہے کہ اس مجموعہ مین موصوف کا وہ قصیدہ نظر نہین آتا، جو ندوۃ العلمار کے ایک قدیم اجلاس مین پیش کیا تھا،

معانی و بیان، مولفہ مولوی محمد رفیع صاحب، حجم ۱۰۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ،

پتہ :- راے صاحب لالہ رام دیال اگروالہ، الہ آباد،

اس رسالہ مین علم معانی، بیان، بدیع اور علم عروض کے تمام مسائل، اختصار، استقصار، جامعیت اور ترتیب و تبویب کے ساتھ جمع کئے گئے ہین، رسالہ کی اصل خوبی اس کے زبان کی سلاست و روانی ہے، مسائل کے سمجھانے کے لئے فارسی شعرار کے کلام کی مثالین دی گئی ہین، اور ہر مثالیہ شعر مین جس مسئلہ سے جو مناسبت ہے، اس کو خوبی سے روشن کیا گیا ہے، ،،،

جلد بست و ششم | ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۰ء | عدد پنجم

مضامین

الصّلوٰۃ علیٰ ترجمان القرآن

آہ! مولانا حمید الدّین!

الصّلوٰۃ علیٰ ترجمان القرآن (مفسر قرآن کی نماز جنازہ) وہ صدا ہے جو آج سے ساڑھے چھ سو برس پیشتر مصر و شام سے چین کی دیوارون تک ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ کے لیے بلند ہوئی تھی، حق ہے کہ یہ صدا آج پھر بلند ہو اور کم از کم ہندوستان سے مصر و شام تک پھیل جائے، کہ اس عہد کا ابن تیمیہ ۱۱؍نومبر ۱۹۳۰ء (۱۹؍جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ) کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا، وہ جس کے فضل و کمال کی مثال آیندہ بظاہر حال عالم اسلامی مین پیدا ہونے کی توقع نہین، جس کی مشرقی و مغربی جامعیت عہد حاضر کا معجزہ تھی۔ عربی کا فاضل یگانہ اور انگریزی کا گریجوایٹ، زہد و ورع کی تصویر، فضل و کمال کا مجسمہ، فارسی کا بلبل شیراز، عربی کا سوق عکاظ، ایک شخصیت مفرد، لیکن ایک جہان دانش! ایک دنیاے معرفت! ایک کائنات علم! ایک گوشہ نشین مجمع کمال، ایک بینوا سلطان ہنر، علوم ادبیہ کا یگانہ، علوم عربیہ کا خزانہ، علوم عقلیہ کا ناقد، علوم دینیہ کا ماہر، علوم القرآن کا واقف اسرار، قرآن پاک کا داناے رموز، دنیا کی دولت سے بے نیاز، اہل دنیا سے مستغنی، انسانون کے رد و قبول [illegible] سے

بے پروا، گوشۂ علم کا معتکف، اور اپنی دنیا کا آپ بادشاہ، وہ ہستی جو تیس برس کامل قرآن پاک اور صرف قرآن پاک کے فہم و تدبر، اور درس و تعلیم مین محو، ہر شے سے بیگانہ، اور ہر شغل سے نا آشنا تھی، افسوس کہ اُن کا علم اون کے سینہ سے سفینہ مین بہت کم منتقل ہو سکا، مسودات کا دفتر چھوڑا ہے، مگر افسوس کہ اُس کے سمجھنے اور ربط و نظام دینے کا دماغ اب کہان، جو چند رسالے چھپے وہ عربی مین ہین، جن کے عوام کیا علما تک نا قدر شناس، اون کی زندگی ہمارے لیے سرمایۂ اعتماد تھا، اور اُن کا وجود دار المصنفین کے لیے سہارا تھا، افسوس کہ یہ اعتماد اور یہ سہارا جاتا رہا، اور صرف اوسی کا اعتماد اور سہارا رہ گیا، جس کے سوا کسی کا اعتماد اور سہارا نہین، اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ یہ ہستی آئی اور چلی گئی، لیکن دنیا اُن کی قدر و منزلت کو نہ پہچان سکی اور اُن کے فضل و کمال کی معرفت سے نا آشنا رہی،

تو نظیریؔ ز فلک آمدہ بودی چو مسیح

باز پس رفتی و کس قدرِ تو نشناخت دریغ

زندگی گمنامی مین گذاری، مرنے کے بعد بھی گمنامی کا گوشہ تلاش کیا، متھرا مین جہان اپنے ایک ہموطن ڈاکٹر سے جو دس برس سے اُن کے معالج خاص تھے، علاج کرانے تشریف لے گئے تھے، وہین انتقال فرمایا، عمر شریف ۶۰ برس کے قریب تھی، مگر دائمی دردِ سر کی شکایت کے سوا قوی بہت اچھے تھے، ہم گنہگار اون کی مغفرت کی دعا کیا مانگین، کہ اُن کے انفاس متبرکہ ہمہ تن یادِ خدا، صبر و رضا، شکر و تسلیم مین صرف ہوتے تھے، اون کی نماز ہمہ تن

لطف محویت ہوتی تھی، اُن کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، اپنی زندگی ہی مین اپنی مغفرت کے کئی خواب دیکھے تھے،

خداوندا! ہمین توفیق دے کہ اُن کے نقش قدم پر چل کر ہم بھی تیری مغفرت کے سزاوار و مستحق ٹھہرین، اور مرنے والے کو اپنی رضا و محبت کی بہشت عطا فرما، کہ وہ اسی کا طالب تھا،

اواخر عمر مین مرحوم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مذاق کے مطابق تیار کرین، چنانچہ کم از کم دو طالب العلمون کی خاص طور سے اُنھون نے دماغی تربیت کی، ہم سب کی دعا ہے کہ وہ مدرسۂ اصلاح المسلمین کو سنبھال لین، جو مرحوم کی سب سے بڑی مادی یادگار ہے، تفسیر کے اجزاء جو مکمل ہونگے اُن کی اشاعت کی فکر کیجائے گی، مگر آہ! کہ اس ناقدرشناس دنیا مین ان جواہر ریزون کی کون قدر کرے گا، اور کون سرمایہ بہم پہنچائے گا،

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

مقالات

عربؔ اور فنِ زراعت

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دارالمصنفین

اسلامی فتوحات کی ابتدا مین مجاہدین کی خواہش تھی کہ مفتوحہ ممالک کی آراضی اوسی طرح مالِ غنیمت کے طور پر باہم تقسیم کردیجائے، جیسے اشیائے منقولہ کو تقسیم کردیا جاتا تھا، اور خلافت صدیقی تک تقریباً اسی پر عمل درآمد جاری رہا،

لیکن جب عہد فاروقی آیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے یہ روش پسند نہین فرمائی اور بعض کبار صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود فوج کے درمیان تقسیمِ آراضی کا سلسلہ موقوف کردیا گیا، اور حقِ خدمت کے معاوضہ مین بیت المال سے وظیفے اور تنخواہین جاری ہوگئین جس کی وجہ سے آراضی کے پچھلے قابضین بیدخل ہونے سے محفوظ ہوگئے،[1]

اس کے بعد مفتوحہ ممالک مین زراعت اور کاشتکاری سے کنارہ کش رہنے کیلئے مسلمانون پر اسقدر قیود عائد کئے گئے کہ ابن عساکر کے بیان کے مطابق جب کوئی ذمی (غیر مسلم رعایا) اسلام قبول کرتا تو اسکی تمام آراضی اُسی مقام کے غیر مسلمون کے قبضہ مین دیدیجاتی اور وہی اس کا خراج ادا کرتے، اور اس نومسلم کو فوجی خدمت سپرد کیجاتی، اور اس کے معاوضہ مین بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوتا،[2]

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف طبع مصر ص ۱۴، ۱۵، ۳۹ [2] بحوالہ المجمع العلمی العربی ج ۷، ص ۱۰۷ مقالہ تاریخ الزراعۃ فی بلاد العالم العربی

عربی مدنیت یا اسلام کی ابتدائی تاریخ مین فن زراعت کا یہ پہلا دور تھا بعض مستشرقین یورپ عربی حکومت
کے اس ابتدائی طرز عمل سے اُس پر الزام لگاتے ہین کہ مسلمانون نے کاشتکاری کے پیشہ کو ذلیل سمجھ کر ترک
کر دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مکہ کے قریش جو تاجر وسوداگر تھے وہ کاشتکاری کو بہت ذلیل سمجھتے تھے[1] لیکن اسلام نے
آکر اُن کے اس خیال کو بدلا، اور اُس کو ایک نیکی کا کام بتایا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی کوئی پودا نصب کرتا
ہے تو ہر وہ پرند جو اُس سے کھاتا ہے اور ہر وہ شخص جو اُسکے سایہ مین آرام پاتا ہے اسکا ثواب اوس کے بونے
والے کو ہوتا ہے[2]، حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ ایک عظیم ترین مقصد کو پیش نظر رکھ کر وسیع کیا جاتا
تھا، اسلام کے گرد وپیش ایسے حالات جمع ہوگئے کہ اسکو بیک وقت دنیا کی عظیم ترین طاقتون سے اعلان جنگ
کرنا پڑا، اس کے ساتھ یہ بھی امر واقع تھا کہ جانثاران اسلام کی تعداد نہایت قلیل تھی، اگر وہ مفتوحہ علاقون
مین داخل ہوکر زراعت اور کاشتکاری مین مصروف ہوجاتے تو چند ہی دن بعد ان کے آگے بڑھنے
کا سلسلہ موقوف ہوجاتا، آج بھی متمدن حکومتین اپنے مصالح کے لحاظ سے اپنے سپاہیون پر ہر قسم کے قیود
(ازدواجی زندگی سے الگ رہنا وغیرہ) عائد کرتی ہین، اسی طرح عربی حکومت نے بھی ابتداءً اپنے مصالح
کے لحاظ سے یہی قانون نافذ کیا،

ورنہ عربی حکومت کے اس ابتدائی دور مین بھی جہانتک زراعت پر توجہ کرنے کا تعلق ہے
پوری توجہ منعطف کی گئی، حضرت عمرؓ کے عہد حکومت مین تمام ممالک مفتوحہ کا نئے سرے سے بندوبست
ہوا اور منصفانہ طریقہ سے خراج (لگان) کی تعیین کی گئی، بلکہ مسلمانون کو [illegible] کاشتکاری سے [illegible] رکھنے
کی وجہ سے ممالک مفتوحہ کے باشندون کو یہ اہم فائدہ پہنچا کہ ملک کی تمام اراضی اُنھی قدیم زمیندارون
کے قبضہ مین رہی، اس کے ساتھ اُن کی حقیت وملکیت ودیگر تمام حقوق واختیارات بدستور قائم رہے،
نیز افتادہ (پڑتی) زمینون کے متعلق عام حکم جاری کیا گیا، کہ وہ آباد کرنے والون کی ملکیت سمجھی جائینگی،

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر قتل ابی جہل [2] صحیح مسلم باب الغرس،

چنانچہ اسلامی قانون کی یہ ایک نہایت مشہور دفعہ ہے کہ

من احیا أرضا مواتا فھی لہ — جس نے پڑتی زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے[1]،

پھر حکومت نے آبپاشی پر خاص توجہ کی تمام ممالک مفتوحہ مین نہرین جاری کی گیئن، بند باندھے گئے، تالاب کھودے گئے، نہرون کو شاخ در شاخ پھیلایا گیا، چنانچہ آبپاشی کے صرف ان صیغون پر صرف مصر مین ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے[2]، اسلئے درحقیقت حضرت عمرؓ کے اوس امتناعی حکم کے باوجود کہ مسلمان ممالک مفتوحہ کی زراعت مین حصہ نہ لین، ممالک مفتوحہ کی زرعی ترقی مین روز بروز اضافہ ہوتا گیا، کیونکہ لوگ از خود جلب منفعت کے لئے زراعت مین حصہ لیتے اور ملک کی زرعی ترقی کو آگے بڑھاتے،

علاوہ ازین عہد فاروقی مین زمین کے محصول مین بھی نمایان اصلاح کی گئی، رومی و ایرانی عہد مین خراج کا جو طریقہ رائج تھا اس مین ترمیم کرکے عام ملک کی پیمایش کی گئی، پھر رقبہ اور پیداوار کے لحاظ سے خراج عائد کرنے کے لئے تخمینے تیار کئے گئے، چنانچہ عثمان بن حنیف نے اسی عہد مین رقبۂ زمین، قسم پیداوار اور اس کے خراج کا ایک مندرجۂ ذیل نقشہ تیار کیا:۔

قسم پیداوار،	رقبہ زمین،	شرح خراج
گیہون،	فی جریب (جو تقریباً پون بیگھہ پختہ ہوگی)	۴ درہم سالانہ
جو،	″ ″	۲ درہم ″
انگور	″ ″	۱۰ درہم ″
کھجور	″ ″	۸ درہم ″
نیشکر	″ ″	۶ درہم ″

[1] کتاب الخراج ص ۳۶، [2] خطط مصر مقریزی ج ۱ ص ۷۶،

ترکاریان	〃	〃	۳ درہم
روئی	〃	〃	۵ 〃 〃

جب حضرت عثمان بن حنیف نے زمین کی پیمایش کے بعد یہ نقشہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا تو آپنے اس کے قبول کرنے مین اسلئے پس وپیش فرمایا کہ شاید کاشتکارون پر اون کی حیثیت سے زیادہ بار دیا گیا ہو، لیکن جب حضرت عثمانؓ نے یہ کہتے ہوئے یقین دلایا کہ "آپ اس سے زیادہ میری زمین پر مالیہ عائد کرسکتے ہین، اور وہ میرے لئے گران نہ ہوگا"، تو پھر آپنے بعض کاشتکارون کی مزید اطمینان دہی کے بعد اس کو رائج کیا، لیکن یہ مندرجۂ بالا نقشہ بھی تمام آراضی کے لئے نہین تھا، جن جن مقام پر زمین مین جو استعداد تھی، اوسی مناسبت سے لگان لگایا گیا، یہ نقشہ ایک ایسی زمین کا ہے جو بہتر سے بہتر کہی جاسکتی تھی، ورنہ مختلف مقامات پر خراب قسم کی زمینون پر اس سے بہت ہی کم مالیہ عائد کیا گیا جس کی پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مین جابجا ملتی ہے[۱]،

لگان کی اس شرح کی آسانی سے ملک مین عام زرخیزی وسرسبزی پیدا ہوگئی، لوگ مختلف مشاغل اور پیشے ترک کرکے زراعت مین مصروف ہوگئے، اس دور کی زرعی ترقیون کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت مین صرف ایک ملک عراق کی سالانہ مالگذاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول ہوتی تھی[۲]،

اس کے ساتھ زراعت سے عربون کی اس علٰحدگی کے معنی یہ بھی نہین ہین کہ وہ اس پیشہ سے قطعاً محروم کردئے گئے ہون، بلکہ کبھی کبھی انھین وہ سرکاری آراضی جو قدیم شاہی جاگیر [illegible] مفرورون اور باغیون کی عدم موجودگی سے اسلامی حکومت کے قبضہ مین آجاتی تھین مسلمانون کو زراعت کے لئے دیجاتی تھین[۳]، اس لئے عربون کی ایک جماعت [illegible] تھی [illegible] عہد مین بھی

[۱] کتاب الخراج ص ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۴۰، ۲۰ وغیرہ [illegible] [۲] [illegible] ص ۱۹۰ [۳] کتاب [illegible] ص [illegible]

زراعت پیشہ تھی،

اس کے بعد جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، عرب کے بعد شام، عراق، مصر، ایران اور شمالی افریقہ پر عربی پرچم لہرانے لگے تو رفتہ رفتہ مسلمانون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا گیا، اسلئے زراعت نے مسلمانوں کو جو عام بے تعلقی قائم ہو گئی تھی، وہ زیادہ دنون تک قائم نہین رہی، اور ان مین ایک ایسی جماعت ہو گئی جو لڑائیون کی شرکت، مشاغل تجارت اور صنعت وحرفت سے الگ تھی، کیونکہ دائرۂ فتوحات کی وسعت کے ساتھ ساتھ ایسی افتادہ آراضی روز بروز بڑھتی گئی جو رومی وایرانی دورِ حکومت مین حکومت وعمالِ حکومت کے قبضہ مین تھی، اور جس پر اب اسلامی حکومت کے مستولی ہونے کے بعد کسی کا حق ملکیت قائم نہین تھا، علاوہ ازین ایسی اراضیان بھی خالی پڑی تھین جنکے مالک انقلابِ حکومت کے باعث یا تو ترکِ وطن کر چکے تھے یا لڑائیون مین کام آچکے تھے، اور اون کا کوئی والی ووارث حقدار موجود نہ تھا، چنانچہ امیر معاویہ والئ شام نے خلافتِ عثمانی مین اس قسم کی اراضی کے نظم ونسق کے متعلق بارگاہِ خلافت سے استصواب کیا اور یہ اراضیان حضرت عثمانؓ کی اجازت سے مسلمانون مین تقسیم کیگئین، اور یہین سے اسلامی مقبوضہ علاقون مین عربون کی کاشتکاری کا دور شروع ہوتا ہے،

پھر جب عام طریقہ سے مسلمانون کی کاشتکاری کا آغاز ہو گیا تو اون سرکاری زمینون سے گذر کر ملک کی بنجر زمینون پر نظر پڑی، اور اون کو قابل زراعت بنا کر نہایت تیزی سے آباد کرنا شروع کیا، اور پھر تو رفتہ رفتہ بقول ایک شامی اہل قلم "عربی زراعت کو ممالک مفتوحہ مین اسی طرح فروغ حاصل ہو گیا جیسے عربی زبان دوسری ملکی زبانون یونانی، سریانی، لاطینی، فارسی اور قبطی پر حاوی ہو کر رواج پذیر ہو گئی[1]"

لیکن اسکا یہ مقصد نہین کہ عربون نے اس دور مین زمین کے قدیم قابضون کو اون کی آراضی سے

[1] المجمع العلمی العربی ج ۷، ص ۱۰۸،

بیدخل کر دیا ہو، کیونکہ اس کے باوجود عربون کو بالعموم وہی آراضیان دیجاتی تھین، جو حکومت کی ملکیت مین ہوتی تھین، اسلئے اسلامی مملکت مین آراضی کی دو قسمین ہوتی تھیں، ایک "عشری" کہلاتی تھین، اور دوسری "خراجی"، عشری آراضیان مخصوص مسلمانون کی ملکیت ہوتی تھین، اور اُن پر وہی لگان ہمیشہ قائم رہا جو عرب مین مسلمان کاشتکارون پر عائد ہوا تھا،

اسلامی قانون مین معاشی و اقتصادی حیثیت سے عشری آراضی کا قانون خاص طور سے قابل ذکر ہے، "عشر" پیداوار کے اس دسوین حصہ کا نام تھا، جو مسلمان کاشتکار حکومت اسلامی کو زمین کا لگان ادا کرتے تھے، اس کے ساتھ خصوصیت یہ تھی کہ جن آراضیون کی آبپاشی قدرتی ذرائع بارش، دریا اور قدرتی نہرون سے ہوتی تھی اون کی پیداوار کا دسوان حصہ وصول کیا جاتا تھا، لیکن جو زمینین مصنوعی ذرائع مثلاً مصنوعی نہر، کوئین، اور کھودے ہوے تالابون سے سیراب کیجاتین یعنی جن کی آبپاشی مین کاشتکار کو غیر معمولی مشقت برداشت کرنی پڑتی، انکا لگان عشر کا نصف یعنی پانچوان حصہ ہوتا[1]، نیز [illegible] خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ یہ قانون اپنے دونون دفعات کے ساتھ صرف اُسی وقت نافذ ہوتا جب زمین کی پیداوار مین سے کم از کم ۵ وسق یعنی ۳۰۰ صاع (ایک صاع [illegible]) [illegible] حصہ مین آجاتا، جو اپنے تناسب کے لحاظ سے سال بھر کے خرچ سے فاضل ہوتا، ورنہ کاشتکار لگان سے بری کر دیے جاتے، اسی طرح اگر کسی آراضی پر کوئی آفت ارضی و سماوی آجاتی تو اسکی لگان معاف کر دیجاتی[2]، اس [illegible] کا حقیقی فائدہ کاشتکارون کو اسوقت حاصل ہوتا، جب ملک مین قحط و خشک سالی ہوتی تو [illegible] تمام ملک لگان سے واگزار ہوتا،

مسلمانون کے ساتھ یہ رعایت خصوصیت سے اسلئے تھی کہ [illegible] حکومت کی طرف سے [illegible] ایسے محصول عائد تھے، جو غیر مسلمون پر واجب الادا نہین تھے، [illegible]

[1] کتاب الخراج ص ۲۱ [2] الجامع الصغیر امام محمد [illegible] ص ۲۰۰

اور نقد رقم پر زکوٰۃ واجب تھی، حالانکہ ملک مین غیر مسلمون کے پاس بھی مویشی، گھوڑے، اور نقد دولت موجود تھی، لیکن اون کی ان ملکیتون سے حکومت کو کوئی سروکار نہ تھا، اس موقع پر جزیہ کی اوس رقم سے اشتباہ نہ ہو جو خصوصیت سے صرف غیر مسلمون پر عائد تھی، یہ رقم دراصل غیر مسلمون کو فوجی خدمت سے سبکدوش کرنے اور اُن کے جان مال اور املاک کی حفاظت کے عوض وصول کی جاتی تھی، جیسے کہ ترکی حکومت عہد عثمانی مین اور شاید دورحاضر کی جمہوریت مین بھی ایسے تمام مسلم و غیر مسلم باشندون سے جو اپنے کو جبری فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرانا چاہتے تھے یہ رقم وصول کرتی تھی، لیکن چونکہ اسلامی عہد حکومت مین کوئی مسلمان فوجی خدمت سے قانوناً سبکدوش نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لئے یہ رقم صرف غیر مسلمون ہی کے ذمہ عائد ہوتی تھی، اور اسی لئے جزیہ کی رقم سے غیر مسلمون مین سے بوڑھے، بچے، عورتین، اندھے، اور لاچار جو فوجی خدمت انجام دینے کی صلاحیت نہین رکھتے تھے قانوناً مستثنیٰ تھے[۱]،

علاوہ ازین عشری آراضی مخصوص طور پر وہی تھی، جو حکومت اسلامی سے کسی مسلمان کو ملتی تھی؛ ورنہ اگر کوئی مسلم کسی غیر مسلم کی آراضی کو کرایہ پر لیکر کاشت کرتا تو اس پر بھی وہی خراج واجب الادا ہوتا جو اوس زمین کے مالک پر عائد کیا جاچکا تھا[۲]،

اس کے بعد جیسے جیسے ممالک اسلامیہ کی زرخیزی بڑھتی گئی، خراج کے طریقون مین بھی تغیر و تبدل ہوتا گیا، عرب مورخین مین سے فخری، بلاذری، طبری، اور ابن اثیر وغیرہ نے مختلف دور کے مختلف حالات لکھے ہین، جن سے ہر عہد کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے، لیکن ان کا تذکرہ نہایت طویل ہوگا،

مگر مجموعی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اضافے کاشتکارون کے لئے گران ہونے کے بجائے خوش آیند ثابت ہوتے تھے، کیونکہ حکومت لگان کے اضافہ کے ساتھ ملک کی زرخیزی و سرسبزی کا بھی سامان بہم

---

[۱] کتاب الخراج ص ۶۹، ۷۰، [۲] ایضاً ص ۳۵،

پہنچاتی تھی، کاشتکارون کی ضروریات کا مخصوص لحاظ کیا جاتا، غلون کا نرخ متعین ہوتا، ممالک محروسہ مین ہر جگہ جاسوس اور خفیہ پرچہ نویس ہوتے جو غلہ کے نرخ کے تغیر و تبدل اور کاشتکارون پر عمال حکومت کی دست اندازی وغیرہ سے مرکزی حکومت کو مطلع کرتے، اور حکومت ایسے موقعون پر تحقیقات کرکے مناسب تدارک کرتی،[1]

اسلامی عہد حکومت مین زراعت کی ترقی کا پتہ حکومت کی اوس آمدنی سے بھی چلتا ہے، جو اوسکو ممالک محروسہ سے حاصل ہوتی تھی، کیونکہ خراج کا بیشتر حصہ زمین ہی کی مالگذاری پر مشتمل تھا، مثلاً ابن خلدون کے بیان کے مطابق صرف مامون کے عہد حکومت مین حکومت کی مجموعی آمدنی ۳۹۰۸۵۵۰۰۰ درہم تھی،[2]

مگر اس موقع پر اس حقیقت کو گو وہ ہمارے لئے نہایت تلخ ہو، فراموش نہین کیا جا سکتا کہ جب امتداد زمانہ سے مسلمانون کی حکمران جماعتون سے اسلام کی حقیقی روح اسپرٹ فنا ہوگئی، اور اسلامی حکومتون کا اصل مطمح نظر محض بادشاہی و حکمرانی باقی رہ گیا، تو اسلام کے نافذ کئے ہوئے اصول و قوانین کا نہایت غلط استعمال ہونے لگا، اور اگرچہ قوانین کے دفعات اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ [illegible] بھی [illegible] رہے، مگر ان قوانین مین جو حقیقی روح تھی، وہ رفتہ رفتہ جاتی رہی، اور اس کا اثر ملک کی زراعت وکاشتکاری پر بھی نہایت گہرا پڑا، چنانچہ اس دور مین ممالک محروسہ کی آراضی کا بیشتر حصہ [illegible] کی کاشتکاری مین آگیا، گو قوانین کے ظاہری الفاظ کی پابندی کرتے ہوئے مسلمانون کو وہی آراضیات عطا کی گئین، جو اسلامی مملکت کے قبضہ مین آگئی تھین، مگر اسلامی سلطنت [illegible] مین یہ فرق پیدا ہوگیا کہ عہد اول مین اسلامی حکومت کے قبضہ مین صرف وہی زمینین تھین، جو ممالک مفتوحہ کے قدیم حکمرانون کی ملکیت ہوتین یا لاوارثون، مفرورون اور باغیون کی [illegible] سے حکومت کے قبضہ مین [illegible]

---

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۳ [2] بحوالہ التمدن الاسلامی [illegible]

ہوتین، اور وہی مسلمانون مین "عشری" بناکر تقسیم کیجاتین، لیکن اسلام کی خلف حکومتون نے اس کے ماسوا ایک جدید شکل بھی اختیار کرلی، اور وہ "فتوحات کی نوعیت" تھی،

یعنی جب کسی ملک مین اسلامی حکومت قائم ہوجاتی، اور رفتہ رفتہ فوجی پیش قدمیون سے جو نومفتوح شہر قبضہ مین آتے جاتے، وہ جس نوعیت سے فتح ہوتے، وہان کے باشندون سے جس قسم کے معاہدے اور صلحین ہوتین، اوسی لحاظ سے وہان کی زمینین حکومتِ اسلامی کے قبضہ مین داخل ہوتین، چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ اہلِ شہر اسلامی لشکر کا نہایت شدت سے مقابلہ کرتے، اور جب اسلامی لشکر بزورِ شمشیر شہر کے دروازے کھول لیتا تو اسکا پورا علاقہ بھی ضبط کرلیا جاتا اور وہ اسلامی حکومت کی ملکیت قرار پاتا، لیکن جو شہر صلح و آشتی سے زیرِ اقتدار آتے انکی آراضیان واگذار ہوتین؛

اسکو بھی اصول قانون کے رو سے توکسی قدر صحیح کہا جاسکتا ہو لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اسلامی حکومتون کے اس آخری عہد مین کبھی کبھی ایسا بھی پیش آیا ہے کہ اہلِ شہر اپنی مدافعت مین شہر سے شمشیر بکف نکلتے، اور تابِ مقاومت نہ لاکر صلح و آشتی کا پیغام دیتے تو وہ صرف اسی قانون سے فائدہ اُٹھانے کے لئے رد کردیا جاتا کہ شہر کی تمام مزروعہ زمین اسلامی حکومت کے قبضہ مین آجاتی ہے،

چنانچہ مختلف اسلامی حکومتون کے نظام مین دیکھا جاتا ہے کہ فوج کی تنخواہین بصورت زر ادا کرنے کے بجائے بصورت زمین دیجاتی تھین، فوج کے معزز عہدہ دار ایک ایک علاقہ پر قابض ہوتے، انکا ایک منصب مقرر ہوتا اور ان کے فرائض مین یہ داخل ہوتا کہ حسب طلب ایک مقررہ تعداد مین فوج لے کر دربار حکومت مین حاضر ہون، چنانچہ یہی عہدے دار زمیندار کی حیثیت رکھتے، اور وہان کے باشندے عام کاشتکار ہوتے، لیکن اس کے ساتھ اس کا تذکرہ بھی نہ کرنا ناانصافی ہوگی کہ وہ ملکی باشندے جو "کاشتکار" کی حیثیت سے زمین کی خدمت کرتے، مسلمان زمیندار ایک مقرر اصول کے ماتحت انھیں اسقدر حقِ محنت عطا کرتے تھے کہ کاشتکارون کا طبقہ پورے طور پر مطمئن رہتا تھا، اور نیز تصریح بھی ضروری ہے

کہ ملک مین ایسے عہدے داردن کی مثالین بہت کم ہوتی تھین، اور نہ کسی ایک ملک کے کسی ایسے نظام حکومت پر تمام ممالک اسلامیہ کو قیاس کیا جا سکتا ہی، یہ صرف چند ملکونکا دستور تھا اور خود ان ملکون مین بھی ان عہدے دار مسلمان زمینداردن کے علاوہ مسلم وغیر مسلم ایسے بکثرت زمیندار و کاشتکار ہوتے تھے، جن کا تعلق کسی درمیانی واسطے کے بغیر براہ راست حکومت سے ہوتا تھا، اور خراج کے انھی قوانین کے ماتحت جنکا ابھی تذکرہ کیا گیا ہے، وہ حکومت کو لگان دیا کرتے تھے،

اسلامی عہد حکومت مین رفتہ رفتہ مسلمانون کو زراعت کا ذوق اسقدر پیدا ہو گیا کہ ممالک محروسہ کی وسعت کے باوجود ملک کی آراضیان ناکافی ہو گئین، اور قابل کاشت و افتادہ زمینون سے گذر کر جنگل کے جنگل صاف کرکے قابل زراعت بنائے گئے، بے آب و گیاہ چٹیل میدانون مین پانی پہنچا کر ان کو قابل کاشت بنایا جاتا،

اس موقع پر صقلیہ کی مثال نہایت عمدہ ہو سکتی ہے کہ یہان عربون کی صرف تقریباً ڈھائی سو سال تک حکومت رہی، لیکن انھون نے اسی قلیل مدت مین اسکو اسقدر زرخیز بنا دیا کہ میدانون سے گذر کر پہاڑون پر سر سبز و بارآور درخت جھومنے لگے اور پہاڑون کے نشیب مین گیہون، جو اور دوسرے غلون کے کھیت [illegible] یہان تک کہ خود عرب سیاح جب دوسرے ممالک سے یہان آئے تو وہ یہان کی زرعی ترقیون پر [illegible] اظہار کئے بغیر نہین رہ سکے، ابن حوقل نے جو اسلامی عہد حکومت مین صقلیہ پہنچا تھا [illegible] سے زیادہ مقام پر صقلیہ کے عربون کی زرعی کوششون کا نمایان طور پر تذکرہ کیا ہے، [illegible] پہاڑون کے متعلق تعجب کے ساتھ لکھتا ہے کہ

یہان کے پہاڑون پر بھی زراعت اور کاشت ہوتی ہے [illegible] درخت [illegible] سب [illegible]

اسی طرح مسٹر اسکاٹ لکھتا ہے :-

پہاڑون کے اوپر انھون نے اخروٹ، صنوبر، چلغوزے، اور سرو [illegible]

لگا دیے، اُن کی لکڑیاں جہاز و ں کے بنانے کے لیے بڑی کارآمد ہوتیں، اور اچھی قیمت پاتی تھیں۔

جزیرہ مین آبپاشی کے جو قدرتی وسائل موجود تھے، اُن کے علاوہ پورے جزیرے مین شاخ در شاخ نہرون کا ایک جال بچھا دیا گیا تھا، دور دراز مقامون پر پانی پہنچانے کیلیے دریا مین چرخیان قائم تھین اور آبادی کا بیشتر حصہ زراعت مین مصروف رہتا تھا اور یہان کے عربون کا پیدا کیا ہوا غلہ ایک طرف اٹلی کے راستہ سے یورپ جاتا اور دوسری طرف شمالی افریقہ اور مصر بھیجا جاتا تھا،[۵]

یہ ممالک اسلامیہ مین سے ایک ایسے ملک کی زرعی ترقیون کا ایک اجمالی خاکہ ہے، جہان قدرت نے عربون کو صرف چند دن کے لیے بھیج دیا تھا، لیکن اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عرب جن زمینون کی صدیون خدمت کرتے رہے ہون، انھین کس حال سے کس حال مین لے آئے ہون گے،

زراعت پر عربون کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھون نے دنیا کے مختلف حصون کی مختلف پیداوار غلون، پھلون اور پودون کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا کر اس خوبی سے لگایا کہ وہ گویا اوسی سرزمین کی مخصوص پیداوار ہے، عربی حکومت شام، عراق، ایران سے گذر کر ہندوستان تک پہنچی، پھر مغرب مین مصر ہوتی ہوئی شمالی افریقہ آئی، اور یہان سے بحرِ روم کے تمام ساحلی علاقہ اور جزائر مین پھیل گئی، اور پھر اسی راستہ سے اسپین اور سسلی مین داخل ہوئی،

وہ جہان جہان رہے ان کی زراعت کا ذوق نمایان رہا، اگر ان کے ہاتھون ایرانی پودے ہندوستان مین آکر بار آور ہوئے تو یہ کچھ زیادہ تعجب انگیز نہین، زیادہ تعجب خیز چینی اور ہندی پودون کا مصر شمالی افریقہ اور پھر اسپین اور سسلی پہنچنا ہے، یورپ کے مورخون کو خود اعتراف ہے کہ روئی کا درخت سرزمین یورپ مین سب سے پہلی مرتبہ عربون ہی کے ہاتھون پہنچا، اسپین اور سسلی مین روئی کا سب سے پہلا پودا نصب ہوا،

---

[۵] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۴، ۳۳۲، کتاب الاقالیم اصطخری در ببلوتھیکا ص ۳۴، کتاب المسالک ابن حوقل در ببلوتھیکا ص ۸۴، معجم البلدان ج ۵ ص ۳۴۷، اخبار الاندلس ج ۲ ص ۶۰،

اور یہین بارآور ہوکر اٹلی اور پرتگال ہوتا ہوا، اندرون یورپ پہنچا، عربون نے نیشکر کی زراعت چینیون سے حاصل کی، اور انھی سے شکر نکالنا سیکھا جسکو وہ اپنے ساتھ مصر اسپین اور سسلی لے گئے، یورپ مین نیشکر کی زراعت اور شکرسازی کا یہ پہلا موقع تھا، انھی سے یہ صنعت سب سے پہلے پرتگالیون نے حاصل کی، ور پھر اونکے توسط سے سارے یورپ مین رائج ہوئی،

اسی طرح مشرقی ایشیا کے بہت سے درخت بحر روم کے جزائر مین لیجا کر نصب کیے گئے، مثلاً شیرین اور ترش لیمون کے درخت وہ تیسری صدی ہجری مین ہندوستان سے لیگئے، اور اسکو تمام اسلامی ممالک عراق، شام، شمالی افریقہ، اندلس اور صقلیہ مین پہنچا دیا، اہل یورپ نے خربوزہ، کشمش، اور آخروٹ کی کاشت عربون ہی سے حاصل کی، اور اسی طرح ایسی بہت سی طبی دوائیں ہین، جو مخصوص ہندوستان کی پیداوار تھین، وہ سب انھی کے توسل سے افریقہ اور یورپ کی سرزمین مین بارآور ہوئین[1]،

فرانسیسی مستشرق موسیو سدیو کہتے ہین :-

عرب سسلی مین شام سے کپاس کے درخت لے گئے، طرابلس الغرب سے نیشکر لائے، اور وہان دونو کی کاشت کی، نیز درد اور پستے کے درخت لاکر لگائے گئے[2]،

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین :-

سسلی مین عربون کے عہد مین روئی، نیشکر اور سن نہایت کامیابی سے پیدا ہونے لگے، اور زیتون خود انھی کے زمانہ مین اس قدر کثرت سے ہونے لگے، کہ وہ خاص اس جزیرہ کی پیداوار سمجھے جانے لگے[3]،

زرعی حیثیت سے عربون کا ایک اہم کارنامہ اس موضوع پر اُن کی علمی وفنی مؤلفات ہین [illegible]

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۴۳۸ و المجمع العلمی العربی ج ۷ ص ۱۱۲ [2] تاریخ عرب موسیو سدیو ص ۲۰۰ [3] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۱۰۰،

جب دوسری زبانون کی کتابین عربی مین ترجمہ ہونا شروع ہوئین، تو طب و فلسفہ کے ساتھ فن زراعت کی کتابون کا ترجمہ بھی شروع ہوا، اور یونانی او نبطی زبان کی اہم کتابین عربی مین منتقل کر لی گیئن، جن مین غالباً سب سے اہم کتاب قوثامی کی "فلاحت نبطیہ" ہے، پہلے اس کے متعدد ترجمے ہوئے، پھر خلاصے تیار کئے گئے، اور اس کے بعد اسی پر حواشی واستدراک لکھے گئے، اسی طرح قسطا بن لوقا بعلبکی کی کتاب "فلاحت رومیہ" بھی قابلِ ذکر ہے،

جب ترجمہ کا دور ختم ہوا تو تالیف و تصنیف کا زمانہ آیا، اور لوگون نے اس موضوع پر قابلِ قدر کتابین تالیف کین، جن مین ثابت بن قرہ، اسحاق بن سلیمان، ابو حنیفہ دینوری، رازی، حاج غرناطی، اور ابو الخیر اشبیلی کے نام قابلِ ذکر ہین،

علماے فلاحت مین سب سے اہم ترین کارنامہ چھٹی صدی کے ابن العوام اشبیلی کا ہے، اسکی کتاب الفلاحت شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے، فرانسیسی مستشرق رنگلمان کہتا ہے:-

> ابن العوام اشبیلیہ مین رہتا اور بلند پہاڑون پر (جہان کاشت ہوتی تھی) اپنے تجربے حاصل کرتا، اسکی کتاب صرف فصاحت و بلاغت کا مظہر نہین، بلکہ ان تمام زرعی مباحث و معلومات کا مجموعہ ہے جو کاشتکاری کے متعلق نبطی یونانی اور رومی زبانون مین موجود تھے، اور جن کے بتائے ہوئے طریق کاشت کے اصول پر اندلس مین زراعت ہوتی تھی"

ماہرِ فن زراعت انٹونی پاسی اپنے ایک خطبہ مین جو اس نے ۱۸۵۵ء مین فرانس کی ایک زرعی کانفرس مین پڑھا تھا، لکھتا ہے:-

> ابن العوام کی کتاب کی صرف یہ خوبی نہین، کہ وہ قدیم فنون زراعت پر حاوی ہے، جن کے اصول کے بموجب مدت تک اندلس مین زراعت ہوتی رہی، بلکہ یہ کتاب اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے کہ عربون کو علوم طبیعیات و کیمیا مین خاص دستگاہ حاصل تھی، درحقیقت یہ کتاب ان تمام تجربون اور

طریقِ کاشت پر حاوی ہے، جو زمانہ قدیم سے بارہوین صدی عیسوی تک دنیا مین رائج رہے اور آج بھی

اوسی طرح قابلِ عمل ہین[1]"،

یہ کتاب سنہ ۱۸۰۲ء مین مستشرق نبکویری کے اسپینی ترجمہ کے ساتھ میڈرڈ سے سب سے پہلی مرتبہ شایع ہوئی، اور مسرت ہو کہ اب دولتِ آصفیہ نظام کی قدر دانی کی بدولت ہمارے ایک لائق و محترم دوست کے ہاتھون سلیس ترجمہ کے ساتھ اردو مین بھی منتقل ہو رہی ہے، اور اس کی پہلی جلد گذشتہ سال شایع ہو چکی ہے،

افاداتِ مہدی

اُردو کے مشہور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم جن کے طرزِ انشا کے متعلق مولانا شبلی کی یہ رائے تھی کہ حالی اور محمد حسین آزاد کی مجموعی رُوح نے ایک قالب مین جنم لیا ہے" اُن کے مضامین کا مجموعہ "افاداتِ مہدی" کے نام سے چند سال ہوئے کہ چھپا تھا، اور شایقین ادب نے ہاتھون ہاتھ لیکر بہت جلد اوسکو ختم کر دیا تھا، اب دوبارہ مطبع معارف مین بعض اضافون کے ساتھ چھپا ہے، اُردو ادب کے یہ انمول موتی ہین جو کسی اور خزانۂ ادب مین نہین مل سکتے :-

قیمت :- ے

منیجر

---

[1] المجمع العلمی العربی ج ۷، ص ۱۱۳،

"گنجینۂ تحقیق"

از

جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ایڈوکیٹ اعظم گڑھ

(ا)

"اس کتاب پر اکتوبر کے معارف مین تبصرہ ہوچکا ہے، مگر ہمارے دوست اور خواجہ تاش مولوی اقبال احمد صاحب سہیل نے اس پر اس رنگ مین ریویو لکھا ہے، جس کو ہم بجائے خود ایک گنجینۂ تحقیق کہہ سکتے ہین، اس لیے ایک مزید تبصرہ کے بجائے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے ہم اس کو شایع کرتے ہین، جناب سہیل کی سخنگوئی کے ساتھ اون کی سخن سنجی و سخن فہمی بھی ہماری مدح و ستایش سے مستغنی ہے، اُنھون نے جس قلتِ فرصت کی تمہید سے اپنے اس کثیر الاوراق مضمون کو شروع کیا ہے، بحیثیت ایک شاہد کے ہم بھی اُس کی تصدیق کرتے ہین، مگر اس تصدیق کے ساتھ اس تصور کو بھی ملایئے کہ یہ پورا مضمون جو شاید معارف کے کئی نمبرون مین آئے تعطیل عدالت کے دوران مین جو ہر وکیل کے لئے موسم بہار کا حکم رکھتا ہے، ایک سفر مین صرف دو دن کے اندر اس طرح لکھا گیا ہے کہ سوائے "علم سینہ" کے کوئی سفینہ اُن کے پاس نہ تھا اس سے اربعہ متناسبہ کا یہ حساب بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مہینہ مین ایک دفعہ بھی وہ ایک دو گھنٹے وقت نکالین تو آٹھ دس صفحون کا مضمون وہ بے تکلف لکھ سکتے ہین، اور ہمین شکایت کا موقع نہ ملے"

اڈیٹر

حضرت بیخود دہلوی پروفیسر شیعہ کالج کا نام نامی دنیائے ادب مین کسی تعریف اور تعارف کا محتاج نہین ہے

لیکن ایک مصروف وکیل اور وہ بھی اعظم گڈھ جیسے کوردہ اور دور افتادہ گوشہ کا۔ جینے والا جس ذہنیت کے
ماحول مین بسر کرتا ہے اسکو علم اور اہل علم سے کیا واسطہ؟ یہی وجہ تھی کہ حضرت تجو د کی نسبت اس شہرت کمال
کے باوجود مجھے صرف اتنی واقفیت تھی کہ بعض ادبی پرچون مین اُن کی ایک آدھ غزل کبھی کبھی نظر سے گذری
تھی اور یہ حسن ظن قائم ہو گیا تھا کہ ایک خوش گو، خوش مذاق اور صاحب فن شاعر ہین۔ اور وہ حاضر کے
اُن شہرت پسند اصحاب سے یقیناً بلند تر ہین جن کی سعی بلند آہنگی اور بھی اُن کی کم سوادی و بد مذاقی کا راز
فاش کرتی ہے،

بہرحال سخن گوئی اور سخن فہمی دو جداگانہ مراحل ہین جنکا اجتماع لازمی نہین ہے۔ سخن گوئی کے
لئے محض طبیعت کی مناسبت اور ذوق سلیم کافی ہے مگر سخن فہمی کے لئے اُن امور کے علاوہ وسعت معلومات
اور امعان نظر کی ضرورت ہے اور آج کل کے دور سطحیت پرستی مین جبکہ سرزمین ہند کے بعض شاداب
خطے ہر برسات مین ایک نبی اور ساتھ ہی اس کے امتیون کی ایک بڑی جماعت پیدا کر سکتے ہین،
کسی شخص کے چند مطبوعہ اشعار سے اس کی بصیرت علمی اور ژرف نگاہی کے متعلق رائے قائم کرنا سخت
مشکل ہے، اور کوئی رائے قایم بھی ہو تو اس کی صحت پر وثوق نہین ہوتا۔ روز کا تجربہ ہے کہ کسی ادبی
پرچہ مین کسی نظم یا غزل کے چند اشعار پڑھکر آپ مصنف کے متعلق اچھی رائے قائم کر لیتے ہین، مگر اسی
نظم کے کسی حصہ مین یا اسی شاعر کی کسی دوسری نظم مین آپکو کوئی ایسی فاش غلطی ملجاتی ہے جس سے
قابلیت کا سارا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے، آج ہی ایک مشہور مجلہ ادبی مین ایک غزل نظر سے گذری
جس کے ابتدائی اشعار اچھے خاصے تھے، اور مقطع یہ تھا:-

"جلیل عہد جنون کی شوخیان سبا دین تک   طبیعت تھی تیات کی سکون نا آشنا [illegible]

چونکہ کسی کی تنقیص مقصود نہین ہے اسلئے مین نے تخلص بدل دیا [illegible]
شاعر صاحب کوئی نومشق نوجوان معلوم ہوتے ہین، [illegible]

یا سہل انگاری کی وجہ سے یہ غلطی سرزد ہوگئی ہے کہ تخلص کا آخری حرف یا لفظ عہد کا عین تقطیع شعری گرجا
اگر فاضل مدیر خود اصلاح کر دیتے یا اس شعر کو حذف کرکے بقیہ اشعار غزل شائع کر دیتے تو مصنف کی عروضی
کا پتہ چلانا دشوار تھا، اسی پرچہ کی ایک نظم مین "خون آشامی" فاعلاتن فا" کے وزن پر اور دوسری
شورش طوفان یہ اعلان نون شایع ہوتا ہے اور ایک نہایت عمدہ نظم مین "روپ دھارا" ہے "اختہ
ہے یا بھرا ہے" کے معنی مین استعمال ہوا ہے، مقدم الذکر اغلاط ذرا سی توجہ سے درست ہوسکتی تھین
آخر الذکر بے معنی ایجاد سے بچنے کے لئے تھوڑی سی احتیاط کافی تھی اور ناظرین بآسانی مبتلائے
کئے جاسکتے تھے، یہان مین نے قصداً بہت خفیف قسم کے لفظی یا عروضی سامحات دکھائے ہین، ورنہ
کل تو نہایت شرمناک قسم کی لغوی اور معنوی غلطیان جو بہ اصطلاح شرع ادب کبائر معاصی ہین
کی جانے کے قابل ہین، اس کثرت سے بیباکانہ زبان زد ہورہی ہین کہ اُن کے استقصا کے لئے ا
دفتر چاہیئے، کہین خزائن مسروقہ کے بل پر اظہار تفاخر ہے، تو کہین متاع مستعار کی بدولت مشو
صحیح الفاظ کا غلط استعمال مثلاً "تظلم" بہ معنی ظلم اور قلمکار بہ معنی اہل قلم تو اس دورِ جہالت مین ایک
مرض تھا ہی، مگر اب تو اختراع تراکیب اور ابداع مضامین سے گذر کر کچھ ذہن سے تخلیق الفا
کا ایک بے پایان سلسلہ جاری ہے جس کے لئے کسی صرفی یا نحوی قاعدہ کی پابندی لازمی نہین
آج ہی ایک پرچہ مین ایک لفظ "الوہیانہ" نظر پڑا، خدا جانے یہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس اصول
وضع کیا گیا ہے، اسی طرح شناسایانہ کی جگہ پر شناسانہ، خندان جبینی کے معنون مین خندہ پیشانی؛ ہند زا
یا ہندی نژاد کی جگہ پر ہندی زا، اچھے اچھے اخباری ادیب لکھنے کے خوگر ہین، تانیث کی بجائے تذ
اور تعدیہ کی بجائے لزوم تو ایک وبائے عام ہے، جس سے بڑے بڑے بھی محفوظ نہین، مثال کے ط
ایک نہایت مشہور ادیب عصر کی ایک فارسی غزل کا مقطع لکھتا ہون، یہ غزل آج سے آٹھ، دس سال
ایک پرچہ مین شایع ہوئی ہے، مین نے تخلص کو بدل کر اس کی جگہ "رشید" کر دیا تاکہ ناظرین کا ذ

مصنف کی طرف منتقل نہ ہوسکے، اسی خیال سے کئی برس پہلے کی مطبوعہ نظم سے شعر لیا گیا ہے جو ناظرین کے حافظہ سے یقیناً محو ہوچکا ہوگا تاکہ مصنف کی شہرتِ کمال یا ادعاے ہمہ دانی پر حرف نہ آئے شعر یہ ہے،

چہ گونہ وارہدم آستانِ حسن "رشید" ازین گناہ کہ ظلمے کہ من جبین دارم

یہان اس سے بحث نہین کہ مضمون کیا ہے، کیسا ہے، اور کس کا ہے، اور ان الفاظ سے ادا بھی ہوسکا ہے یا نہین، آجکل ان باتون کا ذکر ہی کیا؟ مجھے تو اس موقع پر صرف ایک لفظ کے استعمال غلط کی طرف توجہ دلانی ہے، ایک طالب علم جس نے صرف آمدنامہ سمجھ کر پڑھا ہو، بتا سکتا ہے کہ وارستن مصدر لازم ہے جس کے معنی ہین آزاد ہونا، متعدی یعنی آزاد یا بری الذمہ کرنا کا مفہوم اس سے ادا نہین ہوسکتا، پھر "وارہد" کے ساتھ میم مفعولی کیسی؟ یہ نمونہ ہے اس شخص کے زورِ قلم کا جو آج دنیا کے ادب مین نبوت سے گذر کر خدائی کا مدعی ہے اور خدا جانے کتنے بندے [illegible] اس پر ایمان بھی لاچکے ہین اس اظہارِ حق سے حاشا و کلا مجھے کسی کی پردہ دری تشہیر یا تحقیر مقصود نہین ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ملمع کے اس رواج عام نے زرِ خالص کی بھی وقعت کھودی، [illegible] طرح اشتہارات [illegible] پر اعتماد نہین رہا ہے اسی طرح اخباری ادیبون کی نسبت بھی حسنِ ظن پیدا ہونا بہت دشوار ہوگیا ہے اور اس طوفانِ بے تمیزی مین اگر کوئی اکا دکا صاحبِ فن بھی سامنے آجاتا ہے تو [illegible] ہوتا ہے [illegible] اندیشہ ہوتا ہے کہ کہین یہ بھی فریبِ نظر نہ ہو، لیکن اگر مسلسل تجربات و دائم [illegible] کے بعد کوئی کامل العیار ہستی ملجاتی ہے تو پھر سرور کا عالم نہ پوچھیے زبان سے بے ساختہ [illegible] سمان ہوتا ہے جیسے صحراے افریقہ مین فریب سراب کے کسی تشنہ [illegible]

غالباً تین چار سال ہوئے میرے ایک [illegible] دی ہوئی کتاب "اصلاحِ سخن" کے ابتدائی جز [illegible] مین نہ تو کسی ادارۂ احتساب ادب کا رکن ہون [illegible]

فرصت، بہرحال تقریظ لکھنا یا نہ لکھنا تو بعد کا سوال تھا مگر تعمیلِ ارشاد کے لئے پہلے کم سے کم ایک مرتبہ کتاب
کا پڑھ لینا ضروری معلوم ہوا، اور کتاب بھی خود اس درجہ دلچسپ کہ ناتمام چھوڑی بھی نہ جا سکتی
تھی، اس طرح یہ سلسلۂ مطالعہ عرصہ تک رہا، شوق صاحب کی یہ تالیف کا ہے کو ہے شعرائے عصر کی دماغی
ساخت کا ایک زندہ عجائب خانہ ہے، مصنف نے اپنے ابتدائی مشق کا کلام تمام مشاہیرِ عصر کی خدمت
مین اصلاح کے لئے بھیجا تھا اور جو اصلاحین ہوئین یا اس کے متعلق جتنی خط و کتابت ہوئی تھی وہ
کل شائع کر دی ہے، یہ خطوط کیا ہین اچھے خاصے زعفران زارِ ادب ہین، فاضل مصنف نے ایک شعر
مین لفظ "محشرستان" باندھا تھا، اس ایک لفظ نے وہ قیامت برپا کر دی کہ الامان، ایک مدعی
استادی نے جو غالباً "منشعب" کے منتہی معلوم ہوتے ہین فوراً اعتراض جڑ دیا کہ محشر بروزن مَفعُل اسم
ظرف کا صیغہ ہے جس کے معنی خود جائے حشر کے ہین پھر "ستان" کیا، شوق صاحب پڑھے لکھے آدمی
ہین اور غالباً اس اعتراض کی سطحیت سے واقف ہون گے، مگر ستم ظریفی دیکھئے، انھون نے دوسرے
اساتذہ کا بھی امتحان لینا چاہا اور اس اعتراض کے متعلق ہر ایک سے استفسار شروع کر دیا، اور
لطف یہ ہے کہ اُن مین سے اکثر باکمالون نے معترض کی تائید فرمائی، صرف چند نے اختلاف کیا، ازانجملہ
[illegible] صاحب ہاپوڑی نے قدما کے کلام سے "محشرستان" کی سندین بھی پیش کر دین، لیکن اصل اعتراض
اور لفظ محشر کے صحیح مفہوم کی جانب انھون نے بھی توجہ نہ فرمائی، اب یہ تمام قصیہ بطور مرافعۂ ثانیہ قول
فیصل کی غرض سے اس ادیبِ عصر کی خدمت مین پیش ہوا جس نے اپنی ہمہ دانی کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا
ہے کہ آرمیدگانِ خاک کی نیندین بھی اچٹ گئی ہین، اس فاضلِ عصر نے نہایت متبحرانہ اور ملہمانہ انداز
سے حکم ناطق دیدیا کہ محشرستان غلط ہے اور اساتذۂ قدیم کے لکھ دینے سے غلط لفظ صحیح نہیں ہو سکتا،
جہلِ مرکب کا یہ مظاہرہ اور انانیت کا یہ طوفان دیکھ کر پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور جی مین آیا کہ شوق صاحب
سے کہہ دون کہ محشر مصدر میمی اور حشر کا مترادف ہے اس کو اسم ظرف کس نے کہا؟ پھر خیال ہوا کہ بھلا

وہ اتنا بھی نہ جانتے ہون گے، حالانکہ اتنا علم تو اس طفلِ مکتب کے لئے بھی ضروری ہے جس نے یہ شعر سمجھ کر پڑھا ہو" روزِ محشر کہ جانگداز بود+ اولین پرسش نماز بود" ممکن ہے کہ یہ سارا قصہ شوق صاحب کا ایک سنجیدہ مذاق ہو، اور اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کا مقصد ہی موجودہ مدعیانِ کمال کی پردہ دری ہو، پھر اگر مین نے بھی سنجیدگی کے ساتھ مفتیِ ادب کا منصب قبول کر لیا تو شوق صاحب کو اپنے مذاق کی کامیابی مین شک کی کیا وجہ ہو سکتی ہے' اس خیال کے آتے ہی مین نے لکھا لکھایا خط پھاڑ ڈالا، اس واقعہ کے چند ہی روز بعد شوق صاحب نے کتاب کے بقیہ اجزا بھی بھیجدئے، انھین مین جناب تجو د موہانی کا وہ خط بھی تھا جسمین لفظِ محشرستان کے متعلق انھون نے اپنی رائے دی ہے' یہ خط پڑھنے کے بعد مین نے اطمینان کی سانس لی کہ بارے اتنے بڑے خرمن مین ایک دانہ تو ہے،

یہ پہلا واقعہ تھا کہ جس سے جناب تجو د کے متعلق میرے حسنِ ظن کو تقویت پہنچی اور غالباً اسی کے چند سال بعد مین نے نیرنگِ خیال مین پروفیسر تجو د کا وہ مضمون پڑھا جس کا عنوان ہے "آتشِ بے حجاب بجواب غالبِ بے نقاب" یہ مضمون تنقیدِ ادبی کا ایک شاہکار اور اُردو ادب مین ایک قابلِ قدر اضافہ ہے' مین نے اسکو شروع سے آخر تک بالاستیعاب پڑھا اور بے ساختہ جی چاہا کہ صاحبِ مضمون کہین ملین تو جی بھر کے اُن کی حق گوئی اور نکتہ رسی کی داد دیتا، اتفاقاً ایک مشاعرے کے سلسلہ مین امسال وہ اعظم گڈھ آئے اور مجھے اس فریضۂ ادبی کی ادائیگی کا موقعہ ملا، جناب ممدوح نے [illegible] کا صلہ فرطِ احسان کی شکل مین دیا اور اپنے پانچ بیش بہا تنقیدی مضامین کا مجموعہ "گنجینۂ تحقیق" کے نام سے حال مین شایع ہوا ہے مرحمت فرمایا، مین پہلے ہی سے مصنف کا عقیدت مند تھا [illegible] مجموعہ نے تو اور بھی جناب ممدوح کی وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر، صحتِ ذوق، اصابتِ رائے، قدرتِ [illegible] دیانتِ تحقیق کا معترف بنا دیا، ناسپاسی تھی اگر اسکے بعد بھی مین خاموش رہتا، اور زبانِ اُردو پر جو احسان جناب تجو د نے اپنے ان مضامین کے ذریعہ سے کیا ہے اس پر اظہارِ خیال نہ کرتا،

یہ ہے تقریب اُن سطور کی جو ذیل میں نذرِ ناظرین کیجائینگی، آپ اسے تمہید سمجھیں یا اعتذار، مگر گریز سے پہلے یہ تشبیب اس لئے ضروری تھی کہ یہ نیازمند بھی کہیں پیشہ ور تبصرہ نگار نہ سمجھا جائے، حالانکہ ایک طرف تو مکروہاتِ دنیا سے اتنی فرصت نہیں کہ ہر کرمفرما کی تعمیلِ ارشاد کی جائے، دوسری جانب مصیبت یہ ہے کہ اگر سچ لکھو تو شکایت اور جھوٹی مداحی کرنا چاہو تو اسکا سلیقہ نہیں،

تنقید ادب کی دو قسمیں ہیں ایک اجمالی و اصولی، دوسری جزئی اور تفصیلی، ایک میں اصل فن اُس کی تدریجی نشو و نما، مختلف ادوار میں مختلف تغیرات، اور اُن تغیرات کے تاریخی، جغرافیائی، اور معاشری اسباب سے بحث ہوتی ہے، پھر فلسفیانہ حیثیت سے کسی ادبی تخلیق کے جمالیاتی نفسی اور اجتماعی پہلو پر نظر کی جاتی ہے، وھلم جرّا

دوسری قسم تنقید میں اصولی اور عمومی مباحث سے اگرچہ قطع نظر ممکن نہیں ہے مگر زیادہ توجہ جزئیات پر صرف کی جاتی ہے اور کسی مصنف کے نتائجِ فکر کو لیکر اُس کے معانی و مطالب کی توضیح اور محاسن و معائب کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک ایک خط و خال سامنے آجائے، مثلاً الفاظ کی فصاحت یا ثقل، تراکیب کی چستی و روانی یا تنافر و تعقید، تخیل کی بلندی یا پستی، طرزِ ادا کی ندرت یا سوقیت ایک ایک کرکے دکھائی جاتی ہیں اور بعض اوقات دوسرے اساتذہ کے ہمرنگ کلام سے موازنہ کیا جاتا ہے یا دوسرے ناقدین کے آرا و خیالات پر محاکمہ ہوتا ہے،

زبانِ اردو تنقید ادبی کے اعتبار سے اب تک تہی مایہ ہے صرف چند کتابیں ہیں جو انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں اور وہ بھی چنداں قابلِ ذکر نہیں ہیں، البتہ شعر العجم اور حیاتِ سعدی اپنے اپنے رنگ میں بے مثل کتابیں ہیں اور جنابِ بیخود کا یہ مجموعۂ مضامین بھی ایک جدید اضافہ ہے، پہلا مضمون آئینۂ تحقیق دیوان غالب کی اردو کی شرحوں پر ایک سرسری نظر ہے جس میں فاضل مصنف نے غالب کی ایک غزل بطور نمونہ لے کر اس کی شرح کی ہے اور ضمناً جنابِ شوکت میرٹھی مرحوم، حضرت طباطبائی اور جناب حسرت موہانی کی

شرحون پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اس مضمون کی تردید اودھ پنچ لکھنؤ مین "نقد انقد بیخودی" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی جس مین جناب بیخود کی تحریر اور توضیحِ مطالب پر نکتہ چینی کی گئی تھی اور لگے ہاتھون غالب مرحوم پر بھی اعتراضات کی بوچھار تھی اس مضمون کا جواب نہایت متانت کے ساتھ مدلل اور محققانہ انداز مین جناب بیخود نے دیا ہے یہ جوابی مقالہ "سرمۂ تحقیق" اس مجموعہ کا دوسرا مضمون ہے، تیسرا مضمون "سرمایۂ تحقیق" یا "آرگس بے حجاب" بھی غالب ہی کے متعلق ہے اور اس مضمون کا جواب ہے جو کسی معشوق نے اہل نظر کے خوف سے آرگس کا نقاب ڈالکر "غالب کے نقاب" کے عنوان سے "نگار" مین شایع کیا تھا اور جس مین پردۂ [illegible] کے آڑ سے فریب خوردگان سیمیا کو یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ غالب کے تمام بہتر اشعار در اصل بزرگان سلف کی متاع مسروقہ ہین، حالانکہ خود یہ مضمون بھی یا تو جناب یاس عظیم آبادی کے اس مضمون کا چربہ ہے جو آج سے چند سال پیشتر معتقدینِ غالب سے انتقام لینے کے لئے شایع کیا گیا تھا یا جناب آسی کی شرح دیوان غالب کی صدائے بازگشت، حضرت بیخود نے اپنے مذکورۂ بالا مضمون مین نہایت سنجیدگی سے استدلال آرگس کے تمام تار و پود بکھیر کر رکھدئے ہین اور ضمناً سہا صاحب کے جوابی مضمون پر نظر ڈالی ہے اس طرح پر اس مجموعہ کے تین مقالات غالب کے دیوان اردو یا اس کے شارحین و معترضین کے متعلق ہین چوتھا مضمون "مایۂ تحقیق" خاقانی کے ایک قصیدے پر تین پروفیسر صاحبان یعنی مولانا [illegible] آبادی، جناب شادان بلگرامی اور حضرت شادمان لکھنوی کی شرحون کا محاکمہ ہے اور سب سے آخری مضمون "[illegible] تحقیق" کے نام سے موسوم ہے، جناب حکیم ناطق لکھنوی کے تبصرۂ اصلاح سخن کی تنقید ہے،

غرض کہ ان مضامین کا موضوع بحث زیادہ تر نقد التنقید یا محاکمہ ادبی ہے [illegible] اگر ذاتیات سے علیحدہ ہوکر صحیح تنقیدی معیار کے مطابق لکھے جائین، تو منتہیون کے لئے بہترین [illegible] تفریح اور مبتدیون کے لئے مفید ترین درسِ بصیرت ہوسکتے ہین، مگر ملک کی بدقسمتی سے ابتک جو [illegible] تحریرین نظر سے گذری ہین وہ بیشتر نہ تو آشنائے فن ہوکر لکھی گئی ہین [illegible]

رہ گئی ہے جو اس طرح کے علمی مضامین کے لئے سب سے زیادہ ضروری عنصر ہے، بیجا تعصب، اپنی بات کی پچ، مخاطب کی تحقیر، ذاتیات سے بحث، انداز بیان مین مجادلانہ خشونت اور بسا اوقات سفیہانہ سب و شتم سے بھی گریز نہین ہوتا،

جس کی تعریف پر اتر آئے اسکو آسمان تک اچھال دیا جسکی مخالفت شروع کر دی اس کے محاسن کو بھی معائب کا رنگ دیدیا، مختصر یہ کہ تنقید یا تو مدحیہ قصیدہ بنجاتی ہے، یا طومار ہجو و دشنام رہجاتی ہے، خدا کا شکر ہے کہ جناب بیخود کا یہ مجموعۂ مضامین ان معائب سے بالکل پاک ہے، شروع سے آخر تک آپ کو ایک حرف بھی ایسا نہ ملیگا جس مین مناظرانہ تلخی پائی جاتی ہو یا سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا ہو، حد سے زیادہ اشتعال انگیز مواقع پر بھی انتہائی ضبط اور بلند نظری سے کام لیا گیا ہے، نہ تائید مین بیجا پاسداری کی گئی ہے نہ تردید مین تحقیر اور دل آزاری کا پہلو اختیار کیا گیا ہے، معاصرین یا متقدمین کا جہان کہین نام لیا ہے انتہائی ادب و احترام ملحوظ رکھا ہے، بلکہ مین تو یہ کہونگا اس میں ایک حد تک غیر ضروری مبالغہ کیا گیا ہے اور لفظ "علامہ" کا استعمال اکثر مقامات پر بے محل اور موجودہ اخباری دنیا کی تقلید پر مبنی ہے،

اتنی احتیاط اور سنجیدگی سے بسا اوقات تحریر کی شگفتگی باقی نہین رہتی اور یا تو مولویانہ ثقاہت پیدا ہو جاتی ہے یا فلسفیانہ یبوست، جو ایک ادبی مضمون کے لئے کسی طرح بھی موزون نہیں ہے مگر حضرت بیخود کے سحر کار قلم نے انتہائی تہذیب و متانت کے باوجود ان مضامین کا دامن ظریفانہ بذلہ سنجیوں اور ادیبانہ گلکاریون سے خالی نہین چھوڑا ہے اور "نرگس بے حجاب" والا مضمون تو سرتاپا لطافت و رنگینی ہے خصوصاً تمہید کے چند ابتدائی صفحات دید کے قابل ہین، ملاحظہ ہو،

"دنیا! ہنگامہ پرست دنیا!۔ دنیا! امارہ پرست دنیا تو ہمیشہ کا فرماجرائیون کا طلسم نظر آئی، بندۂ امت گریۂ نوح کا ہم آہنگ ٹھہرا، تعلیم کلیم کے ہوتے گوسالہ پرستی نے زور پکڑا، چراغ مصطفوی کے

آگے شرار بولہبی نے سر اُٹھایا، وحی ربانی کے سامنے مسیلمہ کے لایعنی اقوال کا کلمہ پڑھا گیا، اور یہ سب کچھ طرف قادر مطلق خدائے لاشریک کی موجودگی مین پتھر کی مورتون کو سجدہ کیا گیا، پھر آج جو ہو رہا ہے اُس پر حیرت کیسی، اگر کچھ ذرہ ہائے زمین گیر جنکو پستی تحت الثری کی کھینچ رہی ہے. لفاظی کی آندھیون کے زور سے نقطۂ عروج آفتاب تک پہنچائے جا رہے ہین تو حیرت کا محل نہین، اور اگر کچھ ستارہ ہائے فلک سیر کمند فریب کے بل پر اوج ثریا سے خاک نمناک کی طرف لائے جا رہے ہین تو استعجاب کا مقام نہین نہ وہ کوشش کامیاب ہے نہ یہ سعی مشکور، ہان عامۃ الناس کے گمراہ ہوجانے کا خوف زبان کو ساکت اور قلم کو گوشہ گیر نہین رہنے دیتا، ....

جب صعود کی ٹھانتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی پیغمبر اُولو العزم محو خطبہ خوانی ہے، جب کچھ اور بلند ہو جاتے ہین تو گمان ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حقیقت سرا پردۂ قدس سے سرگرم لنترانی ہے، ....

"نگار" کے وہ احباب جن کی آنکھون پر کورسوادی یا محبت نے پردہ ڈال رکھا ہے وہ جلوۂ نیرنگ یا نیرنگ جلوہ پر سجدۂ حیرانی بجا لاتے ہین اور اسکو اُن کی ہمہ دانی، روشن خیالی، ہمہ رنگی اور خدا جانے کن کن نامون سے یاد فرماتے ہین،

....

آپنے ٹھان لی ہے کہ خدا نے جن سرون پر تاج کرامت رکھا ہے، اُن کو برہنہ کر دین، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے سرون کا کھل جانا انتقام قدرت کی خبر دیتا ہے، اور انتقام قدرت خدا کی پناہ،

اس موقع پر مین یہ عرض کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہون کہ اس مجموعۂ مضامین مین بعض مقامات پر مثلاً "آئینۂ تحقیق" کے دیباچہ مین رنگینی حد اعتدال سے تجاوز کر گئی ہے جس نے تکلف و تصنع کی بوقلمونی

اور بعض مقامات پر عبارت مقفیٰ ہوگئی ہے، جس سے فسانۂ عجائب کا رنگ جھلکتا ہے، حالانکہ میرے خیال ناقص مین علمی مضامین کے لئے اتنی رنگینی نہ صرف غیر ضروری بلکہ نامناسب بھی ہے،

اب لگے ہاتھوں لطیف بذلہ سنجیون کے بھی چند نمونے بطور مشتے از خروارے ملاحظہ ہون،

۱۰۴ جناب آرگس ارشاد فرماتے ہین "کیا الہامی کتابون کے بعض الہامات بھی مستعار ہوتے ہین؟" اس ارشاد سے بھولے پن کی ادا نکلتی ہے، بندہ پرور حقائق بدلا نہین کرتے اور الہامی کتابون مین الہامات مستعار ہوتے ہین مگر الہامی کتابون سے ماوشما کی ہفوات سے نہین اور الہامی کتابین تو خیر الہامی کتابین ہین، وحی ربانی بھی متوارد ہوتی ہے،

۱۰۸ جناب آرگس اس وقت اپنے کمالون کو مٹانے کا بیڑا اٹھا رہے ہین جب دنیا اپنے کمالون کو اچھالنے مین ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار،

۱۰۹ اس نگاہ اولین کے صدقہ جائے اگر نگاہ آخرین ہوتی تو خدا جانے کیا قیامت ڈھاتی،

۱۳۲ خدا بصیرت حضرت آرگس کو سو کی جگہ دو آنکھین دے مگر ایسی جن سے دکھائی دیتا ہو،

سب سے بڑی خوبی ان مضامین کی دیانت نقد ہے، جو کچھ لکھا ہے منصفانہ لکھا ہے اور جو بات کہی ہے محققانہ کہی ہے، غرضکہ ہزارون صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ اور ایک عمر کی غور و خوض کا ماحصل چند سطرون میں یکجا کر دیا ہے، غالب کے متعلق اس سے بہتر مضمون اب تک میری نظر سے نہین گذرا، مشکل اشعار کے حل مین دقت نظر کے ساتھ ساتھ ادائے مطالب کے لئے پیرایۂ بیان اتنا دلکش اختیار کیا ہے کہ عبارت کی شگفتگی اور دلآویزی زبان حق گو سے خراج تحسین لیکر رہتی ہے اور دقیق سے دقیق نکتۂ بلاغت بھی حسن بیان کے طفیل مین ذہن نشین ہو جاتا ہے، یہ نہین کہ شرح کی عبارت شعر سے زیادہ چیستان بن کر رہ جائے اور ایک مبتدی کے ذہن مین تفس مطالعہ سے جو دھندلا سا خاکہ مفہوم شعر کا آیا ہو وہ بھی شرح کی ژولیدہ بیانی کی بدولت محو ہو جائے۔

مین یہ نہین کہتا کہ ان مقالات خمسہ مین جو کچھ کہا گیا ہے وہ اپنے بحث پر لفظ مختتم ہے اور ان مین

رد و بدل یا حک و اضافہ کی گنجایش نہین ہے تاہم اس مین بھی کوئی شبہہ نہین ہے کہ کہ شعر غالب غالب

کے حل مین اکثر مقامات مین جو لکھدیا ہے وہ اپنے موضوعِ بحث پر قول فیصل ہے، اور اس سے زیادہ جو کچھ کہا

گیا ہو یا کہا جائے وہ محض شارح کی خیال آفرینی اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہوگی لیکن

اسکے یہ معنی نہین کہ حضرت نیچو داما معصوم سمجھے جائین بڑے بڑے اکابر ادبا سے مسامحات ہوئے ہین ہوتے ہین و ہون گے

مگر واقعہ یہ ہے کہ مجموعۂ مضامین اپنی جگہ پر بحیثیت مجموعی اردو زبان کے سرمایۂ ادب مین ایک گرانقدر

اضافہ ہے، چند صفحات مین نکات ادبی کا ایک بے بہا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جو اہل نظر کے لے دلچسپ و طلبہ

کے لئے ترقی و استعداد کا باعث ہوگا،

اگر یونیورسٹیون کے اربابِ حل و عقد کو واقعۃً طلبہ مین ذوقِ مطالعہ کی پرورش، قوت تنقید کی

تربیت، صیانتِ فکر کی نشو و نما، اور اصابتِ رائے کی ترقی مد نظر ہے تو اس کتاب کو یقیناً داخل نصاب

کر دینا چاہیئے، کیونکہ ان مقاصد کے حصول مین اس سے ایک بڑی حد تک مدد مل سکتی ہے، طلبہ یہ معلوم

کر سکین گے کہ لفظون کے ذرا سے الٹ پھیر مین بلاغت کے کتنے نکات اور معانی کے کتنے خزانے مخفی

ہو سکتے ہین،

جی چاہتا تھا کہ اس اجمالی تبصرہ کے بجائے زیادہ تفصیل سے کام لیتا اور ناظرین کو ریویو نگار

کی نکتہ آفرینیون کے نمونے دکھاتا مگر اندیشہ ہے کہ ناظرین طولِ بیان سے گھبرا جائینگے، علاوہ برین نقد

التنقید پر تفصیلی تبصرہ سے بجز مشقِ سخن کوئی فائدہ نہ ہوگا اور وہی علم کی شرح در شرح، تعلیق

پر تعلیق کا نمونہ پیش نظر ہو جائے گا، اس لئے مقالات زیر نظر کے ان حصص کے متعلق جن مین ریویو نگار

جناب مصنف کا ہم نوا ہے، سطور بالا پر اکتفا کی جاتی ہے، البتہ جن امور سے اختلاف ہے ان کی نسبت

اظہارِ خیال ضروری معلوم ہوتا ہے:- (باقی)

خاور نامہ دکھنی

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی ایف، آر، اے، ایس (لندن)

یہ ایک دکھنی رزمیہ مثنوی ہے، جو بعہد عادل شاہ بیجاپور (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) تصنیف ہوئی ہے، چونکہ یہ فارسی خاور نامہ کا ترجمہ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، اولاً اصل فارسی کتاب کے متعلق صراحت کی جائے،

خاور نامہ فارسی ابن حسام کی تصنیف اور ۸۳۰ھ مین مرتب ہوئی ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین اور دو نسخے انڈیا آفس مین موجود ہین، برٹش میوزیم کا نسخہ باتصویر ہے، جو ۹ رمضان ۸۹۷ھ مین لکھا گیا ہے، اس کا ذکر فارسی قلمی نسخون کے کیٹلاگ کے صفحہ (۶۴۲) نمبر (۱۹۷۶۶) پر درج ہے، اس کو مول چند ملتانی نے نواب کمال الدین خان کے لئے لکھا ہے،

انڈیا آفس کا ایک نسخہ باتصویر ہے، جس کا سنہ کتابت درج نہین ہے، دوسرا نسخہ بلا تصویر ہے، یہ جمادی الاول ۹۶۵ھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب محمود بن عبد الرحمن ہے،

ابن حسام کو بعض اصحاب حسام الدین اور بقول بعض محمد حسام کہا جاتا ہے، یہ قہستان کا باشندہ اپنے زمانہ کا نامور با کمال عربی اور فارسی کا شاعر تھا، خاور نامہ کے علاوہ اس کی دیگر تصانیف بھی ہین، بعہد عمر مرزا ابن تیمور گورگان ۸۷۵ھ مین اس کا انتقال ہوا، "خوسف" مین مدفون ہے،

اس نے خاور نامہ کو شاہ نامہ فردوسی کی تقلید مین لکھا ہے، اس لئے اس کو فردوسی ثانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے، ابن حسام نے خاور نامہ مین فردوسی کی تعریف کی ہے،

اس کتاب مین کسی بادشاہ کی مدح نہین ہے، اور مصنف نے ظاہر کیا ہے، کہ صرف ایک روٹی پر گذر ہوتی تھی، چنانچہ لکھتا ہے،۔

بیک قرص تا شب از بام گاہ | قناعت کنم چو خورشید و ماہ
خنکم چون بیک نان توان کرد سیر | نکشم منت سفرۂ اردشیر

ایسے انڈیا آفس کے کیٹلاگ کے مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب کا مواد ایک عربی کتاب سے لیا گیا ہے، تصنیف کی تاریخ خود مصنف نے بیان کی ہے،۔

چو بر سال ہشتصد بیفزود سی | شد این نامہ تازیان پارسی
مرا این نامہ را خاوران نامہ نام | نہادم بر آنکہ کردم تمام

انڈیا آفس کے باتصویر نسخہ مین علی ابراہیم خان نے ۱۱۹۸ھ مین کتاب اور مصنف کے متعلق مختصر فارسی نوٹ درج کیا ہے، جو حسب ذیل ہے :۔

"نام این کتاب خاور نامہ، نام مصنف این کتاب ابن حسام است [illegible]
قہستان من اعمال خراسان بود، اشعار در عربی و فارسی بسیار گفتہ است [illegible] خاوران نامہ [illegible]
از خراسان و مسکن مصنف این کتاب از توابع خراسان است و نیز بسبب [illegible]
و مغرب را گویند و بقول مصنف این فسانہ ہا در مغرب زمین [illegible]
و این خاور نامہ در مملکت ایران خاصہ در اصفہان و خراسان شہرت [illegible]
از صورت راستی معرا است، ابن حسام مصنف خاور نامہ مذکور [illegible] وقت [illegible]
بسال ہشتصد ہفتاد و پنج ہجری وفات یافت و در قصبہ [illegible] من اعمال قہستان [illegible] خراسان
مدفون شدہ،

الحال کہ سال یکہزار و یکصد و ہشتاد و [illegible] عیسوی است [illegible]

"مصنف خاور نامہ را سہ صد و بست و ہشت سال گزشتہ و مجموعہ ابیات خاور نامہ بست و سہ ہزار ہفتصد و سی و پنج بیت بشمار آمدہ و مجموعہ تصویرات این کتاب یکصد و پنجاہ و بست صفحہ (؟) اوراق است و مجموعہ اوراق این کتاب سہ صد و ہشصت و دو ورق است، و اغلبکہ این کتاب بفرمائش بادشاہ یا امیر والا جاہ تیار شدہ باشد، کتبہ علی ابراہیم خان در ۱۷۸۹ء"

کتاب مین کس قصہ کو بیان کیا گیا ہے، اس کا ہیرو کون ہے؟ ان امور کی صراحت آگے کیجائے گی، جیساکہ قبل ازین مین نے لکھا ہے "خاور نامہ دکھنی" اس فارسی خاور نامہ کا ترجمہ ہے جس کو رستمی نے بیجاپور مین کیا ہے،

جہان تک میرا خیال ہے، اس کتاب کا کوئی نسخہ ہندوستان مین نہین ہے، اس لحاظ سے اس کتاب کے متعلق جن جن اصحاب نے صراحت کی ہے، وہ اصل کتاب کے علم کے بغیر صرف کیٹلاگون کے معائنہ سے کی ہے، اور بعض جگہ قیاسات کو بھی دخل دیا گیا ہے، جو واقعات کے خلاف ہوتا ہے، مثلاً بیان کیا گیا ہے، کہ "اسمین محاربات حضرت علی علیہ السلام مذکور ہین" اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت علیؓ کی خلافت کے جنگون کا ذکر ہوگا، حالانکہ ایسا نہین ہے،

رستمی کے تخلص کے متعلق یہی غلط فہمی ہوئی ہے، اور بجائے رستمی کے "رسمی" خیال کیا گیا ہے، حالانکہ رستمی ہی صحیح ہے،

یہ کتاب کس نے لکھی؟ کب لکھی؟ کیون لکھی؟ ان امور کی صراحت مین اپنے الفاظ مین کرنے کے بجائے، اس فارسی عبارت کو درج کرنا مناسب خیال کرتا ہون جو اسی کتاب کے آخر مین درج ہے، اور جس کے مواد سے مرتبین کیٹلاگون نے استفادہ کیا ہے:-

"سبب منظوم کردن خاور نامہ دکھنی آن بود کہ علیا جناب خورشید نقاب قدر افزای دیہیم عفت مسند آرای کشور عصمت، زینت بخش حجلہای مخدرات، مجلس آرای حجرات طاہرات والا مراتب

سمو مناقب خدیجہ سلطان شہر بانو الملقب بڑی صاحب دامت عفتہا و عصمتہا، کہ بصدق و یقین و یقین صدق خود را کنیزک پنج تن پاک حضرت بہترین انام پیشوائے عظام مقتدائے اکرام حضرت دوازدہ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام، و حضرت فاطمہ زہرہؓ خدیجہ کبریٰؓ و چہارہ معصوم پاک کر ...... (؟) درج شرفناک و نیر اعظم برج لولاک اندخوانده و صبیہ طیبہ شاہ گردون بارگاہ، قطب فلک عز و جاہ سلطان محمدؐ امین قطب شاہ ابن قطب شاہ است و خواہر نیکو سیر شاہ گیتی پناہ کسریٰ کلاہ سلطان عبد اللہ قطب شاہ ابن قطب شاہ است، و زوجہ شاہ سلیمان بارگاہ جم قدر سکندر سپاہ خاقان فریدون فر، قیصر والا منظر سلطان دین پناہ ابو المنصور سلطان محمدؐ غازی عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ است، و والدہ صالحہ ارشد ارجمند کامگار موید منصور بختیار قرہ ناصرہ دولت و اقبال غرہ ناصیہ حشمت و جلال سعادت مند ابدی و ازلی شاہزادہ عالم و عالمیان شاہ علی مدظلہ را چنین بخاطر رسید کہ خاور نامہ فارسی اگر بزبان دکھنی منظوم شود بہتر است پس فرمود ...... (؟) کہ این کتاب خاور نام را بزبان دکھنی منظوم کند او را بمراحم گونا گون شاہانہ و عواطف بو قلمون خسروانہ ممتاز فرمودہ، از ابنائے زمان و سخنوران دوران سرفراز گردانم، بنابران محرمان سراپردہ عظمت تفحص بسیار و تردد بے شمار این مژدہ بہجت افزا و بشارت دل کشا بہ کمال خان ابن اسمعیل خان دبیر کہ دبیر قدیم ششتم کرسی درگاہ عدالت پناہ است و بزرگانش بخطاب خان نوازش یافتہ اند و طبع نقادش در فن شاعری مہارتے تمام دارد و در سلک نظم و نثر در ناسفتہ را سفتہ آوردہ، در اشعار تخلص خود رستمی کردہ و در قصائد و غزلیات فارسی و دکھنی بلاغت از حد بردہ ... ند (؟)

رستمی حسب الفرمودہ بلقیس زمان و صنوف اعطاف بے کران قبول این معنی گشتہ ... خوش فصاحت فارسی را بمیدان بلاغت دکھنی جولان دادہ ہر بیت بیت فارسی را بہ بیت بیت دکھنی انتظام دادہ نامش خاور نامہ دکھنی کردہ از تائید ربانی و از فیض سبحانی بست و چہار ہزار بیت

در یکسال ونیم تسوید نمودہ ترقیم وترتیب کتاب نمود از توفیق الٰہی باتمام رسید،

امیدوار درگاہ مجیب الدعوات اند کہ کار فرمائی این کتاب را از نخل بخت وعمر برخوردار گردانید

بمراد دل برسیاند، مولف ونویسندہ وسامعہ وخوانندہ را نیز از فضل خویش بی بہرہ نگذارد"

بیان مندرجۂ بالاسے بخوبی واضح ہے، کہ کمال خان کا تخلص رستمی صحیح ہے نہ کہ رستمی جیسا کہ بعض صحاب کا خیال ہے،

اشعار مین بھی متعدد جگہ جہان تخلص آیا ہے، وہان رستمی ہی لکھا گیا ہے چنانچہ کہتا ہے:-

کیا ترجمہ دکھنی ہور دلپذیر   بولیا معجزہ یو کمال خان دبیر

خلق کہتی ہے مجھ کمال خان دبیر   تخلص سو ہے رستمی بے نظیر،

کیا رستمی اس وقت یو کتاب   بندیا بات کی کو مران بے حساب

خاورنامہ دکھنی کیتا ہون تام   ہوا خاوران پر قصہ سب تمام

دے اوسے جو مستی اچھے مجھ مدام   کرے رستمی کون اوعالی مقام

رستمی کے تخلص کے متعلق فیلن نے بھی دھوکہ کھایا ہے، مگر اس کا دھوکہ کھانا ناگزیر تھا کیونکہ گارسی ڈی تاسی کا تذکرہ اس کے پیش نظر تھا جس مین رستمی مذکور ہے، اسپرنگر کے کیٹلاگ اور اسٹوارٹ (STEWART) کی کیٹلاگ مین یہ کتاب شریک نہین ہے،

یہ کتاب جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے سلطان محمد عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد مین مرتب ہوئی ہے، سلطان کا زمانۂ حکومت ۱۰۳۷ھ سے ۱۰۶۷ھ تک ہے،

محمد عادل شاہ اپنے باپ کے بعد مالک تخت وتاج بنا، باپ کی طرح یہ بھی ارباب کمال کا قدردان

اور اہلِ علم کا سرپرست تھا، اس کے دربار کے شاعر حکیم آتشی نے خمسہ نظامی کا جواب لکھا تھا،
سلطان کے حکم سے نواب خان بابا نے رفیع الدین حسین شیرازی کی کتاب احوال السلاطین دکن کو مکمل
کیا، حکیم آتشی کے سوا ابراہیم خان دوسرا مشہور شاعر تھا، جو قصائد اور غزلیات میں یدطولیٰ رکھتا تھا، سید نور اللہ
مرزا مقیم، مرزا دولت شاہ دوسرے شعرا تھے[1]

سلطان کی طرح اس کی ملکہ بھی علم و فن کی قدردان تھی، جس کی بہترین دلیل خاور نامہ ہے، ملکہ خدیجہ
سلطان شہربانو گولکنڈہ کے حکمران سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) کی پوتی اور سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ تا
۱۰۳۵ھ) کی دختر اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کی بھتیجی تھی،
۱۰۲۲ھ میں محمد عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ بیجاپور سے بیاہی گئیں جس کے بطن سے علی عادل شاہ
ثانی جیسا علم و فضل کا ماہر اور شعر و سخن کا دلدادہ فرزند تولد ہوا

کمال خان رستمی، اسمٰعیل خان کا لڑکا تھا، اس کو اور اس کے بزرگوں کو سلاطین عادل شاہی کی جانب
سے خطاط خان کا خطاب عطا ہوا تھا، رستمی اپنے عہد کا نامور ادیب باکمال شاعر تھا فارسی کے ساتھ
دکھنی میں بھی یدطولیٰ رکھتا تھا، صرف خاور نامہ اس کی قابلیت اور لیاقت کی بین دلیل ہے، اس نے
قصائد اور غزلیات بھی کہے تھے، مگر افسوس اب وہ سب ناپید ہیں،

خاور نامہ جیسا کہ بیان کیا گیا، ڈیڑھ سال میں لکھا گیا، اشعار کی تعداد چوبیس ہزار ہے، اس کی ترتیب
۱۰۵۹ھ میں ہوئی ہے، خود مصنف کہتا ہے، ؎

نبی کی جو ہجرت تھی کہتا خیال — ہزار اپر پچاس و نو لی تھی سال
کیا رستمی اس وقت یو کتاب — بنیاد بات کی گوہر ان بے حساب

خاور نامہ دکھنی فارسی کا ترجمہ ہے، مگر ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا
اصل تصنیف معلوم ہوتی ہے، اور یہی اصل خوبی ہے، یہ رزمیہ مثنوی ہے، [illegible] بیان ہیں،

[1] بساتین السلاطین،

سے بعض حسب ذیل ہین :-

(الف) یہ اردو کی سب سے پہلی ضخیم مثنوی ہے، نہ تو اس سے پہلے اور نہ آج تک ایسی ضخیم مثنوی اردو مین لکھی گئی،

(ب) یہ سب سے پہلی رزمیہ مثنوی ہے، اور پھر پہلی ہی نہین، بلکہ آخری بھی کیونکہ ایسی ضخیم رزمیہ مثنوی اردو مین کوئی نہین ہے،

(ج) ضخیم ہونے کے باوجود اس کا تسلسل بھی نظر انداز نہین کیا جا سکتا،

(د) سلاطین عادل شاہی کے رزم و بزم کا اندازہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ترجمہ مین ان امور کا داخل ہونا ناگزیر تھا، جو اس وقت کی معاشرت اور تمدن کے لوازمات تھے،

(و) مثنوی مین کئی سو تصاویر ہین جن مین سے بعض کی صراحت حسب ذیل ہے :-

(۱) بروج آسمان، (۲) حضرت آدمؑ فرشتون کو تعلیم دے رہے ہین، (۳) مسجد النبیؐ (۴) فردوسی اور بہشت، (۵) آنحضرت صلعم معہ صحابہؓ، (۶) ابو المحجن و سعد وقاص، (۷) کوہ نور، (۸) جنگ نوادر از سعد، (۹) مقابلہ نوادر و سعد، (۱۰) شکست سپاہ نوادر (۱۱) سوداگران و حضرت علیؓ، (۱۲) حضرت علیؓ و بادشاہ زنگیان، وغیرہ،

ان تصاویر سے بعض تو پورے صفحہ پر ہین اور بعض نصف اور ربع صفحہ پر، بعض مقامات پر ایک صفحہ پر دو دو تصویرین ہین، کل تصویرون کی تعداد (۵۳۰) ہے، ان مین مختلف رنگون کا استعمال کیا گیا ہے اور رنگ مین خصوصیت بھی رکھی گئی ہے، مثلاً شب خون حملہ کی تصویر ہو تو زمین سیاہ دکھائی ہے، دریا کا منظر ہو تو نیلگون رنگ استعمال کیا گیا ہے، آنحضرت صلعم اور حضرت علیؓ کی تصویر جہان دکھائی ہے وہان چہرہ ظاہر نہین کیا گیا ہے، بلکہ ہر جگہ ایک نقاب سے گردن تک پوشیدہ کر دیا گیا ہے، ان تصاویر سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے، ان مین سے چند کی صراحت کی جاتی ہے،

(الف) جو لباس ان تصاویر مین استعمال کیا گیا ہے، اس سے عادل شاہی تمدن کا اندازہ ہوتا ہے
سلمان مرد عورتون کا لباس کیا تھا، ہندو مستورات اور مرد کس قسم کا لباس پہنا کرتے تھے، اس کا پتہ چلتا
ہے، کہ بعض داڑھی صاف کرواتے تھے، کسی کی مونچھ زیادہ لمبی ہوتی تھی، ہندو مرد دھوتی کا استعمال کرتے
تھے، ہندو عورتین ساڑی کو پیچھے ٹوپ دیا کرتی تھین، مسلمان مرد لمبی قبا تنگ آستین کی استعمال کرتے تھے
بعض اوقات ایک نیم آستین قبا اس پر ہوتی تھی، پائجامہ کبھی تنگ اور کبھی گھردار استعمال ہوتا تھا، عام
طور پر عمامہ باندھا جاتا تھا، جس کو کبھی پینے بھی ہوا کرتے تھے، جنگ کے وقت خود استعمال ہوتا تھا،
ورتون کے لباس مین لہنگا دامنی اور چولی کا رواج تھا، پیٹ صاف طور پر نظر آتا ہے، آج تک جنوبی
ند (مدراس) مین غریب مسلمانون کا یہی لباس ہے،

مسلمانون مین عام طور پر نماز اور عبادت کا دستور تھا، مذہب کو زندگی کا جز لاینفک تصور کرتے
تھے، دعا مانگی جاتی تھی، اور اس کو اثر پذیر خیال کیا جاتا تھا، امرا کے کھانے کے وقت ملازم توال سے
بھی اڑایا کرتے تھے، مختلف کھانے ایک ساتھ دستر خوان پر چن دیئے جاتے تھے صراحی بردار پیچھے استادہ رہا
رتے، دوست ملاقات کے وقت بغل گیر ہوا کرتے، بادشاہ موسیقی سے بہرہ اندوز ہوتے، تخت کے ساتھ
رسی کا رواج تھا، نجوم پر اعتقاد تھا، بلا نجوم کوئی کام نہین کرتے تھے، ماتم کرنے کا دستور تھا، اور بوقت
تم سر کے بال کھول دیا کرتے تھے، عورتین بعض دفعہ سینہ کے اوپر کا حصہ کھلا رکھتی تھین، سوتے وقت
تر لباس تبدیل نہین ہوتا تھا، بادشاہ کے سوتے وقت لونڈیان پہرہ دیا کرتی تھین ان سے کسی قسم کا
جاب یا پردہ نہین ہوتا تھا، ان کی موجودگی مین ملکہ پہلو مین سویا کرتی، غرض کہ اس طرح اس زمانہ کے
مدن کی ہر شے ان مین نظر آتی ہے، گو کئی ایک چیزین اب بھی ہمارے تمدن مین داخل ہین، اس لئے
ہ ہمارے لئے نئی نہین، مگر اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی ان کا رواج اور دستور تھا

(ب) جہان ان تصاویر سے اس وقت کے بزم کے حالات معلوم ہوتے ہین، اسی طرح رزم

کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے، جنگ کے ساز و سامان آلات حرب طریقۂ جنگ، بری و بحری جنگ، جنگی جہاز وغیرہ کی صراحت ہوتی ہے، آلاتِ حرب مین تلوار، نیزہ، تیر، گرز، ڈھال وغیرہ استعمال ہوتے تھے، مختلف رنگ کے "علم" (پھریرے) ہوا کرتے،

(ج) فرشتون، دیو اور پریون کی تصاویر سے معلوم ہوتا ہے، اس زمانہ مین فرشتون کو عورتون کی شکل دیجاتی تھی، دیو سیاہ بدشکل مہیب صورت مین بنائے گئے ہین، ان کے سر پر سینگ بھی ہوتے تھے،

اس صراحت کے بعد اب مین نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہون، اس کے متعلق مصنف کیٹلاگ بلوم ہارٹ نے جو وضاحت کی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،:-

"ایک فارسی نظم کا دکھنی ترجمہ جسمین حضرت علیؓ اور ان کے رفقا مالک اور ابو المنجی کے لڑائیون کا ذکر ہے، مصنف کمال خان رستمی"

مؤلف اردوے قدیم لکھتے ہین :-

"خاور نامہ نظم ہے، اور شاہ نامہ فردوسی کے جواب مین لکھا گیا ہے، اس مین امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور ہین"

رسالہ تجلی مین دکھنیات کے متعلق ایک مضمون شایع ہوا ہے، جس مین مضمون نگار صاحب نے اس کے متعلق جو صراحت کی ہے، وہ یہ ہے:-

"یہ ایک رزمیہ مثنوی ہے، اور اس مین حضرت علیؓ اور آپ کے صحابی حضرت مالک اور حضرت ابو المحجان کے جنگی کارنامون اور محاربات کو بیان کیا گیا ہے"

ان تصریحات سے نفس کتاب کے متعلق کوئی صحیح اور واضح روشنی نہین پڑتی چونکہ اصل کتاب کا کوئی نسخہ غالباً ہندوستان مین نہین ہے، اس لئے اس کے متعلق تفصیلی معلومات کا حاصل ہونا ناممکن تھا،

بیشک اس مین حضرت علیؓ اور آپکے رفقا کے محاربات کا ذکر ہے، مگر کیا اصلی محاربات خلافت تھ
نہین بلکہ ایک فرضی داستان ہے، یہ فرضی داستان قصہ امیر حمزہ کے بالکل مشابہ ہے، ممکن ہے مصنف
خاور نامہ نے اس فارسی قصہ امیر حمزہ کو جو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ مین تصنیف ہوا تھا دیکھا ہو
اس مین بتایا گیا ہے ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین صحابہؓ کی بہادری کا ذکر ہو رہا تھا، کوئی
کسی کا نام لیتا تھا، کوئی کسی کا، کسی نے سعد وقاصؓ کو ترجیح دی جس پر ابو المحجن کو ناگوار ہوا، اور بعد
برخاست مجلس دونون مین رنجش کی صورت اختیار کرلی، ابو المحجن بالکل نوجوان تھا اور حضرت علیؓ سے
فنون جنگ کی تعلیم حاصل کی تھی، سعد وقاص نے ابو المحجن سے لڑنے کے لئے جنگل کی راہ لی، وہان ابو المحجن نے
اور سعد سے بیان کیا، کہ وہ اس امر کا ارادہ رکھتا ہے، کہ ملک مغرب کو لڑائی کے لئے جانے گر وہان فاتح
تو خیر ورنہ کامیابی کا سہرا رہے گا، سعد نے بھی اس کو پسند کیا، دونون ملکر روانہ ہوئے کچھ مدت سفر کے بعد
ایک ملک مین پہونچے، جہان کے بادشاہ کا نام ہلال بن علقمہ تھا، یہ اور اسکے تمام اہل شہر مسلمان تھے اس نے
تین دن تک دونون کی مہمانی کی اور جاتے وقت ایک لشکر ساتھ کرنے کا ارادہ کیا، مگر انھون نے انکار کیا
اسی طرح تنہا روانہ ہولئے، نو روز کی مسافت کے بعد دسوین دن ایک دوسرے ملک مین جس کا نام نوید
تھا، پہونچے، یہان کا بادشاہ نوادر نام تھا، اول تو اس نے خاطر تواضع کی اور ان کے ... وہ ... تمت
ہوگیا، بعد ازین مخالفت ہوگئی، اور ان سے جنگ ہوئی جب نوادر مجبور ہوگیا تو ایک دوسرے بادشاہ
قنطار شاہ سے مدد کا طالب ہوا، اس عرصہ مین آنحضرت صلعم کو سعد اور ابو المحجن کے ملک مغرب کو جانے کا
حال معلوم ہوا، اور حضرت علیؓ ان دونون کی مدد کے لئے روانہ ہوئے تنہا ... اور ... حضرت علیؓ ...
زنگیان سے مقابلہ ہوا، اور وہ مسلمان ہوا، اس کے بعد حضرت علیؓ قنطار شاہ کے مقابلہ کو روانہ ہوئے
یہان آپ کی سعد سے ملاقات ہوئی، مگر ابو المحجن شرمندہ دوسری جانب چلا گیا قنطار شاہ سے مقابلہ ہوا
اور وہ گرفتار ہو کر حضرت علیؓ کے پاس پیش ہوا،

ابو المعجن یہان سے روانہ ہوکر، پولاد کوٹہ، گیا جہان رعد اور رعمار سے مقابلہ ہوا، قنطارشاہ کے مقابلہ کے بعد حضرت علیؓ ملک خاور کی جانب روانہ ہوئے، اثنائے راہ مین کئی بادشاہون سے مقابلے ہوئے اور کئی جنگین ہوئین، پولاد کوٹہ مین حضرت علیؓ اور ابو المعجن مین نادانستہ مقابلہ ہوا، مگر کوئی کامیاب نہین ہوا، اسی عرصہ مین حضرت علیؓ پر غنودگی طاری ہوئی، اور خواب مین معلوم ہوا وہ ابو المعجن تھا، اس کے بعد دونون کی ملاقات ہوئی، اب سعد اور ابو المعجن آپ کی رفاقت مین رہے، اسی عرصہ مین آنحضرت صلعم نے عمر بن امیہ کو حضرت علیؓ کی مدد کے لئے روانہ فرمایا، جنھون نے اپنی عیاری سے ہر جگہ بڑی مدد دی اور ان کی عیاری سے بڑا کام نکلا، ان ہی جنگون مین کئی دفعہ طلسم کشائی اور دیوون وغیرہ سے لڑائی ہوئی، جسمین حضرت علیؓ کامیاب ہوتے رہے، اکثر مقامون پر خضر راہ نمائی، اور مدد کے لئے آتے ہین، اس طرح مختلف جنگون جو بری اور بحری دونون ہین، بیسون طلسم کشائی کے بعد کئی بادشاہون کو مسلمان کرکے حضرت علیؓ معہ رفقا بہ فتح و فیروزی مدینہ منورہ کو تشریف لاتے ہین، اور آنحضرت صلعم اور امام حسنؓ اور حسینؓ سے ملاقات ہوتی ہے،

یہ ہے مختصر سا خلاصہ اس مضمون کا جو بڑی تقطیع کے (۱۰۸۲) صفحون مین آیا ہے، کتاب کے پورے صفحہ پر (۳۸) شعر آتے ہین، جیسا کہ خاتمہ کی عبارت سے واضح ہے، چوبیس ہزار شعر ہین،

اس کے بعض اندراجات کی صراحت ذیل مین کیجاتی ہے، جس سے نفس مضمون کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

اس مین حسب ذیل بزرگون کا ذکر اور ان کی تصاویر موجود ہین:-

حضرت آدم علیہ السلام، ابراہیم، موسیٰ، سلیمان، یونس، خضر، آنحضرت صلعم، حضرت علیؓ، امام حسنؓ امام حسینؓ، جبرئیل عم،

جن جن بادشاہون کا ذکر آیا ہے، اور ان سے مقابلہ ہوا وہ یہ ہین:-

ہلال شاہ، لولادشاہ، قنطارشاہ، بادشاہ زنگیان، قباد شاہ خاوران، سلیمان شاہ، جمشید شاہ خاوران، بادشاہ فیل گوشان،

نمارشاہ، فیروزشاہ، ناہید شاہ، طہماس شاہ، قبط شاہ، شاہ سمک، صلصال شاہ، ہرمز شاہ، پرویز شاہ، رائیض،

ان کے منجملہ نوآدر اور رائیض کو ابوالمعجن نے قتل کیا ہے، قبط شاہ اور صلصال شاہ حضرت علیؓ کے

ہاتھ سے مارے گئے، جمشید شاہ، شاہ سمک، طہماس شاہ معہ اپنے بہن کے مسلمان ہوتے ہین،

ان بادشاہون کی جانب سے جو سپہ سالار مقرر ہوکر میدانِ جنگ مین آئے اور مقابلہ کیا ان کے

نام حسب ذیل ہین :۔

ہلال، جو قنطار شاہ کی طرف سے آیا تھا، رعد، میرتیات، قباد، ایلاق ترک اس کو سعد نے قتل کیا،

میرزنہار خوار یہ مسلمان ہو گیا، شاہ پور، اس کو مالک نے قتل کیا، فرہاد، عمار، شاد خاور ان کی جانب

آیا تھا، کشتیب، ہوتا، نوشاد جمشید کی جانب سے حضرت علیؓ کے مقابلہ کو آیا تھا، اردشیر، یہ بھی جمشید کی تھا،

آدم کوتوال شہر ربیع، اسفندار، بہمن اس کا مالک سے مقابلہ ہوا، اور قتل ہوا، شداد کاموس، شیبان،

شہبال، جادوگر، گلباد، ابوالمعجن سے مقابلہ ہوا، خفچان، قرطاس، اس کو بھی ابوالمعجن نے قتل کیا، ارغوان

کوہی، سمراق، ہیل زور، ابوالمعجن کے ہاتھ سے قتل ہوا، سربال، صلصال شاہ کا سپہ سالار تھا، گوراب، گودرز

توزاد، کیو، عاد، نورادین، سام، یہ سب صلصال شاہ کے جیزل تھے، اور اکثر قتل ہوئے،

داستان مین عورت کا ذکر آنا ناگزیر ہے، چنانچہ اس مثنوی مین جن عورتون نے حصہ لیا ہے انمین

چند کا یہان ذکر کیا جاتا ہے،

دل افروز، دختر نوادر جس سے سعد نے بیاہ کیا، گل چہرہ، دختر جمشید شاہ، پری رخ زن جمشید خواہر

جمشید، گلنار، گل اندام، شمامہ صلصال شاہ کی ملکہ اس کے قتل ہونے پر مسلمان ہوتی ہے، قرطاس شاہ کی

حرم، طہماس شاہ کی بہن، ناہید شاہ کی دختر، پری کوہ نور،

حضرت علیؓ کے جن جن رفقا اور ان کے کارنامون کا ذکر آیا ہے، اور جنکا داستان مین بڑا

حصہ ہے، وہ یہ ہین :۔

ابو المحجن، سعد، مالک راامیہ، قبز، خالد، فتاح، عمرو معد یکرب، سلیم، حضرت علیؓ کی طرف سے عیاری مین عمر ہین، اور طرف ثانی کی جانب سے نہیار اور طرب قابلِ ذکر ہین، مگر عیاری مین بلکہ داستان مین سب سے بڑا حصہ عمر امیہ کا ہے، جیسا کہ داستان امیر حمزہ مین ہے،

مثنوی مین جن جن شہرون اور مقامون کا ذکر ہے، اور جہان جہان لڑائیان ہوئی ہین وہ حسب ذیل ہین :-

کوٹہ نور، ریاض کوٹہ، ضمال کوٹہ، صباح کوٹہ، پولاد کوٹہ، بندرگاہ سلیمان، شہر جم، شہر خاوران، قلعہ صول، قلعہ صور، حصن ربیع، بت خانہ، رہن باغ، حماد کوٹہ، بت خانہ دیوازمید، قلعہ آہن، شہر سمت، کوٹہ نور، قلعہ آدمی خور، شہر عرض، کوہ طلسمات، حصار، برنج، حصار ظلمات، طلسم بلور، شہر مرصع، ویران حصار، شہر فام، شہر زر، میل گوہر نگار، شہر زرین، رباط اول، دوم، سوم، باغ زرین، حصن شیطان،

ان بادشاہون کے لشکرون کے سوا بعض اور لشکرون کا ذکر اور ان سے مقابلہ ہوا ہے، چند کے نام بیان کئے جاتے ہین، لشکر آدمی خوار، لشکر دیوان، لشکر پریان، لشکر جادوگران، لشکر کلاہان، لشکر ل کوشان،

جیسا کہ قبل ازین بیان کیا گیا ہے، یہ فرضی داستان ہے، جس مین صدہا امور غلط اور ناممکنات ہین، مثلاً دیوون پریون، بھوتون سے جنگ کرنا، خلاف قیاس اژدہون، شیرون، ہاتھیون سے مقابلہ، طلسم کشائی، اسی قسم کے صدہا واقعات ہین،

یہ سب کچھ تو غلط ہے، اور قصہ کی حقیقت صرف افسانہ ہی ہے، مگر جو امر قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ زمانہ سلف مین تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دین محمدیؐ کی ہر وقت دھن رہا کرتی تھی، اور وہ قصہ کہانیون مین بھی اس کو نظر انداز نہین کرتے تھے، خاور نامہ کے مطالعہ سے یہ صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے، کہ مصنف کو تبلیغِ اسلام کا کیسا شوق ہے،

نفس کتاب مین جن جن عنوانات پر بیان ہوا ہے، جن کی سرخیان قایم کی گئی ہین، اس کا اندراج طوالت سے خالی نہین، بریں ہم بطور نمونہ چند درج ہین، دکھنی خاور نامہ کی سرخیان فارسی مین ہین،

(۱) گفتار جمیع آسمان،

(۲) گفتار در صفت آدم زاد و قدر و منزلت ایشان،

(۳) فی المناجات،

(۴) صفت مدینہ،

(۵) صفت شب است (اسی مین فردوسی کی تعریف ہے)

(۶) آغاز داستان خاور نامہ،

(۷) صفت شب و خشم گرفتن ابوالمحجن و سعد وقاص رض،

(۸) داستان با نوادر،

(۹) فرستادن نوادر سپاہ را بکاروان زدن،

(۱۰) داستان نوادر،

(۱۱) جنگ کردن ابوالمحجن با سپاہ نوادر،

(۱۲) رزم نوادر با ابوالمحجن،

(۱۳) خبر یافتن قنطار از مرگ نوادر و آمدن بکین خواستن،

(۱۴) رزم ہلال با ابوالمحجن و کشتہ شدن او،

(۱۵) رزم ابوالمحجن با قنطار،

(باقی)

عمر خیام کا ایک نادر نسخہ

از مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشیؔ رامپوری،

(۲)

۲۶ چون عهد نمی شود کسے فردا را — حالے خوش کن این دلِ پر سودا را
می نوش بنورِ ماہ اے ماہ کہ ماہ — بسیار بگردد و نیابد ما را

مطبوعہ نسخہ مین عہدہ نمی شود لکھا ہے، دلِ پر سودا کی جگہ دلِ شیدا، اور بگردد کے عوض بتابد ہے،

۲۷ از آتشِ باد و دکجا بود آن جا — از مایہ و از سود کجا بود آن جا
آنکس کہ مرا نام خراباتی کرد — در اصل خرابات کجا بود آن جا

مطبوعہ نسخہ مین آن جا کی جگہ این جا اور "از مایہ و از سود" کے بجائے "از مایہ با سود" تحریر ہے،

۲۸ برخیز و بیا دوست ز بہرِ دلِ ما — حل کن بجمالِ خویشتن مشکلِ ما
یک کوزہ می بیار تا نوش کنیم — زان پیش کہ کوزہ بر کنند از گلِ ما

مطبوعہ مجموعہ مین "بیا دوست" کے بجائے "بیا بتا!" ہے، اور چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہے،

زان پیش کہ کوزۂ کنند از گلِ ما

۲۹ روزے کہ بود اذا السماء انشقت الخ

قلمی نسخہ مین "اذا السماء انفطرت" ہے،

۳۰ گر کارِ تو نیک است بہ تدبیرِ تونیست — ور نیز بدست ہم بہ تقصیرِ تونیست
تسلیم رضا پیشہ کن و شاد بزی — چون نیک و بد جہان بہ تدبیرِ تونیست

الہ آبادی نسخہ مین دوسرا مصرع یون تحریر ہے، ؎ ور سر بود، نیز بتقصیرِ تو نیست،

لیکن بالکل بے محل اور ناکارہ ہے، "کار تو نیک ست او" "چون نیک و بد جہان بہ تدبیر تونیست" کا اقتضایہ ہے، کہ "در نیز بدست" ہونا چاہئے، سر جانے سے کیا واسطہ، اگر یہ فقرہ صحیح مانا جائے تو رباعی مسخ ہو جاتی ہے،

۳۱ ہر سبزہ کہ بر کنار جوے رستہ است گوئی زلب فرشتہ خوے رستہ ست

تا بر سر سبزہ پا بخواری نہ نہی کان سبزہ زخاکِ ماہ روئی رستہ ست

الہ آبادی نسخہ مین گوئی کی جگہ گویا، اور ماہ روی کے عوض لالہ روی تحریر ہے، یہ اختلاف سطحی ہے، لیکن تیسرے مصرع مین سنجیدہ تغیر ہے، تا کی جگہ پا اور پا کی جگہ ہا لکھا ہے،

۳۲ خاکے کہ بزیر پائی ہر حیوانیست، زلفِ صنمے و عارضِ جانانیست،

ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے ست انگشتِ وزیرے و سر سلطانیست،

مطبوعہ رباعی مین خاکے کی جگہ خارے اور عارض کے عوض ابروے لکھا ہے، گو معنوی حیثیت سے بالکل غلط نہین، لیکن خاکے کہین بہتر ہے، خار کے ساتھ تعمیم نامناسب ہے، ہر جاندار کے پیر کے نیچے کانٹا کب ہوتا ہے، ہزارہا جاندار ایسے ہون گے، جن کے پیر کے نیچے کبھی کوئی کانٹا نہ آیا ہو گا، اس کے برخلاف مٹی ایسی شے ہے کہ اس پر پیر رکھے بغیر چلنا ناممکن ہے،

۳۳ زان بر تو دو روز نوبتِ عمر گذشت بگذشت چنانکہ بگذرد باد بدشت

تا من باشم غم دو روزہ نہ خورم روزے کہ نیامدہ ست و روزے کہ گذشت

مطبوعہ نسخون مین پہلا شعر اس طرح لکھا ہے،

چون آب بہ جوئبار و چون باد بدشت روز دگر از عمر من و تو بگذشت

اس مین پہلا نقص تو یہ ہے، کہ "روز دگر" کو مخاطب دل بر داشت کر نیتا ہے، دوسرا مطلب خبط، دوسرے یہ کہ دوسرا شعر بے ربط رہجاتا ہے، سامع کا ذہن فوراً منتقل نہین ہوتا، اس لئے وہ نہین

سمجھ سکتا، کہ یہ معلول ہے، قلمی نسخہ مین زان سے علت و معلول کا تعلق واضح ہو جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ تیری عمر گذشتہ کے دونون دن گذشتہ اور آیندہ، اس طرح غیر محسوس سرعت سے گذر گئے، جیسے جنگل مین ہوا سن سے نکل جاتی ہے، لہذا مین ان دونون کا غم نہ کرونگا (اس طرح میرا عیش فانی منقض نہ ہوگا اور کچھ راحت نصیب ہو جائیگی) گذشت گذشتہ کا قایم مقام ہے،

۴۴ دل سر حیات اگر کما ہی دانست در موت ہم اسرار الٰہی دانست

اکنون کہ تو با خودی ندانستی ہیچ فردا کہ زخود روی چہ خواہی دانست

مطبوعہ رباعی مین، پہلے مصرع مین اگر کی جگہ راہے، چونکہ دونون مصرعے شرط و جزا واقع ہوئے ہین، اس لئے اگر حرف شرط ضروری ہے، را کے ساتھ عبارت یون ہونا چاہئے تھی، ،، دلے کہ سر حیات را کماہی دانست"، اکنون کہ تو با خودی"، کے بجائے،، امروز کہ با خودی" ہے یہ اکنون سے بہتر ہے، اس لئے کہ دوسرے مصرع مین لفظ فردا استعمال ہوا ہے، امروز اس سے زائد مناسبت رکھتا ہے،

۴۵ ساقی چو زمانہ در شکستِ من و تست دنیا نہ سراچہ نشستِ من و تست

گر زانکہ بدستِ من و تو جام مے ست میدان بیقین کہ حق بدستِ من و تست

مطبوعہ رباعی مین" دنیا نہ سراچہ"، کے بجائے ،، دنیا کہ سراچہ" لکھا ہے، اس تغیر سے گذشتہ رباعی کی طرح شعر کی معنویت غارت ہو گئی، وہ کہتا یہ ہے کہ جب زمانہ درپے آزار ہے، تو دنیا رہنے کی جگہ نہین لیکن نہ کی جگہ کہ آجانے سے کوئی مطلب ہی نہ رہا،

تیسرا مصرع مطبوعہ رباعی مین یون ہے ے بنگر کہ میانِ من و تو جام مے ست،، لیکن معاملہ حد فہم سے قطعاً باہر ہو جاتا ہے، چارون مصرع ملا کر پڑھئے، دیوانہ کی بڑ کے سوا کچھ نہین رہتا، عمر خیام جیسا فصیح رباعی گو، کس قدر بدنا شکل مین نمودار ہوتا ہے، مگر قلمی رباعی ان عیوب سے پاک ہے، اس کے

مطابق تیسرا مصرع استفہامیہ ہے، پہلا شعر ایک واقعہ تھا حقیقت یہ ہے کہ زمانہ کسی کو چین سے بیٹھا نہیں دیکھ سکتا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ حالت ہے تو دنیا ہرگز رہنے کے لائق نہیں ہوسکتی، شاعر سوال کرتا ہے، کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ زمانہ ہمارے درپے کیون ہے؟ کیا یہ سبب ہے کہ ہم "جام بدست" ہین؟ کیا یہ باعث ہے، کہ ہم اس کی پرواہ نہین کرتے، اور شراب سے دادِ عیش ونشاط دیتے رہتے ہین؟ چوتھا مصرع اس کا جواب ہے یعنی:-

"اگر صرف یہی وجہ ہے کہ ہم میخوار ہین، تو کچھ فکر نہین اسے دشمنی کرنے دو، حق تو ہمارے ہی ساتھ ہے اور جب انسان حق اور راستی پر ہو، تو پھر اسے تکالیف کی ذرہ برابر پرواہ نہین چاہئے" اس مضمون کو خیام نے متعدد جگہ نظم کیا ہے، دیکھو صرف معمولی الفاظ کے تغیر سے رباعی کس قدر بے معنی ہوگئی تھی،

۳۶ جرم خردم درخورِ اثباتِ تونیست واندیشۂ من بجز مناجاتِ تونیست
من ذاتِ ترا بواجبی کے دانم داندۂ ذاتِ تو بجز ذاتِ تو نیست

الہ آبادی نسخہ مین جرم خردم کی جگہ گنہ خردم، اور چوتھے مصرع مین بجز ذات کے عوض جدا ذات لکھا ہے، جرم سے گنہ بہتر ہے، لیکن "بجز ذات" کے بجائے "جدا ذات" اچھا نہین،

۳۷ روزے کہ درو آمدن و رفتنِ ماست اورا نہ نہایت و بدایت پیداست
کس پے نبرد ہیچ درین معنی راست کین آمدن از کجا و رفتن ز کجاست

مطبوعہ نسخون مین روزے کی جگہ دورے لکھا ہے، یہی بہتر ہے، چوتھے مصرع مین ز کجاست کی جگہ بہ کجاست ہے، از کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، تیسرا مصرع الہ آبادی نسخہ مین یون لکھا ہے، سه "کس می نزند دمے درین معنی راست" قلمی مصرع اس سے اچھا ہے، گو معنی یہ بھی درست ہے،

بسیار دویدیم بگرد در و دشت اندر ہمہ آفاق بگشتیم بہ گشت
از کس نہ شنیدیم کہ آمد زین راہ راہے کہ برفت رہروی باز نگشت

مطبوعہ رباعی مین "دو دیدیم" کی جگہ "بگشتیم" اور "برفت رہروے" کی جگہ "برفت راہ رو" لکھا ہے،

۳۸ چون لالہ بنو روز قدح گیر بدست | با لالہ رخے، اگر ترا فرصت ہست
مے نوش بخرمی، کہ این چرخ کہن | ناگاہ ترا چو خاک گرداند پست

مطبوعہ رباعی مین بخرمی کی بجائے محوز غصہ ہے، مآل دونون کا ایک ہے، لیکن بخرمی زیادہ اچھا ہے

۳۹ دیریست کہ صد ہزار عیسیٰ دیدہ ست | طوریست کہ صد ہزار موسیٰ دیدہ ست
قصریست کہ صد ہزار بگذشت ورد | طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دیدہ ست

مطبوعہ رباعی مین طوریست الخ مقدم ہے، دیریست موخر ہے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰؑ سے پہلے تھے، اس لئے انسب یہی ہے کہ ان کا ذکر بھی پہلے ہو، تیسرا مصرع مطبوعہ نسخہ مین یون ہے، ؎
"قصریست کہ صد ہزار قیصر بگذشت"، قصر کی مناسبت سے قیصر ہی بہتر معلوم ہوتا ہے،

۴۰ مائیم می و مطرب و این کنجِ خراب | جان و دل و جام و جامہ بر درد شراب
فارغ ز امیدِ رحمت و بیمِ عذاب | آباد ز خاک و باد و ز آتش و آب

الہ آبادی نسخہ مین اس وزن اور قافیہ مین دو رباعیان ہین، یہ رباعی پہلی رباعی کے تین آخری مصرعون اور دوسری کے پہلے ایک مصرع سے مرکب ہے، پہلی رباعی کا پہلا مصرع یہ ہے، ؎
"ما و می و معشوق درین کنجِ خراب" دوسرا مصرع بعض قلمی نسخون مین یون ہے ؎
"جان و دل و جسم نیز در رہن شراب"، یہی مصرع امرتسری نسخہ مین زیر بحث قلمی نسخہ کے مطابق ہے، صرف یہ فرق ہے کہ اس مین "بر درد شراب" ہے، اور اس مین اس کے بجائے "در رہن شراب" ہے، چوتھے مصرع مین آباد کی جگہ آزاد ہے، یہ دونون تغیر دوسرے نسخون کے انسب ہین، "آباد" اور "بر درد شراب" کسی طرح درست نہین،

۴۱ اے چرخ فلک خرابی از کینۂ تست | بیدادگری پیشۂ دیرینۂ تست

اے چرخ اگر سینۂ تو بشگافند   بس گوہر قیمتی کہ در سینۂ تست

مطبوعہ رباعی مین "دبیشۂ دیرینہ" کی جگہ "عادتِ دیرینہ" اور تیسرے مصرع مین اے چرخ کے عوض "اے خاک" ہے، پہلا اختلاف مساوی ہے، لیکن اے چرخ کی بجاے "اے خاک" درست ہے، زیر بحث قلمی نسخہ غلط ہے،

۴۲ چون آمدنم بمن نبُد روزِ نخست   این رفتنِ بے مراد عزمیست درست
برخیز و میان بہ بندِ اے ساقی چست   کاندوہِ جہان بمی فرو خواہم شست

مطبوعہ مجموعون مین دوسرے مصرع مین بجاے "عزمیست درست" کے "عزمیست درست" لکھا ہے، لیکن درحقیقت عزم صحیح نہین، عزم کہتے ہین پختہ ارادہ کو، اور جہان تک انسان کے اختیار مین رہتا ہے، وہ کبھی مرجانے کا پختہ ارادہ نہین کرتا، عرف کہتے ہین، جانی پہچانی رسم یا عادت یا طرز و طریق وغیرہ کو، موت بھی ایک معروف انسانی حالت ہے، اس لئے موت کو عرف سے تعبیر کرکے اس کو "درست" بھی کہتا ہے، کیونکہ دنیا مین ساری گذشتہ نسلین زندہ رہتین، تو آنیوالون کو زندگی دشوار ہوجاتی، بہت ممکن تھا کہ موجودہ "تنازع للبقا" حد سے تجاوز کرکے دنیا کو یکسر تباہ کردیتا،

۴۳ در پاے قرابہ، غلغلِ می چہ خوشست   وان زاریِ راز نالۂ نے چہ خوشست
در بربتِ دلفریب، در سرمیِ ناب   فارغ ز غمِ زمانہ بے بے چہ خوشست

الہ آبادی نسخہ مین پاۓ قرابہ کے عوض "نائے قرابہ" اور "وان زاریِ راز" کے بجاے "آوازِ نا" لکھا ہے، تیسرے مصرع مین "در بربتِ دلفریب" نے "در بربت دلفریب" کی شکل اختیار کرلی ہے، پاے قرابہ اور نائے قرابہ مساوی ہین، لیکن در بربہار ہوز غلط ہے، "در بربت" صحیح ہونا چاہئے، مگر زیر بحث قلمی نسخہ کا دوسرا مصرع محرف معلوم ہوتا ہے، غالباً لفظ "زار" "ساز" تھا، کاتب کی غلطی سے سین کا سر الف سے جدا ہوگیا، اور اس نے "ر" کی شکل اختیار کرلی،

۴۴ چون ابر بجو بیار و چون باد بدشت
روزے دگر از عمر تو خواہد بگذشت
ہرگز غم دو روزہ نخواہم خوردن
روزے کہ نیامدست و روزے کہ گذشت

اس مضمون کی ایک قلمی رباعی پہلے گذر چکی ہے، مطبوعہ نسخون مین صرف ایک رباعی درج ہے، جو کسی قدر پہلی سے اور کسی قدر اس دوسری سے مشابہ ہے، وہ یہ ہے :-

چون آب بجو بیار و چون باد بدشت
روز دگر از عمر من و تو بگذشت
تا من باشم غم دو روزہ نخورم
روزے کہ نیامدست و روزے کہ گذشت

در اصل موجودہ قلمی رباعی اس رباعی کی دوسری شکل ہے، وہان ہم نے مقابلہ درست نہین کیا، ابر کی جگہ آب اور بگذشت کی جگہ خواہد بگذشت بہتر ہے، تیسرا مصرع دونون کا برابر ہے،

۴۵ در پردۂ اسرار کسے را رہ نیست
زین تعبیہ جان ہیچ کس آگہ نیست
جز در دلِ خاک ہیچ منزل گہ نیست
می خور کہ زمانہا چنین کوتہ نیست

الہ آبادی نسخہ مین چوتھا مصرع اس طرح درج ہے، ؎

افسوس کہ این فسانہ ہم کوتہ نیست، اور امرتسری نسخہ کا حوالہ دیا ہے، بعض نسخون مین افسوس کے بجائے بشنو لکھا ہے، ہمارے نسخہ کا چوتھا مصرع بہتر ہے، مقصود یہ ہے کہ، جب حقیقت سے کوئی باخبر نہین، اور مرنا لابد ہے، تو پھر شراب کیون نہ پئین، کافی مہلت ہے اتنے عرصہ مین تو بہت کچھ لذت حاصل کیجا سکتی ہے،،

۴۶ یک جرعۂ مے ز ملکِ کاؤس بہ ست
وز تختِ قباد، ملکتِ طوس بہ ست
ہر نعرہ کہ عاشقے تر ازد بہ سحر
از نعرۂ زاہدانِ سالوس بہ ست،

مطبوعہ نسخون مین دوسرا شعر اس طرح درج ہے،

ہر نالہ کہ رندے بسحر گاہ زند
از طاعتِ زاہدانِ سالوس بہ ست

مگر قلمی شعر مرجح ہے، یہ حقیقت ہے، کہ ریاکارانہ نعرہاے اللہ ہو سے وہ راگ کہین بہتر ہین، جو سچے عاشق کے دردمند دل سے نکلتے ہین، اور دلون کو گرماتے ہوئے فضا مین ناپید ہو جاتے ہین، رند سے یہ مفہوم ادا نہین ہوتا، گو ریاکاری کی نفی ضرور ہو جاتی ہے، رہا نعرہ تو وہ طاعت سے بہرحال انسب ہے، نالہ اور نغمہ دونون کے مقابل نعرہ ہی ہونا چاہئے،

۴۷ گویند مخور بادہ کہ شعبان نہ رواست نے نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان و رجب ماہ خدا ست و رسول ماہ رمضان خوریم کان خاصہ ماست

مطبوعہ نسخون مین یہ رُباعی اس طرح درج ہے ؎

گویند کہ مے بماہ شعبان نہ رواست نے نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان و رجب ماہ خداوند و رسول ماے رمضان خوریم کان خاصہ ماست

۴۸ زان بادہ کہ روح را حیاتے دگرست پر کن قدحے گرچہ ترا درد سرست
برنہ بکفم کار کہ عالم ثمرست بشتاب کہ عمرت اے پسر درگذرست

الہ آبادی نسخہ مین روح کے بجائے عمر درج ہے، تیسرا مصرع اس طرح لکھا ہے، ؎
برنہ بکفم کہ کارِ عالم سمرست "، یہی صحیح بھی ہے، چوتھا مصرع بھی مختلف ہے، "کہ عمرت اے پسر" کے عوض "در کنون کہ عمر من" لکھا ہے، دہلی والے نسخہ مین چوتھا مصرع اس طرح درج ہے،
بشتاب کہ عمرا ے پسر درگذرست،

۴۹ در فصلِ بہار اے بتِ حور سرشت یک کوزہ مے بدہ مرا بر لب کشت
ہرچند بہ نزدِ عالم این باشد زشت از سگ بترم اگر کنم یاد بہشت

مطبوعہ نسخون مین اے کی جگہ اگر اور بدہ کی بجائے دہد ہے، تیسرا مصرع اس طرح درج ہے،
گرچہ بر ہر کس این سخن باشد زشت، قلمی رباعی مین روانی زائد ہے، گو غلط مطبوعہ تو بھی

نہین کہا جا سکتا،

۵۰ بیہودہ بہر دیے نمی باید تاخت — با نیک و بد زمانہ می باید ساخت
ارطاسک چرخ و کعبتین تقدیر — ہر نقش کہ پیدا شود آن باید تاخت

الہ آبادی نسخہ مین بیہودہ کی جگہ "از ہرزہ" درج ہے، "نیک و بدے" "نیک و بد" کے عوض لکھا ہے، یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

۵۱ امروز کہ آدینہ مرا درانام ست — مے نوش سبو سبو چہ جائے جام ست
ہر روز اگر یک قدح می خوردی، — امروز دو خور کہ سید الایام ست

مطبوعہ رباعیات مین دوسرا مصرع اس طرح درج ہے ے

مے نوش کن از قدح، یہ جائے جام ست، لیکن قلمی نسخہ مرجح ہے، مقصد یہ ہے، کہ پیالہ سے تو روزانہ پیا ہی کرتا ہے، آج جمعہ ہے شراب کی ٹھلیا منہ کو لگا، اور دنیا و ما فیہا کو خیرباد کہدے، کیونکہ اس لئے کہ جمعہ ہے سید الایام، اس روز تو ایک قدح شراب پینے والے کو بھی دو پینا چاہیئے ورنہ سردار اور عام دونون مین فرق کیا رہے گا؟

مطبوعہ مصرع سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ خیام روزانہ قدح سے پیتا ہے، اسی لئے جمعہ کی تعظیم مین آج دو دفعہ پئے گا، اور وہ بھی جام سے نہین خود قدح ہی سے، بس یہ جمعہ کی خصوصیت ہے، لیکن پہلی صورت مین احتیاط بہت کھلا، اور اہم ہے، وہ روزانہ ایک قدح شراب جام سے پیا کرتا تھا، جمعہ کے دن زائد پئے گا، اور نہ صرف یہی کہ زائد ہی پئے گا، بلکہ دونون کے سردار کی تعظیم مین پئے گا بھی ٹھلیا سے، اسے کہتے ہین خم لنڈھانا، اور یہ ہے جمعہ کی خصوصیت،

(باقی)

تلخیص و تبصرہ

خودکشی اور مذہب

لوگون کو خودکشی سے باز رکھنے مین، مذہب کو جو دخل رہا ہے، وہ محتاج بیان نہین، سطور ذیل مین اسی موضوع سے متعلق ایک مضمون کا خلاصہ ہے، جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کی ایک قریبی اشاعت مین شایع ہوا ہے،

جو لوگ مذہب کی پیروی کرتے ہین، ان مین خودکشی کی نوبت بہت کم آتی ہے، برخلاف اس کے جن لوگون پر مذہب کا قابو کم ہے، ان مین خودکشی کے واقعات نسبۃً بہت زیادہ پائے جاتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کے لئے مذہب ہی ایک قوی مانع ہو سکتا ہے، اس لئے کہ باوجود ان تمام بندشون کے جو انسان کی فطرت اور سوسائٹی کے قوانین نے عاید کر رکھی ہین، ڈاکٹر لوئی ڈبلن کے بیان کے مطابق ہر سال سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) آدمیون سے زیادہ کشمکش حیات کو عبث و رائگان سمجھ کر اپنے ہاتھون اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہین،

خودکشی ایک قسم کی دماغی بیماری سے پیدا ہوتی ہے، اور ایسے ڈاکٹر موجود ہین جو اس کا علاج کامیابی کے ساتھ کر رہے ہین، ڈاکٹر ڈبلن کا خیال ہے کہ اگر ایسے مریضون کا علاج شروع ہی سے اور نہایت احتیاط سے ان کے حالات کی دیکھ بھال ہوتی رہے تو بہتیرے اشخاص ان مشکلات کو حل کرنے مین کامیاب ہو سکین گے جن سے مایوس ہو کر وہ آخر مین اپنی جانین کھو دیتے ہین، [illegible] صاحب موصوف کی رائے کے مطابق ایسے ماہر اطباء سے رجوع کرنا ہر حال مین ضروری نہین [illegible]

تصورات مین صرف اسی قدر کافی ہے کہ ایسے مریض سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائین، اسے اس
بات کا یقین دلایا جائے کہ کوئی اس سے محبت کرتا ہے، اور اس کے ذاتی اعتماد کو تقویت پہونچائی جائے،
خودکشی کو روکنے مین کلیساؤن نے بہت مدد دی ہے، انھون نے اس فعل کو نہ صرف گناہ اور انقلابات
زندگی سے ایک بزدلانہ گریز قرار دیا بلکہ ایک ایسی دماغی فضا پیدا کر دی، جس سے خودکشی محال
ہو گئی، انسان کی ذاتی اہمیت پر زور دیکر اور خدا کی ربوبیت پر یقین اور بھروسہ پیدا کر کے مذہب نے
عوام کی روحانی زندگی کو منظم کر دیا ہے، اور ان مین زندگی کی خواہش کو مضبوط کر دیا ہے" لیکن
ہر شخص مذہب کا پابند نہین ہو سکتا، اور نہ اُن تسلیون سے فائدہ اٹھا سکتا جو مذہب سے حاصل
ہوتی ہین، ایسون کی مشکلات کے حل کے لئے دوسرے طریقون کی ضرورت ہے، "اصول صحت دماغی کی
تحریک" اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اس تحریک کا مقصد محض یہ نہین ہے کہ دماغی بیماریون کا
علاج کیا جائے، اور ایسے عوارض کو روکنے کی تدابیر اختیار کیجائین، بلکہ یہ بھی کہ دماغ کی تربیت
اس طریق پر کیجائے، کہ وہ زندگی کی شیرینی و تلخی، مسرت و غم، فتح و شکست کو تجربات انسانی کے
لازمی نتائج سمجھ کر بخوشی قبول کرلے،

"ٹرکی کا مغربی رخ"

مصطفی کمال پاشا اور ان کے رفقا نے ٹرکی کی تجدید کے راستہ مین جس طرح ہر مشرقی چیز کو
ٹھکرا کر ہر وہ شے جو اُس کے مقابلہ مین مغربی تھی بلا امتیاز اختیار کر لی، اور اس طرح ضروری تغیرات
کے ساتھ ساتھ بہتیرے غیر ضروری تغیرات بھی کر ڈالے، اس پر بھی خود اُس کے دوستون کو بیجا طور سے
شکایت رہی ہے، ابھی حال مین مشہور ترک خاتون خالدہ ادیب خانم کی ایک کتاب لندن سے
شائع ہوئی ہے، مصنفہ محتاج تعارف نہین، ٹرکی کی جدید تحریک مین انھون نے شروع سے جو حصہ

لیا ہے، اس سے وہ لوگ باخبر ہین، جو ترکون کی جد وجہد سے دلچسپی لیتے رہے ہین، لیکن اختلاف رائے کی بنا پر موصوفہ نے جلد ہی حکومت پر اعتراض کرنا بھی شروع کر دیا، جس کی وجہ سے انھین کچھ دنون ٹرکی سے باہر سکونت پذیر ہونا پڑا ہے، خالدہ ادیب سے بڑھ کر کسی کو اس امر کی خوشی نہین ہوسکتی کہ موجودہ ٹرکی نے سابق بندشون سے آزادی حاصل کر لی ہے لیکن ان کے نزدیک یہ بات خطرہ سے خالی نہین کہ مصطفیٰ کمال کا نظام حکومت استبداد کے لحاظ سے عبد الحمید خان ثانی کے طرز سلطنت سے مختلف نہین، یہ امر اس نوخیز جمہوریہ کے لئے سخت مضر ہے، مصنفہ کا سب سے بڑا اعتراض اس بے صبری پر ہے جو اصلاح کے سلسلہ مین عمل مین آئی، مثلاً ٹرکی ٹوپی کو ایک دم سے اٹھا دینا اور عربی رسم خط کو مسترد کر دینا جس عجلت کیساتھ یہ اصلاحین کی گئین اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، ٹرکی ٹوپی سے موصوفہ کو کوئی خاص الفت نہین مگر ان کا سوال یہ ہے کہ جب ملک مین اس قسم کی ٹوپی کے بجائے کوئی دوسری ٹوپی بروقت موجود نہ تھی تو کیا ضرورت تھی کہ دوسرے ممالک سے مختلف قسم کی ٹوپیان منگا کر خواہ مخواہ انگشت نمائی کا موقع دیا جائے، خالدہ ادیب کے نزدیک بعض اصلاحین خصوصاً عورتون کا مسئلہ یورپ کی نقل نہین وہ بتاتی ہین کہ زمانہ قدیم مین ترکی عورتون کو مردون کے برابر حقوق حاصل تھے، یہ تو اٹھارہوین صدی مین ہوا کہ غیر ترکی ممالک کی دیکھا دیکھی، سلطان نے ایک فرمان جاری کیا جس کی تعمیل مین عورتون نے نقاب اختیار کیا،

مصنفہ کا خیال ہے کہ جدید قومیت کا احساس ترکون مین عرصہ کے بعد پیدا ہوا، مصر، فارس، حجاز، شام، عراق، ہر جگہ قومیت کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا، مگر پھر بھی ٹرکی کو ہوش نہ آیا جب تک اسے جنگ عظیم کے بعد اپنے وجود کے معرض خطر مین ہونے کا یقین نہ آگیا لیکن اس احساس کے پیدا ہوتے ہی اس نے اپنے قومی وجود کو بزور شمشیر مستقل طور پر قایم کر دیا،

زندگی کی دل آویزی

مدت سے دنیا مین دو فریق پیدا ہین، ایک وہ جو دنیا کے روشن رخ کو دیکھتے ہین، دوسرے
ده جن کی نظر دنیا کے صرف تاریک پہلو پر پڑتی ہے، اور یہ دونون پرامید اور ناامید گروہون مین منقسم
ہین، ان مین سے ایک کو دنیا سرتاپا غم و اندوہ کی تصویر نظر آتی ہے، اور دوسرے کو وہ لذت و
مسرت سے معمور معلوم ہوتی ہے، ان دونون فرقون کے ان دو مختلف فیصلون مین افلاس اور تونگری
کو کوئی دخل نہین، بہت سے دولتمند اپنی زندگی سے عاجز ملین گے، اور بہت سے غریب خوش و
خرم اور اپنی ہر حالت مین مسرور پائے جائینگے، ایک غریب شاعر کہتا ہے، ؎

پھٹے کپڑون مین خندان مثل گل ہین
شرافت کیا بہار بے خزان ہے،

یونان و ہند کے فلسفیون نے اس کا فیصلہ فلسفۂ حیات کے پرپیچ اسرار کے حل سے کرنا چاہا ہے،
شعرائے عجم نے اپنے شاعرانہ جذبات مین اپنے اپنے خیالات کی ترجمانی کی ہے، ابن یمین کا قطعہ
مشہور ہے،

دو تاے نان اگر از گندم است یا از جو
دو تاے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بہ چار گوشۂ دیوار خود، بخاطر جمع
کہ کس نگوید ازینجا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین
ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو،

خیام نے اس حقیقت کو صرف چار مصرعون مین کہدیا،

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد
وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نے مخدوم کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

جن عورتون نے بجاے تاہل کی زندگی کے کاروباری زندگی اختیار کرلی ہے، وہ
ہمیشہ کام کی مدح سرائی کرتی ہین، چنانچہ ایک عورت جو اپنے پیشہ مین بہت کامیاب ہے لکھتی ہے "میری زندگی کی سب سے بڑی دل آویزی اس بات مین ہے کہ کوئی ایسا کام ہو جو مجھے اپنی تمام دماغی قوتون کے ساتھ مشغول رکھے" ایک باحوصلہ نوجوان فوجی افسر نے بھی تقریباً اسی خیال کو دوسرے نقطۂ نظر سے ظاہر کیا ہے، وہ لکھتا ہے "تمھارے سامنے کوئی مطمح ہونا چاہیے، کوئی ایسی چیز جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو، اور جس کے حصول کے لئے تم کوشش کرو لیکن وہ چیز ایسی ہو کہ جب تم اس کے پاس پہونچ جاؤ، تو وہ پہلے سے زیادہ پسندیدہ شکل اختیار کرکے تم سے دور ہو جائے، اگر ایسا نہین ہے تو زندگی بے کیف اور بے مزہ ہے، اور اس قابل نہین کہ اسے اختیار کیا جائے" اُن سیکڑون آدمیون مین سے جن کے نام مسز کلی نے خطوط لکھے تھے، صرف دو ایسے ہین جنھون نے صاف طور پر لکھا ہو کہ زندگی جینے کے لایق نہین، ان مین سے ایک معمر عورت ہے، جو دنیا کی نعمتون سے ناآشنا ہے، وہ لکھتی ہے "زندگی نے جو چیزین مجھے دے رکھی ہین، وہ ہرگز اُس رنج و غمگینی، اور مضرتون کا معاوضہ نہین ہوسکتین، جو اپنی محرومیون کے باعث مجھے حاصل ہوئین" دوسرا شخص جس نے زندگی سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، ایک تندرست نوجوان شاعر اور کامیاب مصنف ہے، اُسے یقین کامل ہے کہ دنیا مین اس قدر کافی حظ حاصل نہین ہو سکتا کہ انسان اس کے لئے زندہ رہنے کی زحمت گوارا کرے، اس سے پوچھا گیا کہ پھر آخر وہ کیون اس زندگی کو برداشت کر رہا ہے، جواب دیا کہ "زندہ رہنے، اور اپنی قوتون کو استعمال کرنے کی عادت انسانون مین اس حد تک جڑ پکڑ چکی ہے کہ مین اپنی زندگی کو موجودہ حالت سے زیادہ خراب کئے بغیر اس کے خلاف کر ہی نہین سکتا"

"ع ز"

"کیمبرج ہسٹری آف انڈیا"

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے نام سے ہندوستان کی جو تاریخ انگریزی اہل قلم کیمبرج سے شائع کر رہے ہین اس کی پانچوین جلد برٹش انڈیا کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس مین ۱۴۹۷ء سے ۱۸۵۸ء تک کی تاریخ کے حالات ہین، اس عہد کی پہلی صدی مین انگریزون نے ہندوستان مین کوئی نمایان حیثیت نہین حاصل کی تھی، اس جلد کو پروفیسر ڈاڈول (Prof. Dodwell) نے اڈیٹ کیا ہے اور انھون نے اس کتاب کے [illegible] باب بھی لکھے ہین، کیمبرج ہسٹری کی اور جلدون کی طرح یہ کتاب بھی مختلف مصنفین کے مقالات کا مجموعہ ہے، پہلی جلد کے مولفین کی راہ مین ہند قدیم کے حالات کے متعلق اصلی مواد کی قلت حائل تھی، اور تیسری جلد کی ترتیب دینے والون کے سامنے مسلمان مورخین کا پیش کردہ مواد تھا جو مصارف انگریز مصنفین کے خیال مین [illegible] جانب داری سے پاک نہ تھا، اس پانچوین جلد کی تدوین مین اس قسم کی کوئی دقت نہ تھی، ہندوستان کے تعلقات یورپ اور خصوصاً انگلستان کے ساتھ معلوم کرنے کیلئے کافی اور مستند ماخذ موجود ہین، یہان دقت اس بات کی تھی کہ تمام مواد مین سے کیونکر انتخاب کیا جائے اور اس انتخاب کو کتاب کے [illegible] صفحات مین [illegible] نقل کیا جائے، اس مشکل کو حل کرنے مین پروفیسر ڈاڈول نے شاندار کامیابی حاصل کی ہے،

پہلے باب مین سر ڈینسن راس (Sir Denison Ross) نے سولھوین صدی کے ہندوستان اور پورتگال کے تعلقات کو بیان کیا ہے، پروفیسر جیل (Prof. Geyl) نے ڈچ [illegible] لوگون کے حالات لکھے ہین جو سترھوین اور اٹھارھوین صدی مین ہندوستان مین آباد تھے، [illegible] (Henri Froidevaux) نے ہندوستان مین ابتدائی فرانسیسی آبادیات کا ذکر کیا ہے، اور ڈپلے اور بسی (Dupleix & Bussy) کے عہد کی تاریخ پروفیسر [illegible] (Prof. A. Martineau) نے لکھی ہے، تاریخ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مولف [illegible] مین پروفیسر ڈوڈول [illegible]

نے اٹھارہوین صدی کے دوسرے نصف کے متعلق آٹھ ابواب لکھے ہین اوران مین سے وہ ابواب بہت خوبی

کے ساتھ لکھے گئے ہین، جن مین بنگال، کرناٹک، اور میسور کے حالات سے بحث ہے، مسٹر پی، ای، رابرٹس،

(P.E.Roberts) نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری دور کی تاریخ لکھی ہے، کرنل لُوارڈ اور مسٹر اڈورڈس

نے مرہٹون کے حالات سے بحث کی ہے، ان مین مرہٹون کے دستور ملکی و نظام حکومت خاص قابلیت سے بیان کئے

گئے ہین، ڈاکٹر ہٹن (Dr.W.H.Hutton) نے ٹیپو سلطان، ویلزلی، اور کارنوالس کے حالات لکھے ہین

مسٹر آرچابالڈ (Archibald) نے نہایت قابلیت کے ساتھ فتح سندھ و پنجاب اور پہلی افغان جنگ

کی تاریخ لکھی ہے، پروفیسر پنسن (Prof. Penson.) نے اٹھارہوین صدی کے بنگال کے نظام

حکومت سے بحث کی ہے اور مسٹر گوین (T.T.Gwynn) نے نہایت خوبی کے ساتھ مدراس

کے قانون لگان پر ایک مقالہ لکھا ہے، آخر مین برما اور ہندوستان کے ابتدائی تعلقات پر مسٹر ہاروے

(Mr.Harvey) کا مفید بیان ہے، دیسی ریاستون کے حالات کرنل لُوارڈ (Luard)

نے لکھے ہین، اور برطانوی ہند مین حکومت برطانیہ کے ارتقار کی تاریخ جنرل اڈیٹر نے ایک باب

مین پیش کی ہے،

معارف: - یہ بات اہل انصاف مورخین کے لئے سخت تعجب انگیز ہے گی کہ مسلمان مورخین کا بیان اپنی تاریخ کے متعلق تو "جانب داری" سمجھی جائے، لیکن انگریز مورخین کے بیان کو اپنی تاریخ کے متعلق "جانب داری" سے سرتاسر بری قرار دیا جائے، کیا انگریزون کے پروپگنڈے کی قوت اس جنگ مین جرمنی کی توپون کی طاقت سے زیادہ مہیب نہین ثابت ہو چکی ہے،

انشا پر آلۂ تحریر کا اثر

فورتونل استروسکی (Fortunal Strowski) ممبر فرنچ انسٹیٹیوٹ کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی تحریر کے متعلق بتا سکتے ہیں کہ یہ آہنی قلم، فاؤنٹن پن، یا ٹائپ رائٹر کی لکھی ہوئی ہے، اس دعویٰ کی دلیل میں وہ حسب ذیل مثالیں پیش کرتے ہیں، سولھویں اور سترھویں صدی کی تمام اہم تصنیفات پر کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں، یہ قلم بہت نرم ہوتا تھا اور اس سے ہلکے ہی ہاتھوں سے لکھا جا سکتا تھا، اس کے لئے جس قدر احتیاط کی ضرورت تھی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان مصنفین میں خیالات کی پاکیزگی، فصاحت، اور سلاست پائی جاتی ہے، آہنی قلم میں وہ احتیاط ضروری نہیں تھی جو پر کے قلم میں برتنا پڑتی تھی، اس لئے اس قلم کی تحریر میں تیزی اور روانی زیادہ پائی جاتی ہے، فاؤنٹن پن سے یہ تیزی بہت زیادہ ترقی کر گئی، اس سے لکھنے میں ہاتھ اس وقت تک نہیں رکتا جب تک تحریر ختم نہ ہو جائے، لکھنے والا اس روانی کو روکنا نہیں چاہتا، اور جو کچھ بھی اس کے قلم سے نکلتا ہے، لکھتا جاتا ہے، تحریر کی فصاحت اور بلاغت کا خیال نہیں کرتا، آخر میں ٹائپ رائٹر کی نوبت آتی ہے اس کا ہر حرف اور ہر جملہ صاف اور شستہ ہوتا ہے، اس میں مضمون انشا کی گنجایش نہیں ہوتی، خیالات میں بھی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہوتی،

انگوٹھے کا نشان،

فرانس کے ڈائرکٹر اڈمنڈ لوکارڈ کا بیان ہے کہ انگلیوں کے سرے کا نشان چین والوں کو سنہ قبل مسیح میں معلوم تھا، اس کا ذکر یورپ کے ماہرین علم الابدان نے سترھویں صدی میں کیا، اس کے بعد اکثر سائنس دانوں نے اس کے استعمال کو شناخت کی غرض سے ترقی دی، چنانچہ

لے جو اہلی کا رہنے والا تھا، ان نشانات کا بیان نہایت تفصیل سے لکھا، چند اور ماہرین علم الابدان نے بھی اس کے متعلق لکھا ہے، مگر در اصل اس فن کو دریافت کرنے والا بوہیمیا کا پروفیسر پرکنجے ہے، ۱۸۲۳ء میں اس نے ایک کتاب لکھی جسمین انگلیون کے نشانات کا مفصل بیان اور اُن کی تقسیمین دکھائی ہین، سر ولیم ہرشل نے جو ضلع ہوگلی (بنگال) مین چیف ایڈمنسٹریٹر تھے، ۱۸۵۸ء مین بنگالی زبان مین لکھے ہوئے سرخطون پر انگوٹھے کے نشان کو استعمال کرنا شروع کیا، دستخط کے عوض یا دستخط کے بعد بھی اہل ہنود اپنی انگلی کو روشنائی مین ڈبو کر کاغذ پر نشان بنا دیا کرتے تھے، غالباً ہرشل کو ابتدا مین یہ نہین معلوم تھا کہ اس نشان سے شناخت بھی ہو سکتی ہے، وہ شروع مین ہندوؤن کے اس عقیدہ سے کام لیتے تھے کہ جسم کے کسی حصہ کا نشان دستخط سے زیادہ مستحکم ہے، لیکن عرصہ کے تجربہ کے بعد ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ نشانات شناخت کا بہترین ذریعہ ہین،

شور کا اثر،

نیویارک (امریکہ) مین ایک کمیشن اس غرض سے متعین کیا گیا ہے کہ جہان تک ممکن ہو شور و غل مین تخفیف کرے، اس کمیشن نے اپنی رپورٹ مین ظاہر کیا ہے، کہ قوی انسانی سڑکون اور پڑوس کے شور سے روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہین، قوت سماعت گھٹتی جاتی ہے، اعضاے رئیسہ ضعیف ہوتے جاتے ہین، اور اور آخر مین نتیجہ اکثر دیوانگی ہوتا ہے، سالانہ اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ امریکہ مین دیوانگی نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے، علاوہ برین کمیشن کا خیال ہے کہ شور کی وجہ سے خیالات مجتمع نہین ہو سکتے تعلیم مین ہرج واقع ہوتا ہے، اور بچون کے معمولی نشو و نما مین رکاوٹ پیدا ہوتی ہی،

ایک راز کی عقدہ کشائی

تینتیس ۳۳ سال ہوئے تین آدمی قطب شمالی تک پہونچنے کے لئے ایک غبارہ مین روانہ ہوئے تھے مگر وہان پہونچنے سے قبل ایسا غائب ہوئے کہ باوجود تلاش کے انکا پتہ نہین چلا، ان مین سے ایک سوئڈن کا

رہنے والا آگسٹ اینڈری اور دو اس کے ساتھی تھے، حال مین ان کی لاشین برآمد ہوئی ہین جو تینتیس سال سے برف مین چھپی ہوئی تھین، انکا پتہ کھانا پکانے کے ایک برتن سے چلا جو برف پر پڑا پایا گیا، حسن اتفاق سے برف کئی فٹ بہ گئی تھی، ورنہ اب بھی سراغ نہ ملتا، اس لئے کہ دریافت سے دو ہی ہفتہ قبل ایک وفد اسی غرض سے گیا تھا جو ناکام واپس آیا، لاشون کے ساتھ مختلف آلات اور کتابین بھی پائی گئین،

عیسائیت اور مسئلۂ ارتقا

عیسائیت اب تک مسئلۂ ارتقا کی قابل نہ تھی، لیکن حال مین لندن مین لیمبتھ کانفرنس جو آرچ بشپ آف کنٹربری کے زیر صدارت منعقد ہوئی تھی اس مین جہان اور بہت سی نمایان تجویزین پاس ہوئین وہان اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا گیا، آرچ بشپ موصوف کی طرف سے اس کے متعلق جو بیان شایع ہوا ہے، اس مین حسب ذیل اعتراف ہے، "ہمین معلوم ہے کہ عیسائی قومون مین بھی خدا کا خیال کس حد تک لوگون کے ذہنون اور دلون سے غایب ہوتا جاتا ہے، سائنس کی روز افزون ترقی نے عیسائیت کی بنیاد کو ہلا دیا ہے، لہذا اب کوشش اس امر کی کیجارہی ہے کہ سائنس کے اصولون کو مذہب کے قوانین سے مطابقت دیجائے" یہ بیان مذکورۂ بالا مسئلۂ ارتقا کو یون حل کرتا ہے، "مختلف سائنسون کی مدد سے ہمین ہر شے مین ایک ارتقائی تسلسل معلوم ہوتا ہے، جس کے ہر درجہ پر خدا کا وجود اور اس کی طاقت دکھائی دیتی ہے"

جنگ پر مذہبی بندش

لیمبتھ کانفرنس کی ستر تجویزون مین سے ایک بین الاقوامی امن سے بھی متعلق ہے، وہ یہ ہے "جب ان قومون نے آپس کے مناقشات کو باہمی مصالحت سے طے کرنے کا ایک سنجیدہ معاہدہ کر لیا ہے، تو ایسی صورت مین اس معاہدہ کے خلاف اگر کسی ملک کی حکومت مصالحت سے ان مناقشات کو طے کرنا نہین چاہتی اور جنگ کرنا چاہتی ہے، تو وہان کے چرچ کو لازم ہے کہ ایسی جنگ مین مدد دینے سے انکار کر دے" عیسائی چرچ نے گذشتہ جنگون مین جو نمایان حصہ لیا، اس سے تاریخ کے صفحات پُر ہین، آج اپنی روش سے ندامت

اس نے ایک نئے راستہ پر قدم رکھنے کی ہمت کی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ صدیوں کی عادت سنگِ راہ تو نہیں ثابت ہوئی،

فلسطین کا زراعتی کالج

آجکل فلسطین کو سب سے زیادہ مدد جدید طریقۂ زراعت سے مل رہی ہے، گو اسوقت اسکا اثر صرف یروشلم کے گرد و نواح مین نمایان ہے، لیکن کچھ دنون مین ملک کے ہر حصہ مین محسوس ہونے لگے گا، اس مفید تحریک کی بنیاد اب سے پچاس سال قبل پیرس کے ایک دولتمند یہودی ایم. نٹا نے ڈالی تھی جسنے مکوہ اسرائیل (ایک مقام کا نام) کا زراعتی کالج قائم کرکے تمام فلسطین کو فائدہ پہنچایا، یہ کالج ایسی زمین پر بنایا گیا ہے جو اپنی زرخیزی کیلئے مشہور ہے، ابتداءً ایم. نٹا نے روس اور مشرقی یورپ کے ستم زدہ یہودیون کیلئے ایک گوشۂ عافیت بنانا چاہا تھا، اس غرض سے اُسنے سلطان ٹرکی سے ۷۰۰ ایکڑ زمین حاصل کی تھی، اُس نے اس کالج کیلئے اسقدر کثیر مستقل سرمایہ چھوڑا ہے کہ اسوقت ۲۰ اساتذہ اور ۲۰۰ طلبہ کام کر رہے ہین، طلبہ تین سال تک کالج مین رہتے ہین، اُسکے بعد یا تو خود زراعت کرنے لگتے ہین یا اسی کالج مین تعلیم کی خدمت انجام دیتے ہین کالج کی طرف سے گشتی لکچرون کا بھی انتظام ہے، اور یہان کے اساتذہ ملک کے مختلف حصون مین جاکر جدید طریقۂ زراعت کو اپنی تقریرون اور عملی نمایش سے سمجھاتے ہین، کالج کا نصابِ تعلیم وسیع اور جامع ہے، اس مین زراعت کی وہ تمام شاخین شامل ہین جو ملک اور آب و ہوا کے موافق ہین، مثلاً سنترے پیدا کرنا، شراب بنانا، گائے. بیل، بھیڑ، بکری، مرغی، اور شہد کی مکھیان پالنا اس کالج کے ہر چہار طرف یوکلپٹس کے درخت لگے ہوئے ہین، جس سے آب و ہوا پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے،

مکوہ اسرائیل کالج صرف لڑکون کے لئے ہے، لیکن فلسطین کے محکمۂ تعلیمات نے اُسکی اہمیت کو محسوس کرکے ۱۹۲۲ء مین لڑکیون کے لئے بھی ایک زراعتی مدرسہ نہالال مین کھول دیا ہے، یہ مفید ثابت ہو رہا ہے، یہان کا نصابِ تعلیم بھی بہت جامع ہے، اس مدرسہ مین خاص توجہ مکھن، وغیرہ بنانے اور مرغیان اور شہد کی مکھیان پالنے پر دی جاتی ہے، فلسطین مین واقف کار کاشتکار عورتون کی مانگ روز بروز بڑھ رہی ہے، اسلئے خیال ہے کہ اس مدرسہ کو عنقریب اور زیادہ وسیع کیا جائے گا،

"ع ز"

شہرت سے میرے عشق کے بدظن ہین وہ ایسے[1] اخبار کی ایک ایک خبر دیکھ رہے ہین،

کس منہ سے کہین اُن سے یہ ہی عہدِ وفا تھا دنیا ہی کو جب زیر و زبر دیکھ رہے ہین

ہنستے ہین وہ بلبل کی پریشان نظری پر عارض سے ملا کر گلِ تر دیکھ رہے ہین

اک صورتِ تصویر ہے ہر جلوہ کسی کا ہر ایک سمجھتا ہے، اِدھر دیکھ رہے ہین

کس جلوۂ دیدار کی طاہر[2] یہ کشش ہے،

یون تجکو جو سرگرم سفر دیکھ رہے ہین،

قطعۂ ارتحال نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ سابق والیۂ کشور بھوپال

نتیجۂ فکر جناب مولانا محمد عبد اسمٰع صاحب صفا پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کالج

اے صفا این دارِ فانی مجمعِ اضداد ہست شادی و غم توام است و رنج و راحت ہمعنان

ہست نیرنگِ حوادث کارگاہِ کائنات ہیچ چیزے جاودانی نیست در کون و مکان

عالمِ امکان بیک حالت نمی گیرد قرار ہست احوالِ جہان گاہے چنین گاہے چنان

رشکِ گلزار است دل گاہ از وفورِ انبساط گاہ از فرطِ الم چون مجمرِ شعلہ فشان

عید قربان آمد و آورد دورِ خرمی ہر مسلمان بہرہ ور شد از سرورِ بیکران

لیکن آن عیشِ دو روزہ گشت بر ماتم تمام روزِ سوم کوہِ غم افتاد بر بھوپالیان

گشت از دستِ اجل ماہِ محرم ماہِ عید جانبِ فردوس رحلت کرد سلطانِ جہان

آنکہ ذاتش بود بہر مومنان ظلِّ خدا آنکہ بر جملہ رعایا مثل مادر مہربان

آنکہ قلبش پاک بود از حبِ جاہ و ملک و مال کرد از خلعِ حکومت شانِ استغنا عیان

[1] جناب محترم علامہ سید سلیمان ندوی کی طرف اشارہ ہے منہ [2] یعنی سفر اعظم گڈھ منہ

استقامت شرط ہے راہِ محبت مین مگر یہ سفر وہ ہے جہان ہوتے نہین شام وسحر

اس مین جو لٹ جائیگا میدان اُسکے ہاتھ ہے

فکر منزل کی نہ کر، منزل تو تیرے ساتھ ہے

شمع سان سوزِ محبت مین بھی خاموشی رہے پاؤن کو لغزش نہ ہو اور شغل مینوشی رہے

ننگ ہے گر عاشقی مین مصلحت کوشی رہے غم فراموشی نہ ہو گو خود فراموشی رہے

مسلکِ الفت مین عزت نام رسوائی کا ہے

طورِ وش خاموش جلنا کام شیدائی کا ہے

باب التقریظ والانتقاد

"عرب وہند کے تعلقات"

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی

جناب نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمان خان شروانی جو حضرت استاذ مرحوم کے حلقۂ احباب میں بیحد واجب التعظیم مخدوم ہیں، اُنھون نے میری حقیر تازہ تالیف "عرب وہند" پر تبصرہ لکھکر ذرہ نوازی فرمائی ہے، حضرت استاذ مرحوم کے ساتھ موصوف کی یہ سنت قدیم رہی ہے کہ اُن کی تصانیف پر وہ اکثر و بیشتر تبصرے لکھا کرتے تھے، جو بجائے خود ادب و انشار کے جواہر ہوتے تھے، موصوف نے عرب وہند پر تبصرہ لکھکر غالبًا اسی نسبت کو قایم رکھا ہے، اور اپنی بزرگانہ پاس وضع کا یہ ایک نیا ثبوت پیش کیا ہے،

بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس است

"سلیمان"

قدرت نے عرب وہند کا رشتۂ تعلق سمندر کے ذریعہ سے قایم فرمایا ہے، رہرو ان شوق ساحل کو چھوڑ کر بے واسطہ سرزمین عرب مین داخل ہوجاتے ہین، یہ ایما اور اشارہ تھا کہ ہند و عرب کے تعلقات مین بھی وہی صفائی اور دل کشائی رہی ہوگی جو سمندر کا خاصہ ہے،

اغراض نے اور نظر کی کوتاہیون نے سرچشمۂ صفا و وفا کو خس و خاشاک سے پاٹ دیا ہے، وسعت سمندر کو چھوڑ کر تنگ اور تاریک خلیجین پسند کر لی گئین جن کا پانی رکاوٹ اور بندش سے متعفن ہو کر دل و دماغ کے لئے سم قاتل بن چکا تھا، جب عرب وہند کے تعلقات کا تصور کیا جاتا تھا، بے تعصب

پہاڑ سنگ افشان نظر آتے جن سے کبھی سر ٹکپا چور ہوتے کبھی ہاتھ پاؤن پاش پاش، ضرورت تھی کہ گہری نگاہین گوہرِ مقصود کا پتہ لگائین خس وخاشاک کو دور کرکے اصلیت کی تہ تک پہونچین، اور آج جب کہ دل ملجانے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، دکھائین کہ کبھی اس سرزمین پر محبت و ہمدردی کا ابرِ رحمت بھی برسا تھا، اس کے لئے تصنع کی حاجت نہ تھی، واقعات کو بگاڑنے اور بنانے کی ضرورت نہ تھی، صرف چہرۂ حقیقت کو بے نقاب کر دینا کافی تھا، مگر شاہدِ مقصود تک باریابی ہر ایک کی قسمت مین نہین آئی ہے، کارکنانِ قضا و قدر نے یہ فتحیابی "سلیمانِ وقت" کے لئے محفوظ و مخصوص فرمادی تھی،

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہان

ہندوستانی اکاڈیمی مبارکباد کے قابل ہے کہ اس نے انتخاب بجا اور بہت بجا کیا، مجلس مذکور نے مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کو مدعو کیا، کہ عرب و ہند کے تعلقات پر الہ آباد آکر لکچر دین[1]، شاید الہ آباد گنگا جمنا کا سنگم ہونے کی وجہ سے اس کے لئے سب سے زیادہ موزون مقام تھا، ان خطبات کی کامیابی کا اصلی رازِ بنیاد ہے جس پر اُن کی عمارت تیار ہوئی ہے،

اگر ایرانی اور ہندوستانی مورخون کی طرف ہمارا فاضل دوست منہ کرتا تو یقیناً قبلۂ مقصود کج ہو جاتا، دقیقہ سنجی اور بلند نظری اُس میدان دل کشا مین ان کو لے پہونچی جہان عرب کی پاک و صاف ہوائین روح پرور تھین، تعصبات کی گندگی نے جہان رسائی حاصل نہ کی تھی،

سلیمانِ زمان نے دیو و پری کی داستانون کا سنانا باعثِ عار سمجھا، اور ان نکتہ سنج حقیقت نگار مصنفین اور سیاحون کو اپنا رفیقِ طریق بنایا جن کی فکر اور نظر مین اسلامی وسعت اور صدق پسندی تھی سلیمان تاجر، ابن خردازبہ، ابودلف مسعودی، ابن حوقل، بشاری، ابن بطوطہ اور اور ایسے بہت سے محقق سیاح جغرافیہ نویس، تاریخ نگار ہین، جنکی کتابون مین اسلامی تعلیم کے اثر سے مذکورۂ بالا

---

[1] یہ لکچر مجموعہ کی شکل مین اکاڈیمی کی طرف سے ٹائپ مین چھپے ہین، اور دفتر اکاڈیمی الہ آباد سے ملین گے ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت مجلد للعہ

صفات پوری طرح جلوہ فرما ہین، فاضل خطیب نے انھین کتابون سے کام لیا ہے [illegible]
کتابین کہین خس وخاشاک کے انبار مین اُنکو ہاتھ آگئی ہین، نہین قریباً سب کی سب یورپ کی [illegible]
اور پسندیدہ ہین، لیکن افسوس ہے کہ اُن سے یہ کام اب تک نہ لیا گیا ورنہ تعلقات کی یہ [illegible] صورت
نہ ہوتی، ان لکچرون کی وسعت چارسو ٹائپ کے چھپے ہوئے صفحات سے زیادہ ہے [illegible]
خالی ہے، کہ وہ خیالی مضامین یا عبارت آرائی سے بالکل پاک صاف ہین واقعات [illegible]
بحث کی ہے، اور بحث کے صحیح نتائج سامعین وناظرین کو دکھانے [illegible]
اس کتاب مین ہین، اُن کی فہرست ۲۵ صفحون سے زیادہ پر ہے، اور خود اُن کی تعداد [illegible]
آپ اندازہ کرسکین گے کہ کس قدر غور وفکر اور وسیع اور عمیق مطالعہ کے بعد یہ کچھ [illegible]
اس کتاب مین پانچ باب ہین، پہلے باب کا عنوان "تعلقات کا آغاز" [illegible]
اس باب مین جن مطالب سے بحث ہے، اُن کا نمونہ ان عنوانون سے معلوم ہوتا ہے [illegible]
کا پدری وطن"، "ہندوستان کا بہشتی دریا"، "نور محمدی کا ظہور ہندوستان مین" [illegible]
"لفظ ہند"، "ٹھاکر عربی زبان مین"، "جاٹ صحابہ کے زمانہ مین" [illegible]
عرب سیاحون کا ذکر آتا ہے، اور ابن خردازبہ، سلیمان تاجر [illegible]
ملاح، مسعودی، ابن حوقل، بشاری، البیرونی، ابن بطوطہ [illegible]
نویسون سے اس باب مین تعارف ہوجاتا ہے؛

اپنے مشاہدون مین جو حالات اور واقعات [illegible]
بحث کی ہے، مثلاً یہ اہم سوال کہ سندھ مین مسلمانون کا مقابلہ [illegible]
جاتے ہین، مگر دراصل وہ بدھ تھے، سندھ کا نقشہ جو ابن حوقل نے [illegible]
ہندوستان کی بولیان، الیٹ کی تاریخ کی تکمیل کی بابت [illegible]

کو ہندوستان کی قدیم تاریخ کا واحد ماخذ ماننے پر بجا گرفت،

دوسرے باب مین تجارتی تعلقات سے بحث ہے، اس باب مین اُن تعلقات کا دروازہ کھول دیا گیا ہے جو قدرۃً ملنساری اور خوش گوار پر امن راہ و رسم کے متقاضی ہین یعنی تجارتی تعلقات (مگر شاید آج یہ کلیہ ٹوٹ چکا ہے) اس باب کی شانِ تحریر بالکل تاجرانہ نقطۂ نظر سے ہے، بحری راستے، بندرگاہین، منزلین اور مسافتین، ہندوستانی پیداوار (جنھین بادشاہ بحیرائم اور پان بھی ہین) اور بیوپار، مصنوعات، بحرِ ہند کے جہازرانی، ایک عرب ہندوستانی کا وطنی گیت، غرض وہ سب کچھ اس باب مین موجود ہے جو بحری تجارت کا لوازمہ ہے، اور جن سے بحث تاجرانہ ذوق کے متقاضی ہے، اس باب مین بعض اور دلچسپ واقعات بھی آجاتے ہین، مثلاً قرآن کریم مین تین ہندی نام، بتیا عرب جہازون مین، ہندوستان کے قدیم روسی تاجر،

تیسرا باب دوسرے باب سے بھی زیادہ بلند پایہ ہے، اس لئے کہ اُس مین علمی تعلقات سے بحث ہے، اس باب مین بھی وقیق اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اس کے مطالعے مین ہم جاحظ بصری، یعقوبی، ابن ندیم بغدادی، ابوریحان بیرونی، قاضی صاعد اُندلسی، وغیرہم عالی مرتب علما سے فیضیاب ہوتے ہین،

اس باب کی جانِ سخن برامکہ کے لفظ کی بے نظیر تحقیق ہے، جس پر مین اپنے عزیز کو دلی مبارکباد دیتا ہون، اور کہتا ہون کہ تحقیق کا یہ نقش ایک «بہاری قلم»، کے انتظار مین پس پردۂ تقدیر تھا،

آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

شروع سے دیکھئے، قدیم مورخون کی نظر تو لفظ تک محدود رہی، برمک کو قدرۃً فارسی لفظ سمجھ کر زہر کا قصہ بیان کر دیا جس نے ساری عمارت ڈھادی، برامکہ کا دورِ حاضر کا محقق مورخ پیر مغان کے ساغر سے سرشار ہو کر رہ گیا، معزز خطیب کی بحث کو بغور پڑھئے تو آپ پر واضح ہوگا کہ

کس تحقیق سے یہ ثابت فرمایا گیا ہے، کہ بلخ کا نوبہار جس کے پجاری برامکہ تھے [illegible]
کی خانقاہ تھی، عربون نے اُس کا نقشہ، اُس کے رسوم، اُس کے لوازم سب ہی تو بیان کر دیئے ہین، [illegible]
کی بنیاد پر ثابت کیا گیا ہے کہ نوبہار نوا و بہار تھا، فارسی لہجہ مین نوبہار بن گیا جس طرح ہندی [illegible]
بھی بہار ہو گیا،

برامکہ بودھ تھے، اور برمک دراصل سنسکرت کا لفظ پرمک تھا جس کے معنی [illegible] مرتبہ
والے کے ہین،

چوتھا باب مذہبی تعلقات کے متعلق ہے، اس باب کی بحث کی بنیاد خصوصاً کتاب [illegible]
ابو العباس امیر الشہری، عبد الکریم شہرستانی، عبد القاہر بغدادی، اور مرتضی زیدی کی تصانیف ہین، [illegible]
ہذا کی بیت الغزل وہ بحث ہے جسمین عرب اور ترک و مغل فاتحون کا فرق بتایا ہے، [illegible]
غور اور کشادہ دماغ سے پڑھو اور تحقیق پر آفرین کہو،

خلاصہ یہ ہے کہ غوری اور غزنوی، خلجی وغیرہ قبائل نومسلم تازہ اسلام تھے، [illegible]
اسلام نے ایسی سرایت نہ کی تھی جو ان کی کایا پلٹ کر کے افغانی وحشت اور ترکانی [illegible]
و ہمدردی سے بدل دیتا، مین اس بحث کو لکھتا تو خلاصۃً یہ کہہ دیتا کہ ان کو قرون خیر کا فیض [illegible]
وہ استاد نہ ملے تھے جن کا تصرف انسانی دل و دماغ کو توحید کے نشہ سے سرشار کرکے مخلوق سے [illegible]
اور ہمدردی کا سبق یاد کرا دیتا تھا،

ہمارا ملک قیامت تک ماتم مین رہے گا کہ یہان صحابۂ کرام کا فیض تعلیم و تربیت [illegible]
ہندوستان کی ترقی مین کثرت و قلت، چھوت اور اچھوت کے [illegible]

واقعات بابری دیکھو، خود بابر کہتا ہے کہ تورۂ چنگیز خانی اس کے زمانہ [illegible]
تھا جس کے مقابلہ مین اسلامی احکام موثر نہ تھے، حالانکہ مغلون کو مسلمان ہوئے [illegible]

شکر ہے کہ خود بابر اس تورے سے بیزار تھا، اور مذہبی احکام کے مقابلہ مین ان کو توڑ دیتا تھا، خلاصہ افغانون اور ترکون کے ادخلوا فی السلم کافہ کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی پالیسی اور زندگی مین اسلامی تعلیم کی وہ وسعت اور رواداری پیدا نہین ہوئی، جو عربون مین تھی، ایک حال کا واقعہ سن لیجئے، سرحدی حصہ مین ایک پٹھان نے اپنے دشمن کو پکڑ پایا، مہینہ رمضان کا تھا، فیصلہ کیا کہ روزے مین مسلمان کا قتل درست نہین، روزہ کھول کر گولی کا نشانہ بنانا چاہیے، چنانچہ ہاتھ پاؤن باندھ کر ایک طرف ڈال دیا، شام کو کھانے پینے کی فکر ہوئی، لکڑی لینے جنگل مین نکل گیا، اسیر جفا نے کوشش کر کے ہاتھ کی رسی ڈھیلی کی، ہاتھ نکل آیا تو سب رسیان کھول ڈالین، رفل جو وہین رکھا تھا ہاتھ مین لے لیا، جون ہی اس کا مہربان نمایان ہوا، ایک فیر مین کام تمام تھا، رفل اور کپڑے لیکر قیدی نے گھر کا راستہ لیا،

آمدم برسر مطلب، نومسلم ترک و افغان کے مقابلے مین عرب قدیم الاسلام تھے، سرچشمۂ اسلام سے ایسے سیراب کہ خود چشمۂ توحید ان کے دلون سے بہ رہا تھا،

ان دونون بیانون کے بعد دکھایا ہے کہ عرب فاتحون کا عمل کیا تھا، اور اس عمل کا اثر ملک کی ترقی پر کیا ہوا، خواہ وہ ترقی اخلاقی تھی، یا معاشرتی، تمدنی تھی یا ملکی، سندھ کی سرزمین کی وہ تاریخ جو عربی دورِ حکومت مین بنی اُس تاریخ سے بدرجہا اعلیٰ و اشرف ہے، جس کو افغان اور ترک و مغل بنا سکے،

اسی سلسلہ مین یہ بیان آجاتا ہے کہ عرب ہندوؤن کو کیا سمجھتے تھے، ثابت کیا ہے، کہ اہل کتاب تو نہ سمجھتے تھے، البتہ مشابہ اہل کتاب مانتے تھے، اور یہی فیصلہ بنیاد اُس تمام برتاؤ کا تھا، جو اُن کا ہندوؤن سے رہا تھا، یہ بیان فاضل مولف کی قوتِ اجتہاد کا شاہدِ عدل ہے، اس بحث کو پڑھکر میرے دماغ نے یہ محسوس کیا کہ تاریخِ ہند کے منطقہ حارہ سے (جس کو ہمارے مہربانون نے دل سوز بھٹی بنا دیا ہے) نکل کر جان بخش اور روح پرور آب و ہوا مین نکل آیا، اس باب کو پڑھو اور واقعات کی شہادت

پر مان لو کہ مسلمانون کی حقیقی خالص سلطنت ہندوستان مین اس سے بہت بہتر تھی جس کا بیان غزنوی
دور کے آغاز سے مغلون کے خاتمہ تک تاریخ مین ملتا ہے،

پانچوان باب "ہندوستان مین مسلمان فتوحات سے پہلے" پر بحث کرتا ہے، اس باب مین بہت
دلچسپ اور ضروری حالات اور مسائل پر روشنی پڑتی ہے، غور کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ [illegible]
کے تعلقات کے دوسری قسم کے تعلقات ہندو مسلمانون کے کیسے اور کیا تھے، واقعات شہادت [illegible]
ہین کہ یہ تعلقات ہر لحاظ سے ہمدردی اور کشادہ دلی کا نمونہ تھے، ہندوؤن کی حکومت مین مسلمان [illegible]
سے خواہ وہ جنگی ہو یا ملکی، مذہبی ہو یا علمی، تاجرانہ ہو یا حاکمانہ عزت اور اثر کے ساتھ زندگی بسر کرتے
تھے، اسلامی فتوحات سے بہت پہلے ملتان منصورہ دیبل مسلمان علما کے برکات سے مشرف ہو چکے تھے
منجملہ اُن کے ایک ابو المعشر نجیح سندھی اس پایہ کے امام تھے کہ خود اولو العزم عباسی خلیفہ [illegible]
نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، اسی عہد مین ابو عطا شاعر بھی تھا۔

اس باب مین دلچسپ بیان اُن اسلامی فرقون کا بھی ہے جو اس زمانے مین [illegible]
اُن فرقون کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، جو آج بھی صوبہ بمبئی مین موجود ہین۔

آج تبلیغ کی گرمی ہنگامہ کے سلسلہ مین باب ہذا کا وہ بیان پڑھنے کے قابل ہے [illegible]
حضرت زکریا ملتانی، حضرت سید جلال بخاری قدس سرہما کے فیوض تبلیغی کا ذکر ہے۔ [illegible]
شیخ الاسلام پیدا ہو جائے، تو رنگ ہی دوسرا ہو جاتا ہے، سومریون کے متعلق [illegible] پڑھنے
کے لایق ہے،

عالم خطیب نے ایک دوسرے میدان قلم مین بھی اپنی محققانہ [illegible] کا ثبوت دیا ہے [illegible]
زاید مقام پر یورپین علمار کی غلطیون پر گرفت کی ہے، اور ان کو صحیح [illegible] دکھایا ہے۔

اس سلسلے مین یہ کہنا ہم ضروری خیال کرتے ہین کہ یہان یک [illegible]

[illegible] صفات لرنے لیے راہی پر ٹوکے، وہان یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ پیرایہ اعتراض [illegible] سی کا واہمہ پیدا نہ ہو، مثلاً کسی کی راے کی نسبت کہنا کہ "قطعاً غلط ہے" [illegible] علامہ شبلی مرحوم کی تحریرون مین بھی ہے، جس خیال یا راے کو غلط سمجھتے ہین اُس [illegible] گمان ہے، کہ یہ سرسید مرحوم کی صحبت کا اثر تھا، تفسیر احمدی مین مفسرین [illegible] الفاظ سے یاد کیا ہے، وہ بین ثبوت ہے، آخر مین ہم مکرر ہندوستانی اکیڈیمی خصوصاً [illegible] سپرو کو مبارکباد دیتے ہین کہ ان کی سعی سے ملکی ادب مین ایسی نادر کتاب [illegible] عرب و ہند کے تعلقات" ہے،

ارض القرآن

[illegible] اول:- عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ [illegible] سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجود [illegible] تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، ضخامت ۴۲۴ صفحے، قیمت ۴ ع

ایضاً حصۂ دُوم

[illegible] جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، [illegible] اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان، اور [illegible] بحث،

[illegible] ۲۴۰ صفحے، قیمت ۱۲ ع

مطبوعاتِ جدیدہ

شوپنہار، مولفہ جناب احمد صدیق صاحب مجنون بی اے، شایع کردہ ایوان اشاعت گورکھپور، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی عمدہ، مجلد، صفحات ۱۲۰ قیمت مجلد [illegible]

اردو مین جدید فلسفہ کے متعدد ارکان کی تصنیفات کے ترجمے مع سوانح شایع ہو چکے ہین۔ [illegible] برکلے اور نٹشے کو شایع کیا ہے، اور ہیوم کا ترجمہ کرایا ہے، اب جناب مجنون گورکھپوری نے [illegible] شوپنہار کو اردو دان طبقہ سے روشناس کیا ہے، سب سے پہلے ایک مقدمہ ہے جسمین [illegible] تمام فلسفیانہ مذاہب کو نہایت اختصار اور تدریجی رفتار سے بیان کیا ہے تاکہ ناظرین شوپنہار [illegible] کی تدریجی منزل سمجھ سکین، ہمکو یہ ظاہر کرنے مین نہایت خوشی ہے کہ مولف مقدمہ نے فلسفۂ جدید [illegible] مذاہب کا نہایت ہی سنجیدہ مطالعہ کیا ہے، اور ہر چیز نہایت سوچ سمجھ کر [illegible] گو ایک یورپین فلاسفر ہے، مگر اس کا فلسفہ تمام تر پرانے ہندوستان کے [illegible] خیالات مین بسا ہے، اور اسی لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پر اپنشد اور یوگ کا بہت [illegible] واقعاتی دنیا کی یاس و ناامیدی مین اسکی روح کی مسرت اور [illegible] دوسرے فنون لطیفہ کے تخیلاتی عالم سے ہوئی ہے، لائق مؤلف نے [illegible] کو اس کے سوانح، اُس کے خیالات اور اُس کے فلسفہ کو نہایت خوبی سے سمجھا [illegible]

علاء الدین خلجی مؤلفہ جناب سلطان حمید صاحب [illegible] ایم اے [illegible] رائے صاحب رام دیال اگروال پبلشر الہ آباد، چھوٹی تقطیع [illegible] صفحات [illegible] مجلد قیمت [illegible]

خلجی ہندوستان کے وہ حکمران ہین جنھون نے ترک غلام بادشاہون کی سلطنت کا ہندوستان مین خاتمہ کرکے افغانی حکومت کی بنیاد ڈالی خلجی قبیلہ ترک و افغان کے بیچ مین ہے، اور صحیح یہ ہے کہ اس کا نسبی تعلق ترکون سے ہے، لیکن وطنی تعلق افغانستان سے ہے، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ تک یہ مسلمان تھے اور غزنویون کی فوج کے بہترین سپاہی تھے، اور اسی فوجی خدمت کے سلسلہ سے انکا تعلق ہندوستان کے ترک سلاطین سے تھا، اور آخر انکی کمزوری پر ساتوین صدی ہجری کے وسط مین خلجیون نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ مین لی علاؤالدین خلجی ان کے سلسلہ کا دوسرا فرمان روا تھا، فتوحات اور وضعِ قوانین کے لحاظ سے یہ یک ممتاز بادشاہ تھا، اور اسی لئے قابلِ قدر ہے، مؤلف نے ان صفحات مین اُس کے عہدِ حکومت پر انگریزی مین مختصراً نہایت عمدہ تبصرہ کیا ہے، اور گو ہر واقعہ پر حوالہ نہین دیا ہے، تاہم شروع مین اپنے ماخذون کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کے ماخذ عام طور سے فارسی کی اصل مطبوعہ کتابین ہین، انگریزی مورخین کی نقالی نہین، علاؤالدین کے ایک ایک اصلاحات کو مؤلف نے خوبی کے ساتھ لکھا ہے، اور اس کے عہد کے بزرگون کے مختصر حالات بھی دیئے ہین،

ملیبار، ملیبار (علاقہ مدراس) سے مسلمانون کا تعلق جتنا پرانا ہے، اتنا ہی اس کی پرانی تاریخ سے لوگ کم آگاہی ہے اُس کی تاریخ کے مواد اور معلومات بہت کم ملتے ہین، اور کتابون مین جستہ جستہ نظر آتے ہین ہمارے دوست حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ماہرِ آثارِ قدیمہ نے مختلف مقامات سے ان سے جغرافی اور تاریخی معلومات یکجا کرکے اس رسالہ مین پیش کئے ہین، اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے بھی اس کو شایع کیا ہے، گو یہ متفرق معلومات **معارف** مین اڈیٹر کے قلم سے کبھی کبھی شایع ہو چکے ہین، تاہم حکیم صاحب کے یہ یکجا کردہ معلومات و واقعات قدر کے قابل ہین، کہ اس ملک کی تاریخ کے متعلق یہ سب سے پہلا محققانہ مجموعہ ہے، قیمت ۱۰ر پتہ:- صدر دفتر کانفرنس سلطان جہان منزل علیگڈھ

انتخاب سودا، ہمارے نوجوان شاعر مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری نے چھوٹی

تقطیع کے سو صفحون مین سودا کی غزلون کا انتخاب کیا ہے، اور شروع مین نواب جعفر علی خان صاحب اثر نے سودا کے سوانح اور کلام پر پچاس صفحون مین تبصرہ کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے دیوانون کے خرمن سے چند گران قیمت دانون کو چنکر اٹھانا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ پر گو شاعرون کے بھی فضل و کمال کا جوہر جو اس انبار مین چھپ کر گم ہوجاتا ہے، اُس کا اندازہ انھین منتخب دانون سے لگایا جاسکتا ہے، ورنہ رطب و یابس مین ہر نظر اصلیت کا پتہ نہین لگا سکتی، اس لحاظ سے ثاقب صاحب کا یہ کام ہماری شکر گذاری کا مستحق ہے، نواب اثر کا مقدمہ بھی اپنے اختصار کے باوجود دلچسپ و مفید ہے، قیمت شاید عہ رہو، پتہ مکتبۂ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

فہرست کتبخانۂ مشرقی پٹنہ، مولفۂ مولوی عبد المقتدر صاحب، شایع کردہ گورنمنٹ پریس پٹنہ، پتہ:۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب گورنمنٹ پریس پٹنہ،

یہ جلد ابھی چھپ کر شایع ہوئی ہے، یہ سلسلہ کی سترہوین جلد ہے، اسمین متفرق مضامین کے مختلف فارسی قلمی رسائل کا حال درج ہے، مولوی عبد المقتدر صاحب کتبخانہ مذکور کے فارسی فہرست نویس کی تحقیقات کا نتیجہ ہے، مولوی صاحب نے اس سلسلہ فہرست کی ترتیب و تدوین و تحقیق مین جو محنت و کاوش کی ہے، اُس کی داد اکثر مشرقی اور مغربی فاضلون نے وقتاً فوقتاً دی ہے، یہ مجموعہ چھوٹے چھوٹے رسالون کی فہرست پر مشتمل ہے، تاہم ایسے بے نام کے مختصر رسالون کی کیفیت اور ان کے مصنفون کا پتہ لگانا بہت ہی مشکل کام تھا مولوی صاحب نے جہان تک ممکن تھا اس کو خوبی اور محنت سے انجام دیا ہے،

"س"

جلد بست و ششم ۲۶ | ماہ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء | عدد ۶ ششم

مضامین

شذرات

ماہ رواں ہندوستان مین علمی وتعلیمی مجلسون کے لیے کچھ مخصوص سا ہوگیا، پٹنہ مین شرقی علوم وفنون کی بزم (آل انڈیا اورینٹل کانفرنس) اسناد تاریخی کی مجلس (ہسٹاریکل ریکارڈ کانفرنس) کے کامیاب جلسے ہوئے، شرقی کانفرنس کی تاریخین ۱۷، ۱۸، ۱۹ اور مجلس اسناد تاریخی کی تاریخ ۲۲-۲۳ دسمبر تھین، آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس (ایشیا کی تعلیمی انجمن) اور اسلامی تعلیمی کانفرنس مہینہ کے آخر مین بنارس مین منعقد ہونگی، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور بنارس دونون بودھ تعلیم کے مرکز ہین، اور اسلیئے باہم مدت دراز سے قرب کی نسبت رکھتے ہین،

پٹنہ، دہلی و لکھنؤ وجونپور کے بعد اسلامی شرقی علوم کا چوتھا گہوارہ [illegible] جہان سے شیراز پورب کی آخری حد ہے، اس لیے یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ امسال شرقی کانفرنس کے جلسے [illegible] شرقی علوم کے صیغہ مین خاصی چہل پہل رہی، عربی اور فارسی اور اردو کی نشستین [illegible] بارونق رہین، اور اس کامیابی کا تعلق جہان شہر عظیم آباد (پٹنہ) کی عظیم الشان [illegible] وہان جناب مولوی ریاض حسن خان صاحب دانش وخیال نائب صدر مجلس استقبالیہ کی [illegible] اور خوش انتظامی کو بھی ہے

امسال عربی وفارسی کے صیغہ مین کئی مضامین تھے، [illegible] یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ علوم وفنون قدیمہ کے پرانے خادم (علماء) اپنی پرانی وضعون مین اور ان علوم و [illegible] کے نئے [illegible] کہ ان علوم شرقیہ کو اپنی نئی شان مین پہلو بہ پہلو بیٹھکر داد تحقیق دے رہے تھے، [illegible] دونون جماعتون کی باہمی وحشت وتنافر کے جذبات کم ہو رہے تھے۔

عربی و فارسی کے صیغہ کے صدر شمس العلماء مولوی ہدایت حسین صاحب (مدرسہ عالیہ کلکتہ) اور ارکان مین پروفیسر محمد شفیع صاحب ایم اے (لاہور یونیورسٹی) ڈاکٹر عبد الستار صدیقی (الہ آباد یونیورسٹی) ڈاکٹر زبیر صدیقی (کلکتہ یونیورسٹی) ڈاکٹر مرزا (لکھنؤ یونیورسٹی) پروفیسر عندلیب شادانی ایم اے (ڈھاکہ یونیورسٹی) ڈاکٹر عبد الحق اور ڈاکٹر نظام الدین (حیدرآباد یونیورسٹی) ڈاکٹر عظیم الدین (پٹنہ یونیورسٹی) مولانا عبد العزیز صاحب میمن (مسلم یونیورسٹی) مولانا عبد الرحمن صاحب (دہلی یونیورسٹی) مولنا عبد السبحان صاحب (مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) مولانا سید مظفر الدین ندوی ایم اے (اسلامیہ کالج کلکتہ) ہنگرین فاضلِ مشرقیات ڈاکٹر گرمانوس (شانتی نکیتن بولپور) اور سید سلیمان ندوی (دار المصنفین) کے نام اسوقت مستحضر ہین،

اردو صیغہ مین ڈاکٹر صلاح الدین خدابخش صدر، اور ارکان مین مولوی عبد الحق صاحب ناظم انجمن ترقی اردو و پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی) اور قاضی عبد الودود صاحب بیرسٹر ممتاز افراد تھے، صدر کا خطبہ گو انگریزی مین تھا مگر اردو کی تاریخ کا اچھا خلاصہ تھا، اور خصوصًا اس تاریخ مین عظیم آباد کو جو مناسب حصہ دیا گیا تھا، وہ گذشتہ مورخین ادب اردو کی تلافی مافات کے لیے ضروری تھا، قاضی عبد الودود صاحب نے مصحفی پر ایک مبسوط تبصرہ اردو مین لکھا تھا، سید الحق دیسنوی طالب العلم بی اے پٹنہ کالج نے "اردو کے موجودہ رجحانات" پر دلپسند مضمون پڑھا،

مجلس اسناد تاریخی (ہسٹاریکل ریکارڈ سوسائٹی) کے صدر امسال مشہور بنگالی مورخ سر جدو ناتھ سرکار تھے، معزز ین مین ڈاکٹر سنہا (ڈھاکہ یونیورسٹی) سر کانٹن، اور مولوی عبد العلی صاحب وغیرہ تھے، سر کانٹن کا مضمون عجیب تھا، یعنی پٹنہ مین انگریزون کا "قتل عام" اس دردناک سانحہ کی تاریخ موجودہ زمانہ مین بالکل غیر مناسب تھی، کیا کوئی ہندوستانی مورخ ایسا نہ تھا جو صوبہ بہار کے حصول کی ناروا انگریزی کوششون کا راز طشت از بام کرتا، اس مجلس مین مسلمانون کی شرکت کی کمی عام طور سے محسوس کیجا رہی تھی، ہمارے مسلمان پروفیسرون اور مورخون کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس مجلس کے ذریعہ

مقالات

ہندوستان آٹھویں صدی ہجری میں

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دارالمصنفین

ابوالعباس احمد قلقشندی (متوفی ۸۲۱ھ) کی مشہور کتاب صبح الاعشیٰ عربی علم ادب مین لازوال شہرت رکھتی ہے، اس کا موضوع فن انشار ہے، لیکن اس انشار سے مقصود انشا پردازی نہین ہے جیسا کہ اب سمجھا جاتا ہے بلکہ اُس مجموعۂ علم وفن سے مقصد ہے جس کی واقفیت ایک شاہی سکریٹری کے فرائض بجا لانے کے لیے ضروری ہے، اور اس لیے مصنف نے اہل انشار کی عام علمی وعملی ضروریات کے اقتضاء کے لحاظ سے اس کتاب کی ترتیب و تدوین مین ایک ایسا وسیع راستہ اختیار کیا، جس کے بدولت اسکی یہ تصنیف نہ صرف فن ادب کا ایک گرانمایہ تحفہ بنی، بلکہ مختلف علوم وفنون کا بھی ایک دلآویز مجموعہ بنگئی ہے، یہ کتاب تاریخ وسیر بھی ہے، اور لغت وادب بھی، تفسیر و حدیث بھی ہے، اور فقہ و اخبار بھی، عالم اسلامی کا جغرافیہ بھی ہے، اور اسلام کی تمدنی ترقیون کا حقیقی آئینہ بھی، فن انشار کے اصول و قوانین، مختلف ممالک اسلامی مین اس کے مختلف حالات وکیفیات، زبان عربی کی تمام خصوصیات در عہد جاہلیت سے آٹھوین صدی ہجری تک تمام عالم اسلامی مین اسکی تدریجی نشر واشاعت، دیوان انشار کا قیام اور اسی مناسبت سے خلافت اسلامیہ کا تعارف، خلافت کے اصول وشرائط، خلفاے اسلام کے مفصل

حالات، تمام عالم اسلامی مین انکا نفوذ و اثر، اور پھر اسی ضمن مین مشرق و مغرب کے تمام ممالک [illegible]

ان کی حکومتون کا اجمالی تذکرہ، اور خصوصاً مختلف ممالک کے تہذیب و تمدن، معاشرت [illegible]

حالات نہایت اختصار اور جامعیت سے مرتب کئے گئے ہین،

اس لیے یہ کتاب کیا ہے گویا ایک بحرِ ذخار ہے، اگر موقع ملا تو کبھی تفصیل سے اس کا مفصل [illegible]

مین پیش ہوگا، لیکن سردست ہمین اس موقع پر اس کے اس ٹکڑے کو سامنے لانا ہے جس مین [illegible]

کے ذیل مین ہندوستان کے عام حالات بیان کئے گئے ہین،

صبح الاعشیٰ کا مصنف قلقشندی مصر کا رہنے والا تھا، وہیین دیوان انشا کا [illegible]

مین قلقشندہ (ولایت مصر) مین پیدا ہوا، اور [illegible] سے اسکی علمی و عملی زندگی کا [illegible]

مصر سے متوسل ہوا، اور اسی عہد مین اس نے صبح الاعشیٰ کی تالیف کی ابتدا کی، [illegible]

اس لئے قلقشندی نے ممالک اسلامیہ کے ذیل مین ہندوستان کے [illegible]

آٹھوین صدی ہجری سے متعلق ہین، ہندوستان کے یہ حالات یہان کی کوئی مرتب تاریخ [illegible]

ہین بلکہ اس نے سرزمین ہند کا نقشہ کھینچکر اس کے ایسے خدوخال نمایان کئے ہین [illegible]

صحیح آئینہ بنگیا ہے جس مین اس کے عام تہذیب و تمدن و معاشرت کا پتہ چلتا ہے، [illegible]

کے نظام و طریقِ حکومت کا ایک ایسا خاکہ کھینچ گیا ہے، جو ہندوستان کی [illegible]

مین نظر نہین آتا،

اس لیے قدرتی طور پر ہندوستان کے ان حالات کے متعلق قلقشندی کے [illegible]

کے جغرافیہ کی کتابین اور دوسرے ہندوستان کے بعض ایسے اہل علم [illegible]

پہنچے تھے، ہندوستان کے اہل علم مین سے شیخ مبارک بن محمود الانباتی [illegible]

الہندی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہین، یہ وہ زمانہ تھا جب محمد تغلق [illegible]

اور اس تعلق سے مصر و ہند مین گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے،

قلقشندی نے ہندوستان کے اس تذکرہ مین اولاً یہان کا مفصل جغرافیہ دیا ہے، اس ضمن مین یہان کے شہرون خصوصاً پایہ تخت دہلی کے حالات نہایت دلچسپ ہین، پھر ہندوستان کے اقتصادی مباحث ہین، اس مین یہان کی عام پیداوار، حیوانات، صنعت، حرفت اور تجارت وغیرہ کے تذکرہ کے ساتھ یہان کے سکے اور نرخ وغیرہ کو تفصیل سے درج کیا ہے، پھر سلاطین اسلام کا ذکر ہے، اور محمد بن تغلق شاہ کا تذکرہ کرکے اس کے عہد کے مفصل نظام حکومت کو پیش کیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ اسی کے طرز حکومت اور لوازم شاہی کو تفصیل سے دکھایا ہے،

ہندوستان کے ان حالات کا آغاز "القطر الرابع" سے شروع کرتا ہے، اولاً ہند کا اجمالی تعارف عرب جغرافیہ نویسون صاحب مسالک الابصار، اور صاحب تحفۃ الالباب محمد بن عبد الرحیم اندلسی وغیرہ کے ان اقتباسات سے کرایا ہے، اور پھر شیخ محمد بن محمود ابناتی کا بیان پیش کیا ہے، سب سے پہلے صاحب مسالک الابصار کا بیان پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"ہندوستان ایک عظیم الشان مملکت ہے، اس کے حدود کی وسعت، دولت و ثروت کی بہتات، اور فرمانروایان ہند کا جاہ و حشم، شان و شوکت، لاؤ لشکر، اور خدم و حشم تمام روئے زمین مین یکتا و یگانہ ہے، یہی وہ خطۂ ارض ہے جس کے سمندر موتیون سے بھرے ہوئے، طبقات زمین سونے کی کانون سے پٹے ہوئے، پہاڑ یاقوت والماس سے مالامال، وادیان عود کافور سے بھرپور، اور جنگل ہاتھی اور گینڈے سے بسے ہوئے ہین، یہین کی ہند تلوارین اپنی آبداری مین روز ازل سے مشہور ہین، اور پھر نرخ کی ارزانی، لشکر کی غیر محدود تعداد، اور باشندگان ہند کا علم و حکمت اور دانائی و فرزانگی تعارف سے مستغنی ہے"

قلقشندی نے ہندوستان کو دو اقلیمون، اقلیم سندھ اور ہند مین تقسیم کیا ہے، پہلے اقلیم سندھ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

اقلیم سند اقلیم سندہ کے حدود اربعہ یہ ہین،

مغرب مین حدودِ کرمان اور صحراے سجستان، جنوب مین صحراے مابین کرمان و بحر ہند، مشرق [illegible]

بحر فارس اور شمال مین حدود ہند،

منصورہ پایۂ تخت سندھ سندہ کا پایۂ تخت منصورہ ہے، یہ سندھ کا مشہور ترین شہر ہے، اس کا قدیم [illegible]

ہے، منصورہ کی وجہ تسمیہ مختلف بیان کیجاتی ہے، بعض لوگون کا بیان ہے کہ جب اسلامی لشکر [illegible]

ہوا تو سپہ سالار کی زبان سے "نُصرنا" نکلا اور پھر اسی لفظ سے "منصور" اور منصورہ [illegible]

لیکن مہلبی کی روایت اس سے بالکل جداگانہ ہے، یعنی یہ کوئی قدیم شہر نہین بلکہ خلیفۂ عباسی [illegible]

مین عمر بن حفص المعروف بہ ہزار مرد نے اس کو آباد کیا، اور اسی نے خلیفۂ وقت کے نام سے [illegible]

لیکن مؤخر الذکر روایت صحیح نہین ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر مفصل بحث کی [illegible]

سے یہ بنی امیہ کے زمانہ مین محمد بن قاسم کے لڑکے عمرو کے ہاتھون تعمیر پاچکا تھا، (تفصیل [illegible]

ہند صفحہ ۳۴۴)

یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے، طول بلدہ ۷ درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض ۲۲ درجہ [illegible]

مہران کی خلیج اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، جس سے ایک جزیرہ کی شکل پیدا ہوگئی ہے [illegible]

کی آب و ہوا نہایت گرم ہے، درخت بہت کم اوگتے ہین، صرف کھجور اور گنے وغیرہ کی پیداوار [illegible]

سیب کے مانند ایک پھل نہایت ترش ہوتا ہے جو "الیمومہ" کہا جاتا ہے۔

سندھ کے شہر اقلیم سندھ مین چند شہر خاص امتیاز رکھتے ہین، [illegible]

شہرت دیبل، بیرون، سدوسان، ملتان اور آز ور وغیرہ کو حاصل ہے۔ دیبل [illegible]

سے ۶ منزل پر واقع ہے، شہر کچھ زیادہ بڑا نہین، گرمی سخت پڑتی ہے [illegible]

قائم ہین، بصرہ سے کھجورین آتی ہین، اور یہان سے "متاع دیبل" بھیجی جاتی ہے [illegible]

زیادہ ہے، **بلیرون**، یہ دیبل اور منصورہ کے درمیان مین ہے، یہان مسلمانون کی خالص آبادی ہے، ابوریحان بیرونی صاحب کتاب الہند اسی طرف شرف انتساب رکھتا ہے، لیکن قلقشندی کا یہ بیان صحیح نہین ہے، یہ شہر بیرون نہین، نیرون ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "عرب وہند" مین یہ تحقیق کی ہے (عرب وہند ص ۳۹۹) الفنسٹن صاحب کی تحقیق کے روسے حیدر آباد سندھ کا قدیم نام نیرون تھا، ابوریحان بیرونی ہندی نہین، خوارزمی تھا، البیرونی کا یہ انتساب خوارزم کے "بیرونی تعلق" کو ظاہر کرتا ہے، سمعانی اپنی کتاب الانساب مین لکھتا ہے،

هذه النسبة الى خارج خوارزم فان بها من يكون من خارج البلد ولا يكون من نفسها يقال له فلان بيرونی يقال فلان بيرونی ست والمشهور بهذه النسبة ابی ريحان المنجم البيرونی (ورق ۹۰)

یہ نسبت خارج خوارزم کی طرف ہے، وہان جو شخص شہر سے باہر رہتا ہو، اور اندرون شہر کا نہ ہو اس لیے کہا جاتا ہے کہ "یہ بیرونی ہے" یعنی فلان بیرونی است، اور ابوریحان منجم بیرونی اسی طرف منسوب ہے،

سدوسان، یہ دریاے مہران کے مغرب مین نہایت خوبصورت شہر ہے، مضافات مین اچھے اچھے گاؤن آباد ہین، **مولتان**، اکثر کتابون مین واؤ کے ساتھ "مولتان" لکھا ہوا ہے، اور بعض لوگ "ملتان" بھی لکھتے ہین، اسکو ابوریحان بیرونی نے سندھ مین اور ابن حوقل نے ہند مین شمار کیا ہے، یہ منصورہ سے چھوٹا شہر ہے، ملتان کے ماتحت ایک لاکھ چھبیس ہزار قریے آباد ہین، اس کے ایک طرف مکران کی سرحد ہے اور دوسری طرف منصورہ کی سرحد، اس کے اور غزنی کے درمیان صرف ۶۰ فرسخ کا فاصلہ ہے، **اذور** یہ تقریبًا ملتان ہی کے برابر شہر ہے، اس مین دو شہر پناہ قائم ہین، دریاے مہران پر واقع ہے، اسکی آبادی خالص اسلامی ہے، منصورہ کے ماتحت ہے، دونون کے درمیان ۲۰ فرسخ کا فاصلہ ہے، غالبًا اس کا صحیح نام الور ہے اور عربون نے کہین اسکو الرور بھی لکھا ہے، (دیکھو عرب وہند کے تعلقات)

اسی طرح اقلیم سندھ مین چند دوسرے مشہور شہر مکران، تیز، طوران، دربند وغیرہ ہین جن کے مفصل حالات صاحب صبح الاعشیٰ نے تفصیل سے لکھے ہین،

اقلیم ہند اقلیم دوم، اقلیم ہند ہے، تقویم البلدان مین اس کے حدود اربعہ یہ ہین،

مغرب مین بحر فارس، جنوب مین بحر ہند، مشرق مین صحرائے مابین ہند و چین، تقویم البلدان مین اسکی شمالی سرحد مذکور نہین، لیکن مسالک الابصار مین اس کے شمال مین بلاد ترکستان کو بتایا گیا ہے،

دریا یہان چھوٹے بڑے تقریبًا ایک ہزار دریا ہون گے، جنمین سے بعض دریائے نیل کے برابر وسیع ہین اور بعض اس سے چھوٹے ہین، یہان کے بڑے بڑے شہر بالعموم کسی دریا کے ساحل پر آباد ہین،

آب و ہوا یہان کی آب و ہوا اور موسم نہایت معتدل ہے، نہ زیادہ سرد ہے، نہ زیادہ گرم، بلکہ اس کا ہر ایک موسم گویا فصل بہار ہے، ہمیشہ نہایت لطیف اور خوشگوار ہوائے جھونکے چلتے رہتے ہین، چار مہینے مسلسل بارش ہوتی ہے، جو بالعموم موسم گرما کے بعد اس کے آخر مین شروع ہو جاتی ہے،

پایۂ تخت حکومت ہند کے دو پایۂ تخت ہین، ان مین سے پہلا پایۂ تخت دلی ہے، اور دوسرا دوگیر (دیوگیر) دکن جہان محمد تغلق نے اپنے زمانہ مین پایۂ تخت کو منتقل کیا تھا، **دلّی** ہندوستان کا پہلا پایۂ تخت ہے، اسکو دہلی بھی کہتے ہین، یہ ہفت اقلیم مین سے اقلیم چہارم مین واقع ہے، طول [illegible] درجہ [illegible] دقیقہ اور عرض ۳۵ درجہ ۵۰ دقیقہ ہے،

یہ روئے زمین کا ایک بہت بڑا شہر ہے، یہان کی زمین پتھریلی ہے، [illegible] کی فصیل [illegible] جو حماۃ کی فصیل سے (جو دنیا کی بڑی فصیلون مین سمجھی جاتی تھی) بھی زیادہ بڑی ہے، دریا (جمنا) سے کچھ دور آباد ہے، یہان سے تقریبًا ایک فرسخ پر ایک [illegible] ہے، [illegible] گرمیون کے زمانہ مین بارش ہوتی ہے، باغ زیادہ نہین ہین [illegible] **جامع مسجد** مین ایک مینار ہے، جو تمام دنیا مین [illegible] جس مین

تقریباً ۳۰۰ سیڑھیاں ہیں خصوصاً اس کی بلندی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو تقریباً اسکندریہ کے مینار کے برابر ہوگی، شیخ برہان الدین بن خلال بزی کوفی کا بیان ہے کہ یہ ۶۰۰ فیٹ بلند ہے۔

دلّی دراصل متعدد شہروں کے مجموعہ کا نام ہے، ان کی مجموعی تعداد ۲۱ ہے، ان میں سے ہر ایک شہر کے لیے جداگانہ نام ہیں، ان میں ایک دلّی بھی ہے، پھر سب کے مجموعہ کو بھی دلّی کہتے ہیں،

پوری دلی تقریباً ۴۰ میل کے دور میں ہوگی، یہاں کے مکان پتھر اور اینٹ کے ہوتے ہیں، چھتیں لکڑی کی ہوتی ہیں، سڑکوں پر سنگ مرمر کی طرح کا ایک قسم کا سفید پتھر بچھایا گیا ہے، مکان بالعموم دو منزلہ سے زیادہ نہیں ہوتے، بلکہ اکثر مکان یک منزلہ ہیں، مکانوں میں سنگ مرمر بچھانے کا حق بجز سلطانِ دلّی کے اور کسی کو حاصل نہیں،

مدارس، اسپتال اور خانقاہیں

یہاں **ایک ہزار مدارس** قائم ہیں جنمیں سے صرف ایک مدرسہ **شافعیوں** کا ہے، بقیہ تمام مدرسے **احناف** کے ہیں، اسی طرح **۷۰ اسپتال** ہیں، جو دار الشفا کہے جاتے ہیں، تقریباً **دو ہزار خانقاہیں** ہیں، یہاں زائرین کا اژدہام لگا رہتا ہے، بازار نہایت کشادہ اور وسیع ہیں، جابجا حمام قائم ہیں،

شاہی محل

دلّی سارے ہندوستان کا دار السلطنت اور سلطان ہند کی جائے قیام ہے، مستقر سلطانی نہایت عالیشان ہے، ایک وسیع سلسلۂ محلات قائم ہے جنمیں سلطان اور حرم سلطانی کے جداگانہ مسکن ہیں، اسی طرح سلطان کی خواص، اور دوسرے پیش خدمتوں کے لیے بھی نہایت خوبصورت عمارتیں ہیں، خوانین و امراء کو مستقر سلطانی میں رہنے کی اجازت نہیں، اور نہ محل خاص میں بجز اجازت خاص اور کار خاص کے کبھی کوئی باریاب ہو سکتا ہے، اگر کبھی ضرورت پیش آتی ہے، تو لوگ شاہی محل میں بلائے جاتے ہیں، اور کام کے ختم ہوتے ہی لوٹ آتے ہیں، شاہی محل کے تین طرف مشرق، جنوب اور شمال میں گرداگرد خوبصورت باغ لگے ہوئے ہیں، اور مغرب کی طرف ایک پہاڑی کے خوشنما

قدرتی مناظر ہین،

دواگیر (دیوگیر) یہ ہندوستان کا دوسرا پایہ تخت ہے، دواگیر (دیوگیر) نام کا ایک قدیم شہر تھا، اسکو محمد تغلق شاہ نے نئے سرے سے تعمیر کرانا شروع کیا، اور "قبۃ الاسلام" نام رکھا لیکن اپنے حین حیات مین اسکو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا،

محمد بن تغلق شاہ نے اس کی بنا ایک بالکل جدید طریقہ پر ڈالی تھی مختلف قسم کے لوگون کے لیے جداگانہ محلے قائم کئے تھے، مثلاً فوج کا ایک مخصوص محلہ تھا، وزراء کے لیے ایک جداگانہ محلہ، اہل انشاء کے لیے ایک الگ آبادی، اور پھر اسی طرح قضاۃ، علماء، مشائخ، اور فقراء کے لیے الگ الگ محلے قائم کئے گیے تھے، پھر ہر ایک محلہ کے باشندون کی ضروریات کی مناسبت سے جدید حمام اور بازار کا مختلف اسلوب پر اہتمام کیا گیا تھا اور ہر محلہ مین مختلف کاریگر، و [illegible] انگریز، رنگساز، نجار، اور دباغ وغیرہ بسائے گئے تھے تاکہ کسی ایک محلہ کے رہنے والون کو دوسرے محلہ مین جاکر خرید و فروخت کرنے کی ضرورت باقی نہین رہے، گویا ان مین سے ہر ایک محلہ اپنی جگہ مستقل ایک چھوٹا [illegible] تھا،

ہندوستان کے تین خطے | اس کے بعد مصنف نے سارے ہندوستان کی [illegible] تین قسمون در خطون مین تقسیم کیا ہے، قسم اول بلاد و جزرات [illegible] قسم دوم [illegible] [illegible] قسم سوم [illegible] معبر [illegible]

قسم اول کے ممتاز شہرون مین نہلواڑہ [illegible] کھنبایت [illegible] سومنات [illegible] سندان، ناگور، جالور، اور منوری کو شمار کیا ہے پھر ان مین سے ہر ایک کا حال [illegible] کے ذریعہ سے اور ہر ایک کے اہم خصوصیات بتائے ہین،

نہلوارہ [illegible]

کھنبائت کے متعلق [illegible]

کے ہین، اور شہر مین سپید سنگ رخام بچھے ہوئے ہین، اسی طرح **تانہ** (تھانہ نزد بمبئی) کے متعلق کہتا ہی یہ نہایت تجارتی شہر ہے، اسکی زیادہ آبادی ہندوؤن پر مشتمل ہے، اور مسلمان بھی ان کے ساتھ رہتے ہین، عرب تاجرون کی یہان کثرت سے آمد و رفت ہے، اور اسی لیے اس کا نام تاجرون کے طبقہ مین ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، "تانشی" (تانجی ؟ شاید کہ یہ نام ناسک ہو) سے اس کی نسبت کو ظاہر کرتے ہین ہندوستان کا مشہور کپڑا "ثیاب تانشیہ" یہین بنا جاتا ہے، **سومنات** کے متعلق کہتا ہے، اسکو بھی تجارتی حیثیت حاصل ہے، اور یہ زیادہ تر "بلاد لار" کے نام سے مشہور ہے، اسکی زیادہ شہرت اُس بت کی وجہ سے ہے، جسکو محمود بن سبکتگین نے فتح کے وقت توڑ ڈالا تھا، پھر اسی طرح **سندان، ناگور، جالور** اور **منوری** کے حالات بیان کئے ہین، **جالور** کے متعلق کہتا ہے، یہان کی آبادی نہایت وفا شعار ہی، کہا جاتا ہو کہ جالور نے سلطان دلی سے کبھی بغاوت نہین کی،

قسم دوم **بلاد مینبار** (ملیبار) کے مشہور شہرون مین ہنور، باسرور، منجرور (مگلور) تمدیور، شالیات (چالیات) ششکلی اور کولم (موجودہ ٹراونکور مین داخل ہی) وغیرہ ہین، آخر الذکر شہر مین مسلمانون کا ایک مخصوص محلہ ہے، جس مین جامع مسجد بھی ہے، ورنہ اکثر شہرون مین ہندو آباد ہین اور اکثر شہر بھی غیر مسلم فرمانرواؤن کے قبضہ مین ہین، مینبار (مالابار) کا پورا خطہ نہایت سرسبز و شاداب ہے، باغ بکثرت ہین، اور ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے ہین، اس کے تجارتی تعلقات بھی دوسرے ممالک سے بہت اچھے ہین اور مسافرون اور تاجرون کی عام آمد و رفت جاری رہتی ہے،

بلاد معبر مین چند مشہور شہر ہین جنمین **بیرداول** (بیردھول) کو زیادہ شہرت حاصل ہے، یہی یہان کا پایہ تخت ہے، یہان گھوڑون کی درآمد بہت زیادہ ہے،

ہندوستان کے ان تین خطون کے ماورا چند شہر رہجاتے ہین، اور وہ بھی قابل ذکر ہین، ان مین سے ماہورہ (متھرا) لوہور (لاہور) اور قنوج خصوصیت سے قابل تذکرہ ہین، **ماہورہ** (متھرا) کے سر بفلک

قلعے بہت شہرت رکھتے ہین، انھین زیر کرنا سخت دشوار ہے، یہان خالص برہمنون کی آبادی ہے، لوہور (لاہور) بہت بڑا شہر ہے، اور بہت کچھ نفع بخش ہے، یہان سے ممتاز اہل علم کی ایک جماعت پیدا ہوئی ہے، قنوج، لہاور (لاہور ؟) کا دار الحکومت ہے، ہندوستان کے بڑے شہرون مین شمار کیا جاتا ہے، لوگون مین اسکی آبادی اور دولت وثروت کے متعلق مبالغہ آمیز داستانین مشہور ہین، کہا جاتا ہے کہ یہان تین سو بازار صرف جوہریون کے ہین، والی قنوج کے محل کے سامنے ڈھائی ہزار ہاتھی جھومتے رہتے ہین، سونے کی کانین بکثرت ہین، تجارت کا عام بازار گرم رہتا ہے، کشمیر اسی کے ماتحت ہے[1]،

اسی طرح ہندوستان کا ایک خطہ قامرون (کامروپ یعنی آسام) کے پہاڑون سے گھرا ہوا ہے، یہ پہاڑ سلسلہ کوہ ہے جو ہندوستان اور چین کے درمیان حائل ہے (سلسلۂ کوہستان ہمالیہ سے مقصود ہے)

ولایات ہند | حکومت ہند کی تقسیم مین ہندوستان کل ۲۳ قسمون (صوبون) مین منقسم ہے، [illegible] یہ سب اقلیم (دہلی) کے ماتحت ہین، قاضی سراج الدین ہندی نے سب کو نام بنام گنایا ہے، وہ یہ ہین، تقسیم دہلی، تقسیم دوگیر (دیوگیر) اقلیم ملتان، کہران (کہکران علاقہ سرحد) سیوستان، سیستان، [illegible] سرستی [illegible] معبر (کارومنڈل) تلنگ ( ) گجرات (گجرات) [illegible] [illegible] قنوج، لکنوتی (بنگال) بہار (بہار) کرہ (کڑا یعنی دوآبہ الہ آباد) مالوہ (مالوہ) لہاور (لاہور یعنی پنجاب) جاجنگر (جاجنگر) مونگیر وغیرہ) تلنج (تلنگ) اور ۲۳ وین اقلیم دوارسمندر (جہان اب [illegible] ریاست واقع ہے)

پھر ان تمام اقلیمون مین ایکہزار دو (۱۰۰۲) شہر آباد ہین [illegible] ان شہرون مین کس قدر قریے ہین، اس کے اعداد وشمار معلوم نہین، البتہ قنوج کے متعلق معلوم ہے کہ [illegible] ماتحت [illegible] (۱۲۰) لک (لاکھ) ہین، اور پھر ہر ایک لک مین ایک ایک لاکھ قریے ہین گویا [illegible] قنوج [illegible] (۲ ارب ۱۲ کروڑ) لاکھ گاؤن آباد ہین،

---

[1] یہ حالات مصنف نے کسی ابتدائی عربی جغرافیہ کی کتاب سے [illegible] پہنچے تھے،

اس کے بعد قلقشندی نے جزائر ہند اور ہندوستان کے راستون کا ذکر کیا ہی، پھر اس جغرانی تقسیم کے بعد یہان کے حیوانات اور عام پیداوار وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہی، ان حالات مین سب سے دلچسپ بیان یہان کے جانورون کے متعلق ہی، لکھتا ہے،

حیوانات یہان گھوڑون کی دو نسلین ہین، ایک عربی اور دوسری براذین (معمولی گھوڑے) لیکن ان مین سے اکثر جانور بیکار ہوتے ہین، اور اسی وجہ سے ہمسایہ ملکون ترکستان، بحرین، یمن اور عراق وغیرہ سے گھوڑے منگائے جاتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان مین عربی گھوڑے بڑی بڑی قیمتون پر فروخت ہوتے ہین،

خچر اور گدھون کا ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق باشندگان ہند کی مخصوص ذہنیت کا اسطرح تذکرہ کیا ہے،

یہان خچر اور گدھے ہوتے ہین، لیکن ان کی سواری معیوب ہے، اگرچہ عوام کبھی کبھی سوار ہو جاتے ہین، لیکن معززین اور اہل علم مین سے کوئی کبھی بھی خچر پر سوار نہین ہوتا، لیکن گدھے کی سواری تو سخت ذلت آمیز اور باعث ننگ سمجھی جاتی ہے، اس لیے یہ بجز بوجھ اٹھانے کے کسی کام مین نہین لائے جاتے، اور معززین اور خواص کے طبقے تو گدھون کو باربرداری کے کام مین لانا بھی پسند نہین کرتے، گدھون کے بجائے دیسی گھوڑے اور بیل پر بوجھ لادتے ہین،

گائے بیل بھی کثرت سے ہین، اور کامون کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادتے ہین، اونٹ کم ہوتے ہین صرف سلاطین، خوانین، امرار، وزرار اور اکابر سلطنت کے یہان بطور شان امتیاز ہوتے ہین،

چوپایہ جانورون مین ان کے علاوہ بھینس، بکری، مینڈھا ہے، پرندون مین مرغیان، کبوتر، اور وحشی جانورون مین ہاتھی اور گینڈے کثرت سے ہین، اور ان کے علاوہ جنگلون مین ہر قسم کے درندے بھی پائے جاتے ہین،

اس کے بعد یہان کی پیداوار کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، اور یہان ہر قسم کے غلے، پھل پھول میوے

اور سبزی ترکاریون وغیرہ کو نام بنام پوری تفصیل سے درج کیا گیا ہے، اور پھر اسی سلسلہ مین مختلف صنعت وحرفت اور پیشہ والون کا تذکرہ ہے، جس مین عام ارباب صنائع داخل ہین، اس کے بعد ہندوستانی سکون کا تفصیل سے ذکر ہے، سکون کے متعلق لکھتا ہے، کہ

سکے | یہان چار قسم کے درہم رائج ہین، ان مین سے ایک **ہشتگانی** (مساوی دو آنہ) ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ مصر کے نقرئی درہم کے مساوی ہوتا ہے، دونون مین بہت کم فرق ہے، ہندوستان مین آٹھ جیتل کا ایک ہشتگانی ہوتا ہے، اور ایک جیتل (ایک جیتل مساوی ایک آنہ) چار فلس (پیسون) کا ہوتا ہے، یعنی بتیس [32] پیسون کا ایک ہشتگانی، ایک دوسرا سکہ **درہم سلطانی** ہے، یہ دوگانی بھی کہا جاتا ہے، مصری درہم کا چوتھائی ہوتا ہے، اور جیتل کا ایک درہم سلطانی ہوگا، گویا آٹھ پیسون کا ایک درہم سلطانی ہوا، تیسرا سکہ **ششتگانی** ہے، یہ ہشتگانی کا نصف و ربع ہوتا ہے اور درہم سلطانی سے تین [illegible] ہوتا ہے، چوتھی قسم کا سکہ **دوازدہ گانی** یہ بھی ہشتگانی کا نصف و ربع ہوتا ہے، گو ہشتگانی کے مساوی ہوتا ہے، [illegible] ہشتگانی کے آٹھ درہم ملکر ایک **تنکہ** (تنکہ مساوی ایک روپیہ) ہوتا ہے،

پھر یہین سے سونے کے سکے شروع ہوتے ہین، سونے کے سکون کا حساب مثقال سے ہوتا ہے، تین مثقال کا ایک تنکہ ہوتا ہے، تنکہ سونے اور چاندی دونون طرح کے [illegible] ہین سونے کا تنکہ تنکہ سرخ اور چاندی کا تنکہ سپید (مساوی تقریباً ڈھائی روپیہ) کہا جاتا ہے، اور پھر ایک لاکھ تنکہ کا ایک لک [illegible] ہوتا ہے، [illegible] سونے اور چاندی کے لحاظ سے سرخ وسپید کہا جاتا ہے،

پیمانہ | یہان کا رطل ستر (سیر) کہا جاتا ہے، جو [illegible] مثقال[1] کا ہوتا ہے، [illegible] سیر کا ایک من ہوتا ہے، یہان تمام خرید وفروخت وزن ہی کے ذریعے ہوتی ہے، [illegible] نہین ہے،

نرخ | ہندوستان مین عام نرخ نہایت ارزان [illegible] ہندی [illegible] الدین ہندی

---

[1] ایک سرخی مثقال کو کم وبیش ایک تولہ سمجھئے۔

کا بیان ہے کہ دہلی مین کام کاج کرنے والی باندیون کی قیمت ۸ تنکہ (روپیہ) سے زیادہ نہین ہے، اور جو باندیان کام کاج بھی کر سکتی ہین، اور ام ولد بھی بنائی جا سکتی ہین، وہ ۱۵ تنکہ مین ملجاتی ہین، یہ تو پایۂ تخت کا حال ہے ورنہ دوسرے شہرون مین اس سے بھی ارزان قیمتون پر فروخت ہوتی ہین، خود سراج الدین ہندی نے ایک غلام صرف ۴ درہم مین خریدا تھا، لیکن اس ارزانی کے باوجود ہندوستان مین بعض لونڈیان اپنے حسن و جمال کی قیمت بیس بیس ہزار تنکہ (روپیہ) سے بھی زیادہ پاتی ہین، اور لوگ نہایت کشادہ دلی سے یہ قیمتین ادا کرتے ہین،

شیخ مبارک انباتی نے ایک بیان مین ہندوستان کے عام نرخ کا تذکرہ کیا ہے، جس سے آٹھوین صدی ہند کی اقتصادی حالت کا عام اندازہ ہو سکتا ہے، ان کے بیان مین نرخ کا حسب ذیل نقشہ ہے:

نام	مقدار	قیمت	کیفیت
گیہون	فی من	ڈیڑھ ہشتگانی درہم	یعنی ۳؍ فی من
جو	〃	ایک 〃 〃	
چاول	〃	پونے دو ہشتگانی درہم،	لیکن چاول کی بعض اچھی قسمین اس سے زیادہ گران قیمت ہین
چنا	〃	نصف 〃 〃	یعنی ۱؍ من
گائے اور بکری کا گوشت	۴ سیر	ایک درہم سلطانی	
بط	ایک عدد	۲ درہم ہشتگانی.	یعنی ۴؍
مرغی	۴ عدد	ایک 〃 〃	
شکر	۵ سیر	〃 〃 〃	ایک روپیہ،
بکری	ایک عدد	ایک تنکہ (آٹھ درہم ہشتگانی)	یہ خوب تنومند بکری کی قیمت ہے

گائے	ایک عدد	۲ تنکہ	یہ خوب تنومند گائے کی قیمت ہے
بھینس	"	" "	یعنی ۲ روپیہ

گائے کا گوشت: اسی طرح پرند کبوتر وغیرہ نہایت ارزان قیمت پر ملتے ہین، اور ہر قسم کے شکاری جانور بھی سستے دامون پر کثرت سے بکتے ہین، یہان گوشت زیادہ تر گائے اور بھیڑ کا کھایا جاتا ہے، حالانکہ مینڈے بھی بکثرت ہوتا ہین، اس لیے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہین کہ لوگ لحم بقر کھانے کے زیادہ عادی ہو گئے ہین،

صاحب مسالک الابصار نے شیخ خجندی کا ایک بیان نقل کیا ہے جس سے یہان کے نرخ کی عام ارزانی کا پتہ چلتا ہے، وہ کہتے ہین "مین اور میرے اور تین دوستون نے دلی مین گائے کا گوشت، روٹی اور گھی نہایت سیر ہو کر کھایا اور چارون آدمیون کے پورے کھانے کی قیمت ایک جیتل یعنی صرف چار پیسے تھی"

سلاطین: اس کے بعد سلاطین اسلام ہند کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے جس مین سلاطین غزنویہ سے شروع کرکے سلطان غیاث الدین محمود خان کے عہد پر ختم کیا ہے، یہی آخر الذکر سلطان و قلقشندی صاحب صبح الاعشیٰ دونون ہمعصر تھے،

سلطان محمد بن تغلق شاہ: اس کے بعد ان سلاطین اسلام مین سے اپنے دور یعنی آٹھوین صدی ہجری کے فرمانروائے ہند سلطان محمد بن تغلق شاہ کے عہد کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے کیونکہ شیخ مبارک انباتی وغیرہ اسی عہد مین گذرے ہین، اور اسی کے دربار سے وابستہ تھے، محمد بن تغلق شاہ کے عہد حکومت کے یہ حالات انہی کے بیانون سے ماخوذ ہین، اس عہد حکومت کے حالات بیان کرتے ہوئے پہلے حکومت کے فوجی نظام اور عمال حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر سلطان کے عام مشاغل دربار، سیرت و کیرکٹر اور طریقۂ حکومت کو بیان کیا گیا ہے، اسی سلسلہ مین لکھتا ہے،

شاہی فوج: سلطان محمد بن تغلق شاہ (جلوس ۷۲۵ھ - وفات ۷۵۲ھ) کی شاہی فوج نو لاکھ سے زیادہ تھی، جس مین ترکی، ایرانی، اور ہندوستانی وغیرہ تمام قومین ہین، فوج نہایت ترتیب سے ... ہے، جس

اور نہایت شان و شوکت سے عربی گھوڑون پر سوار رہتی ہے، شاہی فوج کے عہدے بہ ترتیب یہ ہین خوانین[1]، راجگان، امرار، سپہ سالار اور سپاہی، ان تمام عہدے دارون کے ماتحت مختلف تعداد مین فوج ہوتی ہے، جس کا نقشہ حسب ذیل ہے،

(۱) خان ۱۰۰۰۰ سوار (۲) راجہ ۱۰۰۰ سوار

(۳) امیر ۱۰۰ " (۴) سپہ سالار ۱۰۰ سے کم "

خاص بارگاہ سلطانی مین ۸۰ سے زیادہ خوانین حاضر رہتے ہین، چھوٹے عہدے دار سپہ سالار وغیرہ بارگاہِ سلطانی مین خود حاضر ہونے کی جرأت نہین کر سکتے، حسب ضرورت بلند مرتبہ عہدہ دار ان کے فرائض انجام دیتے ہین،

ملازمین بارگاہ سلطانی | اس شاہی فوج کے علاوہ ایک متعین تعداد ملازمین بارگاہ کی ہے جو امتثالِ امر کیلئے ہمہ وقت محل شاہی کے گرد موجود رہتے ہین، وہ یہ ہین،

ترکی غلام	۱۰۰۰۰	خواجہ سرا	۱۰۰۰۰
خزانہ دار	۱۰۰۰	بشمقدار (؟)	۱۰۰۰
ہمرکاب غلام	۲۰۰۰	یہ اسلحہ سے آراستہ ہمہ وقت ساتھ رہتے تھے،	

شاہی فوج اور ملازمین بارگاہ کی تمام تنخواہین دیوان سلطانی سے ادا ہوتی تھین،

عمالِ شاہی | عمال شاہی مین ایک وزیر اعظم ہے، اس کے چار سکرٹری (کاتب سِر) ہوتے ہین، جو ملکی زبان مین دبیر کہے جاتے ہین، اور پھر ہر دبیر کے ماتحت ۳۰۰ منشی ہین، صیغۂ عدالت شاہی مین سب سے بڑا عہدہ دار قاضی قضاۃ ہے، جو نہایت بلند مرتبہ رکھتا ہے، اس کے ماتحت محتسب، شیخ الشیوخ اور ۱۲۰۰ اطبا رہین،

---

[1] "خان" کی فارسی جمع خانان اس سے عربی جمع خوانین،

ان کے علاوہ سلطان کے عام درباری اور حاضر باش عہدے دار اور اہل مناصب حسب ذیل ہین

نام	تعداد	کیفیت
بازدار	.	شکار کرنے والے جانوروں (باز وغیرہ) کو [illegible]
سواق (شکار ہنکانے والے)	۳۰۰۰	شکار ہنکاتے ہوئے گھیر گھیر کر لاتے ہین
ندیم (مصاحب)	۵۰۰	
مغنی و مغنیات	۱۲۰۰	ان مین سے ایک ہزار غلام فن موسیقی مین پورا کمال رکھتے ہین
شعراء	۱۰۰۰	عربی فارسی اور ہندی زبان مین شاعری کرتے ہین

جاگیر اور تنخواہین ان تمام عہدے دار اہل مناصب اور درباری متوسلین کی مختلف جاگیرین و تنخواہین مقرر ہین، جو سب خاص دیوان سلطانی سے ادا ہوتی ہین، ممتاز عہدے دار اور اہل مناصب کی تنخواہین و جاگیرین حسب ذیل ہین،

نام عہدہ	جاگیر یا تنخواہ	کیفیت
نائب کبیر	جاگیر ایک صوبہ	جو وسعت مین عراق سے [illegible]
خان	تنخواہ ۲ لاکھ تنکہ (روپیہ)	
امیر	" ۳۰ ہزار سے ۴۰ ہزار تنکہ تک	
سپہ سالار	" ۲۰ ہزار " (روپیہ)	
سپاہی اور چھوٹے عہدہ دار	" ایک ہزار تنکہ سے ۱۰ ہزار تک	
ملوک	" ایکہزار تنکہ سے ۵۰ ہزار تک	
غلام	" ۱۰ نقرئی تنکہ (ایک تنکہ ڈھائی آنہ) ماہانہ [illegible]	

ارباب قلم مین سے حسب ذیل عہدے دارون کی حسب ذیل تنخواہین و جاگیرین ہین،

وزیر اعظم	جاگیر ایک صوبہ	جو وسعت مین عراق کے مثل ہے ،
دبیر	〃 ۴۰ شہر	جو اپنی آمدنی کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہوتے ہین ،
منشی کبیر (ہیڈ کلرک)	تنخواہ ۱۰ ہزار تنکہ	
قاضی قضاۃ (صدر جہاں)	جاگیر ۱۰ گاؤن	جنکی آمدنی کم از کم ۶۶ ہزار تنکہ ہوتی ہے ،
شیخ الشیوخ 〃	〃	〃 〃 〃 〃
محتسب 〃	ایک گاؤن	جس کی آمدنی ۸ ہزار تنکہ ہوتی ہے ،
ندیم	ایک یا دو گاؤن	جن مین سے ہر ایک کی آمدنی ۳۰ ہزار سے ۴۰ ہزار تنکہ تک

لیکن ان تمام عہدے دارون اور اہل مناصب کے جملہ ذاتی اخراجات خورد و نوش، پوشش اور سواری کا سارا بار شاہی مطبخ اور شاہی خزانہ پر ہوتا ہے، علاوہ ازین کبھی کبھی مختلف موقعون پر مختلف اہل مناصب کو خلعت ہائے فاخرہ سے بھی سرفراز کیا جاتا ہے ،

شاہی دسترخوان | شاہی محل مین دو دسترخوان ہین، ایک دسترخوان عام ہے، جسپر بیس ہزار اکابر ملک خوانین، راجگان، امراء، اور ممتاز عمال حکومت روزانہ کھانا کھاتے ہین، دوسرا دسترخوان خاص ہے، وہ مخصوص سلطان ہند کا ہے، دسترخوان پر سلطان کی معیت مین صرف دو سو علماء و فقہاء شریک طعام ہوتے ہین، اور دسترخوان ہی پر سلطان کے سامنے مختلف علمی و مذہبی مباحث پر سرگرم گفتگو ہوتی ہے ،

شیخ ابو بکر بن خلال بیان کرتے ہین کہ انھون نے شاہی محل کے باورچی سے روزانہ کے ذبیحون کی تعداد دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ۲۵۰۰ گائین، ۲۰۰۰ بکرے روزانہ ذبح ہوتے ہین، ان کے علاوہ دسترخوان پر مختلف قسم کے پرندون کے گوشت بھی ضرور ہوتے ہین ،

ہفتہ وار دربار | سلطان ہفتہ مین ہر سہ شنبہ کو دربار عام منعقد کرتا ہے، اس دربار کے لیے ایک بہت بڑا وسیع ایوان مخصوص ہے جو ہر قسم کے تکلفات سے آراستہ و پیراستہ رہتا ہے، صدر مین ایک نہایت بلند

مع تخت زرنگار بچھا ہوتا ہے، سلطان اسی پر جلوس کرتا ہے، دائین بائین ارباب حکومت ایستادہ ہوتے ہین، پشت پر ہتھیار بند اسلحہ دار اور سامنے ارباب وظائف و اہل مناصب حسب حیثیت و مرتب کھڑے ہوتے ہین، بیٹھنے کی اجازت صرف صدر جہان یعنی قاضی القضاۃ اور خوانین کو ہوتی ہے اور ان کے دبیر بھی اپنے دفاتر سنبھالے موجود ہوتے ہین،

دربار کے افتتاح کے موقع پر ایک نقیب باآواز بلند پکارتا ہے، "مظلومین اپنی فریاد سنائین" اہل حاجت اپنی ضرورتین پیش کرین، جسے کوئی شکایت ہو یا ہر وہ شخص جو حاجتمند ہو اس کے لیے اذن عام ہے، کہ حاضر حضور ہو جائے، نقیب کے خاموش ہوتے ہی اہل غرض بلا تکلف سامنے آجاتے ہین، اور سامنے کھڑے ہوکر نہایت صفائی سے حالات بیان کرتے ہین، اثنائے بیان مین کسی کو کسی کے روکنے کی مجال نہین، حالات سنکر سلطان خود فرمان قلمبند کرتا ہے،

سلطان و عمال شاہی کے معمولات یومیہ

محلات شاہی مین سے ایک عظیم الشان قصر مین حکومت کا صدر دفتر ہے، بارگاہ سلطانی مین کسی کو ہتھیار بند حاضر ہونے کی اجازت نہین، یہانتک کہ معمولی چھری بھی ہاتھون مین نہین رکھی جا سکتی، سلطان خود سات دروازون کے اندر بیٹھتا ہے، باریاب ہونے والون کو پہلے ہی دروازہ پر سواریون سے اتر جانا پڑتا ہے، صرف چند مخصوص اہل مراتب ہیجو دروازون تک سوار جا سکتے ہین، لیکن یہ محض معدودے چند افراد کو خصوصیت حاصل ہے، پہلے دروازے پر بوق [illegible] بیل کا اہتمام ہوتا ہے، جب معزز عہدہ دار حاضر بارگاہ ہوتے ہین، تو ان کے شایان [illegible] بجائے جاتے ہین، قصر شاہی کا ساتوان دروازہ صرف ایک مرتبہ کھلتا ہے لوگ جیسے جیسے آتے جاتے ہین، ساتوین دروازے پر کھڑے ہوتے جاتے ہین جب شرف حضوری رکھنے والون مین سے ایک شخص آجاتا ہے، تو خاص اہتمام سے وہ ساتوان دروازہ بھی کھول دیا جاتا ہے، تو سب لوگ ساتھ باریاب ہوکر آداب شاہی بجالاتے ہین، پھر جن اہل مناصب کو بیٹھنے کی اجازت مطابق

ہے، وہ حسب مرتبت نشستون پر بیٹھ جاتے ہین، اور بقیہ تمام اشخاص سر جھکائے کھڑے رہتے ہین، بار یابی کے ان آداب و مراسم کی ادائیگی کے بعد ہر شخص اپنے اپنے دفتر مین اپنی اپنی جگہون پر چلا جاتا ہے، اور روزانہ کے کام مین مصروف ہو جاتا ہے، ان عمال شاہی مین سے وزیر اعظم، قاضی القضاۃ، اور دبیرون کی نشستین علیحدہ کمرون مین سلطان کی نگاہ سے اوجھل ہوتی ہین،

اس کے بعد مختلف حاجب اپنے اپنے افسر اعلیٰ کی خدمت مین آتے ہین، اور ارباب مظالم اور مظلومون کے تمام مقدمات کی مسلین تفصیل سے پیش کرتے ہین، پھر وہ افسر اعلیٰ ان تمام مسلون کو سلطان کے سامنے پیش کرتا ہے، اور سلطان مطالعہ اور غور و خوض کے بعد اپنے احکام ثبت کرتا ہے، پھر سلطان کے اٹھ جانے کے بعد حاجب اعلیٰ تمام کاغذات دبیرون کے روبرو پیش کر دیتا ہے، اور وہی احکام سلطانی کو نافذ کرتے ہین،

سلطان شاہی دفتر سے اٹھکر ایک دوسری بزم خاص مین آتا ہے، یہان علما، ماہرین فن اور ارباب ادب جمع رہتے ہین، اور سلسلہ بحث و مناظرہ جاری ہوتا ہے، اور پھر سب لوگ یہین سے کھانے پر جمع ہوتے ہین، اس کے بعد ہر شخص اپنی اپنی اقامت گاہ پر چلا جاتا ہے، اور سلطان قصر شاہی مین جا کر آرام کرتا ہے،

سلسلۂ رسل و رسائل سلطان کے سلسلۂ رسل و رسائل اور پرچہ نویسی کا نظام نہایت عمدہ ہے، اور اسکی مختلف قسمین ہین، مثلاً ملک کی عام رعایا کے درمیان چند ایسے افراد مخصوص ہوتے ہین، جو عام حالات سے آگاہی حاصل کرنے پر مامور ہوتے ہین، اور وہی لوگ اپنے اعلیٰ افسرون تک ہر قسم کی خبرین پہنچاتے ہین، جو بتدریج سلطان تک پہنچا دیجاتی ہین،

دور دراز ممالک سے سلطان تک جلد خبر پہنچانے کا انتظام نہایت معقول ہے، تمام ممالک سے قصر سلطانی تک پختہ مکان بنائے گئے ہین، جن کے ذریعہ سے مصر و شام کی طرح ڈاک کا نہایت

عمدہ انتظام ہے، اگرچہ ان ممالک مین ڈاک کا انتظام اس لیے زیادہ بہتر ہے کہ آبادیان ایک دوسرے
سے دور نہین ہین، لیکن ہندوستان کی حالت اس سے مختلف ہے، وہان نہایت دور دور پر آبادیان
قائم ہین، لیکن اس دشواری کے باوجود ہر چار فرلانگ پر ایک مکان بنا ہوا ہے، اور ایک مقام سے
دوسرے مقام تک پہنچنے کے لیے دس دس ہرکارے مقرر ہین، جو خطوط، فرامین اور دوسری پبلک
اشیار نہایت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہین، اور پھر اسی ترتیب سے نہایت سرعت کے
ساتھ وہ ڈاک قصر شاہی اور قصر شاہی سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتی ہے، ڈاک کے اس [illegible] مین
ہر جگہ مناسب موقع سے مسجدین، بازار اور کنوین موجود ہین،

شاہی سفر شاہی سفر بڑے تزک واہتمام سے انجام پاتا ہے، ایک شخص گھوڑے پر سوار بادشاہ پر
چتر لگائے رہتا ہے، سلاح دار زرق برق لباس مین ملبوس اپنے چمکیلے ہتھیار سنبھالے ہوئے سواری کے
پیچھے ہوتے ہین، دائین بائین تقریباً ۱۲ ہزار خدام پاپیادہ رہتے ہین، سواری کے آگے جلوس [illegible]
مین ۲۰۰ نقارے ۴۰ کوس، ۲۰ بوق، اور ۱۰ چنگ ہوتے ہین، سلطان کے ساتھ دوسرے اعیان
حکومت اپنے اپنے امتیازی جھنڈون کے ساتھ ہمرکاب ہوتے ہین، بعض خوانین کو بہت سے
جھنڈے رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، ان اعیان حکومت کے چند دیگر امتیازات خصوصی بھی ہوتے ہین
مثلاً خوانین عام طور پر دس کوتل گھوڑے اپنے ہمرکاب رکھ سکتے ہین، اور امرا بصورت سہ کوتل [illegible]
کی اجازت ہوتی ہے،

شکار شکار مین سلطان کی بالکل جداگانہ شان وشوکت ہوتی ہے، وہ خود تو نہایت معمولی [illegible]
ملبوس رہتا ہے، لیکن ایک لاکھ سوار اور دو سو ہاتھی اس کے ہمرکاب رہتے ہین، شکار کے سلسلہ مین
"قابلِ نقل وحرکت" محل خاص طور پر تذکرہ کے قابل ہے، یہ نہایت شان وشوکت کے ساتھ [illegible]
پیراستہ قصر ہوتے ہین، جو میدان مین دو منزلہ کھڑے کیے جاتے ہین، اور محل کی [illegible]

ریشمی پردون سے ڈھکی ہوتی ہے، اس کا سامان دوسو اونٹون پر بار ہوتا ہے، اور دیگر خیمہ و خرگاہ جو شکار کے لیے مخصوص ہین اس کے علاوہ ہین، لیکن جو سفر محض سیر و تفریح کی خاطر ہوتے ہین ان مین تقریباً تیس ہزار سوار اور ایک ہزار کوتل گھوڑے ساتھ ہوتے، جو جواہر و یاقوت کے طوقون سے آراستہ ہوتے ہین،

سلطان حالتِ جنگ مین جنگ مین سلطان کے سر پر سات چتر لگائے جاتے ہین، جنمین سے دو خصوصیت کیساتھ نہایت مرصع، مطلا اور مذہب ہوتے ہین، جنگ کا نقشہ یون ہوتا ہے :-

سلطان خود قلبِ فوج مین ہوتا ہے، اور اس کے گرداگرد ائمہ و علماء، اور ان کے بعد تیر انداز پرے جائے کھڑے ہوتے ہین، پھر سلطان کے دو بازوؤن پر میمنہ و میسرہ بنائے جاتے ہین، اور اس کے سامنے ہاتھیون کا جھنڈ ہوتا ہے، ہاتھیون پر برجون سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج رکھے جاتے ہین، جنپر تیرانداز سوار رہتے ہین، اور پھر انہی برجون کے ہر سمت مین سوراخ بنے ہوتے ہین جن سے تاک تاک کر نشانے لگائے جاتے ہین، اور انہی ہودجون مین روغن نفط ہوتا ہے، جو شیشہ کی نلکیون سے دشمنون پر اچھالا جاتا ہے، جس سے شعلے پیدا ہوتے ہین،

محمد بن تغلق شاہ کا عہدِ حکومت شیخ مبارک انباتی سلطان محمد بن تغلق شاہ کے شان و شوکت، جاہ و جلال اور خدم و حشم پر عام طور سے یون تبصرہ کرتے ہین :-

"مسند شاہی اپنے عظمت و جلال، اور قوانین شاہی اپنے عدل و انصاف، اور نظامِ حکومت اپنے ضبط و نظم مین ساری دنیا مین بے نظیر ہین، دنیا نے اس سے پہلے صرف دو نظارے دیکھے تھے، ایک سکندر ذوالقرنین کے وقت مین اور دوسرے ملک شاہ بن الپ ارسلان کے عہد مین، اور اب وہی شان و شوکت، جاہ و جلال اور کر و فر محمد بن تغلق کے عہدِ حکومت مین نظر آتا ہے۔"

کیا گیا ہے، اور اشعارِ غالب وخاقانی کی نسبت شارحین کی مہربانیون سے جو غلط فہمیان معمولی استعداد کے اشخاص کو ہوسکتی تھین، ان کا سدباب مقصود ہے، مگر تبصرۂ اصلاحِ سخن پر اس نکتہ سنجانہ مقالہ سے کونسا علمی یا اخلاقی فائدہ مدِنظر تھا،

ذیل مین تبصرۂ مذکور کی چند ابتدائی سطرین لکھ کر ناظرین سے انصاف چاہتا ہون کہ آیا یہ مضمون اس قابل تھا کہ کوئی اہلِ نظر اس پر التفات کرے،

"دنیا مین اپنی نوعیت کی یہ پہلی تالیف ہے جس پر مین نقد وتبصرہ کا وہ اخلاقی فرض ادا کر رہا ہون جو کہ مجھ پر سکر رسکر ر فرمایشون سے عائد کیا گیا ہے، اور جس نے میرے مضبوط ارادہ کو متزلزل کر دیا ہے کہ اردو شعروشاعری پر نقد وتبصرہ نہ کرون گا"

آپنے کچھ سمجھا کہ پہلے فقرہ کا مفہوم کیا ہے؟ کیا صاحب تبصرہ یہ کہنا چاہتے ہین کہ زیرِ تبصرہ کتاب دنیا مین اپنے رنگ کی پہلی کتاب ہے، یا انکا مقصد یہ ہے کہ اس صنف کی اور کتابون مین سے یہ پہلی تالیف ہے جسکو تبصرۂ ناطق کا شرف حاصل ہو رہا ہے، خیر یہ معاملہ ہو یا نہ ہو دنیا کی معلومات مین اتنا اضافہ اس فقرہ سے ضرور ہوتا ہے کہ ہر فرمایش کی تعمیل بھی ایک فریضۂ اخلاقی ہے جسکو علم الاخلاق کے مصنفین نے اب تک نظر انداز کیا تھا، دوسرا فقرہ تو حسن ترکیب کا معجزہ ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اپنے نقد وتبصرہ سے محرومی کے لئے اردو شعر وشاعری کو مخصوص کر دیا ہے، اور یہ اعزاز اب صرف دیگر السنہ کی قسمت مین ہے، دیکھئے کس زبان کو حاصل ہو اور کب حاصل ہو، غالباً اسی وقت دنیا والون کو یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ "سکرر" کس زبان کا لفظ ہے اور ایک ہو تو یا نہ غلط العوام کی گنجایش ایک سنجیدہ علمی تحریر مین بھی ہوسکتی ہے یا نہین؟

ناظرین نے تبصرۂ اصلاحِ سخن کی محولہ بالا سطور سے پورے مضمون کی سطح کا اندازہ کر لیا ہوگا،

سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی ایسی تحریرین شایانِ التفات ہوسکتی ہین، ؟ خدا کے بندے اپنی گرم بازاری کیلئے

سرقہ غیر ظاہر کی قسم سوم و چہارم جو صاحب حدائق نے بیان کی ہے، وہ خود اور قسم سوم کی مثال مین شعر جامی کو جو ترجیح دی ہے، وہ محل نظر ہے،

جامی کا شعر:-

سرو گفتم قدِ ترا وازشرم، سر بہ بالا نمی توانم کرد،

امیر خسروؔ کے اس شعر سے

سرو گفتم کہ بہ بالاے تو ماند لیکن نتوانم کہ ازین شرم بہ بالا نگرم

کسی طرح بہتر نہین ہے، یہ مانا کہ جامی کا شعر مختصر ہے، مگر ساتھ ہی معانی کی لطافت کا بھی تو خون ہو گیا، اولاً تو خسرو کے مصرعہ اول مین قدِ یار کو معیارِ حسن قرار دے کر سرو کو اُس سے مشابہ کیا گیا ہے اور جامی نے سرو کو معیارِ حسن قرار دے کر قدِ یار کو استعارةً سرو کہا ہے، وشتان بینھما

ثانیاً خسرو کا دوسرا مصرعہ بھی جامی کے مصرعہ ثانی سے کہین بلند ہے ؎

"نتوانم کہ ازین شرم بہ بالا نگرم"

محتمل المعنیین ہے، اس سے یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہین کہ سرو کو قدِ یار سے تشبیہ دیکر جو گستاخی کی ہے، اس کے بعد پھر قامتِ یار کو دیکھنے کی ہمت مارے شرم کے نہین ہوتی، دوسرے یہ معنی بھی ہوتے ہین کہ شرم کے مارے نگاہ اوپر اوٹھتی ہی نہین، بہرصورت "نتوانم کہ بہ بالا نگرم" کا ٹکڑا "سر بہ بالا نمی توانم کرد" سے بمراحل بلند ہے، خود "نگریستن" اور "کردن" کا فرق ترجیحِ شعرِ خسرو کے لئے کافی ہے،

یہان پر ایک نکتہ قابلِ ذکر ہے، دو مختلف کلامون مین بظاہر مفہوم کی یکسانی یا بعض الفاظ کا مترادف ہونا ہی اخذ و استفادہ کی دلیل نہین ہو سکتی، بلکہ خیال کی اصلی روح پر نظر ہونی چاہیے، بسا اوقات ذرا سے فرق سے زمین و آسمان کا فاصلہ اور شعبدہ و اعجاز کا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے، نزولِ قرآن سے پیشتر سموئیل بن عادیا نے ایک فخریہ شعر کہا تھا،

بلکہ وہ مثالین ہین اخذ کی جو نہ صرف جائز ہے بلکہ ہر متاخر کا فطری حق ہے جو اُسکو متقدم سے ارثاً ملتا ہے۔ سنہ "دُنیے سے دیا یون ہی جلتا رہا ہے"۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اخذ و استفادہ کی کثیر الوقوع شکلون کی نسبت چند اشارات کردئے جائین، اُس کی حسب ذیل صورتین ہوسکتی ہین،

۱۔ متاخر خیال تو اپنا رکھے مگر طرز ادا مین متقدم کا تتبع یا ترجمہ کرے، مثلاً قرآن کریم سورۂ قیامت مین انسان کی عالم جانکنی کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچتا ہے،

کلا اذا بلغت التراقی ۰ وقیل من راق ۰ — جب جانکنی کا عالم ہوتا ہے اور اعزہ و اقربا کہنے لگتے ہین کون ہے

وظن انہ الفراق، — جھاڑ پھونک کرنے والا اور حیات دنیا سے مفارقت کا خیال ہوجاتا ہے

اب یہان پر وقیل من راق مین نکتہ یہ ہے کہ من کا استفہام محتمل المعنیین ہے، یعنی سادہ استفہام بمعنی طلب بھی ہے اور استفہام انکاری بھی، اسی لئے من پر سکتہ ہے، یعنی پہلے تو مریض جان بلب کے علاج اور حصول صحت کے خیال سے اعزا و اقربا دعا تعویذ کرنے والے کو ڈھونڈتے ہین اور کہتے ہین من راق یعنی بتاؤ کون معالج بلایا جائے، کن شاہ صاحب سے دعا کرائی جائے، مگر جب دوا دعا سب کرکے تھک جاتے ہین اور کوئی نتیجہ نہین ہوتا تو پھر اسی جملہ کا اعادہ عالم یاس مین بطور استفہام انکاری کرتے ہین اور یہ کہتے ہین "من راق" یعنی جب خدا ہی کو صحت دینی منظور نہین ہے تو کون دعا تعویذ کرنیوالا ہے، اور ان تدبیرون سے کیا ہوتا ہے، حضرت غالب خود وسیع النظر اور بڑے بڑے فضلائے عصر کے صحبت نشین تھے، اور ظن غالب ہے کہ قرآن کریم کے اسی انداز بلاغت سے استفادہ کرکے، یہ شعر لکھا ہے، اور کمال یہ ہے کہ مضمون جداگانہ لکھا ہے،

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

پہلا مصرعہ بالکل استفہام قرآنی کا ترجمہ ہے اور دوسرے مصرعہ میں لفظ تکرر [illegible]
قرآن پاک میں ص کے بعد سکتہ سے حاصل ہوتا ہے، خدا کا شکر ہے کہ آرگس کی آنکھیں بدخت [illegible]
جلووں سے منور نہیں ہیں، ورنہ محض لفظ حریف کی مطابقت اور مرد افگن، مرد آزما کے تتبع [illegible]
کو ایک مجہول النسب شعر سے سرقہ کا الزام دینے کی زحمت کیون گوارا کرتے، سیدھے سے سرقہ قرآن کا [illegible]
لگا دیتے، تو واذکروا موتٰکم بالخیر کی مخالفت کا جو عہد کر رکھا ہے، اس میں [illegible]

ع۲ دوسری صورت استفادہ کی یہ ہے کہ متقدم کا نفسِ مضمون اور طرزِ بیان دونوں [illegible]
کلام میں قائم رہیں، اسکی بھی کئی صورتیں ہیں، اگر غیر زبان کے کلام سے اپنی مادری زبان [illegible]
یا طرزِ ادا منتقل کیا جاتا ہے تو یہ سرقہ نہیں ہے ترجمہ ہے اور ایک طرح کی لسانی خدمت ہے، جیسے [illegible]
شعرِ ماسبق یا ذیل کے اشعار میں کیا ہے،

عرفی:- حلّہا سوختہ اند اہل بہشت از غیرت — تا شہیدان تو گلگون کفنے [illegible]

غالب:- اک خون چکان کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں [illegible]

عرفی:- بہ طورِ ما نہ گنجد منع دیدار — ولے این [illegible]

غالب:- کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ [illegible]

غالب کا شعر عرفی کے شعر سے باعتبار معنی کمتر ہے مگر چونکہ عرفی کے مصرعوں کا مفہوم [illegible]
ایک شعر میں نہایت خوبی کے ساتھ ادا کر دیا ہے اور زبان اردو رکھی ہے، اس لئے [illegible]
اگر بغیر کسی ترقی کے فارسی زبان میں غالب نے ایسا شعر کہا ہوتا تو ضرور سرقہ سمجھا جاتا، [illegible]
و میر کے اشعار ذیل،

سعدی، گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم — چہ بگویم کہ غم از دل برود چون تو بیائی

میر:- کہتے تھے کہ یون کہتے یون کہتے جو وہ آتا — سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

ترجمہ اتنا بلیغ ہے، "اور کچھ بھی نہ کہا جاتا" کے ٹکڑے مین اتنی وسعت ہے کہ ترجمہ اصل شعر سے بھی بلند ہو گیا غالب نے اسی بنیاد پر ایک فلک بوس قصر تعمیر کر دیا ہے،

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق   وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے،

یا مثلاً:- عرفی کا مصرعہ ہے، جس کا ترجمہ حضرت اقبال نے اسقدر بہتر کر دیا ہے کہ اہل ذوق وجد کرتے ہین،

عرفی:-   ز اشتیاق آستانت سجدہ رقصد در جباہ،

اقبال:-   کہ ہزارون سجدے تڑپ رہے ہین مری جبین نیاز مین،

اسی خیال کو تغیرِ الفاظ کے ساتھ حضرت استاذ العلام نے اتنے بلیغ پیرایہ مین ادا کیا ہے، جس کی داد عرفی ہی دیسکتا تھا،

ارمغانے نبود در خور خاک در او
مگر آن سجدہ کہ آمادہ بہ سیما ماند

یا مثلاً حضرت داغ کا ایک شعر ہے،

یہ مصرعہ لکھ دیا ظالم نے میری لوحِ تربت پر
جو ہو فرقت کی بیتابی تو یہ خوابِ گران کیون ہو

بجنسہٖ یہی خیال ایک قدیم عربی شعر مین ادا کیا گیا ہے،

اب اگر حضرت داغ عربی کے شعر یا اُس کے ترجمہ سے واقف تھے تو شعرِ داغ ترجمہ ہوگا ورنہ توارد سمجھا جائے گا، کیونکہ توارد کے لیئے یہ ضروری ہے کہ متقدم کے خیال سے متاخر کو واقفیت نہ ہو، مثلاً یہ خیال کہ مصائبِ حیات سے گھبرا کر کبھی کبھی انسان خودکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر دنیا کے تلخ تجربے اور عالمِ آخرت کے متعلق انسان کی بے خبری وہ اسباب ہین جن کی بنا پر حیاتِ دنیاوی سے رہائی کی کوشش

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن

کہ در طریقتِ ما غیر ازین گناہے نیست

اس شعر کی اصلی روح یہ تھی کہ لفظ آزار بطور ترجمہ لفظِ ظلم استعمال ہوا تھا، ظلم کے معنی ہین وضع الشئ فی غیر محلہا۔ شریعت غرائے اسلامیہ نے صرف اسی چیز یعنی (فعل بے محل) کو معصیت قرار دیا ہے اور عدوان یا ظلم کے لقب سے جملہ اقسامِ معاصی کو یاد کیا ہے، حضرت آدم شجرۂ ممنوعہ سے تمتع اٹھاتے ہین اور جنت سے زمین پر پھینکے جاتے ہین تو فرماتے ہین، ربنا ظلمنا انفسنا، حضرت لقمان اپنے بچے کو شرک باللہ سے بچنے کی وصیت کرتے ہین تو فرماتے ہین، اِنَّ الشرکَ لظلم عظیم، غرض کوئی معصیت شرعی نہین جو ظلم نہ ہو، یہی نکتہ شرع ہے، جو مذکورۂ بالا شعرِ اُستاد مین بیان ہوا تھا اب کسی نافہم نے شعر مذکور کی حقیقی روح کو نہ سمجھ کر اپنے خیال مین اُسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے،

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن   ہرچہ خواہی کن ولیکن مردم آزاری مکن

اس شعر مین اولاً تو زبان دیوسمندون ہزار دست کی ہے، ثانیاً گیا شراب پینا، مصحف جلانا، یا کعبہ مین آگ لگانا ظلم اور دل آزاری نہین ہے، سرقۂ مذموم تکرار معیوب، اور ایہام ناروا کی بہترین مثال ذوق کا سہرا ہے، یہان مثالاً چند اشعار درج کیے جاتے ہین:۔

سرقۂ مذموم

غالب، خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا   باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا

ذوق، اے جوان بخت مبارک ترے سر پر سہرا   آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

واضح رہے کہ نوشاہ کا خود نام جوان بخت ہے اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ غالب کے سہرے کا جواب ذوق نے دیا ہے:۔

اب ملاحظہ فرمائیے حضرت غالب "خود بخت" کو مبارکباد دیتے ہین کہ اُسے شہزادۂ جوان بخت کے سر

بجائے خود ایک پہاڑ ہوگا، تعجب ہے کہ نوشہ نے اسکو سنبھالا کیونکر!

اس سے زیادہ بے معنی اور مکروہ جھوٹ کی مثال کیا ہو سکتی ہے، ذوق نے غالب کا شعر سامنے رکھکر سرقہ کی کوشش کی مگر ناکام رہے،

لطیفہ۔ غالب نے سات دریا کہے تھے، جناب ذوق نے صدکان گہر کہا، "سات" کا جواب "سو" دیا پھر بھی کمی رہگئی، سات دریا، یعنی ساتون سمندر کے بعد پھر کوئی سمندر دنیا مین باقی نہین بچتا، لیکن صدکان گہر کہنے کے بعد بھی ہزار دن معادن باقی رہتے ہین،

الغرض کہانتک عرض کیا جائے، حضرت ذوق کا پورا سہرا غالب کے سہرے سے نقالی کی ایسی ہی سعی ناکام ہے، اور جہان کہین کوئی نئی بات کہنی چاہی ہے، وہان اس سے بھی زیادہ شدید تر معائب شعری پیدا ہو گئے ہین،

مثلاً ذوق کا یہ شعر:-

رونمائی مین تجھے دے مہ و خورشید فلک — کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

اولاً تو رونمائی دولھا کو نہین دی جاتی، دولھا کوئی پردہ نشین تو ہوتا نہین، البتہ دولھا کو سلامی دیتے ہین،

ثانیاً:- منہ سے سہرا اٹھانے کے بعد ظاہر ہے کہ منہ ہی کھلتا، پھر یہ بار بار منہ کی تکرار کیا، اور اگر پہلا منہ بمعنی دہن ہے، تو پھر اس شعر کی مضحکہ انگیزی کا کیا کہنا، جسوقت دولھا سہرے کو چہرے سے اُٹھا کر دہن کھول رہا یا دانت نکال رہا ہو اس وقت کسی مصور کو کیمرا لیکر سامنے رہنا چاہیے۔

اب ایہام ناروا کی مثال لیجیے،

حضرت ذوق فرماتے ہین:-

تا بنی اور بنے مین رہے اخلاص بہم — گوندھیے سورۂ اخلاص کو پڑھکر سہرا

اس پورے شعر کی بنیاد لفظ اخلاص کا وہ مجازی مفہوم ہے جو عموماً بمعنی صدق محبت اردو زبان مین مستعمل ہے، لیکن اس شعر کے لکھتے وقت غالباً جناب ذوق نے خود سورہ اخلاص کے معانی کی طرف توجہ نہین کی، شادی کے وقت سورۂ اخلاص سے زیادہ بے محل شاید ہی کوئی آیت قرآنی ہو، کیونکہ یہان توالد وتناسل اور زوجیت سب کی نفی ہے، یہ تو ویسا ہی ہوا کہ بچہ کی پیدائش پر ھو اللہ المنتقم الممیت القہار کا وظیفہ پڑھا جائے، یا ذبیحہ کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بچے کے مکتب کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھین، اگر واقعۃً زوجین مین خلوص محبت کی تمنا ہے، تو سورۂ نساء کی آیات یا دوسری مناسب محل آیت پڑھنی چاہیئین، سورۂ اخلاص جس مین نفی زوجیت ہے اور جسکو اخلاص کے اصلی لغوی معنون یعنی شرک کی برائت و توحید محض کے اعتبار سے سورۂ اخلاص کہتے ہین، اس موقع پر پڑھنا بدشگونی نہین تو اور کیا ہے،

غالب، ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہون گے موتی ورنہ کیون لائے ہین کشتی مین لگا کر سہرا

ذوق، آج وہ دن ہے کہ لائے در انجم سے فلک کشتی زر مین مہ نو کی لگا کر سہرا

یہ امر واقعہ ہے کہ سہرا کشتی مین لگا کر دیا گیا، غالب نے تو تنہا اسی واقعہ کو نہایت خوبی سے بیان کرتے ہین، ذوق جب اسطرح کے حسن تعلیل سے قاصر رہے تو ایک عمدہ پہلو نکالنا چاہا، مگر وہ مدح کے بجائے ذم بن گیا، یعنی اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ دن تو آج وہ تھا کہ آسمان مہ نو کا سہرا گوندھ کر در انجم کی کشتی مین لگا کر لاتا، بقیہ واقعہ محذوف ہے جو یہ ہے کہ مگر افسوس ہماری بدنصیبی سے ایسا ہوا نہین اور وہی معمولی سہرا کشتی مین لگا کر دیا گیا،

نمبر ۳ اخذ و استفادہ کی ایک تیسری صورت یہ ہے کہ متقدم کا خیال جنسہٖ قائم رہے اور پیرایہ بیان بدل دیا جائے مگر اس پیرایہ بیان کے تغیر سے خیال سابق مین حسن و خوبی پیدا ہو جائے، اس کی مثال کے طور پر عرفی و غالب کے اشعار ذیل مین درج کئے جاتے ہین، ہمارے نزدیک غالب کا شعر سرقہ نہین ہے، بلکہ استفادہ جائز

یا ترجمۂ احسن ہے،

عرفی:- ازمن بگیر عبرت وکسب ہنر مکن، با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

غالب، ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

ظاہر ہے کہ عرفی کا خیال بجنسہٖ غالب کے شعر میں قائم ہے اور محض پیرایۂ بیان بدل دینے سے غالب کا شعر کتنا بلند ہو گیا ہے،

نمبر ۴ چوتھی صورت استفادہ کی یہ ہے کہ کوئی قدیم یا عام خیال لیکر ایک ذرا سے اضافہ سے اسکو بہت بلند کر دیا جائے جیسے یہ بات ہمیشہ سے سب کہتے آئے تھے کہ اگر جو ہر تخم نہ بود سے، ہیچ مرغ در دام نیفتادے، سعدیؒ نے اس میں اتنا اور اضافہ کر دیا "بلکہ صیاد خود دام نہ نہادے"، دیکھئے اتنے سے اضافہ نے خیال کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، یا مثلاً فیضی کا شعر تھا:-

دریاب کہ ماندا ست زدل قطرۂ خونے

آن قطرہ ہم ازدست تو لبریز چکیدن

اس شعر میں فیضی نے محبوب کے ظلم سے دل کی بربادی کا دکھڑا رویا ہے کہ اب دل میں صرف ایک بوند لہو کی رہ گئی ہے اور وہ بھی تیرے ہاتھوں نذر خاک ہوا چاہتی ہے، "دریاب" کی فریاد بتاتی ہے کہ التجائے کرم کے لئے شکوۂ ستم کیا گیا ہے، یہاں سے غالب کو ایک لطیف شاعرانہ اور حکیمانہ خیال پیدا ہوا، وہ یہ کہ دل کی تخلیق خود ایک قطرۂ خون سے ہوئی ہے گویا دل بجائے خود محض لہو کی ایک بوند ہے، پھر اس کی صنوبری شکل اور پہلو میں اُسکا سرنگون انداز آویزش بتاتا ہے کہ یہ قطرۂ خون اب گرا ہی چاہتا ہے' توٹ:- دل کی صورت بیضوی ہے اور زمین کی کشش ثقل سے یہی شکل اسپر گرتے ہوئے قطرے کی بنجاتی ہے،

اس خیال کو غالب نے اس شاعرانہ پیرایہ میں ادا کیا ہے:-

بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی رہتا ہے بہ انداز چکیدن سرنگون وہ بھی

عمر خیّام کا ایک نادر نسخہ

از مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی رامپوری

(۳)

۵۲ در خواب بودم مرا خردمندے گفت کز خواب کسے را گلِ شادی نشگفت
کارے چہ کنی کہ با اجل باشد جفت می خور کہ بزیرِ خاک می باید خفت

مطبوعہ رباعیات میں چوتھے مصرع میں، مے خور کی جگہ برخیز تحریر ہے، جو خیام کے فلسفۂ زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے درست نہیں معلوم ہوتا، اس کے نزدیک خواب، عام غفلت کا نام نہیں ہے، جس کو دنیا بیداری اور ہوشیاری سمجھتی ہے، وہ اسے خواب جانتا ہے، اس لئے کہتا ہے، کہ آخر یہ عقل عقل پکار کر، فانی عمر کو رائگان کر دینا کہاں کی ہوشیاری ہے، اٹھو اور شراب پیو، ورنہ کوئی دم جاتا ہے کہ مٹی کے ڈھیر کے نیچے دبا دیئے جاؤ گے"

۵۳ من مے خورم و مخالفان از چپ و راست گویند مخور بادہ کہ دین را اعداست
چون دانستم کہ مے عدوئے دین ست واللہ بخورم، خونِ عدو کے نہ رواست؟

مطبوعہ نسخون میں چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہے؂ واللہ بخورم خونِ عدو را کہ رواست،

اس صورت میں دونون مصرعے ہم معنی ہین، لیکن زیر بحث قلمی نسخہ میں لفظ کے نہ اس طرح لکھا گیا ہے، کہ "گو نہ" بھی پڑھا جا سکتا ہے، اگر یہ ہو تو معنی بدل جائین گے، اور مقصد یہ ہوگا، کہ "جب شراب دین کی دشمن ہے تو ضرور پینا چاہیئے کیونکہ گو مذہبًا دشمن کا خون مباح نہین، لیکن ہے تو وہ دشمن ہی اچھا ہے مخالف گھٹا کے دور ہو جانے سے دین کا مطلع صاف ہو جائیگا" یہ بھی ممکن ہے، کہ گو بمعنی گوکہ نہ ہو، بلکہ یہ لفظ گونہ ہو، اور مقصد یہ ہو، کہ "دشمن کا خون کچھ نہ کچھ تو ضرور مباح ہے، یا کسی نہ کسی حیثیت سے تو یقینًا جائز ہے" اس صورت مین معترضین کے ریاکارانہ زہد و

یہی مرجع ہے، لوح سے مراد لوح محفوظ ہے، اور رباعی کا مفہوم حدیث شریف "جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا يَكُونُ" سے ماخوذ ہے،

۵۷ باہر بد و نیک، راز نتوانم گفت کوتہ سخنم، وراز نہ توانم گفت
حالے دارم، کہ شرح نتوانم کرد روزے دارم، کہ باز نتوانم گفت

الہ آبادی نسخہ مین، "کوتہ سخنم"، کے بجائے "دارم سخنے" اور لاہوری نسخہ مین، "دائم سخنے" درج ہے، "شرح نتوانم کرد"، کے بجائے الہ آبادی مین "نتوانم داد"، اور لاہوری مین "نتوان دادن"، ہے "روزے دارم" کی جگہ دونون مطبوعہ نسخون مین رازے تحریر ہے، یہی درست معلوم ہوتا ہے،

۵۸ گردون کمرے، زعمر فرسودۂ ماست جیحون اثرے زاشک پالودۂ ماست
دوزخ شررے، زرنج بیہودۂ ماست فردوس دمے زوقت آسودۂ ماست

"گردون کمرے"، کے بجائے الہ آبادی نسخہ مین "گردون گہرے"، اور لاہوری نسخہ مین "گردون نگرے"، درج ہے، یہ دونون لفظ مصحف معلوم ہوتے ہین، آسمان ایک محدب سرپوش سا نظر آتا ہے، جو نکہ بڑھاپے مین انسان کی پیٹھ اٹھ آتی ہے، اور پیٹ اندر کو گھس جاتا ہے، شاعر اس مناسبت سے گردون کو اپنی بوڑھی اور پرانی کمر کہتا ہے، "اشک پالودہ" کی جگہ دونون نسخون مین "چشم پالودہ"، تحریر ہے، پالودن کے معنی صاف کرنا ہین، اس لئے پالودہ آنکھ کی بھی صفت ہو سکتی ہے، اور اشک کی بھی، لیکن مناسب یہی ہے کہ یہان "اشک" ہو، خیام جیحون دریا کو اثر کہتا ہے، دریا کا پانی آنسوؤن کا اثر ہو سکتا ہے آنکھ کا اثر نہین کہا جا سکتا، اور اگر آنکھ کا اثر کہہ بھی دیا جائے تو یہ اطلاق بواسطہ ہوگا، اس لئے قریبی علاقہ چھوڑ کر بعید اختیار کرنا درست نہین،

۵۹ چون چرخ بکام یک خردمند نگشت خواہی تو فلک ہفت شمر خواہی ہشت
چون باید مرد، بود نیہا ہمہ ہشت، چہ مور بگور ر ادچہ گرگ بدشت

مطبوعہ نسخوں میں "بام" کی جگہ بکام درج ہے، تیسرا مصرع الہ آبادی نسخہ میں یوں لکھا ہے ؎

چون باید مرد آرزو ہمہ ہیچ، لاہوری میں ہیچ کے بجائے ہست بسین ہے، چوتھا مصرع دونوں میں اس طرح ہے،

چہ مور خورد بگور و چہ گرگ بدشت،

ہشت ہشتن بکسر ہاے سے مشتق ہے، مقصد یہ ہے کہ جب دنیا سے کوچ کرنا ہی ہے تو دنیا کی موجودات سے قطع تعلق کر لو، یہ سب چیزیں ناکارہ اور چھوڑ دینے کے قابل ہیں

٦٠ شاہی مطلب، کہ حاصل عمر دمیست ہر روز زخاک کیقباد دگر میست

احوال جہان و اصل این عمر کہ ہست خوابے و خیالے، و فریبے و دمیست

مطبوعہ نسخوں میں، شاہی کی جگہ شادی اور ہر روز کے بجائے ہر ذرہ درج ہے، اصل میں دمیست عوض الہ آبادی نسخہ میں "حاصل عمر" ہے، قلمی رباعی کا مطلب یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کو صرف چند لمحوں کی فرصت ہے، یہ لمحے گذرے اور خاک میں مل کر خاک ہو گیا، اس لئے انسان کو دنیا کی بادشاہی کی آرزو نہ کرنا چاہیئے، دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالو، روزانہ کیقباد پیدا ہوتے ہیں اور خاک میں مل جاتے ہیں، دراصل عمر خواب و خیال، اور خالص دھوکا ہے۔

٦١ این طرفہ رباط را کہ عالم نامست آرام گہ ابلق صبح و شام ست

بزمے ست کہ وا ماندۂ صد جمشید ست گورے ست کہ صد تکیہ گہ بہرام ست

مطبوعہ نسخوں میں "طرفہ رباط" کی جگہ کہنہ رباط لکھا ہے، چوتھا مصرع اس طرح درج ہے،

قصریست کہ تکیہ گاہِ صد بہرام ست، کہنہ سے طرفہ اور قصر سیست کے مقابلہ میں گوریست بہتر ہے،

٦٢ بلبل چو بباغ نالہ بر دست گرفت می باید ہمچو لالہ بر دست گرفت

زان پیش کہ مردمانِ دہر از سرِ جہل   گویند فلان پیالہ بر دست گرفت

الہ آبادی نسخہ مین تیسرے مصرع کے اندر لفظ دہر نہین ہے، لاہوری نسخہ مین دہر کے بجائے مرا لکھا ہے،

۶۳ تا کے زچراغِ مسجد و دودِ کنشت   تا کے ززیان دوزخ و بودِ بہشت

رو بر سر روزِ ازلین شو کہ قضات   انچہ از بد و نیک بودنی بود نوشت

مطبوعہ نسخون مین، دوسرے مصرع کے اندر، زیان کی جگہ زیان، اور بود کے عوض سود لکھا ہے، دوسرا شعر دونون نسخون مین یون درج ہے،

رو بر سرِ لوح بین، کہ استادِ قضا   اندر ازل انچہ بودنی بود نوشت

قلمی شعر کا مطلب یہ ہے کہ روزِ ازل کے مدعا، مقصد یا بالفاظِ دیگر، طے شدہ امر کے ساتھ بخوشی زندگی بسر کرو کیونکہ جو کچھ نیک و بد پیش آنے والا ہے، وہ قضا و قدر نے پہلے ہی لکھدیا ہے، انسان کی فکر سے قضا نہین بدل سکتی، لہذا یہ مذہب اور الحاد وغیرہ کا جھگڑا بالکل بے کار ہے،

۶۴ من ہیچ ندانم، کہ مرا آنکہ سرشت   کرد اہلِ بہشتِ خوب یا دوزخِ زشت

جامے و بتے و بربطے بر لبِ کشت   این ہر سہ مرا نقد ترا نسیہ بہشت

مطبوعہ نسخون مین آنکہ کی جگہ آنکہ بکافِ تازی لکھا ہے، دوسرا مصرع دونون، الہ آبادی اور لاہوری نسخون مین اس طرح درج ہے، ؎

از اہلِ بہشت کرد یا دوزخِ زشت،

آنگہ سے آنکہ بہتر ہے، لیکن دوسرا مصرع قلمی اچھا ہے، خوب و زشت مین صنعتِ تضاد ہے، اس لئے دوزخِ زشت کے مقابلہ مین بہشت "خوب" انسب ہے،

۶۵ خیام تنت بہ خیمہ می ماند راست   جان سلطان ست منزلش دارِ بقاست

فراشِ ازل زبہرِ دیگر منزل   ویران کند این خیمہ چو سلطان برخاست

مطبوعہ نسخون مین "سلطان روح ست" ہے اور "ازل" کی جگہ "اجل" تحریر ہے، چوتھا مصرع اس

طرح درج ہے، ؎

از پا فگند خیمہ کہ سلطان برخاست

۶۶ صحرا رخِ خود بابرِ نوروز بہشت   این دل کہ شکستہ گشت کے گشت درست

پس سبز خطے و سبزہ زارے می بین   اے بیخبر آنکہ سبزہ از خاک تو رست

مطبوعہ نسخون مین "بابر" کی جگہ "زاہر" ہے، دوسرا مصرع یہ ہے، ؎

"دین دہر شکستہ دل بنو گشت درست،" دوسرا شعر الہ آبادی نسخہ مین اس طرح لکھا ہے

با سبز خطے، بسبزہ زارے می خور   بریاد کسے کہ سبزہ از خاک تو رست

لاہوری نسخہ مین چوتھا مصرع تو قلمی کے مطابق ہے، مگر تیسرے مین کچھ فرق ہے [illegible]

مین "سبز خطے و سبزہ زارے و مئی" درج ہے،

۶۷ تا چند زنم بروے دریا ہا خشت   نومیدیم چون بت پرستان کنشت

امشب من و شیشۂ و جہودانِ کنشت   می خواہم و معشوقہ بہ دوزخ چہ بہشت

الہ آبادی نسخہ مین یہ رباعی بہت مختلف ہے، صرف چوتھا مصرع متحد ہے، باقی تینون مصرعون

مین زمین آسمان کا فرق ہے،

ہر چند کہ از گناہ بدبختم و زشت   نومیدیم چو بت پرستان ز کنشت

اما سحرے کہ میرم از مخموری   می خواہم و معشوق چہ دوزخ چہ بہشت

لاہوری نسخہ مین دوسرا اور چوتھا مصرع الہ آبادی نسخہ کے مطابق ہے، پہلا قلمی جیسا ہے

اور تیسرا یون درج ہے، ؎   امشب من و سیمبر جوانانِ کنشت

بصورت الہ آبادی نسخہ تقریبا غلط اور لاہوری قدرے غیر صحیح ہے، قلمی نسخہ درست ہے،

... دران دل کہ درد و سوزے نیست | سود از دہ از مہر دل افروزے نیست
... کہ تو بے بادہ بسر خواہی برد | ضائع تر از ان روز دگر روزے نیست

مطبوعہ نسخون مین "دران دل" کے بجائے "بر آن دل" ہے "وائے بر او" محاورہ ہے "وائے در او" نہین
... اس سے قلمی نسخہ مین کاتب نے سہواً دران لکھدیا ہے، دوسرا مصرع لاہوری نسخہ مین قلمی کے مطابق
... صرف از نہین ہے، "سود از دہ" "مہر دل افروز" کی طرف مضاف ہے، الہ آبادی نسخہ مین "...
... داز دہ مہر دل افروزے نیست" درج ہے، چوتھے مصرع مین دونون مطبوعہ نسخون کے اندر دگر
... یگہ تر ا ہے،

۶۹ در مجلس دہر ساز ہستی پست ست | نے چنگ و نہ تائے و نے دلم بر دست ست
رندان ہمہ ترک مے پرستی کردند | جز محتسب شہر کہ دائم مست ست

مطبوعہ نسخون مین "ساز ہستی" کے بجائے ساز مستی اور بر دست کی جگہ "در دست" تحریر ہے، شارح
... ادی نے "ساز مستی پست ست" کا ترجمہ کیا ہے "مستی کا سامان کم ہے" ممکن ہے یہ مناسب ہو، لیکن مناسب
... کہ اس کا ترجمہ یون کیا جائے کہ زندگانی کا ساز (باجہ) پست (بے نغمہ) ہے، اس لئے کہ جو کیف آور
... باب ہین، چنگ، رباب، بانسری وغیرہ اور پھر سب سے بڑھکر دل، وہ میسر نہین، اور جب یہ اشیاء میسر نہین
... گی کا ساز نغمہ آفرین کس طرح ہو سکتا ہے،

از ما رمقے بہ سعی ساقی ماندہ ست | در صحبت عمر بے وفائی ماندہ ست
از بادۂ دوش یک نمی بیش نماند | وز عمر نہ دانم کہ چہ باقی ماندست

الہ آبادی نسخہ مین در کی جگہ از اور بے وفائی کی جگہ بیوفاتی ہے، تیسرے مصرع مین یک نمے
... ئے یک منے لکھا ہے، لاہوری نسخہ اس کے مطابق ہے، صرف از صحبت کے عوض در صحبت ہے، چوتھے

مصرع مین دونون کے اندر "دز" کے بجائے از لکھا ہے،

قلمی رباعی مین قافیہ درست نہین، غالباً کاتب کے سہو سے بیوفاقی کی جگہ بیوفائی درج ہوگیا، نقاط

اور ہمزہ تحریر مین اس قدر ہم شکل نظر آتے ہین، کہ انسان دھوکا کھا جاتا ہے، یہی غلط فہمی اس کا سبب ہوئی

لیکن اس سے قطع نظر کرکے قلمی نسخہ مرجح ہے، "یک من" سے "یکدم" کہین بہتر ہے، خیام کی تمام

طبیعت کل کے لئے ایک سیر کہان بچا رکھتی، وہ تو اس خیال کا حامی تھا، کہ جو کچھ ہے حال ہے، نہ معلوم کس

وقت یہان سے کوچ کرجانا پڑے،

۱۔ تا بتوانی، غمِ جہان ہیچ مسنج — بر دل منہ از آمدہ نا آمدہ رنج

خوش می خور و می بخش کزین دو رسپنج — با خود نبری گرچہ بسے داری گنج

مطبوعہ نسخون مین "از آمدہ و زنا آمدہ رنج" ہے، غالباً کاتب نے غیر ممدود الف کے زیر کے

نقطہ کو الف اور مد مین تبدیل کردیا ہے، آمدہ سے "آمدہ" بہتر ہے، اس لئے کہ رنج نام ہے اس شے کے نہ ملنے

کا جس کا ملنا، انسان کی ضروریاتِ زندگی مین داخل ہو،

تیسرے مصرع مین مطبوعہ نسخون کے اندر "کزین دو رسپنج" کے بجائے "درین دار سپنج" لکھا ہے، "درین"

"کزین" اچھا ہے، لیکن "دو" "دار" کی تحریف معلوم ہوتی ہے، اسرائے سپنج یا دار سپنج کہتے ہین، ممکن ہے دو سپنج

بھی کہتے ہون، لیکن میری نظر سے نہین گذرا،

۲۔ چون می گذرد عمر، چہ شیرین وچہ تلخ — پیمانہ چو پر شود، چہ بغداد وچہ بلخ،

میخور کہ بسے ماہ، برین چرخِ کہن — از سلخ بغرہ آید، از غرہ بسلخ،

تیسرا مصرع مطبوعہ نسخون مین اس طرح لکھا ہے، ؎

می نوش کہ بعد از من و تو ماہ بسے،

معنوی حیثیت سے دونون مصرع متوازن ہین لیکن قلمی مین روانی اور برجستگی زیادہ ہے،

تلخیص و تبصرہ

عورتون کا مرتبہ

اخبار ٹائمس کے ادبی ضمیمہ مین ایک مقالہ عورتون کی تدریجی ترقی کی تاریخ پر ہے جسمین مختصر طور پر طبقۂ نسوان کے مراحلِ ارتقا کا بیان ہے، سطورِ ذیل مین اس مضمون کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے،

جنگِ عظیم کے بعد جو زبردست انقلابات ہوئے، اُن مین سے ایک انقلاب وہ ہے، جو عورتون کے رتبہ مین واقع ہوا ہے، یہ انقلاب جو اسقدر تیزی کے ساتھ بلکہ یون کہنا چاہئے کہ یک بیک پیدا ہو گیا ہے، اس کی تکمیل کے لئے دراصل بیسیون سال کی مدت درکار تھی، عورتون کی اس جدید حالت کا مسئلہ نہایت اہم ہے، اور ضرورت ہے کہ اسپر غور کیا جائے،

سرسری طور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتون کی آزادی مین ایک بہت لمبا قدم ہے، جس کی رسائی متعدد شعبون تک ہے، مثلاً سیاست، قانون، معاشیات، اور تمدن، اس تحریک نے طبقۂ نسوان کو ایک بلند تر مقام پر پہونچا دیا ہے، تاریخ مین ایسی غیر معمولی عورتین ملتی ہین، جو اپنے زمانہ کے مردون مین بھی ممتاز تھین، بہت سی عورتین تاج و تخت کی مالک بھی ہوئی ہین، اور ان مین سے بعض نہایت طاقتور اور مضبوط ارادہ کی تھین، ان کے علاوہ ایسی عورتین بھی اکثر پیدا ہوتی رہی ہین، جن کی عزت کسی غیر معمولی کمال کی وجہ سے کی جاتی تھی، لیکن مرد ان مخصوص عورتون کی جو توقیر کرتے تھے وہ اُس احترام سے بالکل علٰحدہ تھی، جو عام عورتون کے ساتھ برتا جاتا تھا، عیسائیت نے عورتونکا مرتبہ بہت کچھ بڑھا دیا، خصوصاً حضرت مریم کے باعث جنکی پرستش نے تمام طبقۂ نسوان کو لائقِ احترام بنا دیا، لیکن

باوجود اس کے مساوات کا کوئی سوال نہ تھا، رومن چرچ نے بھی کبھی عورت کو پوپ یا کارڈنل یا کسی قسم
کا پادری بھی بنانے کا خیال نہیں کیا، معزز عورتین رہبانیہ ہوتی تھین، وہ اپنی برادری پر [illegible] رکھتی تھین لیکن
ہمیشہ مردون کے زیر ہدایت کام کرتی تھین، مغربی عورتون کی حالت مشرق کی عورتون سے بہتر تھی تاہم
کچھ لوگونکا خیال تھا کہ یہ جانورون کے مانند ہین، اور ان مین کوئی روح نہین ہے، گو یہ خیال عام طور
پر تسلیم نہین کیا جاتا تھا، پھر بھی اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین عورتون کی کیا حیثیت سمجھی جاتی تھی،
اسوقت سے ایک زبردست تبدیلی واقع ہوگئی ہے، اور اسکا باعث وہ تاریخی واقعات ہین جنھون نے گذشتہ چیزون
مین تبدیلی پیدا کردی ہے،

عورتون کے مرتبہ مین جو انقلاب پیدا ہوا اسکا پہلا سبب نشاۃ ثانیہ تھا، یعنی وہ دور جس مین علوم
قدیمہ کا احیاء ہوا، اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل علم اشخاص کی عزت کیجانے لگی، اس مین معزز خواتین بھی
مردون کی شریک تھین، لیکن عام طبقۂ نسوان کے مرتبہ مین کوئی فرق نہیں ہوا، نشاۃ ثانیہ کے بعد ریفارمیشن
(اصلاح مذہبی) کا دور آیا، یہ ایک مذہبی تحریک تھی اور عورتون پر اس کا خاص اثر ہوا، طباعت کی ایجاد
کے بعد علوم کی اشاعت مین تیزی کے ساتھ ترقی ہوئی، اور فاضل عورتون کی تعداد بڑھتی گئی، اٹھارہوین
صدی مین عورتون کے قائم کردہ مذہبی فرقون کو بہت ترقی ہوئی، اور بعض مین انکا اثر بڑھتا
رہا، سیاسی حقوق کے لئے امریکہ مین سترہوین صدی مین عورتون نے کوشش شروع کردی تھی، وہان [illegible]
مین مارگرٹ برنٹ (Margaret Brent) نے میری لینڈ (Maryland) کی اسمبلی
مین بحیثیت ایک ممبر کے بیٹھنے کا حق ظاہر کیا تھا، اٹھارہوین صدی مین کئی ایک ٹیکس ادا کرنیوالی عورتون
نے اپنی نمایندگی کا مطالبہ کیا،

ان مثالون سے عورتون کی ترقی کی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے، آبادی کی ترقی کے ساتھ قابل عورتون
کی تعداد بھی بڑھتی گئی، انیسوین صدی مین عورتون کی ترقی کی عام تحریک پیدا ہوگئی، [illegible]

نے ۱۸۴۸ء مین مسئلۂ نسوان کا ایک مفصل پروگرام مرتب کیا، اور یہ دکھایا کہ حکومت کے معاملات مین حصہ لینا عورتونکا حق ہی نہین بلکہ اُن کا فرض بھی ہے، اور اس فرض کی انجام دہی کے لیے حکومت کو چاہیئے کہ تمام عورتون کو تعلیم دے اور سیاسی حقوق کے ساتھ عورتون کو معاشیاتی آزادی بھی حاصل ہونی چاہیئے۔ سیاسی تعلیمی اور معاشیاتی معاملات مین عورتون کے مطالبات بڑھتے گئے۔ چند سالون مین عورتون کے مطالبات کو بڑھانے کی غرض سے بہت سی انجمنین اور مدرسے قائم ہوگئے، اور اس تحریک مین عیسائی اشتراکیون نے خاص حصہ لیا، ۱۸۶۵ء مین جان سٹوارٹ مل (John Stuart Mill) عورتون کے ووٹ کی مدد سے پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا، اس کے انتخاب کا عوام پر نمایان اثر ہوا، ۱۸۶۹ء مین مل نے اپنی کتاب "عورتون کی محکومیت" شائع کی، اس کے بعد متعدد ممالک مین عورتون کے مرتبہ مین ایک عام ترقی نمودار ہونے لگی، ۱۸۶۵ء مین جرمنی مین دو اہم انجمنین قائم کی گئین، یہ انجمنین (National Association of German women) اور (Dr. Lette's Society for Promoting The Employment of Women) تھین ان دونون انجمنون پر انگلستان کی تحریک کا بہت کچھ اثر تھا انگلستان مین یہ تحریک تیزی سے ترقی کرتی گئی،

۱۸۴۴ء مین پارلیمنٹ نے ایک فیکٹری ایکٹ (Factory Act) نافذ کیا، جس کی رو سے کام کرنے والی عورتون کو حفاظت کے وہی حقوق دئے گئے جو اٹھارہ سال سے کم کے مردون کو حاصل تھے، ۱۸۴۷ء مین ایک قانون نافذ کیا گیا، جس سے کارخانون مین عورتون کے کام کرنے کی مدت دس گھنٹے متعین کیگئی، شادی شدہ عورتون کی جائداد اور ان کی ملکیت کے متعلق ایک عام شورش پیدا ہوئی، ۱۸۸۳ء مین ببل (Bebel) کی کتاب "عورت اور اشتراکیت" (woman and Socialism) شایع ہوئی، اسکا مقصد مردون اور عورتون کی مساوات کو بیان کرنا تھا، مصنف نے ہر بات مین دونون کو ایک ہی سطح پر کھڑا کرنے کی کوشش کی، اس کتاب کا اثر بہت گہرا پڑا، اور اس کے خیالات عام طور پر

تسلیم کیے گئے، غرض یہ تحریک ترقی کرتی گئی، یہان تک کہ جنگ عظیم کے بعد وہ مقصد حاصل ہو گیا جس کے لیے اسّی نوّے سال سے برابر کوشش جاری تھی، اس عرصہ مین عورتین مردون کی مدد سے زندگی کے سیاسی، معاشیاتی، اور تعلیمی شعبون مین مساوی حقوق کے لیے جد وجہد کر رہی تھین، جنگ سے قبل کہین کہین اس قسم کے کچھ حقوق حاصل ہو گئے تھے، لیکن ان مطالبات کی تکمیل جنگ کے بعد ہی ہوئی، اب بہت کم ایسے شعبے ہین جن مین عورتین مردون کے دوش بدوش نہ ہون، وہ پارلیمنٹ کی ممبر ہین، سرکاری دفترون مین کام کرتی ہین، جیوری کی رکن ہوتی ہین اور میر ملبد (Mayor) ہو جاتی ہین،

تہذیب اسلامی کی تاریخ

مسٹر زویمر (Mr. Zwemer) یعنی وہ مشہور عیسائی مشنری جس نے دنیاے اسلام کو عموماً اور مسلمان عربون کو خصوصاً عیسائی بنانے کا بیڑہ اٹھایا ہے، انھون نے اپنے رسالہ مسلم ورلڈ مین مسٹر خدا بخش کی کتاب "تاریخ تہذیب اسلامی" پر ایک تبصرہ لکھا ہے، مسٹر زویمر جو اسلام سے جس قسم کا شغف ہے، اس کی تفصیل کی ضرورت نہین، باین ہمہ تبصرہ مین انھون نے اس کو بیشتر نظر سے لکھنے کی کوشش کی ہے،

"کتاب کے چار ابواب جو اسلامی تہذیب و ... اس کی اصل ... ایک ... کے عرب دارالعلوم اور وہان کے اساتذہ اور خوارج سے متعلق ہین، یہ جرمن مولفین کی کتابون کے ترجمے ہین بقیہ مختلف وسعت اور حیثیت کے ہین، ہارون رشید اور ابن خلدون کے حالات نہایت خوبی و صحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہین، اور "قرون وسطیٰ مین مسلمانون کا نظام تعلیم" ... اب بھی قابل مطالعہ ہین، تین ابواب مین موجودہ صورت حال سے بحث کی ... یقین ہے کہ اسلامی تہذیب محض دور گذشتہ کی یادگار نہین ہے بلکہ ایک روشن مستقبل بھی اس کے سامنے ہے، ... اپنے مقصد سے

دور نہین ہو رہا ہے، مسٹر خدا بخش کا خیال ہے کہ تحریک اس سے بالکل مخالف ہے[1]، یہ تحریک اُس اسلام کی طرف لیجا رہی ہے جو رسمی اعتقادات کی پابندیون سے آزاد ہے، اُس اسلام کی طرف جو ترمیم پذیر ہے اور تہذیب کی ترقی کے ساتھ چل سکتا ہے، اُس اسلام کی طرف جو محبت اور روشنی کی طرف ہمین لیجاتا ہے اور اُس اسلام کی طرف جو دائمی حقائق کی تبلیغ اور غیر محدود ترقی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، غرض یہ تحریک اُس اسلام کی طرف لیجا رہی ہے جو نبی مرسل صلعم کا اسلام ہے" مؤلف کے نزدیک یہ ممکن اور پسندیدہ ہے کیونکہ "اسلام مین انسان کی ترقی کے لئے کوئی مانع نہین ہے، قران مین تمام تر منتہائے کمال کی ہدایتین ہین، اور قران ہی ہمارا نور اور ہادی ہے، یہ تو طریق نماز کے متعلق بھی کوئی حکم نہین صادر کرتا، پھر ایسے قوانین کے نافذ کرنے کا کیا ذکر ہے جو ترقی کے سد راہ اور روشنخیالی کے مخالف ہون، کوئی آیت بھی تہذیب و تمدن کی مخالفت مین نہین ہے، کیا ایسی بنیاد کسی تہذیب کی تعمیر کے لئے بھی ناکافی ہو سکتی ہے ؟" اتحاد اسلامی کے فنا ہونے کے بعد قومیت کا ظہور ہوا ہے، لیکن آج کی وطنیت نیست و نابود کرنا کیا معنی اسلام کی اس روحانی برادری پر فوقیت بھی نہین لیجاتی، جو تمام مسلمانون کو اپنے وسیع آغوش مین لئے ہوئے ہے، یہ اسلام کو کمزور نہین کرتی، یہ اُسے تقویت دیتی ہے، ہر قوم اپنے جغرافی حدود کے اندر اپنے افعال کی مختار ہے لیکن وہ ہرگز فراموش نہین کر سکتی کہ قومی حدود کے ماورا اسلام کی برادری ہے، جو قومی رکاوٹون کو دور کر کے اسلامی یگانگت کو قائم کرتی ہے، ترک، مصری، عرب، ایرانی، ہندوستانی اور افغانی، یہ سب باوجود نسلی اختلافات کے مذہبی اتحاد کی قوت محسوس کرتے ہین، مسجد مین، حج کے موقعہ پر، ممالک غیر مین، غرضکہ ہر جگہ جہان وہ ایک دوسرے سے ملتے ہین،" ان مختلف قومون کے درمیان کوئی مخاصمانہ اغراض نہین، کوئی اجنبیت نہین، کوئی ایسی خلیج نہین، جو پر نہ کیجا سکے، ایسی خلیج جو انگریزون کو فرانسیسیون سے یا جرمنون کو ان دونون سے جدا کرتی ہے"، اس دعوی مین ایک سچائی ہے، جس پر مصنفین

---

[1] معارف بالکل عجیب،

مغرب نے پردہ ڈال رکھا ہے، مغربی تہذیب نے مسلمانون کو بیدار کردیا ہے، ہرجگہ ہندوستان مین، مصر مین، فارس مین، ترکی مین، جدھر دیکھیے مسلمانون مین نئی زندگی پیدا ہورہی ہے، وہ مسائل کو زمانۂ حال کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہین، مذہبی قوانین کی تشریح کے لیے نئے قواعد بناتے جاتے ہین، حال کو ماضی سے مطابقت دے رہے ہین، موجودہ ادارون کا جواز قرآن اور حدیث سے ثابت کررہے ہین، اور اُس خلیج کو پُر کرنے مین کوشان ہین، جو دنیاے اسلام کے دو بڑے فرقون کے درمیان حائل ہے"لیکن اُس اسلامی تہذیب مین جس کی تبلیغ مسٹر خدابخش کرتے ہین، بہت کچھ عیسائیت کا عنصر رہے گا، "زمانہ ماضی مین جیسا کہ ہم دکھا چکے ہین عیسائی اور اسلامی تمدن کے بنیادی اجزا ایک ہی تھے، کیا اب بھی وہ اُسی مقصد کیطرف نہین جارہے ہین؟" "حقیقی اسلام حقیقی عیسائیت ہے مقصد دونون کا ایک ہی ہے" خاتمہ پر مسٹر خدابخش لکھتے ہین کہ "مغربیت کی جو ہوا اپنی پوری طاقت سے آج مشرق مین چل رہی ہے اُس سے اسلام مین نہ تو کوئی کمزوری یا نقص پیدا ہوا ہے، اور نہ وہ برباد ہوگیا ہے، اسلام نہایت مضبوطی کے ساتھ ان ہواؤن کے مقابلہ مین قائم ہے" کیا مولف کا یہ خیال اسوجہ سے ہے کہ اُن کی خواہش ہے کہ ایسا ہی ہوتا، یا وہ کیا ہندوستان، ترکی و ایران کے حالات سے بیخبر ہے؟

معارف:- ہم کو مسٹر صلاح الدین خدابخش خان کے تراجم سے جو وہ انگریزی کتابون کو بے انتہا عقیدت کے ساتھ انگریزی مین منتقل کرکے اپنے نام سے شائع کرتے ہین کبھی کوئی عقیدت نہین رہی ہے، وہ لوگ جو اپنے گھر کا حال بھی دوسرے لوگون کی زبانی سنکر دوسرون کو سناتے اور خوش ہوتے ہین کہ ہم بھی اپنے گھر کے حال سے واقف ہین، رحم کے قابل ہین، تاہم مسٹر موصوف کی دلچسپ انشا پردازی سے اسلام کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے کہ انگریزی دنیا اسلام سے کسی نہ کسی طرح آشنا ہوتی ہے، مگر اُن سے زبردست نقصان ان انگریزی خوان مسلمانون کو پہنچ رہا ہے جو مہربانی

حروف مین چھپی ہوئی کتاب کو مقدس کتاب کا درجہ دیکر اوس کے ہر رطب و یابس کو قبول کر لیتے ہین اور ان کو تحقیق کی انتہا سمجھتے ہین،

اکثر عیسائی "روشن خیال اسلام" کو اصلی اسلام کہنے سے گریز کرتے ہین، کہ یہ اسلام قدیم ملّایانہ اسلام کے خلاف ہے کیا زویمر جیسے پروٹسٹنٹ عیسائی سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ "کیا رومن کیتھولک یہ کہنے مین حق بجانب ہین، کہ پروٹسٹنٹ یعنی "روشن خیال عیسائی" اصلی عیسائی نہین ہین؟"

صنعا دار السلطنت یمن

برلن کی انجمن جغرافیہ کے رسالہ مین راجنس (C. Rathjens) اور فان وسمین (Von Wissmann) نے ذاتی معلومات کی بنا پر صنعاء کا ایک مفصل بیان دیا ہے، جسمین خصوصیت کے ساتھ اس کی طبعی حالت اور وہان کے باشندون پر اس حالت کے اثر کو دکھایا ہے،

اس مقالہ مین صنعاء کی مختصر تاریخ، اس خطہ اور شہر کا نقشہ اور متعدد تصویرین ہین، یمن و سطح کی طبعی تقسیم پر خاص زور دیا گیا ہے، جو باعتبار آب و ہوا متوازی خطّون مین کی گئی ہے، ایسے چھ خطے علحدہ علحدہ دکھائے گئے ہین :- (۱) تہامہ کا ساحلی حصہ (۲) کنارہ کا بلند حصہ (۳) خارجی پست منطقہ، (۴) اندرونی بلند حصہ (۵) اندرونی پست منطقہ (۶) مشرقی پہاڑیان، ان مین سے ہر حصہ کی آب و ہوا جداگانہ ہے،

تہامہ کے گرم اور خشک خطہ کے بعد وہ حصہ پڑتا ہے، جو یمن کا بہترین حصہ ہے، یعنی کنارہ کا بلند خطہ، یہان بارش اور پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے، اور آبادی بھی سب سے زیادہ ہے، قہوہ کے درخت یہان نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین، تیسرے حصہ مین بارش نسبتہً کم ہوتی ہے، اور کاشت

بھی صرف وادیون کے بلند حصون مین کیجاتی ہے، چوتھے حصہ مین بھی بارش کم ہوتی ہے، اور زراعت صرف مغربی بلند حصون مین کی جاتی ہے، اندرونی پست منطقہ مین موسم بہار مین کم اور موسم گرما مین زیادہ بارش ہوتی ہے، یہان کی آب و ہوا عمدہ اور صحت کے لئے مفید ہے، اور اس منطقہ مین کہین کہین خط نمبر ۲ سے بھی زیادہ آبادی ہے، مشرقی پہاڑیون مین جن کی بلندی [illegible] مشرق جانب متعدد وادیان ہین، قدیم زمانہ مین جب ایک اہم تجارتی راستہ اس حصہ سے [illegible] کی جانب جاتا تھا، تو یہ خطہ قدیم ترین تہذیب کا مرکز تھا، لیکن بعد مین یہ مرکزیت مغرب کی جانب منتقل ہوگئی، اور صنعاء نے اندرونی پست منطقہ مین اہمیت حاصل کرلی، اس مقالہ مین [illegible] کی کثرت کاشت کا بہت واضح بیان ہے، کنوون سے آبپاشی کرکے سال مین تین فصلین [illegible] ہین، شہر کا نقشہ انگریزی ہندسہ ۸ کی شکل کا ہے، اور دراصل بجائے ایک کے دو شہر ہین، [illegible] مغرب کی طرف آباد ہین اور قدیم شہر جو مشرق کی جانب ہے اصل مین اسی کا نام صنعاء [illegible] شہر کا تفصیلی نقشہ اور عمارتون کی تصویرین بھی شامل ہین، اور وہان کے باشندون کی [illegible] کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے،

"ع ر"

دار المصنفین کی نئی کتاب

سیر الصحابہ کے حصہ مہاجرین کی تیسری جلد

ازشاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

جس مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت ابو ہریرہ دوسی حضرت سلمان فارسی حضرت [illegible] حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر [illegible] اخلاق و فضائل، اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی، مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل [illegible]

قیمت :- ۳ عہ		"منیجر"

اخبار علمیہ

اتحادِ مذاہب

امریکہ مین مصلحین کا ایک گروہ مختلف مذاہب مین رواداری پیدا کرنے مین مشغول ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین یہودیون کی تقریب نوروز کے موقعہ پر نیویارک مین ایک ہزار مختلف اہلِ مذاہب کا ایک اجتماع ہوا، اور رسل کلنشی، راسر لنیٹڈ، سید حسین، کدارناتھ داس گپتا، اور ڈاکٹر بھگت سنگھ نے اس موضوع پر مختلف تقریرین کین، مسٹر کلنشی نے فرمایا آج دنیا کی مذہبی زندگی مین کوئی سوال اِس سوال سے زیادہ اہم نہین ہے کہ مختلف مذاہب کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہئے، اور کیونکر وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرسکتے ہین، یہ سوال عیسائیت اور یہودیت کے متعلق خاص طور پر صحیح ہے"، مسٹر داس گپتا نے بیان کیا کہ ہندؤن کو اپنے یہودی ہمسایون کے ساتھ کیون محبت ہوتی ہے، "ہنود کو یہودی کے ساتھ اس لئے محبت ہے کہ وہ بھی ہندؤن کی طرح ایسے خدا کی پرستش کرتا ہے جو تھا، جو ہے' اور جو رہیگا؛ اسلئے کہ یہودیون مین عیسی ابن آدم پیدا ہوئے، یہودیون ہی مین دنیا کے بڑے بڑے پیغمبر نمودار ہوئے، اور اس لئے کہ یہودیون اور ہندؤن کے طریقِ عبادت مین ایک حد تک مشابہت بھی ہے خصوصًا عبرانی اور سنسکرت مذہبی ترانون مین"۔ ان کے علاوہ اور بھی تقریرین ہوئین، اور مختلف اداروں نے مبارکباد کے پیغامات بھیجے، ان میں سے ہر ایک سے اُس ہیجانی کا اظہار ہوتا ہے، ایک نامہ نگار کا خیال ہے کہ "یہ تحریک تاریخِ مذہب مین ایک جدید تحریک ہے، اور رفتہ رفتہ وہ دیوارین گر رہی ہین جو یہودی اور عیسائی مذہب کے متبعین کو جدا کئے ہوئے تھین"۔

ٹالسٹائے کی زندگی

حال مین مسٹر نزیراف نے ٹالسٹائے کی ایک سوانح عمری شایع کی ہے جس سے ٹالسٹائی کے سوانح حیات کے مختلف ابواب پر نئی روشنی پڑتی ہے، سوانح نگار کے پیش نظر جو چیز خصوصیت کے ساتھ تھی وہ ٹالسٹائی کے ذاتی اخلاق و عادات تھے، اس کتاب کے مطالعہ سے ٹالسٹائی کی غیر معمولی دماغی اور جسمانی قوت کا حال معلوم ہوتا ہے، بہت کم چیزین اسکے مشاہدہ مین ایسی آئین جن کی تحقیق اُسنے عملی تجربہ سے نہ کی ہو، کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینا اسکی زبردست طبیعت کے بالکل منافی تھا، لڑکپن کے زمانہ مین یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ پرواز کر سکتا ہے یا نہین، وہ کھڑکی کے باہر کود پڑا، نوجوانی کی حالت مین ایک روز اپنی قوت [illegible] کی آزمایش کی غرض سے وہ کئی منٹ تک اپنی انگلی کو جلتی ہوئی شمع مین رکھے رہا، یونانی زبان سے [illegible] وہ دو [illegible] مستند کتابون کی مدد سے توراۃ و انجیل کا ترجمہ کرنے کیلئے [illegible] زبان سیکھنے کا فیصلہ کرلیا، ساٹھ سال کی عمر مین ادبی مشاغل سے فرصت کے اوقات مین [illegible] لکڑی کاٹنے، پانی چلانے اور کھیتون مین کام کرنے مین مشغول رہتا، وہ بیک وقت [illegible] ناولنگار، فلسفی، معلم و ماہر تعلیم، ایک بڑے خاندان کا سردار، ایک فرقہ کا بانی [illegible] مین سب سے بڑا مصنف [illegible] اسے عظمت و شان کی خواہش نہ تھی بلکہ وہ اس سے [illegible] ۲۳ سال کی عمر مین وہ اپنی ڈائری مین لکھتا ہے "مجھ مین کوئی بات ہے جس سے مجھے یقین ہے کہ مین [illegible] لوگون کی طرح زندگی گزارنے کیلئے نہین پیدا ہوا ہون، مین لوگون کی زندگی [illegible] پر ایک زبردست اثر ڈالنا چاہتا ہون" اس مین شبہہ نہین کہ اسکی زندگی دوسرون کی زندگی سے مختلف تھی، اس کے سوانح حیات کا ہر صفحہ اس کی غیر معمولی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اکبر کی مصوّر اشرفی

حال مین برٹش میوزیم نے اکبر کی ایک مصور اشرفی حاصل کی ہے، یہ مشہور اشرفی شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی کے پہلے سال یعنی ۱۶۰۵ء مین ڈھالی گئی تھی اسپر ایک طرف اکبر کی تصویر ہے، جیسے وہ روز دربار عام کے وقت جھروکہ مین بیٹھا کرتا تھا، اور دوسری طرف آفتاب درخشان کا مرقع ہے، اس سکّہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اسپر اکبر کی تصویر ہے، اسلیئے کہ باوجود اس کے کہ آخر عمر مین اکبر کی مذہبی پابندی بہت کچھ کم ہوگئی تھی، تاہم اُس کے سکّے عام مسلمان بادشاہون کے سکّون کی طرح بلا تصویر کے ہوتے تھے، علاوہ برین اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسپر اکبر کی مستند تصویر ہے، سب سے بڑی خصوصیت اس کی یہ ہے کہ یہ اکبر کے دین الٰہی کی یادگار ہے، جہانگیر کا ارادہ تھا کہ اکبر کے طریق پر ایک جدید مذہب قائم کرے اور اس مذہب کے متبعین کو بطور رکنیت کی علامت کے ایک با تصویر تمغہ دے، اس سلسلہ مین وہ تزک جہانگیری مین اسی سکہ کا ذکر کرتا ہے لیکن مذہبی تجربہ کا یہ خیال اس کے دل سے جلد جاتا رہا، اور صرف یہ سکہ ہی اُس مذہب کی یادگار رہ گیا،

تہذیب کی ترقی

پروفیسر ہالڈین نے ہارپرس میگزین کے ایک مقالہ مین دکھایا ہے کہ اب سے ایک صدی قبل انگلستان کا طرز معاشرت قدیم بابل کے طرز معاشرت سے بہتر نہ تھا، جہان تک قانون کا تعلق ہے، ڈنجی بادشاہ اُر کے قوانین جو ۲۳۴۳ء قبل مسیح مین بابل مین حکومت کرتا تھا، جارج چہارم شاہ انگلستان (۱۷۶۲ء تا ۱۸۳۰ء) کے قوانین سے بہتر تھے شاہ ڈنجی کی رعایا غلام رکھتی تھی لیکن ان غلامون کو ذاتی جائداد رکھنے کی اجازت تھی، وہ لوگ بچون کو چوری کی سزا مین پھانسی نہین دیتے تھے، ان کی بیویون کے پاس انگلستان کے قانون کے برخلاف ذاتی جائدادین ہوتی تھین، اگر کوئی شوہر داشتہ عورت رکھ لیتا تو بیوی کو اس بات کا حق تھا، کہ اس عورت سے اپنے پیر دھلوائے اور اپنی کرسی گرجا مین لوا جائے، برخلاف اس کے ۱۹۲۲ء تک

انگلستان کی عورتون کو اس معاملہ مین کوئی قانونی چارہ جوئی حاصل نہ تھی، چونکہ ان قوانین سے قانون سازون کے معیارِ اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ اخلاقیات نے زیادہ ترقی نہین کی ہے،

بین الاقوامی ایرانی علمی نمایش

آئندہ جنوری مین لندن مین ایران کی ایک علمی و فنی نمایش ہونے والی ہے، جس مین ایرانی مصنوعات کے تمام قدیم و جدید سامان فراہم کئے جا رہے ہین، اس نمایش کے انعقاد کے اخراجات کا تخمینہ دس ہزار پونڈ کیا جاتا ہے، تقریباً تیس ممالک نے دو ہزار نمایش کی چیزین بھیجی ہین، ایران کے علاوہ جہان سے رضاکارانہ نے اپنے ذاتی اہتمام مین یہ نوادر روانہ کئے ہین، ترکی، مصر، ہندوستان، روس، پولینڈ، ڈنمارک، اسپین اور اٹلی نے بھی دیگر ممالک کے ساتھ اپنے ہان کی قیمتی اشیاء اس نمایش مین بھیجی ہین، مسٹر کیلنگ ناظم نمایش کا خیال ہے کہ اگر برلنگٹن ہاؤس (جہان یہ نمایش منعقد ہونے والی ہے) مین کوئی زلزلہ آیا تو بیمہ کی کمپنیان دیوالیہ ہوجائین گی، کیونکہ ان نوادر کا یہ مجموعہ بیحد قیمتی ہے،

ستارون کی ساخت

آکسفرڈ کے پروفیسر ملنے نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ستارے کی ساخت انڈے کی ساخت سے ملتی جلتی ہے، مرکزی حصہ مین انڈے کی زردی کی طرح ایک قسم کی سخت چیز ہوتی ہے، اور اس کے چارون طرف نسبۃً ہلکا مادہ ہوتا ہے، زردی مین ہیئت دانون کے اندازے سے کہین زیادہ تپش ہوتی ہے [illegible] ...... ڈگری پر عام طور سے اتفاق تھا لیکن پروفیسر موصوف کا اندازہ یہ ہے کہ تپش .... ڈگری کی ہوتی ہے،

ایک ہندوستانی فاضل کو نوبل پرائز

یہ خبر معارف کے حلقہ مین بھی مسرت سے سنی جائیگی کہ یورپ کا مشہور نوبل پرائز اس سال ایک ہندوستانی فاضل پروفیسر رامن کلکتہ یونیورسٹی کو علم طبیعیات مین ایک دریافت کے صلہ مین عطا کیا گیا ہے، "ع ز"

ادبیات

کچھ نہ تھا

از

جناب شاہ ابوالشرف صاحب مجددی دہلوی ۔

رات بھر ہر بزم مین کیا کچھ نہ تھا ... صبح ہوتے ہی جو دیکھا کچھ نہ تھا
دیکھ لی یوسف کی بھی ہم نے شبیہ ... رنگ تیرا اس مین کچھ تھا کچھ نہ تھا
تھی تمنا مین ہوا خواہی تری ... مین ہوا خواہ تمنا کچھ نہ تھا
تم نے آکر جان دل مین ڈالدی ... اس مین تو میرے مسیحا کچھ نہ تھا
کھل گیا رازِ نمودِ ہست و نیست ... تو ہی تھا اے عالم آرا کچھ نہ تھا
تھی نویدِ مرگ امید افزای عیش ... زندگی بھر کا تماشا کچھ نہ تھا
اللہ اللہ شانِ استغنائے حسن ... اے نصیبِ عشق تیرا کچھ نہ تھا
اسقدر ناز اپنے جلوہ پر تمھین ... میرا دل میرا کلیجا کچھ نہ تھا
کب ہوا مین ہمکنارِ یاس، آہ ... مجھ مین باقی جز تمنا کچھ نہ تھا
جانے والے لامکان سے بڑھ گئے ... پوچھئے پھر بھی کہ کیا تھا، کچھ نہ تھا
جب نظر جاتی ہے اپنی اصل پر ... سوچتا ہون مین بھی تھا یا کچھ نہ تھا
مین نے اپنی جان تک کر دی فدا ... آپ کے نزدیک گویا کچھ نہ تھا
پیشکش محشر مین مین دست تہی ... میرے پاس اے میری مولا کچھ نہ تھا

انتہائے معرفت ہے اے شرف

ہم نے جو دیکھا جو سمجھا کچھ نہ تھا

"تم کس سے مخاطب ہو؟"

از

جناب سید مقبول حسین صاحب احمد پوری

ہیں کونسی امیدیں، وہ کونسی حسرت ہے؟

یہ کس کی محبت ہے، کیسی یہ مسرت ہے؟

کیا خود سے مخاطب ہو؟

کیا کوئی دھڑکتا دل دمساز ہوا تم سے؟

کیا جوشِ بہاراں خود ہمساز ہوا تم سے؟

تم کس سے مخاطب ہو؟

غربت میں ہو شاید تم، کیا یاد وطن آئی؟

بلبل کی سی حالت کیوں، کیا یاد چمن آئی؟

تم کس سے مخاطب ہو؟

اس شامِ غریبی میں کیوں صبحِ وطن نظر ہے؟

احباب ہیں یاد آتے؟ کہتے نہیں کیوں تم؟

تم کس سے مخاطب ہو؟

خاموش ہنسی کیسی، غمگین یہ ترنم کیوں؟

خلوت سے ہی کیون رغبت؟ مجبورِ تبسم کیون ؟

کیا دل سے مخاطب ہو؟

شاہد ہے، متانت سے جذبہ کا چھپا لینا ۔

اور گہرے تنفس سے یہ سر کا جھکا لینا ۔

تم دل سے مخاطب ہو؟

دل محفلِ عشرت ہے، دل منزلِ راحت ہے،

ہر بات ہے اس دل سے، دل ہے تو محبت ہے،

سب دل کی بدولت ہے !

"قوتِ بازو"

از جناب سید محمد ابراہیم صاحب نجم ندوی،

انگریزی شاعر "کوپر" کی نظم "MY GOOD RIGHT HAND" "میرا دست راست" کا ترجمہ

شومیٔ تقدیر سے مین چاہِ غم مین گر پڑا   اور محوِ شکوہ سنجی وحشتِ دل سے ہوا

بیکسی سے تنگ آکر مائلِ یاران ہوا   لیکن اُن کی جستجو مین مفت سرگردان ہوا

شرمسار احباب تھے اور آشنا سب تھے اُداس   دے رہے تھے مشورے لیکن یہ دل مین تھا ہراس

ناگہان ان سے نہ ہون مین سیم و زر کا خواستگار   یہ تخیل اُن کے دل مین آرہا تھا باربار

مین نے تب سوچا کہ اُن کی ہی مجھے پروا ہی کیا   خود مری پہلو مین ہے اک مونسِ درد آشنا

جو مرا غمخوار ہے اور جو مرا تیماردار   چارہ گر ہے جو مرا اور جو رفیقِ جان نثار

اعتماد ابنائے عالم پر نہ کرنا چاہیئے
ریگ پر تعمیر ہرگز گھر نہ کرنا چاہیئے

اعتقاد اب دل سے رکھونگا تو اللہ ھو پر مین
اعتماد اب کرون گا قوت بازو پر مین

اس ارادے مین بنایا اپنے کو جب استوار
تب ہوا مجھ پر نزول رحمت پروردگار

از سر نو ہمت مرحوم زندہ ہو گئی
بن گئی تدبیر کی تقدیر روٹھی ہی رہی

پھر مری روٹھی ہوئی تقدیر مجھ سے ہٹ گئی
اور مری ناگفتہ بہ حالت بھی بہتر بنگئی

خودغرض احباب کی محفل مین آمد ہو گئی
دوست کچھ ایسے بھی آ دیوانے آتے تھے کبھی

جی مین آتا ہے کہ جا کر ان سے کہدون آج مین
آپ جیسے دوستون کا کچھ نہین محتاج مین

نجم کافی ہے مدد کو قوت بازو مجھے
یہ سلامت ہے تو دنیا مین نہ مجھے کیا چاہیئے

دوست وہ ہے جسکو ہر دم دوستی کا پاس ہو
شادمان ہو دوست اسکا یا اسیر یاس ہو

قوت بازو سے بڑھکر کوئی نعمت ہی نہین
یہ ہے وہ گوہر کہ جسکی کوئی قیمت ہی نہین

الجہاد فی الاسلام

باب التقریظ والانتقاد

"عرب وہند"

از

مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب رئیس مظفر پور

جناب مولانا الحاج السید سلیمان صاحب ندوی جو علامہ شبلی نعمانی کے جانشین بالاستحقاق اور دار المصنفین کے روح رواں ہین، انھون نے عرب وہند کے تعلقات پر چند خطبے دئے، الہ آباد کی ہندوستانی اکیڈمی نے ان سب خطبون کو ایک کتاب کی صورت مین شائع کیا ہے، جناب مصنف نے ایک نسخہ اس کتاب کا مجکو عنایت کیا جسکا شکر ادا کرتا ہون،

(محمد اعجاز حسن)

عام خیال لوگون کا یہ ہے کہ عربون سے ہندوستان کے تعلقات اسلام کے بعد شروع ہوئے، وہ بھی شمالی ہند کی قومین فاتحانہ حیثیت سے جب یہان آئین، گویا جنگ و جدل کے ذریعہ تعلقات قائم ہوئے، کچھ عرب دریا کے رستہ سے ملیبار کے طرف آئے تھے مگر اسکو اہمیت نہین دیجاتی، علامہ شبلی نے ایک بار یہ لکھا تھا[1] کہ "ہندو کبھی ایران اور عرب مین چڑھکر نہین گئے، اس کے بجائے اِن کے ملک پر ہم نے حملہ کیا، اس مین شک نہین کہ ہم نے (یعنی مسلمان نے) حملہ کیا تھا مگر مسلمانون نے مسلمان ہونے کی حیثیت سے حملہ نہین کیا، ہندوستان ہمیشہ فاتحین ساکنان شمالی ہند کا لگدکوب رہتا آیا، ضحاک تازی جو بہت قدیم بادشاہ ایران کا اور نہایت ظالم مشہور ہے اُس نے ہندوستان کو فوج روانہ کرتے وقت جو الفاظ کہے اُن کو اُستاد

[1] اس مضمون کی چند سطرین اخبار عام لاہور ماہ اکتوبر ۱۸۹۶ء مین چھپی تھین، مین نے اسی سے لکھ کر رکھ لیا تھا۔

اسدی طوسی نے یون نظم کیا ہے،

وصیت چنین کرد گرشاسب را — که در ہند پور دکن شسپ را

نداری ز خون سپاہان دریغ — ہمی کار فرما درخشندہ تیغ

بجستی دہ انجام کار سترگ — برایشان چنان زن کہ بر گلہ گرگ

نمانی دران بوم سالے تمام — کہ لشکر گران گیرد از ننگ و نام

گرت بگزرد چار موسم دران — ز فرہنگ و مردی نیابی نشان

اصل حال یہ ہی کہ ایران مین جو بادشاہ صاحب داعیہ ہوئے وہ ہندوستان پر چڑھائی کرتے رہے، سکندر رومی جس کا نام ہندوستان کے بچہ بچہ کے زبان پر ہے یہ تو بہت اخیر زمانہ مین ہوا ہی، اس سے پہلے اکثر اولوالعزم بادشاہ حملہ کرتے رہے ہین پھر جب اسلام کا زمانہ آیا شمالی ہند کی قومین مسلمان ہوگئین تو ان مین جو بادشاہ صاحب قوت ہوئے وہ ہندوستان پر حملہ کرتے رہے، یہ فعل اُن کا کچھ اُن کی فطری جوانمردی اور زیادہ اپنے پیشیرو سلاطین کی تقلید مین تھا، جو اُن کے آبا و اجداد مین بھی تھی، چونکہ اکثر ان مین ترک تھے، اسلئے آج تک مسلمانون کو ترک کہا جاتا ہے، اگر کوئی نائی یا تیلی ذات کا ہندو مسلمان ہوتا ہے تو اُسکو دیہاتی ہندو اپنی زبان مین ترک نائی ترک تیلی کہتے ہین، اس کی وجہ یہی ہے کہ اکثر حملہ آور ترک ہی تھے، غرض یہی نہ تھا کہ حملہ آور قومین کچھ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہندوستان پر حملہ نہین کرتی تھین، بلکہ اُن کا آبائی اور قومی طریقہ تھا، اگر مسلمان نہین ہوتین تب بھی حملہ کیا کرتین، اس لئے یہ خیال کہ شمالی ہند کے لوگ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہندوستان پر چڑھائی کرتے رہے غلط ہے،

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ اسی وقت سے ہندوستان کے ساتھ تعلقات قائم ہوئے جن لوگون نے کم از کم سبعہ معلقہ بھی پڑھ لیا ہے اور اس مین امرؤالقیس کا یہ مصرع نسیم الصبا جاءت بریّا القرنفل

یا طرفہ کا یہ شعر

وظلم ذوی القربی اشد مضاضۃ

علی المرء من وقع الحسام المھند

یاد رکھا ہے وہ اس بات کو یاد کرین گے کہ اسلام کے بہت پہلے ایام جاہلیت مین عرب اور ہندوستان کے درمیان سلسلۂ تجارت قائم تھا اور بہت فروغ پر تھا، کعب بن زہیر نے جو مشہور قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین کہا تھا اس مین یہ مصرع بھی تھا مھند من سیوف الھند مسلول ہندوستان کی خوشبو چیزون گرم مسالون اور لوہے اور تلوار کی تعریف شعرائے جاہلیت کے کلام مین بہت ہی، اس سے صاف ظاہر ہی کہ ان چیزون کی تجارت اہل عرب ہمیشہ سے کرتے تھے، اور ان کے تعلقات اہل ہند سے زمانہ دراز سے چلے آتے تھے، جناب علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے نہایت شرح وبسط سے اسکو بیان کیا ہے اسکو پڑھ کر جناب مصنف کی محنت و دماغ سوزی اور جگر کاوی کی جوان کو اپنے استاذ علامہ شبلی مرحوم سے وراثتہً ملی ہے، بے اختیار داد دینی پڑتی ہے،

یہ کتاب پانچ بابون پر مرتب ہوئی، اور چار سو صفحون سے زائد پر ختم ہوئی ہے کل مضامین کی فہرست ۱۶ صفحون پر مرقوم ہے، مین مختصر طور پر ہر باب کے چند مضامین کے عنوانات ناظرین کے ملاحظہ کے لئے لکھتا ہون جس سے جناب مصنف کی مہارت، وسعت نظر، تبحر اس موضوع کے متعلق ظاہر ہوتا ہے، مین پہلے باب کے عنوات کو ذرا تفصیل سے لکھتا ہون:۔

پہلے باب کا عنوان "تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح" ہے، یہ باب ۳۴ صفحون پر ختم ہوا ہے، اس کے تحت مین چھوٹے چھوٹے عنوان حسب ذیل ہین،

تعلقات کا آغاز، ہندوستان مسلمانون کا پدری وطن، ہندوستان کا بہشتی دریا، نور محمدی کا ظہور ہندوستان مین، عرب کا ہندوستان سے قدیم تعلق، عرب اور جنوبی ہندوستان، درۂ خیبر سے

مسلمانون کی آمد کا زمانہ، عرب تاجر اور ہندوستان، عربون کے بحری ہندوستانی رستے، فینیشین، عرب سے تعلقے

فنیشین اور ہندی خط، ہندی اعداد کی تحریر، مہابھارت مین عربی، عرب اور ہندوستان کا سیاسی

تعلق، جاٹ صحابہ کے زمانہ مین، لفظ ہند، ہندوستان پر عربون کے حملے، حملے کے اسباب، ٹھاکر سدنی تاریخ

مین، سندھ پر عربون کا تسلط، سندھیون کی شکست کا راز، سندھ مین بودھون اور برہمنون کی

خانہ جنگی، سندھ مین بودھ آباد تھے، ہندوستان کے عرب سیاح اور جغرافیہ نویس، ابن خرداذبہ

اور ہندوستان، ابن خرداذبہ اور ہندوستانی شہر، ابن خرداذبہ اور ہند، شہر، سلیمان تاجر، سلیمان تاجر اور

بحر ہند، ہندوستان کے چار راجہ، راجہ ولبھ رائے، طافن کا راجہ، [illegible] کا راجہ، ہندوستانی رسوم، ابوزید

سیرافی، بحر ہند و چین، اور بحر روم کا اتصال، ہندوستان کے مذاہب، راجہ کے فدائی، بھکشو، دیوداسی

تاریلون والا ملک، راجاؤن کے زیور، کھانے مین چھوت چھات، رانیان پردہ نہین کرتین، ابودلف

مسعر بن مہلہل، اس کی کتاب حلیہ، اور ملتان کا ذکر، بزرگ ابن شہریار، ملاحت، اس کے بحری سفر، ہندوستان

کے بحری ڈاکو، اس کے بعض ہندی الفاظ، مسعودی، ہندوستان مین اس کی آمد، مروج الذہب اس کی

تصنیف، ہندوستان کے پانچ دریا، قنوج، سندھ، تبت کا پہاڑ (ہمالیہ) ہندوستان کی بولیان، قندھار،

راجپوتون کا ملک، کھمبائت (کاٹھیاوار) ملتان مین اسلامی حکومت، اصطخری، سندھ کا نقشہ، ابن حوقل

ہندوستان کی پہلی حد بندی، بشاری مقدسی، اس کی کتاب، البیرونی، اس کی کتابین، ابن بطوطہ، دوسرے

مورخین اور جغرافیہ نویس، ایلیٹ کی تاریخ کی تکمیل،

دوسرے باب کا عنوان تجارتی تعلقات ہے۔ اس کے تحت تین چھوٹے چھوٹے عنوانات

ہین، ہر ایک عنوان مفید معلومات کا خزانہ ہے جو صفحہ ۵۹ سے صفحہ ۔۔ تک ہے ہم چند عنوان لکھ دیئے

جاتے ہین کہ ناظرین اس سے قیاس کرین۔

عربون کی قدیم تجارت، یورپ و ایشیا کی تجارتی تعلقات، یورپ و ایشیا کے درمیانی تاجر عرب

یورپ و ہندوستان کے تجارتی راستے سلطنت عرب ہوکر عرب مین جہازرانی کے بعض ہندی الفاظ، ہندوستانی پیداوار و بیوپار، قرآن پاک مین تین ہندی نام، ہندوستانی بندرگاہون کی برآمد درآمد وغیرہ وغیرہ قابل دید ہین،

پھر تیسرا باب علمی تعلقات پر مبنی ہے یہ صفحہ ۷۹ سے صفحہ ۱۸۵ تک ہے، اناسی عنوات ہین، ان مین اُن علما، کا کچھ حال ہے جنھون نے ہندوستان کے متعلق کچھ لکھا ہے، یا ہندوستان آئے ہین، جاحظ بصری، یعقوبی، ابن ندیم بغدادی، ابوریحان بیرونی وغیرہ وغیرہ علمار کا بیان ہے، پھر عباسی وزمانہ برامکہ اور ہندوستان اور برامکہ کے متعلق تحقیقات ہے، نجوم و ہیئت و ہندسہ وغیرہ کا بیان ہے اناسی عنوان ہین اگر سب لکھے جائین باعث ملال طبع ناظرین ہوگا،

چوتھا باب مذہبی تحقیقات پر ہے، یہ صفحہ ۱۸۵ سے ۲۵۰ صفحہ تک پنچانوے عنوانات پر مشتمل ہے چند عنوان لکھے جاتے ہین، عرب اور ترک و مغل فاتحون مین فرق، برہمنون کے حقوق و اعزاز، جزیہ اور اس کی مقدار، گجرات اور ملتان کے بتخانے، ہندو فرقون کا حال، جل بھگتی، اگنی ہوتری، رشی برہمن کا دھرم، مورتی پوجا عوام کا دھرم ہے، خواص ہندو موحد ہین، ہندوؤن کے عقائد، پیغمبر اسلام کا ایک ادب شناس راجہ، بوذاسلف کی اصل بودھ ہی، بودھ مورتی بغداد مین، سراندیپ مین حضرت آدمؑ کا قدم، اس کے متعلق ہندو بودھ اور مسلمانون کے عقیدے، سراندیپ مین اس کے ذریعہ اسلام کا تعارف، ایک ہزار برس پہلے قران کا ہندی ترجمہ، راجہ پر قران پاک کا اثر، گجراتی راجہ کا مسلمانون کے ساتھ انصاف، ایک باغی راجہ کا مسجد کو منہدم کرنا، مسلمانون کا پھر اسکو بنانا، منصور حلاج ہندوستان مین، ہندوؤن مین وحدت تنزیہی وغیرہ وغیرہ،

پانچوین باب کا عنوان، "ہندوستان مین مسلمان فتوحات سے پہلے" ہے، یہ باب صفحہ ۲۵۱ سے شروع ہوکر صفحہ ۴۰۲ پر ختم ہوا، پہلے ماخذ یعنی چچ نامہ تاریخ معصومی، تاریخ طاہری بیگ

لاڑنامہ تحفۃ الکرام وغیرہ کتابونکا حال لکھا ہے پھر قدیم ہند کی تاریخ اور یونانی فتوحات کی کھوج، ہند وراجہ اور افغان اسلام سے پہلے، افغانستان مین اسلام کا پہلا قدم، افغانستان مین اسلامی سلطنت کا قیام کارومنڈل مین ایک اسلامی ریاست، مسلمانون کا پہلا مرکز سرآندیب تھانہ (بمبئی) مین مسلمان راجہ کا اسلام، راجہ کا انصاف مسلمان تاجرون کے ساتھ، ایک نومسلم ہندو جہازران، جزائر ہند (مسلمان قاضی ہندو ریاستون مین) مسلمانون کے امتیازی حقوق، چیمور مین دس ہزار مسلمان وغیرہ وغیرہ یہ باب بہت وسیع اور قریب تین سو کے عنوانات ہین جن مین سے مشتے از خروارے چند عنوانات کے نمونے اوپر لکھے گئے۔ اگر ہر ایک باب کی ہر ایک سرخی عنوان کی لکھی جائے تو ۲۶ صفحے صرف عنوانات کے نذر ہو جائینگے ناظرین کی آگاہی کے لئے اسقدر بھی کافی ہین، فہرست عنوانات کے بعد گجرات اور سندھ کا دنیا مین سب سے پہلا نقشہ ہے جسکو ابن حوقل بغدادی نے ۳۳۱ہ ہجری مین طیار کیا تھا جو عیسوی ۹۴۳ء سے مطابق ہوتا ہے، یہ نقشہ بہت قدیم ہے، مگر اس نقشہ مین جو نام مقامات کے لکھے ہین۔ ان کا صحیح طور پر دریافت کرنا بہت دشوار ہے لیکن اس سے عربون کا عزم ملوکانہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین ایک قوم (عرب) کسقدر قوت ارادی اور عزم راسخ رکھتا تھا، بلاشبہہ یورپین قومین اسوقت جو جفاکشی جانبازی کا نمونہ دکھاتی ہین، اہل عرب اپنے اقبال کے زمانہ مین ان سے کم نہ تھے بلکہ اسوقت جو عام بے نظیر قوت و قدرت یورپین اقوام کو حاصل ہے، اور جو آلات و ادوات ان کے پاس ہین وہ اُن کے پاس نہین تھے۔ ابو مسلم خراسانی کا قول کیسا سچا ہے۔ اس سے کسی نے پوچھا اصلحہ اللہ الامیر من اشجع الناس اس نے جواب دیا کُلُّ قومٍ فی اقبال دولتھم جب عربون کا اقبال تھا تو وہ بھی اسی طرح اپنی لیاقت دکھاتے تھے، جس طرح آج کل یورپ کے لوگ بلکہ یورپ سے ایک جماعت قطب شمالی کی تحقیقات کو روانہ ہوتی ہے ہمالیہ کی چوٹی پر چڑھنے کو جاتی ہے، ہر طرح کا سامان ساتھ رہتا ہے۔ بخلاف اس کے عرب بغیر کسی سامان کے فرداً واحداً ایسی ایسی پرصعوبت راہیں طے کرتے تھے پھر نقشہ بھی تیار کرتے جاتے تھے،

جناب مصنف نے ان نامور علماء کے نام بھی لکھے ہیں، جو ہندوستان میں علم سیکھنے کو آئے تھے یہاں رہے علم یہاں کا سیکھا پھر اپنے وطن کو واپس گئے، لیکن ایک نامور عالم ابومعشر بلخی کا نام نہیں لکھا، یہ نامور عالم اور منجم ہندوستان میں مدت دراز رہ کر واپس گیا، قاضی ابن خلکان نے اس کے سفر ہندوستان کا کچھ ذکر اپنی تاریخ میں نہیں کیا ہے، مگر جناب امیر خسرو دہلوی نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں اور علامی ابوالفضل نے آئین اکبری میں ابومعشر کے ہندوستان آنے کا ذکر کیا ہے، حضرت امیر خسرو کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں[1]؛

نیست نہان آن کہ سوی ہند مگر　　　کرد ابومعشر دانندہ گزر،

آمد و دہ سال در آموخت سخن　　　در حد بانارسی آن شہر کہن،

پس فن تنجیم در آموخت چنان　　　کز حکما برد درین شیوہ عنان،

ہست یقین آن کہ درین علم کسے　　　نیست چو او تجربہ کردم بسے

او رقم خود کہ نمود ست ہمہ،　　　آن ز سیاہی ہنو دست ہمہ

حضرت امیر خسرو کی تحقیق کے مطابق علم تنجیم اس نامور منجم نے ہندوؤں سے سیکھا تھا، دس برس ہندوستان میں رہا، قاضی ابن خلکان نے ایک حکایت اس کی لکھی ہے جس سے اسکا فوق الحد کمال معلوم ہوتا ہے، جس کی مثال ملنی مشکل ہے، ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہ حکایت قاضی ابن خلکان کی زبان سے لکھی جاتی ہے؛

"وہ (ابومعشر) کسی بادشاہ کے دربار میں ملازم تھا۔ اس بادشاہ نے ایک شخص کو جو اس کے نوکروں اور اکابر دولت میں سے تھا پکڑنا چاہا کہ اس کے جرم پر اس کی سزا کیجائے، وہ شخص پوشیدہ ہوگیا، وہ جانتا تھا کہ ابومعشر اپنے اعمال نجومی کے زور سے بادشاہ کو اسکا پتا بتا دیگا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ایسی تدبیر

[1] رسالہ الندوہ ماہ نومبر ۱۹۰۵ء میں علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے نہ سپہر سے اشعار نقل کئے ہیں، ہم نے اسی سے بقدر ضرورت چند شعر لیکر نقل کئے۔

گردن کہ ابومعشر تیا نہ چلا سکے، اس نے ایک طشت لیا اوس مین خون بھرا اور خون کے اندر ایک ہاون سونے کا رکھا اور اس ہاون پر کچھ دنون بیٹھا رہا، بادشاہ نے اس کے پکڑنے کی کوشش بہت کی جب اس کے پکڑنے سے عاجز ہوا، تو ابومعشر کو بلا کر کہا کہ اس کی جگہ بتاؤ، ابومعشر نے اعمال کئے تو دیر تک خاموش متحیر رہا بادشاہ نے خاموشی اور حیرت کا سبب پوچھا تو کہا مین عجیب چیز دیکھتا ہون بادشاہ نے پوچھا وہ کیا تو عرض کیا کہ مین شخص مطلوب کو سونے کے پہاڑ پر اور پہاڑ کو خون کے دریا مین دیکھتا ہون، مین نہین جانتا کہ دنیا کے کسی شہر مین کوئی ایسی جگہ ہو، بادشاہ نے پھر عمل کرنے کو کہا تو دوبارہ عمل کرنے پر بھی یہی بیان کیا اور کہا کہ مجکو ایسا اتفاق کبھی نہین ہوا، جب بادشاہ مایوس ہوا تو اس شخص مجرم کے لئے اوس نے اسکو چھپایا ہوا اس کے لئے امان کی منادی کرائی اور اطمینان دلایا تو وہ حاضر ہوا، بادشاہ کے پوچھنے پر سب حال بیان کیا، بادشاہ کو اس کے حیلہ اور ابومعشر کے کمال نے متعجب کر دیا، اس کے علاوہ ابومعشر کے بہت سے احکام نجومی ہین جو مطابق واقعات کے ثابت ہوئے، اوس کی وفات دوسو بہتر سنہ ہجری مین واقع ہوئی،

(وفیات الاعیان لابن خلکان مطبوعہ مصر ص ۱۱۲)

منجملہ تحقیقات انیقہ کے جناب مصنف نے خاندان برامکہ کا تعلق ہندوستان سے ثابت کیا ہے اس مضمون پر جملہ مورخین کے اقوال لکھکر پھر اپنی رائے محققانہ ظاہر کی ہے اگرچہ علامہ موصوف کے سوا کسی مورخ نے برامکہ کو مجوسی کے سوا بودھ یا اور کسی قوم کا (سوائے ایک مورخ کے جس نے برامکہ کو عربی النسل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے) نہین لکھا ہے، یہان تک کہ قاضی ابن خلکان نے بھی (جو برامکہ کے خاندان کے منسوب ہین) برامکہ کو مجوسی اور نوبہار کو آتش کدہ لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے شہرت عام کی بنا پر مشہور تھا وہی لکھ دیا، اب اتنی مدت دراز کے بعد یہ ثابت ہوا کہ برامکہ ہندوستانی بودھ مذہب کے تھے، مولانا مضمون پر اس کے متعلق خامہ فرسائی کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ نوبہار آتش کدہ نہین تھا بودھ کی خا یا معبد تھا، اس مین شک نہین کہ برامکہ کا ہندوستان سے قوی تعلق کا ثبوت اور کتابون سے بھی ظاہر

براامکہ کو ہندوستان سے گہری دلچسپی تھی، ان مین کا ایک حسین بن برمک بنوامیہ کے وقت مین اُن کے خوف کے بھاگا تو ہندوستان پہنچا یہان پہنچ کر اُس نے تاجرون کو عود مندلی کی تجارت کی ترغیب دی پھر جب بنی عباس کا زمانہ آیا تو وہ پھر اُن کے پاس پہنچا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کو وہ اپنا مامن وملجا سمجھتا تھا ورنہ اتنی دور بھاگ کر نہین آتا۔ اگر ہندوستان سے اسکو تعلق نہ ہوتا تو وہ ایران بھاگ جاتا، ایران باعتبار ہندوستان کے نزدیک تھا وہان پہنچنا آسان تھا چونکہ ایران کے کسی نہ کسی حصہ مین بغاوت پھوٹتی رہتی تھی وہان ایک مجرم یا باغی کی گزر آسانی سے ہو سکتی تھی، مگر اسکو چھوڑ کر ہندوستان آنا صاف دلیل اس بات کی ہے کہ ہندوستان کو وہ زیادہ محفوظ اپنے لیے سمجھتا تھا۔ صاحب صبح الاعشیٰ کی عبارت جو حسین بن برمک کے بھاگنے اور پھر واپس جانے کے متعلق لکھا ہے یہ ہے، دخل الحسین بن برمك الى بلاد الهند هاربًا من بنی امیہ ورای العود المندلی فاستجاده ورغب التجار فی حمله فلما غلب بنو العباس علی بنی امیه وحضر بنو برمك الیهم وقربوهم دخل الحسین ابن برمك یومًا علی المنصور الخ (جلد ۲ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۰) اسی طرح تاریخ ابن خلکان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض برامکہ کی حکومت سندھ مین تیسری صدی ہجری تک تھی (تاریخ ابن خلکان تذکرہ جاحظ بصری مطبوعہ مصر) خاندان برامکہ کی تباہی وبربادی جیسی ہوئی ظاہر ہے اوس کے بعد جو بچ رہے تھے، ان کا تعلق ہندوستان سے رہنا اور اتنے دور دراز ملک سے آمد ورفت رکھنا صریح ثبوت برامکہ کے ہندوستانی ہونیکا سمجھنا چاہیئے۔

مولانا نے ایک لفظ ہندسہ کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ فارسی لفظ "اندازہ" کا معرب ہے جس کا عربی مین مصدری استعمال ہندزہ اور ہندسہ ہے" اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "یہ اصل مین انجینیرنگ کے معنی مین ہے بعد کو متاخرین کی غلطی سے فارسی اور اردو مین ہندسہ بولنے لگے، اور اس سے رقم مراد لینے لگے، ورنہ صحیح لفظ ہندسہ (زیر کے ساتھ) نہین بلکہ ہندسہ (زبر کے ساتھ) ہے، اس لئے عربی مین مہندس انجینیر کو کہتے ہین حساب اور رقم جاننے کو نہین" مجکو اس سے اختلاف ہے، مولانا نے مفاتیح العلوم محمد خوارزمی صفحہ ۲۰۲ کی سند دی ہے مین کہتا ہون

کہ ہندسہ کا مفرس اندازہ کیون نہ قرار دیا جائے، یہی بات یہ ہے کہ دو زبان کے لفظون مین جو کم یا زیادہ اتحاد پایا جائے تو یہ نہین کہہ سکتے کہ پہلے سے پچھلا کون ہے، علی الخصوص وہ ذی علم لوگ جو دونون زبانون مین سے کسی ایک زبان سے ناواقف ہون، ہان ایسے حال مین حکم قطعی لگایا جاسکتا ہے جب یہ تحقیق ہوجائے کہ دونون زبانون مین کون زبان پہلے بنی اور تمدنی علم کس قوم مین پہلے آیا، لیکن فن تعمیر کے عالم کو ہندس کہنا سو اسکا یہ سبب ہوسکتا ہے کہ فن تعمیر مین حساب کا جاننا ضروری ہے بغیر ناپ جوکھ کے تعمیر کا کام چل نہین سکتا، اس لئے فن تعمیر کے جاننے والے کو ہندس کہتے ہون تو عجب نہین، حضرت امیر خسرو دہلوی جن کا علوم عربیہ و فارسیہ کے سوا سنسکرت کا ماہر ہونا بھی مسلّم ہے، وہ مثنوی نہ سپہر مین فرماتے ہین،

حجت چارم رقم ہندسہ ہین،	کابل بہان وضع نہ دیر چنین،
ہم بیکے صفر کہ نقشے ست تہی،	بین چہ رموزیست چو خطیش دہی
واضع این تختہ آسانام یکے	بود برہمن کہ درین نیست شکے
ہندآسا شد چو ازو نام عدد	ہندسہ تخفیف شد از اہل خرد
وضع وے از برہمن نادرہ بین	حکمت یونان شد محتاج برین

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آسا نام برہمن موجد ہے، وہ ہند کا رہنے والا تھا، ہند آسا سے ہندسہ ہوگیا ہے، بہرحال خوارزمی کی تحقیقات سے امیر خسرو کی تحقیقات اس بارے مین زیادہ مستند سمجھنا چاہیے،

اب یہ تبصرہ طویل الذیل ہوگیا، اسکو ختم کرتا ہون اور ناظرین کی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ اس زمانہ مین بعض برادرانِ وطن یہ کہتے ہین کہ مسلمانون کو ہندوستان سے کچھ دلچسپی نہین ہے، وہ عرب و عراق کا خواب دیکھا کرتے ہین، اسی طرح وہ اہل علم جنکا علم نصاب کی کتابون تک محدود ہے، و بعض وقت ایسی بات کہدیتے ہین کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کو اس عظمت و محبت

نظر سے نہین دیکھتے، جس کا وہ مستحق ہے، اس سے برادران وطن کو کہنے کا موقع مل جاتا ہے، ایسے لوگون کو چاہئے اس کتاب کو غور سے پڑھین اور یقین کرین کہ عرب ہندوستان کو اپنا پدری ملک سمجھتے آئے ہین ہمیشہ اس سے محبت کرتے تھے اور عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور کیونکر نہ دیکھتے جب کہ یہ ثابت ہی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور یہین کی خاک پاک پر ظاہر ہوا ان کے فرزند گرامی حضرت شیث علیہ السلام کا ہندوستان مین رہنا ثابت ہے، جیسا کہ سبحۃ المرجان مین مرقوم ہے، مزار اُن کا اجودھیا مین (جو صوبہ اودھ مین ہی) ہونا مشہور ہے بعض کتابون مین لکھا ہے کہ ایسی حالت مین ہر مسلمان کو ہندوستان سے محبت ہی اور ہونا چاہیئے

والسلام علی من اتبع الھدیٰ، فقط

معارف، ہمارے مکرم جناب مولوی اعجاز حسن خان صاحب جو صوبہ بہار کے صاحب علم، صاحب قلم، صاحب ذوق سلیم، اور پچھلے شیوخ علم و دانش، اور اساتذہ شعر و سخن کے صحبت یافتہ اور حضرت الاستاذ مرحوم کے مخصوص احباب مین ہین، موصوف نے "عرب و ہند" کی نسبت جس حسن ظن کا اظہار فرمایا ہے اوسکا شکریہ، یہ مضمون پچھلے ہفتہ آچکا تھا۔ مگر چونکہ مخدومنا نواب صدر یار جنگ مولانا شروانی کا تبصرہ زیر اشاعت تھا، اسلئے اسکو متاخر کرنا پڑا، ممدوح نے جن امور سے کسیقدر اختلاف کیا ہے، ان کے متعلق چند الفاظ کہنے ہین،

۱۔ ابو معشر بلخی کے ہندوستان آکر علم نجوم حاصل کرنے کی متاخر ہندی روایت میرے سامنے بھی تھی۔ مگر قدیم کتب تاریخ واخبار مین جہان جہان ابو معشر کا تذکرہ ہے، مین نے بہت ڈھونڈا اس کی تائید ہاتھ نہ آئی اس لئے قصداً نظر انداز کرنا پڑا،

۲۔ لفظ ہندسہ کے متعلق حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا بیان تمام اہل لغت کے خلاف ہے،

"میری داستان حیات"

مترجمہ جناب خادم محی الدین صاحب، بی اے، بی ٹی، ایم اے ڈی (لیڈز) انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج لائل پور، شائع کردہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور، حجم ۷۸ ۲ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی، کاغذ عمدہ، قیمت بلا جلد عہ، اور مجلد عہ

امریکہ کا ایک مصنف مارک ٹوین کہتا ہے "انیسوین صدی کی سب سے دلچسپ ہستیان دو ہین، ایک نپولین اور دوسری ہیلن کیلر" حقیقت یہ ہے کہ ہیلن کیلر صرف اسلئے دنیا مین آئی کہ ارباب بصیرت اس کی زندہ مثال سے تقدیر و تدبیر کے لاینحل مسئلہ کی عقدہ کشائی کر سکین، وہ امریکہ مین پیدا ہوئی۔ ابھی پانچ برس کی بھی نہین تھی کہ تپ دماغی مین مبتلا ہوئی اور قدرت نے اسے تین اہم قواے زندگی سے جنھین مدار حیات کہا جاسکتا ہے، محروم کر دیا، یعنی جب وہ بستر علالت سے اٹھی تو قوت بصارت سماعت اور قوت گویائی سلب ہو چکی تھی، تقدیر کے اس فیصلہ کے بعد ناخن تدبیر مین حرکت ہوئی اور قوت لامسہ کی مدد سے اسکا تعلیمی سلسلہ شروع ہو گیا، پھر تقدیر نے اس حسن تدبیر کا اعتراف کیا، اور حصول تعلیم کی مساعی مین توفیق عطا کی، اور اپنی فیاضی سے سلب کی ہوئی قوت گویائی واپس کر دی، پھر ہیلن کیلر نے تقدیر و تدبیر دونون کی ان توفیقون سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اندھی اور بہری ہونے کے باوجود اپنی مافوق الفطرۃ استعداد سے کام لیکر محض قوت لامسہ اور قوت گویائی کی مدد سے بالآخر کیمبرج یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیمی سند عام سالانہ امتحان میں شریک ہو کر حاصل کی۔ اور پھر اپنے کمال علمی سے دنیا کے ممتاز افاضل مین داخل ہوئی، اور خصوصًا تصنیفی زندگی نمایاں طور پر اختیار کی، چنانچہ زیر تبصرہ کتاب "میری داستان حیات" اسی کے **خود نوشت سوانح حیات** کے عبرت آموز مجموعہ کا اردو ترجمہ ہے، مسرت ہے کہ اردو مین یہ ایک لائق مترجم کے ہاتھون منتقل ہوئی ہے، اسلئے ترجمہ کے باوجود مصنفہ کی اصل تصنیف پڑھنے کا گویا لطف آتا ہے،

ہیلن اگرچہ نابینا ہے لیکن دل دانا و بینا رکھتی ہے، اس کے جذبات و احساسات ہم ظاہر بین نگاہون سے زیادہ تیز ہین، وہ فطرت و قدرت کی ایسی صحیح تصویر کھینچتی ہے جو ایک قلب حساس ہی کے مشاہدہ مین آسکتے ہین، اور اسی لئے ہیلن کو اپنے نابینا ہونے کا بھی غم نہین لیکن پھر بھی وہ اپنی محرومی قسمت سے سوز و گداز اور حسرت و یاس کی ایسی پیکر مجسم بن گئی ہے، کہ یہ اس کے خود نوشت سوانح حیات عبرت انگیزی و سبق آموزی کی بہترین مثال ہین اور پھر یون تو پوری کتاب اپنے پہلے باب

آخری یعنی تیئیسوین باب تک حیرت واستعجاب کا ایک نادر نمونہ ہے،

کتاب کی ابتدا مین ۶۰ صفحون کا ایک مقدمہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور کے قلم سے ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ غیر ضروری طور پر طویل ہو گیا ہے، ۲۳ صفحون تک تو خیر کہا جا سکتا ہے کہ کسی نہ کسی تعلق سے مصنفہ کے سوانح حیات پر ایک مفید تبصرہ ہے لیکن اس کے بعد امریکہ کے تعلیمی رپورٹ کے غیر متعلق اعداد وشمار اور پھر انکا موازنہ ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کے تعلیمی اعداد وشمار سے کرنا اپنی جگہ خواہ جسقدر بھی سود مند ثابت ہو، لیکن اس کتاب کے مقدمہ سے اس کو کوئی مناسبت نہین، اگر اعداد وشمار ہی فراہم کرنے تھے، تو یورپ اور امریکہ مین اندھون، اور بہرون وغیرہ کے تعلیمی نظام ان کے علمی وتعلیمی مساعی، ان کے طریقۂ تعلیم، تعلیم کے بعد کی زندگی، اور ان کے سامان تفریح اخبار ورسائل وغیرہ کا ذکر کرنا تھا، اور پھر اس سلسلہ مین ہندوستان مین ابتک جو کچھ ہوا، یا جو جو ضرورتین ہین، ان کی طرف اشارہ کیا جا سکتا تھا کہ ان مباحث کو اصل کتاب سے یک گونہ مناسبت ہوتی،

کتاب مین جا بجا ہیلن کیلر کے مختلف دور حیات کی مختلف تصویرین بھی منسلک ہین ہمین امید ہے کہ یہ کتاب اردو دان طبقہ مین قبولیت کی نظر سے دیکھی جائیگی، "ر"

اسلامی قانون فوجداری

اس کتاب مین تعزیرات وجرائم کے متعلق اسلامی قانون فوجداری کی تمام دفعات کو آجکل کے قانونی تعزیرات کی شکل مین فقہ کی مستند کتابون کے حوالہ سے جمع کیا گیا ہے، ایک کالم مین اصل عربی عبارات اور دوسرے مین اسکا اردو ترجمہ ہے، اسلامی قانون کے شائقین کے لئے عموماً اور قانون پیشہ اصحاب کے لئے خصوصاً، اس کتاب کی ضرورت ہے، حیدرآباد دکن اور دوسری اسلامی ریاستون کے وکلاء کے لئے یہ نہایت مفید کتاب ہوگی،

ضخامت ۳۷۰ صفحے:- قیمت للعہ

منیجر

مطبوعاتِ جدید

طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکوٰۃ، از جناب مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب مرحوم،

شائع کردہ مولوی حافظ سید محمد ولی حیدر صاحب گھر کتبخانہ حیدری آرہ شاہ آباد دہ بہار جلد نمبر ۲ اول ۱۳۴ص،

دوم ۱۴۰ص، سوم ۱۸۰ص، چہارم ۲۴۰ص، لکھائی چھپائی اچھی قیمت بہ ترتیب ۸، ۸، ۱۰، ۹ر اور ۱۰ر

مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی مرحوم ہندوستان کے پچھلے دور کے ممتاز علما مین تھے، اردو کی یہ خوش نصیبی ہے کہ مولانا مرحوم نے عام علماے ہند کی روش کے خلاف تصنیف و تالیف کی زبان اردو اور صاف ستھری اردو رکھی چنانچہ اسی سلسلہ مین زیر تبصرہ کتاب طریق النجاۃ بھی ہے، جو حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ کا صاف سادہ اور سلیس ترجمہ ہے، یہ اگرچہ مشکوٰۃ کا ترجمہ ہے لیکن مولانا نے اپنے ذوق سے جن حدیثون کو مجمل سمجھا، یا جو حدیثین بار بار آئین ان مین دیگر کتب صحاح سے مدد لیکر جابجا تعلیقات مین اون کی تشریح و توضیح بھی فرمائی ہے اس لحاظ سے عام فہم سلیس اردو مین ترتیب فقہی کو ملحوظ رکھتے ہوے یہ غالباً احادیث کا سب سے بہتر مجموعہ ہے، کتاب نہایت صاف اور خوشخط چھپی ہے، لیکن افسوس ہے کہ کہین کہین کتابت کی فاحش غلطیان ہین، مثلاً جلد ۳ صفحہ ۴ مین خرچی کے بجاے حربی چھپ گیا ہے،

گلشن گفتار، مصنفہ خواجہ خان حمید اورنگ آبادی، مرتبہ جناب سید محمد صاحب ایم اے شائع کردہ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن تقطیع چھوٹی حجم ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت ۱۲

اردو شاعری کی تاریخ مین یہ عجب اتفاق ہے کہ اردو شعرا کے تذکرے بالعموم بارھوین صدی کے اواخر مین اُس عہد کی تصنیفی زبان فارسی مین قلمبند ہوئے، اور ملک کے مختلف حصون مین مختلف اہل قلم

بیک وقت قلم اٹھایا، ابھی حال مین ایک جدید تذکرہ گلشن گفتار خواجہ خان حمید کا شائع ہوا ہے، اتفاق سے اسکا سنہ تصنیف بھی وہی ۱۱۶۵ھ ہے جو میر تقی میر کی نکات الشعرا کی تصنیف کا سال خیال کیا جاتا ہے، تذکرہ گلشن گفتار کا صرف ایک نسخہ مولوی علی رضا صاحب ماہر شیرازی لکچرار فارسی سٹی کالج حیدر آباد کا مملوکہ تھا، اسی کی نقل جناب سید محمد صاحب نے تعلیق و تحشیہ کے ساتھ شائع کی ہے، مرتب کی تحقیق کے مطابق خواجہ خان حمید، اورنگ آبادی ہے، اور اسی لئے گو یہ نہایت مختصر تذکرہ ہے، لیکن دکھنی کے چند ایسے شعرا اس مین ملتے ہین، جن کے ذکر سے دوسرے تذکرے خالی ہین، علاوہ ازین قدیم شعراے اردو کے ایسے مزید حالات بھی ملتے ہین، جو دوسرے تذکرون مین نہین ملتے، مرتب نے زیادہ سہولت کے لئے گلشن گفتار کے شعرا کے حالات اردو کے دوسرے مطبوعہ و قلمی تذکرون سے اقتباس کرکے یکجا کر دئے ہین،

دکن کے نوجوان اہل قلم لائق صد شکریہ ہین کہ وہ اردو زبان کی قابل قدر خدمت انجام دے رہے ہین لیکن ہمین معاف کیا جائے اگر عرض کرین کہ اسی کے ساتھ ایک خاص پہلو بھی نمایان ہوتا جاتا ہے، اور دکھنی و غیر دکھنی کا سوال تحریرون مین جھلکنے لگا ہے، چنانچہ دکن کی عام مطبوعات کی طرح اس تذکرہ کا مقدمہ بھی اس سے خالی نہین، یہ مسلم کہ اردو دکن مین پیدا ہوئی، اور اردو شاعری کا ابوالآبا، وَلی دکھنی تھا، لیکن یہی امور اگر اسی رنگ مین برابر پیش ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ آیندہ "دلّی لکھنو" کی جگہ "دکن اور شمالی ہند" نہ لیلے، غریب اردو نے لکھنو و دلّی کے جھگڑون مین کیا کم مصیبت اٹھائی ہے، کہ اب اس کے لئے ایک نئے فتنہ کا سامان پیدا کیا جائے۔

دنیا کے بہترین افسانے:- مترجمہ جناب منصور احمد صاحب جوائنٹ اڈیٹر رسالہ ہمایون لاہور، شائع کردہ اسلامک لٹریچر کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۱۳ لاہور، حجم ۲۰۷ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ قیمت مجلد ۱۲؍ غیر مجلد عا؍

پنجاب کے مختصر افسانہ نویسون مین سے جناب منصور احمد صاحب جوائنٹ اڈیٹر ہمایون نے اپنے ذوق سے

"دنیا کے بہترین افسانے یکجا کرنا چاہا، چنانچہ ۳۲۰ صفحون کے اس مجموعہ مین دنیا کے شاہکار افسانے یکجا کرلئے ہین، یہانتک کہ یوگوسلافا کیہ اور یوگوسلافیہ کے افسانے بھی اپنے جغرافی تقسیم کے لحاظ سے موجود ہین، اگر کمی ہے تو اسلامی مملکت ترکی اور ہمسایہ ملک افغانستان کے افسانون کی، مترجم نے عام روش کے برخلاف کوئی مقدمہ یا دیباچہ کتاب کے ساتھ منسلک نہین کیا کہ معلوم ہوتا کہ یہ کسی ایک صاحب قلم کے جمع کئے ہوئے افسانون کا مسلسل ترجمہ ہے یا مترجم نے ان افسانون کا انتخاب بھی خود ہی کیا ہے، اگر یہ انتخاب ذاتی ہے تو بلا شبہہ کہا جا سکتا ہے کہ انکے انتخاب نے خوب خوب دامن بھرا ہے" کہ افسانے سلامت ذوق کے بہترین نمونہ کہے جا سکتے ہین جن مین "مختصر افسانہ" کا پورا پورا لطف آتا ہے، زبان مین سلاست، روانی اور شستگی ہے، افسانونکی مجموعی تعداد ۳۳ ہے، اور بلا استثناء سب کے سب پڑھنے کے لائق ہین،

ادبستان مرتبہ جناب اختر شیرانی اڈیٹر رسالہ خیالستان، حجم ۲۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ۔ قیمت عمار اور مع خوبصورت سنہری جلد عالہ، پتہ: جناب محمد نصیر صاحب ہمایون ہاں قومی کتبخانہ ریلوے روڈ لاہور،

یہ جناب خلیقی دہلوی کے مضامین کا مجموعہ ہے، جسکو جناب اختر شیرانی نے ایک مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ مرتب کیا ہے، جناب خلیقی دہلوی مذاق کے [illegible] اس [illegible] ادیبون مین ہین [illegible] ان کے مضامین کو اردو زبان کے ادب لطیف، کا ایک عمدہ نمونہ کہا جا سکتا ہے، جو لوگ اس طرز انشاء کا ذوق رکھتے ہین، وہ ان مضامین مین دیکھین گے کہ چند چھوٹے چھوٹے فقرے اور سبک جملون مین کیسے نازک و لطیف اشارات پائے جاتے ہین اس مجموعہ کی ابتدا مین جناب مرتب اختر شیرانی کا ایک طویل مقدمہ یا تبصرہ ۳۶ صفحون مین ہے، پھر خلیقی صاحب کے مضامین ہین جن کی مجموعی تعداد ۲۹ ہے، کتاب مین جابجا مضامین کی مناسبت سے تصویرین بھی ہین،

"ر"

سیر الصحابہ رضہ

مسلمانون کو از سرِ نو اپنی زندگی کے انقلاب اور پھر ترقی و عروج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُس طرزِ زندگی اور مقصد حیات سے واقف ہون، جو اُن کے سب سے مقدس اور پاک عہد مین نمایان تھا، نہ صرف مذہبی، روحانی، اور اخلاقی حیثیت سے بلکہ دنیاوی فیوض و کمالات اور دولت و ثروت اور فتوحات کے لحاظ سے بھی وہ دور مسلمانون کے تمام عہد مین ممتاز ہے، اس سے معلوم ہوجاتا ہو کہ دین اور دنیا دونون کو ساتھ لیکر مسلمان کیونکر ترقی کرسکتے ہین،

اسی غرض سے دار المصنفین کے رفقا نے پندرہ برس کے مسلسل مطالعہ محنت، تلاش اور تحقیق سے اس عہد کے حالات اور سوانح کو متعدد جلدون مین قلم بند کرکے مسلمانون کی نگاہون کے سامنے اُس عہد کی زندگی کی پوری تصویر کھینچ دی ہی، جس کو رسول اللہ صلعم نے دنیا مین پیش کیا تھا، اور اس طرح یہ مبارک سلسلہ سیر الصحابہ وہ آئینہ ہی جسمین اس عہد کا مقدس چہرہ تیرہ سو برس کے بعد بھی بعینہٖ مسلمانون کو نظر آسکتا ہے،

اب تک اس کے حسب ذیل حصے شایع ہو کر نظر افروز ہو چکے ہین،

۱- خلفاے راشدین، چارون خلفاے راشدین کے مذہبی سیاسی، علمی، اخلاقی حالات خصوصیات حکومت، فتوحات وغیرہ . . . ۔ عہ

۲- مہاجرین جلد اوّل، بڑے بڑے مہاجر صحابہ کے حالات و کمالات بہ ترتیب نام، . . . . للعہ

۳- ؍؍ جلد دوم، عام مہاجر صحابہ کے حالات و سوانح عہ ۴- انصار جلد اول، انصار کرام کے ایمان پرور حالات، عہ

۵- انصار جلد دوم، انصار کرام کے ایمان پرور حالات، عہ ۶- صحابیات، صحابی خواتین کے حالات بہ ترتیب نام، عہ

۷- اسوۂ صحابہ، جلد اوّل، صحابۂ کرام کے عقاید، عبادات، اخلاق، طرز معاشرت کی مقدس مجموعی تصویر، عہ

۸- اسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابۂ کرام کے سیاسی، حکومتی، مذہبی اور علمی خدمات کی تفصیل . . . . . للعہ

۹- اسوۂ صحابیات، صحابی خواتین کے مذہبی، علمی، اور اخلاقی خدمات و کمالات . . . . . عہ

لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، ایک تقطیع پر،

پورے سٹ کی قیمت ۲۸ روپیہ ہوتی ہے، لیکن پورے سٹ کے عام خریدار کو ۲۲ روپیہ مین ملیگی، اور تاجرون کے ساتھ ۲۵ فیصدی کی رعایت ہوگی،

" منیجر "